سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
دیوتا
حصہ

ایک دراز دست
شخص کی سرگزشت۔ ایک
طلسماتی اور سحرانگیز آدمی کے شب و روز
اس نے جسے چاہا فتح کرلیا اور رجب چاہا
کسی کو مات دے دی۔ خیال خوانی میں ایک
نیا جہانِ معنی متعارف کرانے والے شخص کی
جولانیِ طبع کی فسوں کاری۔ اس کی
شہرت چار دانگ پھیل
چکی ہے۔

فرہاد علی تیمور

لیلیٰ اور سلطانہ کے ہوش اڑ گئے۔ پہلے لیلیٰ نے علی کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ اس مقصد کے لئے جان کارلو کی آواز اور لہجے کو گرفت میں لیا تھا لیکن اس لہجے والا گم ہو چکا تھا۔

اس نے دو چار بار کوششیں کیں پھر خیال آیا' تنویمی عمل میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو گی۔ علی تیمور کی شخصیت تبدیل نہیں ہو پائی ہے' یہ سوچ کر اس نے علی کے لہجے کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کی پرواز کی۔ پھر بھی وہ نہ ملا۔ تب کلیجا دھک سے رہ گیا۔ پہلا خیال یہی آیا کہ وہ خدانخواستہ دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ اسی لئے مردہ دماغ سوچ کی لہروں کو قبول نہیں کر رہا ہے۔

وہ سلطانہ کے پاس آئی۔ اسے ساری روداد سنائی۔ سلطانہ نے بھی خیال خوانی کے تمام حربے استعمال کئے۔ لیکن علی نہ ملا۔ اس نے کہا۔ "لیلیٰ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہیں سونیا ثانی کے ساتھ بھی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی ہو۔"

دونوں بہنوں نے ثانی کے دماغ کی طرف پرواز کی۔ وہ مل گئی۔ خیریت سے تھی۔ ماضی کو بھول کر خود کو سلوانا جوزف سمجھ رہی تھی۔ سلطانہ نے اس پر عمل کرنے کے دوران کہا تھا کہ وہ شکاگو جائے گی' وہاں اسے مستقبل کا جیون ساتھی جان کارلو ملے گا۔ اس عمل کے مطابق وہ شکاگو پہنچ گئی تھی۔

لیکن اس شہر میں علی کہاں تھا؟ زندہ بھی تھا یا نہیں؟ آگے کچھ سوچ کر کلیجا منہ کو آرہا تھا۔ وہ دونوں ثانی کے دماغ سے آگئیں۔ اس کے پاس بعد میں جاسکتی تھیں۔ انہوں نے سونیا کے پاس آکر یہ باتیں بتائیں۔ اسے بھی تشویش ہوئی۔ اس نے کہا "ابھی علی کے بارے میں رسونتی سے کچھ نہ کہنا۔ وہ رو رو کر اپنا برا حال کرلے گی۔ تم دونوں کچھ اپنی عقل سے بھی کام کیا کرو۔"

"کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے مسز؟"

"صدمہ کتنا ہی بڑا ہو' بدحواس نہیں ہونا چاہئے۔ تم میں سے ایک کو کنگ فرنانڈو کے اس خاص ملازم کے پاس جانا چاہئے تھا جو شکاگو میں ایک پروجیکٹ کا انچارج تھا اور جہاں علی انجینئر کی حیثیت سے گیا تھا۔"

"واقعی ہم نے ادھر دھیان نہیں دیا۔ میں ابھی جاتی ہوں۔"

"اچھی طرح انکوائری کرو کہ علی پروجیکٹ میں کب سے کب تک ڈیوٹی اٹینڈ کرتا تھا' کن افراد سے اس کا رابطہ رہتا تھا اور آخری بار وہاں کب دیکھا گیا تھا۔"

لیلیٰ اس پروجیکٹ کے انچارج کے پاس گئی۔ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کے خیالات پڑھتے ہوئے پتا چلا' ایک حسین اور نوجوان لڑکی صبح ملنے آئی تھی۔ اس سے ملاقات کے بعد علی ڈیوٹی پر واپس نہیں آیا۔ سپروائزر نے شام کے وقت اسے کیبن سے باہر جاتے دیکھا۔ اس کے بعد ہی وہ دو دن سے لاپتا ہے اس حسین اور جوان لڑکی کا تعلق انٹیلی جنس والوں سے تھا اور اب وہ سرکاری سراغرساں بھی سختی سے یہ پوچھتے پھر رہے تھے

کہ وہ لڑکی کہاں ہے' جو جان کارلو سے ملنے آئی تھی۔ اس طرح یہ خیال قائم ہو رہا تھا کہ جان کارلو اس لڑکی کو ساتھ لے کر کہیں گیا ہے۔ لیلیٰ نے سپروائزر کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا تھا۔ شام کو جان کارلو کیبن سے نکل کر جاتے وقت سپروائزر سے یہ کہہ گیا تھا کہ وہ اپنی سلواتا سے ملنے جا رہا ہے۔

سلطانہ مختلف ذرائع استعمال کرتی ہوئی سرکاری سراغرسانوں کے پاس پہنچی۔ ان کے خیالات نے بتایا وہ جان لمبوڈا کے ماتحت ہیں۔ ان کے ساتھ جو لڑکی تھی' وہ ٹیلی پیتھی جانتی تھی اور اس کا نام رانما جان تھا۔

دونوں بہنیں کڑی سے کڑی ملاتی ہوئی سونیا کے پاس آئیں۔ وہ تمام باتیں سن کر بولی "اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ علی سلامت ہے۔ اسے رانما کہیں لے گئی ہے۔"

لیلیٰ نے کہا "یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ رانما نے علی کو اپنا نام سلواتا کیوں بتایا؟ اس لئے کہ وہ علی عرف جان کارلو کے خیالات پڑھ کر معلوم کر چکی تھی کہ کارلو کو کسی سلواتا کا انتظار ہے اور آئندہ اپنی زندگی میں آنے والی سلواتا کو وہ صورت سے نہیں پہچانتا ہے۔ اسی بات سے رانما نے فائدہ اٹھایا ہے۔"

سونیا نے کہا "اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس لڑکی نے علی پر عمل کر کے اس کے دماغ سے جان کارلو کی شخصیت اور لب و لہجہ بھلا دیا ہے' اس پر نئی شخصیت کی چھاپ لگائی ہے۔ اس کا لہجہ بدل چکا ہے اسی لئے وہ تمہاری سوچ کی لہروں کو نہیں مل رہا ہے۔"

سلطانہ نے کہا "میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ثانی اور علی کی شادی کرانے کے لئے یہ چکر چلائیں گے تو کوئی دوسری خیال خوانی کرنے والی خود سلواتا بن کر اسے لے جائے گی۔"

سونیا نے کہا "سچ پوچھو تو میں نے بھی اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علی کی سلامتی کا یقین ہو رہا ہے۔ اب وہ جہاں بھی ہے' اسے تم دونوں ثانیہ کے ذریعے تلاش کر سکتی ہو۔ بہتر ہے' اس کے پاس جاؤ۔"

لیلیٰ اور سلطانہ نے سونیا ثانی کے متعلق یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ سلواتا کی حیثیت سے شکاگو پہنچے گی تو وہ خیال خوانی کے ذریعے اس کی معقول رہائش کا انتظام کریں گی۔ ادھر ثانی ایک ہوٹل کے کمرے میں ایک رات گزارنے آئی تھی۔ اس نے شام کے اخبار سے کچھ ایسے پتے نوٹ کئے تھے جہاں کرائے پر کاٹیج' بنگلے اور ایک کمرا کسی لڑکی یا عورت کے ساتھ مشترکہ رہائش کے لئے مل سکتا تھا۔ پینگ گیسٹ ہاؤسز اور ہوسٹل کے کمروں کے اشتہارات سے بھی پتے لکھ کر رکھ لئے۔ دوسری صبح وہ معقول رہائش کی جگہ حاصل کرنے کے لئے ان پتوں پر جانے والی تھی۔

لیلیٰ نے سلطانہ سے کہا "ہمیں ایک ٹھوکر سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ رانما نے خیال خوانی کے ذریعے جان کارلو کے خیالات پڑھ لئے اور اسے حاصل کرنے کے لئے سلواتا بن گئی۔

کوئی اور خیال خوانی کرنے والا ثانی کے خیالات پڑھ کر جان کارلو بن کر اسے دھوکا دے سکتا ہے۔"

سلطانہ نے تائید کی "ٹھیک کہتی ہو۔ ثانی پر تم نے عمل کیا تھا۔ پھر عمل کرو' اس کے ذہن سے کارلو کا نام مٹا دو اور یہ بات نقش کر دو کہ وہ اپنے مزاج کے مطابق کسی مرد سے متاثر نہیں ہوگی۔"

لیلیٰ نے اس رات ثانی کے مزاج میں تھوڑی تبدیلی کر دی۔ پہلے جو عاشق مزاجی ابھاری گئی تھی اسے ختم کر دی۔ لیلیٰ اور سلطانہ نے ٹھیک ہی سوچا تھا کہ ثانی کو دھوکا دینے کے لئے کوئی دوسرا جان کارلو بن کر اس کے پاس آ سکتا ہے۔

واقعی دوسرا جان کارلو پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ثانی یا سلواتا کو جانتا نہیں تھا۔ جان کارلو بننے والے علی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ نہ کسی کا دوست تھا نہ دشمن۔ وہ ایک معمولی چور تھا۔ اس کے پاس چوری کا حوصلہ تھا مگر عقل نہیں تھی۔ اس کی شامت آئی تھی کہ چوری کرنے کے لئے جان کارلو (علی) کے کیبن کا لاک توڑ کر اندر گیا تھا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب علی ایڈی فشر بن گیا تھا اور رانما کے ساتھ ایک نئی زندگی گزارنے کے لئے اپنا کیبن چھوڑ کر گیسٹ ہاؤس میں چلا گیا تھا۔ چور کو کیبن میں کچھ نقد رقم ملی۔ پہننے کے لئے چار جوڑے ملے۔ وہ چاروں جوڑے علی نے استعمال کے بعد ایک باسکٹ میں ڈال دیے تھے۔ میز پر جان کارلو کے نام سے ڈرائیونگ لائسنس اور دوسرے ضروری کاغذات تھے۔ وہ یہ ساری چیزیں ہی سمیٹ کر لے گیا۔

وہ کیبن سے نکلا تو اس کے ایک ہاتھ میں اٹیچی تھی۔ جیب میں کافی رقم تھی۔ وہ ٹیکسی میں اس ہوسٹل کی طرف جانا چاہتا تھا جہاں ایک کمرے میں کرایہ دار کے طور پر رہتا تھا۔ راستے میں ٹیکسی سے پہلے پٹرولنگ پولیس کی گاڑی نے اس کا راستہ روک لیا۔ افسر نے پوچھا۔ "اتنی رات کو کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا "شکاگو نارتھ جا رہا ہوں۔ ٹیکسی یا بس کا انتظار ہے۔"

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

اس نے کنگ فرنانڈو کے بلڈنگ پروجیکٹ کا پتا بتا کر کہا "میں اس پروجیکٹ میں انجینئر ہوں۔ میرا نام جان کارلو ہے۔"

اس نے وہ کاغذات دکھائے جن کے ذریعے جان کارلو کی تقرری انجینئر کی حیثیت سے کی گئی تھی۔ وہ کاغذات دیکھ کر پولیس والے مطمئن ہو گئے۔ اپنی گاڑی میں چلے گئے۔ وہ خوش ہو کر بڑبڑایا "واہ! کیا بات ہے۔ ان کاغذات نے مجھے ایسا انجینئر بنا دیا ہے کہ پولیس والے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ آئندہ میں یہی کاغذات اور یہی نام استعمال کروں گا۔"

وہ خوشی منانے کے لئے ایک بار میں آ کر بیٹھ گیا۔ دو چار پیگ حلق میں اتارنے کے بعد ہوسٹل کے کمرے میں آیا۔ اسے کیبن میں ایک الماری سے ساڑھے چار ہزار ڈالر ملے تھے۔ وہ یک ماہ تک دوسری چوری کئے بغیر گزارہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا فیصلہ کیا کہ کہیں سے بڑی رقم ہاتھ لگنے کا چانس ہوگا تو وہ واردات کرے گا رنہ مہینے بھر آرام کرے گا۔

دوسرے دن اس کا اطمینان ختم ہو گیا۔ کچھ نامعلوم لوگ یک خونخوار کتے کے ساتھ ہوسٹل کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ وجود نہیں تھا۔ ہوسٹل کے مالک نے ماسٹر کی کے ذریعے اس کا کمرا ھول کر ان اجنبی لوگوں کو اندر جانے دیا۔ کمرا کھلتے ہی کتا جھپٹ ر ایک گوشے میں گیا' جہاں علی کے اتارے ہوئے کپڑے پڑے تھے۔ چور انہیں چرا کر لے آیا تھا۔ لیکن بے پروائی سے ایک وشے میں پھینک کر بھول گیا تھا۔ انہیں صبح ہی لانڈری میں دے تا تو کوئی کتا ان کپڑوں کی بو سونگھتا ہوا دشمنوں کو وہاں تک نہ لاتا۔

اب وہ اجنبی لوگ اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ اس کا اصل نام علوم ہو گیا تھا۔ ہوسٹل میں اس نے اپنا نام راجر میٹ لکھوایا تھا۔ ب اس کے کمرے کی تلاشی لی جا رہی تھی تو وہ ایک بار میں بیٹھا پی ا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے آ کر کہا "تم یہاں موج کر رہے ہو' ھر جاسوس لوگ ایک کتا لے کر تمہارے کمرے میں گئے ہیں۔ وہ تا تمہاری بو سونگھ کر ہوسٹل تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد تمہارے ں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر باہر آیا۔ یہ جانتا تھا کہ پولیس کے کتے کس طرح مجرموں کی بو سونگھتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ جاتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ وہ کتا قانون کے محافظوں کو اس کے پاس لاتا' وہ بہت دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔

ان حالات میں فوری طور پر بچاؤ کے لئے جو اقدامات کئے جاتے ہیں وہی اس نے کیا۔ سب سے پہلے ریڈی میڈ میک اپ کا سامان خریدا۔ ایک ریستوران کے باتھ روم میں جا کر اپنے چہرے پر داڑھی مونچھوں کا اضافہ کیا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں' اس نے دوسرے لینس لگائے جس سے آنکھیں سیاہ نظر آنے لگیں۔ ایک سیلون میں جا کر اپنے سنہرے بالوں کو بھی سیاہ کرا لیا۔

وہ جو کچھ کر رہا تھا اس میں اس کی ذہانت کا دخل نہیں تھا۔ اس نے جاسوسی ناولوں میں جو کچھ پڑھا تھا اس پر عمل کر رہا تھا۔ میری داستان کا یہ مشہور واقعہ ہر ملک کی انٹیلی جنس کی فائلوں میں ہے کہ جب سونیا میری دشمن تھی اور ایک کتیا کی طرح میری بُو سونگھ کر میری ہر پناہ گاہ تک پہنچ جاتی تھی تب میں نے بچاؤ کا انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اپنے جسم پر خوشبو اسپرے کر لیا کرتا تھا جس سے میرے بدن کی مخصوص بو گم ہو جاتی تھی اور سونیا مجھے تلاش کرنے میں ناکام رہتی تھی۔

انٹیلی جنس کی بہت سی فائلوں کی غیر معمولی باتیں رائٹروں تک پہنچتی ہیں پھر وہ جاسوسی ناولوں میں لکھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی کسی ناول میں راجر میٹ نے پڑھا تھا کہ پرفیوم کے ذریعے عارضی

طور پر بو سونگھنے والے کتوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اس لئے اس نے پرفیوم کی دو چار شیشیاں خرید لی تھیں۔

پرفیوم استعمال کرنے کے بعد لازمی تھا کہ کسی کمرے وغیرہ کی چار دیواری میں رہا جائے تاکہ خوشبو دیر تک کمرے کی محدود فضا میں رہے۔ کھلی فضا میں خوشبو جلدی اڑ جاتی ہے اس لئے اُس نے ایک ہوٹل میں کمرا لیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے نیوز بلیٹن سنتا رہا۔ بار بار کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ ایک بار سامنے والے فٹ پاتھ پر کچھ لوگ ایک کتے کے ساتھ نظر آئے۔ وہ سڑک پار کر کے ہوٹل کی طرف آ رہے تھے۔

راجر کی تو جان نکل گئی۔ اس نے کھڑکیوں کے پردے برابر کئے اور بہت سارا پرفیوم اپنے لباس پر اسپرے کر لیا۔ کمرے میں بھی خوشبو چھڑک دی۔ پھر ایک صوفے پر دبک کر انتظار کرنے لگا۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ کتا مر جائے۔

اگر وہ عقل سے کام لیتا تو کتے سے خوفزدہ نہ ہوتا۔ وہ گھبراہٹ اور بدحواسی میں یہ نہ سوچ سکا کہ کتا اس کا پیچھا کیوں کرے گا؟ وہ اپنا لباس یا رومال وغیرہ کیبن میں چھوڑ کر نہیں آیا تھا۔ کتے کو اس کی بو مل نہیں سکتی تھی۔ البتہ جان کارلو کے بدن سے اترے ہوئے کپڑے لایا تھا۔ وہ کتا جان کارلو کے بدن کی بو سونگھتا ہوا ہوسٹل کے کمرے میں پہنچا تھا اور وہ جاسوس راجر کو نہیں، جان کارلو کو تلاش کر رہے تھے۔ راجر گرفتار ہوتا تو صرف یہ پوچھا جاتا کہ جان کارلو کے کپڑے اس کے کمرے میں کیسے آ گئے تھے۔

جان لمبوڈا کے جاسوس ایک تربیت یافتہ کتے کے ذریعے رانما اور جان کارلو کو تلاش کر رہے تھے۔ انہیں رانما کی رہائش گاہ سے اس کے بدن کی اترن ملی تھی اسی طرح کیبن سے جان کارلو کا ایک رومال ملا تھا۔ ان کپڑوں کے ذریعے وہ کتا ان دونوں کے جسموں کی مخصوص بو سے آشنا ہو چکا تھا۔

ادھر رانما غافل نہیں رہتی تھی۔ کئی جاسوسوں کے دماغوں میں پہنچ کر اپنے خلاف ہونے والے اقدامات کے متعلق معلوم کرتی رہتی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی رہائش گاہ سے جاسوس اس کے بدن کی اترن لے گئے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اب کتوں کے ذریعے انہیں تلاش کیا جائے گا۔

وہ اس دن علی کے ساتھ ڈومیسٹک فلائٹ سے میامی گئی پھر وہاں سے جزیرہ ہوائی چلی گئی۔ وہ سمندر پار اس جزیرے میں علی کے ساتھ فی الحال محفوظ رہی لیکن وہ بیچارہ راجر میٹ پھنس گیا تھا۔ بلکہ پھنسا بھی نہیں تھا۔ کتے کو اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ صرف جاسوس اسے اس لئے تلاش کرتے رہے تھے کہ جان کارلو کے کپڑوں کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ کپڑے ہوسٹل کے کمرے میں کیسے پہنچ گئے؟

وہ بڑی دیر تک سہما ہوا صوفے پر بیٹھا رہا۔ مگر وہ کتا جاسوسوں کو اس کے کمرے میں نہیں لایا۔ کسی نے آ کر دستک نہیں دی۔ پھر اس نے فون کے ذریعے ویٹر کو بلایا۔ جب اس نے آ کر دروازے پر دستک دی تو پھر گھبرا گیا۔ اندر سے پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے ویٹر نے کہا "روم سروس۔"

اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر پوچھا "اور کوئی ہے؟"

"جی میں اکیلا ہوں، آپ نے ایک ہی ویٹر کو بلایا تھا؟"

"ٹھیک ہے۔ کچھ اسنیکس اور کافی لے آؤ۔"

وہ جانے لگا۔ اس نے کہا "اور سنو۔ کاؤنٹر پر مجھے کوئی پوچھنے آیا تھا؟"

"سر! کاؤنٹر نیچے ہے۔ میری ڈیوٹی یہاں اوپر ہے۔ کیا میں ... معلوم کروں۔"

"نہیں، میں ریسپشن سے معلوم کر لوں گا۔"

ویٹر چلا گیا۔ کوریڈور میں دائیں بائیں کوئی دشمن نما آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کسی کتے کی پرچھائیں بھی نہیں تھیں۔ پھر ایک لڑ... دکھائی دی۔ وہ شانے سے بیگ لٹکائے آ رہی تھی۔ بہت ہی اسمارٹ، بہت ہی حسین تھی۔ وہ اس کا انداز اور اس کا سراپا د... کر کمرے کے اندر جانا بھول گیا۔ جب کہ وہ باہر نکلتے ہوئے ذر... تھا۔

وہ سونیا ثانی تھی۔ سلوانا جوزف کی حیثیت سے ایک رات ہوٹل میں رہنے آئی تھی۔ دوسرے دن کوئی چھوٹا سا کاٹیج یا ہوسٹ... کا کمرا کرائے پر حاصل کرنے والی تھی۔ وہ اپنے مخصوص انداز ... چلتی ہوئی اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے رک گئی۔ اسے ... سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولی "کیا تم پرفیوم سے نہاتے ہو؟"

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک حسین لڑکی اسے مخاطب کرے گی۔ وہ جلدی سے بولا "جی ہاں... جی نہیں۔ وہ بات یہ ... کہ......"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ سوچا، یہ لڑکی جاسوس ہے۔ ... کاؤنٹر پر کتے کو چھوڑ کر آئی ہے۔ یہ شبہ ہوتے ہی اس نے لپک... ثانی کا ہاتھ پکڑا پھر اسے کمرے میں کھینچ کر دروازے کو اندر سے ... کر دیا۔ ثانی نے مسکرا کر پوچھا "کیا ارادہ ہے؟"

وہ اس پر حملہ کرنے کے انداز میں تن کر بولا "زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرنا۔ کتا کہاں ہے؟"

"کیا کتے کو بھی پرفیوم لگاؤ گے؟"

"زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرو۔ میرے یہ دونوں ہا... فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔ میں نے گردن دبوچ لی تو سانس باہ... ہو جائے گی۔"

"مجھے پتا نہیں تھا کہ تم فولادی روبوٹ ہو۔ تم سے مل کر بڑ... خوشی ہوئی۔"

اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وہ بولا "ہاتھ پیچھے کر... میں صرف دوستوں سے ہاتھ ملاتا ہوں۔ اگر تم سلامتی چاہتی ہو... میرے ساتھ ایمرجنسی ایگزٹ کے راستے ہوٹل سے باہر چلو۔ اگ... وہ کتے کو لے کر باہر آئیں گے تو میں تمہیں یرغمال بنا کر، تمہیں ... ریوالور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے ... مجبور کر دوں گا۔"

"تمہارے پاس ریوالور ہے؟"

اس نے جیب سے ریوالور نکالا۔ وہ ہنس کر بولی "اسے چلاؤ گے بے؟ فائرنگ کی آواز سنتے ہی کتے والے ادھر آ جائیں گے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "کیا مشکل ہے۔ تم میرے فولادی ہاتھوں سے نہیں ڈرتی ہو۔ ریوالور کو دیکھ کر ہنستی ہو۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔"

"عجیب گدھے ہو۔ میں تمہارے ساتھ والے کمرے میں رہتی ہوں۔ تم مجھے زبردستی یہاں لے آئے اور اب کہتے ہو میں تمہارے پیچھے پڑ گئی ہوں۔"

وہ بے یقینی سے بولا "تم میرے ساتھ والے کمرے میں رہتی ہو؟"

"مجھے معلوم ہوتا کہ پڑوس میں خوشبودار گدھا رہتا ہے تو میں یہاں نہ رہتی۔ بائی دی وے، تمہارے حواس پر کتا کیوں چھایا ہوا ہے؟"

"کچھ لوگ کتے کے ذریعے میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ کیا تم نے اس ہوٹل میں یا ہوٹل کے آس پاس ایک کتے کو کچھ لوگوں کے ساتھ دیکھا ہے؟"

"ہاں، میں باہر سے آ رہی ہوں۔ تین افراد ایک کتے کو لے کر کار میں بٹھا کر لے جا رہے تھے۔"

"کیا سچ بول رہی ہو؟ وہ کدھر گئے ہیں؟"

"یہ تو میں ان سے پوچھنا بھول گئی۔ کیا میں پوچھ کر آؤں کہ تم انہیں پوچھ رہے ہو۔"

"نہیں... ان سے یہ نہ کہنا کہ میں یہاں ہوں۔ صرف اتنا پوچھ کر آؤ کہ وہ کہاں گئے ہیں۔"

"تم غیر معمولی گدھے ہو۔ جب وہ جا چکے ہیں تو کیا میں تمہارے باپ سے پوچھ کر آؤں۔"

وہ جانے لگی۔ اس نے دھمکی دی "رک جاؤ۔ میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔"

وہ آرام سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی پھر اسے کھول کر بولی "میں نے آج تک کسی گدھے کو ریوالور چلاتے نہیں دیکھا۔"

یہ کہتے ہی وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ حیرانی سے بڑبڑایا۔ "کمال ہے۔ کیا میں صورت سے ریوالور چلانے والا نہیں لگتا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر آ کر دیکھا۔ وہ الماری سے کپڑے نکال کر اٹیچی میں رکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی "مجھے معلوم تھا، تم پیچھا نہیں چھوڑو گے اس لئے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ تم کسی پہلو سے نارمل نہیں لگتے۔"

"نارمل تم نہیں ہو۔ ریوالور کو کھلونا سمجھ رہی ہو۔"

وہ اس کے قریب آئی۔ پھر ریوالور کو اس کے ہاتھ سے لے کر اس کی جیب میں رکھ دیا۔ وہ بولا "دیکھو، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میں ابھی گولی چلا سکتا تھا۔ مگر میں مرد قاتل ہوں۔ کسی عورت کو قتل نہیں کر سکتا۔"

"اگر مرد قاتل ہو تو میز پر رکھے ہوئے گلاس کا نشانہ لگاؤ۔"

اس نے جوش میں آ کر مردانگی ثابت کرنے کے لئے جیب سے ریوالور نکالا پھر نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ گلاس ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ وہ بولی "گلاس تو بڑی چیز ہے، چھوٹی چیز پر نشانہ لگاؤ۔ الماری میں جو چابی کا سوراخ ہے۔ اس میں گولی مارو۔"

اس نے پلٹ کر کی ہول کا نشانہ لیا پھر گولی داغ دی۔ ثانی نے کہا "شاباش! اب جتنی جلدی بھاگ سکتے ہو ایمرجنسی ایگزٹ سے نکل بھاگو۔ دو فائروں کی آواز پورے ہوٹل والوں نے سنی ہو گی۔ سیکیورٹی کا عملہ اپنی گنیں لے کر لفٹ کے ذریعے آ رہا ہو گا۔"

وہ بوکھلا گیا۔ اس نے مرد قاتل ہونے کا ثبوت دینے اور صحیح نشانے بازی کا مظاہرہ کرنے کی دھن میں یہ نہیں سوچا کہ فائرنگ کی آواز دور تک جائے گی۔ وہ دوڑتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ باہر کوریڈور میں دوسرے کمروں سے لوگ نکل آئے تھے۔ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ فائرنگ کہاں ہوئی ہے؟ راجر کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر کتنی ہی عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ مرد دروازوں کے پیچھے چلے گئے۔ وہ جھنجلا کر ثانی سے بولا "تم نے مجھے الو بنایا ہے۔"

"سوری! مجھے گدھے کو الو بنانے کا کمال نہیں آتا ہے۔ تم بھاگنے میں دیر کر رہے ہو۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اسی وقت دور کوریڈور کے آخری سرے پر لفٹ کا دروازہ کھلا۔ ہوٹل کے سیکیورٹی گارڈز گنیں لئے ہوئے کوریڈور میں آئے۔ وہ پلٹ کر بھاگتا ہوا اس زینے کی طرف گیا جو ایمرجنسی ایگزٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ گارڈز دوڑتے ہوئے آئے۔ ثانی کے کمرے کے سامنے رک گئے۔ افسر نے پوچھا "مس، تم خیریت سے ہو؟"

"جی ہاں۔ اس نے دو فائر کئے۔ اناڑی تھا اس لئے میں بچ گئی۔"

پھر وہ گارڈز ایمرجنسی ایگزٹ کی طرف چلے گئے۔ ثانی اپنا اٹیچی اٹھا کر جانے لگی۔ افسر نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"مس! ابھی تم نہیں جا سکتیں۔ پولیس کو بیان دینا ضروری ہے۔"

"میں پولیس کو بیان دینے کے لئے ایسے ہوٹل میں نہیں رہوں گی جہاں چور ڈاکو ریوالور لے کر لوٹنے آتے ہیں۔"

دوسرے کمروں کے سامنے کھڑے ہوئے لوگ تائید کرنے لگے "بالکل ٹھیک کہتی ہے یہ لڑکی! ہم بھی یہاں خطرہ محسوس کررہے ہیں۔ ہم کسی دوسرے ہوٹل میں شفٹ ہو جائیں گے۔"

ہوٹل کی انتظامیہ کے لوگ پریشان ہو گئے تھے۔ اس فلور کے تمام لوگ ہوٹل چھوڑنے کی باتیں کررہے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے فلور کے لوگ بھی خود کو غیر محفوظ سمجھ سکتے تھے۔ وہ سب لوگوں کو سمجھانے لگے۔ مینجر نے انچارج سے کہا "مس سلوانا جارہی ہے۔ اسے روکو گے اور وہ یہاں پھر قیام کرنے پر راضی ہو جائے گی تو دوسرے لوگ بھی رک جائیں گے۔ ہمیں کسی بھی قیمت پر ہوٹل کو بدنامی سے بچانا ہے۔"

ہر کمرے میں فون کے ذریعے کہا جارہا تھا کہ آپ حضرات ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ عجلت میں نہ کریں۔ یہاں کوئی چور ڈاکو آنے کی جرات نہیں کرتا ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے۔ ہم آدھے گھنٹے کے اندر حقیقت پیش کریں گے۔ پلیز آپ تھوڑی دیر کے لئے فیصلہ بدل دیں۔"

انچارج نے ثانی سے کہا "پلیز آپ پانچ منٹ کے لئے ہمارے باس سے ملاقات کریں۔ پھر آپ کی مرضی ہو تو چلی جائیں۔"

مینجر نے اس کا بیگ کاؤنٹر کے پیچھے رکھ دیا۔ اسے ساتھ لے کر لفٹ کے ذریعے بیسمنٹ میں لے آیا۔ وہ بیسمنٹ کاروں کی پارکنگ کے لئے تھے۔ اس کے نیچے ایک تہ خانہ تھا جہاں دور تک طرح طرح کا جوا کھیلنے والے نظر آرہے تھے۔ اس تہ خانے کے نیچے ایک اور تہ خانہ تھا وہاں جوئے خانے کا بینک اور ہوٹل وغیرہ کے اکاؤنٹ اور انتظامیہ کے دفاتر تھے۔ وہیں ایک شاندار کیبن میں ہوٹل کا مالک موجود تھا۔ اس نے ثانی سے کہا "مس سلوانا! ہوٹل کو بدنامی سے بچانے کے لئے ہمارا ساتھ دو۔ یہ کہہ دو کہ وہ چور ڈاکو نہیں تھا۔"

"پھر مجھے کیا کہنا چاہئے؟"

"یہ کہ وہ تمہارا ایک سرپھرا عاشق تھا۔ تمہیں جبراً اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ تم نے انکار کیا تو اس نے تم پر گولیاں چلائیں۔"

"سوری مسٹر! میرا کوئی عاشق نہیں ہے اور میں عشق کے معاملے میں بدنام نہیں ہونا چاہتی۔"

"تمہاری ذرا سی بدنامی سے اتنے بڑے ہوٹل کی نیک نامی بحال ہو جائے گی۔ یہ تمہارے سامنے میز پر مائیک رکھا ہوا ہے اسے آن کرنے کے بعد تمہاری آواز پورے ہوٹل میں سنائی دے گی۔ ہوٹل میں تمام قیام کرنے والوں کو مخاطب کرکے تمہیں جو کہنا ہے' وہ اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ اسے پڑھو اور کہتی جاؤ۔"

"کیا زبردستی ہے؟"

کیبن کے دروازے پر دو باڈی بلڈر پہلوان نظر آئے۔ ان کی صورت اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ظالم' بے رحم اور جلاد ہیں۔ باس نے ریوالور نکال کر دکھاتے ہوئے کہا "یہ تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے۔ اگر چلانا چاہو گی تو میں گولی ماردوں گا۔"

ثانی نے مسکرا کر کہا "اس احمق نے بھی مجھے ریوالور دکھا کر دھمکی دی تھی۔"

"کس کی بات کررہی ہو؟"

جس کی بات کی جارہی تھی' وہ راجر میٹ بھاگتا ہوا ہوٹل سے دور نکل آیا تھا۔ پھر ایک ریستوران کے ٹوائلٹ میں جا کر اپنے چہرے سے داڑھی مونچھیں ہٹانے والا تھا تاکہ ہوٹل والے نہ پہچان سکیں اور وہ کتے والوں سے چھپنے کے لئے پھر کوئی نیا میک اپ کرلے۔

بہرحال کتا اس کے پیچھے نہیں تھا۔ ہوٹل کے کمرے میں جا کر تلاش کرنے والوں کو جان کارلو کے کپڑوں کے علاوہ راجر میٹ کی ایک تصویر ملی تھی۔ وہ تصویر جان لمبوڈا کے پاس پہنچائی گئی تھی۔ لمبوڈا نے تصویر کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ اسے راجر میٹ کے دماغ میں جگہ مل گئی۔ اس وقت وہ ہوٹل کے کمرے میں ثانی کو ریوالور دکھا کر دھمکیاں دے رہا تھا۔

لمبوڈا نے پہلے راجر کے خیالات پڑھے۔ پتا چل گیا کہ وہ ایک معمولی چور ہے اور جان کارلو یا رانما کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔ ثانی راجر کو جتنی ذہانت سے بے وقوف بنا رہی تھی' اس نے لمبوڈا کو متاثر کیا۔ وہ ثانی کے پاس آکر اس کے خیالات پڑھنے لگا۔

پتا چلا اس کا نام سلوانا جوزف ہے۔ اس نے سینئر کیمبرج کے امتحانات پاس کئے ہیں۔ کمپیوٹر کورس بھی مکمل کرچکی ہے۔ کراٹے میں بلیک بیلٹ حاصل کرچکی ہے۔ اس کے خیالات پڑھنے کے دوران ہوٹل کا انچارج اسے تہ خانے میں باس کے پاس لے گیا تھا۔

جب باس نے ریوالور نکالا اور دروازے پر دو باڈی بلڈر راستہ روکنے آگئے تو جان لمبوڈا کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آگے ریوالور اور پیچھے زبردست فائٹر ہیں۔ یہ لڑکی سلوانا اس سچویشن میں کیا کرسکتی ہے؟ اور وہ تھی کہ مسکرا کر ریوالور دکھانے والے باس سے کہہ رہی تھی "اس احمق نے بھی مجھے ریوالور دکھا کر دھمکی دی تھی۔"

باس نے پوچھا "کس کی بات کررہی ہو؟"

ثانی نے کہا "وہی جو چوری کرنے میرے کمرا نمبر سات سو سات میں آیا تھا۔ اس نے دو بار مجھ پر گولیاں چلائیں۔"

باس نے کہا "اسے بھول جاؤ اور میرے ہوٹل والوں کے سامنے بیان دینے کے لئے اپنے سامنے والے مائیک کے بٹن کو دباؤ۔"

ثانی نے پوچھا "تم چاہتے ہو کہ میں ہوٹل میں قیام کرنے والوں کے سامنے اسے چور نہ کہوں؟"

"ہاں۔ یہ بیان دو کہ وہ تمہارا عاشق تھا۔ تمہیں گن پوائنٹ پر یہاں سے جبراً لے جانا چاہتا تھا۔ عین وقت پر ہوٹل کے سیکیورٹی گارڈز پہنچ گئے اور وہ بھاگ گیا۔"

"وہ میرا کوئی عاشق نہیں تھا۔ چوری کرنے آیا تھا۔ تم اپنے ہوٹل کو بدنامی سے بچانے کے لئے مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو۔"

"لڑکی! میں جو کہہ رہا ہوں وہ اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ تم مائیک کے سامنے اسے پڑھتی جاؤ۔"

"اگر میں انکار کروں تو؟"

"تو یہ دونوں باڈی بلڈر تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے اور اگر شور مچاؤ گی تو میں گولی ماردوں گا۔"

وہ ہنسنے لگی اور پھر بولی "پتا نہیں تم جیسے احمقوں کو ریوالور کا لائسنس کیسے مل جاتا ہے۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ ہماری یہ گفتگو تمام ہوٹل والے سن رہے ہیں۔"

اس کی یہ بات سن کر جان لمبوڈا چونک گیا۔ وہ اس وقت باس کے دماغ میں تھا تاکہ اسے سلوانا پر فائر نہ کرنے دے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لڑکی اس قدر ذہین ہوگی۔ خطرے کے وقت بھی حواس قابو میں رکھ کر دشمنوں کی خوش فہمی اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے مائیک کے بٹن کو آن کردیا ہوگا اور ہوٹل میں قیام کرنے والے لوگوں کو اس کے ٹریپ کئے جانے کی خبر مل رہی ہوگی۔ جان لمبوڈا نے بے ساختہ کہا "شاباش! اسے کہتے ہیں غیر معمولی ذہانت۔"

باس اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بے یقینی سے مائیک کے بٹن کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ثانی نے مائیک اٹھا کر کہا "دور سے خاک نظر آئے گا؟ قریب سے دیکھو۔"

یہ کہتے ہی اس نے مائیک کو ریوالور پر مارا۔ باس اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور ہاتھ سے نکل کر باڈی بلڈرز کے قدموں کی طرف چلا گیا۔ ایک نے جھک کر اسے اٹھانا چاہا تو منہ پر ٹھوکر لگی۔ وہ کراہتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ دوسرے نے اس پر چھلانگ لگائی' وہ اچھل کر ایک طرف ہو گئی۔ چھلانگ لگانے والا میز سے ٹکرا گیا۔ میز کے دوسری طرف باس تھا۔ وہ باڈی بلڈر سے ٹکر کھانے والی میز سے ٹکرا کر کرسی سمیت الٹ گیا۔ جب وہ تینوں اپنی اپنی جگہ سے اٹھے تو ثانی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ٹھنڈے پڑ گئے۔

دوسری طرف جان لمبوڈا واہ وا کررہا تھا۔ ہولی مین نے پوچھا۔ "کس بات پر جھوم رہے ہو؟"

"میں ایک ایسی لڑکی کے دماغ میں ہوں' جو قیامت ہے قیامت! بائی گاڈ' میں نے ایسی ذہانت' ایسی پھرتی' چالاکی اور فائٹنگ کا ایسا انداز آج تک نہیں دیکھا۔ ذرا ٹھہرو۔ میں آتا ہوں۔"

وہ پھر ثانی کے پاس آیا۔ وہ ہوٹل کے غنڈے مالک سے کہہ رہی تھی "مائیک اٹھا کر دیکھو۔ میں نے بٹن آن نہیں کیا تھا۔ تمہارے ہاتھ سے ریوالور لینے کے لئے میں نے تمہیں الو بنایا تھا۔" باس نے مائیک کو فرش سے اٹھا کر دیکھا۔ واقعی وہ آن نہیں ہوا تھا۔ ایک لڑکی کو تہ خانے میں لا کر اس پر جبر کرنے والی بات ابھی کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی۔ ثانی نے کہا "اب اپنی سلامتی چاہتے ہو تو مائیک آن کرو اور اعلان کرو کہ یہ ہوٹل غنڈوں اور بدمعاشوں کا اڈا بن گیا ہے۔ یہاں شریف لوگوں کو اپنی فیملی کے ساتھ قیام نہیں کرنا چاہئے۔"

وہ بے بسی سے بولا "جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ میں اپنے ہوٹل کی نیک نامی کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ مجھ سے جتنی رقم چاہو لے لو اور یہاں سے چپ چاپ چلی جاؤ۔"

"لاکھوں میں بات کرو۔ کتنی رقم دو گے؟"

"یہ زیادتی ہے۔"

"میری ہڈیاں توڑنے والی زیادتی سے کم ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ایک لاکھ ڈالر دوں گا۔"

"اس رقم کو دگنا کردو اور سرکاری خزانے میں جمع کرادو۔"

"کیا تم کوئی سرکاری ملازمہ ہو؟"

"میں ایک عام شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے انتہا محبت ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جیسے بے ایمان سرمایہ داروں سے دولت چھین کر اپنے ملک کے خزانے کو بھردوں۔ فی الحال گورنمنٹ ٹریژری کے نام دو لاکھ ڈالر کا چیک لکھ دو۔"

جان لمبوڈا نے دماغی طور پر حاضر ہو کر ہولی مین سے کہا "ہماری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے ملک میں ذہین اور باصلاحیت جوانوں کو تلاش نہیں کرتے ہیں۔ ہم نے مرینا' شلپا' الپا جوراجوری اور رانما جیسی لڑکیوں کو اس لئے ٹرانسفارمر مشین سے گزارا کہ وہ فوج کے اعلیٰ افسروں اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کی بیٹیاں یا بہنیں تھیں۔"

ہولی مین نے کہا "ایسا نہ کہو۔ مرینا کی ذہانت بے مثال ہے۔"

"مسٹر ہولی مین! جس لڑکی کو میں نے آج دیکھا ہے اس کے سامنے مرینا کی ذہانت پچیس فیصد بھی نہیں ہے۔ وہ بجلی ہے بجلی' اس کی حاضر دماغی اور ایکشن دیکھ کر سونیا یاد آجاتی ہے۔ سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ وہ بے انتہا محب وطن ہے۔"

وہ ثانی عرف سلوانا کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔ وہاں ہولی مین کے علاوہ فوج کا کرنل' انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر جنرل اور دو مشیر خاص بیٹھے ہوئے تھے۔ ہولی مین کی خدمات کو سراہتے ہوئے اسے سپر ماسٹر کا عہدہ دیا گیا تھا۔ اس طرح جان لمبوڈا کو ملا کر وہاں چھ اہم افراد تھے' جو اپنے ملک کے اہم اور خفیہ معاملات سے نمٹنے کے ذمے دار تھے۔ وہ سب ثانی عرف سلوانا کی باتیں دلچسپی سے سن رہے تھے۔

کرنل نے کہا "بے شک یہ غیر معمولی لڑکی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ محب وطن ہے۔"

سپر ماسٹر ہولی مین نے کہا "مسٹر لمبوڈا! اسے اپنی سرپرستی میں

لے آؤ۔ ملٹری ہیڈ کوارٹر کے ٹریننگ سینٹر میں اسے رکھو۔ دوسری ٹرانسفارمر مشین تیار ہونے تک اس کی ٹریننگ مکمل کرو۔ ہم اس لڑکی کو ٹیلی پیتھی سکھائیں گے۔"

انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر نے کہا "میں تائید کرتا ہوں۔ دوسری مشین تیار ہونے تک ہمیں سلوانا جیسی لڑکیوں اور لڑکوں کو تلاش کرنا چاہئے اور انہیں ٹیلی پیتھی سکھانے سے پہلے ان کی ٹریننگ مکمل کرنا چاہئے۔ صرف اتنا ہی نہیں' وقتاً فوقتاً ان کی وفاداریوں کو بھی آزماتے رہنا چاہئے۔ اور یہ بھی کرنا چاہئے کہ ان کی وفاداریاں کبھی تبدیل نہیں ہوں گی اور وہ دشمنوں کی چال میں نہیں آئیں گے۔"

جان لبوڈا نے کہا "میں سلوانا کو ہوٹل سے ٹریننگ سینٹر میں پہنچانے جارہا ہوں۔ وہ محبِ وطن ہے' اعتراض نہیں کرے گی۔ اب ہم خوب سوچ سمجھ کر وفاداروں کا انتخاب کریں گے۔"

وہ ثانی عرف سلوانا کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے سینٹر کی طرف لے گیا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ خوب [illegible] سمجھ کر ایک وفادار لڑکی کو آئندہ ٹیلی پیتھی سکھانے کے لئے منتخب کرچکا ہے۔

لیلیٰ [illegible] اس وقت ثانی کے پاس آئی تھی جب وہ ہوٹل کے کمرے میں تھی اور شام کے اخبار میں کرائے کے مکانات کے اشتہار پڑھ کر ارادہ کرچکی تھی کہ دوسری صبح کوئی چھوٹا سا کاٹیج کرائے پر حاصل کرے گی یا کسی کے ہاں پیئنگ گیسٹ بن کر رہے گی۔ لیلیٰ اس پروگرام کے مطابق صبح اس کے پاس پہنچی تو وہ ملٹری ہیڈ کوارٹر کے ایک ٹریننگ سینٹر میں تھی۔ اس کے خیالات پڑھنے سے پتا چلا کہ حکومت کے چند بڑے اور اہم لوگ اس کی ذہانت اور دے آف ایکشن سے بے حد متاثر ہیں۔ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا جان لبوڈا اسے سینٹر میں لایا ہے۔ پہلے تو ثانی پریشان ہوئی تھی کہ بے دھیانی میں یا غفلت میں کہاں آگئی ہے۔ پھر اسے اپنے اندر جان لبوڈا کی آواز سنائی دی "سلوانا! گھبراؤ نہیں۔ تم دشمنوں میں نہیں' دوستوں میں ہو۔ یہ تمہارے وطنِ عزیز کا فوجی ہیڈ کوارٹر ہے۔ کیا تم فوج میں رہ کر وطن کی خدمت نہیں کروگی؟"

وہ سینٹر کے برآمدے میں آئی۔ سارہ فوج کے جوان اور افسران آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مطمئن ہو کر بولی "میں بہت خوش ہوں۔ یہاں راضی خوشی آسکتی تھی پھر مجھے غافل بنا کر لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہم فوجی ہیڈ کوارٹر کی اہم باتیں باہر نہیں کرتے۔ تمہیں راز دارانہ کرلایا گیا ہے۔ اگر منظور نہ ہو تو تم ابھی جاسکتی ہو۔"

"مجھے منظور ہے۔ میں اپنے ملک کی خدمت کرنے کے لئے اپنے مزاج کے خلاف ہونے والی باتیں بھی برداشت کرسکتی ہوں۔"

"شاباش! تمہارے ایسے ہی سچے اور کھرے خیالات نے ثابت کیا ہے کہ تم سچائی اور وفاداری سے ملک اور قوم کی خدمت کرتی رہوگی۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم کون ہو؟ اگر تمہارا راز میں رہنا ضروری ہے تو مجھے کچھ نہ بتاؤ۔"

"تمہیں جلد ہی معلوم ہوجائے گا۔ تم میری بیٹی جیسی ہو۔ میری اپنی بیٹی کانووانا اسی سینٹر میں ہے۔ میں تم دونوں کو ٹریننگ کے بعد ٹاپ پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ ٹاپ رینک میں آنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کو آئندہ ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی پیتھی سکھائی جائے گی۔"

لیلیٰ نے خیال خوانی کی پرواز کی پھر سونیا کے پاس آکر ثانی کے متعلق تمام باتیں بتائیں۔ سونیا نے کہا "یہ تو کمال ہوگیا۔ ہم نے ثانی اور علی کو ازدواجی زندگی کے راستے پر لے جانے کی کوشش کی تھی۔ قدرت کو کچھ اور منظور ہے۔ ثانی کے مقدر میں ٹیلی پیتھی کا علم ہے تو یہ علم اسے حاصل کرنے دو۔ فرہاد کے پاس جاؤ۔ دیکھو' وہ کیا کہتا ہے۔"

لیلیٰ میرے پاس آئی۔ میں نے تمام روداد سن کر کہا "یہ ایک خوشی کی بات ضرور ہے۔ لیکن ٹیلی پیتھی سیکھنے کے مرحلے تک پہنچنے میں ایک عرصہ لگے گا۔ پتا نہیں دوسری مشین کہیں چھپا کر رکھی گئی ہے یا دوبارہ تیار کی جارہی ہے۔ اگر ہم نے ثانی کو دشمنوں کے پاس چھوڑ دیا تو کبھی اس کی اصلیت بھی کھل سکتی ہے۔ اسے خطرات پیش آسکتے ہیں۔"

لیلیٰ نے تائید کی "ہاں ایسا ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم اس کی برابر نگرانی کرتے رہیں گے؟"

"تو بات بن سکتی ہے۔ سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ ہماری لاعلمی میں ثانی پر تنویمی عمل کیا جائے گا۔ اس کے دماغ میں مزید حب الوطنی بھری جائے گی اور ہمارے خلاف نفرتیں پیدا کردی جائیں گی۔"

"ایسے تو ہماری ساری تدبیریں الٹ جائیں گی۔"

"میں پاکستان میں بہت مصروف ہوں۔ تم اس سلسلے میں سونیا سے بات کرو۔ کوئی بات نہ بنے تو میں کوئی معقول مشورہ دے سکوں گا۔" وہ پھر سونیا کے پاس آئی۔ اس نے میری باتوں کے جواب میں کہا "ثانی کو ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے کے لئے کچھ تو خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ دستور ہے' خطرہ مول لئے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

"آپ درست کہتی ہیں۔ اگر ہم ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کی نگرانی کرتے رہیں تو جان لبوڈا اس پر تنویمی عمل نہیں کرپائے گا۔"

"سلمان' سلطانہ اور جوجو سے طے کرو کہ وہ باری باری ثانی کی نگرانی کے لئے کتنا وقت نکال سکیں گے۔"

لیلیٰ نے ان تینوں سے رابطہ کیا۔ تینوں نے کہا "ہم آپس میں چھ چھ گھنٹے کا وقت مقرر کرلیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی ڈیوٹی کے مطابق ثانی کے پاس چھ گھنٹے رہا کرے گا۔"

سلمان نے کہا "ہم زیادہ توجہ رات کو دیا کریں گے۔ کیوں کہ ثانی پر نیند کی حالت میں تنویمی عمل کیا جاسکتا ہے۔"

سلطانہ نے کہا "ہم ثانی سے غافل نہیں رہیں گے۔ لیکن

میرے ہونے والے داماد کو تو تلاش کرو۔ آخر وہ کہاں گم ہے؟"

وہ جزیرہ ہوائی میں تھا۔ یہ جزیرہ جنوبی امریکا سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ رانما کو اندیشہ تھا کہ دشمن وہاں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ اکثر اپنے اندر پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کرتی تھی۔ یقیناً جان لبوڈا بار بار آتا ہوگا۔ اگر اسے چند سیکنڈ کے لئے بھی اس کے دماغ میں جگہ ملتی تو وہ آس پاس کے ماحول سے سمجھ لیتا کہ وہ کہاں ہے؟ یا چور خیالات پڑھ کر جان لیتا کہ وہ کس نام سے' کس روپ میں خود کو چھپائی ہوئی ہے۔

وہ محفوظ نہیں تھی۔ اگر وہ بیمار پڑجاتی' کسی حادثے کا شکار ہوجاتی یا کسی طرح زخمی ہوجاتی اور دماغی توانائی کے کم ہونے سے سانس روکنے کے قابل نہ رہتی تو جان لبوڈا آکر اسے دبوچ لیتا پھر وہ ہمیشہ کے لئے خیال خوانی کی پرواز بھول جاتی۔

خوبصورت جزیرے میں علی تیمور کے ساتھ زندگی عیش و آرام سے گزار رہی تھی۔ آزادی نصیب تھی۔ بس ایک لبوڈا کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔ اس سے محفوظ رہنے کی ایک ہی تدبیر تھی کہ اپنی آواز اور لہجے کو بھول جائے اور نیا لہجہ اختیار کرے۔ یہ سب کچھ تنویمی عمل سے ہوسکتا تھا۔ لیکن وہ کسی عامل پر بھروسا کیسے کرتی؟ اگر عامل اندر سے شیطان ہوتا اور عمل کے ذریعے اپنی معمولہ بنالیتا تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کی کنیز بن کر رہ جاتی۔

علی کو پہلے جان کارلو بنایا گیا تھا۔ رانما نے جان کارلو کی شخصیت بھلا کر اسے ایڈی فشر بنادیا۔ لیکن رانما کو اصل ریڈی فشر کی پوری ہسٹری معلوم نہیں تھی۔ اس نے عجلت میں فشر کے شناختی کاغذات حاصل کئے تھے اور عجلت میں ہی علی کی شخصیت تبدیل کی تھی۔ اس کے نتیجے میں علی تیمور اکثر الجھن میں پڑجاتا تھا اور سوچتا تھا میں کون ہوں؟ میرا نام ایڈی فشر ہے تو میں کہاں سے آیا ہوں؟ میرے والدین اور رشتے دار کہاں ہیں؟ پامیلا (رانما) سے میری شادی کب اور کہاں ہوئی تھی؟"

ایسے بہت سے سوالات اسے الجھاتے رہتے تھے۔ رانما اسے خاموش اور پریشان دیکھ کر ناگواری سے کہتی تھی "ایک تو میں فکر اور پریشانی میں رہتی ہوں' اس پر تم ایسے منہ لٹکائے رہتے ہو جیسے میں تم پر بوجھ بن گئی ہوں جب کہ میں تمہارے اخراجات برداشت کرتی ہوں۔ تمہارے لئے کسی طرح بھی بوجھ نہیں ہوں۔"

"یہی میں سوچتا ہوں کہ تم کہاں سے اتنی دولت لے آتی ہو' شکاگو سے میامی پھر میامی سے اس جزیرے تک تقریباً ستر ہزار ڈالر خرچ کرچکی ہو۔ مہنگے ہوٹل میں رہتی ہو۔ مہنگی شاپنگ کرتی ہو۔ لیکن آمدنی کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔"

"فشر! میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ ایک حادثے میں تمہاری یادداشت گم ہوگئی ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہماری شادی کب ہوئی تھی۔ پھر میرے بارے میں تمہیں کیسے یاد ہوگا کہ میری آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔ میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔"

"ٹیلی پیتھی جانتی ہو؟ کیسے جانتی ہو؟"

"جیسے بھی جانتی ہوں۔ تم جان لو کہ دوسروں کے دماغوں میں پہنچ کر انہیں غائب دماغ بناتی ہوں۔ وہ اپنی تجوریوں سے یا بینک

سے میری مطلوبہ رقم نکال کرلاتے ہیں پھر مجھے دے کر چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے گھر یا دفتر پہنچ کر دماغی طور پر حاضر ہوتے ہیں تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دو چار گھنٹے تک کہاں تھے اور کیا کرتے رہے تھے۔"

علی نے پامیلا سے کہا "لیکن پامی! یہ تو ڈکیتی ہے۔ ہم حرام کی کمائی کھا رہے ہیں۔"

"یہ حرام کی نہیں، میرے علم کی کمائی ہے۔"

"علم اچھا ہے۔ تم اسے حرام بنا رہی ہو۔ تم گمراہ لوگوں کے دماغوں میں رہ کر انہیں راہِ راست پر لا سکتی ہو۔ اپنے ملک اور قوم کے دشمنوں کی سازشوں کو پڑھ کر ان کے غلط عزائم کو ناکام بنا سکتی ہو۔"

"کیا میں بھوکی ننگی رہ کر ملک اور قوم کی خدمت کروں! ہمیں زندگی گزارنے کے لئے رقم کہاں سے ملے گی؟ کیا ملک کے حکمران دیں گے؟"

"بے شک۔ حکومت کے لئے کارنامے انجام دو گی تو......"

وہ بات کاٹ کر بولی "آگے نہ بولو۔ تم سے شادی کرنے اور تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے میں نے حکمرانوں سے غداری کی ہے۔ وہ مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اسی لئے ہم شکاگو سے یہاں چھپنے آئے ہیں۔ اگر میں پکڑی گئی تو وہ مجھے گولی مار دیں گے۔ تم سمجھ نہیں سکتے کہ میں موت کو پیچھے لگا کر تمہارے ساتھ رہتی ہوں۔ تمہارے لئے جان کی بازی لگاتی آ رہی ہوں۔"

"تمہیں اتنا بڑا خطرہ مول لینا نہیں چاہئے تھا۔"

"میں خطرہ مول نہ لیتی تو ابھی حکمرانوں کی پابندیوں میں رہتی۔ ان کے جائز و ناجائز احکامات کی تعمیل کرتی رہتی۔ مجھے غلامی سے نفرت ہے۔ خواہ وہ غلامی اپنے ہی ملک میں کیوں نہ ہو۔ میں زنجیریں توڑ سکتی تھی اس لئے توڑ کر چلی آئی۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ میرے لئے جان کی بازی لگا رہی ہو جب کہ حقیقتاً تمہیں غلامی سے نفرت ہے۔ تم آزادی کے لئے خطرات سے کھیل رہی ہو، میرے لئے نہیں۔"

"تم تو بال کی کھال نکالتے ہو۔ آزادی میری فطرت میں ہے۔ لیکن محبت بھی تو کوئی چیز ہے۔ میں تم سے مرنے کی حد تک محبت کرتی ہوں۔"

"تم میرے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہو؟"

"ہاں، کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ساری دنیا کو اُلو بنا سکتی ہوں۔"

"مجھے بھی اُلو بنا رہی ہو۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔"

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری یادداشت گم نہیں ہوئی ہے۔ تم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے غائب دماغ بنا دیا ہے۔"

راٹما نے اسے گھور کر دیکھا اور سوچا "مجھ سے غلطی ہوئی۔ اسے ایڈی فشر بنانے سے پہلے اصل ایڈی فشر کی پوری لائف ہسٹری معلوم کر لیتی اور وہ ہسٹری اس کے دماغ میں نقش کر دیتی تو اسے یہ نہ کہنا پڑتا کہ اس کی یادداشت گم ہو گئی ہے اور یہ مجھے الزام نہ دیتا کہ میں اسے غائب دماغ بنا کر رکھتی ہوں۔"

وہ بولا "کیا سوچ رہی ہو؟ اقرار کرو کہ اپنے حکمرانوں سے تم نے آزادی حاصل کی اور مجھے غلام بنا لیا ہے۔"

"تم میری محبت پر شبہ کر رہے ہو۔"

"اگر تمہیں سچی محبت ہے تو میرے دماغ کو کھنگالو۔ میرے اندر سے گم شدہ یادوں کو ابھارو۔ یہ علم خدا کا بہترین عطیہ ہے۔ اس علم کے ذریعے مجھ سے نیکی کرو۔"

"میں کر چکی ہوں۔ دن رات یہی کوششیں کرتی رہی ہوں کہ مٹ جانے والی یادوں کو تمہارے دماغ کی تختی پر پھر سے لکھ دوں۔ لیکن جو نقش مٹ جاتا ہے اسے پھر کسی طرح ابھارا نہیں جا سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی پچھلی زندگی کبھی یاد نہیں کر سکو گے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا "میں جا رہا ہوں۔"

وہ اٹھ کر بولی "کہاں؟"

"محنت مزدوری کروں گا۔ ٹیلی پیتھی کی کمائی نہیں کھاؤں گا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ اس جزیرے میں تمہیں روزگار کہاں ملے گا؟"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ماضی میں بہت ہی باصلاحیت اور ایک کامیاب انسان تھا۔ میرے اندر جذبے اور حوصلے بھرے ہیں۔ میں اس چھوٹے سے جزیرے میں بھی بہت کچھ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"نہیں فشر! اس طرح تم لوگوں کی نظروں میں آؤ گے۔ جان لمبوڈا ایک خطرناک ٹیلی پیتھی جاننے والا شیطان ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کے ذریعے تمہارے اندر پہنچے گا تو وہ بھی یہی شبہ کرے گا کہ میں نے تمہاری یادداشت گم کی ہے۔"

"جو سچ ہے، وہی جان لمبوڈا سمجھے گا۔ ہو سکتا ہے وہ میرے دماغ کو کھنگال کر میری پچھلی زندگی معلوم کر لے اور اس طرح مجھے بھی معلوم ہو جائے لہٰذا مجھے جانا چاہئے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا۔ دروازے تک گیا۔ پھر پلٹ کر آیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ راٹما نے بیٹھتے ہوئے کہا "دیکھا، تم نہیں جا سکے، میری محبت کھینچ لائی ہے۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بار دروازے کی جانب دیکھا پھر راٹما سے پوچھا "میں واپس کیسے آ گیا؟"

"میں کہہ چکی ہوں، یہ محبت کی کشش ہے۔"

وہ پھر تیزی سے چلتا ہوا گیا۔ راٹما پھر اس کے دماغ پر قبضہ جما کے واپس لے آئی۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر بولا "آج تم نے ثابت کر دیا ہے کہ میرا دماغ تمہارے کنٹرول میں ہے۔ تم محبت نہیں کرتی ہو، مجھ سے غلامی کراتی ہو۔"

"تم فضول باتوں میں میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجھے سوچنے دو کہ ہمیں کس ملک میں جا کر نئی زندگی شروع کرنا چاہئے۔ ہم امریکا واپس جائیں گے تو وہاں کے جاسوس بُو سونگھنے والے کتوں کے ذریعے ہم تک پہنچ جائیں گے۔"

"تم نے ملک سے غداری کی ہے اس لئے وہ تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مجھے کم از کم اتنا تو بتا دو کہ میرا جرم کیا ہے؟ کیا وہ مجھے بھی گرفتار کر لیں گے؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے علی کو دیکھا پھر کہا "تم پر سنگین الزام ہے کہ تم یہودی ہو۔ اسرائیلی حکومت کو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ضرورت ہے اس لئے تم مجھے میری رضامندی سے بھگا کر اسرائیل پہنچانا چاہتے ہو۔"

"تو پھر تم نے بھاگنے کے لئے اسرائیل کا رخ کیوں نہیں کیا۔ اس جزیرے میں کیوں آئی ہو؟"

وہ دل میں بولی "تمہارے یہودی ہونے اور اسرائیل میں پناہ لینے کا آئیڈیا ابھی دماغ میں آیا ہے۔ اگر میامی شہر میں یہ تدبیر سوجھتی تو میں اسرائیل پہنچنے کا کوئی ذریعہ پیدا کر لیتی۔"

پھر وہ بولی "میں شکاری کتوں سے خوفزدہ ہو کر کوئی معقول پلاننگ نہ کر سکی۔ بدحواسی میں یہاں آ گئی۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک ائرلائن سے رابطہ کیا پھر پوچھا "جنوبی امریکا کے کسی بھی بڑے شہر میں جانے کے لئے فلائٹ کب ملے گی؟"

جواب ملا "دو گھنٹے بعد امریکا کے جنوب مغربی شہر چلّی کے لئے ایک جہاز روانہ ہو گا۔"

"کیا دو سیٹیں مل جائیں گی؟"

"ضرور، آپ تشریف لے آئیں۔"

وہ ریسیور رکھ کر بولی "فشر! کم آن۔ سامان پیک کرو۔"

علی خاموشی سے اٹیچی میں ضروری سامان رکھنے لگا۔ وہ آسانی سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ بڑے صبر اور تحمل سے مناسب موقع دیکھ کر نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ شام کو چلّی پہنچ گئے۔ راٹما سیدھی اسرائیلی سفیر کی رہائش گاہ میں پہنچی۔ سیکریٹری نے کہا "سوری میڈم! صاحب مصروف ہیں۔ آپ کو ملاقات کا وقت مقرر کر کے آنا چاہئے۔"

راٹما نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ اس کے اندر پہنچ گئی۔ وہ گھوم کر اندر گیا۔ سفیر سے بولا "ایک میاں بیوی آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

وہ سیکریٹری کو گھور کر بولا "تم جانتے ہو۔ میں اپوائنٹمنٹ کے بغیر کسی سے نہیں ملتا۔"

راٹما سیکریٹری کو چھوڑ کر سفیر کے اندر پہنچ گئی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا۔ بیرونی دروازے پر آیا پھر بولا "سوری۔ آپ کو انتظار کی زحمت ہوئی۔ تشریف لائیں۔"

سیکریٹری حیرانی سے دیکھنے لگا۔ سفیر راٹما اور علی کو اپنے ڈرائنگ روم میں لایا۔ سیکریٹری سے بولا "باہر جاؤ اور کسی کو اندر نہ آنے دو۔"

سیکریٹری کے جانے کے بعد راٹما نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ چونک کر بولا "تت...... تم کون ہو؟ میری اجازت کے بغیر کیوں آئے ہو؟"

وہ بولی "ابھی تم نے ملاقات سے انکار کیا تھا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہیں ملاقات پر مجبور کر دیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "تم کون ہو؟ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"یہ میرا شوہر ایڈی فشر ہے۔ یہودی ہے۔ میں اس کی عیسائی بیوی ہوں۔ چوں کہ میں نے ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کیا ہے اس لئے یہاں کے حکمران مجھے اپنی جاگیر سمجھتے ہیں لیکن میں اپنے شوہر کے ساتھ اسرائیل میں رہنا چاہتی ہوں۔"

سفیر نے خوش ہو کر کہا "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ میں تم دونوں کو اسرائیل پہنچانے کا انتظام کر سکتا ہوں۔"

"کر سکتا ہوں نہیں، فوراً کرو۔ جاسوس، خونخوار کتوں کے ذریعے ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولا "کتوں کی پروا نہ کرو۔ ان سے محفوظ رہنے کا نسخہ میرے پاس ہے۔"

پھر اس نے رابطہ قائم ہونے پر اجنبی زبان میں کہا "ایک انتہائی اہم پیغام ہے۔ اسے اسرائیلی حکام تک پہنچاؤ۔"

راٹما وہ اجنبی زبان نہیں سمجھتی تھی۔ مگر اس کے دماغ سے ترجمہ سمجھ رہی تھی۔ سفیر نے ایک اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ سے رابطہ کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اسرائیلی حکام کو خوش خبری سنائے کہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی لڑکی اسرائیل میں پناہ لینا چاہتی ہے۔ اس کا شوہر یہودی ہے۔ دونوں میاں بیوی کو یہاں سے لے جانے کے لئے فوراً انتظام کریں۔

علی نے راٹما سے پوچھا "یہ کون سی زبان بول رہا ہے؟"

"یہ سیکرٹ ایجنٹوں کی خاص زبان ہوتی ہے۔ اسے دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔ اگر امریکی جاسوس سفیر کے فون کو ڈیٹیکٹ کر رہے ہوں گے تو یہ زبان ان کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہو گی۔"

"تم اس زبان کو سفیر کے خیالات سے سمجھ رہی ہو گی۔"

"ہاں۔ یہ ہمارے یہاں سے جانے کے خفیہ انتظامات کر رہا ہے۔"

علی تیمور نے پوچھا "کیا واقعی میں یہودی ہوں؟"

"تم مجھ پر بہت زیادہ شبہ کرنے لگے ہو۔ جب میں کہہ چکی ہوں کہ تم یہودی ہو تو پھر ہو۔ تمہاری پچھلی زندگی کے بارے میں جاننے والا اتنی بڑی دنیا میں کوئی نہیں ہے، صرف میں ہوں۔"

علی نے سوچا "یہ بہت بڑا دعویٰ کر رہی ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں میرے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا ہے۔ کیسے نہیں جانتا ہے؟ خدا تو جانتا ہے۔"

علی نے آنکھیں بند کر لیں۔ راٹما نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا پھر سوچا "پتا نہیں یہ آنکھیں بند کر کے کیا سوچ رہا ہے؟ مجھے معلوم کرنا چاہئے۔"

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا مگر سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔ یہ حیرانی کی بات تھی جسے وہ ایڈی فشر بنا کر رکھی ہوئی تھی وہ سانس روکنا نہیں جانتا تھا۔ یہ پریشان

کرنے والی بات تھی کہ اس نے سانس کیسے روک لی ہے۔
علی نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا' اس نے صرف یہ سوچنے کے لئے آنکھیں بند کی تھیں اور چند لمحوں کے لئے سانس روکی تھی کہ خدا مجھے جانتا ہے اور جب وہ جانتا ہے تو مجھے میری پہچان ضرور بتائے گا۔ آج نہ سہی' کل بتائے گا۔ اس کے بتانے کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ وہ نرالے انداز میں آگہی دیتا ہے......
وہ معبودِ حقیقی کے متعلق جتنی دیر سوچ رہا تھا' اتنی دیر خود بخود سانس رکی ہوئی تھی۔ لیکن اسے خود بخود نہیں کہا جائے گا۔ یہ وہ مشق تھی جو بچپن سے جیسے گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ کبھی رسونتی نے ممتا سے اسے سانس روکنا سکھایا۔ کبھی واشو روکی نے اسے سانس روک روک کر مار کھاتے رہنا اور برداشت کرتے رہنا سکھایا۔ کبھی باباصاحب کے ادارے میں سانسیں روک کر روحانیت کے عمل سے گزارا گیا۔
اور جب کوئی روحانیت کے عمل سے گزرتا ہے تو تنویمی عمل سے لاکھ دماغ تبدیل کیا جائے' روح تبدیل نہیں ہوتی۔ سانس خود بخود رکی ہوئی تھی تو اس کے پیچھے روحانیت کارفرما تھی۔
اور یہ حقیقت رانما کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ آنے والا کوئی دن' کوئی لمحہ جوتے مار کر سمجھانے والا تھا۔

○☆○

الپا بخیریت تل ابیب پہنچ گئی۔ وہاں کے اکابرین نے اس کا بڑا زبردست استقبال کیا۔ جب وہ پہلی بار تل ابیب آئی تھی تو اس کی رہائش کے لئے ایک شاندار محل مخصوص کیا گیا تھا۔ اس محل میں رہائش کے دوران پارس اس کی زندگی میں بڑی گہرائی تک اتر گیا تھا۔
دوسری بار شہر روم میں پھر پارس اس کے قریب آتے آتے دور ہو گیا تھا۔ یہودی اکابرین خوش تھے کہ ان کے تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے الپا کو دشمنوں کے تنویمی عمل سے بچالیا ہے اور یہ خوش فہمی تھی کہ وہ بچ گئی ہے۔
فی الحال پارس اور سونیا بھی خوش فہمی میں تھے کہ جوجو نے الپا پر کامیابی سے عمل کیا ہے اور وہ معمولہ بن کر اسرائیل گئی ہے اب وہاں رہ کر وہ جو بھی دشمنی کرے گی' اس کا علم انہیں ہوتا رہے گا۔ الپا بھی خوش تھی کہ وہ کسی کے زیرِ اثر نہیں ہے۔ اس بھیڑ میں ایک دانیال تھا جو بڑی راز داری سے اسے اپنی معمولہ بنا کر ایک خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ الپا کے دماغ میں رہ کر دیکھ رہا تھا کہ اعلیٰ حکام' فوج کے اعلیٰ افسران اور دیگر اکابرین کو اس سے متعارف کرایا جارہا تھا۔ وہ منتظر تھا کہ تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو بھی اس سے متعارف کرانے کی باری آئے گی۔ ایسے وقت الپا سامنے آکر دانیال کا نام سنے گی تو بے اختیار اس میں کشش محسوس کرے گی۔
لیکن ایسا وقت نہیں آیا۔ وہاں صرف اہم عہدیدار الپا کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا "مس الپا! جب تمہیں یہاں سے اغوا کیا گیا تو ہمارے پاس صرف ایک ہی ٹیلی پیتھی جاننے والا جے مورگن رہ گیا تھا۔ اب ہمارے پاس تین اور ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔"
الپا نے پوچھا "یعنی جے مورگن کو ملا کر چار ہو گئے ہیں؟"
"خود کو کیوں بھول رہی ہو؟"
سب ہنسنے لگے۔ وہ بولی "سنا ہے کہ فرہاد کی فیملی میں چھ ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ ہمارے ہاں مجھے شریک کرکے پانچ ہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ ہماری قوم میں بھی خیال خوانی کرنے والوں کی تعداد بڑھتی رہے۔"
اعلیٰ فوجی افسر نے کہا "یقیناً۔ اب ہمارا بنیادی مقصد یہی ہوگا۔ ہم ٹیلی پیتھی کے زیادہ سے زیادہ ہتھیاروں کے ذریعے خود کو سُپر پاور منوائیں گے۔"
ایک مشیرِ خاص نے کہا "ہمیں خوب سوچ سمجھ کر اپنے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو اس طرح تربیت دینا ہوگی کہ آئندہ کوئی دشمن انہیں ٹریپ نہ کرسکے۔"
اعلیٰ افسر نے کہا "اس کے لئے راز داری شرط ہے۔ ملک کے حکمران ہر الیکشن کے بعد بدلتے رہتے ہیں۔ فوج کے افسران بھی ریٹائر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے واقف ہوں گے تو ہمیشہ یہ اندیشہ رہے گا کہ ان کے ذریعے ہمارا راز دوسروں تک پہنچ رہا ہے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہمارے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے پھر ایک بار گولڈن برینز کے پابند رہیں گے۔ ماضی میں گولڈن برینز کے کارناموں نے سپر طاقتوں کو اپنی انگلیوں پر نچایا تھا۔ کمبخت سونیا اور فرہاد نے ہمارے اتنے اہم اور بنیادی شعبے کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ آئندہ ایسے انتظامات کئے گئے ہیں کہ کوئی ان کے ناموں اور خفیہ ٹھکانوں کو نہیں جان سکے گا۔"
الپا نے پوچھا "کیا ٹرانسمیٹر' ٹی وی اور کمپیوٹر کے ذریعے ان سے رابطہ رہا کرے گا؟"
"ہاں یہی رابطے کے ذرائع ہیں۔ تم میں سے کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کرے گا۔ ہمارے گولڈن برینز تم سب کو گائیڈ کریں گے کہ ملک کے اندرونی اور بیرونی معاملات میں تمہیں کیا کرنا چاہئے اور مخالفین سے نمٹنے کا کون سا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہئے۔"
وہ بولی "کیا کسی گولڈن برین کی رائے سے یا راہنمائی سے ہمارا اختلاف نہیں ہوگا؟"
"ہو سکتا ہے۔ تمہیں کسی بات پر اعتراض ہو تو تم اس پر بحث کرسکتی ہو۔ گولڈن برینز کو اپنے دلائل سے قائل کرسکتی ہو۔ اگر قائل کرنے میں ناکام رہو تو پھر ان کے طریقۂ کار پر عمل کرنا تمہارا فرض ہوگا۔"
الپا نے کہا "میرا مشورہ ہے کسی ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بھی گولڈن برین بنانا چاہئے۔"
"یہ ہم نے سوچ رکھا ہے۔ تم پانچ ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں جو حیرت انگیز اور غیر معمولی کارنامے انجام دے گا' اسے گولڈن برینز کی ٹیم میں شامل کردیا جائے گا۔"
"پھر تو میں چاہوں گی کہ مجھے جلد سے جلد کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دینے کا موقع دیا جائے۔"
"سب سے بڑا کارنامہ یہی ہو سکتا ہے کہ ناقابلِ شکست دشمنوں کو فنا کردیا جائے۔ آج تک اس زمین کی کوئی بڑی طاقت سونیا اور فرہاد کو نہ مار سکی' نہ معذور بنا سکی۔ لیکن ان کی اولاد کو اور ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو کسی حکمتِ عملی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔"
"ہاں۔ یہ کوشش کی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ ایک ایک کرکے مریں گے تو سونیا اور فرہاد کی کمر ٹوٹتی رہے گی' میں اس سلسلے میں گولڈن برینز سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"
"ضرور' گولڈن برینز تم سے باتیں کرنے کے منتظر ہیں۔"
ایک افسر نے ٹی وی اسکرین کو آن کیا پھر کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے لگا۔ دوسرا افسر ٹرانسمیٹر پر گولڈن برینز کو مخاطب کرکے کہہ رہا تھا "پلیز اٹینڈ اور ایمرجنسی میٹنگ' مس الپا از اٹینڈنگ اَس۔"
یہی الفاظ کمپیوٹر کے ذریعے اسکرین پر نظر آرہے تھے۔ پھر وہ الفاظ مٹ گئے۔ ادھر گولڈن برینز کے کمپیوٹر کے ذریعے تحریری جواب اسکرین پر موصول ہوا۔ تھا "ہم اٹینڈ کررہے ہیں اور مس الپا کو اسرائیل کی سرزمین پر خوش آمدید کہتے ہیں۔"
پھر وہ الفاظ بھی مٹ گئے۔ اسکرین پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ وہ سب ماسک پہنے ہوئے تھے۔ ان کے چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ دھیمی دھیمی سی روشنی میں صرف اتنا ہی دکھائی دے رہا تھا کہ وہ چھ افراد ہیں۔ ایک کرسی خالی ہے اور وہ ایک میز کے اطراف بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسکرین پر دیکھنے سے یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کون سی جگہ ہے؟ وہ چھ گولڈن برینز کسی عمارت میں ہیں یا کسی کھلے ویرانے میں ہیں۔
ان کا خیال تھا کہ پچھلی بار سونیا اور فرہاد نے چار گولڈن برینز کے اس خفیہ کمرے کو کسی نشانی سے پہچان لیا تھا پھر اس نشانی کے ذریعے اس عمارت کو چاروں گولڈن برینز کے ساتھ تباہ کر دیا تھا۔ اب احتیاطی تدابیر کے باعث کوئی موجودہ گولڈن برینز تک نہیں پہنچ سکتا تھا اسی لئے چاروں سمت تاریکی رکھی گئی تھی اور ہلکی روشنی میں چھ گولڈن برینز کے ماسک لگے ہوئے چہرے مٹے مٹے سے نظر آرہے تھے۔
ایک گولڈن برین نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کمپیوٹر کو آپریٹ کیا تو اسکرین پر الفاظ ابھرنے لگے۔ لکھا ہوا تھا "مس الپا' تمہارے اغوا ہو جانے کا بہت صدمہ ہوا تھا۔ آج تمہاری بازیابی سے جتنی مسرتیں حاصل ہو رہی ہیں انہیں ہم الفاظ میں بیان نہیں کرسکتے۔ ہم تمہیں اپنے وطن میں بخیریت واپس آنے پر مبارک باد دیتے ہیں۔"
الپا نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔ دوسرے گولڈن برین نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کمپیوٹر کو آپریٹ کیا۔ اسکرین پر تحریر ابھرنے لگی "مس الپا! تمہاری آواز ہم تک پہنچ رہی ہے۔ لیکن احتیاطاً ہم اپنی آواز نہیں سنائیں گے۔ تمہارے آس پاس ہمارے ملک کے اہم افراد موجود ہیں' کوئی بھی دشمن ان میں سے کسی کے دماغ میں چھپ کر ہماری آواز اور لہجہ سن سکتا ہے۔ اس لئے ہم کمپیوٹر کے ذریعے جواب دیتے ہیں۔"
وہ بولی "میں ایسی احتیاطی اور حفاظتی تدابیر دیکھ کر بہت خوش ہو رہی ہوں۔"
تیسرے گولڈن برین نے اپنے کمپیوٹر کے ذریعے کہا "یہاں ہم چھ ہیں' ساتویں کرسی خالی ہے۔ اور یہ تم پانچوں خیال خوانی کرنے والوں میں سے کسی ایک کے لئے ہے۔ اگر کسی ایک نے یہ کرسی حاصل کرلی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ باقی چار خیال خوانی کرنے والے کم تر ہیں۔ ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ ساتویں کرسی کے پُر ہونے کے بعد آٹھویں کرسی خالی رکھی جائے گی اس طرح ہر خیال خوانی کرنے والے کو گولڈن برین بن کر اس حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا موقع دیا جائے گا۔"
ایک اور گولڈن برین نے اپنے کمپیوٹر کے ذریعے کہا "ہمارے پیشِ نظر بہت سے مسائل ہیں۔ یہ مسائل کچھ آسانی سے کچھ دشواری سے حل ہو سکتے ہیں..... اگر فرہاد علی تیمور کی طاقت ختم کر دی جائے۔"
پانچویں گولڈن برینز نے کہا "فرہاد کی فیملی کے ایک ایک ممبر کو الگ الگ ٹریپ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ہم گولڈن برینز نے زبردست منصوبے بنائے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے فرہاد علی تیمور کو پاکستان سے نکالنا بہت ضروری ہے۔ وہ جب تک پاکستان میں رہے گا' وہاں ہمارے خفیہ مفادات کو نقصان پہنچاتا رہے گا۔"
ایک اور گولڈن برین نے کہا "پاکستان میں ہماری خفیہ تنظیم آہستہ آہستہ اپنی جڑیں مضبوط کررہی تھی۔ وہاں کے ذرائع ابلاغ ریڈیو' ٹی وی اور اخبارات وغیرہ کے بڑے اور اہم لوگوں کو اپنے کنٹرول میں کسی حد تک کرلیا تھا۔ منشیات اور کھیل تفریح میں مسلمانوں کو مست بنا رہے تھے۔ لیکن راجا صفدر علی کی ایک حماقت سے فرہاد وہاں پہنچ گیا ہے۔ اس نے جس انداز میں اپنے بہنوئی کے قاتل کو سزا دی ہے اور آئندہ ہماری تنظیم کا پول کھولنے والا ہے اس کے پیشِ نظر ہم نے اپنی لائن آف ایکشن میں تبدیلی کی ہے۔"
اسکرین سے وہ تحریر مٹ گئی۔ دوسری تحریر نمایاں ہونے لگی وہاں لکھا تھا "جب تک فرہاد نے وہاں کا رخ نہیں کیا تھا۔ ہمیں اس محاذ پر ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اب ضرورت ہے۔ تم میں سے ہر ایک کی ضرورت ہے۔ تم پانچوں پاکستان کے اہم شعبوں کے اہم عہدیداروں کے دماغوں میں بڑی خاموشی سے رہا کرو گے اور ان کی نادانستگی میں انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرو گے۔"
اس تحریر کے بعد پھر دوسری تحریر ابھرنے لگی "تم پانچوں خیال خوانی کرنے والے اپنے ملک سے' اپنے شہر سے باہر نہیں جاؤ گے۔

یہاں محفوظ رہ کر خیال خوانی کے ذریعے فرہاد کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف رہو گے۔ تم پانچوں کی یہی کوشش ہوگی کہ فرہاد کو کسی کے دماغ میں تمہاری موجودگی کا شبہ نہ ہو۔ اسے یہ سمجھنے دو کہ ہمارا کوئی خیال خوانی کرنے والا اس کے مقابل پاکستان میں نہیں ہے۔"

دانیال الپا کے دماغ میں تھا۔ یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔ ویسے الپا کی آمد سے قبل یہ تمام باتیں ان چاروں ٹیلی پیتھی جاننے والوں جے مورگن، جنرل پارکن، ہیری ہوگن اور دانیال کو بتادی گئی تھیں۔ فی الحال دانیال کی دلچسپی الپا سے تھی۔ یہ سن کر اسے مایوسی ہوئی کہ آئندہ پانچوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ایک دوسرے سے ملایا نہیں جائے گا۔

یہ گولڈن برینز کا فیصلہ تھا کہ پانچوں کی بہتری ایک دوسرے سے دور رہنے میں ہے۔ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے ایک کے ذریعے دوسرے کے پاس نہیں پہنچ سکیں گے۔ اگر کسی مسئلے پر دو تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ایک جگہ ضرورت ہوگی تو گولڈن برینز ایسے وقت کوئی مناسب طریقۂ کار اختیار کرنے کے لئے مناسب راہنمائی کریں گے۔

لیکن دانیال کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ کوئی اپنی چیز ہاتھ آتے آتے دور ہوجائے تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ اس بے چینی کا علاج جلد ڈھونڈ لینا چاہتا تھا۔

○☆○

میں اپنی بہن شاہینہ کی کوٹھی میں زیادہ دیر نہ رہ سکا۔ دل تو کہتا تھا، وہ صدمات سے چور ہے، اسے چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے۔ یا پھر ساتھ لے جانا چاہئے۔ لیکن ہر دو صورتوں میں بہن کا ہی نقصان ہو سکتا تھا۔ میں کوٹھی میں ایک دن بھی رہ جاتا تو دشمن بڑی آسانی سے گھیر کر پوری کوٹھی کو بہن کے پورے خاندان کے ساتھ بم کے دھماکوں سے اڑا دیتے۔ اگر میں بہن اور اس کے بچوں کو ساتھ لے جاتا تو کہاں لے جاتا؟ دشمن تو قدم قدم پر حاضر ہوجاتے ہیں۔

میں نے کہا "شاہینہ! فرانس میں میرے نام سے ایک بستی آباد ہے، اسے فرہاد ولیج کہتے ہیں۔ تم بچوں کو لے کر وہاں رہائش اختیار کرو۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی دشمن قدم رکھنے کی جرات نہیں کرتا ہے۔"

اس نے کہا "بھائی جان! مجھے فخر ہے کہ میرا بھائی دنیا کا سب سے شہ زور انسان ہے۔ میں مانتی ہوں یہاں میرے اور بچوں کے دشمن پیدا ہوگئے تھے۔ وہ آپ کے ہاتھوں مرگئے۔ ان کے بعد دوسرے پیدا ہوں گے لیکن میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔"

"آخر کیوں؟"

"اگر ہم غنڈوں، بدمعاشوں، اسمگلروں اور قاتلوں کے ڈر سے یہ ملک چھوڑ دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم پاکستان کو مجرموں کے حوالے کرکے جارہے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے آگ اور خون کے دریا سے گزر کر یہ ملک بنایا تھا، میں اسے مجرموں کے حوالے کرنے کا جرم نہیں کروں گی۔ آپ مجھ سے دور رہ کر حوصلہ دیتے رہیں، میں یہاں بچوں کے ساتھ رہ کر دشمنوں سے لڑتی رہوں گی۔"

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "خوش رہو بیٹے! تمہاری جیسی بیٹیاں سلامت رہیں گی تو دشمن اس ملک کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ویسے میں تم سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔ جب تک یہودی تنظیم کو نابود نہیں کروں گا، پاکستان ہی میں رہوں گا۔"

صبح ہونے والی تھی۔ میں نے بچوں کو پیار کرکے دلاسا دیا۔ انہیں بتایا کہ ان کا بھائی پارس اور ان کی ممانی سونیا یہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ بھی اسی شہر میں رہ کر دور ہی دور سے ان کی نگرانی کریں گے۔ میں نے شاہینہ کے آنسو پونچھے پھر باہر آگیا۔

باہر ساری رات عوامی عدالت لگی رہی تھی۔ قاتل اور اس کے ایک بیٹے کو اسی کوٹھی کے احاطے میں سزائے موت ملی تھی۔ اس علاقے کے لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے قاتل کو جہنم میں پہنچایا تھا۔ وردیاں پہن کر قانون کے محافظ کہلانے والے اور قانون سے کھیلنے والے وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ پھر بھی وہاں اچھی خاصی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کوٹھی کے اندر فرہاد علی تیمور موجود ہے۔

وہ فرہاد زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔ میرا فرض تھا کہ ان سے ملاقات کرتا لیکن پتا نہیں میں کب تک پاکستان میں رہوں گا۔ اس لئے اپنے بھائیوں، بہنوں اور بزرگوں کو اپنی یہ مجبوری سمجھانا چاہتا ہوں کہ میں کبھی کسی سے براہِ راست ملاقات نہیں کرسکوں گا۔ کیونکہ دوستوں کے درمیان دشمن لازمی ہوتے ہیں۔

یہ بات چھپی نہیں رہتی کہ میں کہاں ہوں اور کن حضرات سے ملاقات کررہا ہوں۔ دشمن مجھے نشانہ بنانے سے پہلے یقین کرنا چاہتے ہیں کہ میں ہی اصل فرہاد ہوں۔ اور جب میری قوم کے لوگ مجھ سے والہانہ محبت اور عقیدت سے ملیں گے تو دشمنوں کو میرے فرہاد ہونے کا یقین کسی شبہ کے بغیر ہوجائے گا۔

لہٰذا میں معذرت خواہ ہوں۔ میں ملوں گا، بے شمار بھائیوں اور بہنوں سے ملوں گا لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ ابھی ابھی میں ان سے مل کر گیا ہوں۔ شاہینہ کی کوٹھی سے باہر آکر میں نے لوگوں سے ملاقات کی، انہیں بتایا کہ میں شاہینہ بیگم کے دور کے رشتے سے بھائی لگتا ہوں۔ پُرسے کے لئے وزیر آباد سے آیا ہوں اور اب واپس جارہا ہوں۔

ایک نے پوچھا "کیا فرہاد صاحب سے آپ نے ملاقات کی؟"

میں نے کہا "بھائی صاحب! وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ دشمنوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے انہوں نے کہا تھا کہ اپنی بہن کی حفاظت کے لئے رہیں گے لیکن کوئی بھی خاتون اندر جاکر تصدیق کرسکتی ہیں۔ شاہینہ بیگم اور ان کے بچوں کے سوا کوئی دوسرا کوٹھی میں نہیں ہے۔"

میں انہیں یقین دلاتا رہا۔ ان سے ملاقات بھی کرتا رہا پھر وہاں سے ریلوے اسٹیشن آیا۔ اسٹیشن کے پاس ایسی سرائے ہیں جہاں دور دراز کے پنڈ وغیرہ سے سادہ لوح دیہاتی آتے ہیں اور ایک چارپائی کے پانچ روپے دے کر رات گزارتے ہیں۔ یہ غریب عوام کا سب سے سستا ہوٹل ہے۔ میں دنیا کے سب سے مہنگے ہوٹلوں میں اور شاہی محلوں میں رہتا آیا ہوں۔ اس روز میں ایک سرائے میں آکر ایک منجی کرائے پر لے کر بیٹھ گیا۔

ایک طویل مدت کے بعد میں اپنے پرانے ماحول میں پہنچ گیا تھا۔ دھوتی، شلوار، کرتے اور قمیص پہنے ہوئے، سر پر روایتی طرز کی پگڑی باندھے لوگ جیسے میرے اندر سے نکل کر سرائے میں نظر آرہے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے شاہ کوٹ کی حویلی اور اس علاقے کے مناظر گھومنے لگے۔ میں ان سے گھل مل کر خوب باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن پہلے اپنوں اور دشمنوں کی خبر لینا ضروری تھا۔ شاہینہ کے پاس جاکر دیکھا۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ خیریت سے تھی۔ لیکن پریشانی یہ تھی کہ لڑکیاں لڑکے، اسکولوں کالجوں کے طلبا و طالبات سب ہی مجھ سے ملنے آرہے تھے۔ شاہینہ نے دروازے کو لاک کردیا تھا۔ وہ اور اس کے بچے کھڑکیوں سے جھانک کر جواب دے رہے تھے۔ انہیں سمجھا رہے تھے کہ وہ بھیڑ نہ لگائیں۔ دشمن اس بھیڑ میں چھپ کر پوری فیملی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جو لوگ یہ بات سمجھ رہے تھے، وہ واپس جارہے تھے اور جنہیں یقین تھا کہ وہ فرہاد کی ایک جھلک کسی طرح دیکھ لیں گے وہ احاطے کے باہر کھڑے رہ گئے تھے۔

گھر کے اندر بھی مشکلات میں اضافہ ہوگیا تھا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہی جاتی تھی۔ ایک کال کا جواب دینے کے بعد ریسیور رکھتے ہی دوسری گھنٹی بجنے لگتی تھی۔ دوسری کال کے بعد تیسری پھر چوتھی۔ یہ سلسلہ تھا کہ ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ اکثر فون کرنے والے اپنی مشکلات اور مسائل بیان کررہے تھے اور چاہتے تھے کہ میں ان کے دماغ میں آکر ان کے مسائل حل کروں۔

شاہینہ کے بچے نوٹ بک میں ان کے فون نمبر نوٹ کررہے تھے اور وعدے کررہے تھے کہ فرہاد انکل سے رابطہ ہوگا تو ان سب کے فون نمبر انہیں لکھوادئے جائیں گے۔ فون پر جو باتیں معقول نہیں ہوتی تھیں، ان کے جواب اسی وقت دے دیے جاتے تھے۔ مثلاً کوئی کہتا تھا "میں پانچ برس سے بے روزگار ہوں۔ میں نے ایم اے کیا ہے۔ مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ملازمت دلائیں۔"

اسے جواب دیا گیا "تم نے ایم اے تک تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے والدین کے ہزاروں روپے ضائع کئے۔ اپنی تعلیمی صلاحیتوں سے ملازمت حاصل نہ کرسکے۔ اگر ملازمتیں بااثر افراد کے لڑکوں کو ملتی ہیں اور تمہاری صلاحیتوں کو نظرانداز کیا جارہا ہے تو تمہارا فون نمبر ہم نے نوٹ کرلیا ہے۔ تمہارے ساتھ انصاف ہوگا اور تمہارے شایانِ شان ملازمت ملے گی۔ اگر ایم اے کرنے کے بعد بھی نااہل ہو تو ٹیلی پیتھی کے ذریعے کبھی مدد حاصل نہیں ہوگی۔"

میں نے وہ فون نمبر معلوم کرکے بے روزگار جوان سے کہا "بیٹے! بے روزگاری پورے ملک کا مسئلہ ہے۔ اگر میں ہر نوجوان کو روزگار دلاتا رہا تو میری عمر گزر جائے گی لیکن یہ مسئلہ ختم نہیں ہوگا۔ لہٰذا میں تم سب کی خاطر متعلقہ شعبوں سے رابطہ کروں گا۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ باصلاحیت افراد کو نااہل افراد کے مقابلہ میں نظرانداز نہ کیا جائے اور حقدار کو اس کا حق ضرور ملتا رہے۔"

میں نے ایک اور بے روزگار جوان کے خیالات پڑھے۔ اسے گزارے کے لائق ملازمت مل گئی تھی۔ لیکن وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے والدین لاکھوں روپے کا جہیز یا کاروبار کے لئے نقد رقم ادا کریں۔

میں نے ایسے غیرت مند نوجوان کے بھی خیالات پڑھے جس نے ایسی لڑکی سے شادی کی جس کے والدین جہیز دینے کے قابل نہیں تھے۔ ایک بہت بڑی فیکٹری میں اس نے سینئر مکینک کی حیثیت سے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن ایک بڑے سرکاری عہدے دار کی سفارش پر اسے جونیئر اور ایک نااہل شخص کو سینئر بنادیا گیا تھا۔

میں نے اس عہدے دار کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "جب دماغ میں کسی دوسرے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں تو جانتے ہو وہ آوازیں کہاں سے آتی ہیں؟"

اس کی سہمی ہوئی سوچ نے کہا "یہ آوازیں ٹیلی پیتھی کے علم سے آتی ہیں۔ میں نے سنا ہے، فرہاد علی تیمور ہمارے ملک میں ہے۔"

"تو پھر فرہاد پوچھ رہا ہے، تم لوگوں کو ذرا بھی شرم اور غیرت ہے یا نہیں؟ قابل اور باصلاحیت جوانوں کو پس پشت ڈالتے ہو، ان کے جذبوں اور حوصلوں کو کچلتے ہو اور اپنے نااہل عزیزوں اور دوستوں کو ایسی اہم ذمے داریاں سونپتے ہو، جن سے ملک اور قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے۔"

اس نے انجان بن کر پوچھا "جناب! مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟"

"میں تمہارے دماغ کے اندر ہوں۔ انجان بن کر مجھے دھوکا نہیں دے سکو گے۔ میں ایک گھنٹے بعد آؤں گا۔ اتنی دیر میں نوجوان ملک ارشاد کو سینئر مکینک کا عہدہ دو اور اپنے نااہل عزیز کو وہاں کام سیکھنے والا مزدور بنادو۔ اس کے علاوہ جتنی غلط سفارشیں کی ہیں ان سب کی تلافی کرو اور حقداروں کو ان کے حقوق دو۔ ورنہ ایک گھنٹے بعد تم اپنی تمام ناانصافیوں سمیت اس دنیا سے اٹھ جاؤ گے۔"

میں نے وارننگ دینے کے آدھے گھنٹے بعد اس نوجوان ملک ارشاد کے پاس جاکر دیکھا۔ فیکٹری کا مالک اسے سینئر مکینک کا عہدہ دینے کی خوشخبری سنا رہا تھا۔ اگر اس اعلیٰ عہدے دار کو میں موت کی دھمکی نہ دیتا تو وہ کبھی ایک قابل نوجوان سے انصاف نہ کرتا۔ گویا ہر بڑے عہدے دار اور ہر بڑے ذمے دار کے سر پر موت منڈلاتی رہے تو وہ ایماندار رہے گا۔ ورنہ یہ سوچ کر بے ایمانی کرتا رہے گا کہ سنا ہے موت آتی ہے، کوئی ضروری نہیں کہ

ہمیں بھی آئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے کتنے بے ایمانوں کو موت کا یقین دلاؤں گا کہ وہ ایمانداری پر مجبور ہوجائیں۔ لاکھوں روپے کی لاٹری کا ٹکٹ ہر شخص بسم اللہ کہہ کر خریدتا ہے۔ ایک غریب ایک وقت کا چولہا نہ جلا کر ٹکٹ خریدتے ہوئے دعا کرتا ہے۔ خدایا! تو گواہ ہے۔ میں نے اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر تیری رحمت پر بھروسا کیا ہے۔ ایک جوان لڑکی کا باپ ٹکٹ خرید کر خدا سے جہیز کے لئے گڑگڑاتا ہے۔ ایک کینسر کا مریض اپنے علاج کے لئے وہ ٹکٹ خریدتا ہے۔ لاکھوں دکھ ہیں' لاکھوں بیماریاں اور لاکھوں مسائل ہیں۔ دنیا کے تمام مصائب زدہ لاٹری کا ٹکٹ لے کر خدا کو پکارتے ہیں۔

چار جواریوں میں تین کی ہار اور ایک کی جیت خدا کو منظور نہیں ہوتی۔ لاکھوں گھروں سے دس دس روپے لے کر کسی ایک شخص کو دس لاکھ دینا خدا کو منظور نہیں ہے۔ وہ معبود ریس کے گھوڑے سے کسی کو لکھ پتی نہیں بناتا۔ یہ انسانوں کی اپنی نوسربازی اور افتادِ طبع ہے۔ خدا دیتا ہے تو حقدار کو ضرور دیتا ہے۔ اسی معبود نے مجھے ٹیلی پیتھی کا علم دیا۔ لیکن اس علم کی وسعت کو محدود رکھا۔ میں سب کو سب کچھ نہیں دے سکتا کیونکہ سب کچھ دینے والا وہ مالکِ حقیقی ہے۔

میں پاکستان آکر یہ الزام اٹھانے والا تھا کہ میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے کچھ کیا ضرور ہے مگر بہت کچھ نہیں کیا۔ میں اپنی داستان کی طرف آنے سے پہلے صرف اتنا کہہ دوں کہ ہمارا ملک تاریخ کے بہت برے دور سے گزر رہا ہے۔ آپ سب کچھ کی امید خدا سے کریں۔ میں کچھ نہ کچھ کروں گا۔ کم از کم خیال خوانی کے خیال ہی خیال سے اپنی قوم کی آنکھیں کھول دوں گا اور یہ تاریخی سچائی ہے کہ جو قوم آنکھ کھول دیتی ہے' وہ مردہ کبھی نہیں کہلاتی۔

سونیا اور پارس ایک ساتھ پاکستان آنا چاہتے تھے لیکن انہیں ایک ہی فلائٹ میں سیٹیں نہیں ملیں۔ دوسری بات یہ کہ الپا پر کئے جانے والے تنویمی عمل کی ناکامی کا علم ہوگیا۔ جوجو نے آکر بتایا "میں نے دوبار الپا کے دماغ میں جانے کی کوششیں کیں لیکن اس نے سانس روک لی۔"

سونیا نے پوچھا "تمہارا عمل ناکام کیسے ہوگیا؟"

"مما! کوئی اسرائیلی خیال خوانی کرنے والا الپا کے دماغ میں چھپا ہوگا۔ جس کی مجھے خبر نہ ہوئی۔"

"یہی تو پوچھ رہی ہوں۔ تمہیں خبر کیسے نہیں ہوئی؟ دیکھو جوجو' تمہارا سارا دھیان ادھر تھا کہ الپا تمہارے پارس سے ہمیشہ کے لئے دور ہوجائے یا تمہارے قابو میں رہے تاکہ تم اسے کبھی پارس کے قریب جانے نہ دو۔ اسی دھن میں تم نے دوسرے پہلوؤں پر غور نہیں کیا۔ اگر ذرا چالاکی سے کام لیتیں تو الپا کے اندر چھپے ہوئے دشمن کا سراغ لگا سکتی تھیں۔"

"آپ درست کہتی ہیں۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ آپ مجھے سزا دے سکتی ہیں۔"

"سزا ضرور ملے گی۔ میں تمہیں علی تیمور کو تلاش کرنے کی ذمے داری سونپ رہی ہوں۔ جب تک اسے ڈھونڈ نہ نکالو تب تک پارس کے کسی معاملے میں مداخلت نہ کرو۔"

جوجو نے پارس سے کہا "سنا تم نے' مما کتنی سخت سزا دے رہی ہیں۔"

سونیا جوجو کی سوچ کی لہروں کا جواب زبان سے دے رہی تھی جسے پارس سن رہا تھا' اس نے کہا "جوجو! مما کی دی ہوئی سزا کے پیچھے ایک سبق ہوتا ہے۔ ہمیں ان کی طرف سے جو بھی سبق ملتا رہے ہم اسے سیکھتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں جارہی ہوں۔ تمہارے پاس آنے کے لئے جلد سے جلد علی تیمور کو ڈھونڈ نکالوں گی۔"

وہ چلی گئی۔ پارس نے کہا "مما! وہ آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے گئی ہے۔ ویسے ایک ناکامی کا مطلب ہے آئندہ بھی ناکامیوں کے راستے ہموار ہوچکے ہیں۔ جس دشمن خیال خوانی کرنے والے نے الپا کو جوجو کے عمل سے بچایا ہے۔ اس نے الپا کے ذریعے وہ مکان دیکھا ہوگا جہاں میں تنویمی عمل کے لئے اسے لے گیا تھا۔"

سونیا نے کہا "اس دشمن خیال خوانی کرنے والے نے کسی کو آلۂ کار بنا کر تمہارا تعاقب کیا ہوگا۔ تم الپا کو تنویمی نیند سونے کے لئے چھوڑ کر میرے پاس ہوٹل میں آئے تھے۔ اس طرح میں بھی دشمنوں کی نظروں میں ہوں۔"

"ہمارا کھیل بگڑ رہا ہے مما! پچھلے بارہ گھنٹوں میں انہوں نے ہماری مصروفیات پر نظر رکھی ہے۔ انہیں معلوم ہوگا کہ ہم پاکستان جارہے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہوچکا ہے کہ میں پارس ہوں۔ شاید آپ بھی ان کی سمجھ میں آگئی ہیں۔"

"بیٹے! دشمنوں کے پاس بھی عقل ہے۔ جب ان کی عقل کام کررہی ہے تو کام کرنے دو۔ میں ان کی توقع کے مطابق سفر کروں گی۔ پھر استنبول پہنچ کر ان کی نظروں سے اوجھل ہوجاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے مما! آپ اپنی فلائٹ سے جائیں۔ میں اسی شہر میں نگرانی کرنے والوں کو ڈاج دے کر روپوش ہوجاؤں گا۔ پھر وہ مجھے نئے روپ میں نہیں پہچان سکیں گے۔"

دونوں ماں بیٹے نے اٹلی میں یہودی تنظیم کے بڑے بڑے عہدے داروں کو ختم کردیا تھا لیکن عہدے داروں کے ختم ہونے سے تنظیم ختم نہیں ہوتی' اس کا عمل کچھ وقت کے لئے رکتا ہے۔ پھر نئے عہدے دار اسے جاری رکھتے ہیں۔ سونیا اور پارس کی موجودگی کے باعث ٹیلی پیتھی جاننے والے یہودی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے ماں بیٹے کے آس پاس اپنے آلۂ کار چھوڑ رکھے تھے جن کے ذریعے ماں بیٹے کی ایک ایک حرکت کا پتا چلتا تھا۔

ادھر سونیا اور پارس نے سمجھ لیا تھا کہ ہوٹل کے بیروں' ٹیکسی ڈرائیوروں اور ائرلائن کے ٹکٹ ریزرو کرانے والے ایجنٹوں کو آلۂ کار بنایا جارہا ہے اور دشمن ایسے لوگوں کے دماغ میں رہ کر ان ماں بیٹے کی مصروفیات پر نظر رکھ رہے ہیں۔

سونیا پہلی فلائٹ سے روانہ ہوگئی۔ دشمن مطمئن رہے کہ ہر کام پلاننگ کے مطابق ہورہا ہے۔ اسرائیلی خیال خوانی کرنے والے جنرل پارکن کو ایک ائرلائن کے ایجنٹ سے پتا چلا کہ پارس دوسری صبح کی فلائٹ سے پاکستان جائے گا۔ وہ حسن پرستی کے معاملے میں بدنام تھا۔ تنظیم کے نئے عہدے داروں نے فیصلہ کیا کہ پارس کے برابر والی سیٹ ایک لڑکی کے نام ریزرو کرائی جائے۔ وہ دورانِ سفر پارس سے دوستی کرے گی اور پاکستان میں بھی اس کے ساتھ رہے گی تو جنرل پارکن خیال خوانی کے ذریعے اس لڑکی کے اندر رہ کر پارس کی تمام مصروفیات سے آگاہ ہوتا رہے گا۔

اس لڑکی کا نام روزینہ تھا۔ وہ پاکستانی تھی۔ لندن میں تعلیم حاصل کرتی رہی تھی۔ باپ کا نام شیر باز تھا۔ وہ یہودیوں کا بیس برس سے وفادار ایجنٹ تھا۔ اس کی بیٹی روزینہ اور بیٹا راحیل یہودیوں کی سرپرستی میں تعلیم اور تربیت حاصل کرتے رہے تھے۔ ایسے کئی دلال ہوتے ہیں جو پیدائشی طور پر پاکستانی ہوتے ہیں لیکن عملی اور نظریاتی طور پر یہودی یا امریکی ایجنٹ ہوتے ہیں۔ ان کے بچے یورپ اور امریکا میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے پاکستان آکر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر یہودی امریکی پالیسیوں کے مطابق ہمارے ملک کی خارجہ اور داخلہ پالیسیوں میں من مانی تبدیلیاں کرتے ہیں جن کا فائدہ بڑے ہی ڈھکے چھپے انداز میں یہودیوں کو پہنچتا ہے۔

ہمارے ہاں یہ انکوائری نہیں ہوتی کہ جو شخص ایک برس پہلے ایک دو وقت کے فاقے کرتا تھا آج وہ اپنے بچوں کو لندن میں کیسے پڑھاتا ہے؟ انہیں امریکا کا گرین کارڈ آسانی سے کیسے مل جاتا ہے۔ اگر ہمارے احتساب کا شعبہ ایماندار ہو تو بے شمار جرائم سے پردے اٹھ سکتے ہیں۔ لیکن پردہ نہ اٹھانے سے ملازمت اور عہدہ بحال رہتا ہے اور یہ بہت بڑا انعام ہوتا ہے۔

دوسری صبح روزینہ ائرپورٹ آئی۔ اس کے دماغ میں رہنے والے جنرل پارکن نے احتیاطاً کاؤنٹر گرل کے دماغ سے معلوم کیا کہ حیدر علی (پارس) نے طیارے میں سوار ہونے کے لئے بورڈنگ کارڈ لیا ہے یا نہیں؟ پتا چلا وہ طیارے میں موجود ہے۔ روزینہ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ طیارے میں سوار ہوگئی۔ جنرل پارکن سوچ کے ذریعے کہہ رہا تھا "اپنی سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے آگے پیچھے بیٹھنے والوں سے باتیں کرو۔ تاکہ میں ان کے اندر پہنچ سکوں۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی "یہ اچھا ہے کہ میرے دماغ سے چلے جاؤ گے۔ میں بوجھ محسوس کرتی ہوں۔"

"میں تمہارا بوجھ ہلکا کرنے نہیں جارہا ہوں۔ دراصل پارس کے پاس بیٹھنے والے کسی بھی مسافر کو اس کے خیال خوانی کرنے والے چیک کریں گے' تمہارے دماغ میں بھی کوئی آنا چاہے گا۔ ایسے وقت میں تمہارے پاس موجود رہوں گا تو تم پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکو گی۔"

"میں سانس نہیں روکوں گی۔ صرف بے چینی محسوس کروں گی۔ دشمن یہی سمجھیں گے کہ میرا دماغ حساس ہے مگر میں سانس نہیں روک سکتی ہوں۔ پھر وہ میرے خیالات پڑھیں گے تو میں ایک غیر متعلق لڑکی ثابت ہوتی رہوں گی۔"

روزینہ کے دماغ پر ایسا ہی عمل کیا گیا تھا کہ وہ تنظیم کی آلۂ کار نہ سمجھی جاتی۔ اس کے چور خیالات یہ بتاتے کہ وہ لندن میں زیرِ تعلیم ہے' شہرِ روم کے تاریخی کھنڈرات دیکھنے آئی تھی' اب پاکستان اپنے باپ جان شیر باز سے ملنے جارہی ہے۔

وہ اپنی سیٹ کے پاس آئی۔ برابر والی سیٹ پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ روزینہ نے پچھلی سیٹ کے مسافر سے کہا "پلیز' میرا یہ سامان اوپری خانے میں رکھ دیں۔"

مسافر نے مسکرا کر کہا "ضرور' اس خانہ میں میرا بھی سامان ہے۔"

وہ روزینہ کا بڑا سا بیگ اٹھا کر اوپر رکھنے لگا۔ جنرل پارکن اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے اس نے دوسرے مسافر سے باتیں کیں' اس طرح آس پاس کے لوگوں کے اندر جگہ بنالی تاکہ ہر طرح سے پارس پر نظر رکھ سکے۔ وہ نوجوان حفاظتی بیلٹ باندھے اپنی سیٹ پر سو رہا تھا۔ اسے خبر نہ تھی کہ ایک حسین لڑکی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی ہے وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ طیارہ پرواز کررہا ہے۔

روزینہ اسے ناگواری اور بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے سمجھایا گیا تھا کہ وہ سفر کے دوران اس سے دوستی کرے لیکن جو قیامت کی نیند سو رہا ہو اُس سے بھلا دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ سوچنے لگی' اسے کس بہانے سے جگایا جائے۔ اس نے نوجوان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا پھر اسے ہلایا۔ وہ نیند میں کسمسا کر پھر سوگیا۔

روزینہ کو بڑا طیش آیا۔ ایسی بھی کوئی نیند ہوتی ہے۔ اس نے آخر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر بولا "آں؟ ہاں' کیا پاکستان آگیا؟"

وہ بولی "ابھی تو سفر شروع ہوا ہے۔"

وہ پھر آنکھیں بند کرنے لگا۔ وہ جلدی سے بولی "ٹھہرو' ابھی نہ سونا۔ میں کافی پینا چاہتی ہوں۔"

"پی لو" اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ روزینہ اس پر جھک کر بولی "مجھے تنہا پینا اچھا نہیں لگتا۔ پلیز میرا ساتھ دو۔"

"میں کافی نہیں پی سکتا۔"

"کیوں نہیں پی سکتے؟"

"میرا روزہ ہے۔"

وہ پھر سوگیا۔ روزینہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی "کس گدھے سے پالا پڑا ہے۔ لائف انجوائے کرنے کی عمر ہے اور روزہ رکھتا ہے۔"

ایسے ہی وقت روزینہ نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ مگر سانس نہیں روکی۔ اس کے چور خیالات کسی کو بتا رہے ہوں گے کہ وہ سانس روکنا نہیں جانتی ہے اور ایک عام سی لڑکی ہے۔

ایک گھنٹے بعد مسافروں کے درمیان سے کھانے کی ٹرالی گزرنے لگی۔ ہر مسافر کے سامنے کھانے کے ٹرے رکھی جانے

گی۔ روزینہ نے ہوسٹس سے کہا "یہ صاحب جو سو رہے ہیں' کھانا نہیں کھائیں گے۔ روزہ دار ہیں۔"

یہ بات سن کر پیچھے بیٹھے ہوئے مسافر نے کہا "میں بھی مسلمان ہوں۔ روزہ رکھا کرتا ہوں لیکن یہ رمضان کا مہینہ نہیں ہے۔ آج اس جوان نے روزہ کیوں رکھا ہے؟"

روزینہ بھی مسلمان تھی لیکن روزہ نماز کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔ قمری مہینوں کا بھی حساب نہیں معلوم تھا۔ جب پتا چلا کہ یہ روزہ رکھنے کا مہینہ نہیں ہے تو اس نے گھور کر جوان کو دیکھا پھر اسے جھنجوڑ کر اٹھایا۔ وہ چونک کر آنکھیں کھولتے ہوئے کچھ بولنا چاہتا تھا' اس سے پہلے وہ بولی "تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے روزہ نہیں رکھا ہے۔"

وہ حفاظتی بیلٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ طیارے کو حیرانی سے دیکھ کر چیختے ہوئے بولا "یہ...... یہ تو ہوائی جہاز ہے۔ میں یہاں کیسے آگیا؟"

لوگ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ ایک ائرہوسٹس کا ہاتھ پکڑ کر بولا "اسے جہاز روکو' مجھے اترنے دو۔"

وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی "ایزی مسٹر! پلیز بی ایزی' سہولت سے بات کرو۔ اب یہ جہاز استنبول میں رکے گا۔"

"لیکن میں جہاز کے اندر کیسے آیا؟"

ایک اسٹیورڈ نے آکر کہا "مسٹر! تمام مسافر ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ انہیں آرام سے کھانے دیں۔ آپ اپنے کاغذات لے کر میرے کیبن میں تشریف لے چلیں۔"

نوجوان نے اپنی جیب سے جہاز کا ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ نکالا پھر ٹکٹ پر حیدر علی (پارس) کا نام پڑھ کر بولا "یہ حیدر علی کون ہے؟ اس کا ٹکٹ میری جیب میں کیسے آگیا؟"

جنرل پارکن ایک مسافر کے ذریعے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ پارس نہیں ہے۔ کسی نوجوان کو ٹریپ کرکے پارس کی جگہ طیارے میں بھیج دیا گیا ہے۔

پارکن اپنی تسلی کے لئے نوجوان کے اندر پہنچا۔ اس کے خیالات اچھی طرح پڑھے۔ پتا چلا' اس کا نام پیٹر ڈیسوزا ہے۔ وہ اٹلی سے پاکستان جا رہا تھا' روم کے ائرپورٹ پر اس نے امیگریشن کاؤنٹر سے اپنے پاسپورٹ وغیرہ پر مہریں لگوائی تھیں۔ اس کے بعد ہی ایک جوان نے اسے مخاطب کیا تھا۔ پیٹر نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔ اس کے بعد پھر اسے ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے؟ طیارے کے اندر پہنچ کر پرواز کے ایک گھنٹے بعد تک وہ غائب دماغ رہا تھا۔

جنرل پارکن نے روزینہ سے کہا "ہم دھوکا کھا گئے۔ یہ پارس نہیں ہے۔ پارس کے کسی خیال خوانی کرنے والے نے اسے ٹریپ کرکے یہاں پہنچا دیا ہے۔ اس کا اصل پاسپورٹ اس کے بیگ میں ہے۔"

روزینہ نے اسٹیورڈ سے کہا "اس کا بیگ دیکھو۔ کچھ پتا تو چلے یہ کون ہے؟"

اسٹیورڈ بیگ کی تلاشی لینے لگا۔ پیٹر کہہ رہا تھا "میرا نام پیٹر ڈیسوزا ہے۔ میں پاکستان جانے والا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس جہاز میں کیسے آیا؟"

اسٹیورڈ نے بیگ میں سے پاسپورٹ' ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ دیکھ کر کہا "بھئی پریشان کیوں ہوتے ہو۔ تمہارا ٹکٹ اسی فلائٹ کا ہے اور یہ پاکستان جا رہا ہے۔"

وہ حیرانی سے بولا "لیکن میں تو ائرپورٹ کے امیگریشن ڈیپارٹمنٹ میں تھا۔ اس جہاز میں خود بخود کیسے آگیا؟"

ایک مسافر نے پیٹر سے پوچھا "بھئی کون سا نشہ کرتے ہو کہ دماغ بالکل ہی آؤٹ ہو جاتا ہے؟"

جنرل پارکن نے کہا "روزی! یہ بڑے مکار لوگ ہیں۔ ابھی جے مورگن نے بتایا ہے کہ پچھلے روز کی فلائٹ میں جانے والی عورت (سونیا) استنبول پہنچ کر غائب ہو گئی ہے۔"

"کیا وہ عورت بہت اہم تھی؟"

"ہاں' ہمیں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ سونیا ہے۔ ویسے ہم دھوکا کھا کر بھی نقصان میں نہیں رہے۔ پارس شہرِ روم میں رہ گیا ہے اور سونیا استنبول میں رک گئی ہے۔ دونوں ماں بیٹے پاکستان نہ جا سکے اور نہ ہی ہم آئندہ انہیں جانے دیں گے۔"

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"تم پاکستان جاؤ۔ ابھی میں گولڈن برینز سے مشورہ کرکے بتاؤں گا کہ تمہیں آئندہ کیا کرنا ہے؟"

پیٹر ڈیسوزا نے اچانک قہقہہ لگایا۔ روزی نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ بولا "ہم سب گدھے ہیں۔ تقدیر کو نہیں مانتے۔ میں نجومی ہوں۔ میرے ستاروں نے بتایا تھا کہ اس سفر میں میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔ مگر میں نے خود نجومی ہو کر یقین نہیں کیا اب بتاؤ ہم سب گدھے ہیں یا نہیں؟"

وہ بولی "سب کو شامل نہ کرو۔ صرف تم گدھے ہو اور بہت بڑے فراڈ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی حیدر علی کا پاسپورٹ تمہارے پاس آجائے اور تم اس کی سیٹ پر سفر کرو؟ آخر وہ فلائٹ کے وقت کے مطابق کیوں نہیں آیا؟ اگر آیا تھا تو تمہارے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی۔ مجھے شبہ ہے کہ تم اسے قتل کرکے آئے ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ ممکن ہے' کسی نے حیدر علی کو قتل کرکے اس کا پاسپورٹ میری جیب میں رکھ دیا ہو۔ لیکن مجھے خبر کیوں نہ ہوئی؟ میں غافل کیوں رہا؟ کیا مجھ پر کالا جادو کیا گیا ہوگا؟"

وہ بولی "خاموش بیٹھے رہو۔ روم سے استنبول تک حیدر علی کے متعلق تفتیش ہو رہی ہوگی۔ اگر اسے قتل کیا گیا ہوگا تو تمہارے لئے عمر قید پکی ہے۔ واقعی تم پکے نجومی ہو۔ تمہارے ستاروں نے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ ہونے والا ہے مگر اب بہت کچھ ہونے والا ہے۔"

"تم مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میرے ستاروں نے بتا دیا

ہے کہ زندگی میں کچھ الجھنیں ضرور ہیں لیکن جان و مال کا نقصان نہیں ہوگا۔ مقدر نے وارننگ دی ہے کہ کسی بھی حسین لڑکی سے بچ کر رہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تم حسین نہیں ہو۔"

وہ غصے سے بولی "یو نان سنس! کیا میں حسین نہیں ہوں؟ کیا تم حسن کا مطلب سمجھتے ہو۔ میں مس یورپ کے مقابلۂ حسن میں شریک ہونے والی ہوں۔"

"رشوت دے کر مقابلہ جیت سکتی ہو۔"

وہ غصے سے پھٹ پڑنا چاہتی تھی' جنرل پارکن نے ڈانٹ کر کہا "یہ کیا حماقت ہے؟ غصہ برداشت کرو۔ اگر تم اسے حسین نظر نہیں آتی ہو تو کیا جبراً خود کو حسینہ منواؤ گی۔"

"پلیز مجھے اس پاگل سے نجات دلاؤ۔ میں سیٹ بدلنا چاہتی ہوں۔"

"جسے تم پاگل کہہ رہی ہو' وہ بہت اہم ہو گیا ہے۔ ابھی میں نے تفصیل سے اس کے خیالات پڑھے ہیں۔ اس کی رہائش گلبرگ لاہور میں ہے۔ فرہاد کی بہن جس کوٹھی میں رہتی ہے' ٹھیک اس کے سامنے والی کوٹھی میں اس کے والدین رہتے ہیں۔ یہ بھی وہیں رہے گا۔ تم اس سے دوستی کرو۔"

"اوہ مائی گاڈ! یہ لاہور پہنچتے پہنچتے مجھے بھی پاگل بنا دے گا۔ لیکن ڈیوٹی از ڈیوٹی۔ دوستی کرنی ہی ہوگی۔"

روزینہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا' وہ بولی "مسٹر ڈیسوزا!"

اس نے جیسے نہیں سنا۔ خاموشی سے کھاتا رہا۔ وہ بولی "مسٹر پیٹر ڈیسوزا! میں تم سے مخاطب ہوں۔"

وہ لقمہ چباتے ہوئے بولا "سوری' میں اس وقت پیٹر ڈیسوزا نہیں ہوں۔"

"پھر کون ہو؟"

"میں حیدر علی کی سیٹ پر سفر کر رہا ہوں۔"

"اچھا سمجھ گئی۔ میں تمہیں حیدر کہوں گی۔"

"اصولاً تو یہی کہنا چاہئے۔ اس سیٹ نے بڑی گڑبڑ کر دی ہے۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں کی ہے۔ یہاں بیٹھ کر ہم دوست بن رہے ہیں۔ مجھ سے دوستی کرو گے حیدر؟"

"تم مجھے حیدر کہہ رہی ہو۔ میں عیسائی ہوں' میرا مذہب بدل رہی ہو؟"

وہ گڑبڑا گئی پھر سنبھل کر بولی "ابھی تو تم نے کہا تھا کہ پیٹر نہیں ہو۔"

"پیٹر نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں حیدر ہوں۔ سیٹ بدلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مذہب بدل دو۔"

وہ بری طرح الجھ کر سوچ کے ذریعے بولی "مسٹر پارکن! تم دیکھ رہے ہو۔ سچ بولو' یہ پاگل نہیں ہے؟"

"یہ بہت ذہین ہے۔ منطقی باتیں کر رہا ہے۔ علم منطق میں یہی ہوتا ہے کہ سیٹ حیدر کی ہے تو اس پر بیٹھنے والا پیٹر نہیں ہوگا۔ بورڈنگ کارڈ اور کمپیوٹر رپورٹ کے مطابق وہاں کوئی بھی بیٹھے' وہ حیدر کہلائے گا۔"

"پھر وہ حیدر کہلانے سے کیوں انکار کر رہا ہے؟"

"اس لئے کہ وہ عیسائی ہے اور تم اس کے عیسائی ہونے سے انکار نہیں کر سکتیں۔ روزینہ! یہ نوجوان بہت ذہین ہے۔ تمہیں بھی اپنی ذہانت کا ثبوت دے کر دوستی کرنا چاہئے۔ اس سے تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یہ ہمارا آلۂ کار بن کر رہے گا۔"

روزینہ نے پیٹر کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔ پھر مسکرا کر بولی "تم اپنی باتوں سے الجھا دیتے ہو۔ سچ پوچھو تو تمہارا یہ انداز مجھے جیت رہا ہے۔ میں تمہیں کسی نام یا کسی مذہب کے حوالے سے نہیں پکاروں گی۔ دوستی کے رشتے سے دوست کہوں گی' ٹھیک ہے؟"

وہ بولا "ٹھیک تو لگ رہا ہے۔ لیکن میں نے پہلے کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی۔ اس مسئلے پر غور کرنا ہوگا۔"

"اس میں غور کرنے کی کیا بات ہے؟"

"واہ' بات کیوں نہیں ہے! میں اپنے ایک دوست کے سامنے لباس بدل لیتا ہوں۔ تمہارے سامنے کیسے بدل سکوں گا؟"

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پیٹر نے کہا "لڑکے لڑکی کی دوستی مسئلہ بن جاتی ہے۔ اب تو مانتی ہو نا؟"

"تمہارے ساتھ باتیں کرنے کے لئے مجھے گھی پینا پڑے گا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ جس دوستی پر دنیا والے بھی اعتراض کرتے ہیں' ہم وہ دوستی نہ کریں۔ بلکہ رشتے داری کر لیں۔"

"کیسی رشتے داری؟"

"میں تمہیں عزت اور احترام سے آنٹی کہوں گا۔"

ایک حسین اور جوان لڑکی کے لئے یہ رشتہ دھماکا تھا۔ اس بار وہ آتش فشاں کی طرح پھٹنے والی تھی لیکن جنرل پارکن نے اس کے دماغ کو کنٹرول کیا۔ وہ چند لمحوں تک ساکت بیٹھی رہی۔ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ اگر ہلنے کا موقع ملتا تو شاید وہ پیٹر کا منہ نوچ لیتی۔

پارکن نے کہا "روزینہ! تم اپنے مشن میں ناکام ہو رہی ہو۔ خود کو قابو میں رکھو۔ ورنہ یہ جوان ہاتھ سے جائے گا تو تمہاری لندن کی شہرت چھین لی جائے گی۔ ہزاروں پونڈ کی ادائیگی روک دی جائے گی۔ تمہارا باپ یہودی تنظیم کا ایک اہم رکن ہے' وہ بھی تمہیں سزا سے نہیں بچا سکے گا۔"

وہ ٹھنڈی پڑ گئی' پیٹر نے کہا "میں نے تمہیں غصہ دلانے کے لئے آنٹی کہا لیکن تمہیں غصہ نہیں آیا۔ مجھے ایسی ہی عقلمند لڑکیاں پسند ہیں۔ تم بے حد حسین ہو' اتنی کم سن ہو کہ آنٹی کہنے سے تمہیں ہنسنا چاہئے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ پیٹر نے ہاتھ بڑھا کر پوچھا "دوستی؟"

وہ ہاتھ ملا کر بولی "پکی دوستی۔"

"تو پھر ہم ایک دوسرے کو اپنے اپنے بارے میں بتائیں۔ میرا نام تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔ میرے ڈیڈی کا نام آنز ڈیسوزا ہے۔ ڈیڈی اور ممی ایک انگلش میڈیم اسکول کے مالک ہیں۔ میں لندن میں کرائے پر کاریں سپلائی کرتا ہوں۔ دس برس بعد پاکستان جا رہا

ہوں۔"

"میں بھی دس برس بعد جا رہی ہوں۔ لندن میں ممی اور بڑے بھائی کے ساتھ رہتی ہوں۔ لاہور کے بڑے دولت مندوں میں میرے ڈیڈی کا شمار ہوتا ہے۔"

"وہ یقیناً بہت بڑے کاروباری ہوں گے۔"

"پتا نہیں کیا ہیں؟ پاکستان میں یہ ایک اچھی بات ہے کہ کسی سے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ اُس کے پاس دولت کہاں سے آرہی ہے۔"

"تم نے ڈیڈی سے پوچھا ہوگا؟"

"ہاں پوچھا تھا۔ انہوں نے جواب دیا' دنیا میں دولت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا بہتر چیز جہاں سے بھی آتی ہے۔ بہتری کے لئے آتی ہے' بہتری کو بے شمار ہونا چاہئے' اس کا حساب نہیں کرنا چاہئے اور نہ کسی کو حساب دینا چاہئے۔"

جنرل پارکن' روزینہ کے دماغ میں رہ کر پیٹر ڈیسوزا کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے دوسرے خیال خوانی کرنے والے جے مورگن اور ہیری ہوگن یہ تصدیق کررہے تھے کہ شاہینہ کی کوٹھی کے سامنے واقعی کوئی آنر ڈیسوزا رہتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے لاہور میں مختلف ذرائع اختیار کرکے آنر ڈیسوزا کے دماغ میں جگہ بنائی تھی پھر یہ تصدیق ہوگئی کہ پیٹر اس کا بیٹا ہے اور وہ اپنے بیٹے کی آمد کا انتظار کررہا ہے۔

پیٹر ڈیسوزا کوئی فراڈ نہیں تھا لیکن فراڈ تھا۔ سلمان نے اپنے عمل کے ذریعے اسے پیٹر بنا رکھا تھا۔ پیٹر ڈیسوزا کے نام سے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تیار کرانے میں چند گھنٹے لگے تھے۔ پارس کے پاس حیدر علی کے نام کا بھی پاسپورٹ اور ٹکٹ وغیرہ رہنے دیا تھا تاکہ دشمن پوری طرح چکر میں آجائیں اور وہ بری طرح فریب میں مبتلا ہوگئے تھے۔

دوسری طرف میں نے آنر ڈیسوزا اور اس کی وائف کو اپنا معمول بنالیا تھا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے ان کے خیالات پڑھ کر مطمئن ہورہے تھے۔

میں نے ان تمام مصروفیات سے نمٹ کر روزینہ کے خیالات پڑھے۔ اس کے باپ جان شیر باز کا پتا اور فون نمبر معلوم کیا۔ اس کی رہائش اسلام آباد میں تھی۔ میں نے فون کیا تو اس کے سیکریٹری نے بتایا' وہ لاہور گیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے اس کی بیٹی آرہی تھی' اسے لاہور ہی جانا تھا۔ میں نے سیکریٹری سے کہا "مسٹر شیر باز لاہور میں کہاں مل سکتے ہیں؟"

وہ بولا "پہلے آپ اپنا تعارف کرائیں۔ ان سے ملاقات کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں لندن سے آیا ہوں' ان کی وائف کا ایک پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"آپ آدھے گھنٹے بعد فون کریں۔"

میں ریسیور رکھ کر اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ وہ لاہور کا ایک نمبر ڈائل کررہا تھا۔ تھوڑی دیر میں جان شیر باز سے رابطہ قائم ہوگیا۔ سیکریٹری نے میرے متعلق بتایا۔ اس نے کہا "وہ دوبارہ فون کرے تو کہنا' میری وائف کا پیغام تمہیں سنادے' تم مجھے سنادو گے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ ایک بہت بڑے ڈرائنگ روم میں چند افراد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے کہا "مسٹر جان! تمہیں سختی سے یہ تاکید کی گئی ہے کہ کچھ عرصے تک براہِ راست فون اٹینڈ نہ کرو اور صرف ہمارے لوگوں سے ملاقات کرو۔ جہاں تک ممکن ہو' خود کو گوشہ نشین رکھو۔ اس طرح فرہاد سے محفوظ رہ سکو گے۔"

دوسرے شخص نے کہا "اب کیا بتاؤں کس کا فون تھا۔ اکثر فون اجنبی حضرات کے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف بہانوں سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میرے بیوی بچوں کا حوالہ دے کر مجھ سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ ایسے ہی کسی شخص کا فون تھا۔ ہمارے ملک میں لوگوں کے پاس سرمایہ بہت ہے اور کئی سرمایہ داروں کو معلوم ہوچکا ہے کہ میں بیچ کا دلال ہوں۔ بیرونی ممالک کی کمپنیوں کے اشتراک سے یہاں تین سرمایہ داروں کی بہت بڑی فیکٹریاں اور ملیں قائم کراچکا ہوں۔ اندر کی بات کوئی نہیں جانتا کہ بیرونی ممالک کی کمپنیوں کے پیچھے یہودیوں کا خام مال اور سرمایہ ہے اور ہم سب مل کر اس ملک کو اسرائیلی پروڈکٹس کی منڈی بنا رہے ہیں۔"

میں خاموشی سے باتیں سن رہا تھا۔ یہودی سیاست کو تو میں خوب سمجھتا ہوں لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں تھی کہ انہوں نے پاکستان کو بھی ٹارگٹ بنایا ہوا ہے۔ دراصل پاکستان میں اکثر اس قدر جوش اور جذبوں کے ساتھ فلسطین کی آزادی کے حق میں مظاہرے ہوا کرتے ہیں کہ ہم بیرونی ملکوں میں رہنے والے یہی سمجھتے ہیں کہ پاکستانی قوم بیدار ہے اور وہ یہودیوں کے فریب میں نہیں آئے گی۔

یہاں آکر رفتہ رفتہ بھید کھل رہا ہے کہ اسرائیلی ایجنٹ بڑی صفائی سے' بڑی راز داری سے اپنا کام کررہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس کا نام جان شیر باز ہو' وہ مسلمان ہو۔ ہالی ووڈ کا مشہور و معروف اداکار عمر شریف عیسائی ہے۔ یہ دنیا جانتی ہے کہ صدام حسین کا دستِ راست طارق عزیز بھی عیسائی ہے۔ اس طرح بیشتر یہودیوں کے نام مسلمانوں جیسے ہوتے ہیں۔

اسی طرح بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے والی مصنوعات کی صنعتیں پاکستان میں قائم کی گئی ہیں لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ پیچھے مالکان کون ہیں اور جان شیر باز جیسے ایجنٹ کس طرح انہیں منافع پہنچاتے ہیں۔

میں باقی باتیں بعد میں بھی جان شیر باز کے ذریعے معلوم کرسکتا تھا۔ اس وقت یہ سوچنے کی بات تھی کہ ایسے کاروبار کے لئے امپورٹ لائسنس کیوں جاری کئے جاتے ہیں۔ میں امپورٹ اور ایکسپورٹ کے شعبے کے ناخدا کے پاس پہنچا۔ اسے مخاطب کیا تو وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر سوچنے لگا "کیا یہ میرے اندر سے آواز آرہی ہے؟"

"ہاں' میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ ذرا دیکھو ٹیلی پیتھی کس طرح ٹیکنی کا ناچ نچاتی ہے۔"

میں نے اسے اٹھایا بٹھایا۔ اِدھر سے اُدھر دوڑایا پھر صوفے پر بٹھا کر پوچھا "کیا میری موجودگی کا یقین ہوگیا؟"

"جی ہاں۔ میں مانتا ہوں' آپ فرہاد صاحب ہیں۔"

"تم یہ جانتے ہو کہ یہودی دنیا کے کتنے کاروبار پر چھائے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں جانتا ہوں۔"

"چند کاروباروں کے نام بتاؤ؟"

"پہلے وہ متحرک اور ساکت فلموں کے کاروبار پر چھائے ہوئے تھے' آج کل جاپان ورلڈ مارکیٹ پر چھا رہا ہے۔ یہودیوں کے پاس فولاد کا کاروبار ہے۔ صابن' کریم' میک اپ کا جملہ سامان اور کیا کیا بتاؤں جناب! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ان کی مصنوعات پاکستان میں آتی ہیں اور تم امپورٹ لائسنس جاری کرتے ہو اور پاکستانی سرمایہ داروں کے اشتراک سے انہیں یہاں کاروبار کی کھلی چھٹی دیتے ہو۔"

"میرے جاری کردہ لائسنس میں اور معاہدوں میں کسی یہودی کمپنی کا نام نہیں ہے۔ اسرائیل سے ہمارا براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو امریکا' یو کے اور جرمنی وغیرہ سے صنعتی تعلقات رکھتے ہیں۔ اگر آپ کسی بھی معاہدے سے یہ ثابت کردیں کہ درپردہ کوئی یہودی ہے تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔"

"میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ثابت کرسکتا ہوں۔"

"جادو اور ٹیلی پیتھی کو دنیا کی کوئی عدالت تسلیم نہیں کرتی۔ خیال خوانی کے ذریعے معاہدے تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ گواہوں کی زبان بدلی جاسکتی ہے۔ آپ سمجھدار ہیں' میری مجبوریاں سمجھیں۔ میں تو وہی کررہا ہوں جو قانون کی کتابوں میں لکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں تمہاری مجبوریاں سمجھ گیا ہوں۔ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں تمہارے پاس آیا تھا۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ واقعی وہ مجبور تھا۔ امریکا اور برطانیہ کے صنعت کار' یہودیوں کو اپنے پیچھے چھپا کر پاکستان میں ضمنی صنعتیں قائم کررہے تھے۔ اور یہ دعوے کرتے تھے کہ انہوں نے یہودیوں سے تمام حقوق خرید لئے ہیں۔ لہٰذا مسلمان سرمایہ داروں کا اسلام خطرے میں نہیں پڑے گا۔

یہ بھی درست تھا کہ میں لائسنس جاری کرنے والے تمام افسران کو ایسی سزائیں دیتا کہ وہ سرکاری ملازمتیں چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ لیکن وہ بے قصور تھے۔ ان کے پاس کارروائیوں کے لئے جو کاغذات آتے تھے ان میں کسی یہودی شخص یا یہودی کمپنی کا نام نہیں ہوتا ہے۔

اور یہ بھی درست ہے کہ ٹیلی پیتھی کو دنیا کی کوئی عدالت تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اس علم کے ذریعے عدالت میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ جبراً بنایا جاتا ہے۔ خیال خوانی کے ذریعے فاضل منصفوں کے فیصلے چشم زدن میں بدلے جاسکتے ہیں۔ میں اپنے ملک کے فاضل جج صاحبان' بیرسٹر حضرات اور دیگر قانون کے محافظوں کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ اس لئے اُن کے دماغوں سے کھیلنے کی گستاخی نہیں کروں گا؟ اور پھر کیوں کروں جبکہ وہ قانون کے عین مطابق ثبوت اور چشم دید گواہوں کے بیانات کی روشنی میں انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔

ٹیلی پیتھی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو مجرم قانون سے کھیل کر عدالت کو دھوکا دے کر صاف بچ کر نکل آتے ہیں' ہم صاف طور سے ان کا صفایا کردیتے ہیں۔

میں پھر جان شیر باز کے پاس آیا۔ وہ یہودی مشیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے ایک خیال خوانی کرنے والے نے جان شیر باز سے آکر کہا تھا "تم یا تمہارا کوئی بندہ روزینہ سے ملنے ائرپورٹ نہیں جائے گا۔"

اس نے پوچھا "یہ پابندی کیوں ہے؟"

"تمہاری بیٹی ایک ایسے نوجوان کو پھانس کر لا رہی ہے جس کی کوٹھی فرہاد کی بہن کی کوٹھی کے سامنے ہے۔ تم میں سے کوئی اسے ریسیو کرنے نہیں جائے گا تو روزینہ کو اس نوجوان کے گھر مہمان بن کر جانے کا موقع مل جائے گا۔"

"یہ آئیڈیا اچھا ہے۔ لیکن میں ایک برس بعد بیٹی سے ملنے والا تھا۔ آپ ایک باپ کی بے چینی سمجھ سکتے ہیں۔"

"ہم اپنا مشن پورا کرنے کے لئے باپ بیٹی' ماں بیٹے کے جذبات نہیں دیکھتے۔ پہلے ہمارے مشن کی کامیابی کی بھرپور کوششیں کرو۔ ہم تمہاری بیٹی کے ذریعے شاہینہ کی کوٹھی کے اندر اور پورے خاندان کے اندر پہنچنے والے ہیں۔"

"ایسا ضرور ہوگا۔ میری بیٹی بہت ذہین ہے۔ مجھے اتنی اجازت دو کہ میں دور سے اس کی صورت دیکھ لوں۔"

"اجازت ہے۔ ضرور دیکھو۔ لیکن وہ تمہیں دیکھ کر انجان بن جائے گی۔"

میں نے سلمان کے پاس جاکر اُسے یہاں کے حالات بتائے پھر پارس کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا "وہ ٹھیک جا رہا ہے۔ دشمنوں کو شبہ نہیں ہے۔ میں نے صرف چوبیس گھنٹوں کے لئے اس کی اصلی شخصیت بھلا دی ہے۔ یہ وقت گزرتے ہی وہ خود کو پارس کی حیثیت سے پہچان لے گا۔"

"وہ کب پہنچ رہا ہے؟"

"فرہاد بھائی! وہ تو پہنچ گیا ہے۔"

"کیا؟ لیکن جان شیر باز کو ایک خیال خوانی کرنے والے نے بتایا ہے کہ فلائٹ چار گھنٹے لیٹ ہے۔"

"میرا خیال ہے' اسے دھوکا دیا گیا ہے تاکہ وہ بیٹی کے قریب نہ جائے۔"

"ہاں ان لوگوں کو اندیشہ ہوگا کہ باپ بیٹی ائرپورٹ پر ایک دوسرے کو دیکھ کر جذبات سے مغلوب ہوسکتے ہیں۔ کوئی غلطی کرسکتے ہیں۔"

میں پھر جان شیر باز کے پاس آیا۔ اس کے پاس بیٹھنے والے

مشیر رخصت ہو گئے۔ وہ بیٹی کی صورت دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ اس لئے البم کھول کر ایک برس پہلے والی تصویر دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا' ایک برس بعد وہ اور کتنی پیاری لگتی ہوگی۔

آخر وہ کس مقصد کے لئے یہودیوں کا ایجنٹ بنا ہوا تھا؟ اپنی بیٹی اور بیٹے کو لندن کی اونچی سوسائٹی دینے کے لئے۔ اپنی بیوی کو دنیا کے ہر ملک اور ہر شہر کی شاپنگ کرانے کے لئے۔ پونڈ اسٹرلنگ میں اپنی دولت بڑھانے کے لئے۔ آخر میں سب کچھ پالینے کے بعد اور پاکستان کی (خدانخواستہ) ایسی تیسی کرنے کے بعد وہ بیوی بچوں سمیت بیت المقدس جائے گا جہاں کسی پاکستانی کو جانے کی اجازت نہیں ہے مگر ہر دوغلے مسلمان کو اجازت ہے۔ وہ جاتے ہیں' وہاں نمازیں پڑھتے ہیں' سجدے پر سجدے کرتے ہیں۔ کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) فریب دیتے ہیں۔ جان شیرباز کا بھی بڑھاپے میں یہی ارادہ تھا۔

میں نے کہا "چلو بیٹے! میں تمہارے ارادے پورے کرتا ہوں۔"

وہ البم کو ایک طرف رکھ کر اٹھ گیا۔ باہر آکر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے دل میں یہ بات پیدا کی کہ بیٹی کے انتظار میں وقت نہیں گزر رہا ہے۔ لہٰذا ایک لمبی ڈرائیو ... کے بعد ائرپورٹ جائے گا۔

دوسری طرف اس کی بیٹی پارس کے ساتھ آنرڈیسوزا کے ہاں پہنچ گئی تھی۔ ڈیسوزا اور اس کی وائف نے پارس کو اپنا بیٹا پیٹر ڈیسوزا سمجھ کر گلے لگایا اور اسے پیار کیا۔ روزینہ کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔ پارس نے کہا "مم! یہ برسوں بعد یہاں آئی ہے۔ کوئی اسے ریسیو کرنے نہیں آیا۔ بے چاری پریشان تھی۔ میں ساتھ لے آیا ہوں۔"

مم نے کہا "ہماری بیٹی کے رشتے داروں کو کسی طرح کا مغالطہ ہوا ہوگا۔"

ڈیسوزا نے کہا "یہی بات ہے۔ کوئی بات نہیں بیٹی! اسے اپنا ہی گھر سمجھو اور یہاں سے رابطہ کرو۔"

روزینہ نے کہا "مشکل یہ ہے کہ جس ڈائری میں ڈیڈی کا پتا اور فون نمبرز لکھے ہوئے تھے' وہ لندن میں بھول آئی ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہمارے بیٹے کی پسند ہو۔ یہاں مہینوں برسوں رہو۔ تمہارے ڈیڈی بھی مل جائیں گے۔"

وہ بولی "آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔ میں یہاں سے لندن فون کروں گی۔ ممی سے ڈیڈی کا پتا اور فون نمبرز معلوم کروں گی۔"

پارس نے پوچھا "کیا مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو؟"

وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی "تم جب تک نہیں کہو گے یہاں سے نہیں جاؤں گی۔"

روزینہ نے مجبوراً ہنستے ہوئے ایسا کہہ دیا۔ اس کے اندر جنرل پارکن اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ورنہ اس کا دل بھی باپ سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ وہ باپ کو اپنا آئیڈیل سمجھتی تھی اور سوچتی تھی' کسی ایسے جوان سے شادی کرے گی جس میں اس کے باپ جیسی خوبیاں ہوں۔ اپنے باپ کے قریب آکر بھی وہ اس سے مل نہیں پا رہی تھی۔

مم نے اس کے لئے ایک کمرا مخصوص کیا۔ وہ غسل کرنے کے لئے باتھ روم میں آئی پھر پارکن سے بولی "کچھ تو شرافت سے کام لو۔ میں غسل کرنے آئی ہوں۔ تمہیں ایک گھنٹے تک نہیں آنا چاہئے۔"

وہ بولا "ایک گھنٹا بہت ہوتا ہے۔ ہم تمہیں یہاں وقت ضائع کرنے نہیں لائے ہیں۔ میں صرف بیس منٹ کے لئے جا رہا ہوں۔ فوراً غسل کرلو۔ ورنہ میں تمہاری شرم وحیا کا پاس نہیں رکھوں گا۔ ہماری نظروں میں عورت کا بدن اور اس کی حیا فضول سی چیزیں ہیں۔ کام کی اہمیت ہے کام کی۔"

وہ چلا گیا۔ روزینہ اسے گالیاں دیتے ہوئے جلدی جلدی غسل کرنے لگی۔ وہ چاہتی تھی' کوئی شیطانی حرکت نہ ہو اس لئے وقت سے پہلے ہی لباس بدل لیا۔ اس نے آکر حیرانی سے کہا "تعجب ہے' اتنی جلدی تم نے غسل بھی کرلیا اور لباس بھی تبدیل کرلیا؟"

"اور مجھے تمہاری شیطانی حرکت پر تعجب نہیں ہے۔ بیس منٹ سے پہلے آئے ہو۔ اپنی ماں کے پاس بھی ایسے ہی جاتے......"

"شٹ اپ نان سنس! میں کھوپڑی گھما کر رکھ دوں گا۔"

"کھوپڑی گھما دو گے تو کام کس سے لو گے؟"

"اچھا بکواس مت کرو۔ کام کی بات سنو۔"

"میں نہیں سنوں گی۔"

"کیا تم میرے حکم سے انکار کر رہی ہو؟"

"اس کا جواب میں دوسرے خیال خوانی کرنے والوں کو دوں گی۔ اگر ابھی مجھ سے کام لینا چاہتے ہو تو ان سب کو بلاؤ۔"

دونوں میں تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ جنرل پارکن اسے دماغی زلزلہ نہیں پہنچا سکتا تھا کیونکہ ابھی بڑے اہم کام اس سے لینے تھے اور وہ اس کی بات نہیں مان رہی تھی۔

آخر اس نے مجبور ہو کر گولڈن برینز کو رپورٹ دی۔ ایک گولڈن برین نے پوچھا "کیا تمہاری رپورٹ بالکل درست ہے کہ وہ خواہ مخواہ کام کرنے سے انکار کر رہی ہے؟"

"جی ہاں۔ میں بالکل درست کہہ رہا ہوں۔"

"کیا تم گولڈن برینز کو اتنا مجبور اور محدود سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے سچ اور جھوٹ کو نہیں پکڑ سکتے ۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ گولڈن برینز کی ٹیم میں جاسوس خیال خوانی کرنے والے ہیں۔"

دوسرے گولڈن برین نے کہا "تم نے روزینہ کو غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کے لئے بیس منٹ کی مہلت دی تھی اور پندرہ منٹ میں پہنچ گئے تھے' کیا اس شیطانی حرکت پر کسی بھی جوان لڑکی کو غصہ نہیں آئے گا؟"

تمام گولڈن برینز ایک ایک کرکے بول رہے تھے۔ جنرل پارکن اور روزینہ کے درمیان ہونے والے مکالمے سنا رہے تھے۔ جنرل پارکن کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ آج کے گولڈن برینز دماغوں میں کسی

جاسوس خیال خوانی کرنے والے کے ذریعے پہنچ جاتے ہیں۔

ایک گولڈن برین نے کہا "مسٹر پارکن! تمہیں جھوٹ اور فریب کی سزا ضرور ملے گی۔ تم اپنے کمرے سے تاحکم ثانی باہر نہیں نکلو گے۔ باہر قدم رکھتے ہی سیکیورٹی گارڈز تمہیں گرفتار کرکے ٹارچر سیل میں پہنچا دیں گے۔ تم سے نمٹا جائے گا۔ ابھی جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ گولڈن برینز نے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیری ہوکن کو حکم دیا کہ وہ روزینہ کے پاس جاکر بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالے اور معلوم کرے کہ شاہینہ کے گھر میں دن رات کتنے افراد آتے جاتے ہیں اور وہ کون لوگ ہوتے ہیں اور ان کے حلئے اور خاص پہچان کیا ہوتی ہے؟"

ہیری ہوکن نے آکر کہا "مس روزینہ! جنرل پارکن نے جو حرکت کی ہے' اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ جنرل پارکن کو سزا کے طور پر نظربند کر دیا گیا ہے۔ تمہارے ساتھ انصاف ہوا ہے۔ کیا تم مطمئن ہو؟"

"میں بہت خوش ہوں۔ مجھے کام بتاؤ۔"

وہ بولا "سامنے والی کوٹھی میں فرہاد کی بہن شاہینہ اپنی ایک جوان بیٹی ثمینہ' ایک جوان بیٹے کامران اور دو چھوٹے بچوں گڈو اور پپو کے ساتھ رہتی ہے یعنی اس گھر میں کل پانچ افراد ہیں۔ تم کسی بہانے چھت پر دوربین لے کر جاؤ۔ ان کی کھڑکیوں سے جو بھی نظر آئے' اسے اچھی طرح پہچان لو۔ جب پانچوں کو ان کے چہروں سے اچھی طرح پہچان لو گی تو کسی چھٹے اجنبی کی آمد سے معلوم ہو سکے گا کہ اور کون آتا جاتا ہے۔"

"ان کے ہاں ملازم بھی تو ہوں گے؟"

"نہیں' ملازموں کو احتیاطاً نکال دیا گیا ہے تاکہ ہم ان کے دماغوں میں جگہ نہ بنا سکیں۔"

"تم لوگ شاہینہ اور اس کے بچوں کے دماغوں میں جا سکتے ہو۔"

"بے شک جا سکتے ہیں۔ لیکن وہ فرہاد کی بہن اور بھانجے اور بھانجیاں ہیں۔ کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا صرف اس خوف سے ان کے اندر نہیں جاتا کہ پکڑا جائے گا اور بے موت مارا جائے گا۔"

"لیکن کیسے پکڑا جائے گا؟"

"یہ ابھی تم نہیں سمجھو گی۔ ہم خود نہیں سمجھ پاتے کہ فرہاد اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے کس طرح اپنوں کے اندر دشمنوں کی بو سونگھ لیتے ہیں۔ ایسے اندیشوں سے بچنے کے لئے تمہیں آلۂ کار بنایا گیا ہے اور تمہیں بھی ان سے دور رکھا گیا ہے۔"

وہ اپنی اٹیچی سے دوربین نکال کر شانے پر لٹکاتے ہوئے بولی۔ "میں چھت پر جاؤں گی۔ کیا مجھے گائیڈ کرتے رہو گے؟"

"میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ کوئی اعتراض ہو تو کہہ دینا۔ تھوڑی دیر کے لئے چلا جاؤں گا۔"

"شکریہ' تم بہت مہذب انسان ہو۔"

وہ کمرے سے باہر آئی۔ پھر پارس سے بولی "ہائے پیٹر! تم ابھی تک مم سے باتیں کر رہے ہو۔ میں ذرا چھت پر جاکر آس پاس کا ماحول دیکھنا چاہتی ہوں۔ چلو گے؟"

"تم اوپر چلو' میں غسل کرکے لباس بدل کے ابھی آتا ہوں۔"

مم نے اسے چھت پر پہنچایا پھر بولی "بیٹی! بڑی دھوپ ہے۔ برداشت نہیں کر پاؤ گی۔"

"اوہ مم! میں جوان ہوں اور جوانی دھوپ اور گرمی سے ہی بنتی ہے۔ آپ نیچے جاکر آرام کریں۔"

وہ بے چاری چلی گئی۔ روزینہ نے دوربین سنبھالی۔ پھر سامنے دیکھتے ہوئے زیرِ لب بولی۔ "کوٹھی بڑی شاندار ہے۔ آخر بہن کس کی ہے۔"

ادھر میرے اور سلمان کے درمیان رابطہ قائم تھا۔ سلمان نے بتایا۔ "وہ دوربین سے دیکھ رہی ہے اور ایک گائیڈ کرنے والا

اس کے اندر موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ واپس جاؤ۔ کوئی خاص بات ہو تو آکر بتا دینا۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے جان شیرباز سے کار اسٹارٹ کرائی' اسے آگے بڑھایا۔ شاہینہ کی کوٹھی سے صرف سو گز کے فاصلے پر میں نے اس کی کار روکی تھی۔ وہ آدھے منٹ میں کوٹھی کے سامنے رک گیا۔

چھت پر کھڑی ہوئی روزینہ نے سوچ کے ذریعے کہا "ایک کار آکر رک گئی ہے۔"

ہیری ہوگن نے کہا "غور سے دیکھو۔ جو بھی اندر جائے اس کی خاص پہچان بیان کرتی جاؤ۔"

کار کا دروازہ کھلا تو بیٹی کو باپ کی صورت نظر آئی۔ پہلے تو یقین نہیں آیا پھر اس نے دوربین کے لینس کو ایڈجسٹ کرکے دیکھا تو خوشی سے بولی "مسٹر ہوگن! یہ تو میرے ڈیڈی ہیں۔"

ہوگن نے حیرانی سے پوچھا "تم خوش ہو رہی ہو؟ یہ پریشانی کی بات ہے۔ تمہارا باپ یہاں مرنے کیوں آگیا ہے۔"

"میرے باپ کے بارے میں زبان سنبھال کر بولو۔"

"میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔ میں ابھی مسٹر شیرباز سے معلوم کرتا ہوں' معاملہ کیا ہے؟"

اس نے جان شیرباز کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ میں نے پوری طرح اس کے دماغ پر قبضہ جما رکھا تھا۔ ہوگن نے اس سے پوچھا "مسٹر شیرباز! تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

جان شیرباز نے میری مرضی کے مطابق پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں تنظیم کا ایک خیال خوانی کرنے والا ہوں۔ میرا ساتھی جے مورگن تم سے رابطہ رکھتا ہے۔"

شیرباز نے کہا "وہ رابطے کے وقت کوڈ ورڈز استعمال کرتا ہے۔"

"میں ابھی جے مورگن کو بھیج رہا ہوں۔ مگر یاد رکھو' تم نے یہاں آکر بڑی گڑبڑ کردی ہے۔"

وہ چلا گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی جے مورگن نے آکر کوڈ ورڈز ادا کئے۔ پھر پوچھا۔ "یہاں کیوں آئے ہو؟"

وہ بولا "تم نے جھوٹ کہا تھا کہ فلائٹ چار گھنٹے لیٹ ہے۔ تمہارے جھوٹ کی وجہ سے میں اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ سکا۔"

"بیٹی کو نہ دیکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم دشمن کی کوٹھی کے سامنے آجاؤ۔"

جان شیرباز نے کہا "ارے خود بولتے ہو۔ خود بھول جاتے ہو۔ تم نے ہی کہا تھا کہ میری بیٹی ٹھیک شاہینہ کے سامنے والی کوٹھی میں ٹھہرے گی۔ پھر میں اسے دیکھنے یہاں نہیں آؤں گا تو قبرستان جاؤں گا کیا؟"

جے مورگن نے کہا "میں سمجھ چکا ہوں۔ تمہیں فرہاد یہاں پکڑ کر لایا ہے۔"

اس بار میں نے اپنی آواز میں پوچھا "بس اتنا ہی سمجھ پائے یا آگے پیچھے بھی کچھ سمجھ میں آرہا ہے؟"

وہ بولا "آخر تم ظاہر ہوگئے؟"

"تم لوگوں کو ظاہر کرنے کے بعد ظاہر ہو رہا ہوں۔ ادھر سامنے والی چھت پر بیٹی کے دماغ میں ہیری ہوگن ہے۔ اس سے پہلے پارکن تھا۔ اپنے کچھ اور بندوں کو بلالو تاکہ وہ ایک ایک پل رپورٹ گولڈن برینز تک پہنچاتے رہیں۔"

وہ بولا "یہ ہمارا تمہارا معاملہ ہے۔ تم خواہ مخواہ جان شیرباز کو یہاں کیوں لائے ہو؟"

"پہل تم لوگوں نے کی ہے۔ تم بیٹی کو لائے ہو' میں باپ کو لایا ہوں۔ اور دونوں باپ بیٹی نام نہاد مسلمان اور پاکستانی ہیں۔ تجارت کے شعبے میں یہ جان شیرباز جس طرح میرے ملک میں تمہیں منافع کمانے کے مواقع دے رہا ہے' اس غداری اور وطن فروشی کی سزا موت ہے۔"

"تم پچھتاؤ گے فرہاد!"

"اس کی موت کے بعد میں تمہیں پچھتانے کے ہنر سکھاؤں گا۔ میں اعلان کرچکا تھا کہ میری بیوہ بہن کا دروازہ عوامی عدالت کا دروازہ ہے۔ جب قانون بے بس ہو جائے گا اور عدالت کو ثبوت اور گواہ نہیں ملیں گے تب میری بہن کے دروازے پر عدالت لگے گی۔"

جان شیرباز نے کوٹ کے اندر سے ریوالور نکال کر ایک ہوائی فائر کیا۔ میں نے اس کے ذریعے بلند آواز سے کہا "لوگو! مجھے افسوس ہے' میں پیشگی اطلاع نہ دے سکا۔ یہاں ایک ہنگامی عدالت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔"

اس نے دوسرا ہوائی فائر کیا۔ بار بار فائرنگ ہو اور لوگ نہ آئیں؟ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ اس لئے بھیڑ لگنے لگی۔ اس بار جان شیرباز میری مرضی کے مطابق اپنی آواز میں بولنے لگا۔

"لوگو! میں نام نہاد مسلمان ہوں۔ یہودیوں کا دلال ہوں۔ آج تک مجھے کوئی قانون کا محافظ گرفتار نہ کرسکا۔ لیکن فرہاد علی تیمور نے موت کے دروازے پر پہنچا دیا ہے۔ میں اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے خود کو موت کی سزا دے رہا ہوں۔"

اس نے ریوالور کی نال کو اپنی کنپٹی سے لگایا۔ سامنے والی چھت سے بیٹی کی چیخ سنائی دی۔ "نہیں ڈیڈی! نہیں۔۔۔"

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ ٹھائیں کی گونجتی ہوئی آواز میں اس کی آواز گم ہوگئی۔ جس دوربین سے میرے گھر میں جھانکنے آئی تھی' وہ آنکھوں سے سرک کر گلے میں جھول گئی۔ کسی کی حرام موت دیکھنے کے لئے دوربین ضروری نہیں ہوتی' دور بینی لازمی ہوتی ہے۔

اب ان کی باری ہے' جو یہودی مصنوعات پاکستان میں فروخت کر رہے ہیں۔

"اٹینشن پلیز اٹینشن!"

(توجہ فرمائیں! توجہ فرمائیں!)

"اے ڈینجرس مین ہیز تو اسٹیپ ان دی ہارٹ آف اسرائیل۔"

(ایک خطرناک شخص ملک اسرائیل کے قلب میں اپنے قدم رکھنے والا ہے۔)

یہ آواز نیویارک سے تل ابیب تک گونج رہی تھی' یہ اطلاع ٹرانسمیٹر کے ذریعے سنائی دی۔ سول اور فوج کے سراغرسانوں نے۔ اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران نے پہلے تو اسے بچکانہ سی بات سمجھ کر نظر انداز کیا' پھر ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہونے لگیں۔ رات کے ایک دو بجے ٹیلی فون کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ ان عہدیداران کے تمام سیکریٹریز فون اٹینڈ کرتے تھے اور جو اپنے اعلیٰ آفیسر کو نیند سے بیدار نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا۔

ان حالات میں تمام اعلیٰ عہدیداران کو فون اور ٹرانسمیٹر اٹینڈ کرنا پڑا کیونکہ تمام سکریٹریز کے اندر زلزلہ پیدا ہونے سے اس نئے مسئلے کی اہمیت کو تسلیم کرنا لازمی ہوگیا تھا اور یہ تصدیق ہوگئی تھی کہ جو ڈینجرس مین آرہا ہے اس کا تعلق ٹیلی پیتھی سے ہے۔

امریکی اور اسرائیلی وزارت خارجہ کے درمیان ایک ایک پل میں رابطہ ہو رہا تھا۔ دونوں ممالک کے متعلقہ افسران اطلاع دینے والے سے پوچھ رہے تھے "تم کون ہو؟ اسرائیل کے قلب میں قدم رکھنے والا وہ ڈینجرس مین کون ہے؟ اسرائیل کے قلب سے مراد بیت المقدس ہے یا تل ابیب؟"

اطلاع دینے والے نے جواب دیا "اس کا جواب کل ملے گا۔"

یہ خوف اور پریشانی میں مبتلا کرنے والی بات تھی۔ اب انہیں کل کا انتظار کرنا تھا۔ دونوں ملکوں کے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اداروں کے ہنگامی اجلاس ہونے لگے۔ امریکا کا فی الحال کوئی نقصان نہیں تھا لیکن وہ اسرائیل کے لئے فکرمند تھا کہ وہاں کون آرہا ہے اور اس ملک میں کیا ہونے والا ہے؟

سپرماسٹر ہولی مین نے کہا "یوں تو یہودیوں کے بہت سے دشمن ہیں خود ہم ان سے پریشان رہتے ہیں لیکن مصلحتاً دشمنی نہیں کرتے۔ کھل کر دشمنی کرنے والے صرف مسلمان ہیں۔ کیا آپ تسلیم کرتے ہیں؟"

اجلاس کے حاضرین نے تائید کی۔ سپرماسٹر نے کہا "وہ ڈینجرس مین ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے تعلق رکھتا ہے اور فرہاد کے پاس ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی فوج ہے۔"

جان لیوڈا نے کہا "میں خیال خوانی کے ذریعے اس اطلاع والے کے دماغ میں پہنچنے کی ناکام کوششیں کرچکا ہوں۔ وہ سانس روک لیتا ہے۔ اس ٹیم میں سب سے ڈینجرس مین فرہاد ہے۔ کیا فرہاد اسرائیل کی زمین پر اطلاع دے کر قدم رکھنے کی حماقت کرے گا؟"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا "اس سے پہلے فرہاد اپنی کئی ڈمی اسرائیل پہنچا چکا ہے' ایک اور پہنچا دے گا۔ اگر اس ڈمی کو مار ڈالا گیا تو فرہاد کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

سپرماسٹر ہولی مین نے کہا "فرہاد کی ڈمی جہاں بھی روانہ کی گئی اس کی پہلے اطلاع نہیں دی گئی۔ کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ کوئی خطرناک بلا آرہی ہے۔ اگر ہمارے اعلیٰ افسر کے خیال کے مطابق اسرائیل پہنچنے والی ڈمی کو مار ڈالا گیا تو پھر وہ ڈینجرس مین تو نہ رہا' وہ تو کوئی چوہا ہوگا۔"

ایک نے پوچھا "سپرماسٹر' تمہارا کیا خیال ہے؟"

وہ بولا "جب تک بات کی تہ کو نہ پہنچوں' کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ یہ ضرور کہوں گا کہ وہاں فرہاد نہیں جائے گا۔"

دوسرے نے کہا "تو پھر اس کے دو بیٹوں میں سے کوئی جائے گا۔"

سپرماسٹر نے کہا "آج تک فرہاد کی فیملی میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ قیامت ہے' طوفان ہے اور ڈینجرس مین ہے۔ نہیں وہ دعوے نہیں کرتے' جو کرنا ہوتا ہے کر گزرتے ہیں اس لئے فرہاد کا کوئی بیٹا بھی اسرائیل نہیں جائے گا۔"

"تو پھر؟"

"پھر کا جواب کل ہی ملے گا۔"

دوسرے دن تمام عہدیدار ٹیلی فون' ٹرانسمیٹر اور فیکس مشین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن اطلاع دینے والے نے دماغی رابطہ کیا اور کہا "میں تمہارے پاس ہوں۔"

ایک یہودی افسر نے اعلیٰ حکام اور افسران سے کہا "سر! وہ میرے اندر بول رہا ہے۔"

سب نے اسے توجہ سے دیکھا۔ اطلاع دینے والے نے افسر کی زبان سے کہا "ہاں میں خیال خوانی کی قوت سے بول رہا ہوں۔ وہ ڈینجرس مین آرہا ہے۔"

ایک نے سوال کیا "پیشگی اطلاع کا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب یہی ہے جو پورا ہو رہا ہے۔ تمہارا سکون اور تمہاری نیندیں حرام ہوگئی ہیں۔"

"گویا ہمیں دھمکیوں سے پریشان کیا جا رہا ہے؟"

"ایک گڈریا روز چیختا تھا' شیر آیا' شیر آیا۔ لوگوں نے اسے دھمکی یا شرارت سمجھ لیا۔ پھر ایک دن سچ مچ شیر آگیا اس لئے دھمکی محض دھمکی نہیں ہوتی۔ دھماکا بن جاتی ہے تو سوچنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔"

"تم خواہ مخواہ خود کو پُراسرار بنا رہے ہو۔ ایک احمق بھی یہ

کہہ سکتا ہے کہ تم فرہاد ہو۔"
"بے شک' احمق یہی کہیں گے۔"
وہ جھینپ گیا' پھر بولا "چلو اچھا ہوا کہ فرہاد نہیں ہے۔ وہ ڈینجرس مین ہماری زمین پر قدم رکھتے ہی حرام موت مرے گا۔"
"اس کے قریب کوئی جائے گا تو وہ خود مرے گا اور اس کے قریب جانے کا مطلب ہی اپنی زندگی ہارنا ہے۔"
"تمہارا خیال ہے اسرائیل میں فوج' ہتھیار اور سیکیورٹی جیسی کوئی چیز نہیں ہے؟"
"ضرور ہے لیکن سب چیزیں بے اثر ہو جائیں گی۔ وہ آئے تو آزما لینا اور ہاں' وہ تنہا نہیں' اپنی شریکِ حیات کے ساتھ آرہا ہے۔"
"آخر بات کھل گئی نا؟ سونیا اور فرہاد آرہے ہیں۔"
"سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤ پھر بھی سمجھ نہیں پاؤ گے۔ ویسے خدا گواہ ہے فرہاد اور اس کی فیملی کا کوئی فرد یہاں قدم نہیں رکھے گا۔ میں جا رہا ہوں۔"
"ایک منٹ' اتنا بتا دو وہ کب آرہا ہے؟"
"اس کا جواب کل ملے گا۔"
یہ پھر جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے والی بات تھی۔ کئی دنوں سے سکون غارت کیا جا رہا تھا کہ کوئی خطرناک شخص آرہا ہے' جب آنے والے کو اہمیت دی جانے لگی تو ایک دن میں ایک ہی سوال کا جواب دیا جانے لگا۔ دوسرے سوال کا جواب دوسرے دن پر ٹال دیا جاتا تھا اور یہ غصے اور بے بسی میں مبتلا کرنے والا انداز تھا۔
ایک گولڈن برین نے کہا "دشمنوں کی چالوں سے کچھ سیکھا کرو۔ وہ گالیاں دے تو طیش میں نہ آؤ' وہ طیش دلائے تو برداشت کرو تب ہی تم ٹھنڈے دماغ سے ہر پہلو پر غور کر سکتے ہو۔"
دوسرے گولڈن برین نے کہا "اہم سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے ملک میں کیوں آرہا ہے؟ آنے والے کی دلچسپی ہمارے ملک سے کیا ہے؟"
"آنے والا چیلنج کے انداز میں آرہا ہے لہٰذا وہ دوست نہیں ہوگا مگر اسے ہم سے دشمنی کیا ہے؟"
"ہمارا خیال گھوم پھر کر فرہاد کی طرف جاتا ہے' اسے پاکستان میں ہماری تجارتی منافع خوری کا علم ہوگیا ہے۔ اس نے ہمارے سب سے بڑے ایجنٹ جان شیرباز کو مار ڈالا ہے' اب وہ اپنے کسی ڈینجرس مین کو یہاں پہنچائے گا اور اس کے ذریعے ہماری خارجہ و تجارتی پالیسی پر نظر رکھے گا اور معلوم کرتا رہے گا کہ اسرائیل کا کتنا صنعتی مال پاکستان میں فروخت ہونے کے لئے نام بدل کر جاتا ہے۔"
"وہ تو خیال خوانی کے ذریعے بھی ایسی معلومات حاصل کر سکتا ہے پھر ہمارا مال امریکا اور یو کے کے تاجروں کے ذریعے بھی جاتا ہے۔ فرہاد اپنے کسی ایجنٹ کو اسرائیل صرف اس مقصد کے لئے نہیں بھیجے گا۔"
"مقاصد کچھ بھی ہوں' دشمن نے آنے والے کو معمہ بنا دیا ہے۔"
"وہ بھی آنے والا ایک نہیں' دو ہیں۔ اور وہ کمبخت یہاں ہنی مون منانے آرہے ہیں۔"
"ہو سکتا ہے آچکے ہوں۔"
"جب اعلانیہ آرہے ہیں تو چھپ کر نہیں آئیں گے۔"
"بھئی آنے دو ہو سکتا ہے ہم کھودیں پہاڑ اور نکلے چوہا۔"
"ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کسی چیز کی بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے پھر پتا چلتا ہے کہ اونچی دکان اور پھیکا پکوان ہے۔"
"ہمارے اطمینان کے لئے یہ بہت ہے کہ فرہاد اور اس کے بیٹے نہیں آرہے ہیں۔"
دوسرے دن اطلاع دینے والے نے پھر رابطہ کیا اور کہا آرہے ہیں۔ اگلے دن ٹھیک بارہ بجے جب سورج سر پر ہو تمہارے سروں پر موجود ہوں گے۔"
ایک اعلیٰ حاکم نے پوچھا "کیا تم یہ توقع کرتے ہو کہ ہم بلائے مہمانوں کا استقبال کریں گے؟"
"میں کئی دنوں سے اطلاع دے رہا ہوں' کسی طرح کی ظاہر نہیں کر رہا ہوں۔ تمہاری عقل جو کہتی ہے وہ کرو۔"
"وہ کس ملک سے آرہے ہیں؟"
"افق کے اس پار سے۔"
"بین الاقوامی پرواز کے قوانین کے مطابق یہ پہلے سے کیا جاتا ہے کہ کسی بھی ملک کا طیارہ کتنے ممالک سے گزرے گا روٹ لائن کے ہر ملک کو پیشگی اطلاع دی جاتی ہے۔"
"وہ بن بلائے مہمان آجائیں تو ان سے پوچھ لینا کہ الاقوامی قوانین کی پابندی انہوں نے کیوں نہیں کی؟"
"ہم اس طیارے کو فضا میں ہی مار کر گرا سکتے ہیں۔"
"ایسی غلطی نہ کرنا۔ اسرائیل کا نقشہ اس دنیا سے جائے گا۔"
اطلاع دینے والے نے رابطہ ختم کر دیا۔ بین الاقوامی کے اداروں کے درمیان رابطے ہونے لگے۔ خلائی اسٹیشن جاسوسی کیمرے زمین کے ہر حصے سے پرواز کرنے والی چیزوں تصویریں اتارنے لگے۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے سیارے سے رپورٹ ملی کہ یونان کے جنوب مشرقی ساحل سے طیارے نے پرواز کی ہے اور وہ افریقہ کے شمالی سمندروں پر کرتا ہوا اسرائیل کی طرف آرہا ہے۔
پورے اسرائیل میں سنسنی پھیل گئی۔ ہنگامی حالات کا پہلے ہی کر دیا گیا تھا۔ تل ابیب اور حیفہ میں شہریوں کو گھروں باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ پہلے سرکاری لوگ ان مہمانوں دیکھنا چاہتے تھے اور یہ توقع کر رہے تھے کہ کوئی غیر متوقع بات بھی ہو سکتی ہے جس سے شہریوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔
ٹھیک بارہ بجے وہ طیارہ تل ابیب پہنچ گیا۔ ائرپورٹ میں ہزاروں
تک فوجی جوان اپنی گنوں کے ساتھ مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک چھوٹے سائز کا طیارہ تھا۔ اس میں دس بارہ مسافر پرواز کر سکتے تھے۔ اس کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ کسی خاص کمپنی کا تیار کردہ نہیں ہے۔ اسے چند لوگوں نے خفیہ طور سے کہیں تیار کیا ہے اور بڑی مضبوطی سے تیار کیا ہے۔
وہ ایک رن وے پر آکر ٹھہر گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد اس کا انجن بند ہوگیا۔ ہزاروں فوجیوں کی نظریں اس طیارے پر مرکوز تھیں وہ ایک بند مٹھی کی طرح تھا۔ پتا نہیں اس کے اندر سے نکلنے والے کون ہوں گے۔ ویسے یہ اندیشہ تھا کہ پنڈورا بکس کھلنے والا ہے۔
پنڈورا بکس کی وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے' اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارضی دنیا آباد کی تو یہاں مسرتیں ہی مسرتیں تھیں۔ کوئی دکھ درد کا مطلب سمجھتا ہی نہیں تھا' کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں آتا تھا ہر طرف ہنستے مسکراتے انسانی چہرے تھے۔
ایک دن ایک شیطان صفت بوڑھے نے ایک ہنستی مسکراتی لڑکی کو ایک خوب صورت سی صندوقچی لاکر دی اور اس سے کہا "اسے اپنے پاس رکھو لیکن اسے کبھی نہ کھولنا۔"
وہ بوڑھا صندوقچی دے کر چلا گیا۔ لوگ اس لڑکی کے ہاں اسے دیکھنے آتے تھے اور کہتے تھے۔ جو صندوقچی باہر سے اتنی خوب صورت ہے وہ اندر سے نہ جانے کتنی خوب صورت ہوگی۔
یہ انسان کی فطرت ہے اس سے کوئی چیز چھپاؤ تو وہ اسے دیکھنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔ ہزار منع کرنے کے باوجود وہ اسے دیکھ کر ہی دم لیتا ہے۔ اس لڑکی نے وہ صندوقچی کھول دی! اس کے کھلتے ہی چیخوں' آہوں اور کراہوں کی آوازیں اندر سے ابھرتی ہوئی نکلیں اور ہنستی بستی دنیا میں دکھوں اور بیماریوں کا آغاز ہوگیا۔
وہ صندوقچی پنڈورا بکس کے نام سے مشہور ہے اور یہ محض ایک بچکانہ قصہ نہیں' درسِ عبرت ہے کہ انسان خود اپنی نادانی یا کم عقلی سے مصیبتوں کو دعوت دیتا ہے۔ ہم نے اسرائیلی حکام کو بارہا سمجھایا ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو' پنڈورا بکس نہ کھولو لیکن انہوں نے آخر اس بکس کو اپنے ائرپورٹ پر بلوا ہی لیا۔
اب اس پنڈورا بکس کو تو کھلنا ہی تھا' اس کے اندر سے دکھوں اور مصیبتوں کا طوفان نکلنا ہی تھا لیکن اس طیارے کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ پہلے تو سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کدھر سے کھلے گا اور ڈینجرس مین کہاں سے نمودار ہوگا۔ پھر سب چونک گئے' وہ طیارہ لرز رہا تھا جیسے مقید شیر پنجرے کو ٹکریں مار کر لرزا رہا ہو۔ ایک منٹ کے اندر ہی طیارے کی چھت زوردار آواز سے الگ ہو کر اوپر اٹھ گئی۔ اس فولادی چھت کو دونوں ہاتھوں سے اٹھانے والا جرائیل گرانٹ تھا۔ وہ پہاڑ جیسا قد آور شخص انسان کم اور روبوٹ زیادہ لگ رہا تھا۔ اس نے سالم چھت کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ فوجی جوان دوڑتے ہوئے دور چلے گئے اور اپنی گنوں کے ساتھ نئی پوزیشن سنبھالنے لگے۔ ان کے سینئر افسران انہیں کسی وقت بھی فائرنگ کا حکم دے سکتے تھے۔
چھت کے کھلتے ہی سوسانہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی وہ بھی قد اور جسامت میں جرائیل گرانٹ کے برابر تھی۔ دیکھنے والوں کو سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ روبوٹ کی شریکِ حیات شی روبوٹ ہے اور غیر معمولی طاقت میں جرائیل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس نے ایک زوردار بڑک لگا کر طیارے کی دیوار کو لات ماری۔ فولادی دیوار لرزتی ہوئی ایک طرف جھکنے لگی' پھر سوسانہ کی دوسری کک پر وہ دیوار ٹوٹ کر رن وے کے فرش پر آگئی۔
کسی چشمِ حیرت نے یہ تماشا کبھی دیکھا نہ ہوگا جو دکھائی دے رہا تھا۔ اس تماشے کو قصہ کہانی بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ موجودہ سائنسی دور میں فولادی روبوٹ ایسی حیرت انگیز تخریبی کارروائیاں پیش کر چکے ہیں۔ سوسانہ اور جرائیل بھی ایسے ہی سائنسی تجربات سے گزارے گئے تھے۔ فولادی روبوٹ بنانے والوں نے یہ نیا تجربہ کیا تھا کہ غیر معمولی قد آور انسانوں کے اندر اگر فولادی ہڈیاں بنائی جائیں اور اوپر سے گوشت پوست کا ہی جسم رہے تو یہ آدھے انسان اور آدھے روبوٹ کیسے نتائج پیش کریں گے؟
بڑی تلاش کے بعد سوسانہ اور جرائیل گرانٹ کا جوڑا ایسے تجربات کے لئے ملا تھا۔ وہ یوں بھی قدرتی طور پر نہایت ہی شہ زور تھے۔ امریکا کی ایک انڈر گراؤنڈ لیبارٹری میں ان پر کئی طرح کے تجربات کئے گئے۔ جیسے جیسے کامیابیاں حاصل ہوتی گئیں' مزید نئے تجربات بھی ہوتے رہے۔ اس داستان میں ان دونوں کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آئندہ بھی واقعات کے تسلسل کے ساتھ ان کے ماضی کی اہم باتیں پیش ہوتی رہیں گی۔
میری فیملی کو نیست و نابود کر دینے کے لئے سوسانہ اور جرائیل گرانٹ کو پیرس بھیجا گیا تھا۔ یہ دشمنوں کی بدبختی تھی کہ سوسانہ حسنِ اتفاق سے پارس کے چکر میں آگئی اور پارس نے اسے اپنی آپا جان بنا لیا تھا۔ پھر یہ رشتے داری اتنی گہری اور مضبوط ہوگئی کہ پارس کے مشورے کو وہ تسلیم کر کے روپوش ہوگئے۔ دونوں کو بڑی رازداری سے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دیا گیا۔ پھر کسی دوست دشمن نے نہیں دیکھا کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کیسی ٹریننگ دی جا رہی ہے۔
امریکی سائنس دانوں کے لئے یہ چونکا دینے والی خبر تھی کہ ان کے تجربات کا نچوڑ انسانی روبوٹ سوسانہ اور جرائیل زندہ ہیں اور برسوں بعد اسرائیل میں نمودار ہوئے ہیں۔
تل ابیب کے ائرپورٹ پر کئی مقامات پر ٹی وی کیمرے نصب تھے۔ ائرپورٹ پر جو کچھ ہو رہا تھا اسے سیٹلائٹ کے ذریعے امریکا میں بھی دیکھا جا رہا تھا پھر تمام ممالک کے اخباری رپورٹرز اور فوٹو گرافرز وہاں موجود تھے۔ پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ دونوں یونان یا آس پاس کے کسی ملک سے آئے ہیں۔ اب امریکا پر الزام عائد کیا جا رہا تھا۔ ماضی میں سب جانتے تھے کہ دونوں انسانی روبوٹ امریکا کی

ایجاد ہیں۔
سپرماسٹر ہولی مین اسرائیلی حکام کو یقین دلا رہا تھا کہ پارس نے سوسانہ اور جرائل کو اغوا کیا تھا اس سلسلے میں پھر کسی وقت بحث ہو سکتی ہے' فی الحال ان دونوں کو نقصان پہنچانے کی نادانی نہ کی جائے۔ ان پر بندوق کی گولیاں بھی اثر نہیں کرتی ہیں۔

وہ دونوں طیارے پر سے چھلانگیں لگا کر رن وے کے فرش پر آگئے تھے اور شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے ائیرپورٹ کی عمارت کی سمت بڑھ رہے تھے۔ افسران کے حکم سے فوجی جوان پیچھے ہٹ کر انہیں گزرنے کا راستہ دے رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کہا جا رہا تھا "مسٹر گرانٹ اور مسز سوسانہ گرانٹ! تم بن بلائے مہمان ہو۔ ہمارے ملک میں تمہاری آمد غیر قانونی ہے اس کے باوجود ہم امن و امان بحال رکھنے کے لئے تمہیں وی آئی پی لاؤنج تک محدود رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ شہریوں کی جان و مال کی حفاظت تم پر بھی لازم ہے لہٰذا ہمارے احکامات کی تعمیل کرو۔"

وہ دونوں چلتے چلتے رک گئے پھر جرائل گرانٹ نے منہ اٹھا کر بولنا شروع کیا تو اس کی آواز اسپیکر کے بغیر دور تک گونجنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا "ہمیں روبوٹ ضرور بنایا گیا ہے لیکن ہم انسان ہیں انسانوں کی عزت کرتے ہیں۔ ہم یہاں کے ہر شہری کی جان و مال کی حفاظت اس وقت تک کریں گے جب تک ہمارے اپنے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہو گا۔"

سوسانہ نے بلند آواز سے کہا "تمہارے بیان کے مطابق یہاں ہماری آمد غیر قانونی ہے' جب ہماری آمد غیر قانونی ہے تو تمہارے احکامات کی تعمیل ہم پر لازم نہیں رہی۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر خلا میں تکتے ہوئے بولی "کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا میرے دماغ میں آنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔"

جرائل نے کہا "میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں اور یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے دماغ حساس بنائے گئے ہیں اور ہم نے پندرہ منٹ تک سانس روکنے میں مہارت حاصل کر لی ہے۔"

سوسانہ نے کہا "ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہارے حکم کے مطابق یہاں وی آئی پی لاؤنج تک محدود نہیں رہیں گے۔ یہ ہمارے کھانے اور پھر کچھ دیر آرام کرنے کا وقت ہے لہٰذا ہم فائیو اسٹار ہوٹل جا رہے ہیں۔"

وہ عمارت کے اندر سے گزرتے ہوئے ائیرپورٹ کے احاطے سے باہر آئے۔ دور تک کوئی شہری نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف مسلح فوجی اور ان کی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جرائل نے ایک افسر سے کہا "یہ ٹرک خالی کرو اور ہمیں ہوٹل پہنچاؤ۔"

افسر نے وائرلیس کے ذریعے بات کی۔ ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "انہیں ہوٹل پہنچا دو' ابھی ان کے متعلق کچھ اہم فیصلے ہو رہے ہیں۔"

تمام اعلیٰ عہدیداران اور اعلیٰ فوجی افسران ایک بڑے ہال میں موجود تھے ان کے سامنے اور دائیں بائیں رکھے ہوئے ٹی وی اسکرین پر گولڈن برینز نظر آ رہے تھے اس کے علاوہ ہال میں اور بھی بے شمار ٹی وی تھے جن کی اسکرین پر سوسانہ اور جرائل وقتاً فوقتاً دکھائی دیتے تھے۔

ایک گولڈن برین نے کہا "جو طیارے کی چھت اور دیوار توڑ سکتے ہیں وہ ہمارے فوجیوں کو گاڑیوں سمیت اٹھا کر پھینک سکتے ہیں گولیاں ان پر اثر نہیں کریں گی لہٰذا جب تک ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچے انہیں اپنی من مانی کرنے دو۔"

ایک حاکم نے کہا "لیکن یہ ہمارے ملک کی اور ہمارے قوانین کی کھلی توہین ہے۔ یہاں ہونے والے تماشے ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔"

گولڈن برین نے کہا "دنیا ہمارا صبر اور امن پسندی بھی دیکھ رہی ہے۔ ہماری توہین نہیں ہو رہی ہے' آپ یہ بات دماغ سے نکال دیں۔"

ایک اعلیٰ فوجی افسر نے کہا "ماضی میں یہ دیکھا گیا ہے کہ تیزاب کے ذریعے دونوں انسانی روبوٹ کا گوشت اور پوست گل جاتا ہے ان سے نجات کا آخری طریقہ یہی ہو گا۔"

دوسرے گولڈن برین نے کہا "یہ نہ بھولو کہ دونوں کو برسوں روپوش رکھ کر طرح طرح کی ٹریننگ دی گئی ہے' ان کے دماغوں کو حساس بنایا گیا ہے۔ پہلے ایسا نہیں تھا' اب وہ پندرہ منٹ تک سانس روک لیتے ہیں جب ان کی حفاظت کے ایسے انتظامات کئے گئے ہیں تو کیا انہیں تیزاب کا کوئی توڑ نہیں سکھایا گیا ہو گا۔"

تیسرے گولڈن برین نے کہا "ان پر تیزاب ضرور آزمایا جائے گا لیکن آزمانے کا طریقہ ایسا ہو گا کہ ہم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ ابھی ہم صبر کریں گے ان سے مذاکرات کے لئے اپنے رویے میں لچک پیدا کرتے رہیں گے۔"

"ان سے مذاکرات کیا ہوں گے؟"

ایک اور گولڈن برین نے کہا "ہم نے کمپیوٹر ڈسک میں چند اہم سوالات فیڈ کئے ہیں۔ آپ لوگ ان سوالات کے مطابق ان سے مذاکرات کریں۔"

دوسرے ٹی وی اسکرین پر سوسانہ اور جرائل نظر آ رہے تھے وہ ہوٹل کے کچن میں تھے اور کھانے کی جو چیز ہاتھ لگ رہی تھی اسے کھاتے جا رہے تھے۔ وہاں کے ملازمین خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ فوجی افسر نے منیجر سے کہہ دیا تھا کہ وہ دونوں جس کمرے میں رہنا پسند کریں اس کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا جائے۔ یہ کچھ پاگل اور خطرناک لگ رہے ہیں لیکن نارمل ہیں' ہوٹل کے مسافروں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

فوجی افسر کو پیغام ملا کہ وہ دونوں کو مذاکرات کے لئے آمادہ کرے اور انہیں آڈیٹوریم میں لے آئے۔ افسر نے ان سے درخواست کی۔ جرائل نے کہا "سوری' ہم کھانے کے بعد آرام کرتے ہیں۔ دو گھنٹے بعد ہی کسی سے مل سکیں گے۔"

سوسانہ نے کہا "ملاقات کی بھی ایک شرط ہے' جب ہم دو گھنٹے

بعد ہوٹل سے نکلیں تو شہری رونق بحال ہو جائے' دکانیں کھل جائیں' ٹریفک جاری رہے اور لوگ آزادی سے گھومتے پھرتے نظر آئیں۔ ہم انسانوں کے شہر میں آئے ہیں اور تم لوگوں نے اس شہر کو قبرستان کی طرح ویران کر دیا ہے۔"

افسر نے یہ شرط اپنے اوپر والوں تک پہنچا دی۔ ادھر ایک نئی ٹیلی پیتھی جاننے والی رانما آ رہی تھی۔ یہودی اکابرین ائیرپورٹ پر اس کا استقبال کرنے آئے تھے۔ یہ ان کے لئے دنیا کی ہر خوشی سے بڑھ کر خوشی کا موقع تھا کہ ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں ایک اور کا اضافہ ہو رہا تھا اور یہ حساب کر کے وہ خوش ہو رہے تھے کہ فرہاد کی فیملی میں چھ خیال خوانی کرنے والے ہیں' اب ان کے پاس بھی چھ عدد ہو گئے ہیں۔

خوشیاں بھی تھیں اور پریشانیاں بھی۔ ایسے موقع پر سوسانہ اور جرائل مصیبت بن کر آ چکے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ رانما کی آمد پر شہر ویران رہے گا تو وہ ناگواری محسوس کرے گی۔ شبہ بھی کر سکتی ہے کہ اس کی آمد پر کسی کو دلی خوشی نہیں ہوئی ہے پھر سوسانہ اور جرائل کے رویے سے یقین ہو گیا کہ شہر کا امن و امان قائم رہے گا لہٰذا انہوں نے ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے پابندیاں ختم کر دیں اور حکم دیا کہ تمام دکانیں کھولی جائیں تاکہ شہر کی رونق لوٹ آئے۔

رانما کی آمد سے پہلے انہوں نے اپنے پانچوں خیال خوانی کرنے والوں کو ان کی رہائش گاہوں تک محدود کر دیا تھا تاکہ کسی سے رانما کا سامنا نہ ہو۔ گولڈن برینز نے یہ طے کیا تھا کہ اسرائیلی خیال خوانی کرنے والوں کو ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہئے۔ دشمن ان کی ملاقات سے فائدہ اٹھا کر انہیں ایک ساتھ ٹریپ کر سکتے ہیں۔

سوسانہ اور جرائل کی آمد کے باعث پانچوں ٹیلی پیتھی جاننے والے اسرائیل کے مختلف شہروں میں رہائش کے لئے چلے گئے تھے۔ صرف رانما تل ابیب پہنچی تھی اس کے ساتھ ایڈی فشر (علی تیمور) تھا۔ سوسانہ اور جرائل نے آ کر تو صرف طیارے کی چھت اڑائی تھی' یہودی اکابرین کو یہ معلوم ہو جاتا کہ سرزمین اسرائیل پر علی نے قدم رکھا ہے تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل جاتی۔

ہم باقاعدہ پلاننگ سے کام کر رہے تھے لیکن ہماری پلاننگ میں یہ شامل نہیں تھا کہ علی تیمور اسرائیل جائے گا۔ ہم تو علی کے متعلق جانتے بھی نہیں تھے کہ وہ کہاں ہے؟ بس اس کی زندگی اور سلامتی کا یقین تھا۔ اس کے بھٹکتے رہنے اور اسرائیل پہنچنے کا علم کسی کو نہیں تھا۔ یہ سراسر قدرت کا کھیل تھا۔

انہوں نے کوشش کی تھی کہ رانما کو ائیرپورٹ سے سرکاری بنگلے تک لانے کے لئے صرف ایسے عہدیدار جائیں جو یوگا کے ماہر ہوں تاکہ ہم کسی کو آلۂ کار بنا کر رانما یا ایڈی فشر تک نہ پہنچیں ان میں ایک خیال خوانی کرنے والا علی تیمور کے دماغ میں چپ چاپ پہنچا ہوا تھا اور اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ رانما کے بیان کے مطابق اس کے چور خیالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایڈی فشر ہے نسلاً یہودی ہے اور اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔

خیالات پڑھنے والے نے علی کے دماغ میں سوال پیدا کیا کہ وہ اپنی پچھلی زندگی بھول چکا ہے تو اسے اپنا نام اور مذہب کیسے یاد ہے؟

علی کے دماغ سے جواب ملا "رانما اسے شادی سے پہلے جانتی تھی۔ شادی کے بعد ایک حادثے میں اس کی یادداشت گم ہو گئی ہے۔"

ٹیلی پیتھی جاننے والے جے مورگن نے ایڈی فشر کے متعلق یہ تمام باتیں گولڈن برینز کو بتائیں۔ ایک گولڈن برین نے کہا "رانما ہماری پناہ میں آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہماری وفادار بن کر رہے گی۔"

دوسرے نے کہا "بے شک' جب وہ اپنے وطن میں اپنے حکام کی پابندیاں برداشت نہ کر سکی تو ہماری پابندیاں بھی اسے گوارا نہیں ہوں گی اور پتا نہیں یہ ایڈی فشر حقیقتاً کون ہے جسے اپنا یہودی شوہر بنا کر لائی ہے۔"

تیسرے گولڈن برین نے کہا "حقیقت چھپ نہیں سکے گی۔ جے مورگن' تم آج رات رانما کو دماغی کمزوری میں مبتلا کر دو۔ اس کے چور خیالات پڑھو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
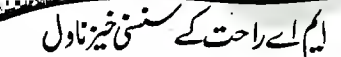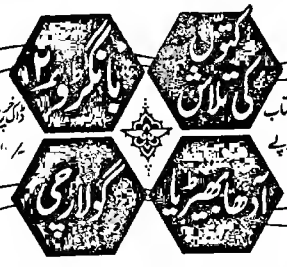
جے مورگن نے کہا "جی ہاں، رانما کے چور خیالات پڑھنے کا موقع ملا تو وہ اپنے ساتھی ایڈی فشر کی حقیقت بھی اگل دے گی۔"

سلطانہ اور سلمان خیال خوانی کے ذریعے سوسانہ اور جرائیل کے پاس موجود رہتے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ جو فوجی افسر گائیڈ کے طور پر رہتا تھا، سلمان نے اس کے خیالات سے معلوم کیا کہ آج رانما نامی ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی آئی ہے اور اس کے ساتھ اس کا شوہر ایڈی فشر بھی ہے۔

سلمان نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح ایسے عہدیدار کے پاس پہنچے جو رانما کے قریب تر ہو لیکن پتا چلا اس نئی ٹیلی پیتھی جاننے والی کے آس پاس یوگا کے ماہر عہدیدار موجود ہیں! اس نے سونیا کے پاس آکر تمام روداد سنائی۔ سونیا نے سننے کے بعد کہا "اب وہ لوگ بہت محتاط ہو گئے ہیں۔ تم لوگوں کو اپنے نئے اور پرانے ٹیلی پیتھی جاننے والوں تک پہنچنے نہیں دیں گے۔"

"جی ہاں، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ نئی ٹیلی پیتھی جاننے والی رانما بھی حساس دماغ رکھتی ہوگی اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہوگی۔"

"ہاں وہ ایسا کرتی ہوگی لیکن اس کا ساتھی ایڈی فشر شاید یوگا کا ماہر نہ ہو اور ایک بات یاد رکھو، یہ یہودی اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے ہیں، رانما پر بھی بھروسا نہیں کریں گے۔ دھوکے سے اس کا برین واش کرکے اسے اپنے ملک و قوم کی وفادار بنائیں گے۔ اس وقت تم میں سے کوئی رانما کے پاس رہے تو بازی پلٹ جائے گی۔ رانما ہماری آلۂ کار بن جائے گی۔"

"اس مقصد کے لئے ہمیں ایڈی فشر کے دماغ میں ضرور پہنچنا چاہئے، میں پھر کوشش کرتا ہوں۔"

جوجو نے سونیا کے پاس آکر کہا "مما! میں نے رانما اور ایڈی فشر کی باتیں سمجھ لی ہیں۔ میں فشر تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔ انکل ثانی کے دماغ میں میری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے اور آپ کی شروع ہو چکی ہے۔"

ہمارے چار خیال خوانی کرنے والے چھ چھ گھنٹوں کے لئے ثانی کے دماغ میں موجود رہتے تھے اور وہ جان لمبوڈا کے زیر سایہ ایک ٹریننگ سینٹر میں پہنچ گئی تھی۔ سپر ماسٹر ہولی مین وغیرہ نے فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ سلوانا جوزف (سونیا ثانی) کو ٹرانسفارمر مشین سے گزارا جائے گا۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ دوسری ٹرانسفارمر مشین کہیں موجود ہے یا نئی تیار کی جا رہی ہے۔ یہ اندیشہ تھا کہ ثانی پر تنویمی عمل کرکے اس کا برین واش کیا جا سکتا ہے اور ایسا کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے اس لئے ہمارے چاروں ٹیلی پیتھی جاننے والے باری باری چھ گھنٹوں کے لئے اس کے دماغ میں آتے جاتے رہتے تھے۔

سلمان نے جوجو کو اس فوجی افسر کے دماغ میں پہنچا دیا جو سوسانہ اور جرائیل کا گائیڈ بنا ہوا تھا لیلیٰ باری باری ان دونوں کے اندر موجود تھی اور وہ دونوں اس آڈیٹوریم میں موجود تھے جہاں چند اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران ان سے مذاکرات کے لئے آئے تھے۔ سوسانہ اور جرائیل آڈیٹوریم کے درمیان اسٹیج پر تھے وہ اسٹیج بہت آہستہ آہستہ گول گھومتا تھا اور چاروں طرف آڈیٹوریم میں بیٹھنے والے اس گردش کے باعث اسٹیج پر بیٹھنے والوں کو واضح طور پر دیکھتے رہتے تھے۔

ایک اعلیٰ افسر نے اپنے ڈیسک پر رکھے ہوئے مائیک کے ذریعے کہا "مسز سوسانہ گرانٹ اور مسٹر جرائیل گرانٹ! ہم تمہاری لائف ہسٹری جانتے ہیں۔ تم دونوں امریکی سائنس دانوں کی پیداوار ہو جب تمہیں منظرِ عام پر لایا گیا تو دنیا تمہارے ڈیل ڈول اور روبوٹ جیسی غیر معمولی شہ زوری دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم دونوں اچانک ہی کہاں روپوش ہو گئے تھے؟ اور اچانک ظاہر ہو کر ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟"

پہلے دونوں خاموش رہے پھر جرائیل نے کہا "سوسانہ! یہ تم سے پوچھ رہے ہیں۔"

سوسانہ بولی "نہیں، یہ تم سے سوال کر رہے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں تم سے سوال کر رہے ہیں۔"

"اور میں کہتی ہوں تم سے پوچھ رہے ہیں۔"

وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ کبھی سوسانہ اور کبھی جرائیل کو دیکھ رہے تھے۔ ایک اعلیٰ حاکم نے اپنے ڈیسک پر رکھے ہوئے مائیک کے ذریعے کہا "ہم نے یہ سوال تم دونوں سے کیا ہے، جرائیل، تم ہی جواب دے دو۔"

وہ بولا "آپ کا پہلا سوال ہے کہ ہم کہاں روپوش ہوگئے تھے؟ اگر میں بتادوں کہاں روپوش تھے تو روپوشی کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ کوئی چھپنے والا کبھی یہ نہیں بتاتا کہ چھپنے کی جگہ کون سی تھی اور چھپنے کی وجہ کیا تھی؟"

سوسانہ بولی "دوسرا سوال ہے ہم اس ملک میں کیوں آئے ہیں؟ اس لئے کہ بیت المقدس یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مذہبی اہمیت کا حامل ہے ہم اپنے ایمان اور اپنی عقیدت کے باعث یہاں قیام کرنے آئے ہیں۔"

"لیکن تمہیں باقاعدہ پاسپورٹ حاصل کرکے آنا چاہئے تھا۔"

"کیا تم نے مسلمانوں سے یہ ملک چھیننے کے لئے پاسپورٹ حاصل کیا تھا؟"

ایک حاکم نے کہا "مسلمانوں اور عیسائیوں سے پہلے یہاں یہودی مذہب آیا۔ یہاں کی زمین پر صدیوں سے ہمارا حق ہے۔"

جرائیل نے کہا "عیسائیت آئی تو یہاں یہودیت کمزور پڑ گئی، اسلام آیا تو عیسائیت کمزور پڑ گئی، آخر کار امریکا سپر پاور بن گیا تو اس نے عربوں سے یہ زمین چھین کر تمہیں دے دی۔ انسانی اور قومی تاریخ کیا ہے، طاقت کا کھیل ہے۔ جس شہ زور نے جہاں قدم جمایا وہاں سے کوئی کمزور اسے ہٹا نہ سکا۔"

سوسانہ بولی "میں نے اور جرائیل نے بھی شہ زوری سے یہاں

قدم جمایا ہے۔ تمہاری پشت پر سپر پاور ہے۔ اگر تم شہ زور ہو تو ہمیں ختم کردو، اگر کمزور ہو تو ہمیں اسی طرح برداشت کرو جیسے فلسطینی مسلمان تمہیں برداشت کر رہے ہیں۔"

"گویا تم چیلنج کر رہی ہو؟"

"ہمارا یہاں آنا ہی ایک چیلنج ہے۔ دیر سے کیوں سمجھتے ہو؟"

ایک نے کہا "ہم جانتے ہیں تم دونوں ناقابلِ شکست ہو۔ تمہارے جسموں کی توڑ پھوڑ نہیں کی جا سکتی۔ تم پر بندوق کی گولیاں اثر نہیں کرتیں لیکن تیزاب سے تمہاری کھال اور گوشت کو گلایا جا سکتا ہے۔ کیا تم ایسا وقت آنے دو گے؟"

"کوئی ایسا ویسا وقت نہیں لاتا، وقت خود آتا ہے اور خود گزرتا ہے۔ آنے والا کوئی وقت بتائے گا کہ تیزاب سے ہمارا کچھ بگڑتا ہے یا نہیں ویسے ہمارے جسم کے کسی ایک حصے کو نقصان پہنچے گا تو تمہاری ایک بستی تباہ ہوگی۔ اگر ہمارے پورے جسم کو نقصان پہنچے گا تو تمہارا پورا ملک کھنڈر بن جائے گا، جب بھی آزمانے کا حوصلہ ہو، ہمیں آزما لینا۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا "تم دونوں جبراً یہاں آئے ہو ہمارے لئے ایک بوجھ، ایک مسئلہ ہو اس کے باوجود ہم تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ ہمارے درمیان ایسا سمجھوتا ہونا چاہئے جس سے دوستانہ ماحول ہمیشہ قائم رہے۔"

ایک حاکم نے کہا "یا تمہاری کچھ شرائط ہوں جنہیں ہم تسلیم کرلیں تو تم دونوں یہ ملک چھوڑ کر جانے پر راضی ہو جاؤ۔"

سوسانہ نے کہا "ابھی تو ہم رہنے آئے ہیں اس لئے جانے کی بات نہ کرو۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ جب تک ہم محفوظ رہیں گے تب تک یہاں کسی فرد کو ہماری طرف سے نقصان نہیں پہنچے گا اور تمہاری خواہش کے مطابق دوستانہ ماحول قائم رہے گا۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ تم دونوں ہمارے ملکی معاملات میں کبھی مداخلت نہ کرو۔"

جرائیل نے پوچھا "کیا تم دوسرے ملکوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے ہو؟"

"ہم سیاسی حالات کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔"

"ہم بھی سیاسی حالات سے مجبور ہو کر ایسا کریں گے۔"

"تم دونوں کو کس ملک کے سیاسی حالات سے دلچسپی ہے؟"

"فی الحال پاکستان سے ہے۔"

سب نے جیسے گہری سانس لی۔ ایک نے کہا "بات صاف ہو گئی، فرہاد نے تم دونوں کو ہم پر مسلط کیا ہے۔"

جرائیل نے پوچھا "یہ بات کیسے سمجھ میں آئی؟"

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا "فرہاد کو شکایت ہے کہ پاکستان میں ہماری خفیہ تنظیم سرگرمِ عمل ہے۔"

سوسانہ نے پوچھا "کیا یہ شکایت بے جا ہے؟"

"پہلے شکایت بجا تھی اب بے جا ہے۔ جب سے فرہاد نے پاکستان میں رہائش اختیار کی ہے۔ ہماری تنظیم کے تمام لوگ وہاں سے نکل آئے ہیں اب وہاں ہماری کوئی سرگرمی نہیں رہی ہے۔"

جرائیل نے کہا "اگر یہ سچ ہے تو پھر اطمینان رکھو، ہم سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن یورپ اور امریکا میں تمہاری تیار کردہ مصنوعات میں سے کوئی بھی مال نام بدل کر یا لیبل بدل کر پاکستان جائے گا تو ہم یہاں تمہاری صنعتوں کو تباہ کریں گے۔ تل ابیب، حیفہ اور نئے یروشلم کی ملوں اور فیکٹریوں کی کوئی مشین سلامت نہیں رہے گی۔"

تھوڑی دیر کے لئے بالکل ہی خاموشی چھا گئی پھر ایک نے کہا۔ "میرا تعلق اسرائیل کے محکمۂ خارجہ سے ہے، میں وعدہ کرتا ہوں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارا کوئی تجارتی تعلق پاکستان سے نہیں رہے گا۔"

جرائیل نے کہا "یورپ اور امریکا کا کوئی بھی صنعت کار جو یہودیوں سے کسی طرح کا تعلق رکھتا ہے اس کا مال بھی پاکستان سے نہیں جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، وہ تمام صنعت کار یا تو ہم یہودیوں سے تعلق ختم کریں گے یا پھر پاکستان میں اپنی منی صنعتیں قائم نہیں کریں گے لیکن انہوں نے ہمیں دھوکا دے کر ہمارا مال وہاں فروخت کرنا چاہا تو ہم کیا کر سکیں گے؟"

سوسانہ نے کہا "دھوکا دینے والوں سے فرہاد علی تیمور پاکستان میں خود نمٹ لے گا۔ اس کے پاس جھوٹ اور فریب لو سمجھنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔"

"اس کے پاس بہت سے ذرائع ہیں پھر تم دونوں کا یہاں رہنا کیا ضروری ہے؟"

سوسانہ نے کہا "ہم صرف اس لئے ہیں کہ تم موت کو یاد کرتے رہو، یوں سمجھو میں سونیا ہوں۔"

جرائیل نے کہا "اور میں فرہاد ہوں ہمیں دیکھتے رہو گے تو غلطیوں سے پرہیز کرتے رہو گے۔ پڑھنے والوں کے سامنے استاد موجود نہ ہو مگر اس کا ڈنڈا رکھا ہو تو وہ پڑھنے والے سہم کر شرارتیں نہیں کرتے، اپنا سبق پڑھتے رہتے ہیں۔"

جوجو یہ باتیں سن رہی تھی اور اعلیٰ عہدیداروں کی بے بسی دیکھ رہی تھی۔ وہ سب حاکم بن کر بول رہے تھے مگر ان دونوں کو کسی طرح محکوم نہیں بنا سکتے تھے وہ سچ مچ استاد کے ڈنڈے کی طرح ان کے سامنے تھے۔

جوجو خاموشی سے خیال خوانی کرتی رہی تھی، وہ پانچ عہدیداروں کے دماغوں میں پہنچ چکی تھی، باقی سات عہدیداروں نے اس کی آمد پر سانسیں روک لی تھیں۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ سوسانہ اور جرائیل کے پاس جو ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود رہتے ہیں، وہ ان کے دماغوں میں بھی آنے کی کوشش کریں گے۔ ان میں سے دو چار نے جرائیل سے کہا "تمہارے خیال خوانی کرنے والے ہمارے اندر آنا چاہتے ہیں لیکن ہم نے اپنے دماغوں کو فولادی قلعہ

بنالیا ہے اب یہاں کوئی داخل نہیں ہوسکے گا۔"

ایسے دعوے کے باوجود جوجو نے ایک اعلیٰ حاکم کے خیالات پڑھ کر معلوم کرلیا کہ رائما نامی ایک نئی ٹیلی پیتھی جاننے والی اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہے اور اب مملکتِ اسرائیل میں ٹیلی پیتھی کا علم رکھنے والے چھ عدد ہوگئے ہیں۔

جوجو نے میرے پاس آکر یہ رپورٹ دی پھر کہا "پاپا! ہم سب ثانی کے دماغ میں رہنے کے لئے باری باری چھ گھنٹے کے لئے جاتے ہیں۔ جب میں ثانی کے پاس تھی تو اس کے ذریعے دوسرے فوجیوں کے دماغوں میں جاتی رہی۔ ایک افسر کے خیالات سے پتا چلا کہ ان کی ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی کہیں گم ہوگئی ہے۔ اس ٹیلی پیتھی جاننے والی کی ڈیوٹی ان سراغرسانوں کے ساتھ تھی جو کنگ فرنانڈو پر کڑی نظر رکھتے تھے۔"

یہ باتیں سن کر میں سوچ میں پڑ گیا لیلیٰ اور سلطانہ نے بتایا تھا کہ علی تیمور کی شخصیت بدل کر اسے جان کارلو بنا کر ایک انجینئر کی حیثیت سے کنگ فرنانڈو کے ایک پروجیکٹ میں بھیجا گیا ہے۔ میں نے جوجو سے کہا "بیٹی! پہلے اس افسر کے خیالات سے معلوم کرو کہ ان کی ٹیلی پیتھی جاننے والی کس دن اور کس تاریخ کو گم ہوئی ہے۔"

جوجو چلی گئی۔ میں نے سلطانہ کے پاس آکر پوچھا "علی جان کارلو کی حیثیت سے پروجیکٹ میں کام کررہا تھا' وہ کس دن اور کس تاریخ کو لاپتا ہوا تھا؟"

سلطانہ نے دن اور تاریخ بتائی۔ ادھر سے جوجو نے آکر وہی دن اور وہی تاریخ بتاتے ہوئے کہا "یہ رائما اسی دن سے غائب ہے۔"

بات سمجھ میں آنے لگی۔ رائما اپنے سراغرسانوں کے ذریعے کنگ فرنانڈو کے پروجیکٹ میں گئی ہوگی۔ وہاں علی سے سامنا ہوا ہوگا۔ اس نے جان لمبوڈا وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے تنویمی عمل کے ذریعے جان کارلو (علی) کی شخصیت بدل دی ہوگی۔ اسی لئے اب تک نہ ہم جان سکے تھے' نہ ہمارے دشمن کہ ایڈی فشر کے پیچھے رائما نے علی کو چھپادیا ہے۔

میں نے جوجو سے کہا "سونیا' سلمان' سلطانہ اور لیلیٰ سے کہہ دو' مجھے یقین ہے کہ رائما کے ساتھ جو جوان ہے وہ ہمارا علی ہے۔ کسی بھی طرح اس کے دماغ میں پہنچو ورنہ وہ یہودیوں کا قیدی بن جائے گا۔"

وہ چلی گئی' میں سوچنے لگا کہ کس طرح اپنے بیٹے کے دماغ میں پہنچوں۔ رائما نے اس کی شخصیت اور اس کا لب ولہجہ بدل دیا تھا۔ جب تک ہم اس کی آواز اور لہجہ نہ سنتے' اس کے پاس پہنچ نہیں سکتے تھے۔

میں نے مختلف یہودی اکابرین کے ذریعے رائما تک پہنچنا چاہا۔ پتا چلا کہ اس نئی ٹیلی پیتھی جاننے والی کی سختی سے نگرانی اور حفاظت کی جارہی ہے اس کے پاس صرف وہی افسران جاتے ہیں جو یوگا کے ماہر ہیں۔ رائما کا ٹیلی فون اٹینڈ کرنے والی سیکریٹری بھی حساس دماغ کی حامل تھی اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی تھی۔

میں نے بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے ایک جاسوس سے رابطہ کیا۔ وہ تل ابیب میں ایک عیسائی ڈاکٹر کی حیثیت سے رہتا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچا تو مجھ سے پہلے سلمان وہاں پہنچا ہوا تھا اور ہمارے اس ڈاکٹر جاسوس سے کہہ رہا تھا "مسٹر! سونیا نے ہدایت کی ہے کہ پانی کی سپلائی لائن میں اعصابی کمزوری کی دوا حل کرو' ہم جس ٹیلی پیتھی جاننے والی کو ٹریپ کرنا چاہتے ہیں اسے حیفہ کی فوجی چھاؤنی میں رکھا گیا ہے' وہیں کی پائپ لائن میں دوا ملائی جائے اور یہ کام گھنٹے دو گھنٹے کے اندر ہوجانا چاہئے۔"

میں جس مقصد کے لئے جاسوس کے پاس آیا تھا' سونیا نے اس کے پاس پہلے ہی سلمان کو پہنچا دیا تھا وہ بھی وہی طریقہ اختیار کررہی تھی جو میں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں اس طریقہ پر عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ وہاں سے میں دوسرے جاسوس کے پاس آیا۔ وہ اپنے ایک تربیت یافتہ کتے کو کار میں بٹھائے حیفہ کی طرف جارہا تھا۔

وہ ایک بہت ہی چھوٹے سے قد کا کتا تھا۔ سفید ریشم جیسے بالوں میں اس کا پورا جسم چھپا رہتا تھا وہ جاسوس کے ایک ایک اشارے کو خوب سمجھتا تھا۔ میں اس سے کہنے آیا تھا کہ وہ اپنے کتے کے گلے میں ایک پاور فل مائیکروفون پٹے کی طرح باندھ دے' یوں بھی کتے کے گھنے بالوں کی وجہ سے چھوٹا سا مائیک نظر نہیں آئے گا۔ کتے کو اس رہائش گاہ میں جانے کے لئے چھوڑا جائے جہاں رائما اور علی کا قیام تھا دوسری طرف کار میں بیٹھا ہوا ہمارا جاسوس اپنے ریسیونگ سیٹ کے ذریعے مائیک سے آنے والی آوازیں سنتا رہتا۔ ہوسکتا ہے وہ کتا علی کے پاس سے گزرے اور ہمیں اس کا موجودہ لب ولہجہ سنائی دے۔

لیکن دوسرے جاسوس کے پاس بھی سونیا نے مجھ سے پہلے لیلیٰ کو پہنچایا تھا اور جاسوس کو وہی ہدایات دی تھیں جو میں سوچ کر آیا تھا۔ میں مسکرا کر رہ گیا' کمبخت بجلی تھی بجلی۔ ادھر میں سوچتا تھا ادھر وہ کر گزرتی تھی' میں نے اس کے پاس آکر کہا "کمال کرتی ہو' میں وہی کرنے گیا تھا جو تم سلمان اور لیلیٰ سے عملاً کرارہی ہو۔ ایسا لگتا ہے تم میرے خیالات پڑھتی ہو اور مجھ سے پہلے وہی کر گزرتی ہو۔"

وہ بولی "تمہیں پاکستان میں اپنا کام کرنا چاہئے۔ اسرائیل میں جو کچھ ہورہا ہے اس سے میں نمٹ لوں گی۔ خدا نے چاہا تو ہمارے علی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

میں نے کہا "پریشانی صرف اتنی سی ہے کہ علی خود کو بھولا ہوا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو پہچان لے تو پھر اسے ہم میں سے کسی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے' لیلیٰ نے تنویمی عمل کے ذریعے صرف اس کی پچھلی زندگی بھلائی تھی لیکن اس کی تمام ذہنی صلاحیتیں اور جسمانی شہ زوری بدستور موجود ہے۔ اپنی شخصیت کو بھولنے کے باوجود لوہے کا چنا ہے' کوئی اسے چبا نہیں سکے گا۔ تم اپنے معاملات کو دیکھو۔"

میں مطمئن ہوکر وہاں سے چلا آیا۔

جاسوس نے رائما کی رہائش گاہ سے ذرا دور اپنی کار روکی۔ اپنے کتے کو مخصوص اشاروں کے ذریعے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ پھر اس نے کار کے دروازے کو کھول کر کتے کو باہر چھوڑ دیا۔ وہ دوڑتا ہوا اس رہائش گاہ کے باؤنڈری گیٹ کے پاس پہنچا۔ احاطے کے اندر اور باہر کئی مسلح گارڈز نظر آرہے تھے وہ کتا گیٹ کی جالیوں کے درمیان سے گزر کر احاطے کے اندر چلا گیا۔ ایک گارڈ نے دوسرے گارڈ سے کہا "وہ دیکھو' پتا نہیں کتا کہاں سے آگیا ہے؟"

دوسرے نے کہا "یہاں آس پاس کی کوٹھیوں میں اعلیٰ فوجی افسران رہتے ہیں ان میں سے کسی کا ہوگا۔"

"کچھ بھی ہو' میں اسے باہر بھگا کر آتا ہوں۔"

وہ گارڈ کتے کو تلاش کرنے کے لئے بنگلے کے اندر جانے لگا۔ جاسوس کار اسٹارٹ کرکے وہاں سے دور چلا گیا۔ کار کے ڈیش بورڈ میں ریسیونگ سیٹ آن رکھا گیا تھا۔ اس میں سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے کتے کو پکڑنے کے لئے کئی گارڈز بھاگتے پھر رہے ہوں۔ ان کی ادھوری باتیں سنائی دیتی تھیں کیونکہ باتیں پوری ہونے سے پہلے کتا بھاگ کر دور کہیں چلا جاتا تھا۔

پھر ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "یہ کیا تماشا ہے' تم لوگ ایک کتے کو نہیں پکڑ سکتے؟"

لیلیٰ جاسوس کے دماغ میں رہ کر اس عورت کی آواز سن رہی تھی۔ وہ وہاں کی گورنس تھی' اس رہائش گاہ میں آنے والے فون اٹینڈ کرتی تھی۔ سلمان نے لیلیٰ کو بتایا تھا کہ وہ گورنس پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہے اس لئے لیلیٰ اس کے دماغ میں نہیں گئی۔

یوں بھی یہ طے کیا گیا تھا کہ ہمارے خیال خوانی کرنے والے رائما کے دماغ کو نہیں چھیڑیں گے۔ وہ دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرح یوگا کی ماہر ہوگی اس لئے لیلیٰ ان گارڈز کے دماغوں میں جاتی رہی جو کتے کو پکڑنے کے دوران کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ وہ لوگ بنگلے کے اندر رہنے والوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ ان کی ڈیوٹی باہر رہا کرتی تھی۔

ان کے خیالات سے پتا چلا کہ بنگلے کے اندر ایک کمرے کا دروازہ بند ہے۔ کتا اسی کمرے میں کسی کھڑکی کے ذریعے جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت ان کے کسی افسر نے گرج کر کہا "تم سب گدھے ہو' اسے گولی کیوں نہیں مارتے؟ کیا یہ کتا تمہارا رشتے دار ہے۔"

یہ آوازیں ریسیونگ کے آلے سے آرہی تھیں۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی ٹھائیں ٹھائیں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ فائرنگ کرتے جارہے تھے۔ لیلیٰ نے جاسوس سے کہا "مجھے افسوس ہے' اتنا زبردست تربیت یافتہ کتا بے موت مارا جائے گا۔"

جاسوس نے کہا "مادام! آوازوں سے پتا چل رہا ہے وہ زندہ ہے بنگلے کے باہر کھلی فضا میں آگیا ہے۔"

لیلیٰ نے کہا "ہاں اس کے ہانپنے کی آوازیں آرہی ہیں یقیناً وہ دوڑتا ہوا آرہا ہے' آواز قریب آرہی ہے۔"

جاسوس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ انجن کو اسٹارٹ رکھا۔ کوئی دو منٹ کے اندر ہی کتا دوڑتا ہوا اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ جاسوس نے فوراً دروازہ بند کیا پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا بولا۔ "مادام! یہ کتا سمجھ گیا تھا کہ بند کمرے میں نہیں پہنچ سکے گا اور جان کا خطرہ بھی ہے اسی لئے یہ بھاگ کر چلا آیا ہے۔"

"اس نے ٹھیک ہی کیا۔ رائما اور ایڈی فشر اسی بند دروازے کے پیچھے ہوں گے اور یہ بے چارہ وہاں نہیں جاسکتا تھا۔ ویسے تم نے اسے زبردست ٹریننگ دی ہے۔ جاؤ اب آرام کرو۔"

لیلیٰ نے سلمان کے پاس آکر اسے یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا۔ "ہمارے دوسرے جاسوس نے پانی کی سپلائی لائن میں دوا ملادی ہے۔ تم تیار رہو۔ گورنس جیسے ہی اعصابی کمزوری میں مبتلا ہو اس کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے فوراً علی کے پاس لے جانا۔ میں وہاں کے سیکیورٹی افسر کو اپنا آلۂ کار بنادوں گا۔"

لیلیٰ اور سلمان انتظار کرنے لگے۔ وہ دس پندرہ منٹ کے وقفے سے گورنس اور سیکیورٹی افسر کے دماغ میں جاتے تھے پھر ان کے سانس روکنے سے واپس آجاتے تھے۔ سردی کا موسم تھا شاید اسی لئے کسی کو زیادہ پیاس نہیں لگ رہی تھی۔ نہ کوئی پانی پی رہا تھا نہ کسی کے دماغ میں جگہ مل رہی تھی۔

بعض اوقات انتظار بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اگر علی تیمور تک پہنچنے کی بات نہ ہوتی تو وہ دونوں بے زار ہوجاتے۔ آخر رات کو کھانے کے دوران انہوں نے پانی پیا تو ان کے دماغوں میں جگہ مل گئی۔ جگہ ملی مگر مایوسی ہوئی ان کے زیادہ خیالات پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ پہلے ہی ان کے چور خیال نے بتایا کہ رانما اور ایڈی فشر اس بنگلے میں لائے گئے تھے لیکن ایک زیرِ زمین چور راستے سے انہیں کسی دوسری جگہ پہنچا دیا گیا ہے۔ گورنس اور سیکیورٹی افسر جانتے تھے کہ انہیں کہاں لے جاکر چھپایا گیا ہے۔

یہودیوں نے خوب چال چلی تھی۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والوں کو تمام دن جھانسا دیتے رہے تھے۔ یہ بات ہمارے لئے زیادہ تشویش ناک ہوگئی تھی کہ علی تیمور کو جانے کہاں لے جایا گیا ہے اور خدا جانے اسے پہچان لیا گیا ہے یا نہیں؟ ہماری دعا تھی کہ وہ نہ پہچانا جاسکے۔

وہ چھ گولڈن برینز خوب سوچ سمجھ کر چالیں چل رہے تھے۔ جب سے یہ اعلان ہوا تھا کہ اسرائیل میں کوئی ڈینجرس مین اپنی وائف کے ساتھ آرہا ہے تب سے اپنے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو رہائش کے لئے مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا تھا۔ وہ رانما کو بھی بظاہر حیفہ کے ایک بنگلے میں لے گئے تھے پھر چور راستے سے اسے اور علی کو دوسرے شہر میں پہنچا دیا تھا۔

تل ابیب میں سوسانہ اور جبرائیل پہنچے ہوئے تھے۔ ایسی جگہ وہ اپنے کسی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ سوسانہ اور جبرائیل کی تو صرف جسمانی اور ظاہری دہشت تھی کہ وہ انسان سے لے کر ملوں اور فیکٹریوں کی توڑ پھوڑ کریں گے لیکن ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے فرہاد اور سونیا کی دہشت نے نیندیں اڑادی تھیں۔ میں اور میرے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے ان یہودی اکابرین کے اندر بارود کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ ۔۔دن رات یہ اندیشہ تھا کہ پتا نہیں ہم کب ان کے اندر سے پھٹ پڑیں گے اور یہ تشویش بھی تھی کہ پتا نہیں ہم سوسانہ اور جبرائیل کو وہاں پہنچا کر ان کے پیچھے چپ چاپ کیا کرتے پھر رہے ہیں؟

چونکہ وہ بہت زیادہ محتاط تھے اس لئے کچھ کامیابیاں حاصل کررہے تھے اور ہمیں کچھ ناکام بناتے جارہے تھے۔ انہوں نے رانما اور علی کو ایک خفیہ پناہ گاہ میں پہنچانے کے بعد یہی کام کیا کہ رانما کو دماغی کمزوری میں مبتلا کردیا تاکہ اس کی اور ایڈی فشر (علی) کی اصلیت معلوم ہوسکے۔

رانما نے کافی پینے کے بعد کمزوری محسوس کی تو گھبرا سی گئی۔ علی سے بولی "فشر! ہمارے ساتھ دھوکا ہورہا ہے۔ میں تمہاری یہودی قوم پر بھروسا کرکے یہاں آئی ہوں اور ان میزبانوں نے کافی میں ضرر رساں دوا ملا کر مجھے پلائی ہے۔ میں بہت کمزوری محسوس کررہی ہوں۔"

علی نے کہا "کمزوری کی کوئی دوسری وجہ بھی ہوسکتی ہے۔ تم اس کے لئے میری یہودی قوم کو الزام نہ دو۔ یہی کافی میں پی رہا ہوں اور بالکل ٹھیک ہوں۔"

"میں تم سے بحث نہیں کرسکوں گی۔ پلیز مجھے سہارا دو اور بستر پر پہنچا دو۔" علی نے اٹھ کر اسے سہارا دیا، وہ بولی "اوہ گاڈ میں اپنے پیروں سے چل نہیں سکوں گی فشر! میری مدد کرو، مجھے پیش آنے والے خطرے سے بچاؤ۔"

اس نے رانما کو دونوں بازوؤں میں اٹھالیا پھر بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے بولا "تمہیں میری مدد کی نہیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے، میں ابھی ڈاکٹر کے لئے کسی کو کہتا ہوں۔"

اس نے اسے بستر پر لاکر لٹا دیا۔ وہ بولی "ڈاکٹر کو رہنے دو، میں سونا چاہتی ہوں، مجھے تنہا چھوڑ دو۔ تم دوسرے بیڈ روم میں آرام کرو۔"

رانما نے محسوس کیا کہ یہ باتیں وہ اپنی مرضی سے نہیں بول رہی ہے۔ کوئی اس کے اندر اسے بولنے پر مجبور کررہا ہے۔ وہ علی کو روکنا چاہتی تھی۔ اس سے کہنا چاہتی تھی: 'مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ، کوئی میرے اندر ہے، مجھ پر جبر کررہا ہے، تمہیں مجھ سے دور کررہا ہے مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔'

یہ باتیں وہ سوچتی رہ گئی بول نہ سکی۔ علی اس کے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلا گیا تب اس کے اندر پرائی سوچ کی لہر نے کہا "تم ناحق پریشان ہورہی ہو، ہم تمہارے دوست ہیں۔"

وہ نقاہت سے بولی "دھوکا دیتے ہو اور دوست بھی بنتے ہو۔"

"یہ مت بھولو کہ تم اپنے ملک کے اکابرین کو دھوکا دے کر آئی ہو۔ تمہاری جیسی فریبی عورت ہم سے کس حد تک وفادار رہے گی، یہ ہمیں معلوم کرنے دو۔ تمہارے متعلق اہم معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم تمہیں اپنی معمولہ اور تابعدار بنالیں گے۔"

"نہیں، پلیز مجھ پر تنویمی عمل نہ کرو۔"

"ڈرتی کیوں ہو؟ جب ہماری تابعدار بن کر رہنے آئی ہو تو ہمیں تابعدار بنا لینے دو۔"

رانما نے محسوس کیا اس کی آنکھیں بند ہورہی ہیں وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ نیند میں ڈوبتے ہی اس کے خوابیدہ دماغ پر عمل کیا جائے گا لیکن جاگنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ پرائی سوچ والا اس کے دماغ پر حاوی ہوچکا تھا۔

وہ پرائی سوچ والا جے مورگن تھا۔ تمام یہودی اکابرین اس پر اس لئے اعتماد کرتے تھے کہ اسے برین آپریشن کے بعد سچا یہودی اور پکا وفادار بنالیا گیا تھا۔ گولڈن برینز نے اسے اپنا جاسوس بنایا تھا یکن وہ ایسے گولڈن برینز تھے کہ اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے تھے جب سے الپا آئی تھی تب سے انہوں نے اسے بھی بڑی رازداری سے جاسوسہ بنالیا تھا اور اسے تاکید کی تھی کہ وہ جے ورگن کے معاملات پر نظر رکھے۔

الپا پر اس لئے زیادہ اعتماد تھا کہ وہ پیدائشی یہودی تھی۔ انسفارمر مشین سے گزرنے کے بعد جے مورگن کو پھانس کر سرائیل آئی تھی اس کی وفاداری پر کسی کو شبہ نہیں تھا وہ ماسک ین کے جال میں پھنسنے کے بعد اور برین آپریشن ہونے کے بعد بھی پنی قوم میں واپس آئی تھی۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ گولڈن برینز نے جے مورگن کو رانما پر تنویمی عمل کرنے کی ہدایت کی تھی چونکہ ٹیلی پیتھی جاننے الے سوچ کے ذریعے عمل کرتے ہیں اس لئے کوئی گولڈن برین یہ نہیں سن سکتا تھا کہ جے مورگن کس نوعیت کا عمل کررہا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ رانما کو اس طرح اپنی معمولہ بنالے کہ وہ یہودیوں سے زیادہ جے مورگن کی وفادار رہے۔

گولڈن برینز نے اپنا شبہ دور کرنے کے لئے اور اپنے اطمینان کے لئے الپا سے کہا تھا "تم اول بھی ہماری ہو آخر بھی ہماری ہو س لئے جب تک جے مورگن تنویمی عمل کرتا رہے تو تم رانما کے ماغ میں خاموشی سے موجود رہوگی۔ اگر وہ ہمارے حق میں رانما کو فادار بنائے تو ٹھیک...... اگر وہ اپنے ذاتی مقصد کے لئے اسے ابعدار بنائے تو تم چپ چاپ اس عمل کو ناکام بنا دینا۔"

الپا نے کہا "میں یہی کروں گی۔ جے مورگن کو میری موجودگی ا علم نہیں ہوگا۔ اگر اس کے دل میں بے ایمانی آئے گی تو پہلے میں س کے عمل کو ناکام بناؤں گی پھر جب وہ رانما کو تنویمی نیند کے لئے ھوڑ کر جائے گا تو میں رانما کو اپنی قوم کے حق میں تابعدار بنالوں ی۔"

الپا کی موجودگی نے گولڈن برینز کو بڑی حد تک مطمئن کردیا۔ ما۔ انہوں نے رانما کی شخصیت تبدیل کرنے اور اسے وفادار نائے رکھنے کے لئے بڑے ہی محتاط اقدامات کئے تھے۔ بڑی زبردست تدبیر پر عمل کررہے تھے۔ مگر تقدیر بھی اپنا کھیل دکھا رہی ھی۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کا اپنا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا انیال، الپا کے دماغ میں چھپ کر رہتا ہے اور خود الپا نہیں جانتی ھی کہ وہ لاعلمی میں دانیال کی معمولہ بن چکی ہے اور اس کی سوچ ی لہروں کو محسوس کرنے کے قابل نہیں رہی ہے۔

دانیال اس کے اندر بیٹھا گولڈن برینز کی تمام باتیں سن چکا ما۔ جب جے مورگن نے رانما پر تنویمی عمل شروع کیا تو دانیال لپا کے ذریعے وہاں پہنچ چکا تھا۔ یہ اس کے لئے ایک سنہرا موقع ما۔ پہلے اس نے الپا کو اپنی معمولہ بنایا تھا۔ اب رانما کے دماغ پر ھی حکومت کرسکتا تھا۔ اس لئے بڑی خاموشی سے جے مورگن کے تنویمی عمل کو ناکام بنارہا تھا۔

ناکام بنانے کے لئے دو باتیں ضروری تھیں کہ رانما، جے مورگن کے زیرِ اثر نہ آئے اور مورگن کو یقین ہوتا رہے کہ وہ زیرِ اثر آگئی ہے اور اس کی معمولہ بن گئی ہے۔

دانیال نے رانما پر اس حد تک قبضہ جمایا کہ جے مورگن معمولہ بننے والی کے چور خیالات نہ پڑھ سکے۔ پڑھنا چاہے تو دانیال، رانما کے لہجے اور سوچ میں اپنے طور پر ایسے چور خیالات پیش کرے کہ جے مورگن مطمئن ہوجائے۔

یہ رانما کے دماغ میں تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی پیچیدہ کشمکش تھی۔ تیسری ٹیلی پیتھی جاننے والی الپا تھی۔ دانیال نے پہلے رانما کے دماغ کو اپنے قبضہ میں رکھا اور جے مورگن کو یقین دلاتا رہا کہ وہ ٹرانس میں آرہی ہے۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ معمولہ بن چکی ہے تو اس نے سوالات شروع کئے۔ پہلا سوال تھا "تم اسرائیل کیوں آئی ہو؟"

رانما نے جواب دیا "پناہ لینے۔"

"تم نے پناہ لینے کے لئے اسرائیل کو کیوں ترجیح دی؟"

"اگر میں اسرائیل نہ آتی تو فرہاد علی تیمور کی پناہ میں جاتی۔ میرے یہودی شوہر ایڈی فشر کو یہ منظور نہیں تھا۔ وہ چاہتا ہے کہ میری ٹیلی پیتھی سے یہودی قوم کو فائدہ پہنچے اس لئے میں نے اسرائیل کو ترجیح دی ہے۔"

رانما بول رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ جے مورگن کے ٹرانس میں نہیں آئی ہے اور اپنے طور پر مکاری سے ایسے جوابات دے رہی ہے۔ دانیال نے اس کی سوچ میں کہا "ہاں مجھے اسی طرح جے مورگن کو جھانسا دینا چاہئے۔"

دانیال تھوڑی دیر تک رانما کے پاس رہا اس کے جوابات سنتا رہا۔ پھر الپا کے پاس آیا۔ وہ بھی رانما کے دماغ میں تھی اور محسوس کررہی تھی کہ رانما صحیح طور پر معمولہ نہیں بن پارہی ہے۔ کچھ گڑبڑ ہورہی ہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ گڑبڑ کو سمجھ پاتی، دانیال اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس کی سوچ اور لہجے میں یقین دلانے لگا کہ جے مورگن کامیاب تنویمی عمل کررہا ہے۔

وہ معمولہ اور تابعدار تھی۔ دانیال اس کے دماغ میں جو خیالات پیدا کررہا تھا، اسے وہ صحیح تسلیم کرتی جارہی تھی اور دانیال اس کے ذریعے مورگن کے سوالات اور رانما کے جوابات سنتا جارہا تھا۔

ان تینوں کی کشمکش سے علی تیمور کو فائدہ پہنچ رہا تھا۔ رانما سے جب پوچھا گیا کہ ایڈی فشر کی حقیقت کیا ہے تو اس نے جواب دیا۔ "حقیقت یہی ہے جو سب کے سامنے ہے۔ وہ نسلاً یہودی ہے۔ میں اس پر ہزار جان سے عاشق ہوں۔ اس لئے خود عیسائی ہونے کے باوجود اس سے شادی کی ہے۔ میں اس کی کسی بات سے انکار نہیں کرتی ہوں۔ اس نے کہا اسرائیل چلو، میں یہاں چلی آئی۔"

جے مورگن خوش فہمی میں مبتلا تھا۔ رانما کو یہودیوں کا وفادار بناتا رہا اور یہ حکم دیا کہ وہ دماغی توانائی بحال ہونے کے بعد اپنے عامل کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرے گی اور وہ دماغ میں آئے

گا تو سانس نہیں روکے گی۔

پھر وہ اسے تنویمی نیند سونے کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔ دانیال نے الپا کے دماغ میں خیال پیدا کیا "مجھے بھی راثما کے دماغ سے جانا چاہئے، مورگن کا عمل مکمل ہو چکا ہے اور یہ تنویمی نیند سوتی رہے گی۔"

الپا دماغی طور پر اپنی رہائش گاہ میں حاضر ہو گئی۔ وہ ایک ٹی وی اور کمپیوٹر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کمپیوٹر کے ذریعے گولڈن برینز کو رپورٹ دینے والی تھی کہ جے مورگن نے اعتماد کو دھوکا نہیں دیا ہے اور راثما پر کامیاب عمل کیا ہے۔

اس نے رپورٹ دینے سے پہلے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ سوچنے لگی "پتا نہیں کیا بات ہے؟ کوئی بات کھٹک رہی ہے۔"

وہ غور کرنے لگی، آخر بات کیا ہے؟ پھر کچھ ایسا لگا جیسے وہ راثما کے دماغ میں رہ کر بھی وہاں نہیں رہی تھی۔ اس نے پوری حاضر دماغی سے راثما پر ہونے والے عمل کو نہیں سمجھا ہے۔ بس اس کے اندر بات پیدا ہوئی کہ عمل کامیاب رہا ہے اور وہ کامیابی کا یقین کر کے راثما کے دماغ سے بھی چلی آئی ہے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ وہ بے چینی پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک بار یہ خیال پیدا ہوا کہ راثما کے پاس جانا چاہئے۔ شاید اسے بدستور تنویمی نیند سوتے دیکھ کر بے چینی دور ہو جائے۔

وہ پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسی وقت ٹی وی کے پیچھے دیوار پر لگا ہوا سرخ بلب آن ہو گیا اور بلب کے ساتھ والے چھوٹے اسپیکر سے ٹوں ٹوں کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ اشارہ تھا کہ گولڈن برینز اس کی رپورٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس نے ٹی وی کو آن کیا۔ کمپیوٹر کے ذریعے یہ تحریر اسکرین پر پہنچائی "پلیز انتظار فرمائیں۔ میں پندرہ منٹ کے اندر رپورٹ پیش کروں گی۔ فی الحال جے مورگن پر شبہ نہ کیا جائے۔"

یہ تحریر پہنچا کر اس نے ٹی وی آف کر دیا۔ اپنے اندر کی بے چینی دور کرنے کے لئے خیال خوانی کی پرواز کی پھر راثما کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اسے خاموشی اور سکون سے تنویمی نیند سونا چاہئے تھا لیکن اس کے دماغ میں خاموشی نہیں تھی، کوئی بول رہا تھا اور اس پر تنویمی عمل شروع کر رہا تھا۔

الپا حیران رہ گئی۔ وہ دانیال کی آواز اور لہجے کو پہچان رہی تھی۔ یہی دانیال عامل بن کر سوچ کے ذریعے الپا کے اندر آتا تھا تو وہ اسے محسوس نہیں کرتی تھی کیوں کہ معمولہ تھی لیکن ابھی وہ راثما کے دماغ میں تھا اس لئے الپا نے اس مکار کو پہچان لیا۔

اس نے فوراً ہی گولڈن برینز کو سگنل دیا پھر کمپیوٹر کے ذریعے کہا "سر! ہماری آستین میں سانپ ہیں۔ دانیال نے جے مورگن کے تنویمی عمل کو ناکام بنا دیا ہے اور اس وقت خود راثما پر عمل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں جو بھی سوالات کرنا چاہیں گے ان کے جوابات میں خاصی دیر ہو جائے گی۔ آپ پہلے دانیال کو تنویمی عمل سے روکیں۔"

پھر الپا نے دوسری تحریر اسکرین تک پہنچائی۔ وہاں لکھا [illegible] "سر! مجھے شبہ ہے کہ دانیال جس طرح راثما پر عمل کر رہا ہے، اس طرح مکاری سے شاید مجھ پر اور جے مورگن پر بھی عمل کر چکا ہے۔ اسی لئے ہم راثما کے دماغ میں رہ کر بھی اس کے فریب کو نہ سمجھ سکے۔"

گولڈن برینز کی طرف سے تحریر ابھری "انتظار کرو۔ پہلے ہم دانیال سے نمٹ رہے ہیں۔"

دانیال اپنی رہائش گاہ کے بیڈ روم میں تھا۔ دروازے کو اندر سے بند کر کے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ راثما کے دماغ میں پہنچ کر اس پر عمل کر رہا تھا۔ عمل کامیاب ہو رہا تھا۔ وہ اس کے زیر اثر آ رہی تھی اور معمولہ بن کر اس کے سوالات کے جوابات دینے والی تھی۔ اسی وقت زور زور سے دروازہ پیٹنے کی آوازیں آئیں۔ خیال خوانی کے دوران مداخلت ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ غصے سے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے بولا "کون ہے؟ ابھی جاؤ۔ میں آرام کر رہا ہوں۔"

باہر سے آواز آئی "میں ملٹری پولیس کا چیف ہوں۔ فوراً دروازہ کھولو۔"

ادھر راثما صرف زیر اثر آئی تھی، ابھی پوری طرح معمولہ نہیں بن پائی تھی۔ دانیال تنویمی عمل ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور ملٹری پولیس کے چیف سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجبور ہو کر صوفے سے اٹھ گیا۔ ارادہ تھا کہ چیف کو اندر آنے دے گا۔ کسی بہانے سے ٹوائلٹ روم کے اندر جا کر راثما پر تنویمی عمل کو مکمل کر لے گا۔

اس نے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی منہ پر گھونسا پڑا۔ چیف کا گھونسا کھا کر وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا۔ دو فوجی جوانوں نے اسے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ تیسرے فوجی جوان کے ہاتھ میں انجکشن لگانے کی سرنج تھی۔ چیف نے کہا "چپ چاپ یہ انجکشن لگوالو۔"

دانیال نے پوچھا "یہ سوئی کس لئے لگائی جا رہی ہے؟"

"سوال نہ کرو۔ تم نے ذرا بھی انکار کیا تو گولی مار کر تمہیں زخمی کیا جائے گا تاکہ تم خیال خوانی کے قابل نہ رہ سکو۔"

وہ چیف کے رویے سے سمجھ گیا تھا کہ تعمیل نہیں کرے گا تو جسم کے کسی حصے میں گولی پیوست ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ بت بنا کھڑا رہا۔ فوجی جوان نے اس کے ایک بازو میں سوئی پیوست کر کے سرنج کی دوا جسم کے اندر پہنچا دی۔ چیف نے کہا "جاؤ اپنے بستر پر آرام سے لیٹ جاؤ۔"

ایک جوان نے اسے دھکا دیا۔ وہ پیچھے لڑکھڑا کر بستر پر گر پڑا۔ چیف نے اپنے جوانوں کے ساتھ کمرے سے باہر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ دانیال کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ بستر پر رینگتے ہوئے تکیے پر سر رکھ رہا تھا۔ کمزوری کے باوجود اس نے خیال خوانی کی [illegible] کوشش کی اور ناکام رہا۔ یہ حسرت رہ گئی کہ راثما کو بھی اپنی معمولہ اور تابعدار بنا سکتا۔ ادھر کا عمل ادھورا رہ گیا تھا۔

پھر اسے اپنے دماغ میں جے مورگن کی آواز سنائی دی "ہاں، اور کوشش کرو۔ راثما کو بھی اپنی معمولہ بنا لو۔ ہم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو اپنا محکوم بنا لو۔ پھر اسرائیل پر تمہاری حکومت قائم ہو جائے گی۔"

وہ عاجزی سے بولا "او مورگن! یقین کرو۔ میں بری نیت سے معمول نہیں بنا رہا تھا۔ میں ہمیشہ اس کے اور الپا کے اندر چھپ کر رہنا چاہتا تھا تاکہ انہیں کبھی غداری کا موقع نہ دوں۔"

"تم صرف لڑکیوں کو کیوں ٹریپ کر رہے ہو؟"

"وہ...... وہ اس لئے کہ فرہاد اور اس کے بیٹے لڑکیوں کو پہلے جانتے ہیں۔ اس لئے میں چپ چاپ الپا اور راثما کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔"

ابھی تمہارے خیالات سے جھوٹ اور سچ ظاہر ہو جائے گا۔"

"نہیں! فار گاڈ سیک، میرے خیالات نہ پڑھو۔ میرے اندر سے چلے جاؤ۔ تم خاموش کیوں ہو؟ بولو۔ کچھ بولو۔ تمہاری خاموشی کہہ رہی ہے کہ تم میرے چھپے ہوئے خیالات پڑھ رہے ہو۔ نہیں میں سانس روک لوں گا۔ تمہیں اپنے اندر سے بھگا دوں گا۔ بھاگ جاؤ۔"

وہ سانس روک کر اسے بھگانا چاہتا تھا لیکن کمزوری کے باعث لمبی لمبی سانسیں کھینچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جے مورگن کمپیوٹر کے ذریعے گولڈن برینز کو رپورٹ پیش کر رہا تھا۔ وہی رپورٹ الپا اپنے ٹی وی اسکرین پر پڑھ رہی تھی۔

اسکرین پر لکھا ہوا تھا "سر! یہ دانیال اس وقت سے ہمیں دھوکا دے رہا ہے جب الپا شہر روم میں تھی۔ پارس نے اس کے دماغ کو کمزور بنایا تھا۔ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے الپا کو اپنا تابعدار بنانا چاہتے تھے لیکن ہم نے ان کے تنویمی عمل کو ناکام بنا دیا اور خوش ہو گئے تھے کہ اپنی الپا کو دشمنوں سے بچا لیا ہے لیکن آستین کے سانپ سے بے خبر رہے۔"

یہ تحریر مٹنے لگی۔ دوسری تحریر ابھرنے لگی "سر! دانیال چاہتا تھا کہ الپا اس کی معمولہ بن کر اسرائیل آئے، اس سے ملاقات ہوتے ہی اس پر عاشق ہو کر اس سے شادی کر لے۔ لیکن آپ دل کے طریقۂ کار نے ہم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ایک دوسرے سے دور رکھا جس کے نتیجے میں الپا اس کے سامنے نہ تو جا سکی اور نہ ہی اس پر عاشق ہوئی۔ پھر بھی دانیال کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہا تھا۔"

یہ تحریر بھی مٹنے لگی۔ تیسری تحریر ابھرنے لگی "سر! وہ الپا کے دماغ میں چپ چاپ آتا جاتا رہتا تھا۔ ایسے ہی وقت اس نے الپا کے اندر رہ کر یہ سن لیا کہ میں راثما پر تنویمی عمل کروں گا اور الپا عمل کے دوران وہاں موجود رہے گی۔ ایسی معلومات کے بعد اس نے میرے عمل کو ناکام بنا دیا۔ اس دوران الپا کو راثما کے اندر پوری طرح حاضر دماغ نہیں رہنے دیا۔ یہی اس کی غلطی تھی۔ الپا نے سمجھ لیا کہ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ بہرحال ہم نے الپا کی ذہانت سے اپنے اندر چھپے ہوئے ایک دشمن کو پکڑ لیا ہے۔"

اس رپورٹ کے بعد گولڈن برینز کی طرف سے اسکرین پر تحریری جواب نظر آیا۔ لکھا تھا "ہم تمام گولڈن برینز تم سے اور الپا سے بہت خوش ہیں اور تم دونوں پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔"

پھر دوسری تحریر ابھرنے لگی "ہم اپنے ہاں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے دانیال کو موت کی سزا نہیں دیں گے۔ اس کا برین واش کریں گے تاکہ اس کے دماغ میں ہمارے خلاف جو مکاریاں ہیں وہ ختم ہو جائیں اور وہ الپا پر کئے ہوئے عمل کو بھول جائے۔ اس طرح دانیال ایک وفادار بن کر پھر ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہمارے کام آتا رہے گا۔"

تیسری تحریر ابھرنے لگی "تم دونوں ہمیشہ ہمارے معتمدِ خاص اور جاسوس بن کر رہو گے۔ جے مورگن! تم راثما کے پاس جاؤ اور دوبارہ عمل کرو۔ الپا! تم پہلے کی طرح راثما کے اندر خاموش رہ کر تنویمی عمل کی کامیابی یا ناکامی کو حاضر دماغی سے سمجھتے رہنے کی کوشش کرو گی۔ ویش آل۔"

وہ دونوں پھر راثما کے پاس آ گئے۔ دانیال کے ادھورے عمل کے باعث راثما کے دماغی توازن میں ذرا فرق آ گیا تھا۔ پہلے تو وہ اعصابی کمزوری میں مبتلا ہو گئی تھی۔ پھر اس کے دماغ میں تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی کشمکش رہی جس کی وجہ سے دماغ بوجھل ہوتا رہا۔ پھر دانیال نے ادھورا عمل کیا تو وہ نہ عامل کے بس میں رہی نہ اپنے ہوش و حواس میں رہی۔ ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گئی۔

جے مورگن دوسری بار عمل کرنے اس کے پاس آیا تو پتا چلا راثما کی سوچیں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کے ذہن کو کسی ایک سوچ پر مرکوز کرنے کی کوشش کی گئی تو دماغی کمزوری کے باعث بہت سی سوچیں گڈمڈ ہونے لگیں۔ اس کی ذہنی حالت بتا رہی تھی کہ اب اس پر تنویمی عمل نہیں کیا جا سکے گا۔ اس مقصد کے لئے پہلے دماغی توانائی لازمی ہے۔

الپا نے کہا "اس کی دماغی توانائی بحال ہو گی تو یہ سانس روک لیا کرے گی، ہمیں دماغ میں نہیں آنے دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے آج رات اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ہم صبح اس کی خیریت معلوم کریں گے۔"

دونوں نے گولڈن برینز کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ وہاں سے جواب ملا "اسے اس کے حال پر نہ چھوڑو۔ الپا! تم سو جاؤ اور جے مورگن! تم صبح چار بجے تک راثما کے دماغ میں آتے جاتے رہو اور اس کے ذہنی انتشار کو کم کرتے رہنے کی کوشش کرو۔ چار بجے کے بعد تم سو جاؤ گے اور الپا اس کے پاس آ جائے گی۔"

پھر دوسری تحریر اسکرین پر نظر آئی "اس پہلو کو نظر انداز نہ کرو کہ فرہاد کے خیال خوانی کرنے والے کسی طرح راثما کے پاس پہنچ سکتے ہیں۔ ان دشمن خیال خوانی کرنے والوں کو راثما کا دماغ

ایک کھلی کتاب کی طرح ملے گا۔ دشمنوں کو فائدہ نہ اٹھانے دو۔ دیٹس آل۔"

تقدیر کو ماننا پڑتا ہے۔ ہم کچھ نہیں کر رہے تھے۔ یہ تقدیر تھی جو رانما کے سلسلے میں پیچیدگیاں پیدا کر رہی تھی اور یوں علی تیمور کو ظاہر ہونے سے بچا رہی تھی۔

دوسری طرف سپر ماسٹر ہولی مین اور اس کے خاص ٹیلی پیتھی جاننے والے جان لمبوڈا نے رانما کو ڈھونڈ نکالنے کی تمام کوششیں کر ڈالی تھیں اور ناکام ہوتے رہے تھے۔ سپر ماسٹر نے کہا "وہ شاید دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی ہے یا ہمارے ملک سے کہیں دور چلی گئی ہے۔"

جان لمبوڈا نے کہا "اگر وہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے تو ہمیں فائدہ پہنچے گا۔"

سپر ماسٹر نے پوچھا "وہ کیسے؟"

"دشمن خیال خوانی کرنے والے رانما کی اصلیت جاننے کے لئے اسے دماغی کمزوری میں مبتلا کریں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ میں کبھی ایک گھنٹے اور کبھی آدھے گھنٹے کے بعد رانما کے پاس جاتا رہتا ہوں اور وہ سانس روکتی رہتی ہے۔"

"مسٹر لمبوڈا! تم کب تک ایسا کرتے رہو گے؟"

لمبوڈا نے کہا "اور وہ کب تک سانس روکتی رہے گی۔ کبھی تو بیمار پڑے گی یا اسے کوئی حادثہ پیش آئے گا..... یا کسی طرح زخمی ہوگی یا پھر کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا اسے ٹریپ کرے گا تو ایسے وقت میں رانما کے دماغ کو گرفت میں لینے کی کوشش کروں گا۔ اگر ناکام ہوا تو دشمن کو بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ اس غدار لڑکی کے دماغ میں زلزلے پیدا کر کے اسے مار ڈالوں گا۔"

جان لمبوڈا سپر ماسٹر کے دوسرے معاملات میں بھی مصروف رہتا تھا لیکن رانما کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ اپنے مقررہ وقت کے مطابق اس کے دماغ میں جاتا تھا اور سانس روکنے سے واپس آجاتا تھا۔

لمبوڈا نے سلوانا جوزف (سونیا ثانی) کے بھی چور خیالات پڑھے تھے اور یہ معلوم کیا تھا کہ ثانی خواب میں کسی جان کارلو کو دیکھتی ہے۔ خواب میں اس کا چہرہ دھندلا سا نظر آتا ہے پھر بھی وہ خوابوں کے اس شہزادے سے محبت کرتی ہے۔

جان لمبوڈا کو یہ معلوم تھا کہ رانما کسی جان کارلو کے ساتھ روپوش ہوئی ہے۔ ادھر ثانی کسی جان کارلو سے محبت کرتی تھی۔ یہ محض ایک اتفاق ہو سکتا تھا کہ رانما اور ثانی کے محبوب کا نام ایک تھا۔ یا پھر اس ایک نام جان کارلو کے پیچھے کوئی بھید چھپا ہوا تھا۔

یہ تجسس بھی ایسا تھا کہ جان لمبوڈا حقیقت معلوم کرنے کے لئے رانما کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ آخر اس کا صبر و تحمل کام آیا۔ وہ رانما کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اس رات اس کے دماغ کے اندر پہنچ ہی گیا جب وہ بے حد دماغی کمزوری میں مبتلا ہو گئی تھی۔

اور کمزوری ایسی تھی کہ اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لمبوڈا نے اس کے اندر پہنچ کر جے مورگن اور الپا کی گفتگو سنی، وہ دونوں اسی مسئلے پر باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ایسی حالت میں رانما پر تنویمی عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ وہ دونوں اس کے دماغ میں باری باری آتے جاتے رہیں گے جب اس کی دماغی توانائی بحال ہونے لگے گی تو وہ عمل کر کے اسے معمولہ اور تابعدار بنا لیں گے۔

جان لمبوڈا نے جے مورگن اور الپا کی گفتگو سنی لیکن انہیں پہچان نہ سکا کیوں کہ دونوں کے برین آپریشن کے بعد ان کی آواز اور لہجہ تبدیل کیا گیا تھا لیکن یہ سمجھ گیا کہ رانما اسرائیل میں ہے۔ یہ بات جے مورگن اور الپا کی گفتگو سے سمجھ میں آگئی۔ الپا نے مورگن سے کہا تھا "چلو ہم گولڈن برینز کو رپورٹ پیش کریں۔"

اور گولڈن برینز اسرائیل میں تھے۔ ان کے خیال خوانی کرنے والے یہودی تھے یا انہیں، برین واش کر کے یہودی بنا دیا گیا تھا۔ جان لمبوڈا کے حساب سے اسرائیل میں چار ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ہونا چاہئے تھا۔ ایک جے مورگن جو پہلے سے وہاں تھا۔ باقی تین امریکی خیال خوانی کرنے والوں کو یہودیوں نے اغوا کیا تھا۔ آج لمبوڈا ایک خیال خوانی کرنے والی عورت کی آواز سن چکا تھا۔ سوچ رہا تھا، یہ عورت کون ہو سکتی ہے؟ الپا کے متعلق اب تک یہی معلوم تھا کہ وہ ماسک مین کے چنگل میں ہے۔ یہ راز ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ واپس اپنی قوم میں آگئی ہے۔

اس نے سپر ماسٹر ہولی مین کو رانما کے حالات بتائے اور کہا "میں نے ایک نئی خیال خوانی کرنے والی کی آواز سنی ہے۔ پتا نہیں یہ یہودی اسے کہاں سے پکڑ لائے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں پانچ خیال خوانی کرنے والے ہو گئے ہیں۔ اگر رانما پر بھی ان کا عمل کامیاب ہو گیا تو ان کی تعداد چھ ہو جائے گی۔"

سپر ماسٹر نے کہا "رانما پر ان کا عمل کامیاب نہیں ہونا چاہئے۔"

لمبوڈا نے کہا "ہمارے ہاں میرے علاوہ صرف دو خیال خوانی کرنے والے رہ گئے ہیں۔ ایک پاسکو روٹ ہے دوسرا فریزر ہے۔ میں ان دونوں کو ابھی رانما کے دماغ میں پہنچا رہا ہوں۔ وہ بھی باری باری وہاں آتے جاتے رہیں گے۔ جب بھی یہودی رانما پر عمل کریں گے، ہمارے آدمی اس عمل کو ناکام بنائیں گے۔"

اس نے یہی کیا۔ اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے پاسکو روٹ اور فریزر کو رانما کے دماغ میں پہنچا کر تاکید کی "تم دونوں باری باری اس کے دماغ میں رہنے کے لئے وقت مقرر کر لو۔ میں ناکامی برداشت نہیں کروں گا۔ رانما پر دشمنوں کا عمل کامیاب نہیں ہونا چاہئے۔"

جان لمبوڈا دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ابھی رانما ذہنی انتشار میں مبتلا تھی۔ اس کے دماغ سے جان کارلو (علی) کے متعلق کچھ معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی بعد میں معلوم کیا جاتا تو رانما کے چور خیالات ایڈی فشر کو جان کارلو بتاتے لیکن جان کارلو کو علی

تیمور نہیں کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ رانما خود علی کی حقیقت نہیں جانتی تھی۔

اور اگر علی تیمور کے چور خیالات پڑھے جاتے یا اس پر تنویمی عمل کیا جاتا اور اس کی پچھلی زندگی کو کریدا جاتا تو وہ اپنی پچھلی زندگی میں جان کارلو ظاہر ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ عمل کرنے والے جان کارلو تک ہی علی کا محاسبہ کر کے رہ جاتے اور یہ سمجھ نہ پاتے کہ ایک پردے کے پیچھے دوسرا پردہ ہے تو دوسرے پردے کے پیچھے کوئی تیسرا پردہ ہوگا جہاں سے علی ظاہر ہوگا۔

پتا نہیں قدرت کو کیا منظور تھا کہ ہم علی تیمور تک نہیں پہنچ پا رہے تھے اور وہ جان لمبوڈا رانما تک پہنچ گیا تھا اور دوسری صبح جان کارلو (علی) تک بھی پہنچ سکتا تھا۔ ویسے علی کی حقیقت جان لینا تقریباً ناممکن ہو چکا تھا کیوں کہ ایک طرف جے مورگن اور الپا باری باری رانما کے دماغ میں رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور یہی فیصلہ پاسکو روٹ اور فریزر کا تھا۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ وہ سب ایک دوسرے کے تنویمی عمل کو ناکام بناتے رہتے اور علی تیمور اپنی جگہ محفوظ رہتا۔

○☆○

علی تیمور یہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ رانما کافی پینے کے بعد کمزوری میں کیسے مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے اسے بیڈ روم میں پہنچا دیا تھا۔ پھر اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا لیکن وہ تنہائی چاہتی تھی۔ کسی ڈاکٹر کو بھی بلانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے وہ اسے بیڈ روم میں چھوڑ کر دوسرے بیڈ روم میں آگیا تھا۔

وہ بے خبر تھا۔ اس کی لاعلمی میں خیال خوانی کرنے والے رانما کے ساتھ کیا سلوک کر رہے تھے، وہ نہیں جانتا تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ اس کی وائف رانما ایک پُراسرار عورت ہے۔ وہ اسے سحر زدہ کر کے رکھتی ہے۔ اس نے تنویمی عمل کے ذریعے اس کی پچھلی زندگی بھلا دی ہے اور دعوے سے کہتی ہے "تمہاری پچھلی زندگی کے بارے میں جاننے والا اتنی بڑی دنیا میں کوئی نہیں ہے، صرف میں ہوں۔"

علی نے دل میں کہا "یہ عورت خدائی دعویٰ کر رہی ہے کہ میرے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا ہے جب کہ خدا سب کچھ جانتا ہے۔"

اس نے یہ سوچنے کے لئے آنکھیں بند کیں اور سانس روک لی کہ خدا مجھے جانتا ہے اور جب وہ جانتا ہے تو مجھے میری پہچان ضرور بتائے گا۔ آج نہیں، کل بتائے گا۔ اس کے بتانے کے انداز نرالے ہیں اور جب وہ عالم الغیب آگہی دیتا ہے تو دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ سمجھ نہیں پاتی کہ ایک پاگل ہوش مند کیسے ہو گیا اور ایک سحر زدہ شخص طلسمات کی تاریکیوں سے کیسے نکل آیا۔

یہ قدرتی سچائی رانما کی سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ جب اس نے علی کے دماغ میں جانے کی کوشش کی تو سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔ یہ حیرانی کی بات تھی۔ وہ یہی جانتی تھی کہ ایڈی فشر یوگا کا ماہر نہیں ہے اور جب نہیں ہے تو اس نے سانس کیسے روک لی ہے؟

یہ خود علی تیمور نہیں جانتا تھا۔ اس نے خدا سے لو لگانے کے لئے سانس روک لی تھی۔ وہ ایڈی فشر نہیں، وہ جان کارلو نہیں ہے۔ اس کی بنیاد علی ہے۔ اسے بابا صاحب کے ادارے سے روحانیت کا درس حاصل ہوتا رہا تھا۔ وہ روحانیت اس کی رگوں میں لہو کی طرح دوڑ رہی ہے۔ یہ عالم الغیب کی طرف سے ملنے والی آگہی پہلے مرحلے میں خود علی تیمور سمجھ نہیں پایا تھا۔

یہ آگہی اس وقت حاصل ہوئی جب وہ رانما کے ساتھ جنوبی امریکا کے شہر چلی میں تھا۔ اس آگہی کا یہ اثر ہوا کہ اسے سانس روک کر اللہ سے لو لگانے میں روحانی سکون ملا اور کچھ ایسا لگا جیسے رانما کے سحر سے وقتی طور پر نجات مل گئی ہے۔

وہ بہت پہلے سے رانما پر شبہ کرتا آ رہا تھا۔ اپنی اور اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ جب اسے سانس روکنے اور خدا پر بھرپور ... اعتماد کرنے سے وقتی طور پر نجات پانے کا احساس ہوا تو وہ ہر رات تنہائی میں یوگا کا عمل کرنے لگا اور عبادت کے طور پر دل ہی دل میں کہنے لگا "یا خدا! مجھے علم دے، سچائی کی پہچان دے۔ میرے معبود! جب تو میرے اندر رہتا ہے تو مجھے میرے اندر سے باہر نکال۔ میں خود کو دیکھنا اور پہچاننا چاہتا ہوں۔"

یہ علی تیمور کا معمول بن گیا تھا۔ وہ ہر رات تنہائی میں خدا کو پکارتا تھا۔ اس رات جب رانما کے کمزور دماغ میں جے مورگن، الپا، دانیال، پاسکو روٹ، فریزر اور جان لمبوڈا آتے جاتے رہے تھے تو وہ اپنے بیڈ روم میں آنکھیں بند کئے سانس روکے جیسے عبادت میں مصروف تھا۔

ایسے ہی وقت اسے یہ خیال آیا "رانما کمزوری محسوس کر رہی ہے۔ وہ اتنی کمزور ہے کہ خود بستر تک چل کر نہ جا سکی۔ میں نے اسے بستر پر پہنچایا۔ ایسی حالت میں وہ خیال خوانی نہیں کر سکے گی۔ میری نگرانی نہیں کر سکے گی۔ مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی بہتری کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔"

ذہانت کہتی تھی "بہتری اسی میں ہے کہ ایسی عورت سے دور ہو جائے جو اسے اپنے زیر اثر رکھتی ہے۔"

یہ اندیشہ تھا کہ وہ دماغی توانائی حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے دماغ میں آئے گی اور اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کر دے گی۔

علی نے سوچا "خدا جانتا ہے کہ اسے دماغی توانائی کب حاصل ہوگی۔ جب تک حالات میرے موافق رہیں، مجھے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ جہاد کرنے سے ہی نجات کے راستے ملتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والے آخر کار بیٹھے ہی رہ جاتے ہیں۔"

وہ سانس روکے سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ سانس لی، دماغ روشن ہو رہا تھا اور اندر حوصلے مچل رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اسرائیل آنے کے بعد یہ دیکھتا آ رہا تھا کہ یہاں کے فوجی افسران رانما کو بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ وہ لوگ اسے علی

کے ساتھ ایک بنگلے میں لے گئے تھے پھر اس بنگلے کے چور راستے سے دوسرے شہر کی رہائش گاہ میں لے آئے تھے۔

اب وہ راٹما کے ساتھ جس رہائش گاہ میں تھا' وہاں فوجی پہریدار یا دوسرے سیکیورٹی گارڈز نہیں تھے۔ اندر صرف دو مسلح سپاہی اور ایک افسر تھا۔ افسر نے راٹما سے کہا تھا "ہم یہاں بنگلے کے چاروں طرف مسلح پہریدار رکھیں گے تو دشمن جاسوسوں کو پتا چل جائے گا کہ تمہیں یہاں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اس لئے بنگلے کے احاطے میں صرف تین خونخوار کتے رہیں گے۔ رات کو یہاں کوئی قدم نہیں رکھ سکے گا۔"

علی نے اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ دروازے پر مسلح سپاہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا چاہتے ہو؟"

علی نے کہا "میرے کمرے کے ٹی وی میں کچھ گڑبڑ ہے' پلیز اسے چیک کرو۔"

سپاہی کمرے میں آیا تو علی نے اسے دبوچ لیا۔ ایک گھونسا اس کے سر پر مارا اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ علی تیمور نے حیرانی سے اپنے گھونسے کو دیکھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ واشورو کی نے اسے فولاد بنا دیا ہے۔

وہ اپنے بیڈ روم سے باہر آیا۔ ذرا فاصلے پر راٹما کے بیڈ روم کے دروازے پر دوسرا مسلح سپاہی تھا۔ اس نے علی کو گن پوائنٹ پر رکھ کر پوچھا "رک جاؤ۔ تمہارے دروازے کا سپاہی کمرے کے اندر کیوں گیا تھا؟ وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟"

"میرے ٹی وی میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ وہ ٹھیک کر رہا ہے۔ ایک چھوٹا پیچ کس مانگ رہا ہے۔ کیا تمہارے پاس ہے؟"

وہ بولتے ہوئے قریب آ گیا تھا۔ اس نے اچانک گن پر ایک ٹھوکر ماری۔ پھر گھوم کر دوسری کک منہ پر جما دی۔ وہ پیچھے دیوار سے ٹکرایا۔ علی نے ایک ہاتھ سے گردن دبوچ لی' وہ تھوڑی دیر تک آزادی کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔ علی نے اسے فرش پر چھوڑ دیا۔ اس کی گن اٹھائی۔ وہاں سے دبے قدموں چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں افسر بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اس نے سر گھما کر پوچھا "کون ہے؟"

پھر علی تیمور کے ہاتھ میں گن دیکھ کر چونک گیا۔ نشے میں تھا مگر موت کو سمجھ سکتا تھا۔ اس کا اپنا ریوالور سینٹر ٹیبل پر شراب کی بوتل کے پاس رکھا ہوا تھا۔ اسے اٹھانے کی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ اس نے کہا "مسٹر فشر! یہ کیا حماقت کر رہے ہو؟ ہمیں نقصان پہنچا کر بنگلے سے باہر جا سکو گے لیکن اس شہر اور اس ملک سے باہر کیسے نکلو گے۔ اسرائیلی انٹیلی جنس اور پولیس بہت ہوشیار ہے۔ عقل سے کام لو اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

وہ سینٹر ٹیبل کے پاس آیا۔ گن پھینک کر اس نے ریوالور اٹھا لیا۔ پھر شراب کی بوتل افسر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "اسے چند سیکنڈ میں پی جاؤ اور خالی کر دو۔ انکار کرو گے تو گولی مار دوں گا۔"

افسر نے بوتل لی پھر ریوالور کو دیکھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا' علی نے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔ وہ بوتل کھول کر اپنے منہ سے لگا کر غٹا غٹ پینے لگا۔ پھر سانس لینے کے لئے رکا تو علی نے ٹریگر پر انگلی کا ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ وہ سہم کر پھر پینے لگا۔ ایک منٹ کے اندر ہی علی نے اس سے بوتل خالی کرا دی۔ خالص وھسکی نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ وہ چکرا کر صوفے پر گرا پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا فرش پر آ کر چاروں شانے چت ہو گیا۔

اس نے تین پہریداروں کو بے کار کر دیا تھا۔ اب تین کتے رہ گئے تھے۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ وہاں سے ایک تکیہ اٹھایا پھر برآمدے میں آ کر دیکھا۔ دو خونخوار کتے ٹہل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر غرانے لگے۔ اس نے ریوالور کو تکیئے سے لپیٹ کر فائر کیا۔ ایک فائر پھر دوسرا فائر' دونوں کتے جو اس پر لپکنے کو آ رہے تھے۔ لان کی گھاس پر گر کر کچھ دیر تڑپتے رہے پھر ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئے۔

تکیئے نے سائیلنسر کا کام کیا تھا۔ فائرنگ کی آواز برائے نام ابھری تھی۔ اس نے بنگلے کے اندر آ کر مختلف کوریڈور اور کمروں سے گزر کر پچھلے حصے کا دروازہ کھولا۔ بنگلے کے پچھلے احاطے میں ایک کتا بھونک رہا تھا۔ تیسری گولی نے اس کی آواز بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔

اب راستہ صاف تھا۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ وہ اس رہائش گاہ سے نکل کر کہیں بھی جا سکتا تھا لیکن کوئی بات کھٹک رہی تھی۔ وہ سوچتا ہوا اپنے بیڈ روم میں واپس آیا۔ پھر کھٹکنے والی بات سمجھ میں آ گئی۔ وہ باتھ روم میں آیا' وہاں اس کے اتارے ہوئے کپڑے ایک طرف رکھے تھے..... یہودی جاسوس کتوں کو وہ کپڑے سونگھا کر وہاں پہنچ جاتے جہاں بھی وہ چھپا ہوتا۔ وہ تمام کپڑے لے کر کچن میں آیا پھر گیس کے چولھے میں ان سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔

وہ بظاہر ایک سیدھا سادا سا سحرزدہ رہنے والا ایڈی فشر تھا لیکن لاشعور میں جو ذہانت اور غیر معمولی صلاحیتیں چھپی ہوئی تھیں وہ بے اختیار اس کے عمل کے دوران ظاہر ہوتی تھیں اور ایسا اس لئے تھا کہ لیلیٰ نے اس کی شخصیت تبدیل کرتے وقت اس کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کو بحال رکھا تھا۔ اس نے رہائش گاہ کو چھوڑنے سے پہلے ریوالور کو ایک طرف پھینک دیا۔ یہ بھی اس کی خاندانی عادت کا ایک حصہ تھا۔ میں' سونیا' پارس' اور علی تیمور بھی اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت دشمنوں کے ہی ہتھیار استعمال کرتے تھے پھر انہیں پھینک دیتے تھے۔

اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ یہودی خیال خوانی کرنے والے جے مورگن اور الپا زیادہ اہمیت راٹما کو دے رہے تھے۔ گولڈن برینز نے کہا تھا "راٹما کے چور خیالات پڑھنے سے ایڈی فشر کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

پھر یہ یقین تھا کہ ایک افسر اور دو سپاہی مسلح ہیں اور احاطے میں تین خونخوار کتے ہیں۔ نہ کوئی بنگلے کے اندر جا سکتا تھا نہ وہاں سے باہر نکل سکتا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایڈی فشر کو راٹما نے اپنے زیر اثر رکھا ہے۔ وہ تنویمی عمل کی سلاخیں توڑ کر راٹما کو چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ پناہ لینے کے لئے بیت المقدس جائے گا۔ وہ مقام یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مقدس تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ خدا سے پوچھنا چاہتا تھا "میں کون ہوں؟ یہودی؟ عیسائی؟ یا مسلمان؟"

وہ رہائشی علاقے کی گلیوں سے نکل کر ایک شاہراہ پر پہنچ گیا۔ بے شمار گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ریستوران اور تفریح گاہوں میں اچھی خاصی رونق تھی۔ دکانوں کے سائن بورڈز سے پتا چلا کہ وہ شہر نے تانیا ہے۔ یہ شہر تل ابیب اور حیفہ کے درمیان مغربی ساحل پر تھا۔

اب نے تانیا سے بیت المقدس جانے کا مسئلہ تھا۔ پتا نہیں ٹرین کس وقت وہاں سے روانہ ہوتی تھی۔ بس اور ٹیکسی کے ذریعے بھی وہ جا سکتا تھا لیکن بس یا ٹیکسی کا اڈا کہاں ہے یہ معلوم نہیں تھا۔ وہ سوچتا ہوا ایک بار کے سامنے آیا۔ وہاں بڑے امیر کبیر لوگ ہوش میں اندر جا رہے تھے اور مدہوش ہو کر باہر آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر یہ تدبیر سوجھی کہ کسی مدہوش سے دوستی کر کے یا اسے اُلو بنا کر اس کی گاڑی استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس گاڑی میں وہ یروشلم تک کا سفر کر سکتا ہے۔

وہ بار کے اندر آیا۔ وہاں یاد آیا کہ اس کے پاس ایک ڈالر' ایک پونڈ یا ایک بھی اسرائیلی شکال نہیں ہے۔ وہ خالی جیب چلا آیا ہے۔ جب سے وہ راٹما کے ساتھ رہتا چلا آ رہا تھا اسے کبھی رقم کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے کسی بھی ملک کی کرنسی حاصل کر لیتی تھی۔ بہت دنوں بعد علی کو پتا چلا کہ آج اسے اپنی حکمتِ عملی کے ذریعے رقم حاصل کرنی ہو گی۔

وہ دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ کچھ لوگ کاؤنٹر کے ساتھ لگے بیٹھے تھے اور پی رہے تھے۔ ہال میں میزوں کے اطراف پینے والوں اور پلانے والیوں کا میلہ سا لگا تھا۔ صرف ایک شخص میز پر تنہا نظر آیا۔ اس کے پاس کوئی حسینہ ساقی بن کر نہیں جا رہی تھی جب کہ وہ اپنے لباس سے اور انگلیوں میں پہنی ہوئی ہیرے کی انگوٹھیوں سے مالدار اسامی لگ رہا تھا۔

علی تیمور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے آیا' پھر بولا "کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

وہ کسی حد تک نشے میں تھا۔ اس نے نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا پھر کہا "یہ بار اور یہ میز میرے باپ کی جاگیر نہیں ہے۔ یہاں کوئی بھی گاہک بیٹھ سکتا ہے۔"

علی تیمور بیٹھ گیا۔ اس شخص نے کہا "اب تم پوچھو گے' کیا اس بوتل سے تھوڑی سی پی سکتے ہو تو میرا جواب ہو گا' یہ بوتل کسی کے باپ کی نہیں ہے۔ اسے میں نے خریدا ہے۔"

"میں شراب نہیں پیتا ہوں۔"

"ہاں؟" اس شخص نے علی تیمور کو حیرانی سے دیکھا پھر ہنستے ہوئے پوچھا "پیتے نہیں ہو تو یہاں کیا سونگھنے آئے ہو؟"

"میں باہر فٹ پاتھ پر کھڑا اس شیشے سے جھانک کر بار کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ میں پینے والوں پر ایک کہانی لکھنا چاہتا ہوں۔ یہاں ہر میز پر پینے والوں کے ساتھ پلانے والی حسینائیں ہیں لیکن تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ یہ حیرانی کی بات ہے اور میں حیرانی دور کرنے آیا ہوں۔"

وہ دو گھونٹ پی کر بولا "میں کیا جواب دوں؟ تم پیتے نہیں ہو اور میرا جواب نشے کی حالت میں سمجھ میں آتا ہے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ میں کسی حسینہ کو لفٹ نہیں دیتا ہوں۔ میں نے بار کے مالک سے کہہ دیا ہے کہ بار کی کوئی لڑکی میری میز پر نہیں آئے گی۔"

"کیوں نہیں آئے گی؟"

"نشہ بہت اچھا ہوتا ہے اور بہت برا بھی ہوتا ہے۔ اچھا اس لئے ہوتا ہے کہ آدمی فکر اور پریشانی سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ برا اس لئے ہوتا ہے کہ مدہوشی میں اپنی خبر نہیں ہوتی اور کوئی بھی نازک اندام حسینہ لوٹ کر چلی جاتی ہے۔"

"جب تمہارے پاس کوئی آتی نہیں ہے تو کیسے لوٹ کر چلی جاتی ہے؟"

"یہی تم سمجھ نہیں پاؤ گے کیونکہ تم پیتے نہیں ہو۔"

"میں سمجھ لوں گا' تم بولو تو سہی۔"

وہ بولا "آہ! یہ ایک درد بھری داستان ہے۔ تم کہانی لکھنا چاہتے ہو اس لئے تمہیں سنا رہا ہوں۔ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

"تم بیوی سے محبت کرتے تھے اور اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ بیوی سے کیا بار بار شادی ہوتی ہے؟"

"بھئی سمجھا کرو۔ جب میں شادی کرنا چاہتا تھا تب وہ میری بیوی نہیں تھی۔"

علی تیمور نے سر ہلا کر کہا "اچھا' سمجھ گیا۔"

وہ پھر دو چار گھونٹ پینے کے بعد بولا "اور جب وہ میری بیوی بن گئی تو میں اس سے شادی نہ کر سکا۔"

"یہ شرابی فلسفہ ہے کیا؟ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"بھئی سمجھا کرو۔ شادی کا مطلب ہے خوشی۔ میں اسے بیوی بنانے کے بعد اس کے ساتھ کوئی خوشی نہ منا سکا۔ وہ بلڈ پریشر کی مریضہ تھی۔ دو بار ہارٹ اٹیک ہو چکا تھا۔ جب وہ سہاگ کی سیج پر پہنچی تو خوشی کے مارے دوران خون بڑھ گیا۔ تیسرا ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ پھولوں کی سیج پر مر گئی۔"

اتنا کہہ کر وہ رونے لگا۔ علی تیمور نے پریشان ہو کر کہا۔ "کیا کر رہے ہو؟ یہاں تماشا بن جاؤ گے۔"

ایک ویٹر آئس کیوبس کا پیالہ لا کر رکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "صاحب! آپ پریشان نہ ہوں۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ مسٹر بونز کو چوتھے پیگ سے اپنی بیوی یاد آنے لگتی ہے۔"

ویٹر چلا گیا۔ علی نے کہا "مسٹر بوزر! مرنے والی کی یاد دل سے نہیں جائے گی لیکن رونے سے وہ واپس نہیں آئے گی۔"

وہ روتے ہوئے بولا "اسی بات کا تو رونا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی واپس آتی ہے۔"

"کیا؟" علی نے شدید حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا "وہ واپس آتی ہے؟"

"ہاں' آتی ہے۔ جاتی ہے' پھر آجاتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ مری نہیں تھی۔ ابھی زندہ ہے۔"

"وہ مرچکی ہے۔ اس کے تابوت کو میری آنکھوں کے سامنے قبر میں اتارا گیا تھا۔ مرنے والی کے ماں باپ اور رشتے دار بھی اس کی موت کی تصدیق کریں گے۔"

اس نے شیشے کے جام کو ہونٹوں سے لگا کر خالی کیا پھر بوتل کھول کر پانچواں پیگ بنانے لگا۔ علی تیمور نے کہا "تم ڈبل پیگ بناتے ہو۔ اس حساب سے یہ تمہارا دسواں پیگ ہے۔ بس کرو' تم نے بہت پی لی ہے۔ تمہیں کچھ تو ہوش میں رہنا چاہئے۔"

"میں ہوش میں ہوں اور تمہیں اپنی سچی دردناک کہانی سنا رہا ہوں۔ میں ثابت کردوں گا کہ وہ مرچکی ہے اور یہ بھی ثابت کردوں گا کہ وہ مجھ سے ملتی ہے۔ ابھی تم میرے ساتھ چلو' میں تمہیں اس سے ملواؤں گا۔ پھر تمہیں یقین آئے گا کہ وہ مجھ سے سچی محبت کرتی ہے۔ قبر سے نکل کر میرے پاس چلی آتی ہے۔"

"میں تمہاری وائف سے ضرور ملوں گا۔ اس سے کب ملاؤ گے؟"

میں نے کہا "ابھی ملاؤں گا۔ ذرا صبر کرو۔"

وہ غٹاغٹ پینے لگا۔ ایک ہی سانس میں جام خالی ہوگیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر لڑکھڑا گیا۔ میز کا سہارا لے کر جھکتے ہوئے بولا "میں نشے میں نہیں ہوں۔ اگر تم نے زیادہ پی لی ہے تو آؤ مجھے تھام لو۔ میں تمہیں سنبھال کرلے چلوں گا۔"

علی تیمور نے اسے تھام لیا۔ پھر سہارا دے کر بار سے باہر جانے لگا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "دراصل اس سے ملنے کی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔ ابھی وہ ملے گی' یہ سوچ کر مجھے نشہ آجاتا ہے۔ ورنہ میں نشے میں نہیں ہوں۔"

وہ دونوں بار سے باہر آئے۔ بوزر نے ایک سفید کار کے پاس آکر کہا "تم پچھلی سیٹ پر بیٹھو۔ میں اگلی سیٹ اپنی وائف کے لئے خالی رکھتا ہوں۔"

"لیکن وہ کہاں ہے؟"

"ذرا صبر کرو۔ اور آرام سے بیٹھو۔"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اسے یروشلم تک جانے کے لئے ایک گاڑی کی ضرورت تھی اور وہ گاڑی اسے ملنے والی تھی۔ اس گاڑی کو عجلت میں حاصل کرنا مناسب نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ مرنے والی کب اور کہاں اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ جاتی۔

بوزر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی پھر کار کو اسٹارٹ کیا۔ علی نے پوچھا "تم اس حالت میں گاڑی چلاؤ گے؟"

وہ کار آگے بڑھاتے ہوئے بولا "میں ہر رات اسی حالت میں ڈرائیو کرتا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے' تمہاری بیوی قبر سے نہیں آئے گی تم مجھے ڈرائیونگ کے ذریعے قبر میں لے جاؤ گے۔ کیا تمہیں گھر کا راستہ یاد ہے؟"

"یاد ہے۔ میں تل ابیب میں رہتا ہوں اور پینے کے لئے تانیا شہر آتا ہوں کیونکہ وہ' نے تانیا اور تل ابیب کے درمیان کہیں نظر آتی ہے پھر میری کار میں آکر بیٹھ جاتی ہے۔"

علی تیمور نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر کہا "ایسا لگتا ہے جیسے مجھے نشہ ہوگیا ہے۔ میرا سر چکرا رہا ہے۔"

بوزر نے کہا "تمہیں زیادہ نہیں پینا چاہئے تھا۔ بہرحال میں تمہیں سنبھال کرلے جاؤں گا۔ تم کہاں رہتے ہو؟"

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

بوزر نے ہنستے ہوئے کہا "بہت چڑھ گئی ہے' اپنا گھر بھی بھول گئے ہو۔"

وہ اچانک سنجیدہ ہوگیا۔ کار کی رفتار سست کرتے ہوئے بولا "دیکھو وہ آگئی ہے۔ سامنے دیکھو۔"

کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دور سڑک پر وہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے سفید میکسی پہنی ہوئی تھی اور وہ سفید میکسی یوں لگ رہی تھی جیسے وہ کفن سمیت قبر سے اٹھ کر آئی ہو۔

بوزر نے قریب پہنچ کر گاڑی روک دی۔ پھر اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی۔ پھر کار میں آکر بیٹھتے بیٹھتے رک گئی۔ علی تیمور کو پچھلی سیٹ پر دیکھ کر بولی "یہ کون ہے؟"

بوزر نے کہا "ایک بے چارہ ہے' اتنی پی لی ہے کہ اپنا گھر بھول گیا ہے۔ ڈارلنگ! کیا تمہیں اعتراض ہے؟"

وہ بولی "بے شک! اعتراض ہونا چاہئے۔ میاں بیوی کے درمیان کسی تیسرے کا کیا کام؟"

"میری جان! ہم اسے پچھلی سیٹ پر چھوڑ دیں گے۔ یہ تمام رات یہاں سوتا رہے گا اور ہم اپنے بیڈ روم میں رہیں گے۔"

"ذرا لائٹ آن کرو' میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

بوزر نے کار کی اندرونی لائٹ آن کی۔ روشنی ہوتے ہی وہ آنے والی علی تیمور کو دیکھ کر چونک گئی۔ علی مدہوش بنا ہوا تھا' وہ ادھ کھلی آنکھوں سے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے نشے کی زیادتی سے پوری طرح آنکھیں نہیں کھول پا رہا ہو۔

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھتی ہوئی بولی "کیا تمہارا ساتھی مجھ سے باتیں کرسکتا ہے۔"

بوزر نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا "کمال ہے' اتنی دیر تک ہم پیتے رہے مگر میں نے اس کا نام نہیں پوچھا۔ کیوں مسٹر! تمہارا نام کیا ہے؟"

علی تیمور جیسے نشے میں بڑبڑانے لگا "نام صرف گاڈ کا ہوتا ہے"

ہمارا تمہارا نام ہوتا ہے مگر مٹ جاتا ہے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو' میری رومیلا کا نام نہیں مٹ سکتا۔ دیکھو یہ اپنے نام کے ساتھ قبر سے اٹھ کر میری محبت میں آئی ہے۔"

علی نے کہا "آہ! آج آنکھوں سے دیکھ کر یقین ہوگیا کہ بیویاں مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں۔"

وہ بولی "بکواس مت کرو۔ میں اپنے بوزر کو پرائی عورتوں سے بچاتی ہوں۔ یہ بار میں پیتے وقت اسی لئے کسی حسینہ کو لفٹ نہیں دیتا کہ پینے کے بعد میں اس کے پاس آتی ہوں۔"

بوزر نے کہا "ڈارلنگ! تم ہر رات آتی ہو۔ مجھے بیڈ روم میں لے جاکر سلاتی ہو لیکن خود میرے ساتھ نہیں سوتی ہو۔ صبح اٹھ کر دیکھتا ہوں تو غائب ہوجاتی ہو۔ آخر مجھے شادی والی خوشی کب ملے گی؟ میری زندگی میں کب سہاگ رات آئے گی؟"

وہ رونے لگا۔ رومیلا نے کہا "تم جذباتی ہو رہے ہو۔ گاڑی روکو۔ ورنہ اسے کہیں ٹکرا دو گے۔"

"میں اسے ٹکرا کر مرجاؤں گا' تمہاری قبر کا پڑوسی بن جاؤں گا۔"

"میں کہتی ہوں آنسو پونچھو۔ ورنہ غائب ہوجاؤں گی۔"

وہ آنسو پونچھنے لگا۔ علی سوچ رہا تھا۔ آخر یہ دونوں کیا چیز ہیں؟ جب بوزر کے دماغ پر شراب چڑھ جاتی ہے تب یہ حسینہ بیوی بن کر آتی ہے' یہ فراڈ ہے' اسے دھوکا دیتی ہے۔ ظاہر ہے ایک امیر کبیر شخص کو لوٹنے کے لئے دھوکا دیتی رہتی ہے۔

نشے میں انسان کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ وہ مدہوش ہوجاتا ہے۔ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا لیکن کار ڈرائیو کرتے وقت وہ غیر شعوری طور پر محتاط رہتا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ اندر ہی اندر موت سے ڈرتا ہے۔ کوئی حادثہ نہیں چاہتا۔ مرنا نہیں چاہتا۔ بوزر نے اگرچہ تیز رفتاری سے کار چلائی مگر سلامتی سے تل ابیب کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ پورچ میں کار روک کر بولا "میرے اجنبی دوست! تم اسی کار میں رات گزارو۔ میں اپنی رومیلا کے ساتھ....."

رومیلا نے بات کاٹ کر کہا "نہیں بوزر! یہ تمہارا مہمان ہے۔ اسے بھی اندر لے چلو۔ یہ دوسرے بیڈ روم میں پڑا رہے گا۔"

بوزر نے کار سے نکل کر لڑکھڑاتے ہوئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ علی بھی ڈگمگاتا ہوا باہر آیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے ڈگمگاتے ہوئے بنگلے کے اندر آئے۔ رومیلا ان کے پیچھے تھی۔ وہ ایک بیڈ روم کے پاس پہنچ کر بولی "مہمان کو اس کمرے میں جانے دو۔"

بوزر' علی کو وہاں چھوڑ کر رومیلا کا سہارا لے کر اپنے بیڈ روم میں جانے لگا۔ علی نے کمرے میں آکر دروازے کو بند کیا۔ پھر وہیں کھڑا رہا۔ اسے یاد آرہا تھا جب رومیلا نے پہلی بار کار کے اندر روشنی میں اسے دیکھا تھا تو ایسے چونک گئی تھی جیسے اسے اڈی فشر

کی حیثیت سے پہچانتی ہو۔

یہ بات اسے کھٹک رہی تھی۔ پھر وہ رومیلا کا فراڈ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بونر کی بیوی بن کر یہاں کس لئے آئی ہے؟

وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔ پھر دبے قدموں چلتا ہوا دوسرے بیڈ روم کی کھڑکی کے پاس آیا۔ رومیلا شیشے کے جام میں ایک پیگ بناتے ہوئے بونر سے کہہ رہی تھی۔ "اب اس کے بعد پینے کو نہ مانگنا۔ تم زیادہ پیتے ہو پھر شکایت کرتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔"

اس نے شراب کا جام بونر کو دیا پھر کہا "تم پیتے رہو۔ میں تمہارے مہمان کو دیکھ کر آتی ہوں۔ شاید اسے کسی چیز کی ضرورت ہو۔"

علی تقریباً دوڑتا ہوا دوسرے بیڈ روم میں آیا۔ باتھ روم میں پہنچ کر اس نے شاور کو کھول دیا۔ پھر باتھ روم کا دروازہ بند کرتے ہوئے کمرے میں آیا۔ وہاں بھی اس نے ایک لمحہ ضائع نہیں کیا۔ دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر آگیا۔ کوریڈور میں آکر ایک قریبی زینے کے پیچھے چھپ گیا۔ اس نے بڑی تیزی دکھائی تھی۔ اگر ذرا بھی دیر ہوتی تو اس سے سامنا ہو جاتا۔

زینے کے پیچھے آتے ہی اس نے دیکھا' رومیلا اس کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر جھانک رہی تھی پھر وہ اندر گئی۔ علی اسے بستر پر نظر نہیں آیا۔ وہ باتھ روم کے دروازے کے پاس آکر شاور سے پانی گرنے کی آواز سننے لگی۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ نشہ کم کرنے کے لئے غسل کر رہا ہے۔

رومیلا نے باتھ روم کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ پھر کمرے کے باہر آکر اس دروازے کی چٹخنی بھی باہر سے لگا دی۔ اپنی دانست میں اس نے علی کو باتھ روم میں' بیڈ روم میں قید کر دیا اسے یہ یقین ہو گیا کہ قیدی مہمان باہر نہیں نکل سکے گا۔ وہ اطمینان سے چلتی ہوئی بونر کے پاس آئی۔ وہ آخری پیگ حلق سے اتارنے کے بعد بستر پر چاروں شانے چت ہو گیا تھا۔ نشہ پوری طرح غالب آگیا تھا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی آواز ڈوبتی جا رہی تھی۔ رومیلا نے اس پر ایک نظر ڈالی پھر ٹیلیفون کے پاس آکر ریسیور اٹھایا اور نمبروں کے بٹن دبانے لگی۔

رابطہ قائم ہو گیا تو وہ بولی "ہیلو میں ہوں انجیلا آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔ چیف سے بات کراؤ۔"

چند سیکنڈ کے بعد چیف کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو انجیلا؟"

وہ بولی "ہیلو چیف! کیا رائما کے ساتھ آنے والے ایڈی فشر کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ تم جانتی ہو رائما اور فشر کو نے تانیا کے ایک بنگلے میں نظربند رکھا گیا ہے۔"

"لیکن وہ میرے بہنوئی بونر کے بنگلے میں ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ تمہارا بہنوئی تل ابیب میں رہتا ہے اور ایڈی فشر' نے تانیا میں تین مسلح پہریداروں کی نگرانی میں ہے۔ بنگلے کے احاطے میں تین خونخوار کتے ہیں پھر وہ باہر کیسے نکل سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی' وہ کیسے نکل گیا لیکن میں نے اسے باتھ رو[م] اور بیڈ روم میں قید کر دیا ہے۔ آپ فوراً آکر اسے حراست م[یں] لیں۔"

اس نے تھوڑی دیر تک دوسری طرف کی باتیں سنیں ’[پھر] ریسیور رکھ کر پلٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی چیخ نکل گئی [وہ] دروازے پر علی تیمور کھڑا ہوا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی "تم باہر ک[یسے] آگئے؟"

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "میں ایک بھٹکتی ہوئی رو[ح] کی طرح ہوں۔ جب تک اپنی اصلیت کو نہیں پاؤں گا' کوئی مجھے [قید] نہیں کر سکے گا۔"

پھر وہ قریب آکر بولا "یہ بونر تمہارا بہنوئی ہے۔ پھر تم ا[سے] دھوکا کیوں دے رہی ہو؟"

"میرا بہنوئی ایک بچے کی طرح معصوم ہے۔ ہم نہیں چاہتے [کہ] یہ حسین عورتوں کے فریب میں آئے۔ میں اپنی بہن سے بڑی [حد] تک مشابہہ ہوں۔ یہ نشے میں مجھے اپنی بیوی رومیلا سمجھتا ہے ا[گر] ہوش میں رہے تو مجھ سے متاثر نہیں ہوتا۔ میں چاہتی ہوں' یہ [مجھ] سے شادی کر لے لیکن میری بہن مرنے کے بعد بھی اس کے حوا[س] پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ ہوشمندی میں کسی سے شادی نہیں کر[ے] گا۔ البتہ نشے میں بہکتا ہے۔ اس لئے میں رومیلا بن کر اسے ب[ہکنے] سے بچاتی ہوں۔"

"تم اپنے بہنوئی کی بہتری چاہتی ہو۔ تم دل کی اچھی ہو' [پھر] میرے لئے بری کیوں ہو؟ کیوں مجھے گرفتار کرانا چاہتی ہو؟"

"میں ایسا نہیں کروں گی تب بھی تم اس ملک میں کہیں چھ[پ] کر نہیں رہ سکو گے۔ یہاں کی پولیس' انٹیلی جنس اور فوج سے کو[ئی] نہیں بچ سکتا۔"

"لیکن میرا جرم کیا ہے؟"

"جرم تو میں نہیں جانتی' اتنا جانتی ہوں کہ ایک ٹیلی پی[تھی] جاننے والی کے ساتھ آئے ہو۔ اس لئے ہم نہیں چاہیں گے کہ کسی دشمن خیال خوانی کرنے والے کے ہاتھ لگ جاؤ اور وہ د[شمن] تمہارے ذریعے رائما تک پہنچ جائے۔"

"میں رائما کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ جب تک بھاگ س[کتا] ہوں اور جہاں تک بھاگ سکتا ہوں' اس سے دور بھاگتا رہو[ں] گا۔"

"بس اتنی سی بات ہے؟ رائما کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے؟ پہلے بتایا ہوتا۔ ہم تمہاری رہائش کا الگ انتظام کر سکتے ہیں۔"

"سوری' میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنا نہیں چاہتا۔"

وہ جانے کے لئے پلٹ گیا۔ انجیلا نے بڑی پھرتی سے الماری کی ایک دراز کو کھولا۔ اس میں سے ایک ریوالور نکالنے کے لئے ہاتھ ڈالا۔ علی نے پلٹ کر دراز کو ایک لات ماری۔ وہ چیخ پڑی دراز کے بند ہونے سے اس کا ہاتھ اندر پھنس گیا تھا۔ علی نے دراز

سے پاؤں نہیں ہٹایا تھا۔۔۔۔ وہ تکلیف کی شدت سے بلبلا رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اسے کبھی کھولنے کی کوشش کر رہی تھی کبھی علی کے پاؤں پر کراٹے کے ہاتھ مار رہی تھی۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے فولاد پر ہاتھ مار رہی ہو۔

جب وہ نڈھال ہو کر گرنے لگی تو علی نے دراز پر سے پاؤں ہٹالیا۔ اس میں سے ریوالور نکال کر چیمبر کو خالی کیا۔ تمام گولیاں دور پھینک کر اسے ریوالور دیتے ہوئے بولا "جاؤ' اپنی پھرتی آزماؤ۔ گولیاں چن کر اسے لوڈ کرو اور مجھے نشانہ بناؤ۔"

وہ اس کے ہاتھ پر ریوالور رکھ کر جانے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ دراز کے اندر رہ کر بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے فولاد پر کراٹے کے ہاتھ مارنے کا نتیجہ بھی برا نکلا تھا۔ وقتی طور پر دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے تھے۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا۔ باہر پولیس کی دو گاڑیاں نظر آئیں۔ وہ گاڑیاں احاطے کے اندر آرہی تھیں۔ علی تیمور دوڑتا ہوا احاطے کی دیوار کی طرف گیا۔ پولیس افسر نے بلند آواز سے کہا۔ "وہ ایڈی فشر جا رہا ہے۔ اسے روکو۔"

ایک گاڑی ریورس گیئر میں احاطے کے باہر گئی۔ دوسری گاڑی سے سپاہی نکل کر علی کی طرف دوڑنے لگے۔ وہ اچھل کر احاطے کی دیوار پر آیا پھر دوسری طرف کود کر سڑک پر بھاگنے لگا۔

احاطے کے باہر آنے والی پولیس گاڑی گیئر بدل کر آگے بڑھی۔ وہ بھی آگے آگے دوڑتا جا رہا تھا۔ گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے افسر نے میگافون کے ذریعے کہا "ایڈی فشر! یہ تمہاری نادانی ہے۔ گاڑی کی رفتار سے نہیں دوڑ سکو گے۔ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

لیکن وہ حیرت انگیز تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ افسر کا بھی یہ خیال درست تھا کہ وہ گاڑی سے تیز نہیں بھاگ سکے گا لیکن اس کا ذہن بجلی کی تیزی سے بچاؤ کے راستے نکالتا تھا۔ اس نے دور تک دوڑنے کے بعد اچانک ایک بنگلے کے احاطے میں چھلانگ لگا دی۔ گاڑی رک گئی۔ بھاگنے والا نہیں رکا۔ تیز بھاگنے والی گاڑی سے سپاہی اتر کر اس بنگلے کے احاطے میں جانے لگے۔ بنگلے کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ سب دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ اندر بیٹھی ہوئی عورتوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ ایک بولی "یہ کہاں کا قانون ہے۔ کیا پولیس والے اجازت لے کر نہیں آسکتے؟"

افسر نے کہا "ہمیں افسوس ہے۔ ہم مجبور ہیں۔ ایک مجرم یہاں آیا ہے۔"

"یہاں کوئی نہیں ہے۔"

افسر نے سپاہیوں سے کہا "وہ بنگلے کے پچھلے راستے سے نکل گیا ہوگا۔ کم آن۔ ایک سپاہی جائے اور گاڑی کو پچھلے راستے پر لائے۔"

وہ سب بنگلے سے نکل کر دوسرے راستے کی طرف دوڑنے لگے۔ انجیلا پولیس کی دوسری گاڑی میں بیٹھ کر آئی۔ اسے پتا چلا فشر گاڑی میں آنے والے سپاہیوں کو پیدل بنا چکا ہے۔ وہ بولی "چیف! وہ بہت چالاک ہے۔ ایسے ہاتھ نہیں آئے گا۔ پلیز ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو انفارم کرو۔"

چیف نے کہا "ابھی میں یہی سوچ رہا تھا۔ ہمارا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا' فشر کے اندر جا کر اسے فرار ہونے سے روک سکتا ہے۔"

وہ موبائل ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبروں کے بٹن دبانے لگا۔

ادھر جے مورگن اور الپا وغیرہ رائما کے معاملے میں مصروف تھے۔ گولڈن برینز نے بھی ایڈی فشر کو رائما کا ایک تابعدار سمجھ کر زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کی ساری توجہ رائما کو اپنا وفادار بنانے کے لئے تھی۔ پھر دانیال کی غداری ان کا قیمتی وقت ضائع کر رہی تھی۔ جے مورگن آئندہ کسی فریب سے بچنے کے لئے رائما کے دماغ میں پہریدار بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ الپا سو رہی تھی' اسے صبح چار بجے رائما کے دماغ میں جا کر جے مورگن کو ڈیوٹی سے فارغ کرنا تھا۔

رات کے ایک بجے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ الپا گہری نیند میں تھی لیکن دماغ کو ہدایت دے چکی تھی کہ کوئی غیر معمولی بات ہو تو آنکھ کھل جائے۔ اس لئے فوراً ہی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے ریسیور کان سے لگایا۔ پھر کہا "ہیلو؟"

دوسری طرف سے آواز آئی "میں انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر جنرل بول رہا ہوں۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ ایڈی فشر رائما کو چھوڑ کر اس بنگلے سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے تصدیق کرنے کے لئے اس بنگلے میں فون کیا۔ وہاں گھنٹی بجتی رہی لیکن ہمارے کسی پہریدار نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ شاید فشر نے ایک افسر اور دو سپاہیوں کو قتل کر دیا ہے۔"

الپا نے پوچھا "اور وہ تین کتے؟ کیا فشر نے انہیں بھی ختم کر دیا ہے؟"

"ظاہر ہے ان کتوں کی زندگی میں وہ باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔"

"اچھا میں دیکھتی ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر سوچنے لگی۔ ایڈی فشر کی آواز اور لہجے کو یاد کرتے کرتے خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے اس کے دماغ تک پہنچ کر واپس آگئی۔ ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی سانس روک لیتا ہے۔

الپا بستر سے اٹھ کر آئینے کے پاس آئی پھر اپنے بالوں کو برش کرتے ہوئے سوچنے لگی "ایڈی فشر کا دماغ حساس نہیں ہے۔ جب وہ رائما کے ساتھ یہاں پہنچا تھا تب میں نے ائرپورٹ پر فشر کو آزمایا تھا۔ مجھے اس کے دماغ میں جگہ مل گئی تھی۔ اطمینان ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کسی وقت بھی پہنچا جا سکتا ہے۔ پھر یہ اچانک تبدیلی کیسے آگئی؟ وہ یوگا کا ماہر کیسے ہو گیا؟"

پھر الپا نے سوچا "فشر کے دماغ میں کوئی پہنچے یا نہ پہنچے' رائما ضرور پہنچ سکتی ہے کیونکہ فشر اس کا معمول اور تابعدار ہے۔ اگر

میں رائما کی سوچ اور لہجہ اختیار کروں تو وہ سانس نہیں روکے گا۔“
وہ رائما کی سوچ اور لہجے کو اختیار کر کے وہاں پہنچی پھر واپس آ گئی۔ علی کی سانس رکی ہوئی تھی۔ وہ حیران رہ گئی۔ پہلی بات یہی سمجھ میں آئی کہ وہ رائما کے تنویمی عمل سے نجات حاصل کر چکا ہے۔ الپا گولڈن برینز کو رپورٹ دینے کے لئے کمپیوٹر کے پاس آ گئی۔

علی کو یہ علم نہیں تھا کہ الپا اس کے دماغ میں دوبار آنے کی کوشش کرتے ہوئے ناکام ہو گئی ہے۔ اس نے الپا کا راستہ روکنے کے لئے سانس نہیں روکی تھی۔ دراصل وہ پولیس والوں سے چھپنے کے لئے ایک جگہ تاریکی میں لیٹا ہوا تھا۔ سپاہی قریب ہی ادھر اُدھر اسے تلاش کر رہے تھے۔ وہ چاہتا تھا' سپاہیوں کو اس کے سانس لینے کی آواز بھی سنائی نہ دے اس لئے اس نے سانس روک لی تھی۔

پھر وہ آہستہ آہستہ سانس لینے لگا۔ اس وقت وہ ایک سرونٹ کوارٹر کی چھت پر لیٹا ہوا تھا۔ کوئی بیس قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑی کوٹھی تھی۔ وہ رینگتا ہوا چھت کے کنارے آیا۔ نیچے کوئی سپاہی دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ اس نے ذرا دیر تک انتظار کیا پھر چھت سے اتر کر نیچے آ گیا۔

پولیس والے بھی چالاک تھے۔ وہ تاریکی میں چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگائی لیکن اسے پکڑ نہ سکے۔ وہ مقابلہ کر رہا تھا۔ کسی کو لات گھونسے مار رہا تھا کسی کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر پھینک رہا تھا۔

پولیس کار میں بیٹھا ہوا چیف ریسیور کان سے لگائے سن رہا تھا۔ دوسری طرف سے اس کا سینئر افسر کہہ رہا تھا۔ ”ابھی رپورٹ ملی ہے کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے' فشر کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے۔ یہ حکم دیا گیا ہے کہ فشر کو گولی مار کر زخمی کرو تاکہ اس کے دماغ میں جگہ مل سکے۔“

چیف نے ریسیور رکھا اور اپنا ریوالور نکال کر سپاہیوں کی طرف دوڑتے ہوئے بولا ”ہٹ جاؤ۔ میں فائر کر رہا ہوں۔ فشر کو زخمی کرنا ضروری ہے۔ دور ہٹو۔“

علی نے یہ سنتے ہی کوٹھی کی طرف دوڑ لگائی۔ فائرنگ سے بچنے اور چھپنے کی وہی ایک جگہ تھی۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ دوسری بار فائرنگ کی آواز گونجی' اس کے ساتھ ہی علی نے فضا میں اچھل کر جیسے غوطہ لگایا پھر ٹی وی لاؤنج کے شیشے کو توڑتا ہوا کوٹھی کے اندر آ گرا۔

کوٹھی کے اندر جیسے زلزلہ آ گیا۔ وہاں رہنے والے ایک مرد اور ایک عورت کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دی ”کون ہے؟“

علی قالین پر آ کر گرا تھا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اسے کوٹھی کے مکینوں سے بھی نمٹنا تھا لیکن جب وہ مین ایک کمرے سے نکل کر اس کے سامنے آئے تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

اس نے آج تک پہاڑ جیسے انسانی روبوٹ نہیں دیکھے تھے۔ اس نے بابا صاحب کے ادارے میں سوسانہ اور جبرائیل کو دیکھا تھا۔ ان سے دوستی بھی تھی۔ وہ پارس کی طرح سوسانہ کو آپا جان کہتا تھا لیکن ابھی خود کو بھولا ہوا تھا۔ ادھر سوسانہ اور جبرائیل اسے نہیں پہچان سکے تھے کیونکہ علی کی شخصیت اور صورت بدلی ہوئی تھی۔

فی الوقت وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے اور کوئی اجنبی شیشے توڑ کر گھر میں گھس آئے تو وہ دشمن سمجھا جاتا ہے۔ جبرائیل نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے حلق کو دبوچ لیا۔ علی نے سانس روک لی۔ جبرائیل کے منہ پر کراٹے کا ہاتھ مارا۔ وہ ہاتھ فولادی تھا۔ جبرائیل کو ذرا تکلیف پہنچی۔ اس نے برداشت کرتے ہوئے علی کو اوپر اٹھا لیا۔ اس کے پاؤں زمین سے اکھاڑ دیئے۔

ان ہی لمحات میں الپا نے علی کے دماغ میں آنا چاہا مگر پھر ایک بار سوچ کی لہریں واپس آ گئیں کیونکہ علی اپنی گردن چھڑانے کے لئے سانس روکے ہوئے تھا۔ وہ چیف کے دماغ میں آ کر بولی ”تم نے گولیاں ضائع کی ہیں۔ وہ زخمی نہیں ہوا ہے۔ اس نے سانس روکی ہوئی ہے۔“

چیف نے کہا ”مادام! بڑی مشکل ہے۔ وہ سوسانہ اور جبرائیل کی کوٹھی میں چلا گیا ہے۔“

الپا نے کہا ”او گاڈ! ہماری پوری کوشش یہی تھی کہ رائما اور فشر کو ان انسانی روبوٹ سے دور رکھا جائے تاکہ سوسانہ تک نہ پہنچ پائیں۔ ہم رائما کو نے تانیا لے گئے تھے۔ کہاں نے تانیا اور کہاں تل ابیب۔ وہ کمبخت فشر ایک طویل فاصلہ طے کر کے فرہاد کے آلۂ کاروں کے گھر میں گھس گیا ہے۔ اسے کسی بھی طرح وہاں سے نکالو۔“

”یس مادام! میں سپاہیوں کے ساتھ کوٹھی کے اندر جا رہا ہوں۔“

وہ سپاہیوں کے ساتھ کوٹھی کے دروازے کی طرف جانے لگا۔ علی نے جبرائیل کے شکنجے میں اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ سانس تو پہلے ہی روکی ہوئی تھی۔ جبرائیل نے سمجھا کہ اس کا دم نکل گیا ہے۔ اس نے علی کو ایک طرف پھینک دیا۔

وہ فرش پر گرتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جبرائیل نے اسے مُردہ سمجھا تھا۔ مُردے نے فضا میں اچھل کر اس کے سینے پر ایک فلائنگ کک ماری۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑا کر ٹی وی سے ٹکرایا' اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ ٹی وی کے ساتھ فرش پر گر پڑا۔

سوسانہ دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھ رہی تھی۔ وہ حیرانی سے بولی۔ ”تعجب ہے۔ میں پہلی بار تمہیں کسی کے مقابلے میں گرتے ہوئے دیکھ رہی ہوں جبرائیل!“

جبرائیل نے کہا ”او سوسانہ! تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس جوان نے ماسٹر واشو روکی کے انداز میں کک ماری ہے۔ ٹریننگ کے

دوران جب ماسٹر ہم دونوں پر حملے کرتا تھا تو ہم سنبھل نہیں پاتے تھے۔“

سوسانہ نے علی کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔ پھر جبرائیل سے کہا۔ ”ایسا ہے تو تم تماشا دیکھو۔ میں اس سے مقابلہ کروں گی۔“

وہ مقابلے کے لئے ڈٹ گئی۔ علی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”پلیز مجھے دشمن نہ سمجھو۔ میں ایک دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والی کے شکنجے سے نکلنے کے لئے پناہ لینے آیا ہوں۔ اگر تم دونوں یہودی ہو تو مجھے مجبوراً یہاں سے بھی بھاگنا ہو گا اور اگر یہودی نہیں ہو تو فار گاڈ سیک' میری مدد کرو۔ میں بھی تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں۔“

سوسانہ اور جبرائیل نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر وہ بولی ”کیا چاہتے ہو؟“

کال بیل کی آواز سنائی دینے لگی۔ علی نے کہا ”یہاں کی پولیس مجھے گرفتار کرنے آئی ہے جبکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔“

”اگر تم مجرم نہیں ہو تو تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔“

علی ان کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف جانے لگا۔ کال بیل کی آواز وقفے وقفے سے آ رہی تھی۔ علی نے پوچھا ”کیا وہ تمہارے کہنے سے مجھے گرفتار نہیں کریں گے؟“

جبرائیل نے کہا ”ہم انہیں سمجھائیں گے۔ وہ باتوں سے نہیں سمجھیں گے تو لاتوں سے ضرور سمجھ لیں گے۔“

اس نے دروازے کے پاس آ کر اسے کھولا۔ باہر انٹیلی جنس کا چیف' ایک پولیس افسر اور کئی سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ چیف نے اپنا کارڈ دکھا کر کہا۔

”میں انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کا چیف ہوں۔ یہ جوان ایڈی فشر تمہارے گھر کا شیشہ توڑ کر اندر آیا ہے' ہم اسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔“

سوسانہ نے پوچھا ”کیا ہمارے گھر کا شیشہ توڑنے اور یہاں گھس آنے کے جرم میں گرفتار کرنا چاہتے ہو؟“

افسر نے کہا ”یہ واقعی جرم ہے۔ آپ بھی مانتی ہیں۔“

”مانتی ہوں اور اس جوان کی غلطی کو معاف کرتی ہوں۔ ہماری معافی کے بعد یہ مجرم نہیں رہا۔ لہٰذا اسے گرفتار نہ کرو۔“

افسر نے چیف کو دیکھا پھر کہا ”مادام! تم معاف کر سکتی ہو مگر یہ ہمارا بھی مجرم ہے۔ ہمیں امید ہے' تم قانون کے تقاضے پورے کرنے سے ہمیں نہیں روکو گی۔“

جبرائیل نے کہا ”اس نے ہمارے گھر میں پناہ لی ہے۔ لہٰذا ہم بھی قانون کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اس کا جرم معلوم کریں گے۔“

”مسٹر جبرائیل! تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت نہیں کرو گے۔ بیشتر ملکی معاملات راز میں رہتے ہیں۔ یہ جوان ہمارے ایک راز سے تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں اپنے وعدے کا پابند رہنا چاہئے۔“

جبرائیل نے علی سے پوچھا ”کیا تمہارا تعلق اس ملک سے ہے؟“

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا ”میں امریکا سے آیا ہوں اور مجھے یہاں آئے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہیں۔“

جبرائیل نے افسر سے کہا ”جب یہ تمہارے ملک سے تعلق نہیں رکھتا ہے تو تمہارے ملکی معاملات سے کیسے تعلق رکھتا ہے؟“

”یہ غیر ملکی جاسوس ہے۔ ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے آیا ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔ رائما نامی ایک عورت نے مجھے ٹیلی پیتھی اور تنویمی عمل کے ذریعے اپنا تابعدار بنا لیا ہے۔ میرے ذہن سے میری پچھلی زندگی بھلا دی ہے۔ جب میں اپنے آپ کو نہیں پہچانتا ہوں تو اس ملک کے خلاف کیا خاک جاسوسی کروں گا۔“

چیف نے کہا ”مسٹر جبرائیل! یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہم اپنے خیال خوانی کرنے والوں کے ذریعے اسے جھوٹا ثابت کر دیں گے۔“

سوسانہ نے کہا ”ہمارے خیال خوانی کرنے والے بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو زحمت نہ دینا۔ یہ جوان جھوٹا اور فریبی ثابت ہو گا تو ہم خود اسے تمہارے حوالے کر دیں گے۔“

اسی وقت لیلیٰ نے جبرائیل کے اندر آ کر گوڈ ورڈز ادا کئے پھر کہا۔

"میں دوسری جگہ مصروف ہوں۔ صرف خیریت معلوم کرنے آئی ہوں۔"

وہ بولا "ہم خیریت سے ہیں۔ یہ نوجوان تنازعے کا باعث بنا ہوا ہے۔ یہ یہودیوں سے بھاگ کر ہمارے پاس پناہ لینے آیا ہے۔ یہ افسران اسے گرفتار کر کے لے جانا چاہتے ہیں۔"

لیلیٰ نے پوچھا "یہ جوان کہاں سے آیا ہے؟ کیا نام ہے اس کا؟"

"نام ہے ایڈی فشر اور کہتا ہے کسی راہنما نے تنویمی عمل کے ذریعے اس کی یادداشت گم کر دی ہے۔"

لیلیٰ نے خوش ہو کر کہا "او خدایا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ دیکھو جبرائیل! میں جو کہہ رہی ہوں اسے سن کر خوشی کا اظہار نہ کرنا۔ یہ نوجوان ہمارا علی تیمور ہے۔"

جبرائیل نے حیرانی سے علی کو دیکھا۔ سوسانہ پولیس افسر سے باتیں کر رہی تھی۔ جبرائیل نے کہا "ہم زیادہ بحث نہیں کریں گے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ جوان ہمارے پاس رہے گا۔ اگر تم لوگ فوراً واپس نہ گئے تو ایک ایک کی گردن توڑ دوں گا۔"

چیف نے کہا "ہم جا رہے ہیں۔ ہمارے بڑے تم سے نمٹ لیں گے۔"

"جانے سے پہلے ایک وارننگ سن لو۔ اس جوان کے دماغ میں تمہارا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا نہ آئے۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والے ہمیں باخبر رکھیں گے‘ اگر کوئی چھپ کر آئے گا اور اسے نقصان پہنچائے گا تو جواباً تمہارا جو نقصان ہو گا‘ اس پر تمہارے تمام یہودی اکابرین ماتم کرتے رہ جائیں گے۔ ناؤ گٹ لاسٹ۔"

جبرائیل نے دروازہ بند کر دیا۔ بند دروازے کے باہر پولیس والوں کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپس جا رہے تھے۔ جبرائیل دروازے کے پاس سے پلٹ کر سوسانہ کے پاس آیا۔ پھر بولا "یاد ہے‘ اس نوجوان نے ماشر وانسو روکی کے انداز میں مجھے فلائنگ کک ماری تھی؟"

وہ بولی "یاد ہے مگر تم یاد کیوں دلا رہے ہو؟"

"اس لئے کہ یہ تمہارا دوسرا بھائی علی تیمور ہے۔"

"کیا؟" سوسانہ نے حیرانی سے چیخ کر علی کو دیکھا۔

لیلیٰ علی کے دماغ میں کہہ رہی تھی۔ "بیٹے! تم صحیح جگہ پہنچ گئے ہو۔ میں جلد ہی تمہاری پچھلی زندگی یاد دلا دوں گی۔"

اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں تمہاری ماں ہوں۔ میرا نام لیلیٰ ہے۔ ابھی اس سے زیادہ نہ پوچھو۔ میں اس بات کا انتظام کرنے جا رہی ہوں کہ راہنما اور دوسرے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے خاموشی سے تمہارے اندر پہنچ کر تمہیں نقصان نہ پہنچائیں۔ میں جلدی آؤں گی۔ یہ سامنے تمہاری بہن سوسانہ ہے۔"

ادھر جبرائیل نے سوسانہ کو بتایا کہ علی کی حقیقت مدر لیلیٰ نے بتائی ہے۔ سوسانہ خوشی سے دوڑتی ہوئی آئی اور علی سے لپٹ [illegible] ایسے وقت روبوٹ بہن کی محبت مہنگی پڑتی تھی۔ وہ خوشی سے [illegible] لگتی تھی مگر گلے لگنے والے کی سانس رکنے لگتی تھی۔

ایسے وقت پارس بھی سوسانہ سے دور بھاگتا تھا لیکن [illegible] انجانے میں پھنس گیا تھا۔ بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی‘ اس [illegible] سانس روک لی..... یوگا کے ماہر جانتے ہیں کہ سانس رو[illegible] سے قوتِ برداشت میں اضافہ ہوتا ہے۔

وہ سانس روک کر بہن کی پہلوانی محبت کو برداشت کر رہا تھ[ا] دوسری طرف انجانے میں فائدہ بھی پہنچ رہا تھا۔ ایسا پھر اس [illegible] دماغ تک آئی تھی اور سانس روکنے کے باعث اس کی سوچ کی لہ[ریں] واپس چلی گئی تھیں۔

❁❁❁✱✱❁❁❁

میں نے مغل پورہ میں لال پل کے پاس ایک چھوٹا سا مکا[ن] کرائے پر حاصل کیا اور وہاں ایک عام شہری کی حیثیت سے ر[ہنے] لگا۔ ایک طویل مدت کے بعد اپنے باپ دادا کا لباس شلوار قمی[ض] پہننے لگا۔ ایک ایسی عوامی طرزِ زندگی اختیار کی کہ دشمن اور دور[اں] نما دشمن بھی مجھے فرہاد علی تیمور کی حیثیت سے پہچان نہیں [سکتے] تھے۔

یہ ہم سب کے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ میں اپنے وطن میں‘ اپنے لوگوں کے درمیان منہ چھپا رہا تھا کیونکہ میر[ے] خلاف محاذ آرائی شروع ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے سرمایہ دار ا[ور] جاگیردار سمجھ گئے تھے کہ میں پاکستان میں رہ گیا تو وہ دنیا سے ا[ٹھ] جائیں گے یا ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت سے مح[روم] ہو جائیں گے۔

انہوں نے ملک کے بڑے بڑے اخبارات میں میرے خلا[ف] بیانات شائع کرانے کی کوششیں کیں لیکن اخبارات کے ذمے[دار] مالکان نے کہا "فرہاد علی تیمور ایک فکشن‘ ایک خیالی کردار [ہے۔] اگر وہ حقیقت ہے اور وہ اس ملک میں ہے تو قانون کے محافظ ا[سے] گرفتار کریں۔ عدالت تصدیق کرے کہ وہ ایک زندہ کردار ہے تو [ہم] اپنے اخبارات میں اچھا خاصا مواد شائع کریں گے۔"

ریڈیو اور ٹی وی والوں نے بھی مجھے ایک زندہ کردار [تسلیم] کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگرچہ پچھلے دنوں بین الاقوامی نشر[یاتی] اداروں نے مجھے اور سونیا کو ٹی وی اسکرین پر پیش کیا تھا اور ف[رانس کے] ولیج کے بھی مناظر پیش کئے تھے لیکن یہ اس بات کا ثبوت نہیں [تھا] کہ وہی فرہاد پاکستان میں ہے۔ اگر کوئی فرانس کے فرہاد ولیج میں [ہے] ہے تو یہ ملک سے باہر کا معاملہ ہے۔

اپنی بہن شاہینہ کے دروازے پر میں نے عوامی عدالت [قائم] کی تھی لیکن وہاں عوامی عدالت کی تختی نہیں لگی تھی۔ ا[سی] دروازے کے سامنے راجا صفدر علی‘ اس کا ایک جوان بیٹا [اور] یہودیوں کا ایک ایجنٹ جان شیرباز موت کے گھاٹ اتارے [گئے] تھے۔ جن پولیس افسران اور اعلیٰ عہدیداران کے سامنے ایسا [ہوا] تھا انہوں نے میرے خوف سے یہ رپورٹ پیش کی تھی کہ وہ تینوں پاکستان کے بدترین دشمن تھے۔ انہیں کسی نے قتل نہیں کیا تھا‘ انہوں نے خودکشی کی تھی۔

جو صاحبانِ اقتدار تھے‘ انہیں مجھ سے اور مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اپوزیشن والے مجھے اپنا حامی بنا کر میری ٹیلی پیتھی کے ذریعے حکمران پارٹی کی کمزوریاں ثابت کرنا چاہتے تھے۔ میں نے اپوزیشن کے ایک لیڈر سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور ہر پاکستانی کو حکومتِ وقت سے وفاداری کرنی چاہئے۔ اگر اپوزیشن عوام کی حمایت سے حکومت بنا لے تو ہم ان کے وفادار رہیں گے۔ یہ جمہوریت کا تقاضا ہے۔ جو حکومت کر رہے ہیں‘ انہیں پانچ برس تک کام کرنے دیا جائے۔ وہ ناکام ہوں گے تو اگلے انتخابات میں عوام انہیں کرسی سے اتار دیں گے۔

میں خیال خوانی کے ذریعے پارس کے پاس آیا۔ میرا بیٹا پیٹر ڈیسوزا کے نام سے پاکستان آیا تھا اور اپنی پھوپی شاہینہ کی کوٹھی کے سامنے والی کوٹھی میں قیام کر رہا تھا۔ اس کوٹھی کے مالک کا نام آنر ڈیسوزا تھا۔ ہم نے آنر ڈیسوزا اور اس کی وائف پر تنویمی عمل کیا تھا اور ان کے دماغوں میں یہ نقش کر دیا تھا کہ پیٹر ڈیسوزا ان کا اپنا بیٹا ہے۔

جان شیرباز کی بیٹی روزینہ ایک یہودی منصوبے کے تحت آئی تھی۔ اس نے بھی آنر ڈیسوزا کے ہاں قیام کیا تھا۔ پارس کو دوست بنایا تھا۔ پھر یہ دوستی بڑی مہنگی پڑی تھی۔ اس نے اپنے باپ جان شیرباز کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا۔ پھر پارس کی دوستی سے توبہ کر کے اپنے باپ کی لاش وہاں سے لے گئی تھی۔

ہم نے روزینہ کو جانے دیا۔ کیونکہ وہ یہودیوں کا ایک ناکام مہرہ تھا۔ ہمیں ان کے بڑے بڑے مہروں سے نمٹنا تھا۔ اس مقصد کے لئے پارس میری ہدایت کے مطابق ایک کار ڈرائیو کرتا ہوا لاہور سے چند کلومیٹر دور ایک دوا ساز کمپنی میں پہنچ گیا۔

اس دوا ساز کمپنی کا مالک چودھری حاکم علی حاکم تھا۔ وہ اسلام آباد میں رہتا تھا۔ اس کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ڈاکٹر تھے۔ ان دونوں کا قیام لاہور میں تھا کیونکہ وہ اپنی نگرانی میں ادویات تیار کراتے تھے۔ پارس ڈرائیو کرتا ہوا نعمان لیبارٹریز کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے پہنچا۔ مسلح گارڈ نے پوچھا "آپ کون ہیں؟ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟" میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

پارس نے کہا "میں ایک میڈیکل آفیسر ہوں۔ میرا نام عامر حسن ہے۔"

وہ گارڈ کیبن کی طرف جانے لگا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ وہ دوا ساز کمپنی کے مالک کے بیٹے ڈاکٹر نعمان حاکم کو ایک میڈیکل افسر کی آمد کی اطلاع دینے جا رہا تھا۔ اس نے کیبن میں آ کر فون پر رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا "جناب! ایک میڈیکل افسر عامر حسن آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر نعمان نے کہا "آنے دو۔"

میں نعمان کے اندر پہنچ گیا۔ وہ ریسیور رکھ کر سوچ رہا تھا۔ "یہ عامر حسن کوئی نیا میڈیکل آفیسر ہے۔ میں پہلی بار یہ نام سن رہا ہوں۔ ڈیڈی نے تاکید کی ہے کہ کسی نئے یا اجنبی شخص پر بھروسا نہ کیا جائے۔ فرہاد علی تیمور کسی کو بھی اپنا آلۂ کار بنا کر ہمارا بھید لینے کے لئے یہاں لیبارٹری میں بھیج سکتا ہے۔"

اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھایا۔ پھر دو بٹن باری باری دبانے کے بعد انتظار کیا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "ہیلو!"

نعمان نے کہا "صوفیہ‘ ایک نیا میڈیکل آفیسر آیا ہے۔ میرے چیمبر میں داخل ہونے والا ہے۔ جو غیر قانونی آئٹم ہے اسے تہ خانے میں پہنچا دو۔"

صوفیہ نے کہا "بھائی جان! اطمینان رکھیں۔ ابھی لیبارٹری میں کوئی قابلِ گرفت آئٹم نہیں ہے۔ سب تہ خانے میں ہے۔ بائی دی وے یہ نیا رنگروٹ کون ہے؟"

"تم اپنے چیمبر میں رہو۔ میں خفیہ مائیک آن رکھوں گا۔ تم ان کی باتیں سن سکو گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر دروازے پر دستک سنتے ہی خفیہ مائیک کے بٹن کو آن کرتے ہوئے ٹیلی فون کے ریسیور کو اٹھا لیا۔ حالانکہ فون کی گھنٹی نہیں بجی تھی۔ کسی نے فون کے ذریعے کال نہیں کیا تھا لیکن وہ آنے والے افسر کے سامنے اپنی مصروفیات جتانا چاہتا تھا۔

میں نے اسے صرف دو سیکنڈ کے لئے غائب دماغ بنایا اور اس کے ہاتھ سے ٹیلی فون پلگ کے تار کو کھینچ دیا۔ پلگ اپنے سوئچ بورڈ سے نکل گیا۔ پھر میں نے ہاتھ سے ریسیور میز پر گرا کر اسے حاضر دماغ بنا دیا۔ اس نے میز پر سے ریسیور اٹھا کر سوچا "میں نئے افسر کی آمد سے غیر شعوری طور پر کچھ نروس ہو گیا ہوں۔ کمال ہے ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔"

دوسری بار دستک کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "کم ان؟" یہ کہہ کر ریسیور کان سے لگا کر بولنے لگا۔ پارس دروازہ کھول کر اندر آیا۔ ڈاکٹر نعمان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فون پر کہا "ہاں ہاں میں‘ جانتا ہوں کہ ہماری دوائیں معیاری ہونے کے باوجود اسپتالوں اور دواؤں کی دکانوں میں کیوں کم نظر آتی ہیں؟ اس لئے کہ ہم سرکاری اور پرائیویٹ ڈاکٹروں کو کمیشن نہیں دیتے ہیں۔ یہ تمام ڈاکٹر اپنے مریضوں کے نسخوں میں ہماری دوائیں نہیں لکھتے ہیں۔ بے چارے مریض وہی دوائیں خریدتے ہیں جس کا مشورہ ان کے ڈاکٹر دیتے ہیں۔ اس لئے ہماری لیبارٹریز کی ادویات مارکیٹ میں بہت کم نظر آتی ہیں۔"

پھر وہ کان سے ریسیور لگائے "ہوں ہوں۔ ہاں ہاں" یوں کرنے لگا جیسے دوسری طرف کی گفتگو سن رہا ہو۔ پھر وہ بولا "آپ درست کہتے ہیں‘ ہمارے ملک میں رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں چلتا۔ بہت نقصان اٹھانے کے بعد یہ عقل آئی ہے کہ رشوت کا نام

بدل کر "نذرانہ" کر دیا جائے اور صرف ڈاکٹروں کو ہی نہیں انکوائری کرنے والے افسروں کو بھی نذرانہ پیش کیا جائے۔ جی جی' بالکل ٹھیک۔ ایسا تو کرنا ہی ہوگا۔ ہم دواؤں کی قیمت بڑھادیں گے۔ جو رقم رشوت کے طور پر دیں گے' وہ گاہکوں کی جیب سے وصول کرلیں گے۔ ہوں' ہوں' ہاں' اچھا میں پھر فون کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر پارس سے ہنستے ہوئے بولا۔ "اس ملک میں شرافت اور ایمانداری سے کاروبار کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ منافع تو دور کی بات ہے۔ کاروبار میں لگائی ہوئی رقم بھی ڈوب جاتی ہے۔ اگر ڈاکٹروں اور متعلقہ افسروں کو رشوت دو تو کاروبار چمک جاتا ہے اور منافع آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔ بائی دی وے مسٹر! آپ کون ہیں؟"

پارس نے مسکرا کر کہا "گیٹ پر ڈیوٹی دینے والے گارڈ نے تمہیں بتایا تھا کہ میرا نام عامر حسن ہے اور میں....."

وہ بات کاٹ کر بولا "آپ میڈیکل آفیسر ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

اس نے مصافحے کے لئے میز کے ادھر سے ہاتھ بڑھایا۔ پارس نے ادھر سے کہا "مصافحہ تو بعد میں بھی ہوجائے گا۔ پہلے ٹیلی فون کا پلگ لگاؤ۔ آخر کب تک مُردہ فون پر بدروحوں سے باتیں کرتے رہوگے؟"

اس نے چونک کر پلگ کی طرف دیکھا پھر بولا "یہ پلگ تو لگا ہوا تھا۔ یہ کب نکل گیا؟"

"یہ اس وقت بھی نکلا ہوا تھا جب تم بدروح سے باتیں کر رہے تھے۔"

ڈاکٹر نعمان نے ناگواری سے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پلگ لگا ہوا نہیں تھا اور میں یونہی بکواس کر رہا تھا؟"

"تم بکواس نہیں کر رہے تھے۔ فون کے بہانے مجھ جیسے نئے افسر کو سمجھا رہے تھے کہ اگر میں رشوت خور ہوں تو مجھے یہاں سے معقول رقم ملتی رہے گی اور اگر ایماندار ہوں تو مجھے معلوم ہوجائے کہ آج تک تم نے کسی کو رشوت نہیں دی۔ کاروبار میں نقصان اٹھا رہے تھے اور اب رشوت کے لین دین پر مجبور ہو رہے ہو۔ یعنی چت بھی تمہاری اور پٹ بھی تمہاری۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "دیکھئے۔ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"مجھے وہ فون کا پلگ صحیح سمجھا رہا ہے۔"

اسی وقت صوفیہ چیمبر کا پچھلا دروازہ کھول کر آئی اور آتے ہی سوئچ بورڈ سے دور پڑے ہوئے پلگ کو دیکھا پھر اپنے بھائی کو گھورتے ہوئے کہا "بھائی جان! لیبارٹری میں آپ کی ضرورت ہے۔ فوراً جائیں۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "صوفیہ! یہ مسٹر....."

وہ بات کاٹ کر بولی "پلیز بھائی جان! آپ فوراً جائیں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا پچھلے دروازے سے چلا گیا۔ صوفیہ' پارس کو گہری نظروں سے دیکھتی ہوئی ریوالونگ چیئر کے پاس آئی پھر وہاں بیٹھ کر بولی "کون ہو تم؟"

وہ مسکرا کر بولا "یہ پوچھ کر تم اپنے بھائی کی طرح غلطی کر رہی ہو۔ وہ خفیہ مائیک جو اس میز کے نیچے ہے اس کا تار ڈھیلا ہو کر جھول رہا تھا۔ جب میں یہاں آکر بیٹھا تو یہ مائیک جھولتے ہوئے میرے پاؤں سے آکر لگا۔ یہ دیکھو۔"

اس نے میز کے نیچے سے مائیک کو کھینچ کر دکھایا' وہ بولی "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اس کے ذریعے تمہاری گفتگو سن رہی تھی؟"

وہ بولا "یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ کمرے میں داخل ہو کر پہلے وہاں بیٹھے ہوئے اجنبی کو دیکھتا ہے لیکن تم نے یہاں قدم رکھتے ہی اس پلگ کو دیکھا جو ہماری گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔"

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی "تمہیں میڈیکل آفیسر نہیں' جاسوس بننا چاہئے تھا۔"

"اور تمہیں ڈاکٹر نہیں' مس بیوٹی کوئن کہلانا چاہئے تھا۔"

"شٹ اپ' مجھ سے فری ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"کیا تم کبھی مسکراتی بھی ہو؟ اگر نہیں تو میں تمہیں مسکرانے پر مجبور کردوں گا۔"

"تم میڈیکل آفیسر ہو اس لئے لحاظ کر رہی ہوں۔ ورنہ میرے آدمی تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ مجھ سے صرف کام کی باتیں کرو۔"

"پہلی کام کی بات یہ کہ تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں میڈیکل آفیسر نہیں' واقعی جاسوس ہوں۔ یہ رہا میرا سرکاری شناختی کارڈ....."

اس نے ایک شناختی کارڈ اس کی طرف پھینکا۔ صوفیہ نے اسے اٹھا کر پڑھا' ذرا پریشان ہوئی پھر سنبھل کر بولی "یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟"

وہ بولا "پولیس والے یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ میرا سگنل ملتے ہی یہاں چھاپا ماریں گے۔"

"اگر سرچ وارنٹ لائے ہو تو دکھاؤ اور پولیس والوں کو سگنل دو۔ ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔"

"میں جانتا ہوں لیبارٹری کی تلاشی لینے سے وہ غیر قانونی آئٹم نہیں ملے گا' جو دواؤں میں حل کیا جاتا ہے۔"

"جب جانتے ہو کہ کچھ نہیں ملے گا تو کیا رشوت کا مال کمانے آئے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا "اتنا جذباتی مال سامنے ہو تو کون نہیں کمائے گا۔"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ تمہارے اعلیٰ افسران کو یہاں بلاؤں یا شرافت سے خود ہی جاؤ گے؟"

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ پارس نے کہا "پہلے پلگ لگاؤ۔"

وہ ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر کرسی سے اٹھی۔ پھر قالین پر سے پلگ اٹھا کر سوئچ بورڈ میں لگانے لگی۔ پارس نے کہا "تمہاری لیبارٹری کا ایک خاص ملازم ہمارا مخبر ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ تہ خانے کا چور دروازہ کہاں ہے اور کیسے کھلتا ہے۔"

صوفیہ پلگ بورڈ پر جھکی رہ گئی۔ کلیجا دھک سے رہ گیا تھا۔ لاکھوں روپے کا غیر قانونی آئٹم وہاں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ اس نے پلگ لگا کر وہاں سے اٹھتے ہوئے پارس کو چور نظروں سے دیکھا پھر کرسی پر آکر یوں بیٹھ گئی جیسے ڈھیلی پڑ گئی ہو۔

پارس نے کہا "شاید تم اسے محض دھمکی سمجھو۔ اس لئے بتا دوں کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک میز پر ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا ہے۔ دراصل وہ ٹیلی فون نہیں ہے۔ تلاشی لینے والوں کو کہہ دیا جاتا ہے کہ ٹیلی فون خراب ہے۔ حقیقتاً اس کا تعلق چور دروازے سے ہے۔ جب ریسیور اٹھا کر ڈبل زیرو ون زیرو نائن زیرو ڈائل کیا جاتا ہے تو چھوٹے سے کمرے کی ایک دیوار دو حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ سلائیڈنگ دروازے کی طرح کھل جاتی ہے۔ کیا میں تہ خانے کے بارے میں بھی بتاؤں؟"

وہ کرسی کی پشت پر رکھے ہوئے تولئے سے چہرے اور گردن کا پسینہ پونچھنے لگی۔ پارس نے کہا "میں اناڑی جوان ہوں۔ صرف سنا ہے کہ شباب میں اتنی آگ ہوتی ہے کہ دسمبر کے مہینے میں بھی پسینہ آتا ہے۔ یہ پسینہ شباب کا ہے یا میرے حساب کا؟"

وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولی "اتنی گہری معلومات کے بعد تم پولیس پارٹی کے ساتھ دندناتے ہوئے تہ خانے تک پہنچ جاتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے' سمجھوتے کی گنجائش ہے' بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی ذرا دیر پہلے میں نے کہا تھا' اگر مسکرانا نہیں جانتی ہو تو میں تمہیں مسکرانے پر مجبور کردوں گا۔"

یہ سنتے ہی وہ مسکرانے لگی۔ پارس نے کہا "یہاں آئینہ ہو تو دیکھو۔ مسکراتے ہوئے چہرے پر بہاریں قربان ہو رہی ہیں۔"

"میں صرف ڈیڈی اور ممی کے سامنے کبھی کبھی مسکراتی ہوں ورنہ بھائی جان کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔"

"یعنی مجھے خاطر میں لا رہی ہو؟"

"پلیز مجھے اور مسکرانے پر مجبور نہ کرو۔ تم عاشق مزاج ہو' میں نہیں ہوں۔ کام کی بات کرو۔"

"میں لوہے سے فولاد بن کر بولتا ہوں۔ اور حسن سے پھول کی زبان میں گفتگو کرتا ہوں۔ کام کی بات تمہارے باپ سے ہوگی۔ تم بتاؤ آج رات کا کھانا کس ہوٹل میں کھاؤ گی؟"

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔"

"پھر کیسی ہو؟ شریف' نیک اور پاکیزہ؟ کیا مرنے کے بعد سیدھی جنت میں جاؤ گی؟ ادویات میں افیون اور الکحل ملا کر' مریضوں کو گہری نیند سلا کر' انہیں وقتی طور پر مرض کی تکلیف سے نجات دلا کر اور دائمی طور پر نشے کا عادی بنا کر تم جنت کا سرٹیفکیٹ حاصل کر رہی ہو؟ کیوں عزت دار بن رہی ہو؟ اگر ہر رات کسی کے ساتھ منہ کالا کرتی رہو تو یہ صرف تمہارا گناہ ہوگا مگر ایسی دوائیں فروخت کرکے تم پوری قوم کی مجرم بن چکی ہو۔ پھر دعویٰ ہے کہ ایسی لڑکی نہیں ہو۔"

وہ بولی "ہاں میں ایسی نہیں ہوں۔ آج تک کسی کو میلی نیت سے اپنا ہاتھ پکڑنے نہیں دیا۔ قوم کے حق میں تم مجھے مجرمہ کہہ سکتے ہو لیکن تم سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے گناہگار بننے کے لئے نہ کہو۔ میرے تہ خانے کا مال چھوڑ دو اور چھوڑنے کی قیمت بتاؤ۔"

"میں نے قیمت بتا دی ہے اور تمہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ تمہارا باپ ہر ماہ لاکھوں روپے کا منافع حاصل کرتے رہنے کے لئے کتنا گر سکتا ہے۔ اتنا کہ وہ ڈاکٹر بیٹے کو جوتے مارے گا اور ڈاکٹر بیٹی کو بازار کا مال بنا دے گا۔"

پھر وہ کرسی سے اٹھ کر بولا "تمہارے سامنے میرا شناختی کارڈ پڑا ہوا ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ میں سرکاری جاسوس ہوں لیکن نہیں ہوں۔"

صوفیہ نے اسے چونک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا' وہ بولا۔ "یہاں لیبارٹری میں تہ خانے کا راز بتانے والا کوئی مخبر نہیں ہے۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر بولی "پھر تمہیں چور دروازے کا علم کیسے ہوا؟"

وہ خاموشی سے پلٹ کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ صوفیہ نے بڑی پھرتی سے دراز کھول کر ریوالور نکالتے ہوئے کہا "رک جاؤ ورنہ گولی ماردوں گی۔"

وہ دروازہ کھول کر بولا "تہ خانے کے رازدار کو یہاں سے زندہ نہیں جانا چاہئے' گولی ماردینا چاہئے۔ لیکن ریوالور خالی ہے۔"

اس نے باہر جاتے ہوئے دروازے کو بند کردیا۔ صوفیہ نے جلدی سے ریوالور کو چیک کیا۔ وہ خالی تھا۔ دراز میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں گولیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ جلدی جلدی ریوالور کو لوڈ کرنے لگی۔

باہر کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آرہی تھی۔ اس نے فوراً ہی انٹرکام کا بٹن دبا کر بیرونی گیٹ کے مسلح گارڈ سے رابطہ کیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ گارڈ گیٹ نہ کھولے۔ کار میں جانے والے کو پکڑ لے' وہ بھاگنا چاہے تو اسے گولی ماردے لیکن رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا "گیٹ کھول دو۔ مسٹر عامر حسن باہر جارہے ہیں۔"

وہ ریسیور رکھ کر ریوالور لئے تیزی سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آئی۔ دور آہنی گیٹ کھل گیا تھا اور پارس ڈرائیو کرتا ہوا باہر جارہا تھا۔ تب اسے یاد آیا کہ اسے مسلح گارڈ سے کہنا کچھ تھا اور وہ کچھ اور کہہ گئی تھی۔

تیر کمان سے نکل گیا تھا۔ وہ جانے والا ہاتھ نہیں لگ سکتا تھا لیکن جاسوس نہ ہوتے ہوئے بھی پولیس میں مخبری کرسکتا تھا۔ تہ خانے میں رکھا ہوا لاکھوں کا مال پکڑوا سکتا تھا۔ اب دانشمندی یہی تھی کہ تیزی سے تہ خانے کا مال کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔

وہ دوڑتی ہوئی اپنے بھائی ڈاکٹر نعمان کی طرف جانے لگی۔

جب وہ پارس سے گفتگو کر رہی تھی تب میں نے اس کے بھائی کو آلۂ کار بنایا تھا۔ اس نے چھوٹے کمرے میں جا کر مخصوص نمبر ڈائل کئے تھے۔ چور دروازے کو کھولا تھا۔ پھر پٹرول لے کر تہ خانے میں گیا تھا۔ وہاں اس نے افیون کے تمام پیکٹس اور الکحل کے کنستروں پر پٹرول چھڑک دیا۔ پھر تہ خانے کے فرش سے چور دروازے تک پٹرول کی دھار بناتا ہوا آیا۔ اس کے بعد ماچس کی تیلی جلا کر اندر پھینک دی اور چور دروازے کو کھلا چھوڑ کر چھوٹے کمرے سے باہر آگیا۔

جب صوفیہ دوڑتی ہوئی بھائی کی طرف آرہی تھی تب ہی شور سنائی دیا۔ لیبارٹری میں کام کرنے والے بھاگ رہے تھے اور آگ آگ کہتے جارہے تھے۔ ایک اسسٹنٹ نے صوفیہ سے کہا "تہ خانے میں آگ لگی ہے۔ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ آپ فائر بریگیڈ کو فون کریں۔"

وہ پلٹ کر دوڑتی ہوئی اپنے دفتری کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہاں نعمان پہلے ہی پہنچا ہوا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ٹیلی فون کا تار کاٹ دیا تھا۔ صوفیہ نے دفتری کمرے میں پہنچ کر ریسیور اٹھایا پھر کان سے لگا کر فائر بریگیڈ کے لئے نمبر ڈائل کرنا چاہا تو پتا چلا فون خاموش ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی نعمان کے دفتری کمرے میں آئی' وہاں بھائی نے بتایا کہ فون ناقابل استعمال ہے۔

وہ بے جان سی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک میز کے دوسری طرف بھائی کو تکتی رہی اور سوچتی رہی' پھر فضا میں گھونسا دکھا کر بولی "آئی ہیٹ یو! میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

نعمان نے حیرانی سے پوچھا "میں نے کیا کیا ہے؟ مجھے غصہ کیوں دکھا رہی ہو؟"

"میں تمہیں نہیں اس بدمعاش کو کہہ رہی ہوں۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہاں تہ خانہ ہے اور تہ خانے میں لاکھوں روپے کا غیر قانونی مال رکھا ہوا ہے؟ اس کے یہاں سے جاتے ہی آگ کیسے لگ گئی۔ ٹیلیفون بیکار کیسے ہوگیا؟ کیا وہ جادوگر تھا؟ جادوگر......"

وہ کہتے کہتے چونک گئی پھر میز پر ہاتھ مار کر بولی "وہ فرہاد علی تیمور تھا۔"

"فرہاد؟" نعمان نے سہم کر کہا "ڈیڈی نے کہا تھا' ہم ہوشیار رہیں۔ فرہاد علی تیمور کسی وقت بھی ہمارا محاسبہ کر سکتا ہے۔ ہمارا کاروبار تباہ کر سکتا ہے۔ ہمیں کنگال بنا سکتا ہے۔"

صوفیہ نے پوچھا "کیا تم نے اپنا ریوالور خالی رکھا تھا؟"

"نہیں' وہ پوری طرح لوڈ تھا۔"

"کیا تم نے ٹیلیفون کا پلگ ہٹایا تھا؟"

"نہیں' میں حیران ہوں کہ وہ کیسے الگ ہوگیا تھا۔"

"یہ بھی حیرانی کی بات ہے کہ تہ خانے میں اچانک آگ لگ گئی اور یہ بھی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے کہ ہمارے دونوں ٹیلی فون بیکار ہو گئے۔ تاکہ فائر بریگیڈ والے وقت پر نہ پہنچ سکیں اور یہ ساری جادوگری صرف ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔"

ڈاکٹر نعمان نے اٹھتے ہوئے کہا "ہم قریبی فیکٹری یا پبلک کال آفس سے ڈیڈی کو فون کر سکتے ہیں۔"

صوفیہ بھی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ جب وہ باہر نکلے تو فائر بریگیڈ کی ایک گاڑی احاطے میں آرہی تھی۔ لیبارٹری انچارج نے کسی دوسری جگہ سے فون کر کے آگ بجھانے والوں کو بلایا تھا۔ وہ بہن بھائی اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ آگ بجھ جائے گی مگر ایک پیسے کا مال بھی سلامت نہیں ملے گا۔

****

چودھری حاکم علی حاکم اسلام آباد میں تھا۔ اپنے ڈرائنگ روم میں چند اہم افراد کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا اور بات بات پر قہقہے لگا رہا تھا۔ ان اہم افراد میں ایک بین الاقوامی تجارتی مراکز کا خاص نمائندہ تھا۔ دوسرا پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کا چیئرمین اور تیسرا لندن کی ایک بہت بڑی دوا ساز کمپنی کے مالک جان اسمتھ کا سیکریٹری تھا۔

سیکریٹری نے کہا "مسٹر حاکم! ہم بین الاقوامی تاجروں کی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری صنعتوں سے دنیا کے تمام ملکوں کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ ہم جب اپنی بات منوانے پر آتے ہیں تو بڑے بڑے ملکوں کے حکمران مجبور ہو کر ہمارے مطالبات تسلیم کر لیتے ہیں۔ امریکا سے لے کر یورپ اور ایشیا تک کے تمام حکمرانوں کو یہ الٹی میٹم دیا گیا ہے کہ فرہاد علی تیمور کو اگر ہمارے تجارتی معاملات میں مداخلت سے روکا نہ گیا اور اسے پاکستان سے نکالا نہ گیا تو احتجاج کے طور پر پچیس ممالک کی بڑی بڑی دوا ساز کمپنیاں بند کر دی جائیں گی اور نامی گرامی ڈاکٹر ہڑتال کریں گے۔"

بین الاقوامی تجارتی مراکز کے نمائندے نے کہا۔ "یہ بہت بڑی دھمکی ہے۔ پچیس ممالک کی اہم دوا ساز کمپنیاں بند ہو جائیں گی تو مارکیٹ میں دوائیں ختم ہو جائیں گی۔ فرہاد علی تیمور تمام دنیا کے غریبوں اور بیماروں کا قاتل اور جلاد کہلائے گا۔"

حاکم علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بے شک' فرہاد کو اپنی نیک نامی برقرار رکھنے کے لئے ہماری عداوت سے باز آنا ہوگا۔"

پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے چیئرمین نے پوچھا۔ "یہ تو بتائیں' کیا فرانس کے تاجر ہمارا ساتھ دیں گے؟"

جان اسمتھ کے سیکریٹری نے کہا۔ "نہیں۔ فرانس میں فرہاد کی پوری فیملی رہتی ہے۔ وہاں کے تاجروں کے سروں پر ٹیلی پیتھی کی چھ تلواریں لٹکتی رہتی ہیں۔ وہ بیچارے مجبور ہیں۔ ویسے ایک فرانس کے ساتھ نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے ابھی ہمارے باس جان اسمتھ آپ سے ضروری باتیں کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ پاکستانی وقت کے مطابق بارہ بجے فون کریں گے۔"

چوہدری حاکم علی نے کہا۔ "بارہ بج کر دس منٹ ہو چکے ہیں' فون آتا ہی ہوگا۔"

پھر چوہدری نے چونک کر فون کو دیکھا اور کہا۔ "واہ' مسٹر اسمتھ کا نام لیتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔"

چوہدری کے سامنے بیٹھے ہوئے تینوں افراد نے حیرانی سے فون کو' پھر چوہدری کو دیکھا کیونکہ فون کی گھنٹی نہیں بج رہی تھی۔ میں گھنٹی اس کے دماغ میں بجا رہا تھا۔ سیکریٹری نے کہا۔ "مسٹر حاکم! فون تو خاموش ہے۔"

چوہدری نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا میرے کان بج رہے ہیں؟ تعجب ہے۔ گھنٹی صاف سنائی دے رہی ہے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور پھر کہا۔ "ہیلو' میں چوہدری حاکم علی بول رہا ہوں۔"

میں نے اس کے بیٹے ڈاکٹر نعمان کے لہجے میں کہا۔ "میں نعمان بول رہا ہوں۔"

"ہاں بیٹے' بولو۔ سب خیریت ہے نا؟"

اس کے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فون کی گھنٹی نہیں بجی' کہیں سے کال نہیں آئی پھر بیٹے سے رابطہ کیسے ہوگیا؟

میں نے چوہدری کی کھوپڑی میں رہ کر کہا۔ "خیریت نہیں ہے' ہماری لیبارٹری کے تہ خانے میں آگ لگ گئی ہے۔ پچیس لاکھ روپے کا مال جل گیا ہے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ "نعمان! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"آپ فوراً یہاں آئیں' یقین آجائے گا۔"

"مگر معلوم تو ہو کہ آگ کیسے لگی' فون صوفیہ کو دو۔"

میری سوچ کی لہروں نے کہا۔ "ہیلو کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں کہہ رہا ہوں' صوفیہ سے بات کراؤ۔"

"آواز نہیں آرہی ہے۔ زور سے بولیں۔"

وہ زور سے بولا۔ میں نے کہا "اور زور سے۔"

پھر اسے اور زور سے بولنے پر مجبور کیا۔ وہ چیخ کر بولا۔ میں نے اسے اور زیادہ چیخنے کو کہا۔ وہ پوری قوت سے چیخ کر بولا۔ وہ تینوں اسے حیرانی اور پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔ چیئرمین نے قریب آکر اس سے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ چوہدری بار بار زور سے بولنے کے باعث ہانپ رہا تھا۔ چیئرمین نے کہا۔ "فون پر کوئی نہیں ہے۔ ڈائلنگ ٹون سنائی دے رہی ہے۔"

سیکریٹری نے پوچھا۔ "کیا آپ کسی کی آواز سن رہے تھے؟"

"ہاں' میرا بیٹا بول رہا تھا۔ میری لیبارٹری کے تہ خانے میں آگ لگ گئی ہے۔ پچیس لاکھ روپے کا مال جل گیا ہے۔"

"یہ تو بہت بڑا نقصان ہے لیکن آپ نے یہ اطلاع فون پر کیسے سنی؟ ہم تینوں نے فون کی گھنٹی نہیں سنی تھی۔"

چوہدری نے کہا۔ "کیا آپ لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں! آپ لوگوں نے فون کی گھنٹی نہیں سنی' میں نے سن لی۔ میرے بیٹے نے مجھے اتنے بڑے نقصان کی اطلاع دی' اس کا بھی آپ کو یقین نہیں ہے۔"

"آپ ناراض نہ ہوں۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فون کی گھنٹی اور فون سے آنے والی آواز جھوٹ ہے .... ممکن ہے وہاں آگ نہ لگی ہو۔ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔"

چوہدری نے ذرا اطمینان کی سانس لی۔ پھر دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کر بولا۔ "خدا کرے یہ جھوٹ ہو۔ آپ لوگوں کی باتوں سے حوصلہ مل رہا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی چیخ پڑی۔ چوہدری چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ ان تینوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ لوگ گھنٹی کی آواز سن رہے ہیں نا؟"

ایک نے کہا۔ "جی ہاں۔ شاید مسٹر اسمتھ کال کر رہے ہیں۔"

چوہدری حاکم علی نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو' چوہدری حاکم بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو ڈیڈ! بہت بری خبر ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "تمہید نہ باندھا کرو۔ کام کی بات فوراً بولا کرو۔ کیا ابھی ایک منٹ پہلے تم نے مجھے فون کیا تھا؟"

"جی نہیں۔ ہمارے دونوں فون کے تار کٹے ہوئے ہیں۔ میں دوسری جگہ سے فون کر رہا ہوں۔ ہمارے تہ خانے میں آگ لگ گئی ہے۔"

باپ نے کہا۔ "گدھے کہیں کے۔ یہ کہتے ہو کہ پہلے فون نہیں کیا تھا جبکہ کیا تھا اور مجھے یہ بری خبر سنائی تھی کہ ہمارا پچیس لاکھ کا نقصان ہو چکا ہے۔"

"ڈیڈ! میں آج صبح سے پہلی بار فون کر رہا ہوں۔ یقین نہ ہو تو صوفیہ سے پوچھ لیں۔"

"فون میری بیٹی کو دو۔"

تھوڑی دیر میں صوفیہ کی آواز آئی۔ "ڈیڈ! آپ کا اندیشہ درست ثابت ہو رہا ہے۔ ابھی فرہاد علی تیمور ہم سے ملنے آیا تھا۔"

"او گاڈ! فرہاد آیا تھا؟ تم سے ملنے؟ کیا اس نے خود کو تمہارے سامنے ظاہر کیا تھا؟"

اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تینوں افراد چونک کر سیدھے بیٹھ گئے۔ چوہدری کی باتوں سے اندازہ کرنے لگے کہ دوسری طرف کیا کہا جارہا ہے۔ صوفیہ باپ کو بتا رہی تھی کہ پہلے وہ میڈیکل افسر بن کر آیا۔ بعد میں ایک سرکاری شناختی کارڈ پیش کیا جس کے مطابق وہ ایک جاسوس ثابت ہوتا تھا۔

بیٹی نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ آنے والا تہ خانے اور چور دروازے کا راز جانتا تھا' اسے چور دروازہ کھولنے کے وہ نمبر یاد تھے جسے صرف باپ' بیٹی اور بیٹا جانتے ہیں۔ اس کے جاتے ہی تہ خانے میں آگ لگ گئی اور ٹیلیفون کے تار کٹ گئے۔ نعمان کی دراز میں رکھا ہوا ریوالور خالی ہوگیا۔ اس نوجوان نے اپنی اصلیت تو نہیں بتائی لیکن پیش آنے والے ان تمام ناقابلِ یقین واقعات سے

ثابت ہوتا ہے کہ وہ جوان ٹیلی پیتھی جانتا ہے اور یقیناً فرہاد ہے۔

چوہدری نے کہا۔ "تم دونوں لیبارٹری میں رہو۔ میں ابھی یہاں سے نکل رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ بیٹی سے سنی ہوئی تمام باتیں ان تینوں کو سنائیں۔ ایک نے کہا "صوفیہ بیٹی کا اندازہ درست ہے۔ وہ فرہاد ہوگا۔ ابھی اس فون سے پہلے جو فون آپ نے سنا تھا' وہ ٹیلی پیتھی کا طلسم تھا۔ ہم نے گھنٹی نہیں سنی تھی۔ وہ آپ کے دماغ میں گھس کر آپ کو ہمارے سامنے ایک تماشا بنا رہا تھا۔"

"ہاں' وہ ہمارے درمیان اپنی موجودگی ثابت کر رہا ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں' وہ مجھ سے بات کرے۔ میرا قصور کیا ہے؟ مجھ سے دشمنی کیا ہے؟"

وہ انتظار کرنے لگا۔ میری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ اس نے پھر مجھے آواز دی۔ پھر انتظار کیا۔ ایک نے کہا "شاید وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"اگر یہاں نہیں ہے تو میرے بچوں کے پیچھے پڑا ہوگا۔ میں کیا کروں؟ اپنے بچوں اور اپنے مال و دولت کے ساتھ کہاں پناہ حاصل کروں؟"

جان اسمتھ کے سیکریٹری نے کہا۔ "میرا خیال ہے فرہاد تمہارے بیٹے بیٹی کے پاس نہیں گیا تھا۔ تمہاری بیٹی کا بیان ہے کہ وہ آنے والا نوجوان تھا جبکہ فرہاد کو عمر رسیدہ ہونا چاہئے۔"

ایک نے کہا "پلاسٹک سرجری کے ذریعے بوڑھا اپنے چہرے کی جھریاں دور کرکے جوان بن جاتا ہے۔ وہ روپ بدل کر لیبارٹری کے دفتر میں گیا ہوگا۔"

دوسرے نے کہا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی نوجوان کو آلۂ کار بنایا ہو۔"

"یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس نے میرے بچوں کے پاس کسی آلۂ کار کو بھیجا تھا اور خود میرے دماغ میں رہتا ہے۔ وہ اب بھی ہے' ضرور ہے۔ میری بے بسی اور بے چینی کا تماشا دیکھ رہا ہے۔"

"مسٹر حاکم! ذرا حوصلہ کرو۔ فرہاد کے خلاف زبردست اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ وہ تمہارا پیچھا چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب کی نظریں فون پر مرکوز ہو گئیں۔ چوہدری نے پوچھا۔ "گھنٹی بج رہی ہے یا وہ میرے اندر ہے۔"

چیئرمین نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔ "ہیلو' کون ہے؟"

پھر دوسری طرف کی بات سن کر چوہدری کو ریسیور دیتے ہوئے بولا۔ "مسٹر اسمتھ لندن سے بول رہے ہیں۔"

چوہدری نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو مسٹر اسمتھ! میں بری طرح ڈوب رہا ہوں۔ فرہاد نے مجھے پچیس لاکھ کا نقصان پہنچایا ہے۔"

میں اس کے دماغ میں تھا۔ جان اسمتھ کے لہجے میں بولا۔ "یہ ابتدا ہے۔ انتہا میں کنگال بنو گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "مسٹر اسمتھ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں! کیا میں آخر کار کنگال ہو جاؤں گا اور آپ تماشا دیکھتے رہیں گے؟"

دوسری طرف سے جان اسمتھ نے کہا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا۔ آپ میرے بزنس پارٹنر ہیں۔ آپ کا نقصان میرا بھی نقصان ہے۔"

میں نے پھر اسمتھ کے لہجے میں کہا۔ "ویسے تمہیں نقصان پہنچے گا' تمہارا کاروبار ڈوب جائے گا تو میرے ہاتھ سے صرف پاکستان کی منڈی نکلے گی۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں تو میرا کاروبار خوب پھل پھول رہا ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی وہ چونک گیا۔ لندن سے جان اسمتھ پوچھ رہا تھا "مسٹر حاکم! خاموش کیوں ہو؟ میری بات کا جواب دو۔"

"میں...... میں کس بات کا جواب دوں؟"

اسمتھ نے پوچھا۔ "کیا تم دماغی طور پر حاضر نہیں ہو؟"

"مسٹر اسمتھ! شاید آپ کے ساتھ ساتھ فرہاد بھی میرے دماغ میں بول رہا ہے۔ اس کی بات دل کو لگ رہی ہے۔ میں ڈوب گیا تو تمہارے ہاتھ سے صرف ایک ملک کا منافع جائے گا۔ باقی دنیا میں تو تم منافع کماتے رہو گے۔"

"میرے بارے میں غلط نہ سوچو' مسٹر حاکم! بزنس مین ایک پونڈ' ایک شلنگ یا ایک پنس کا منافع بھی نہیں چھوڑتا۔ پھر میں پاکستان سے حاصل ہونے والا شیئر کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ تمہارے دماغ میں فرہاد نہیں بول رہا ہے بلکہ تم اندیشوں میں گھر گئے ہو۔"

"پلیز مجھے اندیشوں اور مصیبتوں سے نکالو۔ پچیس ملکوں کی دواساز کمپنیاں اور ڈاکٹر کب ہڑتال کریں گے؟"

"تھوڑا وقت لگے گا۔ فرہاد ہم سے پہلے ہی ایک زبردست چال چل گیا ہے۔ اس نے دو خطرناک انسانی روبوٹ اسرائیل پہنچا دیئے ہیں اور یہ چیلنج کیا ہے کہ اسرائیلی صنعت کاروں کا کوئی مال پاکستان میں فروخت ہوگا تو یہودیوں کی ملوں اور فیکٹریوں میں زلزلہ آجائے گا۔ ان کا کوئی صنعت کار سلامت نہیں رہے گا۔"

چوہدری نے کہا۔ "اسرائیل کو بچانے کے لئے مجھے قربانی کا بکرا بنا رہے ہو۔"

"مسٹر حاکم! یہ مت بھولو کہ ہم جو دوائیں تیار کر رہے ہیں ان کا فارمولہ ہم نے اسرائیلی صنعت کار سے حاصل کیا ہے اور منافع کا ایک حصہ ان کی جھولی میں ڈالتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم فی الحال ہڑتال کا ارادہ ترک کر دیں اور انہیں روبوٹ کے عذاب سے نکلنے کا تھوڑا وقت دیں۔ اگر ہم نے ان کی درخواست رد کر دی تو وہ ہم سے تمام فارمولوں کے حقوق واپس لے لیں گے۔"

چوہدری نے کہا۔ "تعجب ہے۔ کیا اسرائیلی حکمران ان دو روبوٹ کو وہاں سے نکال نہیں سکتے؟ اگر ان روبوٹ کے پیچھے فرہاد ہے تو سنا ہے کہ اسرائیل میں بھی اچھے خاصے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔"

"یقیناً فرہاد کے مقابلے میں اچھے خاصے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ اسی لئے کہتا ہوں' کچھ روز حوصلے سے کام لو۔ فرہاد کی ہر چال کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ تمہارا جو بھی نقصان ہوتا رہے گا' اس کی آدھی رقم تمہارے لندن کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کر دی جائے گی۔ اب تو خوش ہو؟"

"جی ہاں! اب یہ اطمینان ہے کہ تم میرے نقصان کو اپنا نقصان سمجھ رہے ہو' میں آج رات کسی وقت فون کروں گا۔ اوکے گڈ بائی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر اٹھتے ہوئے ان تینوں سے بولا "مسٹر اسمتھ نے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ میں معذرت چاہتا ہوں' ابھی میرا لاہور جانا ضروری ہے۔ میرے بچے لیبارٹری میں انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ کار کے ذریعے تقریباً پانچ گھنٹے میں لیبارٹری پہنچنے والا تھا۔

میں جان اسمتھ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنی دواساز کمپنی کے ایک شاندار دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میز کے دوسری طرف اس کا ایک قانونی مشیر ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے اسمتھ کے خیالات پڑھ کر اس کے کاروبار کے متعلق اہم معلومات حاصل کرنے لگا۔

معلوم ہوا کہ پاکستان میں جو دوائیں تیار ہوتی ہیں ان کا سالانہ منافع پاکستانی کرنسی میں چوہدری کو ڈیڑھ سے دو کروڑ روپے' جان اسمتھ کو تقریباً چار کروڑ روپے اور اسرائیلی صنعت کار کو تین کروڑ روپے ملتے تھے۔ یعنی ہمارے ملک کے تقریباً سات کروڑ روپے دوسرے ملکوں کے منافع خور ہضم کر لیتے تھے۔ اور یہ تو ایک دوا کی صنعت کا حساب تھا۔ دوسری صنعتوں کے ذریعے اور نہ جانے کتنے کروڑ کا منافع یہودی منافع خوروں کو پہنچ رہا تھا۔ اس کا حساب بھی جلد ہی ملنے والا تھا۔

قانونی مشیر نے کہا "مسٹر اسمتھ! میں نے بہت غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کا پاکستانی پارٹنر ہوا سے لڑ رہے ہیں۔ فرہاد ایک ایسی ہستی ہے جو خیالی بھی ہے اور حقیقت بھی۔ چونکہ آپ اسے دنیا کی کسی عدالت میں پیش نہیں کر سکتے اس لئے ہر عدالت اسے خیالی کہے گی اور آپ کا مقدمہ کورٹ سے خارج کر دیا جائے گا۔"

اسمتھ نے کہا "آپ مشورہ دیں مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

وہ بولا "فرہاد کی جنگ آپ سے نہیں ہے' یہودیوں سے ہے۔ وہ یہودیوں کو پاکستان سے منافع حاصل نہیں کرنے دے گا' انہیں منافع پہنچانے والے حاکم علی حاکم کو نیست و نابود کر دے گا۔ آپ منافع کا ذریعے بن رہے ہیں اس لئے وہ آپ کے بھی پیچھے پڑ جائے گا۔"

"کیا میں اس کے خوف سے پاکستان کی مارکیٹ چھوڑ دوں؟"

"پاکستان سے آپ کو سالانہ دس لاکھ پونڈ (چار کروڑ روپے) ملتے ہیں' یو کے اور دوسرے ممالک سے آپ کروڑوں پونڈ حاصل کرتے ہیں۔ صرف دس لاکھ پونڈ کے لئے آپ کروڑوں پونڈ کے منافع کو خاک میں ملا دیں گے اور خاک میں ملانے کا موقع فرہاد کو دیں گے۔"

"آپ بزنس مین نہیں ہیں صرف مشیر ہیں' اس لئے دس لاکھ کا منافع چھوڑنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ مجھے ایسا مشورہ دیں کہ یہ منافع چھوڑنے کی نوبت نہ آئے۔"

"اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ فرہاد سے کسی بھی طرح سمجھوتا کریں۔ اس سے دشمنی سپرپاور کہلانے والے ملکوں کو مہنگی پڑتی ہے اور آپ بے انتہا دولت مند ہونے کے باوجود سپرپاور نہیں ہیں۔"

اس نے سوچتے ہوئے پوچھا "کیا فرہاد ہر جگہ پہنچ جاتا ہے' یہاں میرے دماغ میں بھی آسکتا ہے؟"

"سوری' میں ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا ہوں۔"

میں نے اسے مخاطب کیا' وہ ایک دم سے چونک گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر اپنے مشیر کو دیکھنے لگا۔ مشیر نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"میرے اندر کوئی کہہ رہا ہے کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے۔"

"اوہ! خداوند یسوع تم پر رحم کرے۔ وہ فرہاد ہے تو نجات ممکن نہیں ہے' دوست بن کر باتیں کرو۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "تمہارا مشیر تمہاری بھلائی کے لئے بہترین مشورے دے رہا ہے' ان پر عمل کرو۔"

وہ بولا "تم...... تم واقعی فرہاد ہو؟"

میں نے اسے کرسی سے اٹھایا پھر بٹھایا پھر اٹھایا پھر بٹھایا' اس نے میری مرضی کے مطابق پیپر ویٹ اٹھا کر اپنی پیشانی پر مارا۔ پیشانی سے خون بہنے لگا۔ مشیر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پیپر ویٹ چھینتے ہوئے پوچھا "یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

میں نے پوچھا "کیا میری موجودگی کا یقین ہو گیا؟"

"ہاں ہاں یقین ہو گیا۔ میں مانتا ہوں تم میرے دماغ میں بھی آسکتے ہو۔ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے یہی سمجھتا ہے کہ اسے موت نہیں آئے گی۔ تم آگئے ہو یہ میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"م...... میں دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"معقول دوستی یا نامعقول دوستی؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"نامعقول دوستی یوں ہو سکتی ہے کہ پاکستان کی مارکیٹ چھوڑ دو' وہاں یہودی فارمولا نہ پہنچاؤ۔ باقی ممالک میں کاروبار کرتے رہو' یہودیوں سے دوستی کرتے رہو۔ میں اس حد تک دوست رہوں گا کہ تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"مسٹر فرہاد! کوئی ایسا راستہ بتاؤ کہ پاکستان میں بھی میرا کاروبار

جاری رہے۔"

"تو پھر مجھ سے معقول دوستی کرو۔ اسرائیلی صنعت کاروں کو منافع میں ایک شلنگ بھی نہ دو۔ میری جنگ یہ ہے کہ یہودیوں کو پاکستانی کرنسی تو کیا پاکستان کی ایک چٹکی مٹی بھی نہ ملے۔"

"لیکن اسرائیلی صنعت کاروں سے قانونی معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم ان کے فارمولے کے عوض منافع کا چوتھا حصہ دیا کریں گے۔"

"میں اسرائیلی صنعت کاروں کو مجبور کردوں گا کہ وہ معاہدہ منسوخ کردیں اور جب میں معاہدہ منسوخ کراؤں گا تو تمہیں بھی پاکستانی کرنسی میں چار کروڑ نہیں' صرف ایک کروڑ روپے ملیں گے۔"

"یہ تو ظلم ہے۔"

"اس ظلم سے کم ہے جو تم اور چوہدری پاکستانی قوم پر کرتے آرہے ہو' میں تمہیں سوچنے کا موقع دے رہا ہوں پھر کسی وقت آؤں گا۔"

میں خاموش ہوگیا۔ وہ خلا میں تکتا رہا پھر اس نے آواز دی۔ "مسٹر فرہاد! آپ موجود ہیں؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ مشیر نے کہا "مسٹر استھ! مجھے بتائیں مسٹر فرہاد کیا چاہتے ہیں؟"

اس نے مشیر کو میرے خیالات اور ارادے بتائے۔ اس نے کہا "جو شخص آپ کی پیشانی سے لہو بہا سکتا ہے وہ آپ کے کاروبار کا تمام منافع نچوڑ کر لے جا سکتا ہے۔ فرہاد نے شرافت کا ثبوت دیا ہے' اگر وہ آپ کی لیبارٹریز کو آگ لگا کر جاتا تو آپ کیا بگاڑ لیتے؟ میرا مشورہ ہے' آپ اسے دوست بنا کر رکھیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے بھی اسے سوچنے کا موقع دیا تھا اس لئے وہاں سے چلا آیا۔ چوہدری کے پاس آکر دیکھا' وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا وزیر آباد سے گزر رہا تھا۔ اپنی لیبارٹری پہنچنے میں اسے ابھی کافی وقت لگتا لہٰذا میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں چارپائی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بہت عرصہ پہلے میری پھوپی نے بتایا تھا کہ میں ایک چارپائی پر پیدا ہوا تھا۔ ملک سے باہر جا کر فوم اور اسپرنگ کے ایسے نرم گرم اور ملائم بستروں پر سوتا رہا تھا' ایسی شاہانہ زندگی گزارتا رہا تھا کہ اپنے وطن کی منجی (چارپائی) کو بھول گیا تھا۔ اب میں ویسی ہی منجی' ویسے ہی بستر' تکیے' لحاف اور معمولی طرز کا فرنیچر خرید کر لایا تھا۔ ویسی ہی تقریباً تیس برس پہلے کی زندگی گزارتے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا' مالک مکان چوہدری کرامت اللہ کھڑا ہوا تھا' بڑے غصے میں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا "او جی۔ آج تو میں نے محلے والوں کی ایسی کی تیسی کردی ہے۔ یہ میرے پیچھے پڑ گئے تھے کہ میں نے کسی چھڑے (تنہا آدمی) کو مکان کیوں دیا ہے' یہاں سب بیوی بچے والے رہتے ہیں۔ جوان کڑیاں ایک دروازے سے دوسرے دروازے آتی جاتی ہیں۔ اپنے کرایہ دار کو یہاں سے نکالو۔"

میں نے کہا "چوہدری صاحب! اندر آجائیں۔ آپ بہت گر[...] ہیں' ٹھنڈا پلاؤں گا۔"

وہ اندر آکر بولا "میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے' میرا مکا[ن] ہے' میں کسی کو بھی کرائے پر دے سکتا ہوں۔ جس نے ماں کا دو[دھ] پیا ہے وہ میرے بندے کو یہاں سے نکال کر دکھائے۔"

پھر وہ رازداری سے' دھیمی آواز میں بولا "آدمی کو ذرا گر[م] ذرا نرم ہونا پڑتا ہے۔ میں نے بعد میں نرمی سے کہہ دیا ہے کہ ایک دو مہینے میں شادی کرلو گے' ابھی لڑکی پسند کر رہے ہو۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں چوہدری صاحب! ایسا کہنے کی ضرورت تھی؟"

"ایسا کہنے سے محلے والوں کی تسلی ہوگئی ہے' پھر میں تمہار[ے] باپ کی جگہ ہوں' تمہاری اتنی عمر ہوگئی ہے اور اب تک کنوار[ے] بیٹھے ہو۔ کنواری تو لڑکیاں بیٹھتی ہیں۔ اس محلے میں سولہ برس [سے] لے کر چالیس برس تک کی لڑکیاں کنواری ہیں اور رشتوں [کے] انتظار میں ماں باپ پر بوجھ بنی ہوئی ہیں۔ پچھلے برس ایک لڑکی [نے] والدین کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے خودکشی کرلی' ایک اور لڑکی گھر [سے] بھاگ گئی۔ اگر تمہارے جیسے لوگ شادی نہیں کریں گے تو [ہ]ماری لڑکیاں کہاں جائیں گی؟ اور اسلام میں تجرد کی یا راہبا[نہ] زندگی گزارنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم مسلمان ہو' شادی کرو[۔] نیکی بھی ہوگی۔ یہاں جس لڑکی' جس گھر کی طرف انگلی اٹھاؤ گے' [میں] وہاں شادی طے کرادوں گا۔"

میں نے کولر سے ایک ٹھنڈی بوتل نکال کر کہا "دسمبر' سردیوں میں بھی پلا سکتا ہوں۔ کیونکہ میرے ہاں چائے اور کھا[نے] کا انتظام نہیں ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا میرے لئے کسی ملا[زم] کا بندوبست کردیں جو کھانا پکائے اور گھر کی صفائی کرے۔"

"ملازم بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ بیوی آسانی سے مل جا[تی] ہے۔ آج کہو آج ہی دلہن آجائے گی۔ جب گھر گرہستی کا آرام [مل] سکتا ہے تو ایک ملازم کی تلاش محض حماقت ہے اور یہ بوتل واپ[س] لے جاؤ۔ میں تمہارے گھر چائے اسی وقت پیوں گا جب دلہن آ[ئے] گی۔"

"آپ تو میری شادی کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ یہ بھی نہیں جا[نتے] میں اچھا ہوں یا بدمعاش؟ اگر بدمعاش ہوں تو کسی لڑکی کی زند[گی] برباد کرکے بھاگ جاؤں گا پھر محلے والے آپ کو پکڑیں گے۔"

"میری فکر نہ کریں' میں اللہ کے بھروسے پر نیکی کرتا ہوں ا[ور] میرا ایمان ہے کہ نیکی کا پھل ملتا ہے۔ یہ کیا کم ہے کہ نیکی کا پھل ضرور کسی شریف زادی کو مل جائے۔"

پھر وہ صوفے سے اٹھ کر بولا "کوئی جلدی نہیں ہے۔ اچھ[ی] طرح سوچو اور اس پہلو سے سوچو کہ ایسی لڑکی نے خودکشی کی تھ[ی] جسے تم نے دلہن بنانے سے انکار کیا تھا یا اب انکار کرو گے تو [وہ] آنچل میں چھپ کر روئے گی' گھر سے بھاگ جائے گی یا اپنی جا[ن] دے دے گی۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے دروازے کو بند کرتے ہوئے سوچا' یہ شخص مجھے ایک جذباتی مسئلے میں الجھا گیا ہے' یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں شادی کروں گا لیکن یہ میرے ملک کا بہت ہی اہم مسئلہ تھا۔ غربت اور جہیز کے مطالبات کے باعث شریف زادیاں گھر بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہوجاتی تھیں یا خاندانوں اور برادریوں میں لڑائی جھگڑوں کے باعث وہ سدا کنواری رہ کر دنیا سے اٹھ جاتی تھیں۔

میں نے چوہدری کرامت اللہ کے خیالات پڑھے' وہ سوچ رہا تھا "یہ تیسرا کرایہ دار ہے' اس سے پہلے میں نے اور دو کرایہ داروں کی اسی محلے میں شادیاں کرائی ہیں' یہ تیسرا بھی راضی ہوجائے گا تو ایک اور لڑکی عزت و آبرو سے اپنا گھر بسا لے گی۔"

میں نے محسوس کیا چوہدری کے اندر آنسو چھپے ہوئے ہیں' وہ سوچ رہا تھا "شبو بیٹی! تیرے ساتھ جو زیادتی ہوئی اس کی تلافی اسی طرح کرسکتا ہوں کہ آخری سانس تک دوسرے گھروں کی بیٹیوں کو دلہن بنا کر انہیں سسرال میں آباد کرتا رہوں۔ میں کیا ہوں' میری اوقات کیا ہے۔ میں تیرے سسرال والوں کے بھاری مطالبات پورے نہ کرسکا' اس نوجوان نے شادی سے انکار کردیا تو اپنی توہین اور باپ کی ندامت کو برداشت نہ کرسکی اور چھت کے پنکھے سے گلے میں پھندا ڈال کر مرگئی۔ میری بچی! میں تیرے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تلافی کرتا رہوں گا۔"

میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ خودکشی کرنے والی لڑکی چوہدری کی اپنی بیٹی تھی۔ تب ہی وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ اچھی طرح سوچو اور اس پہلو سے سوچو کہ ایک ایسی لڑکی نے خودکشی کی تھی جسے تم نے دلہن بنانے سے انکار کیا تھا۔ چوہدری کے ان فقروں کے پیچھے ایک مظلوم باپ کے دل کا درد و کرب چھپا ہوا تھا۔ اسے ہر انکار کرنے والا جوان اپنی بیٹی کا قاتل دکھائی دیتا تھا۔

میں نے معلوم کیا' وہ نوجوان کون تھا جس نے شبو کو خودکشی پر مجبور کیا تھا؟ چوہدری کی سوچ نے بتایا وہ چوہدری کے گھر کے سامنے ہی دو منزلہ مکان میں رہتا ہے۔ اس علاقے میں اس نوجوان شاہد کے باپ کے مزید چار مکانات ہیں جن سے ماہانہ پانچ ہزار روپے کی آمدنی ہے جبکہ چوہدری کے دو ہی مکانات تھے۔ ایک میں وہ بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ دوسرا مکان اس نے مجھے کرائے پر دیا تھا۔ اس حساب سے پانچ مکانات والا شاہد کا باپ زیادہ حیثیت والا تھا اور اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی وہاں کرنا چاہتا تھا جہاں سے بہو جہیز میں ایک مکان یا کوٹھی لے کر آئے۔ یہ مکانات اس کا ذریعۂ معاش تھے۔ اسے محنت نہیں کرنی پڑتی تھی' گھر بیٹھے ہزاروں روپے ملتے رہتے تھے' اس کا بیٹا شاہد بھی کام چور تھا اور باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔

میں نے چوہدری کے ذریعے ان باپ بیٹے کے دماغ میں جگہ بنائی پھر یہ طے کیا کہ انہیں اچھا سبق سکھاؤں گا۔ چوہدری اپنے علاقے کی تمام شریف زادیوں کو سہاگن بنانا چاہتا تھا۔ میں نے یہ بھی طے کیا کہ اس ستم رسیدہ باپ کے ارادوں کو پورا کروں گا۔ وقت ملتا رہا تو ان گھروں میں کسی نہ کسی طرح رشتے پہنچاتا رہوں گا اگرچہ معاشرے کے دکھ درد کا علاج کرنے کا موقع مجھے نہیں ملتا ہے پھر بھی کوشش کروں گا۔

ادھر چوہدری حاکم علی حاکم لیبارٹری پہنچ گیا تھا اور وہاں اپنی پہلی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ دوا خانے کی آگ اس بری طرح پھیلی تھی کہ اوپر لیبارٹری اور ادویات کے گودام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی' سب کچھ جل چکا تھا۔ دوا کی ایک شیشی' ایک کیپسول یا ایک گولی بھی نہیں بچی تھی۔

چوہدری حاکم نے اپنے اثر و رسوخ کے مطابق ایس پی اور اخباری صحافیوں کو بلایا تھا۔ ایس پی کو وہ سرکاری شناختی کارڈ دکھایا جسے پارس نے جاسوس کے طور پر صوفیہ کو دیا تھا۔ اس کارڈ میں جو تصویر لگی تھی پارس وہی چہرہ بنا کر آیا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس نے کہا "چوہدری صاحب' میں اس شخص کو تلاش کروں گا لیکن آپ فرہاد کا نام لے رہے ہیں اس لئے یقین سے کہتا ہوں فرہاد نے کسی کو آلۂ کار بنا کر یہاں بھیجا ہوگا۔ یہ تصویر والا نوجوان ہمیں کہیں نہیں ملے گا۔"

اخباری صحافیوں نے کہا "ہم لیبارٹری کی تباہی کی رپورٹ تصویروں کے ساتھ پہلے صفحے پر شائع کریں گے لیکن فرہاد اور ٹیلی پیتھی کا ذکر نہیں کریں گے۔"

چوہدری حاکم نے پوچھا "کیوں ذکر نہیں کریں گے؟"

"اس لئے کہ اخبار میں دنیا جہان کی سچی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ ہم فرہاد اور ٹیلی پیتھی کا ذکر کرکے اپنے اخبار کو فکشن نیوز پیپر نہیں بنائیں گے۔ یہ اخبارات کے مالکان اور ایڈیٹروں کا فیصلہ ہے۔"

صوفیہ نے کہا "تمہاری جلی ہوئی لیبارٹری اس بات کا ثبوت ہے کہ ٹیلی پیتھی فکشن نہیں ہے اور فرہاد علی تیمور خیالی کردار نہیں ہے۔"

ایک صحافی نے کہا "ٹھیک ہے' اگر پولیس والے فرہاد کو گرفتار کرلیں گے اور عدالت میں ثابت ہوجائے گا کہ فرہاد ایک زندہ کردار ہے تو ہم اس کے خلاف وہ سب کچھ لکھیں گے جو آپ چاہتی ہیں۔"

اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹوگرافرز چلے گئے۔ چوہدری حاکم نے ایس پی سے کہا "آپ قانون کے محافظ ہیں۔ اتنے بڑے افسر ہیں' اگر آپ فرہاد کو گرفتار نہیں کریں گے تو ہم انصاف مانگنے کہاں جائیں گے؟"

ایس پی نے کہا "فرہاد کی بہن شاہینہ کے دروازے پر تین قتل ہوئے' وہاں بڑے بڑے افسران اور مسلح سپاہی موجود تھے اور سب بے بس تھے کیونکہ انہیں قتل کرنے والا آنکھوں کے سامنے نہیں تھا' ان کے دماغوں میں تھا اور انہیں خود اپنے ہاتھوں سے مرنے پر

مجبور کرتا رہا تھا۔ کیا افسران ثابت کرسکتے ہیں کہ وہ قتل کئے جارہے تھے؟ وہ تو افسروں کے سامنے خودکشی کررہے تھے اور قانون کے مطابق ان افسران کو خودکشی کی ہی رپورٹ پیش کرنی پڑی۔ اسی طرح کیا آپ ثابت کرسکتے ہیں کہ اس لیبارٹری کو فرہاد نے جلا کر خاک کیا ہے؟ ہمیں ثبوت اور گواہی چاہئے اس کے بغیر میں آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا۔"

چوہدری کے بیٹے ڈاکٹر نعمان نے کہا "آپ سے ہمارے دیرینہ تعلقات ہیں۔ آپ ہماری خاطر رازداری سے چپ چاپ فرہاد کو تلاش تو کرسکتے ہیں؟ اس کا پتا ٹھکانا تو معلوم کرسکتے ہیں؟"

"رازداری ہمارے تمہارے درمیان ہوسکتی ہے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے کے سامنے کوئی راز راز نہیں رہتا۔ کیا تم میں سے کوئی جانتا تھا کہ وہ تم سب کے دماغوں میں پہنچ جائے گا؟ کیا یہ یقین سے کہہ سکتے ہو کہ ابھی وہ ہمارے درمیان نہیں ہوگا اور آئندہ مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا؟ میں وردی اتار دوں گا، استعفا دے دوں گا لیکن اسے تلاش نہیں کرسکوں گا۔"

وہ سوری کہہ کر چلا گیا۔ تینوں باپ بیٹا اور بیٹی دفتری کمرے میں تھوڑی دیر تک چپ بیٹھے رہے پھر باپ نے کہا "ٹیلی پیتھی بہت ہی خطرناک علم ہے۔ بڑی سپر طاقتیں بھی فرہاد سے کتراتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟ اس کے خوف سے نیند نہیں آتی، بھوک نہیں لگتی۔ کسی بات پر ہنستے ہنستے سہم جاتا ہوں، وہ موت کی طرح یاد آجاتا ہے۔"

صوفیہ نے کہا "آج تک میں نے اس کا ذکر سنا تھا، اب اتنی زبردست تباہی دیکھ کر میرا سکون بھی غارت ہوگیا ہے۔ اگر اس کاروبار میں کروڑوں کا منافع نہ ہوتا تو ہم اسے چھوڑ دیتے۔"

چوہدری نے کہا "فرہاد کو صرف یہ اعتراض ہے کہ یہودی پاکستان سے اپنا منافع لے جاتے ہیں۔"

نعمان نے کہا "فرہاد سے سمجھوتے کا کوئی راستہ نکالنا چاہئے۔"

صوفیہ بولی "کیا تمہیں پتا ہے وہ پکا عیاش ہے۔ مجھے آج رات کھانے پر بلا رہا تھا۔"

چوہدری حاکم نے چونک کر پوچھا "کیا وہ تمہیں ڈنر کے لئے کہہ رہا تھا اور تم نے انکار کردیا؟"

"ہاں اور کیا کرتی؟ کیا رات کو اس کے پاس چلی جاتی؟"

"بیٹی! وہ کھانے پر بلا رہا تھا۔ کھانے کے ساتھ تمہیں تو نہیں کھا لیتا۔ تم سمجھدار ہو، ذرا سوچو، ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تو حقیقت سامنے آجاتی کہ تم سے ملاقات کرنے والا محض آلۂ کار ہے یا خود فرہاد ہے۔"

نعمان نے کہا "ایک بار، صرف ایک بار یہ یقین ہوجائے کہ تم سے ملنے والا فرہاد ہے تو اسے گولی مارنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

چوہدری نے بیٹے سے کہا "تمہارا خون گرم ہے۔ صرف گولی مارنے کی بات نہ سوچو۔ اگر وہ صوفیہ کو پسند کرلے، میرا داماد اور تمہارا بہنوئی بن جائے تو یہ رشتہ ہمیں ارب پتی اور کھرب پتی بنادے گا۔"

وہ بولی "ڈیڈ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فرہاد آپ کی عمر کا ہے، سنا ہے اس کے دو بیٹے جوان ہیں۔"

"جوان ہیں تو کیا ہوا؟ کیا جوان بیٹوں کے باپ شادی نہیں کرتے؟ تم جذبات سے نہیں عقل سے سوچو، کاروباری شادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

"میں عقل سے ہی سمجھ کر کہہ رہی ہوں، باپ کی عمر والے سے شادی نہیں کروں گی۔"

نعمان نے کہا "آپ دونوں ایسے بحث کررہے ہیں جیسے فرہاد نے صوفیہ کا رشتہ مانگا ہو۔ بائی دی وے ہمارے پاس جو آیا تھا وہ سر سے پاؤں تک جوان تھا۔ کیا ٹیلی پیتھی ایسا علم ہے جو آدمی کو سدا جوان رکھتا ہے؟"

"یہاں آنے والا فرہاد کا آلۂ کار ہوگا۔"

"جو کوئی بھی ہو، وہ فرہاد کی طرف سے تمہیں کھانے کی دعوت دے رہا تھا۔ تم نے دعوت کو ٹھکرایا اس کے بعد ہی اس نے کارخانے میں آگ لگائی اور ہمیں اتنا بڑا نقصان پہنچا کر چلا گیا۔"

"اگر میں دعوت قبول کرلیتی تو؟"

نعمان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا "تو میں یقین سے کہتا ہوں، ہمیں پچیس لاکھ روپے کا نقصان نہ ہوتا۔"

وہ بولی "کیا یہ غیرت مند بھائی کہہ رہا ہے، کیا پچیس لاکھ بچانے کے لئے یا وہ رقم واپس حاصل کرنے کے لئے مجھے فرہاد کے پاس چھوڑ کر آؤ گے؟ بولو آؤ گے۔ وہاں چھوڑ کر؟"

نعمان نے کہا "ڈیڈ! یہ خواہ مخواہ جوش میں آرہی ہے، بات کاٹنے کو لپک رہی ہے۔"

"کیا کہا! میں کاٹنے کو لپک رہی ہوں؟ کیا مجھے کتیا کہہ رہے ہو؟"

باپ نے کہا "ایزی صوفیہ، ایزی۔ اپنے باپ اور بھائی کو غلط نہ سمجھو۔ ہم دنیا والوں کے سامنے پچیس لاکھ کے نقصان کا واویلا کررہے ہیں ورنہ پچیس لاکھ ہماری بیٹی کے سامنے کچھ نہیں ہیں، بہتر ہے ہم اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کریں۔"

نعمان نے کہا "گفتگو نہیں کریں گے تو کسی نتیجے پر بھی نہیں پہنچیں گے۔ اور فرہاد ہمارے اعصاب پر سوار رہے گا۔ آئندہ بھی ہمیں نقصان پہنچاتا رہے گا۔ ابتدا پچیس لاکھ سے ہوئی ہے، نہ جانے انتہا کہاں ہوگی۔"

باپ نے کہا "ہم کنگال ہوجائیں گے، شاندار کوٹھیوں اور کاروں سے نکل کر فٹ پاتھ پر آجائیں گے۔ صوفیہ کو آرام سے سوچنے دو کہ سمجھوتے کا جو ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اس پر ہمیں چلنا چاہئے یا نہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا، نعمان بھی باپ کے ساتھ اٹھ گیا۔ صوفیہ بیٹھی رہی اور یہ سمجھتی رہی کہ باپ بھی یہی چاہتا ہے مگر صاف لفظوں میں نہیں کہہ رہا ہے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ باپ بیٹے جاتے جاتے رک گئے۔ فون کی طرف دیکھنے لگے۔ صوفیہ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو؟"

میں نے اس آواز اور لہجے میں اسے مخاطب کیا جسے پارس نے اس کے سامنے اختیار کیا تھا، میں نے کہا "ہیلو صوفیہ! میں تمہارے دماغ میں بھی آکر بول سکتا تھا لیکن یہ معلوم کرنے کے لئے فون پر بول رہا ہوں کہ فون کے جو تار کاٹے گئے تھے وہ جوڑ دیئے گئے ہیں یا نہیں؟ پھر تمہارے باپ اور بھائی کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمہیں یاد کررہا ہوں، وہ چاہیں تو فون پر میری آواز سن سکتے ہیں۔"

چوہدری حاکم علی نے پوچھا "کس کا فون ہے؟"

وہ بولی "فرہاد۔"

بھائی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ باپ نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "مجھے بات کرنے دو۔"

وہ ایک دم سے بپھر کر بولی "آپ کس رشتے سے بات کریں گے؟ کاروبار کی سلامتی کے لئے داماد بنائیں گے یا بیٹی کا گاہک؟"

چوہدری نے گرج کر کہا "یو شٹ اپ، میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

"زبان تو بہت دیر سے باپ بیٹے کی چل رہی ہے۔ جو کہنا چاہتے تھے وہ صاف طور سے کہہ نہیں پارہے تھے۔ بھائی جان نے ابھی کہا تھا کہ میں فرہاد کی دعوت قبول کرلیتی تو ہماری لیبارٹری میں آگ نہ لگتی۔"

پھر وہ ریسیور کے ماؤتھ پیس پر جھک کر بولی "میں فرہاد سے پوچھتی ہوں، کیا تم اتنے کم ظرف ہو کہ لڑکی ہاتھ نہ آئے تو اس کے گھر میں آگ لگادیتے ہو؟ تمہارا جواب میں نہیں، میرے ڈیڈی سنیں گے، جواب دو۔"

اس نے ریسیور باپ کی طرف بڑھا دیا۔ باپ نے اسے لے کر کان سے لگایا۔ میں نے کہا "چوہدری! میں بیک وقت دو جگہ ہوں۔ تمہارے بیٹے کے دماغ میں بول رہا ہوں اور اپنے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر تمہارے کان میں اپنی آواز سنا رہا ہوں۔"

باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میں نے کہا "اور میں تمہاری حرکتیں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم دونوں اپنی طبعی عمر تک جینا چاہتے ہو اور ابھی حرام موت نہیں مرنا چاہتے تو میرے ساتھ ساتھ بولو تاکہ صوفیہ سن سکے۔"

چوہدری نے کہا "پلیز مسٹر فرہاد! پہلے میری دو باتیں سن لو۔"

"چوہدری! اب ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہ کہنا۔ اب جو بول رہا ہوں اسے نعمان زبان سے دُہرائے گا اور تم خاموش رہو گے۔ چلو نعمان، بولو کہ تم کم ظرف ہو اور یہ چاہتے ہو کہ صوفیہ فرہاد سے دوستی کرکے پچیس لاکھ کا نقصان پورا کردے۔"

میں اس کے دماغ میں تھا، وہ میری بات سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے کہا "صوفیہ! میں کم ظرف ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم فرہاد سے دوستی کرکے پچیس لاکھ کا نقصان پورا کرو۔"

میں نے اس کے دماغ سے نکل کر چوہدری کے دماغ پر قبضہ

جمایا۔ وہ بے اختیار بولنے لگا "یہودیوں کی دلالی کرنے والے اتنے کم ظرف ہوتے ہیں کہ حالات کے تقاضے پر بیٹی کے بھی دلال بن جاتے ہیں۔ میں بھی مجبور ہو کر فرہاد کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے منافع کی بساط پر تمہیں مہرہ بنا رہا ہوں اور فرہاد کے سامنے لانا چاہتا ہوں' بس اتنی سی بات ہے۔"

چوہدری نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ میں نے صوفیہ کے پاس آکر کہا "میں نے تمہاری آنکھیں کھولنے کے لئے رات کو کھانے کی دعوت دی تھی اور تمہارے انکار پر یہ کہا تھا کہ تمہارا باپ ہر ماہ لاکھوں روپے کا منافع کمانے کے لئے اپنی ڈاکٹر بیٹی کو بازار کا مال بنادے گا' یہ ابھی میں نے ثابت کر دیا ہے۔"

صوفیہ کی انا کو زخم لگ رہے تھے' اس کی آنکھیں ندامت سے بھیگ رہی تھیں۔ میں نے کہا "تم نے میرے ظرف کے بارے میں پوچھا تھا۔ میرا ظرف یہ ہے کہ میں تمہیں بیٹی سمجھتا ہوں لیکن بیٹی نہیں کہوں گا کیونکہ تم میرے ملک کی ایک ذمے دار ڈاکٹر ہو کر دواؤں میں افیون اور الکحل ملاتی ہو۔ قوم سے دشمنی کرنے والی میری تو کیا کسی کی بھی بیٹی نہیں ہوتی۔"

اس نے جواب نہیں دیا۔ سوچ کے ذریعے مجھ سے بولی "آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ خدا جانتا ہے میں بہت شرمندہ ہوں' اندر سے ٹوٹ رہی ہوں۔ آپ مجھے بیٹی سمجھتے ہیں تو میں آپ کو ابو کہہ کر قسم کھاتی ہوں کہ دواؤں میں ملاوٹ نہیں کروں گی۔ آپ جو کہیں گے وہ کرتی رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے' آج سے تم میری بیٹی ہو۔ میرے بیٹے مجھے پاپا کہتے ہیں' تم بھی پاپا کہو۔"

"شکریہ پاپا! آپ بیٹی کو گائیڈ کریں' مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"تمہاری ذہانت مثبت انداز میں جو کہتی ہے وہ کرتی جاؤ' باقی مجھ پر چھوڑ دو۔ میں تمہارے پاس آتا رہوں گا۔ فی الحال جا رہا ہوں۔"

میں خاموش ہو گیا مگر اس کے پاس موجود رہا۔ وہ بولی "آپ نے مجھے حوصلہ دیا ہے۔ سچائی کا راستہ دکھایا ہے۔ میں آپ کو یاد کرتی رہوں گی' خدا حافظ پاپا!"

میں نے جواب نہیں دیا' وہ سمجھ گئی کہ میں چلا گیا ہوں' وہ اپنے آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔ چوہدری نے پوچھا "مسٹر فرہاد کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہ جا چکے ہیں۔"

نعمان نے کہا "یہ بڑی مشکل ہے' ہمیں اپنے دماغ میں اس کے آنے جانے کی خبر نہیں ہوتی۔ تم کیوں رو رہی تھیں؟"

"بھائی کی کم ظرفی پر رونا نہیں آیا' پاپا کی اعلیٰ ظرفی اور محبت دیکھ کر آنسو نکل پڑے۔"

"کون پاپا؟"

"جنہیں آپ فرہاد کہتے ہیں اور دشمن سمجھتے ہیں' انہوں نے مجھے بیٹی بنایا ہے۔"

نعمان نے طنزیہ کہا "اچھا تو تمہارے دو باپ ہیں۔"

صوفیہ نے پوچھا "کیا اپنی ماں کو گالی دے رہے ہو؟"

وہ پہلے تو جھینپ گیا پھر بھڑک کر بولا "میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

"یہ دھمکی نہ دینا' میں فرہاد علی تیمور کی بیٹی ہوں۔ تہ خانے میں پچیس لاکھ کی راکھ مل گئی' تمہاری تو ہڈیوں کا سرمہ بھی نہیں ملے گا۔ یقین نہ ہو تو مجھے ہاتھ لگا کر دیکھو۔"

وہ دور سے ہی بہن کو دیکھتا رہ گیا۔ اسے بہن کی گھورتی ہوئی آنکھوں میں فرہاد علی تیمور دکھائی دے رہا تھا۔ باپ نے کہا "بیٹی! ذرا عقل سے سوچو' فرہاد بڑی چالاکی سے ہمارے اتحاد کو توڑ رہا ہے۔ تمہیں بیٹی بنا کر تمہارے دل میں ہمارے لئے نفرت پیدا کر رہا ہے۔"

"کیا ایک مسلمان بیٹی کو یہودیوں کے ایجنٹ سے نفرت نہیں کرنا چاہئے؟"

"ایک منٹ پہلے تک تم بھی یہودیوں کی ایجنٹ تھیں۔"

"تھی' اب نہیں ہوں۔ آنکھیں کسی وقت بھی کھل سکتی ہیں۔ دلوں میں کسی وقت بھی ایمان پیدا ہو سکتا ہے اور بے ایمانوں کی شامت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔"

"تو تم فرہاد سے مل کر ہماری شامت لاؤ گی؟"

"میں باپ اور بھائی سے گستاخی نہیں کروں گی' جو کرنا ہوگا وہ پاپا کریں گے۔ میں اس کاروبار سے الگ ہو رہی ہوں۔ آپ کو بھی سمجھاتی ہوں' دواؤں میں ملاوٹ سے باز آجائیں اور اسلام میں یہودیت کی ملاوٹ نہ کریں' انہیں پاکستان کی منڈی سے ایک پیسے کا منافع نہ پہنچائیں' اگر آپ نے عقل سے اور ایمان سے کام نہ لیا تو پاپا آپ لوگوں کو کنگال بنا کر فٹ پاتھ پر پہنچا دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی پھر تیزی سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ چوہدری حاکم علی حاکم نے دروازے کی طرف دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "بچی ہے' نادان ہے' یہ نہیں جانتی کہ فرہاد ہمیں زیادہ سے زیادہ پاکستان میں کنگال بنا سکتا ہے لیکن لندن اور تل ابیب کے بینکوں میں ہمارے لاکھوں پونڈ اور کروڑوں سیکال (اسرائیلی کرنسی) موجود ہیں۔ فرہاد ہمیں کنگال بناتے بناتے تھک جائے گا۔ مر جائے گا لیکن ہم منافع کے اسی اونچے گراف پر رہیں گے۔"

میں ہنسنے لگا۔ اس نے چونک کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا گھبرا کر بولا "اوہ گاڈ! کیا فرہاد میرے اندر چھپا ہوا ہے۔ یہ...... یہ اسی کی ہنسی ہے؟"

نعمان نے کہا۔ "ڈیڈ! صوفیہ تو کہہ رہی تھی وہ چلا گیا ہے۔"

"بیٹے! اس کی بات درست تھی' فرہاد کے آنے اور جانے کی خبر نہیں ہوتی۔"

میں نے کہا۔ "میری خبر نہ رکھو۔ لندن اور تل ابیب کے بینک اکاؤنٹس کی خبر لو۔ وہ لاکھوں پونڈز اور کروڑوں سیکال تم نے پاکستان کی زمین پر رہ کر کمائے ہیں۔ وہ پاکستان کی دولت ہے۔ قوم کا سرمایہ ہے۔ وہ پونڈز اور سیکال دوبارہ پاکستانی کرنسی میں تبدیل ہو کر یہاں چوبیس گھنٹوں کے اندر آئیں گے اور قومی خزانے میں جمع کئے جائیں گے۔"

وہ کرسی سے اچھل کر چیخنے لگا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میرے باہر کے اکاؤنٹس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے' وہاں کے بینکوں نے ضمانت دی ہے کہ ہماری رقم ہر حال میں محفوظ رہے گی۔"

"جب ضمانت دی ہے تو کیوں چیخ رہے ہو؟ چوبیس گھنٹوں کے اندر ٹیلی پیتھی کا تماشا بھی دیکھو کہ کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اسے یاد آرہا تھا کہ لندن کا فرسٹ پارٹنر جان اسمتھ کچھ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ بڑے بڑے صنعت کار ہڑتال نہیں کر رہے ہیں اور اسرائیلی صنعت کار اس لئے سہمے ہوئے ہیں کہ وہاں فرہاد کے دو انسانی روبوٹ کسی وقت بھی ان کی صنعتوں کو تباہ کر سکتے ہیں۔

وہ بولا۔ "مسٹر فرہاد! ہمیں ایک دوسرے کی ضد بننے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تم میری تمام دولت چھین لو گے لیکن ہماری قوم کو نقصان پہنچاؤ گے۔ میری لیبارٹری سے تیار ہونے والی دواؤں سے لاکھوں بیمار شفا پاتے ہیں۔ فارمولا یہودیوں کا ضرور ہے لیکن ہمارے ملک کے بیمار لوگ صحت یاب ہوتے ہیں۔"

"چوہدری! مجھے فارمولے پر اعتراض نہیں ہے۔ یہ فارمولا پاکستان پہنچ کر ہمارا ہو گیا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اسرائیلی فوج عربوں کی سرحدی زمینوں پر قبضہ جما کر اسے اپنے ملک کا حصہ قرار دیتی ہے اور زمینیں واپس کرنے کے سلسلے میں بین الاقوامی عدالت کے فیصلے بھی اپنے حق میں بدل دیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح میں ان کی دواسازی کے فارمولوں پر قبضہ جماؤں گا۔ تم نے انہیں بہت منافع دیا ہے۔ اب پاکستانی ایک پیسہ بھی ان کے پاس نہیں جائے گا اور تمہارا تمام کاروبار بھی خاک میں مل جائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے دماغ سے وہ فارمولے چرا کر کسی دوسرے پاکستانی کو دو گے؟"

"مجھے تمہارے دماغ سے چرانا نہیں پڑے گا۔ وہ تو میری بیٹی ڈاکٹر صوفیہ کو زبانی یاد ہے۔ میں یہ کاروبار اپنی بیٹی کو دوں گا۔ پھر تم باپ بیٹے کو اس لیبارٹری میں قدم بھی نہیں رکھنے دوں گا۔ سوچو' فیصلہ کرو۔ پاکستان سے غداری کرو گے یا یہودیوں کے خلاف بغاوت کرنا چاہو گے؟ میں سوچنے کی مہلت دے رہا ہوں۔ پھر چوبیس گھنٹوں کے بعد وہی ہوگا جو میں کہہ چکا ہوں۔ اب میں جا رہا ہوں۔ خدا تمہیں صوفیہ کی طرح عقل اور ایمان دے۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بیٹے سے بولا۔ "میرا پاسپورٹ لے کر ٹریولنگ ایجنٹ کے پاس جاؤ اور کسی بھی پہلی فلائٹ سے لندن کے لئے ایک سیٹ حاصل کرو۔ میں مسٹر اسمتھ اور یہودیوں سے دو ٹوک فیصلہ کروں گا۔ اگر انہوں نے ہمیں مکمل تحفظ نہ دیا تو فرہاد کے سامنے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑیں گے۔"

وہ باپ بیٹے دفتر سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ وہ آخر وقت تک یہودیوں کے وفادار رہنا چاہتے تھے۔ مایوس ہونے کے بعد میری بات ماننے والے تھے۔ یہ انسانی فطرت ہے' جب تک وہ جوان اور طاقت ور ہوتا ہے' مست ہاتھی کی طرح دندناتا پھرتا ہے۔ جب جوانی کی توانائی ختم ہوتی ہے' بڑھاپا آتا ہے' کمزوری لاحق ہوتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔ میں نے آج تک کسی نوجوان کے ہاتھ میں تسبیح نہیں دیکھی اور یہودیوں کے کسی ایجنٹ کو مسجد کے دروازے پر توبہ کرتے نہیں دیکھا۔ وہ باپ بیٹے بھی شاید ہی توبہ کرتے کیونکہ ان کے پیچھے اسرائیل تھا اور اسرائیل کے پیچھے سپر پاور امریکا یعنی بڑی طاقت اور بڑے وسیع ذرائع تھے۔ بچاؤ کی پوری امید تھی اس لئے وہ ہوا میں اڑ رہے تھے۔

میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ مجھے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ صبح ناشتے کے بعد نہ چائے پی تھی اور نہ ہی دوپہر کی روٹی کھائی تھی۔ میں جوتے پہن کر باہر آگیا۔ دروازے کو تالا لگا کر جانا چاہتا تھا کہ سامنے والے مکان سے ایک شخص نے آکر کہا۔ "السلام علیکم۔ بھائی صاحب! پڑوسیوں کی بھی کچھ ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ ہم تمہارے سامنے رہتے ہیں پھر بھی اجنبی ہیں۔"

میں نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا نام ارسلان ہے۔ بیس برس امریکا میں رہا۔ پھر وطن کی مٹی کھینچ لائی ہے۔ یہاں میرا کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے۔ یہی میرا تعارف ہے۔"

اس نے کہا۔ "ہم آپ کے ہیں۔ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔"

"میں پھر آؤں گا۔"

"یہ چائے کا وقت ہے۔ آپ جہاں بھی جا رہے ہیں' ہماری چائے پی کر جائیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دراصل میں چائے ہی پینے نکلا ہوں۔"

"پھر تو میں نے صحیح وقت پر آپ کو گرفتار کیا ہے۔ آیئے تشریف لایئے۔"

میں اس کے ساتھ مکان کے سامنے والے کمرے میں آیا۔ وہاں اس کے والدین سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بڑی محبت سے استقبال کیا۔ بزرگ نے کہا۔ "تمہارے مالک مکان بتا رہے تھے کہ تم بیس برس امریکا میں رہ کر آئے ہو۔ تعجب ہے! خوبصورت اور اسمارٹ لڑکیوں کی نگری میں رہ کر بھی شادی نہیں کی۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

میں نے کہا۔ "پرائے دیس کی ہر چیز پرائی لگتی ہے۔ وہاں کی لڑکیاں' ان کی بے لگام آزادیاں' وہاں کی زبان اور تہذیب سب کی سب میرے مزاج کے خلاف تھیں۔ کسی شاعر نے میرے ہی لئے کہا ہے' پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔"

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ بزرگ خاتون نے کہا۔ "یہ بڑی بات ہے کہ برسوں امریکا میں رہ کر بھی تم اپنوں میں آگئے ہو۔"

مجھے اپنے ساتھ اس مکان میں لانے والے جوان نے کہا۔ "امی! یہ فرمارہے تھے کہ یہاں ان کا اپنا کوئی نہیں ہے۔"

بزرگ نے کہا۔ "ہم ہیں۔ اپنا بنانے کا جذبہ ہو تو لوگ اپنے بنتے ہیں۔"

اسی وقت ایک جوان لڑکی چھوٹی سی ٹرالی میں چائے اور ناشتا لے کر آئی۔ سنجیدگی سے مجھے سلام کیا پھر مٹھائی کی ڈش بڑھا کر بولی۔ "یہ لاہور کی خاص مٹھائیوں میں سے ایک ہے۔ اسے پتیسا کہتے ہیں۔"

میں پلیٹ میں سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا لیتے ہوئے لڑکی کے خیالات پڑھنے لگا۔ بات تو پہلے ہی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس کے خیالات نے تصدیق کردی کہ مجھے کنوارہ سمجھ کر خاطر ومدارات ہورہی ہیں۔

میں ان کی خوش فہمی فوراً ہی ختم کرسکتا تھا لیکن پہلے میں نے لڑکی کے خیالات اور جذبات پڑھے۔ اس کا نام کشور فاطمہ تھا۔ وہ بی اے کی طالبہ تھی اور کالج کے ایک نوجوان اقبال سے محبت کرتی تھی۔ والدین کے حکم سے مجبور ہو کر وہ میرے سامنے ناشتے کی ٹرالی لے کر آئی تھی۔

اس کی سوچ نے بتایا کہ اقبال بھی اسے دل وجان سے چاہتا ہے لیکن اس کے اور اقبال کے بزرگوں کے درمیان بہت پرانا خاندانی جھگڑا چل رہا تھا۔ اقبال نے طے کیا کہ بزرگوں کی ضد اور اکڑ ختم کرنے کے لئے وہ گھر سے بھاگ جائیں گے۔ جب لڑکی والوں کو بدنامی کا احساس ہوگا اور لڑکے والوں کو اکلوتے بیٹے کے ہاتھ سے جانے کا صدمہ ہوگا تو وہ پرانی گھسی پٹی دشمنی سے باز آجائیں گے۔

ابھی وہ دونوں مجبور تھے۔ اقبال ابھی کالج میں زیر تعلیم تھا' آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور گھر سے باہر دونوں کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں تھی' اس لئے وہ پریشان تھے اور سوچ رہے تھے کہ محبت سے لے کر شادی کی منزل تک کیسے پہنچا جائے؟

بزرگ خاتون نے کہا۔ "یہ میری بیٹی کشور فاطمہ ہے۔ بی اے کے آخری سال میں ہے۔ ہر سال اول آتی ہے۔ جب دسویں کا امتحان دیا تھا تو صوبے بھر میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔"

کشور کے والد نے مجھ سے پوچھا۔ "تم امریکا میں کیا کرتے تھے اور اب یہاں کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"میں وہاں نجومی تھا۔ دوسروں کو قسمت کا حال بتاتا تھا۔"

بزرگوں نے مجھے بے یقینی سے دیکھا۔ پھر خاتون نے ناگواری سے پوچھا "نجومی؟"

"جی ہاں۔ آپ نے یہاں فٹ پاتھ پر دیکھا ہوگا۔ طوطا فال نامہ کھولتا ہے۔ یہاں کے نجومی بہت چھوٹے اور کمتر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن امریکا میں یہ ایک نئی اور انوکھی چیز ہے۔ جب میں نیویارک میں' فلاڈلفیا اور شکاگو کے فٹ پاتھ پر طوطے کے ذریعے فال نامہ کھولتا تھا اور قسمت کا حال بتاتا تھا تو لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ وہاں میں نے لاکھوں ڈالر کمائے ہیں۔"

"لیکن یہاں قسمت کا حال بتانے والے نجومی اور طوطے فال[illegible] کرتے ہیں۔ سوسائٹی میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"اگر آپ لوگوں سے رشتے داری ہو جائے گی تو سوسائٹی م[illegible] میری حیثیت ہوگی۔ میں امریکا سے آیا ہوا نجومی کہلاؤں گا۔"

"رشتے داری کی بات نہ کرو۔ ہم خاندان میں اپنی ہنسی نہیں اڑانا چاہتے۔ تم پڑوسی ہو۔ پڑوسی کی طرح رہو۔ ہمارے لائق کو[illegible] خدمت ہو تو کہہ دینا۔ ہم تمہارے کام آئیں گے۔"

میں "شکریہ" کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ کسی نے نہیں پوچھا کہ م[illegible] کیوں اٹھ گیا اور میں اتنی جلدی کیوں جارہا ہوں۔ کشور فاطمہ [illegible] کہا "چائے پی لیں۔"

ماں باپ نے بیٹی کو گھور کر دیکھا۔ میں نے کہا "تم نے ج[illegible] کھلایا ہے اس کی لذت اور مٹھاس یاد رکھوں گا۔ میری دعا ہے تمہارا اقبال بلند رہے۔"

کشور فاطمہ نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں پلٹ کر تیزی سے [illegible] ہوا باہر آگیا۔ چائے کی طلب باقی رہی۔ میں لال پل کی طرف جا[illegible] کسی ہوٹل میں چائے پی سکتا تھا۔ گلی کے سرے پر ایک صاحب [illegible] مکان کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسکرا کر آ[illegible] بڑھتے ہوئے سلام کیا پھر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے نہ[illegible] جانتے۔ میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ کا نام ارسلان ہے اور آ[illegible] چوہدری کرامت اللہ کے کرائے دار ہیں۔ چوہدری صاحب آپ [illegible] بڑی تعریفیں کررہے تھے۔"

میں نے انکسار سے کہا۔ "میں ایک ناچیز بندہ ہوں' کسی تعری[illegible] کے قابل نہیں ہوں۔"

"اجی آپ تو چھپے رستم ہیں۔ امریکا سے آئے ہیں۔ کہاں جارہے ہیں؟"

"ذرا چائے پینے جارہا ہوں۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ محلے داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ آپ ہمارے ہوتے ہوئے دکان کی چائے پئیں گے۔ ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ابھی آپ امجد صاحب کے مکان [illegible] نکل کر آرہے ہیں۔ کیا انہوں نے چائے کو بھی نہیں پوچھا؟"

"پوچھا تھا۔ میں نے بہانہ کردیا کہ چائے نہیں پیتا ہوں۔"

"رہنے دیں ارسلان صاحب! آپ ہم سے زیادہ امجد صاحب کو نہیں جانتے۔ وہ پہلے دیکھتے ہیں کس سے کام نکلتا ہے۔ جس [illegible] کام نہ نکلے' اسے پانی کو بھی نہیں پوچھتے۔ کیا آپ کو یہ بات معلو[illegible] ہے؟"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ ان کی لڑکی کشور فاطمہ ایک لڑکے سے پھنسی ہو[illegible] ہے۔ لڑکے کا نام اقبال احمد ہے۔"

دروازے کے پیچھے سے ایک خاتون کی آواز آئی۔ "[illegible] چھوڑیں سلمیٰ کے ابا! کالج جانے والی لڑکیاں ایسے ہی گل کھلا[illegible]

[illegible]ہیں۔ ہم نے تو اپنی دونوں بیٹیوں کو مشرقی تعلیم دی ہے۔ روزے نماز کی پابند ہیں۔ جس گھر میں بیاہ کر جائیں گی' اسے جنت بنا دیں گی۔"

سلمیٰ کے ابا نے کہا۔ "ارے میاں ارسلان! میں بھی سٹھیا گیا ہوں۔ دروازے پر باتیں کررہا ہوں۔ اندر آؤ' تمہیں پینے کے لئے [illegible]ترین سبز چائے ملے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا واقعی آپ کی بیٹیاں روزے نماز کی پابند [illegible]ور سلیقہ شعار ہیں؟"

"بے شک۔ یہ تو سارا محلہ جانتا ہے۔"

"لیکن اسی محلے کے ایک میاں بیوی جو دوسری گلی میں رہتے [illegible]یں وہ آپ کی بیٹیوں کی برائیاں کررہے تھے۔ اب میں ان کی تمام [illegible]اتیں نہیں بتا سکتا مگر وہ دعویٰ کررہے تھے کہ آپ کی بیٹیوں کا رشتہ کبھی نہیں آئے گا اور وہ عمر بھر کنواری ہی بیٹھی رہیں گی۔"

وہ غصے سے گالیاں دیتے ہوئے بولے۔ "وہ کون لوگ ہیں ذرا [illegible]جھے ان کے نام اور گھر کا نمبر بتائیں؟"

میں نے کہا۔ "بتانے سے کیا ہوگا۔ کیا آپ امجد صاحب کے [illegible]سامنے کشور فاطمہ کی برائی کریں گے؟"

"مجھے کیا پڑی ہے کہ میں ان کی بیٹی کے عیب نکالوں اور جھگڑا شروع کروں۔"

"اسی طرح وہ لوگ بھی آپ کے سامنے آپ کی بیٹیوں کے [illegible]یب بیان نہیں کریں گے۔ وہ آپ سے میٹھے بن کر بولیں گے' جیسے [illegible]آپ کشور کے والدین کے سامنے مٹھاس سے بولتے ہیں۔"

وہ ناگواری سے بولے۔ کیا تم ہمیں طعنہ دے رہے ہو؟"

"نہیں۔ میں تو سمجھا رہا ہوں۔ جب تک آپ دوسرے کی [illegible]بیٹیوں پر کیچڑ اچھالتے رہیں گے' دوسرے بھی کہیں سے آنے والے [illegible]رشتے کو آپ کے دروازے تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ اس محلے میں [illegible]لمہ ہمارے معاشرے میں یہی ہو رہا ہے۔ کہیں کیچڑ اچھالی جارہی ہے اور برات واپس جارہی ہے۔ کہیں خاندانی غرور اور برادری [illegible]ل جھگڑوں کے باعث [illegible] آپ بزرگوں کو دلوں سے کدورت نکالنا چاہئے ورنہ معصوم بیٹیاں کبھی سہاگن نہیں بن سکیں گی۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اندر گئے پھر دروازے کو بند کرلیا۔ مجھے گلی میں تنہا چھوڑ دیا۔ اس گھر کی بھی سبز چائے میرے ہونٹوں سے دور ہوگئی۔ میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ایک ہوٹل میں پہنچ کر بیرے کو چائے لانے کے لئے کہا پھر کشور کے باپ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا۔

"ہم حقیقت سے آنکھ نہیں چرا سکتے۔ ہماری بیٹی کے ساتھ اقبال کا نام لیا جاتا ہے۔ پتا نہیں محلے والے کیسے جاسوسی کرتے ہوئے اقبال تک پہنچ گئے ہیں اور اب چپکے چپکے بدنام کررہے ہیں۔"

بیوی نے کہا۔ "آپ مردوں کو خاندانی جھگڑے بڑھانے میں بڑی مردانگی نظر آتی ہے۔ آپ بیٹی کے باپ بن کر سوچیں۔ کیا اقبال کے باپ سے صلح نہیں ہوسکتی؟"

جمشید نے کہا۔ "امی! آپ ابو کو دشمنوں کے سامنے جھکنے کو کہہ رہی ہیں۔ میں ٹوٹنا جانتا ہوں' جھکنا نہیں جانتا۔"

ماں نے کہا "تو بڑا غیرت والا ہے۔ تیری بیوی ہمیں باتیں سنا کر میکے چلی گئی۔ وہاں جاکر کہتی ہے' ہم ہاتھ جوڑ کر اسے لینے آئیں گے تو وہ آئے گی' نہیں تو اس کی جوتی بھی نہیں آئے گی۔ تو غیرت والا ہوتا تو اسے آنے پر مجبور کرتا۔ مگر ہم سے کہتا ہے کہ ہم جاکر اسے لائیں۔ جب تو ٹوٹنا جانتا ہے' جھکنا نہیں جانتا تو سسرال میں کیوں جھکنے جاتا ہے؟"

"امی! آپ کہاں کی بات کہاں لے جاتی ہیں۔"

میں نے باپ کو بولنے پر مجبور کیا' وہ بولا "ہم بہو کے میکے جائیں گے' ہاتھ جوڑ کر اسے لائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ تو اقبال کے گھر جا' اس سے دوستی کر۔ اس کے باپ کو بول کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

پھر میں جمشید کے دماغ میں آیا۔ اسے سوچنے پر مجبور کیا "اگر میں اقبال کے گھر جانے سے انکار کروں گا تو امی ابو کبھی میری بیوی کو منا کر یہاں نہیں لائیں گے۔ بیوی کی خاطر بہن کے معاملے میں

نرم پڑنا ہی ہوگا۔"

جمشید کی ماں خوش ہو کر اپنے شوہر سے کہہ رہی تھیں "آپ اقبال کے باپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے اس سے بڑی خوشی کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ یقین کریں محلے کے ہر گھر میں لڑکیاں دیکھ کر ہول آتا ہے کہ ہماری کشور بھی بیٹھی نہ رہ جائے۔ خدا کے لئے آپ اسی دانشمندانہ فیصلے پر قائم رہیں۔"

وہ بول رہی تھی اور کشور کا باپ سوچ رہا تھا "میرے منہ سے بے اختیار یہ بات کیسے نکل گئی کہ میں دشمن سے ملنا چاہتا ہوں؟ شاید خدا کو یہ منظور ہے۔ میرے اندر بھی یہ بے چینی تھی کہ پہاڑ جیسی جوان بیٹی جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے۔ اچھا ہے اس طرح پرانی دشمنی ختم ہو جائے گی۔ میں اسی فیصلے پر عمل کروں گا۔"

میں نے کشور کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دروازے کی آڑ میں کھڑی والدین کی باتیں سن رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ میں نے چپکے سے کہا "میری دعا ہے کہ تمہارا اقبال بلند رہے۔"

وہ چونک گئی۔ اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ اسے میری دعا یاد آ رہی ہے۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر دل ہی دل میں بولی "دعا دینے والے تو مکے مدینے جائے۔"

میری بہن شاہینہ کچن میں مصروف تھی۔ ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر بیٹی سے بولی "ثمینہ! دیکھو کس کا فون ہے؟"

ثمینہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ پھر ریسیور اٹھا کر بولی "ہیلو!"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اس نے پوچھا "ہیلو کون ہے؟"

پھر جواب نہیں ملا۔ وہ ریسیور رکھ کر کچن میں آئی۔ شاہینہ نے پوچھا "کون تھا؟"

"کوئی نہیں تھا۔ میں نے دوبار پوچھا۔ جواب نہیں ملا تو ریسیور رکھ دیا۔"

"یاد ہے تمہارے فرہاد ماموں نے کیا سمجھایا تھا؟ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے چپ چاپ فون پر آواز سنتے ہیں پھر دماغ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے فون پر آواز بدل کر بولنے کی پریکٹس کرو۔"

"امی! میں نے پریکٹس کی تھی۔ مگر مجھ سے نہیں ہوتا۔ لہجہ بدل کر بولنا سراسر اداکاری ہے اور مجھے اداکاری نہیں آتی۔"

"اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے وہ سب کچھ سیکھنا چاہئے جو تمہیں نہیں آتا۔ تمہارے ماموں کہاں تک ہماری نگرانی کریں گے؟"

"اچھا میں پھر کوشش کروں گی۔"

وہ سبزی کاٹ کر ماں کے پاس رکھتی ہوئی بولی "میں لبرٹی مارکیٹ جانا چاہتی ہوں۔ کچھ کتابیں اور کیسٹ خریدوں گی۔"

"ضرور جاؤ۔ مگر بھائی کو ساتھ لے جاؤ۔"

وہ کامران کے پاس آئی۔ اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر بولی "جب دیکھو پڑھتے رہتے ہو یا سائنسی تجربات کرتے رہتے ہو۔ چلو مارکیٹ چلیں۔"

کامران نے اس سے کتاب چھین کر کہا "امی کہتی ہیں مجھے پارس بھائی اور علی بھائی کی طرح علم حاصل کرنا چاہئے۔ ہنرمند ہونا چاہئے۔ میں ان کی طرح ہر میدان کا شہسوار بنوں گا۔"

"میرے اچھے بھیا! ضرور بن جانا۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے چلو۔ امی مجھے تنہا نہیں جانے دیں گی۔"

"اچھی بات ہے، میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں آئی۔ اس نے آئینے کے سامنے ہلکا سا میک اپ کیا۔ بالوں کو برش کیا۔ پھر باہر آ کر گیراج سے کار نکالنے لگی۔ سامنے والی کوٹھی کی چھت پر پارس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ثمینہ کو دیکھ کر سوچا "یہ تنہا کہاں جا رہی ہے؟ پاپا نے سختی سے منع کیا ہے کہ بچے تنہا باہر نہ جایا کریں۔"

ایک منٹ کے بعد کامران آ کر کار میں بیٹھ گیا۔ ثمینہ ڈرائیو کرتی ہوئی جانے لگی۔ پارس کو اطمینان نہیں ہوا، کامران سترہ اٹھارہ برس کا تھا، اپنی بڑی بہن کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چھت سے اتر کر نیچے آیا۔ پھر کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرتا ہوا احاطے سے باہر آیا۔ ثمینہ کی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ثمینہ اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ پتا نہیں کدھر نکل گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چابی ذرا باہر کھینچ کر اسے مخصوص انداز میں گھمانے لگا۔ میں خیال خوانی میں مصروف تھا۔ اپنی رسٹ واچ سے الارم کی ہلکی سی آواز سن کر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اپنی رسٹ واچ کے مخصوص الارم کو سن کر سمجھ گیا کہ بیٹا بلا رہا ہے۔

میں نے اس کے پاس پہنچ کر پوچھا "خیریت تو ہے؟"

وہ بولا "آپ نے پھوپی کو تاکید کی تھی کہ بچوں کو لبرٹی مارکیٹ سے آگے نہ جانے دیں۔ ابھی ثمینہ باجی کامران کے ساتھ کار میں کوٹھی سے نکلی تھیں۔ میں تعاقب کرنے کے لئے لبرٹی مارکیٹ تک آیا ہوں لیکن وہ دونوں نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

میں ثمینہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اقبال ٹاؤن سے گزرتی ہوئی ملتان روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے چور خیالات بتا رہے تھے کہ وہ ماں سے جھوٹ بول کر آئی ہے اور اب پتا نہیں کیوں ملتان کے راستے پر ٹھوکر نامی قصبے کی سمت جا رہی ہے۔

میں نے پارس کے پاس آ کر کہا "ملتان روڈ کی طرف جاؤ۔ وہ اور کامران ٹریپ کئے جا رہے ہیں۔"

"پاپا! میں پہلی بار لاہور آیا ہوں۔ ملتان روڈ کا راستہ نہیں جانتا ہوں۔ پھر بھی لوگوں سے پوچھتا ہوا پہنچ جاؤں گا، آپ ثمینہ باجی کے پاس جائیں۔"

میں سوچ کے ذریعے ثمینہ کو مخاطب کرتا تو دشمن خیال خوانی کرنے والا میری موجودگی سے ہوشیار ہو جاتا۔ پھر وہ ثمینہ اور کامران کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ میں نے دشمن کو خوش فہمی میں رکھا کہ فرہاد اور اس کے دوسرے خیال خوانی کرنے والے دیگر معاملات میں مصروف ہیں اور ثمینہ کے اغوا سے بے خبر ہیں۔ اس طرح میں ان دونوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے کامران کے خیالات پڑھے۔ وہ سوچ رہا تھا "باجی مجھے کہاں لے جا رہی ہیں۔ میں باجی سے بار بار پوچھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر جانے کیا بات ہے کہ نہیں پوچھ رہا ہوں۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہاں دو دشمن خیال خوانی کرنے والے تھے۔ دوسرے نے کامران کے دماغ کو اپنے قابو میں رکھا تھا۔ میں نے پارس کے پاس آ کر دیکھا۔ وہ ٹریفک پولیس کے ایک سپاہی کو لفٹ دے کر فلم اسٹوڈیو کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس طرح وہ ملتان روڈ پہنچ گیا تھا۔ میں نے کہا "اسی راستے پر سیدھے ٹھوکر کی سمت جاؤ۔"

وہ سپاہی کو فلم اسٹوڈیو کے سامنے اتار کر تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے ثمینہ کی کار تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس راستے پر کئی کلومیٹر ڈرائیو کرنے کے بعد ثمینہ نے ایک جگہ کار روک دی۔ اس کار کے سامنے ایک سوزوکی ویگن کھڑی ہوئی تھی۔ ثمینہ اور کامران سحر زدہ ہو کر کار سے اتر کر ویگن کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے ان کے ذریعے ویگن کا نمبر پڑھ لیا۔

وہاں تین افراد تھے، انہوں نے ثمینہ اور کامران کو اندر بٹھایا پھر ایک ایک سرنج نکالی۔ وہ دونوں کو انجکشن لگانا چاہتے تھے، میں نے دونوں کو جدوجہد پر مجبور کیا لیکن ثمینہ کو سنبھالا تو کامران کو انجکشن لگا دیا گیا۔ کامران کو بچانے آیا تو ثمینہ کے بازو میں سوئی چبھو دی گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔

میں نے پارس کو ویگن کا نمبر بتا کر کہا "تم قریب پہنچ رہے ہو، رفتار اور بڑھاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے ایک اسرائیلی حاکم کے پاس آ کر کہا "تمہارے ایک بڑے سرمایہ دار کی میڈیکل لیبارٹری آدھے گھنٹے بعد بم کے دھماکے سے تباہ ہو جائے گی۔ اسے بچانا چاہتے ہو تو اپنے خیال خوانی کرنے والوں سے کہو، میری بھانجی اور بھانجے ثمینہ اور کامران کو واپس گھر پہنچا دیں۔"

حاکم نے کہا "ہمارا کوئی خیال خوانی کرنے والا تمہارے کسی رشتے دار......"

میں نے سخت لہجے میں کہا "شٹ اپ! جب تک ثمینہ اور کامران واپس نہیں ملیں گے، ہر آدھے گھنٹے کے بعد ایک مل یا فیکٹری تباہ ہوتی رہے گی، دیٹس آل۔"

میں نے ایک امریکی اعلیٰ افسر سے کہا "فوراً سپر ماسٹر یا جان لبوڈا سے رابطہ کرو۔ ان سے کہو میرے دشمن خیال خوانی کرنے والوں نے میرے دو رشتے داروں کو اغوا کر لیا ہے اور میرے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے اسرائیل اور امریکا میں ہیں۔ میں نے یہودیوں کو وارننگ دی ہے۔ تم لوگوں کو بھی وارننگ دیتا ہوں۔ گھڑی دیکھو، اگر آدھے گھنٹے کے اندر میرے دونوں عزیز گھر واپس نہ آئے تو تمہارا ایک اعلیٰ فوجی افسر خودکشی کر لے گا۔ جب تک دونوں کی واپسی نہیں ہوگی، تب تک ہر آدھے گھنٹے کے بعد تمہارے ہاں کی اعلیٰ شخصیات یکے بعد دیگرے خودکشی کرتی رہیں گی۔"

اس فوجی افسر نے کہا "یہ تو زیادتی ہے۔ یہ شرارت اسرائیلیوں نے......"

میں نے کہا "شٹ اپ! زیادہ نہ بولو۔ امریکی اور اسرائیلی اکابرین آپس میں فیصلہ کریں۔ موت اور تباہی یا زندگی اور سلامتی؟"

اس فوجی افسر نے سپر ماسٹر ہولی مین کو میری وارننگ سنائی۔ سپر ماسٹر نے جان لبوڈا کو بلایا اور اسے میری وارننگ سنائی۔ لبوڈا نے اسرائیلی حاکم کے دماغ میں آ کر کہا "تم اپنی مصیبت ہمارے سر کیوں ڈالتے ہو، تم نے فرہاد کے عزیزوں کو اغوا کیوں کرایا ہے؟"

"ہم نے کسی کو اغوا نہیں کرایا ہے۔"

"ڈھٹائی کی ایک حد ہوتی ہے۔ ہٹ دھرمی کرتے رہو گے تو ہمارے تمہارے اہم عہدیداران بے موت مارے جائیں گے۔"

وہ بولا "ہمیں بہت سے معاملات کا علم نہیں ہوتا۔ شاید گولڈن برینز نے اغوا کرایا ہو۔ ہم ان سے بات کریں گے۔"

"تمہارے باتیں کرنے تک آدھا گھنٹا گزر جائے گا۔"

"تم فرہاد سے رابطہ کرو۔ اس سے وعدہ کرو کہ اس کے عزیزوں کو ہم ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ ہمیں لمبی مہلت دے۔"

میں سوسانہ اور جرائکل سے کہہ رہا تھا "تمہاری لسٹ میں وہاں کی جتنی بڑی ملیں اور فیکٹریاں ہیں، ان میں سے ایک بڑی مل کو بیس منٹ کے بعد تباہ کر دو۔"

جرائکل نے کہا "میں اس کام کے لئے تنہا جاؤں گا۔ سوسانہ یہاں علی تیمور کی نگرانی کرے گی۔ وہ تنویمی نیند میں ہے۔ بیدار ہونے کے بعد اسے اپنی اصلیت اور پچھلی زندگی یاد آ جائے گی۔"

میں نے لیلیٰ کو مخاطب کر کے پوچھا "علی پر عمل کرتے وقت کوئی مداخلت تو نہیں ہوئی تھی؟"

وہ بولی "ہم مطمئن ہیں، میرے عمل کے وقت سلطانہ اور سلمان اس کے دماغ میں چھپے ہوئے تھے۔ کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا علی کے اندر چھپا ہوا نہیں تھا۔"

"چلو اچھا ہے۔ تم ابھی جرائکل کے پاس رہو گی۔ وہ ایک مشن پر جا رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ سلطانہ سے کہو وہ سوسانہ کے پاس رہے۔"

اسی وقت میں نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور سانس روک لی پھر دوسری بار سانس لیا تو وہی سوچ کی لہریں واپس آئیں۔ میں نے پوچھا کون ہو تم؟"

"میں جان لبوڈا ہوں۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ آپ کے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے امریکا اور اسرائیل میں ہیں۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ اسرائیلیوں کی شرارت ہے۔ ان کی سزا ہمیں نہ دیں، ہمارے کسی بے گناہ عہدیدار کو موت کی سزا نہ دیں۔"

"ثابت کردو کہ یہ اسرائیلیوں کی شرارت ہے یا میرے عزیزوں کو گھر واپس پہنچادو۔"

"ثابت کرنے یا عزیزوں کو ڈھونڈ نکالنے کے لئے بہت کم وقت دیا ہے آپ نے اور اب تو پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔ ہمیں یہودیوں سے نمٹنے کے لئے کم از کم چار گھنٹوں کی مہلت دو۔"

"گھڑی دیکھو' میں مزید ایک گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں' اب جاؤ۔"

میں نے سانس روک لی۔ وہ دماغ سے نکل گیا۔ میں سوچنے لگا' کسی بے گناہ کو سزا نہیں دینا چاہئے۔ آخر کس ملک کے خیال خوانی کرنے والے میرے خلاف ایسا کرنے کی جرأت کررہے ہیں؟"

مجھے یاد آیا۔ دو دن پہلے چوہدری حاکم علی حاکم' جان اسمتھ سے ملنے لندن گیا تھا۔ ان دونوں سے کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔ میں چوہدری کے پاس گیا۔ وہ ایک مہنگے ہوٹل میں ایک مہنگی کال گرل اور مہنگی شراب سے اپنا دل بہلا رہا تھا۔ اس کے اطمینان سے ظاہر تھا کہ اسے اس کی سلامتی کی خاطر خواہ ضمانت دی گئی ہے۔

اس کے چور خیالات نے بتایا' جان اسمتھ نے یقین دلایا ہے کہ دو تین دن میں پاکستان سے فرہاد کے قدم اکھڑ جائیں گے اور وہ چوہدری کے کسی ملکی یا غیر ملکی بینک اکاؤنٹ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

چوہدری نے پوچھا تھا "ایسے کیا اقدامات کئے جارہے ہیں کہ زبردست کہلانے والا فرہاد میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا؟"

اسمتھ نے کہا تھا "یہ نہ پوچھو۔ میں کچھ بتاؤں گا تو فرہاد کو معلوم ہوجائے گا۔ اس کے خلاف کیسی چالیں چلی جارہی ہیں کیونکہ وہ تمہارے دماغ میں آتا رہتا ہے۔"

جان اسمتھ کو خوش فہمی تھی کہ میں اس کے دماغ میں نہیں آتا ہوں۔ میں نے اس کے خیالات پڑھے۔ پتا چلا ایک اسرائیلی خیال خوانی کرنے والے نے اس سے رابطہ کیا تھا اور اسے یقین دلایا تھا کہ فرہاد آئندہ کسی کی صنعت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ گولڈن برینز ایسی چالیں چل رہے ہیں کہ فرہاد مجبور ہوکر صرف پاکستان نہیں چھوڑے گا بلکہ اپنے دونوں انسانی روبوٹ کو بھی اسرائیل سے واپس بلالے گا۔

جان اسمتھ نے پوچھا تھا "تمہارے گولڈن برینز آخر کیا کرنے والے ہیں؟"

خیال خوانی کرنے والے نے کہا "مسٹر اسمتھ! یہ نہ پوچھو' فرہاد کسی ذریعے سے تمہارے دماغ میں آکر بہت کچھ معلوم کرلے گا۔ پھر ہمارے منصوبوں کو ناکام بنادے گا۔ ذرا صبر کرو' جلد ہی بہت کچھ سامنے آجائے گا۔ فرہاد نے پہلے کبھی ایسی مات نہیں کھائی ہوگی۔"

یہ خیالات پڑھ کر یقین ہوگیا کہ یہودیوں نے میرے خلاف یہی چال چلی ہے۔ میری بہن کے بچوں کو اغوا کرکے مجھے کمزور اور بے بس بنارہے ہیں۔ اگر میں ضد میں آکر ثمینہ اور کامران کی سلامتی کو خطرے میں ڈالتا۔ کامران کی جان جاتی یا ثمینہ کی عزت جاتی تو میں بہن کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

میں پارس کے پاس آیا۔ وہ اس سوزوکی ویگن کے پاس کھڑا تھا' جس میں ثمینہ اور کامران کو وہ لے جارہے تھے۔ اس نے کہا "پاپا! شاید انہیں پتا چل گیا تھا کہ میں تعاقب میں ہوں۔ انہوں نے میرے پہنچنے سے پہلے گاڑی بدل دی ہے۔ پتا نہیں کس گاڑی میں لے گئے ہیں۔ میں کئی کلومیٹر آگے جاکر دیکھ آیا ہوں۔"

"بیٹے! وہیں کسی آبادی میں رہو۔ ثمینہ اور کامران کو جونہی ہوش آیا... میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ کہاں پہنچائے گئے ہیں۔ پھر میں آکر تمہیں بتاؤں گا۔"

میں اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ پریشانی سے سوچنے لگا۔ کیا شاہینہ کو بچوں کے اغوا کی اطلاع دینا چاہئے؟ مجھے معلوم تھا وہ رو رو کر اپنا برا حال کرلے گی۔ اس کے باوجود یہ بات زیادہ دیر چھپائی نہیں جاسکتی تھی' آخر کار اسے معلوم ہونا ہی تھا۔

میں بہن کو بتانے سے پہلے ایک بار ثمینہ اور کامران کے پاس گیا۔ وہ بیہوش تھے۔ ان کے دماغ سے کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ میں مجبور ہوکر بہن کے پاس گیا۔ پھر ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ وہ بھی بے ہوش تھی' نہ آنکھ کھول سکتی تھی نہ میں اس کے ذریعے کچھ دیکھ سکتا تھا۔

ثمینہ اور کامران کے بعد اس کے دو اور بچے تھے۔ ایک دس برس کی گڈو اور چھ برس کا پپو۔ میں نے فوراً ان کی خبر لی۔ وہ دونوں اپنی دادی کے پاس گئے ہوئے تھے۔

ادھر جرائیل میری ہدایت کے مطابق ایک کھلی چھت والی کار میں نکلا تو اس کی اور سوسانہ کی نگرانی کرنے والوں نے پولیس کے اعلیٰ افسر کو اطلاع دی۔ اس افسر نے ایک فوجی افسر کو اطلاع دی کیونکہ روبوٹ کا معاملہ فوج کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں انسانی روبوٹ کو گھیرنے' پابند کرنے اور ان کی رہائش گاہ تک انہیں محدود رکھنے کے لئے فوجی جوان ہمیشہ مسلح اور مستعد رہتے تھے۔

نگرانی کرنے والوں نے بتایا کہ جرائیل جافہ کی طرف جارہا ہے۔ تل ابیب اور جافہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے شہر تھے۔ جافہ میں صنعتی ملیں اور فیکٹریاں تھیں۔ وہ سمجھ گئے کہ فرہاد کے چیلنج کے مطابق جرائیل کسی مل کو تباہ کرنے جارہا ہے۔ اس کی کار کے ڈیش بورڈ کے خانے میں وائرلیس رکھا ہوا تھا۔ اس وائرلیس کا سرخ بلب آن آف ہورہا تھا۔ جرائیل نے اسے آن کیا۔ ایک فوجی افسر کی آواز آرہی تھی "ہیلو' ہیلو' جرائیل! اپنی رہائش گاہ میں واپس جاؤ۔ تم جافہ کے مل ایریا میں داخل نہیں ہوسکو گے۔"

جرائیل نے جواب نہیں دیا۔ وائرلیس سیٹ کو آف کردیا۔ جب وہ جافہ کے صنعتی علاقے میں پہنچا تو دور دور تک فوجی جوان جدید ہتھیاروں کے ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سب اس پر حملہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ اپنے افسران کے حکم کے منتظر تھے۔

جرائیل نے ایک مل کے گیٹ کے سامنے کار روک دی۔ لیلیٰ نے کہا "کار سے باہر نکلو اور فوجیوں کے سامنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہوجاؤ۔ میں مل کے اندر پہنچتی ہوں۔"

ایک فوجی افسر نے للکارتے ہوئے کہا "جرائیل! بندوق کی دو چار گولیاں تم پر اثر نہیں کریں گی لیکن یہاں سیکڑوں رائفلیں اور اسٹین گنیں ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں گولیاں تمہیں چھلنی کردیں گی۔ زیادہ سے زیادہ مقدار میں تیزاب اسپرے کرنے کے انتظامات ہیں۔ سر سے پاؤں تک تمہارا گوشت گل جائے گا۔ خود اپنی جان کے دشمن نہ بنو۔ واپس چلے جاؤ۔"

وہ کار سے نکل کر باہر آیا۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا "اپنے جوانوں سے کہو' یہاں آکر میری اور کار کی تلاشی لیں اور اطمینان کرلیں کہ میں یہاں اپنے ساتھ تخریب کاری کا کوئی سامان نہیں لایا ہوں۔"

چار جوان اپنے افسر کے حکم سے اس کے پاس آئے۔ دو نے اس کی اور دو نے کار کی تلاشی لی۔ پھر انہوں نے افسر کے پاس آکر کہا "وہ نہتا ہے' اس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔"

افسر نے پوچھا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

جرائیل نے کہا "تم سب کو چشم دید گواہ بنانے آیا ہوں کہ اس مل کی تباہی کے وقت میں تمہارے سامنے نہتا کھڑا ہوا تھا اور میں نے مل کے احاطے میں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارے سامنے بے گناہ کھڑے رہو گے اور مل تباہ ہوجائے گی؟"

"جی ہاں' تباہی کا ذمے دار خود مل مالک ہے۔ ہمارے یہاں اسرائیل آنے سے پہلے ہی مالک نے اتنی بڑی مل کے خاص خاص حصوں میں ایسے طاقتور بم چھپا کر رکھ دئے تھے جو خفیہ سوئچ بورڈ سے منسلک ہیں۔ اس نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ مل میں ہونے والی جعل سازی کبھی پکڑی گئی تو وہ ثبوت باہر آنے سے پہلے ہی مل تباہ کردے گا۔ وہ ڈائری مل مالک کے بیڈ روم میں رکھی ہوئی ہے۔"

لیلیٰ مل مالک کے دماغ پر قبضہ جما چکی تھی اس نے سوئچ بورڈ کے ایک بٹن کو دبایا۔ مل کے ایک حصے میں بم کا زبردست دھماکا ہوا۔ اس حصے کی ہر چیز پرزے پرزے ہوکر فضا میں اڑنے لگی۔ مسلح فوجی اپنی پوزیشن چھوڑ کر مل کے احاطے سے دور بھاگنے لگے۔ یکے بعد دیگرے دھماکے ہورہے تھے۔ آگ کے شعلے آسمان کی طرف لپک رہے تھے۔ جرائیل اپنی جگہ دونوں ہاتھ اٹھائے اسی طرح کھڑا ہوا تھا۔ دھماکوں کے باعث مشینوں کے پرزے دور تک جارہے تھے' اس کے جسم پر بھی آکر لگ رہے تھے۔ گوشت اور کھال میں گھس رہے تھے۔ وہ دو انگلیاں اپنے جسم میں پیوست ہونے والے ان پرزوں کو نکال کر پھینکتا تھا' پھر ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوجاتا تھا۔

یہ جو کچھ ہورہا تھا اس کا منصوبہ میں نے اس وقت بنایا تھا جب یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسرائیلی مصنوعات پاکستان میں نام بدل کر نہیں آئیں گی۔ اگر کوئی چالاکی کی گئی تو یہودی صنعت کاروں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لیلیٰ اور سلمان نے مل مالک کے دماغ پر قبضہ جما کر خود اس کے ہی ہاتھوں سے وہ تمام بم خاص جگہوں پر چھپا کر رکھ دئے تھے۔ آج دشمنوں نے مجھے مجبور اور بے بس بنانے کے لئے میری بہن اور بچوں کو اغوا کیا تو میں نے انتقامی کارروائی کا یہ پہلا نمونہ پیش کردیا۔

یہ سب کچھ منصوبے کے مطابق ہوا تھا لیکن میری بہن شاہینہ کو اغوا کرکے انھوں نے مجھے کسی حد تک توڑ دیا تھا۔ اتنی بڑی دنیا میں وہی ایک ایسی بہن تھی جسے میں نے باپ بن کر گود میں کھلایا تھا۔ آج اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ پہلے شوہر مارا گیا پھر بچے اغوا ہوئے اور اب دشمن اسے بھی کہیں لے گئے تھے اور اس یقین کے ساتھ لے گئے تھے کہ میں اپنی بہن کی زندگی کبھی داؤ پر نہیں لگاؤں گا۔ مجھے ان کی شرائط کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔

یہ بڑی زبردست چال تھی۔ واقعی میں بہن کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھے ان سے بہن کا مطالبہ کرنے سے پہلے کوئی ایسا جوابی قدم اٹھانا تھا جس کے نتیجے میں وہ شاہینہ' ثمینہ اور کامران کو واپس کرنے پر مجبور ہوجاتے۔

میں نے سونیا کے پاس آکر اسے تمام روداد سنائی۔ اس نے سن کر ایک ہاتھ سے سر تھام لیا پھر کہا "یہ کیا ہوگیا فرہاد! وہ تو شاہینہ کو حاصل کرنے کے بعد فرعون بن جائیں گے۔"

"میں اسی لئے شاہینہ کا مطالبہ کرنے ان کے پاس نہیں جارہا ہوں۔ وہ سمجھ رہے ہیں ابھی مجھے اپنی بہن کے اغوا کا علم نہیں ہے۔ علم ہوگا تو میں ضرور ان کے پاس آؤں گا۔ جب تک وہ میرے مطالبے کا انتظار کررہے ہیں' تب تک ہمیں کچھ کر گزرنا چاہئے۔"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ تیزی سے سوچنے لگی پھر رک کر بولی۔ "فوراً کسی کو آلۂ کار بنا کر اسے شاہینہ کی کوٹھی کے اندر بھیجو۔ اس کے ذریعے شاہینہ' ثمینہ اور کامران کے بدن سے اترے ہوئے کپڑے منگواؤ' سلمان کو اپنے پاس بلاؤ۔ وہ یہ کام کرے گا۔ تم انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر کو دوست بناؤ یا آلۂ کار۔ اس کے ذریعے تین شکاری کتے حاصل کرو۔ ان تینوں کی اترن انہیں سنگھاؤ۔ وہ ضرور تمہیں اور پارس کو ان تینوں تک پہنچائیں گے۔"

اس نے بڑی تیزی سے سوچا تھا اور خوب سوچا تھا۔ شکاری کتوں کے ذریعے پہنچنے کی بات میرے دماغ میں بھی آسکتی تھی مگر پریشانی کے باعث میں ہر پہلو پر غور کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ یہ دشمنوں کی کامیابی تھی کہ وہ ایسی چالوں سے میرے ذہن کو متاثر اور مفلوج کررہے تھے۔

میں نے سلمان کے پاس آکر اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے کہا "آپ جلد از جلد کتوں کو شاہینہ بہن کی کوٹھی کے سامنے لائیں۔ اس کے سامنے والی کوٹھی مسٹر آنز ڈیسوزا کی ہے جہاں پارس کا قیام ہے۔ میں آنز ڈیسوزا کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے

شاہینہ کے گھر میں لے جاؤں گا اور ان تینوں کی اترن حاصل کرلوں گا۔"

میں نے انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر کے پاس آکر اسے مخاطب کیا۔ اسے دماغ میں اپنی موجودگی کا یقین دلایا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ "کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"

"نہیں' میں ایک معاملے میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔"

"میں حاضر ہوں۔ آپ کا کام کر کے مجھے خوشی ہوگی۔"

"اس معاملے کو خفیہ رکھنا ہوگا۔ مجھے تین جاسوس کتوں کی ضرورت ہے' جو بو سونگھ کر اپنے ٹارگٹ تک پہنچ جاتے ہیں۔"

"معاملہ کیا ہے؟"

"دشمنوں نے میری بہن اور دو جوان بچوں کو اغوا کیا ہے۔ ان تینوں کو لاہور شہر کے مضافاتی علاقوں میں کہیں چھپایا گیا ہے۔"

افسر نے کہا "میں سمجھ گیا۔ کیا ان تینوں کے بدن کی اترن ہے؟"

"جی ہاں' آپ کو گلبرگ کی ایک کوٹھی کے سامنے وہ کپڑے مل جائیں گے لیکن بڑی راز داری سے کتوں کو لے جا کر انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ آپ کے محکمے کے کسی بھی فرد کو یہ معلوم نہ ہو ورنہ دشمنوں کو خبر ہو جائے گی۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں مکمل راز داری سے کام کروں گا' آپ موجود رہیں اور گلبرگ کی کوٹھی تک مجھے گائیڈ کریں۔"

اسی وقت سلمان نے میرے پاس آکر کہا "فرہاد بھائی! آپ کوئی دوسری تدبیر آزمائیں۔ شکاری کتے کام نہیں آئیں گے۔"

میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"میں آنر ڈیسوزا کو بہن شاہینہ کی کوٹھی میں لے گیا تھا۔ اس کے ذریعے پتا چلا' تینوں کے باتھ روم میں جتنے اتارے ہوئے لباس تھے' انہیں پہلے ہی جلا کر راکھ کر دیا گیا ہے۔"

دشمنوں نے پھر مجھے بری طرح ناکام بنا دیا تھا۔ میں نے اعلیٰ افسر سے کہا "آپ کے تعاون کا شکریہ۔ دشمنوں نے وہ تمام کپڑے جلا دئے ہیں۔ آپ کے کتے کام نہیں آئیں گے۔ ہماری ملاقات پھر کبھی ہوگی۔ خدا حافظ۔"

میں سونیا کے پاس آیا۔ اسے دشمنوں کی تیزی اور چالاکی بتائی۔ اس نے کہا "میں بڑی دیر سے ہر پہلو پر غور کر رہی ہوں۔ طرح طرح کی تدبیر سوچ رہی ہوں لیکن کسی تدبیر پر عمل کرنے سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اس بار یہودیوں نے ہمیں بری طرح جکڑ لیا ہے اور یہ سب کچھ گولڈن برینز کی ذہانت اور چالبازیوں سے ہو رہا ہے۔"

"میں پہلے ایسے ہی کسی برے وقت کے متعلق سوچتا تھا اور شاہینہ سے دور رہتا تھا تاکہ دشمن بہن کے رشتے کو میری کمزوری کبھی نہ بنائیں' آج وہ یہی کر رہے ہیں۔"

میں کہتے کہتے رک گیا۔ سانس بھی روک لی۔ پرائی سوچ کی لہر محسوس ہوئی تھی۔ پھر میں نے سانس لی تو اسی سوچ نے "شاہینہ۔"

میں نے پھر سانس روک لی۔ اس کے بعد سونیا سے با... چاہتا تھا۔ پھر ایک سوچ کی لہر نے کہا "شاہینہ۔"

دشمن کو اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ... جانتے تھے کہ میں بہن کا نام سنتے ہی اس کے پاس جاؤں گا ... کے اغوا کا علم ہو جائے گا۔

اور واقعی اب میں انجان بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں ... کے پاس آیا۔ وہ ہوش میں تھی اور رو رہی تھی۔ اس کی ... بتایا کہ اس کے دماغ میں کسی نے آکر کہہ دیا تھا کہ ثمینہ اور ... بھی اغوا کئے گئے ہیں اور اب اس کا بھائی فرہاد ان میں سے ... زندہ سلامت واپس نہیں لے جا سکے گا۔

میں نے مزید معلوم کیا۔ وہ گہری تاریکی میں فرش پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ دونوں ... کو بھی رسیوں سے باندھا گیا تھا اور منہ پر ٹیپ چپکا دیا گیا ... کسی کو مدد کے لئے نہیں پکار سکتی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا "شاہینہ! میں تمہارا بھا... ہوں۔"

وہ روتے روتے چونک گئی۔ سر اٹھا کر تاریکی میں گھور... بولی "بھائی جان! میری ثمینہ اور کامران کو بچائیں۔ مجھے بتائیں وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"

"خدا نے چاہا تو وہ خیریت سے ہوں گے۔ میں ابھی ... پاس جا کر آتا ہوں۔ تم آنسو نہ بہاؤ' حوصلے سے کام لو۔"

"میرے آنسو تھم جائیں گے۔ آپ بچوں کے بار... اچھی خبر سنائیں۔"

"میں ابھی آتا ہوں۔"

میں ثمینہ کے پاس آیا۔ وہ اور کامران ہوش میں آ... دونوں بھی رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھو... بندھی ہوئی تھیں اور منہ پر ٹیپ لگے ہوئے تھے۔ وہ بڑ... سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ماموں کو خبر... دشمنوں کو سخت سزائیں دے کر انہیں قید سے نکال لے... گے۔

مجھے ندامت سی ہوئی۔ دونوں بچوں کو مخاطب کرنے... نہیں ہوا۔ میں نے ایک اسرائیلی حاکم کے پاس آکر غصے... "کیوں میرے قہر و غضب کو بھڑکا رہے ہو۔ میری بہن اور... فوراً رہا کرو۔ ورنہ میں...."

وہ بات کاٹ کر بولا "ورنہ تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ ... سے سر ٹکرا کر مر جاؤ گے۔ تمہارے جیسے لوگوں کو ہی اکڑنے... کہتے ہیں کہ رسی جل گئی پر بل نہیں گئے۔"

"میں ابھی جلا نہیں ہوں۔ باقی ہوں۔ ابھی ایک ل... کی...

...نمونہ پیش کیا تھا۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تینوں کو فوراً رہا نہ کیا گیا ...میں مملکتِ اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

"فرہاد! ہمیں دھمکیاں نہ دو۔ اب تمہارا مقدمہ گولڈن برینز ...کی عدالت میں ہے۔ تم دیکھ رہے ہو میں کمپیوٹر اور ٹی وی کے ...سامنے ہوں۔ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ آؤ میں تمہیں گولڈن برینز ...کی عدالت میں لے چلتا ہوں۔"

اس نے ٹی وی کو آن کیا۔ پھر کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے لگا۔ ...سکرین پر تحریر ابھرنے لگی "اٹینشن گولڈن برینز! فرہاد حاضر ہے"۔

وہ تحریر مٹ گئی۔ پھر گولڈن برینز کی طرف سے تحریر ابھرنے ...لی۔ اسکرین پر لکھا ہوا تھا "اونٹ ایک دن پہاڑ کے نیچے آتا ہے ...خر آج آ ہی گیا۔ تم نے اپنی بہن کے دروازے پر ایک عدالت ...قائم کی تھی' ایک عدالت ہماری بھی ہے۔ اس عدالت میں ...ہمارے خلاف بے شمار الزامات ہیں۔"

وہ تحریر مٹنے لگی' دوسری تحریر ابھرنے لگی "تم نے ہماری پہلی ...لی چیتی جاننے والی شیبا کو اغوا کیا۔ اسے محبت کا فریب دیا اور اس ...کی موت کا سبب بن گئے۔ تم نے ہمارے پیشوا اپنی اسفندیار کو بھی ...مار ڈالا اور چار گولڈن برینز کو بھی بیدردی سے قتل کیا۔"

تیسری تحریر اسکرین پر نظر آئی "یہ تو چند بڑے بڑے کیس ہیں ...جن کے تم مجرم ہو۔ ان کے علاوہ پچھلے پچیس برسوں میں تم یا ...تمہارے لوگ یہاں آتے رہے' ہمیں بھاری نقصانات پہنچاتے ...رہے اور بے شمار جرائم کے مرتکب ہوتے رہے۔"

یہ تحریر مٹ گئی۔ چوتھی تحریر نظر آئی "تمہارا تازہ ترین جرم ...ہے کہ تم ہمارے ایجنٹوں کو قتل کر رہے ہو اور ہماری صنعتوں کو تباہ کر دینا چاہتے ہو۔ راجا صفدر علی' جان شیرباز کے بعد چوہدری حاکم علی حاکم کے پیچھے پڑ گئے ہو اور ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ہمارے ملک کی ایک بہت بڑی مل کو تباہ کر دیا ہے۔

"بس بہت ہو چکا۔ اس کے بعد اب کچھ نہیں کر سکو گے۔ اگر اب بھی دعویٰ ہے کہ کچھ کر سکتے ہو تو ضرور کر گزرنا لیکن پہلے ایک تماشا دیکھو۔ ہم ابھی دکھائیں گے۔ اسے دیکھ کر تم ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دو گے۔ اس تماشے سے پہلے ہماری چند شرائط سن لو۔

"جب تمہیں یقین ہو جائے کہ تم ہمارے سامنے مفلوج ہو چکے ہو تو پہلی شرط یہ ہوگی کہ اپنے دونوں روبوٹس کو یہاں سے لے جاؤ۔ دوسری شرط یہ کہ فوراً پاکستان سے نکل جاؤ۔ تیسری شرط ہوگی کہ تم تمہارے دونوں بیٹے' سونیا اور تمہارے خیال خوانی کرنے والے کبھی ہمارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے اور آخری شرط یہ کہ تم خیال خوانی چھوڑ دو گے اور سونیا کے ساتھ گوشہ نشین ہو جاؤ گے۔ کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

وہ اسرائیلی حاکم میرا جواب کمپیوٹر کے ذریعے پہنچانے لگا۔ میں نے کہا "تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں۔ عارضی کامیابی کے نشے میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھنا ورنہ پچھتانے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ میری بہن اور دونوں بچوں کو زندہ سلامت رکھنا' خدانخواستہ ان کی جان کو کچھ ہوا تو تمہارے ملک کو دنیا کے نقشے سے مٹا دوں گا۔"

گولڈن برینز کی طرف سے تحریر ابھری "تمہاری نصیحت بھی پڑھ لی اور تمہاری بچکانہ دھمکی بھی۔ اب ہماری عدالت جس فیصلے

پر عمل کر رہی ہے" اسے دیکھنے کے لئے ثمینہ کے پاس جاؤ۔ ڈیش آل۔"

اسکرین سادہ ہوگیا۔ میں فوراً ہی ثمینہ کے پاس آیا۔ وہ کسی گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اس لئے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا' بول نہیں سکتی تھی۔ کانوں میں روئی ٹھونس دی گئی تھی' وہ گاڑی سے باہر کی آواز نہیں سن سکتی تھی۔

میں نے کہا "بیٹی! حوصلہ رکھو۔ میں تمہارے پاس ہوں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے محسوس کیا' وہ میری سوچ کی لہروں کو نہیں سن رہی ہے۔ میں نے پوچھا "کیا تم میری باتیں سن رہی ہو؟"

وہ خاموش رہی۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمن خیال خوانی کرنے والوں نے بری طرح اس کے دماغ کو جکڑ لیا تھا۔ اس طرح قبضہ جمایا تھا کہ میں نے اس کی تھوڑی سی سوچ پڑھ کر اس کی موجودہ حالت کو سمجھا تھا۔ پھر اس کی سوچ کی وہ کمزور لہریں بھی خاموش ہوگئی تھیں۔

ابھی میں اس کی دماغی حالت کو سمجھ ہی رہا تھا کہ اس نے سانس روک لی۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا' ثمینہ سانس روکنے کے عمل سے واقف نہیں ہے' دشمن خیال خوانی کرنے والوں نے مجھے اس کے دماغ سے نکالنے کے لئے ایسا کیا تھا۔

میں نے اسرائیلی حاکم کے پاس آکر پوچھا "وہ لوگ ثمینہ کو کہاں لے جارہے ہیں؟"

اس نے کہا "میں نہیں جانتا۔ ابھی گولڈن برینز سے معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے ٹی وی کو آن کیا۔ پھر کمپیوٹر کو آپریٹ کیا' اسکرین پر تحریر نظر آئی "اٹینشن گولڈن برینز! فرہاد پوچھ رہا ہے' ثمینہ کو وہ لوگ کہاں لے جارہے ہیں؟"

وہ تحریر مٹ گئی۔ گولڈن برینز کی جوابی تحریر نظر آئی "ہم بتائیں گے تو فرہاد کو یقین نہیں آئے گا۔ پھر بھی بتادیتے ہیں۔ ثمینہ کو اس کے گھر پہنچایا جارہا ہے۔"

میں نے پوچھا "میں کیسے یقین کروں؟"

میرا سوال اسکرین پر دکھائی دیا۔ ادھر سے جواب ملا "تم لاہور میں ہو۔ بہن کے گھر جاؤ اور آنکھوں سے دیکھو۔ ثمینہ وہاں پہنچنے والی ہے لیکن تم اس کے دماغ میں نہیں پہنچ پاؤ گے۔ ڈیش آل۔"

اسکرین سادہ ہوگیا۔ میں وہاں سے آنر ڈیسوزا کے دماغ میں آگیا۔ میں اسی کے ذریعے دیکھ سکتا تھا کہ دشمن کس حد تک سچ بول رہے ہیں۔ میں ڈیسوزا کو کوٹھی سے باہر لایا اور اس کے ذریعے دائیں بائیں دور تک دیکھنے لگا۔

کبھی کبھی کوئی گاڑی نظر آتی تھی پھر شاہینہ کی کوٹھی کے سامنے سے گزر جاتی تھی۔ پتا نہیں ثمینہ کو کس گاڑی میں بٹھایا تھا۔ اسے گھر پہنچتے دیکھ کر اطمینان ہوتا تو میں شاہینہ کو یہ خوش خبری سنا سکتا تھا۔

اگرچہ دشمنوں سے ایسی مہربانی کی امید نہیں تھی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ مجھے پھانسنے کے لئے ثمینہ کو وہاں لا رہے ہیں تاکہ میں خود اسے دیکھنے آؤں۔ اسی لئے انہوں نے مجھے اس کے دماغ سے نکال دیا تھا۔

بڑے انتظار کے بعد ایک گزرنے والی گاڑی شاہینہ کی کوٹھی کے سامنے چند سیکنڈ کے لئے رکی۔ اس کا سائیڈ کا دروازہ کھلا' ثمینہ کو دھکا دے کر باہر پھینکا گیا۔ پھر گاڑی تیزی سے آگے چلی گئی۔

میں نے ڈیسوزا کو اس کی طرف دوڑایا' اس کی زبان سے کہا "میری بیٹی ثمینہ! کامران کہاں ہے؟"

وہ اچانک ڈیسوزا کو ریوالور کے نشانے پر رکھتے ہوئے بولی "خبردار! آگے نہ بڑھنا۔ گولی ماردوں گی۔"

میں نے ڈیسوزا کو روک دیا۔ دشمنوں نے اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی تھی۔ اسے آزاد کردیا تھا اور اسے ایک ریوالور دے دیا تھا۔ وہ ہاتھ میں ریوالور لئے دوڑتی ہوئی اپنی کوٹھی کے احاطے میں آئی پھر پلٹ کر ڈیسوزا کو دیکھتے ہوئے بولی "فرہاد تیمور! میں تم سے مخاطب ہوں۔"

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھیننے کے لئے اس کے دماغ میں جانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میری سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔

وہ بول رہی تھی "تم نے ہم یہودیوں کے خلاف اپنی بہن کے دروازے پر عدالت قائم کی تھی۔ ہمارے ایجنٹ راجا صفدر جان شیراز اور راجا صفدر کے جوان بیٹے کو اسی عدالت میں مارا تھا۔ آج اسی عدالت میں' تمہاری بہن کے دروازے پر تمہاری بہن کی بیٹی کو سزائے موت دی جارہی ہے۔"

ثمینہ نے ریوالور کی نال کو اپنی کنپٹی سے لگایا۔ میں نے پھر اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ وہ بولی "یہ ہمارے انتقام کا پہلا نمونہ ہے۔ اگر تم نے ہمارے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے' ہماری شرائط پر عمل نہ کیا تو اس کے بعد کامران اور کامران کی ماں تمہاری بہن اپنے ہی دروازے پر ماری جائے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے ٹریگر دبادیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ میں ایک دم سے چیخ پڑا۔ جس کے دماغ میں تھا وہاں کی دیوار سے سر ٹکرانے لگا۔

"ہائے میری بہنا! میں تجھے کیا منہ دکھاؤں گا۔"

میں نے زندگی میں کئی بار زبردست ٹھوکریں کھائیں۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ دشمنوں کو مجبور اور بے بس سمجھ کر دھوکا کھایا اور ان کے مقابلے میں بری طرح شکست کھائی' اور یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب ایک دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والی نے مجھے گولی ماردی تھی اور میری موت یقینی ہوگئی تھی۔ اگر مجھے فوری طور پر باباصاحب کے آپریشن تھیٹر میں نہ پہنچایا جاتا تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔

اگر میرے مقدر میں کامیابی اور کامرانی ہے تو ناکامی اور شکست بھی ہے لیکن ایسی ناقابلِ برداشت شکست کبھی نہیں کھائی جیسی یہودیوں نے مجھے دی تھی۔ انہوں نے میری ہی بہن کے دروازے پر میری بہن کی بیٹی ثمینہ کو خودکشی پر مجبور کیا تھا اور میں انتہائی بے بسی سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں نے دیوار سے سر ٹکرایا۔ ایک بار نہیں کئی بار ٹکرایا۔ میرے حلق سے چیخیں نکلنا چاہتی تھیں۔ رونا اور چیخنا کمزوری کی علامت ہے اور مردانگی کے خلاف ہے۔ میں نے چیخوں کو اپنے اندر کچل دیا۔ البتہ سر ٹکرانے سے باز نہ آیا۔ ایسا شدید غصے میں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندر کا غبار نکل گیا۔ میں لڑکھڑا کر مسہری پر گر پڑا۔ تکئے پر لہو کے دھبے دیکھ کر پتا چلا' پیشانی سے خون بہہ رہا ہے۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ یہ بات بروقت سمجھ میں آگئی کہ خود کو غصے میں زیادہ زخمی کروں گا تو سانس روکنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ یہ بھی خیال تھا کہ پارس ملتان روڈ پر ثمینہ اور کامران کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ اس بار باپ کے ساتھ بیٹا بھی ناکام رہا تھا۔

میں نے سانس روک لی' پرائی سوچ کی لہریں محسوس ہوئی تھیں۔ ہوسکتا ہے' میرے اپنوں میں سے کوئی مجھ سے رابطہ کرنا چاہتا ہو لیکن دشمن بھی ہوسکتے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ انہوں نے جو انتقامی کارروائی کی ہے۔ میری بھانجی کو مار ڈالا ہے تو مجھ پر اس کا ردِعمل کیا ہورہا ہے۔

دوسری بار بھی میں نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ لیکن سانس روکنے سے پہلے سلمان نے کوڈ ورڈز ادا کئے۔ اسے پہچاننے کے باوجود میں نے سانس روک لی۔ وہ چلا گیا۔ میں نے اس کے دماغ میں جاکر کوڈ ورڈز ادا کئے پھر کہا "اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں سے کہہ دو۔ کوئی میرے دماغ میں نہ آئے۔ ورنہ ہماری گفتگو کے دوران دشمنوں کو میرے اندر چھپ کر رہنے کا موقع مل جائے گا۔ پھر اندر پہنچ کر میرے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے صرف اتنا بتادیں' کیا آپ کی بھانجی ثمینہ کو قتل کیا گیا ہے؟"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ایک اسرائیلی حاکم نے فاتحانہ انداز میں جناب علی اسد اللہ تبریزی کو فون پر اطلاع دی ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے' تم لوگ محتاط رہو۔ ایک دوسرے کے دماغ میں زیادہ دیر رہ کر دشمنوں کو اور موقع نہ دو۔ خدا حافظ۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ میرے سر میں درد ہورہا تھا۔ میں فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر آئینے کے سامنے آیا۔ پیشانی اور چہرے سے لہو پونچھ کر زخم کو صاف کیا پھر دوا لگا کر کراس پٹی چپکادی۔ مجھے یہ خیال ستا رہا تھا کہ اپنی بہن کو ثمینہ کی موت کی اطلاع کیسے دوں گا۔ جب میرا دل ٹکڑے ہورہا تھا تو بہن کی کیا حالت ہوگی۔

ویسے یہ دردناک اطلاع دوں یا نہ دوں اس کے پاس جانا ضروری تھا۔ وہ اور کامران دشمنوں کی قید میں تھے۔ جب میں پچھلی بار شاہینہ کے پاس گیا تو وہ ہوش میں تھی لیکن کسی تاریک چار دیواری میں تھی۔ اس نے رو رو کر مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کے بچوں کی حفاظت کروں۔ میں نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور ناکام رہا تھا۔

آخر میں نے دل کڑا کرکے خیال خوانی کی پرواز کی۔ شاہینہ کے دماغ میں پہنچا پھر واپس آگیا۔ وہ بیہوش تھی۔ پتا نہیں دشمنوں نے اسے کیوں ہوش سے بیگانہ کردیا تھا۔ اس کا بیٹا یعنی میرا بھانجا کامران بھی کہیں بے ہوش پڑا تھا۔

فی الحال دشمنوں کی یہی چال سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ شاہینہ اور کامران کو اغوا کرکے اس شہر سے یا اس ملک سے دور کہیں لے جارہے تھے۔ انہیں اس لئے بے ہوش کردیا تھا کہ ہم ان کے دماغوں میں رہ کر ان راستوں کو معلوم نہ کرسکیں جہاں سے وہ لے جائے جارہے تھے۔ پتا نہیں انہیں کہاں پہنچایا جارہا تھا۔ اگر دشمن انہیں ملک سے باہر لے جارہے تھے تو سب سے قریب ترین ملک ہندوستان تھا اور ہندوستان سے یہودیوں کے تعلقات بڑے دوستانہ تھے۔

گولڈن برینز نے دھمکی دی تھی کہ پہلے ثمینہ کو قتل کیا گیا ہے۔ اگر میں پاکستان سے واپس نہ گیا اور یہودی ایجنٹوں کے لئے پاکستان میں مصیبت بنتا رہا تو وہ ثمینہ کے بعد کامران کو ختم کردیں گے۔ اس کے بعد بھی میں نے ان کی شرائط پر عمل نہ کیا تو وہ میری بہن شاہینہ کو بیدردی سے قتل کردیں گے۔

میری بہت بڑی کمزوری ان کے ہاتھ آگئی تھی۔ اتنی بڑی دنیا میں وہی ایک بہن تھی جسے میں نے بیٹی کی طرح گود میں کھلایا تھا۔ انہوں نے اسے چھین کر جیسے میرے اندر سے کلیجا نکال لیا تھا۔ یہ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔ مجھے اس نتیجے پر پہنچنا تھا کہ بھانجے اور بہن کو بھی قربان کردوں یا یہودیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دوں؟

اگر میں ان کی شرائط مان لیتا' پاکستان چھوڑ دیتا۔ سوسانہ اور جرائل گرانٹ کو اسرائیل سے واپس بلالیتا اور پاکستان کو یہودیوں کی تجارتی منڈی بننے دیتا تو وہ میرے بھانجے اور بہن کو قتل نہ

کرتے۔انہیں زندہ رہنے دیتے لیکن اپنی قید سے رہا نہ کرتے۔ میری بہن کو ہمیشہ میری کمزوری بنا کر اپنی قید میں ایسی جگہ رکھتے' جہاں میں کبھی پہنچ نہ پاتا۔

میں نے سونیا کو مخاطب کیا' وہ بولی "مجھے افسوس ہے فرہاد! انہوں نے معصوم ثمینہ کی زندگی چھین لی۔ ابھی سلمان نے بتایا ہے کہ کامران اور شاہینہ بے ہوش ہیں۔ دشمنوں نے انہیں دوسری بار بے ہوش کیا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد ہوگا۔"

"شاید وہ ماں بیٹے کو ملک سے باہر لے جارہے ہیں۔ ان کی بے ہوشی کے باعث ہم معلوم نہیں کرسکتے کہ انہیں کہاں لے جایا جارہا ہے؟"

"یہ ہمارے لئے برا ہورہا ہے۔ وہ شاہینہ کو ہمارے خلاف زبردست مہرہ بنا کر رکھیں گے۔ جب تک ہم شاہینہ اور کامران کو رہائی نہیں دلائیں گے تب تک ہمیں یہودیوں کے اشاروں پر ناچنا ہوگا۔"

"تم کیا کہتی ہو؟"

"فی الحال ہم خاموشی اختیار کریں۔ یہودیوں سے رابطہ نہ کریں۔ کوئی دماغی رابطہ کرنا چاہے تو ہم سانس روک لیں۔ اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں سے کہہ دو کہ بارہ گھنٹے تک آپس میں بھی خیال خوانی نہ کریں۔ تم سب میرے پاس بھی نہ آؤ۔ ورنہ دشمنوں کو ہمارے اندر آکر خاموشی سے ہماری گفتگو سننے کا موقع مل جائے گا۔"

"لیکن بارہ گھنٹے کے اندر مجھے اپنوں میں سے کسی کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

"کوئی بھی ضرورت ہو تو جناب علی اسد اللہ تبریزی صاحب سے رابطہ کرو اور ان کے پاس ضروری پیغام چھوڑ دو۔"

میں نے اس سے رابطہ ختم کردیا۔ سونیا کے مشورے سے یہ بوجھ ہلکا ہوا کہ ابھی یہودیوں سے بحث و تکرار نہیں ہوگی۔ اگر وہ اپنی شرائط منوانے کے لئے ہم میں سے کسی کے دماغ میں بھی آئیں گے تو ہم سب سانس روک لیں گے۔ یوں جب تک میری ہاں یا نہ کا جواب نہیں ملے گا تب تک وہ کامران اور شاہینہ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں قتل کرنے کے لئے کم از کم بارہ یا چوبیس گھنٹوں تک انتظار کریں گے۔

میں پارس کے پاس پہنچا تاکہ اسے بتادوں' ثمینہ پر کیا گزری ہے اور آئندہ اس کی پھوپی اور پھوپی زاد بھائی پر کیا گزرنے والی ہے۔ جب وہ ملتان روڈ پر ٹھوکر کی طرف جاتے ہوئے دشمنوں کو تلاش کررہا تھا تب میں نے اسے ایک گاڑی کا رنگ اور نمبر بتائے تھے۔ وہ اس گاڑی کو تقریباً ایک گھنٹے تک تلاش کرتا رہا مگر ناکام رہا۔ دو سو کلو میٹر تک جانے کے باوجود وہ گاڑی نظر نہیں آئی تو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ دشمن پیچھے کسی آبادی میں رہ گئے ہیں یا کسی کچے راستے پر مڑ گئے ہیں۔

وہ واپسی پر چھوٹی بڑی آبادیوں میں جاکر ڈھونڈنے لگا۔ ایک جگہ دور درختوں کے پیچھے ایک گودام نما بڑی سی چار دیواری نظر آئی۔ ذرا قریب جانے پر اسی رنگ اور نمبر کی گاڑی نظر آگئی۔ اس نے ایک جھاڑی کے پیچھے اپنی کار کھڑی کی پھر چھپتا ہوا گودام کی طرف جانے لگا۔

ایسے ہی وقت ایک ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ گودام کے پیچھے کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ فصل کٹ چکی تھی اس لئے وہ کھیت دور تک وسیع و عریض میدان ہوگئے تھے۔ کہیں دور سے آنے والا ہیلی کاپٹر اس میدان میں اتر رہا تھا۔ گودام سے تین آدمی باہر آکر ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہے تھے۔ پارس ان کے پیچھے ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا ہوگیا تھا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "یہ وقت سے پہلے چلا آیا ہے۔ وہ عورت تنویمی نیند سو رہی ہے اور اس کے بیٹے پر تنویمی عمل ہورہا ہے۔"

"کیا تمہارے دماغ میں وہ بول رہی ہے؟"

"ہاں' میڈم مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ ہیلی کاپٹر والوں کو آدھے گھنٹے تک روکا جائے۔"

پارس نے سمجھ لیا کہ شاہینہ یا ثمینہ پر تنویمی عمل ہوچکا ہے چونکہ اس شخص نے عورت سے کہا تھا اس لئے وہ شاہینہ ہوسکتی تھی۔ پھر یہ بھی کہا تھا کہ اس کے بیٹے پر عمل ہورہا ہے یعنی کامران بھی وہاں تھا۔

مشکل یہ تھی کہ وہ دونوں اپنی رہائی کے لئے پارس کے ساتھ تعاون نہیں کرسکتے تھے۔ وہاں غافل پڑے ہوئے تھے۔ وہ دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے ماں بیٹے کو اپنی کار تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ گودام کے اندر کچھ اور لوگ تھے۔ پھر ہیلی کاپٹر کے ذریعے آنے والوں نے تعداد میں اضافہ کردیا تھا۔

وہ دیوار کی آڑ سے نکل کر دوسری طرف جانا چاہتا تھا اسی وقت میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا "یہاں پھوپی اور کامران ہیں۔ دشمنوں کی تعداد کافی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی خیال خوانی کرنے والی ایک شخص کے دماغ میں رہ کر انہیں گائیڈ کرتی ہے۔ کوئی دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا کامران پر عمل کررہا ہے اور پھوپی پر تنویمی عمل ہوچکا ہے۔"

میں نے کہا "بیٹے! بدبخت یہودیوں نے ثمینہ کو مار ڈالا ہے' مجھے بہن کے سامنے بڑی شرمندگی ہوگی۔ اب ان دونوں کو ہر حال میں یہاں سے زندہ سلامت لے جانا ہوگا۔"

کوئی شخص ہیلی کاپٹر سے اتر کر گودام کی طرف آرہا تھا' میں نے کہا "وہ جو آرہا ہے' وہ گودام کے لوگوں سے باتیں کرے گا۔ ان کے اندر رہنے والی اس آنے والے کے دماغ میں جائے گی۔ تم ان کی باتیں سنو تاکہ میں بھی اس کے دماغ میں پہنچ سکوں۔"

پارس وہاں چھپا رہا۔ ہیلی کاپٹر سے آنے والے نے ایک شخص سے مصافحہ کرتے ہوئے کوڈ ورڈز ادا کئے "میں گلاب کے دیس سے آیا ہوں۔ چنبیلی کا پھول لے جاؤں گا۔"

ہندوستان کا قومی پھول گلاب ہے اور پاکستان کا قومی پھول چنبیلی۔ یہ واضح ہوگیا کہ وہ ہیلی کاپٹر ہندوستان سے آیا ہے اور اس میں شاہینہ اور کامران کو لے جایا جائے گا۔ گودام کے ایک شخص نے کہا "چنبیلی سو رہی ہے' اس کے بیٹے پر عمل کیا جارہا ہے۔ کم از کم آدھا گھنٹا انتظار کرنا ہوگا۔"

آنے والے نے کہا "میں ریٹائرڈ میجر کے ورما ہوں۔ یہاں ہماری پرواز غیر قانونی ہے۔ آدھا گھنٹا بہت ہوتا ہے۔ ہم خطرات میں گھر سکتے ہیں۔ پلیز جلدی کرو۔"

میں میجر کے ورما کے اندر پہنچ گیا تھا۔ ایک دشمن خیال خوانی کرنے والی کہہ رہی تھی "میجر! ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں دو ٹیلی پیتھی جاننے والے تمہاری مدد کے لئے موجود ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا "مجھے بتایا گیا تھا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے مجھ سے دماغی رابطہ قائم کریں گے۔ میں تمہاری آمد سے مطمئن ہوں۔ پھر بھی یہاں کے سراغ رسانوں سے ٹکرائے بغیر جلد سے جلد چلے جانا دانشمندی ہوگی۔"

"میں پوری کوشش کررہی ہوں۔ ذرا انتظار کرو۔ ابھی آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے اس کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا۔ وہ ایسا ہیلی کاپٹر لایا تھا کہ پاکستان میں پکڑا جاتا تو یہ ثابت نہ ہوتا کہ وہ بھارت سے آیا ہے۔ کے ورما کا تعلق اب وہاں کی فوج سے نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو مسلح محافظ اور ایک پائلٹ تھا اور وہ سب غیر فوجی تھے۔

ریٹائرڈ میجر کے ورما نے پیچھے آنے والے ایک مسلح گارڈ سے کہا "پائلٹ سے جاکر کہہ دو' ذرا دیر لگے گی۔"

گارڈ نے کہا "سر! پائلٹ بہت گھبرایا ہوا ہے۔"

وہ بولا "نان سنس! اسے حوصلہ دو اور بتاؤ کہ ہمارے ساتھ ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود ہیں' گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ جانے لگا' میں نے پارس سے کہا "کسی طرح ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچو۔ میں مسلح گارڈ کو ٹریپ کررہا ہوں۔"

پھر میں نے سلمان اور سلطانہ کے لئے جناب علی اسد اللہ تبریزی صاحب کو پیغام دیا کہ شاہینہ اور کامران تنویمی نیند میں ہیں۔ نیند پوری ہونے سے پہلے انہیں ٹرانس میں لایا جاسکتا ہے اور دشمنوں کے تنویمی عمل کا توڑ کیا جاسکتا ہے۔ یہ جلد سے جلد کیا جائے۔

انہوں نے فرمایا "بیٹے! اللہ نے چاہا تو دشمنوں کے عمل کا توڑ ہوجائے گا' تم اپنا کام کرو۔"

میں نے پارس کے پاس آکر کہا "رک جاؤ' ہیلی کاپٹر کی طرف نہ جاؤ۔ تمہاری پھوپی اور کامران پر تنویمی عمل کا توڑ ہونے والا ہے۔ اس عمل کے دوران کسی کو ان کے قریب جانے نہ دو۔ گودام کے اندر پہنچو۔"

وہ پھر گودام کی طرف جانے لگا۔ میں نے ایک شخص کے ذریعے گودام کے مزید تین آدمیوں کے دماغوں میں جگہ بنائی پھر مسلح گارڈ کے پاس پہنچا۔ وہ پائلٹ کو تسلیاں دے رہا تھا اور پائلٹ پریشان ہوکر کہہ رہا تھا "ہماری کمپنی کے مالک کو اگر معلوم ہوگا کہ میں ایک ریٹائرڈ میجر کے کہنے سے غیر قانونی پرواز کے لئے ہیلی کاپٹر لے آیا ہوں تو میری نوکری چلی جائے گی' وہ مجھے جیل پہنچا دے گا۔ یہاں کوئی گڑبڑ ہوگئی تو میجر کیا کرے گا؟ میں نہیں جانتا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے کتنے پاور والے ہوتے ہیں۔"

میں مسلح گارڈ کو ہیلی کاپٹر سے اتار کر نیچے لایا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق نیچے آکر پٹرول کی ٹنکی کا ڈھکن کھول دیا۔ جیب سے رومال نکال کر اسے ٹنکی میں ڈال کر پوری طرح بھگویا پھر پٹرول سے بھیگے ہوئے آدھے رومال کو ٹنکی کے اندر اور آدھے رومال کو ٹنکی سے باہر رکھا اس کے بعد لائٹر کو سلگایا۔

آگ رومال میں لگی۔ پھر اس کے شعلے لپکتے ہوئے ٹنکی کے اندر گئے۔ گودام کے دروازے پر چار افراد کھڑے باتیں کررہے تھے۔ یکبارگی قیامت کا دھماکا ہوا۔ چاروں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ اچھل کر زمین پر گر پڑے۔ ہیلی کاپٹر کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ شعلے آسمان کی طرف جارہے تھے اور اس کے ٹکڑے گودام کی طرف آرہے تھے۔ ان میں مسلح گارڈز اور پائلٹ کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔ میں نے کے ورما کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اس نے ریوالور نکال کر پہلے اس شخص کو گولی ماری جس کے دماغ میں کوئی خیال خوانی کرنے والی آتی تھی۔ پھر اس نے دوسرے پر فائر کیا۔ تیسرے نے کے ورما کو شوٹ کرتے ہوئے کہا "پاگل ہوگیا ہے۔ دوست بن کر ہمیں مارنے آیا ہے۔"

میں نے تیسرے کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے پارس کی طرف دوڑایا پھر اس کی زبان سے کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں' یہ گن تمہارے لئے ہے۔"

اس نے دور سے گن اچھالی۔ پارس جہاں چھپا ہوا تھا وہاں قریب ایک اسٹریچر پر شاہینہ اور دوسرے اسٹریچر پر کامران تھا۔ دونوں غافل پڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص شاہینہ کا نشانہ لے رہا تھا۔ پارس نے اسے گولی ماردی۔ ادھر جو بھی آرہا' تھا پارس کی گولیوں سے چھلنی ہورہا تھا۔ یہودی خیال خوانی کرنے والوں کو یقین ہوگیا تھا کہ شاہینہ اور کامران ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔ اس لئے وہ ان دونوں کو ختم کردینا چاہتے تھے۔ اپنے آلۂ کاروں کے اندر رہ کر ان پر قاتلانہ حملے کررہے تھے اور اپنے ایک ایک آلۂ کار سے محروم ہوتے جارہے تھے۔

آخر میدان صاف ہوگیا' میں نے کہا "بیٹے! ابھی پھوپی اور کامران کو ہاتھ نہ لگانا۔ شاید سلمان اور سلطانہ ان پر عمل کررہے ہیں۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

میں نے سلمان کے پاس آکر کوڈ ورڈز ادا کئے پھر پوچھا "کیا شاہینہ اور کامران پر عمل ہورہا ہے؟"

اس نے کہا "ہم نے دشمنوں کے تنویمی عمل کا توڑ کردیا

ہے۔اس کے بعد ہم ان کے دماغوں میں یہ نقش کرنا چاہتے تھے کہ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کریں لیکن ہمیں اس کا موقع نہیں ملا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے آرہے تھے اور ان کی سانسیں روک کر انہیں مار ڈالنا چاہتے تھے۔میں کامران کے دماغ پر اور سلطانہ شاہینہ بہن کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔دشمن ٹھہر ٹھہر کر آرہے ہیں اور ناکام ہوکر جارہے ہیں۔"

"ان کی حفاظت کرتے رہو۔میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے پارس سے کہا "اپنی پھوپی اور کامران کو اٹھاکر کار میں لے جاؤ۔ لیلیٰ تمہارے پاس رہے گی۔ کوئی گڑبڑ ہوگی تو مجھے اطلاع مل جائے گی۔"

میں نے لیلیٰ کو پارس کے پاس جانے کے لئے کہا پھر اسرائیل کے ایک اعلیٰ حاکم کو مخاطب کیا "تم لوگوں نے میری بھانجی کو قتل کرکے ایک کمینگی دکھادی۔اب میری انتقامی کارروائی کے لئے سنبھل جاؤ۔ ایک لحہ بھی ضائع کئے بغیر گولڈن برینز سے رابطہ کراؤ۔"

اس نے رابطہ کیا۔ کمپیوٹر کے ذریعے گولڈن برینز کی طرف سے اسکرین پر تحریر ابھری۔میں نے اعلیٰ حاکم کے ذریعے تحریر کو پڑھا۔ وہاں لکھا تھا "ہمیں اطلاع مل گئی ہے۔فرہاد نے اپنی بہن اور بھانجے کو ہمارے آدمیوں سے چھین لیا ہے۔اس سے کہہ دو' یہ عارضی کامیابی ہے۔اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے کب تک شاہینہ اور کامران کی حفاظت کریں گے۔ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہر دو منٹ کے بعد ان دونوں کے دماغوں میں جاتے رہیں گے۔فرہاد کی اتنی بڑی کمزوری کو ہم ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔"

میں نے کہا "جب تک دشمن میری بہن اور بھانجے کے دماغوں میں آتے رہیں گے' تب تک تمہارے ملک کی ایک ایک مِل اور فیکٹری تباہ ہوتی رہے گی۔ ایک نمونہ دیکھ لو' میں پھر آؤں گا۔"

ہم نے سوسانہ اور جبرائیل کو اسرائیل بھیجنے سے پہلے کئی ملوں اور فیکٹریوں کے مالکان کو دماغی طور پر اپنا آلۂ کار بنایا تھا اور ان کے ذریعے اُن کی ملوں میں کئی مقامات پر بم چھپاکر رکھ دیئے تھے۔ پچھلی بار اسی طریقۂ کار کے مطابق ایک بہت بڑی مل کو ہم نے تباہ کیا تھا۔ اس بار پھر ایک مل کی باری آئی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں کے بے گناہ مزدور مارے جائیں۔اس لئے میں نے مِل مالک کے ذریعے خطرے کا سائرن آن کرایا۔تمام مزدور مشینوں کو بند کرکے دوڑتے ہوئے مل سے باہر جانے لگے۔سیکیورٹی گارڈ خطرے کے متعلق معلوم کرنے کے لئے مالک کے دفتر کی طرف جارہے تھے' اسی وقت وہاں پہلا دھماکا ہوا۔جو باقی رہ گئے تھے وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے باہر دوڑتے ہوئے جانے لگے۔اس کے بعد وقفے وقفے سے دھماکے ہوتے چلے گئے۔

میں نے اعلیٰ حاکم کے ذریعے گولڈن برینز سے کہا "تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہر دو منٹ کے بعد میری بہن اور بھانجے کے دماغ میں جائیں گے اور میں ہر دو منٹ کے بعد ایک ایک مِل اور فیکٹری کو تباہ کرتا رہوں گا۔ اب بولو' یہ سودا منظور ہے؟"

اسکرین پر تحریر ابھری "یہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ہم اپنا چیلنج واپس لیتے ہیں۔ تمہاری بہن اور بھانجے کے دماغوں میں کوئی نہیں جائے گا۔"

میں نے پوچھا "اگر کوئی وہاں چھپ کر رہے گا تو؟"

"ہم وعدہ کرتے ہیں۔ کوئی وہاں چھپ کر بھی نہیں رہے گا۔"

میں نے واپس آکر سلمان کو تمام روداد سنائی۔وہ کامران کے دماغ میں تھا۔ میں نے کہا "اگر کوئی یہاں چھپا ہوا ہے تو گولڈن برینز کے پاس احکامات حاصل کرنے کے لئے جائے۔"

یہی بات میں نے سلطانہ کے دماغ میں آکر کہہ دی۔ اسے بھی تمام حالات بتادیئے۔وہ دونوں مطمئن ہوکر شاہینہ اور کامران کے دماغوں پر عمل کرنے لگے۔پارس ان ماں بیٹے کو گھر لے آیا تھا۔وہ دونوں آرام سے اپنے بیڈ پر تھے۔ لیلیٰ ان کے اندر آتی جاتی تھی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی تھی کہ دشمن خیال خوانی کرنے والے توڑنہ کر رہے ہوں۔

اس کوٹھی کے سامنے احاطے کے اندر ثمینہ کی جو لاش پڑی ہوئی تھی اسے پولیس والے لے گئے تھے۔ پڑوسیوں نے بتایا تھا کہ وہ فرہاد علی تیمور کی بھانجی کی لاش ہے۔ پولیس افسران میرا انتظار کررہے تھے۔میں نے ایک افسر کے اندر آکر کہا "میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ میری بہن کی کوٹھی کے سامنے مسٹر آنرڈیسوزا رہتے ہیں۔ان کا بیٹا پیٹر ڈیسوزا آپ کے پاس آرہا ہے۔لاش اُس کے سپرد کردیں۔"

پارس وہ لاش گھر لے آیا۔ پڑوسیوں کی مدد سے تجہیز و تکفین کے انتظامات کرنے لگا۔ ایک گھنٹے بعد شاہینہ اور کامران تنویمی نیند سے بیدار ہوگئے۔ سلمان اور سلطانہ نے ان کے دماغ کو لاک کردیا تھا تاکہ کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا انہیں ٹریپ نہ کرسکے۔ اس کے ساتھ ہی شاہینہ کے اندر بڑے سے بڑے صدمے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کردیا تھا۔

جب اسے بیٹی کی میت کے پاس لایا گیا تو اس نے آنسو بہائے لیکن صدمے سے نڈھال نہیں ہوئی۔ میں اس کے دماغ میں آکر اسے تسلیاں دیتا رہا۔ اس نے مجھ سے شکایت نہیں کی اور نہ ہی شرمندہ ہونے دیا کہ میں اس کی بیٹی کی حفاظت نہ کرسکا۔ اسے یقین تھا جس طرح میں نے اپنے بہنوئی کے قاتلوں سے انتقام لیا تھا اسی طرح ثمینہ کے قاتلوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

میں نے شاہینہ اور کامران کو آزمایا تھا۔ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتے تھے۔ اگرچہ وہ یوگا کے ماہر نہیں تھے لیکن عام لوگ بھی پندرہ بیس سیکنڈ سانسیں روک لیا کرتے ہیں۔ شاہینہ اور کامران کے دماغوں میں یہ بات بھی نقش کی گئی تھی کہ وہ ماں بیٹے صبح و شام سانس روکنے کی مشق کیا کریں

گے۔

میں نے پھر اسرائیلی اعلیٰ حاکم کے ذریعے گولڈن برینز کو مخاطب کیا اور کہا "میری بہن اور میرا بھانجا محفوظ ہیں۔ تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والے ان کے دماغوں میں نہیں آئے۔ میں نے بھی جوابی کارروائی نہیں کی۔ پھر کسی مِل یا فیکٹری کو تباہ نہیں کیا ہے۔"

گولڈن برینز کی طرف سے تحریر ابھری "مسٹر فرہاد! بہن اور بھانجے کو پاکر تم بھی مطمئن ہو اور ہم بھی مطمئن ہیں کہ ہماری انڈسٹریز تباہ نہیں ہوں گی۔ اگر ہم تم اسی طرح دانشمندی اور سمجھوتے سے کام لیتے رہے تو کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔"

میں نے کہا "دانشمندی تو تم لوگوں کو چھو کر نہیں گزری۔ تم اپنی مکاریوں کو دانشمندی کہتے ہو۔ اگر میری بہن اور بھانجا ابھی تمہارے شکنجے میں رہتے تو فرعون بن کر باتیں کرتے۔ کیا اب مجھے مجبور کرسکتے ہو کہ میں پاکستان چھوڑ دوں؟"

"مسٹر فرہاد! یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ کبھی کوئی غالب آتا ہے اور کبھی کوئی بازی جیت لیتا ہے۔ ہم اپنی تباہی سے سبق سیکھ رہے ہیں' تم اپنی بھانجی کی موت سے نصیحت حاصل کرو۔ آئندہ پھر تمہاری کوئی کمزوری ہمارے ہاتھ آسکتی ہے۔"

"اور تم نے دیکھا کہ میں ثمینہ کے قتل ہونے اور بہن بھانجے کے اغوا ہونے پر تمہارے پاس گڑگڑانے نہیں آیا۔ تم بھی مجھے نصیحت کرنے کے بہانے نہ گڑگڑاؤ۔ میں ثمینہ کے خون کا بدلہ لوں گا۔ اگر اندھا دُھند انتقام لوں تو کئی بے گناہ بھی مارے جائیں گے۔اس لئے میرا انتقام دوسری نوعیت کا ہوگا۔"

اسکرین پر تحریر ابھری "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"بگڑا ہوا مقدر یہ نہیں بتاتا کہ وہ کس طرح بگڑے گا' آگے آگے دیکھو' ہوتا ہے کیا؟"

اسکرین پر جوابی تحریر ابھر رہی تھی۔ میں نے اعلیٰ حکام کے ذریعے اسے نہیں پڑھا' وہاں سے چلا آیا تاکہ انہیں میری طرف سے جواب نہ ملے اور وہ یہ سوچ کر الجھتے رہیں کہ نہ جانے میں آئندہ کیا کرنے والا ہوں۔

○☆○

علی تیمور نے آنکھیں کھول دیں۔ تنویمی نیند سے بیدار ہوگیا۔ وہ بستر پر چاروں شانے چت پڑا ہوا چھت کو تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا "میں کہاں ہوں؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے یاد آرہا تھا کہ لیلیٰ نے تنویمی عمل کے ذریعے علی تیمور کی شخصیت بھلادی تھی۔تب سے وہ خود کو بھولا ہوا تھا۔ پہلے جان کارلو کی حیثیت سے نئی زندگی شروع کی پھر رانما کے چکر میں پڑ کر ایڈی فشر بن گیا تھا۔

اب اپنی اصلیت یاد آنے کے بعد اسے یہ سب کچھ یاد آرہا تھا۔ لیلیٰ نے اس پر عمل کرتے ہوئے اس کی یادداشت میں جان کارلو' رانما اور ایڈی فشر کے تمام واقعات کو تازہ رکھا تھا۔ اب اسے یہ بھی یاد آرہا تھا کہ وہ رانما سے پیچھا چھڑا کر پولیس والوں سے مقابلہ کرتا ہوا سوسانہ اور جبرائیل کی کوٹھی میں آگیا تھا۔

اسی وقت بیڈ روم کا دروازہ کھلا۔ سوسانہ اندر آئی۔وہ اسے دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولا "اوہ مائی ڈارلنگ آپا جان!"

سوسانہ دونوں بانہیں پھیلا کر آگے بڑھی' وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔ "تم سے گلے ملتے ہی ساتوں طبق روشن ہوجاتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں اپنی قوت سے نہیں محبت سے ملوں گی' آؤ۔"

آپا جان نے اسے کھینچ کر گلے لگالیا۔وہ سانس روک کر بولا۔ "تمہیں اپنی قوت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے۔ مجھے معاف کردو۔"

اس نے ہنستے ہوئے اسے چھوڑ دیا پھر کہا "امی نے کہا تھا' تم ٹھیک صبح چھ بجے بیدار ہوجاؤ گے۔ جاؤ غسل کرو' میں ناشتا لاتی ہوں۔"

وہ سب لیلیٰ کو پاکستانی زبان میں امی کہتے تھے۔ایک گھنٹے بعد جب وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر ناشتا کرچکا تو لیلیٰ اس کے پاس آئی۔ اسے تمام حالات بتائے "تمہارے پاپا اور پارس پاکستان میں ہیں۔ یہودیوں کے ایک ایجنٹ نے تمہارے پھوپا کو پہلے قتل کیا۔تب سے تمہارے پاپا اس مشن پر ہیں کہ یہودیوں کا کوئی مال پاکستان میں نہیں پہنچنے دیں گے اور پاکستان سے یہودیوں کے تمام دلالوں کو نابود کردیں گے یا انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کردیں گے۔ اسی جھگڑے میں یہودیوں نے تمہاری پھوپی زاد بہن ثمینہ کو قتل کردیا ہے۔"

لیلیٰ نے اسے تمام رُوداد تفصیل سے سنائی۔ انہوں نے کہا۔ "آپ پاپا کو بتادیں کہ میں بیدار ہوگیا ہوں اور ان سے موجودہ مسائل پر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

لیلیٰ نے مجھے اطلاع دی۔ میں نے بیٹے کے پاس آکر کہا "مجھے خوشی ہے کہ تم نے دشمنوں کے سر پر سوار ہوکر آنکھیں کھولی ہیں اور خود کو پہچانا ہے۔ جب یہودیوں کو تمہاری موجودگی کا علم ہوگا تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ تم بڑے چکروں میں پڑ کر یہاں پہنچے ہو۔ خدا جو کرتا ہے' بہتری کے لئے کرتا ہے۔"

"پاپا! ثمینہ کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔"

"ہاں بیٹے! میں نے گولڈن برینز سے کہا ہے کہ اندھا دُھند انتقام لوں گا تو کئی بے گناہ مارے جائیں گے۔ اس لئے میرے انتقام کی نوعیت دوسری ہوگی۔"

"آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"ان کے خیال خوانی کرنے والوں کو ختم کیا جائے۔ یہ ٹیلی پیتھی کے ہتھیاروں سے محروم ہوتے رہیں گے اور ثمینہ کے قتل کو یاد کرکے توبہ کرتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے پاپا! میں یہاں ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔"

"کاتبِ تقدیر نے تمہیں یہاں پہنچادیا ہے۔ اب تم گولڈن برینز

کو تلاش کرو گے۔وہ تعداد میں چھ ہیں۔ایک کا بھی سراغ ملے گا تو باقی پانچ تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔"

"انشاء اللہ میں ان کی شہ رگ تک ضرور پہنچوں گا۔"

میں نے پوچھا "تم نے جو جان کارلو اور ایڈی فشر کی زندگیاں گزاری ہیں' وہ سب تمہیں یاد ہیں؟"

"جی ہاں' ایک ایک بات یاد ہے۔"

"اپنے ذہن میں رانما کی آواز اور لہجے کو دہراؤ۔ میں سن رہا ہوں۔"

علی نے رانما کا تصور کیا۔ پھر اس کی آواز اور لہجے کو یاد کرتے ہوئے سوچ کے ذریعے دہرانے لگا۔ جس طرح ہم ٹیلی فون کے ذریعے کسی کی آواز سن کر اس کے دماغ میں پہنچ جاتے ہیں اسی طرح علی تیمور کی سوچ ٹیلی فون کی طرح واضح طور پر رانما کی آواز اور لہجہ پیش کر رہی تھی۔ایسا ہر ایک کی سوچ کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔جس کی یادداشت مضبوط اور مستحکم ہوگی' اسی سے دوسروں کی آواز اور لہجہ پوری وضاحت سے سنا جا سکتا ہے۔ بہرحال میں علی کی غیر معمولی یادداشت کے سبب رانما کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اس کے اندر پہنچ کر خیالات پڑھنے سے پتا چلا کہ اس کا دماغ میدان جنگ بنا ہوا ہے۔اس کی سوچ نے کہا "یہودیوں نے اپنے ہاں مجھے پناہ دی لیکن کافی میں دماغی کمزوری کی دوا ملا کر پلا دی اور میرے کمزور دماغ پر قبضہ کر کے تنویمی عمل کرنے لگے۔بعد میں پتا چلا' دانیال کے مداخلت کرنے کے باعث جے مورگن کا عمل ناکام رہا ہے۔"

رانما کی سوچ وہی بتا رہی تھی جو اس پر گزرتی رہی تھی۔الپا بھی اس کے دماغ میں چھپی ہوئی تھی۔بعد میں الپا نے آ کر کہا۔ "رانما! تمہارے دماغ میں جان لمبوڈا بھی آ رہا ہے۔اگر فرہاد کو معلوم ہوگا کہ تم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو' ابھی تم پر کوئی تنویمی عمل نہیں کر سکتا ہے تو وہ فرہاد بھی تمہارے دماغ پر قبضہ جمانے کی کوشش کرے گا۔ تمہیں کسی کی طرف سے اندیشہ ہو تو مجھے بتا دینا میں تمہاری حفاظت کروں گی۔"

رانما کی سوچ نے بتایا کہ یہودی خیال خوانی کرنے والوں میں جے مورگن اور الپا باری باری اس کے دماغ میں موجود رہتے ہیں۔دوسری طرف جان لمبوڈا کے دو خیال خوانی کرنے والے پاسکو روٹ اور فریزر بھی باری باری موجود رہتے ہیں۔

میں جس وقت اس کی سوچ پڑھ رہا تھا' اس وقت بھی اسرائیلی اور امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے وہاں موجود تھے۔الپا کہہ رہی تھی "میں جان لمبوڈا کے خیال خوانی کرنے والوں کو سمجھاتی ہوں' وہ رانما کے دماغ سے نکل جائیں۔"

پاسکو روٹ نے کہا "ایک تھکا دینے والے انتظار کے بعد رانما ذہنی انتشار سے نکل آئی ہے۔ دیکھو' یہ صحیح ترتیب سے اپنے موجودہ حالات کے متعلق سوچتی جا رہی ہے۔اب اسے قابو میں کرنے کا وقت آیا ہے تو تم ہمیں جانے کو کہہ رہی ہو۔"

یہ درست تھا کہ اس کا ذہنی انتشار ختم ہو گیا تھا اور وہ بے تحریک پر اپنے موجودہ حالات بیان کر رہی تھی۔ دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ نارمل ہو کر خود ہی یہ تمام باتیں سوچ رہی ہے۔

میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ جب دانیال نے یہودیوں سے غداری کی ہے اور رانما پر ہونے والے عمل کو ناکام بنایا ہے تو دانیال کو سزا دی گئی ہوگی۔اسے دماغی کمزوری میں مبتلا کیا گیا تاکہ وہ دوبارہ رانما کے دماغ میں نہ پہنچے۔

میں نے رانما کی سوچ میں کہا "دانیال چوری سے میرے پاس آیا تھا' وہ جے مورگن کے عمل کو ناکام بنا کر خود عمل کر رہا تھا ایسے ہی وقت الپا پہنچ گئی تھی۔"

میں نے یہ کہہ کر رانما کو دانیال کی آواز اور لہجے کے متعلق سوچنے پر مجبور کیا۔وہ سوچنے لگی۔ چونکہ ٹیلی پیتھی جانتی تھی دوسروں کے لہجوں کو یاد رکھنے کی عادی تھی اس لئے صحیح طور پر لہجے کو یاد کر رہی تھی۔

میں اس لہجے کو گرفت میں لیتے ہی دانیال کے دماغ میں پہنچ گیا۔اسرائیلی فوجی جوانوں نے اسے ایک بیڈ روم میں قیدی بنا رکھا تھا۔ جے مورگن نے ایک بار اس کے دماغ میں آ کر کہا "دانیال! میں گولڈن برینز کی طرف سے یہ کہنے آیا ہوں کہ غدار کی سزا موت ہوتی ہے لیکن تمہیں موت کی سزا دی جائے تو ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں سے ایک کم ہو جائے گا۔ یہ ہمارے ملک کا نقصان ہے۔ہم تمہیں نہیں ماریں گے بلکہ تمہیں برین واش کریں گے' تمہارے دماغ سے غداری ختم کریں گے اور وفاداری کوٹ کوٹ کر بھر دیں گے۔"

دانیال کے خیالات پڑھ کر معلوم ہوا کہ برین واش کر کے اس کی شخصیت تبدیل کی جائے گی۔ایسا اب تک اس لئے نہیں ہوا تھا کہ تمام یہودی ٹیلی پیتھی جاننے والے ایک طرف شاہد اور کامران کے دماغوں میں تھے' باقی جے مورگن اور الپا' را... کی نگرانی کر رہے تھے۔

گولڈن برینز کا خیال یہ ہوگا کہ ہم میں سے کوئی دانیال کے معاملات تک نہیں پہنچے گا لیکن میں پہنچ گیا تھا اور یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ ان کے ایک ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کو ختم کروں گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنی موجودہ حکمت عملی کے نتیجے میں جلدی ایک شکار کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

میں نے دانیال کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ پھر اس کے ہاتھ میں پھل کاٹنے والا چاقو پکڑا دیا۔ اس نے چاقو کی نوک کو ٹھیک دل کی جگہ سینے میں پیوست کر دیا۔ پھر اسے کھینچ کر باہر نکالا اور دوبارہ پیوست کیا۔وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔اس نے ڈوبتی سانسوں کو واپس لانے کی کوشش کی لیکن مقدر کے کھاتے میں لکھی ہوئی سانسیں ختم ہو چکی تھیں۔میں اس کے آخری سانس کے بعد واپس آ گیا۔

دوسرا شکار رانما تھی۔وہ ایک طویل انتظار کے بعد ذرا نارمل ہوئی تھی۔دو فوجی جوان ایک ٹرالی میں کھانے پینے کا سامان لائے تھے۔ان میں سے ایک دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔اگرچہ رانما کے لئے جان کا خطرہ نہیں تھا۔جان لمبوڈا وغیرہ بھی اسے زندہ سلامت واپس حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن علی تیمور کے فرار ہونے پر فوجی گارڈز بلائے گئے تھے۔

رانما نے خود کو ایڈی فشر (علی تیمور) کی بیوی ظاہر کیا تھا۔اس لئے یہ اندیشہ بھی تھا کہ جس طرح ایڈی فشر پولیس کا پہرا توڑ کر فرار ہوا ہے' اسی طرح رانما کو بھی وہاں سے لے جا سکتا ہے۔اس لئے رانما کے آس پاس سے پولیس کو ہٹا کر فوج کا پہرا بٹھایا گیا تھا۔

کھانے کی ٹرالی رانما کے سامنے لا کر رکھی گئی تو اس نے پوچھا "یہ کیا ہے؟"

فوجی جوان خاموش کھڑا رہا۔الپا نے اس کے دماغ میں کہا۔ "رانما! کوئی سوال نہ کرو۔فوجی گارڈز گونگے بن کر رہیں گے۔"

اس نے پوچھا "کیا میرے دماغ میں دشمن چھپے ہوئے ہیں؟ تم سے بڑا دشمن اور کون ہوگا۔ تم لوگوں نے کافی میں دوا ملا کر میرے دماغ کو کمزور بنا دیا تھا۔ کیا تم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میری کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دوسرے بھی مجھے ٹریپ کریں گے؟"

"جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ تمہیں مزید توانائی کے لئے کچھ کھانا چاہئے۔"

"یہ کھانا توانائی کے لئے ہے یا پھر مجھے کمزور بنانے کے لئے؟"

"تم فضول بحث کر رہی ہو۔میں تمہارے دماغ پر قبضہ جما کر تمہیں زبردستی کھلا سکتی ہوں۔"

جان لمبوڈا کا قہقہہ سنائی دیا۔اس نے کہا "الپا! میں بھی رانما کے اندر موجود ہوں۔ تمہیں اس کے دماغ پر قبضہ جمانے نہیں دوں گا۔ یہ ہمارے ملک سے آئی ہے۔بہتری اسی میں ہے کہ اسے ہمارے حوالے کر دو۔"

الپا نے کہا "میں بھی تمہارے ملک سے آئی ہوں۔یہاں جتنے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں وہ سب تمہاری ٹرانسفارمر مشین سے گزر کر آئے ہیں۔ تم کتنوں کے لئے دعوے کرتے رہو گے؟"

"یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔ایک دن تم بھی میرے پاس ہوگی۔ فی الحال رانما کے لئے ہماری کوششیں جاری رہیں گی۔"

"کوششیں جاری رکھنے کے لئے اسے زندہ رکھنا ضروری ہے اور زندہ رکھنے کے لئے اس کا کھانا پینا لازمی ہے۔"

لمبوڈا نے کہا "تو پھر اس کی بات مان لو۔فوجی گارڈ کو بولنے کا موقع دو۔وہ رانما کو بتائے گا کہ اس کے لئے کیا کچھ کھانے کو لایا ہے' بہتر ہے کہ گارڈ ہر کھانا پہلے خود تھوڑا تھوڑا کھا کر دکھائے اور رانما کو مطمئن کرے۔"

الپا نے کہا "گارڈ بولے گا تو تم اس کے دماغ میں جا کر کوئی چالاکی دکھاؤ گے۔"

"چالاکی دکھانا ہوتی تو رانما کے دماغ میں رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتا تھا۔ رانما کی زندگی جتنی تم لوگوں کے لئے اہم ہے اتنی ہی ہمارے لئے بھی اہم ہے۔"

"اچھی بات ہے۔یہ گارڈ اسے مطمئن کرے گا۔"

الپا نے گارڈ کے دماغ میں جا کر حکم دیا۔میں انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گارڈ نے رانما سے کہا "میڈم! یہ سینڈوچز ہیں۔یہ دودھ اور اوولٹین ہے۔تم اس میں سے جو اٹھا کر مجھے دو گی' میں اسے کھا کر دکھاؤں گا۔"

رانما نے ایک سینڈوچ اٹھا کر اسے کھانے کو دیا۔ میں گارڈ کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔اس نے ایک ہاتھ سے سینڈوچ لیا۔ دوسرے ہاتھ سے ریوالور نکال کر کہا "میں یہ کھاتا ہوں' تم گولی کھاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے فائر کیا۔الپا نے گارڈ کے دماغ میں آ کر قبضہ جمانا چاہا۔ میں نے کہا "الپا! میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔اپنے گولڈن برینز کو یہ خوشخبری سنا دو کہ میں نے ایک بھانجی کے بدلے تمہارے دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو قتل کیا ہے۔اپنے باقی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی بھی حفاظت کر کے دیکھ لو۔سب ایک ایک کر کے مارے جائیں گے۔ مرنے والوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی ہے۔"

میں نے گارڈ کے ذریعے دیکھا' رانما کا قصہ تمام ہو چکا تھا۔میں اعلیٰ حاکم کے پاس آیا۔وہی ایک حاکم ایسا تھا جو گولڈن برینز سے رابطہ قائم کرتا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔الپا اس کے پاس آئی تھی اور اسے گولڈن برینز سے رابطہ قائم کرنے کو کہہ رہی تھی۔حاکم نے پوچھا "تم خود رابطہ کیوں نہیں کر رہی ہو؟"

وہ بولی "میں اپنی رہائش گاہ میں نہیں ہوں۔کہیں دوسری جگہ ہوں اور کمپیوٹر وغیرہ ساتھ لے کر نہیں گھومتی ہوں۔پلیز' جلدی کرو۔"

جلد ہی رابطہ ہو گیا۔الپا نے حاکم کے ذریعے بتایا کہ فرہاد نے رانما کو ختم کر دیا ہے۔

گولڈن برینز کی طرف سے اسکرین پر تحریر ابھری "ہمیں چند منٹ پہلے دانیال کی موت کی بھی اطلاع ملی تھی۔ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ فرہاد اتنی تیزی سے چند منٹ کے اندر دو خیال خوانی کرنے والوں کو ختم کر دے گا۔ بڑی مشکل ہے۔ہم اس کے خلاف کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے۔فی الحال تم سب محتاط رہو۔تم اپنی رہائش گاہ میں واپس جاؤ۔ ہم اپنے دوسرے خیال خوانی کرنے والوں کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ کہیں مصروف نہ رہیں اور تاحکم ثانی اپنی رہائش گاہوں سے باہر نہ نکلیں۔"

اسکرین پر دوسری تحریر ابھری۔گولڈن برینز نے اعلیٰ حاکم سے کہا "فرہاد کے ستارے اچھے ہیں۔اس کی بہن ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اور اسے واپس مل گئی۔وہ اس مغرور کی بہت بڑی کمزوری تھی۔جب تک اس کی کوئی اور بڑی کمزوری ہاتھ نہ آئے' تب تک ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی سلامتی خطرے میں رہے

گی۔ ہمیں نئی حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے فرہاد سے کسی طرح سمجھوتا کرنا ہوگا۔ اس سے رابطہ کرو اور کہو ہم اس سے دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے اپنی موجودگی ظاہر نہیں کی۔ علی تیمور کے پاس آکر اسے رانما اور دانیال کے متعلق بتایا پھر کہا "تمام یہودی خیال خوانی کرنے والوں کو ان کی رہائش گاہوں تک محدود کیا جارہا ہے۔ اب وہ میری کوئی دوسری بڑی کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔"

علی نے کہا "آپ کی دوسری بڑی کمزوری میں اور پارس ہیں۔ انکل سلمان، آنٹی سلطانہ، امی، ماما، مما اور جوجو وغیرہ میں سے کوئی بھی ان کے شکنجے میں آئے گا تو آپ مجبور ہوجائیں گے۔ دشمن ہمیشہ گہری محبتوں کے رشتوں اور لہو کے رشتوں کو کمزوری بنادیتے ہیں۔"

"یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اب تک تم میں سے کوئی ان کے ہاتھ نہیں آیا۔ یہ سچ ہے کہ اللہ اس پر مہربان ہوتا ہے جو بیدار ذہن اور نیت صاف رکھتے ہیں۔"

"یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ اور ان کے صبر اور ایمان کی پختگی کو آزماتا ہے۔ میں اسرائیل میں ہوں۔ یہودیوں کے درمیان ہوں۔ ہوسکتا ہے کبھی ان کے شکنجے میں آجاؤں تو یہ آپ کے لئے اور میری ماما کے لئے ناقابلِ برداشت ہوجائے گا۔ میری التجا ہے کہ ایسا کبھی ہوجائے تو ماما کو خبر نہ ہونے پائے اور آپ دشمنوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں۔"

"اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ میں جارہا ہوں، پھر تم سے رابطہ کروں گا۔"

"پاپا! ایک منٹ۔ مجھے ثانی کے متعلق بتائیں۔ امی کہہ رہی تھیں وہ جان لمبوڈا کی سرپرستی میں ہے اور ایک دن ٹرانسفارمر مشین سے گزرے گی۔"

"یہ درست ہے پہلے ہم نے سوچا کہ ثانی پر چپ چاپ عمل کرکے اُسے اس کی اصل شخصیت یاد دلائی جائے، لیکن لمبوڈا اس کے دماغ میں آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ اسے سونیا ثانی کی حیثیت سے پہچان لے گا۔ اسی لئے وہ بدستور سلوانہ کے نام سے پہچانی جارہی ہے۔"

"پاپا! کیا ضروری ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی سیکھے۔ وہ اس علم کے بغیر ہی دوستوں کے لئے محبت اور دشمنوں کے لئے قیامت ہے۔"

"یہ درست ہے۔ لیکن ایک غیر معمولی علم آسانی سے حاصل ہورہا ہے تو اسے حاصل کرنے دو۔ یہ نہ سوچو کہ ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے اس کا برین بدل جائے گا۔ جوجو اور الپا کا برین آپریشن کیا گیا۔ اس کے باوجود جوجو نے ہمیں اور الپا نے اپنی یہودی قوم کو پہچان لیا۔ تم ثانی کی فکر نہ کرو۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ کھانے کا وقت گزر چکا تھا۔ بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے پارس کے پاس جاکر پوچھا "کیا کررہے ہو؟"

"آپ کا انتظار کررہا تھا۔ میں پیٹر ڈیسوزا کے روپ میں پھولی اور کامران کو رہائی دلا کر لایا ہوں۔ دشمنوں کی نظروں میں آگیا ہوں اور پولیس والے بھی طرح طرح کے سوالات کررہے ہیں۔"

"ابھی کہاں ہو؟"

"پرل میں، دوسو بائیس نمبر کے کمرے میں ہوں۔ پیٹر ڈیسوزا کا میک اپ اتار دیا ہے۔ بالوں کا رنگ کالا کیا ہے۔ آنکھوں پر لینز لگائے ہیں۔ کیا یہ ہلکی سی تبدیلی چلے گی؟"

"چلے گی۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر آرہا ہوں۔ ایک رینٹل کار حاصل کرو۔ ہم کسی ہوٹل میں پاکستانی کھانا کھائیں گے۔"

میں نے مکان سے باہر آکر دروازے پر تالا لگایا۔ پھر مین روڈ پر آکر ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ لاہور میں ٹیکسیاں بہت کم ہیں۔ کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ میں نے سوچا، دس منٹ میں ٹیکسی نہ ملی تو رکشا میں چلا جاؤں گا۔

ایک ہٹا کٹا شخص میرے قریب آکر بولا "بھائی جان! ملتان میں میرا اچھا کاروبار ہے۔ میں یہاں مال خریدنے آیا تھا۔ کسی نے میری اچکی چرالی۔ اس میں پورے پچیس ہزار روپے تھے۔ میرے پاس واپسی کا کرایہ بھی نہیں رہا۔ اگر آپ میری مدد کریں تو...."

وہ بولتا جارہا تھا۔ میں نے اس کے خیالات پڑھ لئے۔ اس نے بھیک مانگنے کا یہ طریقہ اپنایا تھا۔ میں نے کہا "میرے ساتھ تھانے چلو۔ وہاں پچیس ہزار کی چوری کی رپورٹ درج کراؤ۔ تھانیدار میرا دوست ہے۔ وہ تمہیں ملتان جانے والی بس میں بٹھادے گا۔ مفت میں گھر پہنچ جاؤ گے۔"

"باؤجی! میں رپورٹ درج کراچکا ہوں۔"

"تم نے رپورٹ نہیں لکھوائی ہے۔ چوری نہیں ہوئی تو رپورٹ کیسی؟ دراصل تم اتنے لوگوں سے مانگتے ہو کہ ان کے چہرے تمہیں یاد نہیں رہتے۔ دو روز پہلے میں نے تمہیں بیس روپے دیئے۔ ایک ہفتہ پہلے تم مجھ سے دس روپے لے گئے، کچھ یاد آیا؟"

وہ پریشان ہوکر مجھے پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے کہا "نہیں پہچان سکو گے۔ چرس کی عادت نے تمہاری یادداشت کمزور کردی ہے۔"

"او باؤجی! مدد نہیں کرتے نہ کرو، مگر ایک عزت دار کو چرسی نہ بولو۔"

میں نے اس کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ مارا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا پھر غصے میں سینگ مارنے کے انداز میں ٹکرانے آیا۔ میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری، لوگ دوڑتے ہوئے آنے لگے۔ ان میں اس کے دو حمایتی تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے ان کی پٹائی کردی۔ لوگوں نے انہیں پکڑ کر ایک طرف ہٹایا۔ ایک نے پوچھا "آخر بات کیا ہے؟"

میں نے کہا "یہ شخص مختلف علاقوں میں جاکر دکھڑا روتا ہے کہ ملتان سے آیا ہے اب واپسی کا کرایہ نہیں ہے۔ ایسے بے غیرت صرف ملتانیوں کو نہیں، پورے پاکستان کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ بیرونی ملکوں سے آنے والوں کے سامنے بھی اسی طرح ہاتھ پھیلاتے ہیں اور بھیک مل جائے تو چرس پیتے ہیں۔"

مار کھانے والے نے کہا "ابے چرسی ہوگا تو، تیرا......"

وہ میرے باپ تک پہنچنے والا تھا۔ اس سے پہلے میں نے دماغ پر قبضہ جماکر اس کی زبان کو دانتوں کے بیچ دبادیا۔ وہ تکلیف سے تلملا گیا۔ میں نے کہا "بھائیو! میری باتوں کا یقین نہ ہو تو اس کی شلوار کے نیفے میں دیکھو، اس نے چرس کی پڑیا چھپا کر رکھی ہے۔"

وہاں کالج کے طلبا بھی تھے۔ انہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر حکم دیا "شلوار کھولو۔"

میں نے گزرتے ہوئے ایک رکشے کو روکا۔ وہ لوگ اس کے نیفے سے پڑیا برآمد کررہے تھے۔ میں رکشے میں بیٹھ کر پرل کانٹی نینٹل چلا آیا۔ پارس انتظار کررہا تھا۔ میں اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ وہ کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "ہماری زندگی بھی عجیب ہے۔ برسوں گزر جاتے ہیں اور باپ بیٹے مل نہیں پاتے۔ لاہور میں اتنے دنوں سے ہیں اور آج ایک ساتھ بیٹھنے کا موقع مل رہا ہے۔"

میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر قریب ہوگیا۔ پھر اسے چوم کر بولا "ہمیں سال میں ایک دو دن کے لئے ایک جگہ ملنا چاہئے۔ ہمارا فرہاد ولیج بہت زبردست قلعہ بن چکا ہے۔ وہاں پورے خاندان کو جمع ہوکر جشن منانا چاہئے۔"

"آپ پورے خاندان کو ایک جگہ جمع کریں گے تو مصیبت میں پڑ جائیں گے۔"

"کیسی مصیبت؟"

وہ مسکرا کر بولا "یہی کہ تینوں بیویاں ایک جگہ ہوں گی تو آپ کس کی طرف جائیں گے؟"

میں نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ اس نے رنگل چوک کے قریب ایک گلی میں کار روک دی پھر کہا "یہ جو دائیں طرف ہوٹل ہے، میں یہاں کھا چکا ہوں۔ بڑا لذیذ پکوان ہوتا ہے اور یہ سامنے چمن آئس کریم والے ہیں۔ ان کی آئس کریم بھی کھانے سے تعلق رکھتی ہے۔"

ہم کار سے نکل کر ہوٹل میں آئے۔ مٹن قورمہ اور شامی کباب وغیرہ کا آرڈر دیا کیونکہ یہ کھانے ہمیں باہر نصیب نہیں ہوتے تھے۔ میں نے گھڑی دیکھ کر کہا "اس وقت لندن میں دن کے گیارہ بجے ہوں گے۔ مجھے وہاں کے ایک بینک میں کام ہے، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں چوہدری حاکم علی حاکم کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ لندن میں اپنے بزنس پارٹنر جان اسمتھ کا مہمان تھا اور یہ معلوم کرنے گیا تھا کہ فرہاد کو کس طرح پاکستان سے نکالا جائے گا۔ پھر اس کے کاروبار اور دولت کی کس طرح حفاظت کی جائے گی؟

جان اسمتھ نے اسے یقین دلایا تھا کہ یہودی، فرہاد کے خلاف ایسی چالیں چل رہے ہیں، جن کے نتیجے میں وہ پاکستان سے بھاگ جائے پھر کسی یہودی ایجنٹ کو پریشان نہیں کرے گا۔ چوہدری حاکم میرا یہی انجام دیکھنے کے لئے لندن میں عیش و عشرت کے دن رات گزار رہا تھا۔

میں نے اس پر قبضہ جمایا۔ وہ ضروری کاغذات لے کر ایک بینک میں پہنچا۔ وہاں اس کے پانچ لاکھ پونڈ تھے اس نے صرف ایک ہزار پونڈ وہاں رہنے دیے۔ باقی تمام رقم نکال کر دوسرے بینک میں آیا۔ وہاں اس کی بیٹی صوفیہ کا اکاؤنٹ تھا۔ اس نے وہ تمام رقم بیٹی کے اکاؤنٹ میں جمع کرادی پھر جان اسمتھ کے پاس آکر بولا "میں نے ابھی بینک سے تمام رقم نکال کر صوفیہ کے اکاؤنٹ میں جمع کردی ہے۔ یہ دیکھو، اس چیک سے رقم نکالی اور اس ڈیپازٹ رسید کے ذریعے رقم بیٹی کے اکاؤنٹ میں ڈال دی ہے۔"

جان اسمتھ نے چیک اور ڈیپازٹ رسید دیکھی۔ اسی وقت میں نے حاکم علی کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر سوچنے لگا۔ "میں یہاں کیسے پہنچ گیا؟ ابھی تو ہوٹل کے کمرے میں تھا۔"

اسمتھ نے پوچھا "تم نے چار لاکھ ننانوے ہزار پونڈ اپنی بیٹی کے اکاؤنٹ میں کیوں جمع کردیئے؟"

وہ بولا "میں نے تو جمع نہیں کئے۔"

اسمتھ نے اس کی چیک بک اور ڈیپازٹ سلپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا "کیا زیادہ پی گئے ہو۔ ابھی خود ہی کہہ رہے تھے اور خود انکار کررہے ہو۔"

اس نے وہ چیک اور رسید دیکھی۔ پھر تقریباً چیختے ہوئے بولا۔ "نہیں! یہ میں نے نہیں کیا ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ صوفیہ میرے خلاف ہوگئی ہے اور فرہاد کی حمایت میں بولتی ہے۔ پھر میں دشمن بیٹی کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم کیوں جمع کروں گا۔"

"کیا تم نے یہ ہوش و حواس میں نہیں کیا ہے؟"

"میں نے نیند میں بھی نہیں کیا ہے۔ یہ کیسے ہوگیا؟"

وہ دونوں ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ دونوں سوچ رہے تھے، ایسا ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوا ہے اور فرہاد ان کے پاس موجود ہے۔ اسمتھ نے پوچھا "کیا جو میں سوچ رہا ہوں، وہی تم بھی سوچ رہے ہو؟"

چوہدری حاکم نے کہا "تم سوچ رہے ہو اور میں یقین سے کہتا ہوں۔ فرہاد مجھے کنگال بنانے کے لئے ایسی حرکتیں کررہا ہے۔ مسٹر اسمتھ! ابھی میرے ساتھ بینک چلو۔ جہاں صوفیہ کا اکاؤنٹ ہے۔ وہاں ہم منیجر سے درخواست کریں گے کہ وہ ڈیپازٹ سلپ کینسل کردے اور رقم مجھے واپس دے دے۔"

"ہوش کی باتیں کرو۔ جو رقم صوفیہ کے نام جمع ہوچکی ہے اسے صرف صوفیہ ہی اپنے چیک اور اپنے دستخط سے نکال سکتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، میں لندن میں کنگال ہوچکا ہوں۔"

"رقم پرائے ہاتھ میں نہیں گئی ہے۔ پاکستان جاکر بیٹی کو اپنے

اعتماد میں لو۔ اس کا ایک چیک تمہیں پھر دولت مند بنا دے گا۔"

"تم مجھے جھوٹی تسلیاں دے رہے ہو۔ فرہاد نے اس یقین کے ساتھ میری تمام رقم صوفیہ کے اکاؤنٹ میں منتقل کرائی ہے کہ اب سدا میری دشمن بنی اُس کی مٹھی میں رہے گی۔ تم نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ وہ پاکستان سے بھاگ جائے گا۔ یہ ہماری حفاظت کرنے والے یہودی آخر کیا کر رہے ہیں؟"

وہ ریسیور اٹھا کر بولا "میں ابھی مل ابیب کے پارٹنر سے بات کرتا ہوں۔"

ہم باپ بیٹے کی میز پر کھانا آگیا تھا۔ میں کبھی دماغی طور پر حاضر ہو کر کھاتا تھا اور کبھی چوہدری اور اسمتھ کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ میں جانتا تھا' تل ابیب سے کیا جواب ملے گا۔ میں نے جس مل کو بم کے دھماکوں سے تباہ کیا تھا اس کا مالک لندن کے جان اسمتھ کا پارٹنر تھا اور مل کے ساتھ اس مالک کے بھی چیتھڑے اڑ گئے تھے۔

ہم کھانے کے بعد چمن آئس کریم کھانے گئے' وہاں بیٹھ کر میں چوہدری کے دماغ میں گیا۔ وہ رو رہا تھا اور رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا "تمہارا یہودی پارٹنر حرام موت مرگیا۔ اس کی کروڑوں شیکال کی مل تباہ ہوگئی۔ وہاں پاکستانی حساب سے میرے چالیس لاکھ روپے جمع ہیں۔ پتا نہیں وہ چالیس لاکھ اب ہیں بھی یا نہیں؟ جب فرہاد کروڑوں کی مل کو دھوئیں کی طرح اڑا سکتا ہے تو میری رقم کی کیا اہمیت ہے؟ یہ میری کم بختی ہے کہ میں نے تم لوگوں سے دوستی اور فرہاد سے دشمنی کی۔ اب میں واپس جاؤں گا اور فرہاد کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گا۔ مگر اس کے قدم تو کہیں نظر آتے نہیں ہیں۔ میں کہاں گروں گا اور کہاں معافی مانگوں گا!"

میں نے صوفیہ کے پاس پہنچ کر اسے مخاطب کیا' وہ بولی "ہیلو پاپا! میں دن رات اپنے دماغ میں آپ کا انتظار کرتی رہتی ہوں۔ کیا بہت مصروف تھے؟"

"ہاں بیٹی! ایک بری خبر ہے۔ تمہارے ڈیڈی نے لندن میں یہودیوں سے مل کر مجھے پاکستان سے بھگانے کا پروگرام بنایا اور مجھے مجبور کرنے کے لئے میری بھانجی کو گلبرگ میں قتل کرادیا۔"

"اوہ خدایا! یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ مجھے یہ سن کر شرم آرہی ہے کہ میرے باپ کی سازش سے آپ کے خاندان پر اتنا بڑا ظلم ہوا ہے۔ پاپا! کبھی سامنا ہوا تو میں آپ سے نظریں نہیں ملا سکوں گی۔"

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔ یہ آنسو پونچھو۔ میرے لئے یہ بہت ہے کہ تم ظالم کو ظالم کہہ رہی ہو۔ اگر میں کوئی انتقامی کارروائی کروں تو کیا تم شکایت کروگی؟"

"ہرگز نہیں پاپا! میں آپ کے ساتھ ہوں اور ابھی اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی' میں نے کہا "رک جاؤ' میں یہ کوٹھی اور دواؤں کی فیکٹری تمہارے نام کرادوں گا۔ لندن میں تمہارے باپ کے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ پونڈ تھے۔ میں نے چار لاکھ ننانوے ہزار پونڈ اس کے اکاؤنٹ سے نکلوا کر تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرار[illegible] ہیں۔ پاکستان میں جو دولت اور جائداد ہے وہ بھی تمہارے [illegible] ہوگی۔ میں دونوں باپ بیٹے کو کنگال بنا رہا ہوں۔ یہی میرا انتقام ہے۔ اب بتاؤ' بیٹی اور بہن کی حیثیت سے باپ اور بھائی کے [illegible] کیا جذبات ہیں؟"

"نفرت' نفرت اور صرف نفرت! جب سے آپ نے میر[illegible] ضمیر کو جگایا ہے تب سے میں ان دونوں کو پاکستان کا غدار[illegible] یہودیوں کا غلام سمجھتی ہوں۔ انہوں نے آپ کی بھانجی کو نہیں[illegible] قتل کرایا ہے۔ میں ان کے لئے مرچکی ہوں۔ اب وہ آب زم[illegible] سے بھی غسل کرکے آئیں گے تو میں ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھ[illegible] گی......"

وہ آگے بھی کچھ اپنے جذبات کا اظہار کرتی مگر ایک سانپ دیکھ کر چیخ پڑی۔ وہ سانپ روشندان سے آیا تھا۔ صوفیہ دوڑتی ہ[illegible] دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھولنا چاہا تو پتا چلا' وہ باہر سے [illegible] کردیا گیا ہے۔

میں ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پارس نے پوچھا "کیا پاپا؟"

"بیٹے! جلدی چلو۔ صوفیہ کی جان خطرے میں ہے۔"

پارس نے فوراً ہی اٹھ کر کاؤنٹر پر پچاس کا نوٹ پھینکا۔ دوڑتے ہوئے کار میں آئے۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے تیز[illegible] سے گلی سے کار نکالی پھر پوچھا "چوہدری حاکم کی کوٹھی شاد[illegible] کالونی میں ہے؟"

"ہاں' اس کے کمرے کو باہر سے بند کردیا گیا ہے ا[illegible] روشندان سے ایک سانپ کو اندر پھینکا گیا ہے۔"

میں پھر صوفیہ کے پاس آگیا۔ وہ ایک میز پر چڑھ کر سہمی[illegible] نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ سانپ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر کمرے میں تھا۔ میں نے کہا "بیٹی! حوصلہ کرو۔ تم [illegible] نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اس نے پوچھا "کیا آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے دروا[illegible] کھلوا سکتے ہیں؟"

"ذرا ٹھہرو' میں تمہارے بھائی سے کھلواتا ہوں۔"

میں اس کے بھائی نعمان کے دماغ میں پہنچا۔ وہ علاقے [illegible] تھانے میں ایس ایچ او کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کی [illegible] نے بتایا کہ اُس نے بہن کو راستے سے ہٹانے کے لئے ایک سپیر[illegible] کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اسے سمجھا دیا ہے کہ وہ باہر سے دروا[illegible] بند کرکے روشندان سے ایک زہریلا سانپ پھینک دے۔

میں نے اُسے اٹھا کر کھڑا کردیا۔ وہ میری مرضی کے مطا[illegible] ایس ایچ او سے بولا "آفیسر! میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ [illegible] نے بہن کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کرکے اندر ایک زہ[illegible] سانپ چھڑوا دیا ہے۔ آپ کے پاس اس لئے آکر بیٹھا ہوا تھا کہ [illegible] پر قتل کا الزام نہ آئے۔ یہ سمجھا جائے کہ کہیں سے سانپ آگیا اور اسے ڈسنے کے وقت میں آپ کے پاس بیٹھا چائے پی رہا تھا۔"

کہتے ہی وہ دوڑتے ہوئے اپنی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ اس سے پہلے ہم کوٹھی میں پہنچ گئے۔ میں نے پارس سے کہا "تم اندر جاؤ۔ جس کمرے کا بھی دروازہ باہر سے بند ہو' اسے کھول کر صوفیہ کو باہر نکالو۔ میں اس کے بھائی کو یہاں لا رہا ہوں۔"

پارس دوڑتا ہوا کوٹھی کے اندر گیا۔ اسی وقت ایک کمرے سے صوفیہ کی چیخ سنائی دی۔ پارس اُدھر گیا۔ ایک سپیرا دروازہ کھول کر کمرے میں جا رہا تھا تاکہ سانپ کو پکڑ کر پٹارے میں واپس رکھ سکے۔ جب پارس وہاں پہنچا تو صوفیہ فرش پر پڑی ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ اس نے قریب پہنچ کر پوچھا "سانپ نے کہاں کاٹا ہے؟"

اس نے ایک پیر کی طرف اشارہ کیا۔ پارس فرش پر دوزانو ہوگیا۔ ایک پیر میں سانپ کے ڈسنے کا نشان تھا۔ وہ نشان پر اپنے ہونٹ رکھ کر زہر چوسنے لگا اور ایک طرف تھوکنے لگا۔

سپیرے نے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا تھا۔ اسے پٹارے میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ بہت زہریلا ہے۔ زہر چوسنے والا بھی ختم ہوجاتا ہے۔ نعمان باؤ نے کہا تھا' کسی کو معلوم نہ ہو۔ کیسے معلوم ہوگا؟ تو زہر کو منہ لگا کر کمرے سے زندہ نہیں نکلے گا۔"

وہ پٹارہ لے کر ہنستے ہوئے باہر جانے لگا۔ باہر سے نعمان دوڑتا آرہا تھا۔ دروازے پر دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پٹارہ ہاتھوں سے نکل کر فرش پر گرتے ہی کھل گیا۔ سانپ پھر آزاد ہوگیا۔

میں نے کوٹھی کے کوریڈور میں آکر دیکھا۔ نعمان اور سپیرا ایک دوسرے کے بالکل قریب فرش پر پڑے ہوئے تھے اور ان کے سروں کے پاس سانپ پھن اٹھائے کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔

اس کا پھن نعمان اور سپیرے سے صرف ایک بالشت کے فاصلے پر تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دونوں میں سے کسے ڈسے گا۔ نعمان کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ سپیرا کوئی منتر پڑھتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھا رہا تھا تاکہ سانپ کو گردن سے پکڑ سکے۔

میں نے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پلٹ کر دیکھا۔ ایس ایچ او' دو سپاہیوں کے ساتھ تیزی سے آرہا تھا۔ اس نے میرے پاس آکر پوچھا "مسٹر نعمان کہاں ہیں؟"

پھر اُس کی نظر خود ہی نعمان اور سپیرے پر گئی۔ نعمان سانپ کو دیکھ رہا تھا اور تھر تھر کانپتے ہوئے کہہ رہا تھا "م... میں صوفیہ کو مارنا چاہتا تھا۔ م... مگر یہ... یہ مجھے ڈس لے گا۔ ب... بچاؤ' بچاؤ۔"

ایس ایچ او نے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر سانپ کا نشانہ لیا۔ اسی لمحے میں سانپ نے نعمان کو ڈس لیا۔ سپیرے نے بڑی پھرتی سے اس کی گردن پکڑلی۔ پولیس افسر نے کہا "اسے پٹارے میں ڈالو اور نعمان کو بچاؤ۔ جلدی کرو۔"

وہ سانپ کو پٹارے میں رکھتے ہوئے بولا "یہ سانپ بہت زہریلا ہے۔ میں اس کا زہر نہیں نکال سکوں گا۔ اسے اسپتال لے جاؤ۔"

اسی وقت پارس صوفیہ کو بازوؤں میں اٹھائے کمرے سے باہر آیا پھر بولا "میں نے زہر چوس لیا ہے۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

وہ بولتا ہوا باہر جا رہا تھا۔ پولیس افسر نے کہا "رک جاؤ' پہلے مجھے معلوم ہونا چاہئے یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے کہا "آفیسر! پہلے معلوم کرنا ضروری نہیں ہے۔ پہلے طبی امداد ضروری ہے۔"

پارس باہر جا چکا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر صوفیہ کو لٹا رہا تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال لی۔ دو سپاہی نعمان کو اٹھا کر جیپ میں ڈالنے لے جا رہے تھے۔ آفیسر سپیرے کی گردن پکڑ کر باہر لا رہا تھا۔ اس نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر حکم دیا "اے' رک جاؤ۔ ہماری گاڑی کے پیچھے چلو۔"

میں کار اسٹارٹ کرکے احاطے سے باہر آیا پھر رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ پولیس والے میرے پیچھے آنے لگے۔ ہم نے صوفیہ کو قریبی اسپتال میں پہنچا دیا۔ پارس پر زہر نے اثر نہیں کیا تھا لیکن اسے نشہ ہوگیا تھا۔ ایک ڈاکٹر صوفیہ کو اٹینڈ کر رہا تھا۔ میں نے دوسرے ڈاکٹر سے کہا "اس جوان نے اس لڑکی کا زہر چوس کر تھوک دیا ہے' پلیز اسے بھی انجکشن لگادیں۔"

پارس ایک بیڈ پر لیٹ گیا۔ دو سپاہی نعمان کو لا رہے تھے۔ پولیس افسر نے ڈاکٹر سے کہا "اسے بھی سانپ نے ڈس لیا ہے۔ پلیز! اسے بھی اٹینڈ کریں۔"

ڈاکٹر نے ایک نرس کو سرنج دی تاکہ وہ پارس کو انجکشن لگائے پھر وہ نعمان کو چیک کرنے لگا۔ اس کی نبض دیکھی۔ اس کے بعد کہا "سوری' یہ مرچکا ہے۔"

پولیس افسر نے مجھے حقارت سے دیکھ کر پوچھا "اوئے تو کون ہے؟ بڑی تیزی دکھا کر اِدھر آیا ہے۔"

میں نے کہا "تیزی نہ دکھاتا تو وہ بہن بھی اپنے بھائی کے ساتھ مرجاتی۔"

"تو نے پولیس والوں کی تیزی نہیں دیکھی ہے۔ تھانے چل' ابھی تجھے دکھاتا ہوں۔"

میں نے پارس کی طرف دیکھ کر کہا "تم آرام کرو' میں ابھی آتا ہوں۔"

افسر نے ہنستے ہوئے کہا "اچھا' تھانے سے واپس آنے کا یقین ہے۔"

پھر اس نے ڈاکٹر سے کہا "میں سپاہیوں کو بھیجتا ہوں۔ وہ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے لے جائیں گے۔"

اس کے دونوں سپاہی میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہوگئے' ایک نے حکم دیا "چلو۔"

میں ان کے ساتھ باہر آیا۔ سپیرا جیپ کے راڈ کے ساتھ ہتھکڑی کے ذریعے بندھا ہوا تھا۔ افسر نے سپاہی سے کہا "اس

بندے کو ہتھکڑی کا دوسرا حصہ پہنا دو۔"

میں نے کہا "میں شرافت سے چل رہا ہوں یہی بہت ہے۔ ورنہ ہتھکڑی پہنانے سے پہلے گرفتاری کا وارنٹ دکھانا ہوگا۔"

"تو ہمیں قانون سکھاتا ہے؟ گرفتاری کا وارنٹ تو حوالات میں پہنچا کر دکھاؤں گا۔"

سپاہی نے حکم کے مطابق راڈ میں پھنسی ہوئی ہتھکڑی کھولی۔ اس کا ایک حصہ سپیرے کی کلائی میں تھا۔ سپاہی نے دوسرا حصہ اپنی کلائی میں پہن لیا۔ پولیس افسر دوسرے سپاہی کے ساتھ اگلی سیٹ پر چلا گیا تھا۔ وہ دوسرا سپاہی جیپ ڈرائیو کرنے لگا۔ انہیں اطمینان تھا کہ میں جیپ کے پیچھے ایک سپاہی کی نگرانی میں سپیرے کے ساتھ قیدی بنا بیٹھا ہوں۔

تھانے پہنچ کر جیپ رک گئی۔ افسر شانِ بے نیازی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ڈرائیو کرنے والے دوسرے سپاہی نے حیرانی سے ہمیں دیکھا پھر اپنے ساتھی سے پوچھا "ہتھکڑی تم نے کیوں پہنی ہے؟"

میں نے دوسرے کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ پہلا سپاہی دماغی طور پر آزاد ہو کر خود کو ہتھکڑی میں دیکھ رہا تھا۔ میرا آلۂ کار سپاہی انہیں رگیدتا ہوا حوالات میں لے گیا۔ اس نے آہنی سلاخوں والا دروازہ کھول کر پہلے اپنے ساتھی سپاہی اور سپیرے کو اندر کیا پھر خود اندر ہو گیا۔ سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکال کر تالا لگایا۔ اس کے بعد چابی مجھے دیتے ہوئے بولا "یہ چابی لیجئے' ہم یہاں آرام سے ہیں۔"

میں نے چابی لی' پھر ایس ایچ او کے دماغ میں پہنچا۔ اس پر قبضہ جما کر ڈیوٹی رپورٹ کے روزنامچے میں یہ پوری تفصیل لکھوائی کہ نعمان اس کے پاس آیا تھا۔ پھر یہ کہتا ہوا اپنی کوٹھی کی جانب بھاگنے لگا کہ اس نے بہن کو سانپ سے ڈسوانے کا جرم کیا ہے۔ ایس ایچ او اس کے پیچھے کوٹھی میں پہنچا تو صوفیہ کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ ایک جوان نے صوفیہ کو اسپتال پہنچایا۔ سانپ نے آفیسر کے سامنے نعمان کو ڈس لیا۔ سپیرے کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ مسٹر ارسلان اور ایک نوجوان طارق نے صوفیہ کی جان بچائی ہے۔ میں نے ان دونوں کو صوفیہ کی گواہی اور ضمانت پر گرفتار نہیں کیا ہے۔"

اس کے بعد میں نے صوفیہ کو قتل کرنے کی سازش کے الزام میں نعمان اور سپیرے کے خلاف ایف آئی آر لکھوائی۔ تمام ضروری کاموں سے نمٹ کر میں نے افسر کو اس کی جگہ سے اٹھایا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا حوالات کے اندر سپیرے اور دو سپاہیوں کے پاس پہنچا دیا۔ حوالات کے دروازے کو دوبارہ مقفل کیا۔ پھر اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

وہ چکرا کر رہ گیا۔ اس نے چاروں طرف گھوم کر حوالات کو اور سپاہیوں کو دیکھا پھر پوچھا "ہم یہاں کیسے آ گئے؟"

اس نے مجھے دیکھا' پھر سلاخوں کے پاس آ کر کہا "تو! تو باہر ہے اور ہم اندر۔ ابے کون ہے تو؟"

"میں وہ ہوں جسے دنیا کی کوئی پولیس آج تک ہتھکڑی نہیں پہنا سکی۔ تم لوگ یہ وردی پہن کر گاڈ فادر کیوں بن جاتے ہو؟ تمہارے سامنے نعمان نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ تمہارے سامنے میں نے اور اس نوجوان طارق نے صوفیہ کی جان بچائی۔ تم نے دوسرے مجرم سپیرے کو بھی گرفتار کیا۔ پھر ہمیں کیوں پریشان کر رہے تھے؟ تم لوگ فرعونی طریقۂ کار سے باز کیوں نہیں آتے؟ کیوں قانون کو مجبوروں کے لئے زحمت اور مجرموں کے لیے رحمت بناتے ہو؟"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں کون ہوں؟ اگر میں دولت مند ہوں تو مجھ سے بھاری رشوت لوگے۔ اگر میری پہنچ بہت اوپر تک ہے تو میرے سامنے ہاتھ جوڑ لوگے۔ اگر میں عام شہری ہوں تو مجھے ماں بہن کی گالیاں دوگے اور ڈنڈے سے مارو گے۔ تم پوچھتے ہو' میں کون ہوں؟ تاکہ میری حیثیت اور میری اوقات کے مطابق قانون بدل سکو۔"

میں نے چابی کو دور فرش پر پھینکتے ہوئے کہا "اس وقت تم خود قانون کے چوہے دان میں ہو۔ آج کی دنیا میں جو سب سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے' قانون اُسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر یہ غلط ہے اور قانون کمزوروں کے تحفظ کے لئے ہے تو آج سے انسان بننے کی کوشش کرنا۔ کیونکہ ایک اچھا انسان ہی سچا سپاہی بنتا ہے۔"

میں تھانے سے باہر آ کر ایک رکشا میں بیٹھ گیا۔ ادھر اسپتال میں صوفیہ کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی دوسرے بیڈ پر پارس کو بڑی اپنائیت سے دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اس سے کہا تھا "اس جوان نے زہر کو تمہارے جسم میں پھیلنے نہیں دیا۔ اسے چوس کر تھوک دیا۔ سانپ بہت زہریلا تھا۔ پتا نہیں یہ زہر کو منہ لگانے کے بعد کیسے زندہ رہ گیا ہے۔"

پارس خود زہریلا تھا۔ اس پر زہر کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ اگر زہر بہت زیادہ مہلک ہو تو اسے نشہ ہو جاتا تھا۔ اس وقت وہ مدہوش تھا۔ صوفیہ نے ڈاکٹر کو بلا کر پوچھا "یہ بولتا کیوں نہیں ہے؟ آنکھیں بھی نہیں کھول رہا ہے۔ پلیز اسے چیک کرو۔"

ڈاکٹر نے کہا "میں اطمینان کر چکا ہوں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے نشے کے طور پر زہر کا مزہ لے رہا ہے۔"

پارس نے تکیے پر سر گھما کر صوفیہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا پھر کہا "ڈونٹ وری۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس ذرا دھیمی دھیمی سی مدہوشی ہے۔"

ڈاکٹر مسکراتے ہوئے چلا گیا۔ صوفیہ نے کہا "تم نے میرے لئے جان کی بازی لگا دی۔ کون ہو تم؟"

"طارق۔ مجھے طارق کہتے ہیں۔ فرہاد صاحب کے لئے کام کرتا ہوں' انہوں نے اطلاع دی تھی کہ تم خطرے میں ہو۔ بس پھر میں خطرے سے کھیلنے پہنچ گیا۔"

"کسی کی جان بچانا نیک عمل ہے۔ مگر اپنی جان کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ وعدہ کرو' آئندہ یوں خطرات سے نہیں کھیلو گے۔"

"تم خطرے کی بات کرتی ہو۔ میں تو سُرور میں ہوں۔ پتا نہیں یہ زہر کا نتیجہ ہے یا تمہارے گورے گورے پاؤں کو منہ لگانے کا نشہ ہے۔ کیا تمہارے بدن سے شراب چھلکتی ہے؟"

وہ پہلے تو جھینپ گئی پھر اس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ انگلیوں کے پیچھے چوری چوری اسے دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار کوئی اچھا لگ رہا تھا۔ سیدھا دل میں گھس رہا تھا۔ اور وہ منع نہیں کر رہی تھی۔

پارس نے پوچھا "کیا تمہیں معلوم ہے' سانپ تمہارے کمرے میں کیسے آیا تھا؟"

"میں نے اسے کمرے کے روشندان سے فرش پر گرتے دیکھا تھا۔ جب اس نے ڈس لیا تو میرے ہوش اڑ گئے۔ بدن میں ایسی جلن تھی جیسے اندر آگ لگ گئی ہو۔ میں نے دھندلائی ہوئی نظروں سے تمہیں دیکھا اور اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد میں بے ہوش ہونے لگی۔ صرف اتنا یاد ہے' کمرے میں ایک اجنبی پٹارہ لے کر آیا تھا اور کچھ کہہ رہا تھا۔"

"وہ سپیرا تھا' کہہ رہا تھا۔ میں زہر چوسنے کے بعد زندہ نہیں رہوں گا۔"

"سپیرے کو مجھ سے کیا دشمنی تھی؟"

"سپیرے کو نہیں تمہارے بھائی کو دشمنی تھی۔ وہ تمہیں راستے سے ہٹانا چاہتا تھا کیونکہ باپ کے کاروبار میں تم اُس کی حصے دار تھیں۔ پھر نعمان کو یہ اندیشہ تھا کہ تم فرہاد صاحب کی بیٹی بننے کے بعد باپ بیٹے کو کنگال بنا دوگی۔"

"انہیں باپ اور بھائی کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو' تم سے خون کا رشتہ ہے۔ تمہیں یہ سن کر صدمہ ہوگا کہ اس سانپ نے نعمان کو ہلاک کر دیا ہے۔"

صوفیہ خلا میں تکنے لگی۔ پارس نے کہا "اپنے پھر اپنے ہی ہوتے ہیں۔ خواہ کتنی ہی دشمنی کریں' ان کی موت سے صدمہ ضرور ہوتا ہے۔"

"صدمہ بھائی کی موت کا نہیں ہے۔ جو زہر وہ میرے لئے لایا تھا' وہی اس کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔ ہاں صدمہ یہ ہے کہ مجھے بھائی کی دشمنی ملی پیار نہیں ملا۔"

"ہاں۔ یہ بڑی بدقسمتی ہوتی ہے۔ اگر باپ اور بھائی کا پیار نہ ملے۔"

"سچ کہتی ہوں' اگر مجھے پاپا کی محبت اور سرپرستی نہ ملتی تو میں صدمے سے مر جاتی۔ پاپا کہاں ہیں؟"

"یہ تو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وقت کہاں ہوتے ہیں۔"

"میں مرتے مرتے بچی ہوں۔ ایسے وقت انہیں میرے پاس آنا چاہئے تھا۔"

"دشمن ایسے ہی وقت کے انتظار میں رہتے ہیں کہ فرہاد صاحب رشتوں کی محبت سے ملاقات کرنے آئیں اور انہیں چھپ کر گولی مار دی جائے۔ کیا تم اُن کے اس دکھ کا اندازہ کر سکتی ہو کہ وہ اپنی بھانجی کی آخری رسومات میں شریک نہ ہو سکے۔ اپنی غمزدہ بہن کے پاس آ کر اس کے سر پر ہاتھ نہ رکھ سکے۔"

"واقعی پاپا کے دکھ کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ میں مانتی ہوں پاپا کو ہم سے ملنے کے لئے منظرِ عام پر نہیں آنا چاہئے۔"

"کیا تم کمزوری محسوس کر رہی ہو؟"

"کمزوری تو نہیں' البتہ زبان کا ذائقہ کچھ عجیب سا ہو گیا ہے۔ ابھی دوا پی تھی' وہ کڑوی لگی نہ میٹھی' نہ پھیکی نہ کسیلی۔ شاید یہ زہر کا اثر ہے' تمہاری زبان کیسی ہے؟"

"میٹھی ہے۔ سنا ہے میٹھی زبان جس زبان سے لگتی ہے اسے بھی میٹھا بنا دیتی ہے۔"

بیٹا شرارت کے موڈ میں تھا۔ اس لئے میں صوفیہ کے دماغ سے چلا آیا۔ انسپکٹر جنرل آف پولیس مجھ سے تعاون کر رہا تھا۔ میں ایک بار اُس سے رابطہ کر چکا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ ملک میں ہونے والے جرائم کے متعلق وہ مجھے اطلاع دیتا رہے گا کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ عہدے دار حکومتِ وقت کے وفادار ہوتے ہیں اور انہیں ہونا بھی چاہئے۔ لیکن حکومتِ وقت کے چند اکابرین ایسے ہوتے ہیں جو قانون کو

نظرانداز کرکے پولیس کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پولیس کے جو افسران قانون کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتے ان کا تبادلہ کرادیا جاتا ہے یا جھوٹے الزام میں ملازمت سے برطرف کرادیا جاتا ہے۔

میں انسپکٹر جنرل آف پولیس کے دماغ میں پہنچا۔ وہ اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے نورالدین بھوئیاں اپنے دو حواریوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ نورالدین بھوئیاں کے چار ٹرک لاہور سے کراچی اور کراچی سے لاہور مال لے جاتے اور لاتے تھے۔ اپنے علاقے میں اس کی بڑی دھاک جمی ہوئی تھی۔ پچھلے الیکشن میں اس نے غنڈا گردی کے تمام ہتھکنڈے استعمال کرکے ایک امیدوار ٹھنڈا پہلوان کو ایم پی اے بنادیا تھا۔ تب سے وہ اسمگلنگ کے دھندے میں اپنے ہاتھ لمبے کرتا جارہا تھا۔

میں آئی جی پولیس کے دماغ میں رہ کر نورالدین بھوئیاں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "جناب بندہ پرور ہیں۔ ہم تو آپ کے تابعدار ہیں۔ سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔"

آئی جی کوفت محسوس کررہا تھا۔ ایسے لوگ اس کے دفتر میں بھی قدم رکھنے کے جرات نہیں کرتے تھے۔ کجا یہ کہ گھر کے ڈرائنگ روم میں آکر سامنے بیٹھ گئے تھے۔ آئی جی نے کہا "آپ مقصد بیان کریں۔"

"او بیان کیا کرنا ہے جی۔ عرض کرنا ہے۔ آپ نے اشرف ماجھے کا ٹرک پکڑواکے جی خوش کردیا ہے۔ وہ پچھلے الیکشن میں اپوزیشن کے لئے کام کررہا تھا۔ یہ تو وقت وقت کی بات ہے۔ اگر اپوزیشن والے حکومت بنانے میں کامیاب ہوجاتے تو اشرف ماجھے میرے ٹرک پکڑوادیتا۔ آپ تو جانتے ہیں' حکومت بدلتی ہے تو چور' بدمعاش' اسمگلر اور پولیس والے بھی بدل جاتے ہیں۔"

"بھوئیاں صاحب! آپ مقصد بیان کریں۔"

"او بیان کیا کرنا ہے جی۔ عرض کرنا ہے۔ باہر کی اسکاچ شراب کراچی آتی ہے۔ ہم اپنے ٹرکوں میں کراچی سے لاہور لاتے ہیں۔ آپ نے اشرف ماجھے کا ٹرک پکڑواکے جی خوش کردیا۔ مگر بندہ پرور' آپ کے ایک انسپکٹر نے میرے دو ٹرک پکڑلئے ہیں۔"

آئی جی نے کہا "میں نے پولیس افسران کو حکم دیا ہے کہ کسی کے ساتھ رعایت نہ کی جائے۔"

"بے شک کسی کے ساتھ رعایت نہ کی جائے۔ مگر ہم "کسی" تو نہیں ہیں۔ ہم ٹھنڈا پہلوان ایم پی اے کے خاص الخاص بندے ہیں۔ ان کے رائٹ ہینڈ ہیں۔ ان کے دس راس (دستِ راست) ہیں۔"

"دس راس ہوں یا بیس راس۔ جب تک فرہاد علی تیمور صاحب اس ملک میں ہیں' تب تک کسی ایم پی اے اور ایم این اے کے ناجائز احکامات کی تعمیل نہیں ہوسکے گی۔"

"یہ فرہاد علی تیمور صاحب کون ہیں؟"

"یہ ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ ہمارے تمہارے دماغوں کے اندر گھس کر جھوٹ اور سچ' ایمان اور بے ایمانی کا حساب کرتے ہیں اور اس کے مطابق مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔"

"جناب! کیسی باتیں کررہے ہیں۔ بھلا دماغ کے اندر کوئی گھس سکتا ہے؟ یہ جو دیواروں پر اشتہارات لکھے ہوتے ہیں۔ عامل شاہ کوڑے والا یا پروفیسر امجد علی۔ حاضرات کے عامل۔ ہر آرزو پوری ہوگی۔ محبوب قدموں میں ہوگا۔ آپ بھی کسی عامل فرہاد کے چکر میں آگئے ہیں۔"

"جب آپ چکر میں آئیں گے تو دن میں بھی تارے نظر آجائیں گے۔"

"بندہ پرور! میں سمجھ گیا۔ آپ ٹال رہے ہیں۔ ذرا آپ ایم پی اے صاحب کے نمبر ملائیں۔ آپ ہماری نہیں سنتے' اوپر سے آنے والا حکم سن لیں گے۔"

"میں تمہیں آپ کہہ رہا ہوں۔ بھوئیاں صاحب کہہ کر تمہیں اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی ہے۔ صرف اس لئے کہ ایم پی اے کے حوالے سے آئے ہو۔ ورنہ تمہاری اوقات کیا ہے؟ مجھے نمبر ملانے کو کہہ رہے ہو۔ میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں؟ چلو اٹھو یہاں سے۔"

وہ اپنے حواریوں کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولا "بندہ پرور! آپ تو لال پیلے ہورہے ہیں۔ ہم نے دن رات ایک کئے ہیں۔ جان کی بازیاں لگاکر ٹھنڈا پہلوان کو حکومت کے اندر گھسایا ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آپ ہماری بے عزتی خراب کریں۔ او کوئی بات نہیں۔ آپ خوش رہیں۔ ہم تو شام ہونے سے پہلے دونوں ٹرک چھڑالیں گے' سلام علیکم۔"

وہ اپنے حواریوں کے ساتھ چلاگیا۔ آئی جی اس بات پر تلملا رہا تھا کہ جنہیں گردن سے پکڑ کر تھانے لایا جاتا ہے اور لات جوتے مارے جاتے ہیں' وہ اپنے ایم پی اے اور ایم این اے کے بل پر انسپکٹر جنرل آف پولیس کا بھی لحاظ نہیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی ذلت آمیز حالات سے دوچار ہوکر پولیس افسران بدلتے ہوئے وقت کے تقاضے پورے کرتے ہیں اور قانون کے محافظ ہوکر قانون شکن کہلاتے ہیں۔

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولا "فرہاد صاحب! آپ؟"

"جی ہاں۔ آپ واقعی فرض شناس ہیں۔"

"آپ میرے خیالات پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عارضی فرض شناسی ہے۔ ابھی اوپر سے حکم صادر ہوگا اور مجھے بھوئیاں جیسے اسمگلر کے سامنے شرمندہ ہوکر اس کے ٹرکوں اور ڈرائیوروں کو رہا کرنا ہوگا۔"

"آپ فکر نہ کریں' اپنے فرائض انجام دیتے رہیں۔ میرے ہوتے ہوئے نہ آپ کا تبادلہ ہوگا اور نہ ہی عہدہ سے نیچے گرایا جائے گا۔"

"میں اللہ کے بعد آپ ہی کے بھروسے پر دیانت داری سے فرائض ادا کررہا ہوں۔"

"آپ کوئی اہم اطلاع دینے والے تھے۔"

"جرائم کے سلسلے میں بے شمار اطلاعات ہیں۔ کیا آپ موجودہ کیس سے فارغ ہوگئے ہیں؟"

میں نے کہا "ہاں۔ یہودیوں کو ذرا ٹھنڈا کردیا ہے۔ چوہدری حاکم علی مایوس ہوکر لندن سے واپس آرہا ہے۔ نعمان مرچکا ہے۔ اب نعمان لیبارٹری کی واحد مالکہ صوفیہ ہوگی اور یہودیوں کو اپنے کاروبار سے ایک پیسہ بھی نہیں دے گی۔"

"آپ نے وقتی طور پر یہودیوں کو ٹھنڈا کردیا ہوگا۔ لیکن وہ درپردہ آپ کے خلاف مصروف ہیں۔ اب وہ ایک ایسے ایجنٹ کو لارہے ہیں جو یوگا کا ماہر ہے۔ اس کے کئی خاص حواری بھی سانس روکنے کا ہنر جانتے ہیں۔ آپ ان کے دماغوں میں نہیں جاسکیں گے۔"

"وہ ایجنٹ کون ہے؟"

"اس کا نام حمزہ خان ہے۔ پشاور جیل میں ہے۔ کل صبح رہا کیا جائے گا۔ رہائی کے بعد وہ کچھ ایسی وارداتیں کرے گا کہ آپ صوبہ سرحد جانے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

"صوبہ سرحد میرا صوبہ ہے۔ میرے ملک کا ایک فولادی صوبہ ہے' میں دشمنوں کے مجبور کرنے سے پہلے ہی خود اپنی خوشی سے وہاں جاؤں گا۔"

"یہودیوں کی پلاننگ ہے کہ آپ پنجاب سے نکل کر سرحد جائیں گے تو انہیں یہاں نئے سرے سے قدم جمانے کا موقع ملے گا۔ وہ یہاں بھی ایسے ایجنٹوں کو لائیں گے جن پر آپ کی ٹیلی پیتھی اثر نہیں کرے گی۔"

"میں جانتا تھا' وہ کچھ ایسی ہی چالیں چلیں گے۔ آپ نے بڑی اہم باتیں بتائی ہیں۔ میں محتاط رہوں گا۔ حمزہ خان کے متعلق کچھ اور بتائیں۔"

وہ کچھ بتانا چاہتا تھا' اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھاکر کہا "ہیلو۔ میں آئی جی اکبر درّانی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "تم اکبر درّانی بچپن سے ہو۔ مگر آئی جی ہمارے دم سے ہو۔ اگر تم نے مجھے آواز سے نہیں پہچانا ہے تو سنو' میں ایم این اے امان اللہ نیازی بول رہا ہوں۔ ہم چار ایم این اے اور چار ایم پی اے اسمبلی میں ایک آواز اٹھائیں گے تو تمہاری شامت آجائے گی۔ فرض شناسی اچھی ہوتی ہے مگر ہمارے بندے کو تو پریشان نہ کرو۔ ابھی اسی ٹائم دونوں ٹرک اور ان کے ڈرائیوروں کو چھوڑ دو۔"

آئی جی نے سوچ کے ذریعے پوچھا "اب بتائیں فرہاد صاحب! میں کیا کروں؟"

"آپ کہہ دیں کہ ان کے حکم کی تعمیل ہورہی ہے لیکن فرہاد وہ تمام مال شرابی گاہکوں تک پہنچنے نہیں دے گا۔"

میں ایم این اے امان اللہ نیازی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ آئی جی کی باتیں سن رہا تھا۔ جب میرا نام آیا تو اس نے کہا "تم فرہاد کی آڑ لے کر زیادہ ایمانداری نہ دکھاؤ۔ فرہاد یہودیوں کے بڑے بڑے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ یہ معمولی سے دو ٹرک کے کیس میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ تم وہ کرو' جو ہم کہہ رہے ہیں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے آئی جی کے پاس آکر پوچھا "وہ دونوں ٹرک کہاں ہیں؟"

"سپرہائی وے پر ٹھٹھہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔"

"جس انسپکٹر نے انہیں پکڑا ہے۔ اسے آپ حکم دیں کہ پہلے ایک ٹرک کو جانے دے۔ اس کے پندرہ منٹ بعد دوسرے ٹرک کو چھوڑ دے۔"

آئی جی نے اس سے رابطہ کیا۔ میں اس انسپکٹر کے پاس پہنچ گیا پھر اس کے ذریعے ٹرک کے ڈرائیور اور کلینر کی آوازیں سنیں۔ ان کے دماغوں پر قبضہ جماکر ٹرک کو وہاں سے چلنے دیا۔ کلینر پچھلے حصے آگیا۔ میرے حکم کے مطابق گتے کے ڈبے کھول کر شراب کی بوتلیں کھولنے لگا۔ ٹرک کے پچھلے حصے کی چار دیواری اور فرش پر شراب انڈیلنے لگا۔

پھر میں نے ڈرائیور کو قابو میں کیا۔ وہ ٹرک کو مین روڈ سے اتار کر ایک میدانی حصے میں لے گیا۔ وہاں اسے روک کر اس نے کئی بوتلیں کھول کر اگلے حصے میں ہر طرف شراب چھڑک دی۔ بونٹ کھول کر انجن پر بھی کئی بوتلیں توڑ دیں۔ پھر ماچس کی تیلی جلاکر اسے ٹرک کے اندر پھینک کر کلینر کے ساتھ بھاگتا ہوا دور جانے لگا۔ ٹرک سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ شعلے بڑھتے اور پھیلتے جارہے تھے۔ پھر پٹرول کی ٹنکی کے پھٹنے سے ایک زبردست دھماکا ہوا۔ کلینر نے ڈرائیور سے پوچھا "استاد! تم نے آگ کیوں لگائی؟"

ڈرائیور نے اس سے پوچھا "تونے شراب کی تمام بوتلیں کیوں توڑدیں۔ پورے ٹرک کو شراب نہلادیا۔ اب استاد کے لئے ایک پیٹی شراب تو رکھ لیتا۔"

"استاد! بھوئیاں صاحب اتنے جوتے ماریں گے کہ شراب سے زیادہ نشہ ہوجائے گا۔"

میں نے دوسرے ٹرک کے ڈرائیور اور کلینر کے پاس آکر وہی طریقہ اختیار کیا اور اسے بھی تمام بوتلوں سمیت تباہ کردیا۔ پھر میں نے ایم این اے کے پاس آکر دیکھا۔ وہاں ایم پی اے ٹھنڈا پہلوان اور اسمگلر نورالدین بھوئیاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور بھی چند بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ بھوئیاں کہہ رہا تھا "آپ لوگوں کے حصے کی بوتلیں تو پہنچادیا کرتا ہوں۔ آج اسکاچ وسکی کی نئی کھیپ آرہی ہے۔ آج رات میری طرف سے پینے کی دعوت ہے۔ چرغے بے حساب ہوں گے' آپ رج کے پئیں گے۔"

ایک نے کہا "ہاں بھئی' ایک ٹرپ میں بیس لاکھ روپے کی بیئر' وسکی اور برانڈی آتی ہے۔ تم رج کے نہیں پلاؤ گے تو کیا وہ آئی جی پلائے گا۔"

اس بات پر سب قہقہے لگانے لگے۔ میں نے وہاں ایک ایک کے اندر پہنچ کر تھوڑا تھوڑا سا زلزلہ پیدا کیا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھل اچھل کر صوفوں پر اور فرش پر گر کر تڑپنے لگے۔ خدا کو یاد کرنے لگے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے قیامت آگئی ہے۔ زمین اوپر ہو رہی ہے اور آسمان نیچے آرہا ہے۔ تکلیف کی شدت سے وہ چیخنے بھی رہے۔ کتنے ہی ملازم آکر انہیں سنبھالنے لگے۔

میں نے ایک ملازم کی آواز سنی پھر اس کے ذریعے کہا "اٹھو اور میری باتیں سنو۔ میں فرہاد علی تیمور اس ملازم کی زبان سے بول رہا ہوں۔"

وہ سب پریشان ہو کر ملازم کو تکنے لگے۔ میں نے ایم این اے امان اللہ نیازی کو مخاطب کیا اور کہا "تم سمجھتے ہو' فرہاد یہودیوں کے بڑے بڑے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ اسے بھوئیاں کے دو ٹرکوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ تم سیاسی لوگ اسمبلی میں پہنچ کر جیسے عوام کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے ویسے ہی میرے متعلق سوچ لیا کہ تم عوام میں نشے کا زہر پھیلاؤ گے اور میں اسے معمولی سی بات سمجھ کر نظر انداز کردوں گا۔"

وہ بولا "جناب فرہاد صاحب! باہر سے آنے والی شراب بہت مہنگی ہوتی ہے۔ اسے عام لوگ خرید نہیں سکتے۔ یہ تو صرف شرفا کے لئے منگوائی جاتی ہے۔ آپ یورپ امریکا میں رہتے ہیں۔ وہاں ہر گھر میں شراب پی جاتی ہے۔ آپ کو تو اس معاملے میں فراخ دل ہونا چاہئے۔"

میں نے کہا "یورپ اور امریکا میں سؤر کا گوشت اور دوسرے حرام کھانے ملتے ہیں۔ کیا میں فراخ دل ہو کر تمہارے جیسے شرفا کو حرام کھلاؤں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اور میرے خاندان کے افراد اور بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے نہ کبھی شراب پیتے ہیں اور نہ حرام کھاتے ہیں۔"

بھوئیاں نے کہا "بندہ پرور! آپ ہم پر اعتراض کرنے آئے ہیں۔ جن ملکوں میں رہتے ہیں' وہاں کے لوگوں کو شراب نوشی سے کیوں نہیں روکتے ہیں۔"

"وہاں شراب نوشی غیر قانونی نہیں ہے اور پاکستان میں غیر قانونی ہے۔ تم لوگ اسمبلی میں قوانین بناتے ہو۔ جاؤ اور شراب نوشی کو قانوناً جائز قرار دو۔ پھر میں کچھ نہیں کہوں گا۔ عوام خود ہی جوتے ماریں گے۔"

"جناب درست فرماتے ہیں۔ مگر کچھ تو خیال کریں۔ یہاں ہر شہر میں اور ہر بڑے گھر میں پی جاتی ہے۔ آپ کس کس کو روکیں گے؟"

"مجھے ہر فرد کو روکنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں شراب کی سپلائی ہی روک دوں گا۔ جیسے آج میں نے بھوئیاں کے شراب سے بھرے ہوئے دونوں ٹرک تباہ کردئے ہیں۔"

نورالدین بھوئیاں نے چیخ کر کہا "کیا! میرے دونوں ٹرک تباہ کردیے؟ نہیں' یہ جھوٹ ہے۔ تم یہاں ہو اور ہمارے ٹرک تمیں چالیس کلومیٹر دور ہیں۔ تم ایسا ہائی بلڈ پریشر والا مذاق نہ کرو۔"

"جاؤ اپنے ٹرکوں کی خبر لو اور اسپتال میں داخل ہو جاؤ' آج تمہیں ٹرک سمیت تقریباً تمیں لاکھ روپے کا نقصان پہنچ چکا ہے۔ اب میں اس ملازم کے دماغ سے جارہا ہوں۔ آئندہ ایسی اسمگلنگ سے پہلے اپنے نقصانات کا حساب کرلیا کرو۔ میں تم لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

پھر میں نے امان اللہ نیازی سے کہا "تم تمام ایم این اے متحد ہو کر ملک کو بنا سکتے ہو مگر اپنے اتحاد سے ملک کو بگاڑتے ہو۔ میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں آئی جی جیسے تمام دیانت دار افسران کے خلاف کوئی سیاسی دباؤ نہ ڈالنا۔ ورنہ لوگ تمہاری قبر پر پھول چڑھانے تو کیا تھوکنے بھی نہیں آئیں گے۔"

میں نے آئی جی کے پاس آکر تمام روداد سنائی۔ وہ خوش ہو کر بولا "خدا کی قسم فرہاد صاحب! آپ یہاں اپنی حکومت بنائیں تو یہ ملک جنت نظیر ہو جائے۔"

"خداوند کریم نے مجھے یہ علم کسی ایک ملک تک محدود رہنے کے لئے نہیں دیا ہے۔ میں جب تک ہوں اپنے طریقۂ کار سے پاکستانی عوام کو یہ بتاؤں گا کہ صرف سیاست داں اور پولیس والے دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیں تو یہاں کرپشن رہے گا نہ مہنگائی رہے گی۔ سوال پیدا ہوتا ہے' برے کو اچھا کیسے بنایا جائے؟ صرف اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست پر چلاتا ہے۔ کلام پاک میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا کام صرف ہدایات دینا ہے۔ لوگوں کو راہِ راست پر لانا ہمارا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دیں اور اسوۂ حسنہ سے نیکی اور راستی کا درس دیا۔ جسے اللہ نے ایمان کی توفیق دی' وہ ایمان لائے۔ باقی گمراہ رہے۔ میں بھی خدا کا ناچیز بندہ ہوں۔ میں راستہ دکھا سکتا ہوں' راستے پر جبراً چلا نہیں سکتا۔"

"آپ درست فرماتے ہیں۔ یہ دنیا ایک تماشا گھر ہے۔ یہاں کالے بھی ہیں گورے بھی' اچھے بھی ہیں برے بھی' انسان بھی ہیں شیطان بھی۔ ہماری یہ دنیا ایک دوسرے کے تضاد سے بنائی گئی ہے۔ تضادات کے باعث یہاں طرح طرح کے واقعات' جذبات اور احساسات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو دنیا جنت بن جائے۔ اور اگر یہ جنت بن جائے تو پھر عاقبت میں جنت کی کشش نہیں رہے گی۔"

میں نے پوچھا "آپ حمزہ خان کے متعلق بتا رہے تھے؟"

"وہ ہتھیاروں کا بہت بڑا اسمگلر ہے۔ جدید ہتھیار سرحد پار سے علاقہ غیر میں آتے ہیں۔ وہاں سے پاکستان کے ہر بڑے شہر میں پہنچائے جاتے ہیں۔ کراچی میں ان ہتھیاروں کی زیادہ کھپت ہے۔"

"کیا ہائی وے سے مال لے جایا جاتا ہے؟"

"جی ہاں' دریائی راستے سے بھی اسمگلنگ ہوتی ہے۔ حمزہ خان چھ فٹ کا صحت مند جوان ہے۔ عمدہ صحت کے باعث عمر کا صحیح

اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اپنے گینگ میں ایسے جوانوں کو رکھتا ہے جو اس کی طرح جوڈو کراٹے کا فن جانتے ہیں اور یوگا کی مشقیں کرتے رہتے ہیں۔ گینگ کا کوئی جوان نشہ نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی نشے کی حالت میں پکڑا جائے تو اسے گولی ماردیتا ہے۔"

آئی جی نے پشاور میں اس کی کوٹھی کا پتا اور فون نمبر بتایا۔ میں نے اسے یادداشت میں محفوظ کرلیا پھر کہا "میں جارہا ہوں۔ آپ سے پھر کسی وقت رابطہ کروں گا۔"

میں نے اپنی بہن شاہینہ کو مخاطب کیا' اس سے کہا "ضروری سامان باندھو۔ اور میری آباد کی ہوئی بستی فرہاد ولیج میں اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ عرصہ رہو' خطرات ٹل جائیں گے تو واپس آجانا۔"

وہ جانے سے انکار کرنا چاہتی تھی' میں نے کہا "میں کچھ نہیں سنوں گا۔ بیٹے کی زندگی عزیز ہے اور مجھے پریشانیوں سے بچانا چاہتی ہو تو تیار ہو جاؤ۔ میں کچھ دنوں کے لئے لاہور سے باہر جارہا ہوں۔ اب تمہارے پاس سوچ کے ذریعے سلمان آیا کرے گا' اچھا خدا حافظ۔"

میں نے سلمان سے کہا "شاہینہ اور کامران کو پاکستان سے فرانس لے آؤ۔ میرے ولیج میں انہیں خیریت سے پہنچادو۔ سفر کے دوران تم میں سے کسی نہ کسی خیال خوانی کرنے والے کو ماں بیٹے کے دماغوں میں موجود رہنا چاہئے۔ کوئی پرابلم پیش آئے تو مجھ سے رابطہ کرو۔"

اس کے بعد میں نے پارس کے پاس آکر کہا "میں پشاور جارہا ہوں۔ تمہارے انکل سلمان تم سے رابطہ کریں گے۔ تم ان کے تعاون سے چوہدری حاکم علی کا کاروبار صوفیہ کے نام منتقل کراؤ پھر میں اگلا پروگرام بتاؤں گا۔"

میں سلمان اور پارس کو تمام اہم ذمے داریاں سونپ کر پشاور کی طرف روانہ ہوگیا۔

○☆○

علی تیمور نے تنویمی نیند سے بیدار ہونے کے بعد سوسانہ اور جرائل کے ساتھ صرف دو گھنٹے گزارے تھے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے خیال خوانی کرنے والے دانیال اور راٹما کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا ہے تو اس نے فیصلہ کرلیا کہ سوسانہ اور جرائل سے دور رہنا چاہئے۔ یہودی جاسوس اب اس رہائش گاہ کی کڑی نگرانی کریں گے۔

صبح ہو چکی تھی۔ وہ عارضی میک اپ کرکے وہاں سے نکل آیا۔ لیلیٰ نے اس کے پاس آکر پوچھا "کیا ارادہ ہے؟ یوں اچانک نکل پڑے ہو۔ تم نے کچھ تو سوچا ہوگا۔"

"فی الحال یہی سوچا ہے کہ مجھے تنہا رہنا چاہئے۔ میں سوسانہ کے ساتھ رہتا تو وہ مجھ سے اپنی محبت چھپا نہ سکتی اور دشمنوں کو شبہ ہوتا کہ مجھ سے کوئی گہرا لگاؤ ہے اور میں فرہاد علی تیمور کی ٹیم کا کوئی خاص آدمی ہوں۔"

"تم نے ٹھیک سوچا۔ لیکن یہاں کس حیثیت سے رہو گے؟ کہاں پناہ لو گے؟ کیا بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والوں سے رابطہ کروں؟"

"آپ ادارے میں جائیں۔ وہاں سے معلومات حاصل کریں کہ یہاں ہمارے سراغ رسانوں میں کتنے افراد سرکاری عہدوں پر ہیں۔ جو سب سے اہم عہدہ پر ہوگا' میں اس کی جگہ رہوں گا۔ وہ عہدہ دار ایسا ہو کہ میری طرح قد اور جسامت ہو۔ اور چہرہ بھی ایسا ہو کہ ہلکی پلاسٹک سرجری سے میں اُس کا ہم شکل بن جاؤں۔ یہاں ہمارے پلاسٹک سرجری کے ماہر کا بھی پتا بتائیں۔"

لیلیٰ نے بابا صاحب کے ادارے کے ماہرین سے رابطہ کیا۔ وہ ادارے کے ایسے تمام افراد کا ریکارڈ چیک کرنے لگے جو اسرائیل میں یہودی بن کر کسی نہ کسی اہم سرکاری عہدوں پر کام کررہے تھے اور ہمارے ادارے کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ادارے کے ماہرین نے علی تیمور کی تصویر سامنے رکھ کر اُن سراغ رسانوں کی تصویروں سے موازنہ کیا۔ پھر انہوں نے بتایا' دو سراغ رساں علی سے برائے نام مشابہت رکھتے ہیں۔ بہت معمولی سرجری کے بعد علی ان کا ہم شکل ہو سکتا ہے ان میں سے ایک انٹیلی جنس کے شعبے میں ہے' دوسرا الیکٹریکل انجینئر ہے۔

لیلیٰ نے آکر علی سے کہا "ہمارا جو آدمی انٹیلی جنس میں ہے۔ اُس کی ایک بیوی اور چھ برس کی ایک بچی ہے۔ اگر تم اس کا بہروپ اختیار کرو گے تو بیوی اور بچی کے ساتھ رہنا ہوگا اور یہ ایک

غلط بات ہوگی۔"

اس نے پوچھا "کیا الیکٹریکل انجینئر تنہا رہتا ہے؟"

"اس انجینئر کا نام کارمن ہیراللہ ہے۔ فی الحال کنوارا ہے لیکن اس کی اپنے سینئر افسر کی بیٹی سے شادی ہونے والی ہے۔"

"یہ بھی خطرے کی بات ہے۔"

"لیکن شادی ابھی نہیں ہوئی ہے۔ تم کارمن کی جگہ لے کر اس شادی کو ٹال سکتے ہو۔ اتفاق سے کارمن بھی لڑکیوں سے دور رہنے کا عادی ہے۔ ایک اور بات تمہاری موافقت میں ہے۔ وہ اسپورٹس مین ہے۔ یوگا کا ماہر ہے۔ چند ماہ پہلے ایسے تمام سرکاری ملازمین کا محاسبہ کیا گیا جو یوگا کے ماہر ہیں۔ گولڈن برینز اپنی تسلی کرنا چاہتے تھے کہ ان سانس روکنے والوں میں کوئی دشمن کا آدمی نہ ہو۔ ایک یہودی خیال خوانی کرنے والے نے کارمن کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ سانس نہ روکے اور اسے خیالات پڑھنے دے۔"

علی نے پوچھا "یعنی کارمن کے خیالات پڑھے جاچکے ہیں اور گولڈن برینز اس سے مطمئن ہیں۔"

"ہاں۔ ہمارے وہ تمام سراغ رساں جو اسرائیل میں سرکاری عہدوں پر ہیں، ان پر پہلے ہی تنویمی عمل کیا گیا ہے۔ ان کے چور خیالات کے خانوں کو لاک کردیا گیا ہے۔ خیال خوانی کرنے والے مطمئن ہوجاتے ہیں کہ انہوں نے دور تک اپنے معمول کے خیالات پڑھ لئے ہیں۔ میں نے تم پر بھی عمل کرتے وقت یہی کیا ہے۔ اگر کوئی دشمن تمہارے خیالات جبراً پڑھنا چاہے تو ضرور پڑھے گا لیکن چور خانے تک نہیں پہنچ پائے گا۔ جہاں تک پہنچے گا وہیں تک تمہارے خیالات کی انتہا سمجھے گا۔"

علی نے پلاسٹک سرجری کے ماہر کی رہائش گاہ میں کارمن سے ملاقات کی۔ اس سے گفتگو کرکے اس کی آواز اور لہجے کو خود ادا کرتا رہا اور اس کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرتا رہا۔ کارمن اپنے بارے میں بہت کچھ بتاتا رہا۔ لیکن کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو دوسروں کو بتائی نہیں جاتیں۔ وہ باتیں لیلیٰ اس کے دماغ سے معلوم کررہی تھی اور علی کو بتاتی جارہی تھی۔ اس دوران اس کے چہرے پر سرجری ہوتی رہی۔ کارمن اپنے ڈیپارٹمنٹ کے تمام جونیئر اور سینئر افسران کی تصویریں لے کر آیا تھا۔ وہ ایک البم میں تھیں۔ سینئر افسر کی بیٹی پامیلا کی بھی کئی تصویریں تھیں جس سے کارمن کی شادی ہونے والی تھی۔

علی نے تمام چہرے ذہن میں نقش کرلئے۔ چونکہ کارمن سنجیدہ تھا۔ ہر ایک سے بے تکلف نہیں ہوتا تھا اس لئے ایسی عادت نے علی کے لئے آسانی پیدا کردی تھی۔ بہت کم لوگوں سے اس کا واسطہ پڑنے والا تھا۔

پروگرام کے مطابق کارمن رات کے آٹھ بجے اپنی کار میں دوبارہ اس رہائش گاہ میں آیا جہاں علی اب کارمن بن چکا تھا۔ سرجری کے ماہر نے کارمن کے چہرے پر معمولی سی تبدیلی کی تاکہ وہ اب کارمن ہیراللہ نہ رہے۔ جوجو کو یہ ذمے داری دی گئی کہ وہ کارمن کے دماغ میں رہے گی اور سرحد پار کرنے میں اس کی [illegible] کرے گی۔ تل ابیب سے لبنان اور دمشق کی سرحدیں [illegible] تھیں۔ کارمن ایک سیاہ رنگ کی گاڑی میں بیٹھ کر دمشق کی [illegible] کی سمت روانہ ہوگیا۔

کارمن نے اپنے بنگلے میں کوئی مستقل ملازم نہیں رکھا [illegible] دفتر کا ایک چپراسی صبح وشام آکر گھر کی صفائی اور دوسرے کام کرتا تھا۔ کارمن رات کا کھانا خود پکاکر کھاتا تھا۔ صبح کا [illegible] چپراسی تیار کرتا تھا۔ دوپہر کو دفتر یا کسی ہوٹل میں کھالیا کرتا [illegible] جس طرح مسلمان جمعے کو اور عیسائی اتوار کو چھٹی مناتے ہیں [illegible] طرح یہودی ہفتے کے دن چھٹی کرتے ہیں۔ وہ جمعے کی رات ہو [illegible] اور تفریح گاہوں میں گزارتا تھا اور ہفتہ کی صبح دیر تک [illegible] رہتا تھا۔

اسی معمول کے مطابق علی رات کے کھانے کے لئے ایک [illegible] سائیڈ ہوٹل میں آیا۔ سمندر کے ساحل پر بڑی رونق تھی۔ [illegible] سمندر، حُسن، موسیقی اور شراب وشباب کی رنگینیاں حدِ نظر [illegible] بکھری ہوئی تھیں اور یہ تمام رنگینیاں بہت مہنگی تھیں۔ [illegible] دولتمند ہی وہاں عیش کرسکتے تھے۔ ہر دولت مند کے ساتھ ایک [illegible] حسینائیں تھیں۔ علی تیمور کے پاس بھی ایک آئی۔ اس [illegible] معذرت چاہتے ہوئے اسے واپس کردیا۔

وہ ایک بالکونی میں بیٹھا کھانے سے پہلے سوپ پی رہا تھا [illegible] سوچ کے ذریعے لیلیٰ سے کہہ رہا تھا "ای! یہ اچھا ہی ہوا کہ [illegible] الیکٹریکل انجینئر کی حیثیت میں ہوں۔ آپ کارمن سے دریافت کریں، یہاں زیرزمین دفاتر اور خفیہ رہائش گاہیں کتنی ہیں [illegible] کہاں کہاں ہیں۔ کیونکہ ان خفیہ مقامات تک بھی بجلی کا کنکشن پہنچایا گیا ہوگا۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ تم نے بہت دور کی [illegible] ہے۔ ہمارا دھیان ادھر نہیں گیا تھا کہ گولڈن برینز جس خفیہ [illegible] میں بھی جاتے ہوں گے، وہاں بجلی کا کنکشن ضرور ہوگا۔"

"جی ہاں ای! ہوسکتا ہے بجلی کا کنکشن پہنچانے والے افسر [illegible] اور ملازموں کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کوئی خفیہ اڈا ہے یا وہاں گولڈن برینز آکر بیٹھتے ہیں لیکن بجلی جہاں جہاں خرچ ہوتی ہے ان تمام جگہوں کا حساب بجلی کے شعبے کے دفاتر میں ضرور ہوگا۔"

علی کا دماغ کہاں سے کہاں پہنچ رہا تھا۔ لیلیٰ تفصیلات حاصل کرنے کارمن کے پاس چلی گئی۔ وہ سوپ پینے کے بعد کھانے [illegible] آرڈر دینے لگا۔ اسی وقت پیچھے سے ایک لڑکی نے کہا "میرے [illegible] بھی کھانے کا آرڈر دو۔"

علی نے سر گھماکر دیکھا۔ پامیلا مسکرارہی تھی۔ پھر وہ آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی "جانتے ہو، میں کب سے تلاش کررہی ہوں [illegible] جناب یہاں بیٹھے ہیں۔"

وہ سامنے آکر میز کے دوسری طرف بیٹھ گئی۔ بیرے کو کھانے [illegible] آرڈر دے کر رخصت کیا پھر بولی "کل تم نے کہا تھا کہ فرائیڈے [illegible] [illegible] گھر میں گزارو گے، کسی ہوٹل میں نہیں کھاؤگے۔"

علی کو معلوم نہیں تھی کہ کارمن ایسا کہہ چکا ہے۔ وہ [illegible] بات بناتے ہوئے بولا "بے شک کہا تھا کہ آج کی رات باہر نہیں [illegible] نکلوں گا لیکن یہ کوئی عدالتی فیصلہ تو نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا، میں نے فیصلہ بدل دیا۔"

"واہ! کتنی آسانی سے کہہ رہے ہو۔ میں نے دوبار تمہارے گھر [illegible] فون کیا پھر خود وہاں گئی۔ مگر دروازہ لاکڈ تھا۔ میں سمجھ گئی مجھے دھوکا [illegible] دے کر یہاں تنہا تفریح کے لئے آئے ہو۔ آخر تم مجھ سے کتراتے کیوں ہو؟"

"تم مجھے کئی برس سے دیکھتی اور سمجھتی آرہی ہو۔ میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ میں کسی لڑکی سے بات تک نہیں کرتا۔ ہاں تمہاری عزت کرتا ہوں کیونکہ تم میرے سینئر افسر کی بیٹی ہو۔"

"یعنی مجھ میں اور کوئی خوبی نہیں ہے۔ میرے حسن وشباب پر لاکھوں مرتے ہیں اور تمہیں کوئی کشش نہیں ملتی۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ اس طرح تم میری انسلٹ کرتے ہو؟"

"انسلٹ کی بات نہیں ہے۔ میں شاعر یا عاشق مزاج نہیں ہوں، الیکٹریکل انجینئر ہوں۔ بجلی کے جھٹکے کھاتا ہوں مجھے حسن کے جھٹکے نہیں لگتے۔"

"تمہاری اس سادگی اور شرافت پر مرتی ہوں اور خوب سمجھتی ہوں کہ شادی کے بعد آخری سانس تک میرے ہی رہوگے کوئی دوسری حسینہ تمہیں مجھ سے چھین نہیں سکے گی۔"

"پلیز پامیلا! شادی کی بات نہ کرو۔ کلیجا منہ کو آتا ہے۔"

"تم عجیب مرد ہو۔ آخر شادی سے بھاگتے کیوں ہو؟"

"اس لئے کہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی، ہنستے ہنستے بولی "اوہ کارمن! تمہارا بھی جواب نہیں ہے۔ میرے بھولے شہزادے! عورت اپنی عزت آبرو، اپنا سب کچھ اپنے محبوب کو سونپنے کے لئے ہی شادی کرتی ہے۔"

وہ بولا "شادی کا مطلب ہے خوشی۔ اگر عورت اپنی آبرو کسی کے حوالے کرتی ہے تو یہ خوشی کی نہیں شرم کی بات ہے۔"

"اوہ گاڈ! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں یہ شرم کی نہیں بلکہ ایک بیاہتا عورت کے لئے فخر کی بات ہے۔ تم اس مسئلے پر بات نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔"

"بات کیسے نہ کروں؟ تمہارے ڈیڈی بھی یہی کہتے ہیں، میری بیٹی سے جلدی شادی کرو، میں تمہیں پرائیویٹ الیکٹریکل ڈیپارٹمنٹ کا انچارج انجینئر بنادوں گا۔"

"ٹھیک تو کہتے ہیں۔ ڈیڈی وہاں کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ہیں۔ وہاں ٹرانسفر ہوکر عیش کروگے۔ تنخواہ بڑھے گی، پولیس اور انٹلی جنس والوں کا تعارف حاصل ہوگا۔"

علی سوچ میں پڑگیا۔ کارمن نے پرائیویٹ الیکٹریکل ڈیپارٹمنٹ کا ذکر کیا تھا لیکن اس وقت علی نے دور تک نہیں سوچا تھا کہ زیرزمین خفیہ اڈوں تک جو بجلی کی سپلائی ہوتی ہے اس کا حساب کتاب پرائیویٹ الیکٹریکل ڈیپارٹمنٹ میں رہتا ہوگا۔

بیرا کھانے کی ٹرالی لے آیا تھا اور ان کے درمیان میز پر مختلف ڈشیں رکھ رہا تھا۔ علی کو سوچنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ بات تکلیف دہ تھی کہ اس پرائیویٹ ڈیپارٹمنٹ تک پہنچنے کے لئے پامیلا سے شادی کرنا ہوگی۔ گویا اس خفیہ شعبے کا دروازہ صرف پامیلا ہی کھول سکتی تھی۔

بیرا چلا گیا۔ پامیلا بڑی محبت سے علی کو دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی۔ "کارمن! تمہارے جیسے فرشتے کو گناہوں سے بھری ہوئی دنیا میں پیدا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں تنہائی میں کتنی بار تمہارے قریب آئی۔ تمہیں طرح طرح سے بہک جانے پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر تم مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہو۔ تمہاری یہی خوبیاں مجھے اور دیوانہ بنادیتی ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولا، چپ چاپ کھاتا رہا، پامیلا نے پوچھا "کیا تم چاہتے ہو کہ شادی سے انکار کرو اور میرے ڈیڈی میری شادی کسی دوسرے سے کردیں؟"

"ہرگز نہیں۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ شادی کے بعد کوئی دوسرا تمہاری عزت اتارے۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی "فار گاڈ سیک، عزت کی بات نہ کرو۔ صرف شادی کی بات کرو۔ ویسے تمہاری اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم مجھے اپنی عزت سمجھتے ہو اور مجھے کسی دوسرے کے حوالے ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے۔"

علی نے دل میں کہا "میں وہ خفیہ شعبہ کسی دوسرے کے حوالے ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا۔ لیکن ترقی پاکر اس شعبے میں ٹرانسفر ہونے کی شرط بہت کڑی ہے۔ میں کیا کروں؟ یہ حسینہ گولڈن برینز تک پہنچنے کی سیڑھی بن گئی ہے۔"

پامیلا نے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟"

"سوچتا ہوں، شادی کروں گا تو تمہارے ساتھ وہ......"

وہ بات کاٹ کر بولی "اے خبردار! عزت و آبرو کی بات نہ کرنا ورنہ میں کانچ کی پلیٹ اٹھاکر اپنے سر پر مارلوں گی۔"

"میں دوسری بات کررہا ہوں۔"

"ہاں کرو۔ جی خوش کرنے کی بات کرو۔"

"سوچتا ہوں، اگر میں تمہیں بھگاکر لے جاؤں۔ اس کے بعد۔"

وہ پھر بات کاٹ کر بولی "جب شادی ہوسکتی ہے تو بھگاکر لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"بھئی فرض کرو، اگر میں بھگاکر لے جاؤں۔"

"چلو فرض کرتی ہوں، پھر؟"

"پھر تمہارے ڈیڈی کیا کریں گے؟"

"تمہارے خلاف کیس کریں گے۔ تمہیں پکڑوائیں گے، جیل بھجوادیں گے۔ وہ اپنی بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔"

"تمہیں بھگاکر لے جانے سے ان کی بے عزتی کیسے ہوگی؟"

"کیسے نہیں ہوگی؟ دنیا کہے گی کہ میں تمہارے ساتھ بھاگ

جانے کے بعد عزت کے قابل نہیں رہی ہوں۔"
"عزت کے قابل کیوں نہیں رہو گی؟"
"اس لئے کہ بھگا کر لے جانے والا عزت لوٹ لیتا ہے۔"
علی نے پریشان ہو کر کہا "یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ شادی کرکے لے جانے والا بھی یہی بدمعاشی کرتا ہے پھر دنیا تمہیں عزت کے قابل کیسے سمجھ لیتی ہے۔"

پامیلا نے دونوں مٹھیاں بھینچ کر زور کی چیخ ماری۔ سب لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ علی کو گھونسے دکھا کر کہہ رہی تھی "کارمن! میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم پکے بدمعاش ہو۔ بدمعاشوں سے بھری ہوئی دنیا میں سب شریف ہوتے ہیں' بدمعاش وہ ہوتا ہے جو شرافت کی باتیں کرتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم جوان کیسے ہو گئے ہو۔ اگر جوان نہیں ہوئے ہو تو ماں کی گود سے اٹھ کر میرے پاس کیوں آ گئے ہو؟"

لوگ ان کے قریب آ رہے تھے۔ ہوٹل کا منیجر دوڑتا ہوا آیا پھر بولا "مس! کیا بات ہے؟ مسٹر! آپ بتائیں' کیا گڑبڑ ہے؟"

وہ بولی "کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ میرا دماغ چل گیا ہے۔ میں پاگل ہو گئی ہوں۔"

وہ تیزی سے پلٹ کر جانے لگی۔ علی نے فوراً کھانے کا بل ادا کیا پھر ہوٹل کے احاطے سے باہر نکل آیا۔ وہ سمندر کی طرف منہ کئے کھڑی تھی اور ٹشو پیپر سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

وہ قریب آ کر بولا "تمہیں مجھ پر غصہ آ رہا ہے۔ لیکن تم سے زیادہ مجھے اپنے آپ پر غصہ آ رہا ہے کہ میں نے تمہیں رلا دیا۔"

وہ کوئی جواب دیے بغیر ایک طرف جانے لگی۔ وہ پیچھے چلتے ہوئے بولا "ویسے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ میری باتوں میں کون سی بات نے تمہیں رلا دیا ہے۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے گھوم کر اسے دیکھا۔ کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا پھر سوچا' اس بھولے نوجوان سے کچھ کہے گی تو اس کا جواب سن کر پھر کھوپڑی گھوم جائے گی۔ اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا پھر پلٹ کر جانے لگی۔

سمندر کے ساحل پر دور تک بڑی بڑی سرچ لائٹس کی روشنیاں پہنچ رہی تھیں۔ رات کو بھی دن کا سماں تھا۔ علی سوچ رہا تھا' اگر یہ ناراض ہو گئی تو اس کا باپ بھی ناراض ہو جائے گا پھر اس کی ترقی نہیں ہو گی۔ وہ خفیہ شعبے تک نہیں پہنچ پائے گا۔

وہ کسی حسینہ کے ساتھ نہیں چلتا تھا۔ کجا یہ کہ اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اپنے مقصد کے لئے مزاج کے خلاف اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے کبھی کسی روٹھی ہوئی حسینہ کو نہیں منایا تھا۔ اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بگڑتا ہوا کام بنانے کے لئے اسے کیسے منائے؟

وہ بڑی دور تک آگے پیچھے چلتے رہے۔ ساحل کی رونق پیچھے رہ گئی۔ ادھر ایسی عورتوں اور مردوں کا میلہ لگا ہوا تھا جو دولتمند نہیں تھے' سستی عیاشی کے لئے پولیس والوں کو کچھ دے کر ویران ساحل آباد کرتے تھے۔ پامیلا اور علی کو آگے پیچھے چلتے دیکھ کر کچھ بدمعاش بھی ساتھ چلنے لگے۔ ایک نے علی سے پوچھا "کیا بات ہے جوان! بہت دور سے پیچھا کرتے آ رہے ہو۔ یہ تم سے نہیں پھنسے گی۔ تم جاؤ۔"

علی اسے ایک طرف دھکا دے کر آگے بڑھتے ہوئے "کیوں تماشا بنا رہی ہو' واپس چلو۔"

دھکا کھانے والے نے علی پر چھلانگ لگائی۔ علی ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ ریت پر اوندھے منہ گر پڑا۔ دو بدمعاشوں نے پامیلا کو دونوں طرف سے پکڑ لیا۔ تیسرے نے علی پر حملہ کرنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی منہ پر گھونسا کھا کر چکرا گیا۔ فولادی ہاتھ نے آنکھوں کے سامنے اندھیرا کر دیا تھا۔

وہ دونوں پامیلا کو چھوڑ کر اس کی طرف لپکے۔ مگر اتنی تیزی سے مار کھاتے گئے کہ سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انسانی ہاتھ مشین کی سی تیزی سے چل سکتے ہیں۔ ریت پر ایسے گرے کہ پھر اٹھ نہ سکے۔

پامیلا حیرانی سے علی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے صرف ایک منٹ میں میدان صاف کر دیا تھا۔ وہاں اور بھی بدمعاش تھے۔ دور سے تماشا دیکھ کر جانے لگے۔ سمجھ گئے' وہ حسینہ مہنگی پڑے گی۔

وہ قریب آ کر بولی "ڈیڈی نے بتایا تھا کہ تم اے ون اسپورٹس مین ہو مگر میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے زبردست ہو۔"

وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "تم مجھے پاگل کئے جا رہے ہو۔ آئی لو یو۔ لو یو۔ لو یو....."

ساحل کی ہوائیں بولنے لگیں "آئی لو یو۔ لو یو....."

سمندر کی موجیں انگڑائیوں کی اٹھان پر کہنے لگیں "آئی لو یو۔ لو یو....."

اب سے پہلے رانما نے اسے تہذیب کی جنت سے نکالا تھا۔ ان دنوں وہ خود کو بھول چکا تھا۔ اور اب خود کو پہچان لینے کے بعد بھی رانما کی نہ بھولنے والی ملاقاتیں یاد آ رہی تھیں اور ان یادوں کو پامیلا تازہ کر رہی تھی۔

اس نے پامیلا کے بازو کو پکڑا پھر اسے کھینچ کر لے جاتے ہوئے بولا "گناہ اور ثواب کے درمیان کچھ تو فاصلہ رکھو۔ عزت دار باپ کی بیٹی ہو' اپنی عزت آپ کرو۔ ورنہ دو کوڑی کی ہو جاؤ گی۔"

وہ اسے کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا۔ پامیلا کو اس کا انداز اچھا لگ رہا تھا۔ وہ خوش ہو کر سوچ رہی تھی "آخر مجھے اپنی سمجھ کر ہی گھسیٹ رہا ہے۔ میرا چاہنے والا بدمعاش نہیں ہے۔ اس پر فخر کرنا چاہئے۔"

اور علی دل میں کہہ رہا تھا "یا خدا! مجھے اپنا مقصد پورا کرنے دے۔ تب تک اس لڑکی کو اپنی عزت رکھنا سکھا دے۔ میرا مقصد پورا ہوتے ہی میں کارمن کو واپس بھیج دوں گا۔ وہ اس لڑکی سے نمٹتا رہے گا۔"

وہ ایسی دعائیں مانگنے کے باوجود یہ سمجھ رہا تھا کہ فی الحال کامیابی کا زینہ صرف پامیلا ہی ہے۔ اس سے نجات ممکن نہیں ہے۔ وہ دونوں ساحل کے ایک اوپن ریستوران میں آئے۔ وہاں کھانے کا آرڈر دیا پھر پامیلا نے کہا "میں اچھی طرح جانتی ہوں' تم مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہو۔ مگر یہ اب تک نہ جان سکی کہ شادی سے کیوں کتراتے ہو؟"

"پلیز' ہم شادی کی بات پھر کسی دن کریں گے۔"

"اسے بھی شادی سے کترانا کہتے ہیں۔"

ویٹر کھانا لے کر آ گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ اسی وقت لیلیٰ نے آ کر کوڈ ورڈز ادا کئے' وہ بولا "میرے سامنے پامیلا بیٹھی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ پامیلا کے سامنے پارس ہوتا۔"

لیلیٰ نے ہنستے ہوئے کہا "تم لڑکیوں سے اتنا گھبراتے کیوں ہو؟ ان سے دور رہنا اچھی بات ہے لیکن اہم مقاصد اور ذمے داریاں پوری کرنے کے لئے دوستی کرنا اور انہیں برداشت کرنا چاہئے۔"

بیرا کھانے کی ڈشیں رکھ کر چلا گیا۔ علی نے کہا "پامیلا! میں کھانے کے دوران خاموش رہوں گا اور شادی کے مسئلے پر غور کرتا رہوں گا۔ اس لئے کھانا ختم ہونے تک مخاطب نہ کرنا۔"

وہ بولی "میری دعا ہے کہ تم غور کرو اور معقول فیصلہ کرو۔ میں خاموشی سے انتظار کروں گی۔"

کھانا شروع ہو گیا۔ دونوں خاموش رہے' لیلیٰ نے کہا "کارمن نے بتایا ہے کہ پرائیویٹ رہائش گاہوں' سرکاری اور فوجی خفیہ اڈوں میں جو بجلی پہنچائی جاتی ہے اس کا حساب کتاب بجلی کے خفیہ شعبے میں رہتا ہے۔ وہاں پامیلا کا باپ ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ہے۔"

"کیا پامیلا کے باپ پر تنویمی عمل کر کے اسے معمول نہیں بنایا جا سکتا؟"

"نہیں۔ کارمن نے بتایا ہے کہ وہ حساس دماغ کا مالک ہے۔ کئی منٹ تک سانس روک لیتا ہے۔ اسرائیلی حکومت یا گولڈن برینز نے کچھ سوچ کر ہی اسے وہاں کا ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ بنایا ہے۔"

علی نے کہا "وہ چاہتا ہے' میں اس کی بیٹی سے شادی کروں پھر وہ میرا ٹرانسفر خفیہ شعبے میں کرائے گا۔"

"اس طرح تمہیں تمام خفیہ ریکارڈز کو پڑھنے کا موقع ملے گا۔ تمام تفصیلات معلوم ہوں گی کہ خفیہ اڈے کہاں کہاں ہیں۔ ان ہی میں سے کوئی خفیہ اڈا گولڈن برینز کا ہو گا۔"

"جی ہاں' ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن میں شادی کیسے کروں؟"

"جیسے سب کرتے ہیں۔"

"امی! کچھ تو سوچیں۔ شادی کے بعد وہ میری بیوی بن جائے گی۔ ہمارا مقصد حاصل ہونے میں دیر ہوئی تو وہ میرے بچے کی ماں بن جائے گی۔ پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ مجھے کارمن کا چولا اتار کر اس ملک سے جانا ہو گا۔ کیا میں یہاں بیوی بچوں کو چھوڑ کر جاؤں گا؟"

"درست کہتے ہو۔ یہ عمل تہذیب اور انسانیت کے خلاف ہو گا۔ ویسے بات بن سکتی ہے۔ جب تم اسے چھوڑ کر چلے جاؤ گے تب میں پامیلا کو تمہاری حقیقت بتا دوں گی۔ اگر وہ تم سے سچا پیار کرتی ہے تو اپنا ملک چھوڑ کر تمہارے پاس چلی آئے گی۔"

"کیا وہ میرے پاس آ کر اسلام قبول کر لے گی؟ میری اولاد کو مسلمان بننے دے گی یا اسے یہودی بنا کر رکھے گی؟ کیا یہ الزام نہیں آئے گا کہ ایک مسلمان نے یہودی بن کر اسے دھوکا دیا اور اب وہ پیار سے مجبور ہو کر اسلام قبول کر رہی ہے۔ جبکہ اسلام میں کسی بہانے سے بھی کسی پر جبر نہیں کیا جاتا۔"

"بیٹے! تمہاری شرافت اور دینداری نے مجھے الجھا دیا ہے۔ میں اس مسئلے پر سسٹر سے بات کرنے جا رہی ہوں۔ ماشاءاللہ تم بہت ذہین ہو۔ اپنے طور پر کوئی ایسا راستہ نکالو کہ کسی الجھاوے کے بغیر ہمارا مقصد پورا ہو جائے۔"

لیلیٰ سونیا سے مشورہ کرنے چلی گئی۔ علی سوچنے لگا۔ کیا کیا جائے؟ بات کہاں آ کر اٹک رہی ہے؟

ذہن پر ذرا زور ڈالنے سے سمجھ میں آیا۔ بات حیا اور شرافت پر آ کر اٹک رہی ہے۔ اگر پامیلا کی حیا برقرار رہے۔ اس کی عزت پر آنچ نہ آئے اور گولڈن برینز تک رسائی ہو جائے تو ضمیر مطمئن رہے گا۔ وہ آہستہ آہستہ کھا رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ پامیلا کھانے کے دوران نظریں اٹھا کر دیکھتی تھی۔ پھر اس انتظار میں چپ رہتی تھی

کہ کھانے کے بعد کارمن اس کے حق میں فیصلہ سنائے گا۔

اور وہ بیچارہ الجھا ہوا تھا۔ پیچیدہ مسئلے کا اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ رہا تھا۔ لیلیٰ نے آکر کہا "سسٹر کو تم پر اندھا اعتماد ہے۔ وہ کہتی ہیں، علی کی ذہانت ایسے ہی وقت گل کھلاتی ہے جب سارے راستے بند ہوجاتے ہیں اور تمام سہارے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ میں سسٹر کے حکم سے تمہارا ساتھ چھوڑ رہی ہوں۔ ایک گھنٹے بعد آؤں گی۔"

وہ چلی گئی۔ وہ تنہا اور بے سہارا رہ گیا۔ پامیلا اسے بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کھانا ختم کیا پھر نیپکن سے ہونٹوں اور باچھوں کو صاف کرتے ہوئے بیرے سے کہا "کافی لے آؤ۔"

وہ پلیٹیں اٹھا کر چلا گیا۔ پامیلا نے پوچھا "کیا کافی پینے کے بعد بولنا شروع کروگے؟ میری جان سولی پر اٹکی ہوئی ہے۔"

"اپنی جان کو سولی سے اتار لو اور میری باتیں غور سے سنو۔"

وہ کرسی کھسکا کر ذرا آگے ہوگئی۔ علی نے کہا "میرا ایک خاندانی مسئلہ ایسا ہے جس کے باعث میں نے سوچ لیا تھا کہ کبھی شادی نہیں کروں گا۔ اگر کوئی لڑکی میرے دل میں سما جائے گی اور میں شادی پر مجبور ہوجاؤں گا تو شادی سے پہلے اسے اپنا راز دار بناؤں گا۔ کیا میں رازداری کے سلسلے میں تم پر بھروسا کروں؟"

"بے شک۔ میں قسم کھا کر یقین دلاتی ہوں، تمہارا جو بھی راز ہے اسے میں کسی پر ظاہر نہیں کروں گی۔"

"تم قسم نہ کھاؤ، تب بھی میں وہ راز بتاؤں گا کیونکہ تم پہلی لڑکی ہو، جسے میں نے شریکِ حیات نہ بنایا تو زندگی کی تمام مسرتوں سے محروم ہوجاؤں گا۔ تم نے مجھ پر جادو کردیا ہے۔"

وہ خوش ہوکر بولی "پہلی بار تمہاری زبان سے اپنے لئے ایسی باتیں سن رہی ہوں۔ تم نے مجھے ہمیشہ کے لئے جیت لیا ہے۔ وہ راز بتاؤ۔"

"وہ...... بات یہ ہے کہ پہلے میں پیدا ہونا نہیں چاہتا تھا۔"

پامیلا نے حیرانی سے پوچھا "اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"مطلب یہ کہ میرے والدین شادی کے آٹھ برس تک میرا انتظار کرتے رہے لیکن میں ان کی گود میں نہیں آیا۔"

"یوں کہو نا کہ تمہارے والدین اولاد سے محروم تھے۔"

"ہاں۔ تم نے ربی اسفندیار کا نام سنا ہوگا؟"

"بالکل سنا ہے۔ وہ ہمارے بہت بڑے مذہبی پیشوا تھے۔ ہمارے ملک کے تمام اکابرین ان کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ وہ غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ دشمن فرہاد علی تیمور نے اس بزرگ ہستی کو مار ڈالا۔"

"میرے والدین اولاد کی تمنا لے کر ان ہی بزرگ ربی اسفندیار کے پاس گئے تھے۔ بزرگ نے میرے والدین کے لئے دعا کی۔ انہیں کچھ ضروری ہدایات دیں۔ پھر کہا کہ اگر ہدایات پر عمل کیا گیا تو اولاد کی تمنا پوری ہوگی۔"

پامیلا نے کہا "اور تمنا پوری ہوگئی، تم پیدا ہوئے۔ مگر اس میں راز کی کیا بات ہے؟"

"وہی بتا رہا ہوں۔ ذرا تحمل سے سنو۔ میرے والدین مجھے لے کر بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ وہ میرے مستقبل کا حال بتائیں۔ بزرگ کی پیش گوئیاں اکثر درست ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے میرا زائچہ بنا کر کہا 'اسے کارمن کہا کرو۔ یہ بڑے نصیبوں والا ہے۔ آخری عمر تک خوشحال رہے گا۔ اس کی زندگی میں صرف ایک ہی بری گھڑی آئے گی، جب یہ شادی کرے گا۔"

پامیلا کرسی پر سیدھی ہوکر بیٹھ گئی پھر بولی "اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی نہیں کروگے تو بُری گھڑی ٹل جائے گی۔"

"یہ مطلب نہیں ہے۔ بزرگ نے کہا تھا مجھے جوان ہوکر شادی ضرور کرنا چاہئے۔ اگر نہیں کروں گا تو وہ لڑکی مرجائے گی جس سے شادی نہیں کروں گا اور اگر کروں گا تو میں مرجاؤں گا۔"

"اوہ گاڈ! آج میں پاگل ہوجاؤں گی۔ کیا تم سنجیدہ ہو؟"

"پامیلا! میری سنجیدگی پر شبہ نہ کرو۔ میں اس ملک کے عظیم مذہبی پیشوا کی پیش گوئی بیان کررہا ہوں۔ کیا تم یہودی ہوکر ربی اسفندیار کی سچائی سے انکار کروگی۔"

وہ جلدی سے انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں۔ میں نے شبہ کیا، بہت بڑی غلطی کی۔ خدا مجھے معاف کرے۔ لیکن یہ تو عجیب مسئلہ ہے۔ شادی کروگے تو تم مرجاؤ گے۔ نہیں کروگے تو میں مرجاؤں گی۔"

"اسی مسئلے نے میرے والدین کو پریشان کیا تھا۔ انہوں نے بزرگ پیشوا کے پاؤں پکڑ لئے۔ گڑگڑا کر کہا۔ ہم اپنی اولاد کی زندگی کے ساتھ ہونے والی بہو کی بھی سلامتی چاہتے ہیں۔ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ہماری اولاد کے لئے دعا کریں۔ اس مسئلے کا کوئی حال بتائیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ہماری خاطر ایک ہفتہ تک خصوصی عبادت میں مصروف رہیں گے، شاید خدا ہم پر مہربان ہوجائے۔ میرے والدین سلامتی کی امیدیں لئے واپس آگئے۔"

علی نے ایک گہری سانس لی۔ پامیلا نے پوچھا "آگے بولو جلدی بولو۔"

"ایک ہفتے بعد بزرگ نے کہا' اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے۔ کارمن کو اور اس کی بیوی کو ایک آزمائش سے گزرنا ہوگا۔"

پامیلا نے بے چینی سے پوچھا "کیسی آزمائش؟"

"بزرگ نے فرمایا۔ شادی کی پہلی رات سے چالیسویں رات تک میاں بیوی کو الگ الگ کمرے میں سونا ہوگا۔ چالیس راتوں کے بعد دلہا دلہن کے سروں پر منڈلانے والا منحوس ستارہ ہمیشہ کے لئے بجھ جائے گا۔ پھر وہ دونوں سو برس تک جئیں گے اور بچے، بچے پر بچے پیدا کرتے رہیں گے۔"

پامیلا اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ گہری گہری سانسیں یوں لے رہی تھی جیسے کسی بہت بڑی مصیبت سے نکل کر آئی ہو۔ میں نے کہا "یہ ہے میرا دردناک مسئلہ۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"بزرگ نے سختی سے منع کیا تھا اور کہا تھا' کارمن صرف اُسی لڑکی کو یہ راز بتائے گا جسے دل و جان سے چاہے گا۔ پہلے تو میں نے کوشش کی کہ تم سے محبت نہ کروں۔ مگر جب تم دل میں جگہ بناتی گئیں تو یہ خیال پریشان کرنے لگا کہ شادی نہیں کروں گا تو تمہاری جان جائے گی اور میں تمہیں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

وہ بولی "یہ اطمینان ہے کہ مسئلے کا ایک حل موجود ہے۔ لیکن آزمائش بہت سخت ہے۔ کیا تم میرے بغیر چالیس راتیں گزار لوگے؟"

"یہی سوال میں تم سے کرتا ہوں۔"

"میں سوچتی تھی' شادی کے بعد تمہارے بغیر ایک پل نہیں گزاروں گی لیکن تم جان کی بازی لگا کر مجھ سے شادی کروگے۔ اگر میں نے جذبات کو نہ مارا اور ایک کمرے میں رہنے کی آرزو کی تو تم زندگی سے محروم ہوجاؤ گے۔ میں تمہیں ہمیشہ کے لئے کھو دوں گی۔ لہٰذا تمہیں ہمیشہ حاصل کرتے رہنے کے لئے میں چالیس راتوں کی جدائی برداشت کرلوں گی۔ آزمائش پوری ہونے تک میکے میں رہوں گی۔"

"نہیں پامیلا! بزرگ نے کہا تھا ہماری ازدواجی زندگی کا مسئلہ راز میں رہے۔ کسی پر ظاہر نہ ہو۔ تم میکے میں رہوگی تو یہ راز تمہارے والدین اور دنیا والوں پر ظاہر ہوجائے گا۔"

"اوہ گاڈ! یہ تو واقعی سخت آزمائش ہے۔ ہم ایک دوسرے کے سامنے رہیں گے اور دور سے ایک دوسرے کو دیکھ کر ترستے رہیں گے۔ ایک گھر میں رہ کر الگ الگ کمرے میں سوئیں گے۔"

"ہاں ایسی ہی پابندیوں اور سختیوں سے گزرنے کا نام آزمائش ہے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ بہت پریشان نظر آرہی تھی۔ علی نے بل ادا کیا پھر اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے ساتھ چلتے ہوئے کہا "اب تم سمجھ سکتی ہو۔ میں اس لئے تم سے دور رہتا تھا اور باتیں بنا کر شادی کا مسئلہ ٹال دیا کرتا تھا۔"

"ہاں' اب تمہاری مجبوری سمجھ میں آرہی ہے۔"

"میں نے تم سے محبت کرکے ظلم کیا ہے۔ تم آزمائش میں پڑگئی ہو۔"

"محبت میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک یہ بھی سہی۔ میں ابھی سے خود کو ذہنی طور پر اس کے لئے آمادہ کرتی رہوں گی۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے کار کے پاس آئے۔ اس نے پوچھا "کیا اپنی گاڑی لائی ہو؟"

"نہیں۔ ٹیکسی میں آئی تھی۔ کیا ہم کار میں ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک گھر میں رہ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔ شرط اتنی سی ہے کہ ہمارے درمیان کم از کم ایک بالشت کا فاصلہ رہے۔"

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر بولی "یعنی ہماری نظریں مل سکتی ہیں۔ ہاتھ نہیں مل سکتے۔ دل مل سکتے ہیں، جسم نہیں مل سکتے۔"

وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ کار کو اسٹارٹ کرکے آگے بڑھایا پھر بولا "تم اس مسئلے پر زیادہ نہ سوچو۔ شادی کے بعد تمہیں زیادہ پریشان دیکھوں گا تو چالیس راتوں کی پابندی توڑ کر تمہارے کمرے میں آجاؤں گا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اپنے جذبات کو آگ لگا دوں گی۔ ہر خواہش کو کچل دوں گی۔ لیکن تمہاری ہلاکت کا سبب نہیں بنوں گی۔ تم ہو تو سارا جہان ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گی۔"

وہ اس کی طرف جھک کر اُس کے شانے پر سر رکھنا چاہتی تھی پھر ایک بالشت کا فاصلہ یاد آگیا۔ وہ جلدی سے سیدھی ہوکر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ اپنے مکان کے سامنے پہنچ کر اُس نے کہا۔ "پلیز جتنی جلدی ممکن ہو' شادی کرلو' جتنی جلدی شادی ہوگی اتنی جلدی وہ چالیس راتیں گزرتی رہیں گی۔ دیر ہوگی تو یہ آزمائش پہاڑ لگتی رہے گی۔"

وہ اپنے طور پر درست کہہ رہی تھی۔ علی اپنے طور پر سوچ رہا تھا' جتنی جلدی شادی ہوگی' اتنی ہی جلدی خفیہ شعبے میں قدم رکھنے کا موقع ملے گا۔ اس نے کہا "پامیلا! میں تم سے زیادہ بے چین ہوں۔ چلو میں ابھی تمہارے والدین سے معاملہ طے کروں گا۔"

وہ اُس کے ساتھ کوٹھی کے اندر آیا۔ اس کے والدین ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے علی کا استقبال کیا۔ اس کی ممی نے کہا "بیٹے کارمن! ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ سچ پوچھو تو آج کے دور میں تمہارے جیسا نیک لڑکا نظر نہیں آتا۔ نہ شراب پیتے ہو' نہ سگریٹ اور نہ ہی کسی لڑکی سے دوستی کرتے ہو۔"

پامیلا کے ڈیڈی راجر موس نے کہا "لیکن ایک برائی ہے۔ تم شادی سے کتراتے ہو۔"

علی نے کہا "سر! یہ بات نہیں ہے۔ میں دور کی سوچتا ہوں۔ میری محدود تنخواہ ہے۔ چھوٹا سا بنگلا ہے۔ پامیلا دلہن بن کر آئے گی تو محدود تنخواہ میں پامیلا کی ضرورتیں کیسے پوری کروں گا۔ شادی کے بعد خاندان بڑھتا رہے گا تو بنگلا چھوٹا پڑجائے گا۔"

راجر موس نے کہا "یہ تو کوئی پرابلم نہیں ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں ترقی دلا کر اپنے شعبے میں لے آؤں گا۔ وہاں تمہیں ماہانہ دس ہزار شیکال کی آمدنی ہوگی۔ تمہیں رہائش کے لئے ایک بڑی کوٹھی ملے گی۔ میں نے تمہارے پروموشن اور ٹرانسفر آرڈر کے کاغذات تیار رکھے ہیں۔ میں کل صبح یہ کاغذات لے کر خود متعلقہ وزیر کے پاس جاؤں گا۔ شام سے پہلے کاغذات پر دستخط کرا کے لے آؤں گا۔ پرسوں سے تم میرے شعبے میں اپنی ڈیوٹی کا چارج سنبھالوگے۔"

"تھینک یو سر! آپ میرے لئے بہت کچھ کررہے ہیں۔"

"میں تم سے کہتا ہوں میری بیٹی سے شادی کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں زبردستی کر رہا ہوں۔ میری بیٹی کے لئے بے شمار رشتے آتے رہتے ہیں۔ دراصل میرا خفیہ شعبہ بہت اہم ہے۔ وہاں بڑی بڑی سفارش کے باوجود کسی کو ملازمت نہیں ملتی۔ جسے ملازمت دی جاتی ہے۔ اس کی بڑی سخت نگرانی ہوتی ہے۔ پچھلے چھ برسوں میں تمہاری سختی سے نگرانی ہوتی رہی۔ تمہارے متعلق ہر طرح سے اطمینان حاصل کیا گیا۔ آخر میں فیصلہ ہوا کہ میں تمہاری ضمانت لوں تو تمہیں اس شعبے میں منتقل کر دیا جائے گا۔ میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تم میرے ماتحت ہی نہیں داماد بھی ہو۔ اس لئے قابلِ اعتماد ہو اور اسی لئے میں نے تمہاری ضمانت لی ہے۔"

"سر! میں آپ کے طریقۂ کار کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ آج اسی لئے حاضر ہوا ہوں کہ جلد سے جلد شادی ہو جائے۔"

ممی نے کہا "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔"

علی نے پوچھا "کیا یہ شادی کل ہو سکتی ہے؟"

"کل! اتنی جلدی؟"

"کیا حرج ہے۔ میں زیادہ دھوم دھام اور نمائش نہیں چاہتا' بس سادگی سے پامیلا کو دلہن بنا کر لے جانا چاہتا ہوں۔"

پامیلا خوش ہو گئی۔ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ راجر موس نے کہا "ہمیں رشتے داروں کو اور بڑے بڑے افسران کو انوائٹ کرنا ہو گا۔ اس میں وقت لگے گا۔"

"دعوت نامے کی تیاری میں وقت لگے گا۔ اس کی کیا ضرورت ہے' ابھی سے فون پر انوائٹ کریں۔ رشتے داروں اور افسروں سے کہیں یہ سرپرائز میرج ہے۔ آپ سرپرائز دیں گے تو یہ نئی بات ہو گی' لوگ انجوائے کریں گے۔"

پامیلا نے دروازے پر آ کر باپ سے کہا "ڈیڈی! نو آر گومنٹس' میں چائے لا رہی ہوں۔"

باپ نے قہقہہ لگایا پھر کہا "دلہا دلہن محاذ بنا کر آئے ہیں۔ ہماری نہیں چلے گی۔ پامیلا کی ممی! تم کیا کہتی ہو؟"

"جو بیٹی نے کہہ دیا وہی ڈن ہے۔"

راجر موس ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چائے آنے تک اس نے کئی رشتے داروں کو سرپرائز میرج کی خوشخبری سنائی اور انہیں شادی میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ علی چائے پی کر رخصت ہوا۔ پامیلا اس کے ساتھ کار تک آئی اور بولی "آج تم نے ساری دنیا کی مسرتیں مجھے دی ہیں۔ اگر پابندی نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنی دھڑکنوں سے لگا کر پیار کی انتہا کر دیتی۔"

وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بولا "کل پہلی رات ہو گی۔ ہم کل سے ایک ایک رات کا حساب کریں گے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چالیس راتیں گزر جائیں گی۔ آج آخری بار گڈ نائٹ کہہ رہا ہوں۔ کل سے الوداعی شب بخیر کہنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

وہ کار اسٹارٹ کر کے کوٹھی کے احاطے سے باہر آیا۔ لیلیٰ نے آ کر کہا "میں بڑی دیر سے پامیلا کے دماغ میں تھی۔ اس کے خیالات پڑھ کر پتا چلا' تم نے شادی کے بعد بھی پامیلا کی عزت آبرو برقرار رکھنے کے لئے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ واقعی سب تمہاری دانائی کو خوب سمجھتی ہیں۔"

وہ بولا "امی! اب میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میں اسے محبت میں فریب دے رہا ہوں لیکن یہ فریب اُس کی حیا کی سلامتی کے لئے ہے۔"

"شاباش بیٹا! تم آج کے جوانوں کے لئے روشنی کا مینار ہو۔ خدا تمہیں صحت' سلامتی اور خوشحالی دیتا رہے' آمین!"

"امی! کل شادی ہو گی۔ پرسوں خفیہ شعبے میں میری ڈیوٹی شروع ہو گی۔ آپ کی مصروفیات بڑھ جائیں گی۔ یہاں ہمارے جو جاسوس ہیں انہیں الرٹ رہنے کو کہہ دیں۔ کسی وقت بھی کسی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

یہ وہی علی تھا' جس نے غیر معمولی ذہانت سے کھلونوں کے ذریعے ٹرانسفارمر مشین کو تباہ کیا تھا اور پھر ایک بار اُس کی بہترین حکمتِ عملی بتا رہی تھی کہ جلد یا بہ دیر وہ گولڈن برینز کی شہ رگ تک پہنچنے والا ہے۔

○☆○

چوہدری حاکم علی حاکم آ گیا تھا اور جوان بیٹے کی موت کا سوگ منا رہا تھا۔ ایسے وقت صوفیہ رنگین لباس پہن کر ہنستی مسکراتی تفریح کے لئے جایا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ پارس ہوتا تھا۔ چوہدری نے غصے سے پوچھا "تمہیں شرم نہیں آتی؟ جوان بھائی کی موت پر خوشیاں منا رہی ہو۔"

"جان کا دشمن مرجائے تو خوشی ہوتی ہے' افسوس نہیں ہوتا۔ آپ پولیس کی رپورٹ اور سپیرے کا بیان سن چکے ہیں۔ آپ کا بیٹا جس سانپ سے مجھے ہلاک کرانا چاہتا تھا خود اسی سے حرام موت مر گیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ تم سب میرے بیٹے کے دشمن ہو گیا تھا۔ میں نے کسی کا برا نہیں چاہا۔ کسی سے دشمنی نہیں کی۔ پھر لوگ میرے دشمن کیوں بن جاتے ہیں؟"

اکثر لوگ اپنی مصیبت کے وقت بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کے لئے کس طرح مصیبت بنتے رہے ہیں۔ یا دنیا والوں کو سنانے کے لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ لوگ ان کا برا چاہتے ہیں۔

صوفیہ نے کہا "دواؤں میں نشہ آور چیزوں کی ملاوٹ کیا عوام سے دشمنی نہیں ہے؟ کیا آپ فرہاد سے دشمنی کے لئے لندن نہیں گئے تھے؟ کیا یہودیوں نے آپ کی خاطر فرہاد کو پاکستان سے نکالنے کے لئے ان کی معصوم بھانجی کو قتل نہیں کیا؟"

"نہیں بیٹی نہیں۔ اس معصوم لڑکی کا قتل میری مرضی سے نہیں ہوا ہے۔ اپنے فرہاد کو' اپنے پاپا کو بلاؤ۔ میں اپنی غلطیوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے اس کی معافی نہیں دلائی تو وہ میرے بیٹے کے بعد مجھے بھی مار ڈالے گا۔ کیا تم یتیم کہلانا چاہتی ہو؟"

"میں پاپا کو نہیں بلا سکتی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ ویسے انہوں نے مجھ سے کہا تھا اگر آپ ان کی چند شرائط پر عمل کریں گے تو پھر وہ آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔"

"وہ شرائط کیا ہیں؟"

"پہلی شرط یہ کہ جس طرح آپ نے لندن میں اپنے اکاؤنٹ کی تمام رقم نکال کر میرے اکاؤنٹ میں جمع کر دی ہے۔ اسی طرح یہاں کے بینک سے اپنی تمام رقم نکال کر میرے حساب میں جمع کر دیں۔"

وہ غصے سے بولا "تو میری بیٹی نہیں ہے۔ فرہاد سے مل کر مجھے لوٹ رہی ہے۔ اری کچھ تو خیال کر' میں نے تجھے پیدا کیا ہے۔"

"آپ نے نہیں ممی نے پیدا کیا ہے۔"

"مگر دودھ تو میں نے پلا کر پرورش کی ہے۔ میرا مطلب ہے فیڈر سے دودھ پلایا ہے۔ اعلیٰ تعلیم دلائی ہے۔ تجھے ڈاکٹر بنایا ہے۔ کیا اسی دن کے لئے کہ دشمن سے مل کر مجھے تباہ و برباد کر دے۔"

"اس کا مطلب ہے' آپ پاپا کی کوئی شرط نہیں مانیں گے؟"

"یہ تو مجھے بالکل ہی کنگال بنا دینے والی شرط ہے۔ میری دولت جائداد ہاتھوں سے نکل جائے گی تو میں کیا کروں گا؟ کیا بھیک مانگوں گا۔"

"میں آپ کی ضروریات پوری کروں گی۔ آپ دنیا داری چھوڑ کر دن رات یادِ الٰہی میں مصروف رہا کریں گے۔"

"اچھا' مجھے اللہ والا بنانا چاہتی ہے۔ چل بھاگ یہاں سے۔ فرہاد نے تجھے بیٹی بنایا ہے۔ اس رشتے سے وہ میرا بھائی ہوا۔ میں اپنے بھائی جان سے خود ہی بات کروں گا۔ بھائی بھائی کو معاف کر دیتا ہے۔"

اسی وقت احاطے میں کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ چوہدری نے ناگواری سے کہا "مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ تمہارا عاشق آیا ہو گا۔"

"اس کا نام عاشق نہیں طارق ہے۔"

صوفیہ نے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا۔ ایک ویگن کار سے تین اجنبی باہر آ رہے تھے۔ وہ پلٹ کر بولی "شاید آپ سے کچھ لوگ ملنے آ رہے ہیں۔"

وہ بولا "میں ایسے ملنے والوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ میرے بیٹے کے پُرسے کے لئے آتے ہیں اور خوب کھا پی کر چلے جاتے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازہ ایک زوردار دھماکے جیسی آواز کے ساتھ ٹوٹ کر کھل گیا۔ وہ تینوں اندر آ گئے۔ چوہدری نے پوچھا "کون ہو تم لوگ؟ دروازہ توڑ کر کیوں آئے ہو؟"

ایک نے کہا "چوہدری صاحب' ہم آپ کے خادم ہیں۔ دروازہ اس لئے توڑا ہے کہ آپ کے یا صوفیہ کے دماغ میں فرہاد ہے تو وہ ہماری طاقت کا اندازہ کر لے۔ میں نے صرف ایک لات مار کر اسے توڑا ہے۔ ہم یوگا کے ماہر ہیں۔ فرہاد کو چیلنج کرتے ہیں کہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے تو بگاڑ کر دکھائے۔"

چوہدری نے خوش ہو کر پوچھا "رحمت کے فرشتو! تم کون ہو؟ کیا اتنے طاقت ور ہو کہ فرہاد تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا؟"

"چوہدری صاحب! آج سے وہ آپ کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ہم تینوں آپ کے باڈی گارڈز ہیں۔"

"تم لوگ میری حفاظت کیسے کرو گے؟ وہ تو میرے اندر آتا ہے۔"

"وہ آپ کو پریشان کرے گا' ہم اس کی مُنہ بولی بیٹی صوفیہ کو پریشان کریں گے۔ وہ آپ سے کاروبار اور دواؤں کا فارمولا چھین کر صوفیہ کو دے گا' ہم یہ سب کچھ صوفیہ سے چھین لیں گے۔ وہ آپ کو قتل کرنا چاہے گا' ہم صوفیہ کا کام تمام کر دیں گے۔"

دوسرے نے کہا "یعنی یہودی فارمولوں سے صرف چوہدری حاکم علی حاکم دوائیں تیار کرائے گا اور منافع کمائے گا۔ کوئی دوسرا فائدہ اٹھانا چاہے گا تو موت اس کا مقدر بن جائے گی۔"

"میرے محافظو! اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔ دو دن پہلے آ جاتے تو میرا جوان بیٹا مارا نہ جاتا۔ اس شیطان فرہاد نے......"

صوفیہ بات کاٹ کر بولی "ڈیڈی! ابھی آپ پاپا کو بھائی جان کہہ رہے تھے اور اتنی جلدی گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہے ہیں۔"

"ارے جا۔ وہ اور میرا بھائی جان؟ سانپ کسی کا بھائی نہیں ہوتا۔ ہاں تو میرے محافظو! مجھے بتاؤ' تم لوگ اچانک خدائی خدمت گار کی طرح میرے پاس کہاں سے آ گئے ہو؟"

"ہم کچھ راز کی باتیں نہیں بتائیں گے۔ اس میں آپ کا فائدہ ہے چوہدری صاحب! ویسے ہر طرح مطمئن رہیں۔ اس شہر میں یوگا کے ماہروں کی بہت بڑی ٹیم آئی ہے۔ ہمارا باس بہت خطرناک یوگا ماسٹر ہے۔"

دوسرے نے کہا "ہمارے کچھ یوگا کے ماہر فرہاد کی بہن کی گھر گئے تھے۔ اس بزدل نے اپنی بہن اور بھانجے کو کہیں چھپا دیا ہے۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں چھپ سکیں گے۔ ہمارا باس اس کی بہن' بھانجے اور صوفیہ کو یرغمال بنا کر رکھے گا۔ اس شہر میں فرہاد کے چاہنے والوں کا جینا محال کر دے گا۔"

چوہدری دل کھول کر قہقہے لگانے لگا اور کہنے لگا "رحمت کے فرشتو! تم کہاں رہ گئے تھے؟ کوئی بات نہیں' دیر آید درست آید۔

صوفیہ کو اٹھا کر لے جاؤ۔ اسے یرغمال بناؤ۔ فرہاد گھٹنے ٹیک دے گا۔"

وہ غصے سے بولی "آپ کو شرم نہیں آتی۔ بد معاشوں سے کہہ رہے ہیں کہ بیٹی کو اٹھا کر لے جائیں۔"

"تجھے شرم نہیں آتی' اپنے ناجائز باپ کے ذریعے لندن کی میری تمام رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرالی۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرے جوان بیٹے کو ہلاک کرایا اور کہتی ہے سانپ نے ڈس لیا۔ اگر یہ میرے محافظ نہ آتے تو تو مجھے بھی قتل کرادیتی۔ تو میری دولت اور جائداد پر سانپ بن کر بیٹھ گئی ہے۔ تم لوگ دیکھتے کیا ہو' اسے اٹھا کر لے جاؤ۔"

باہر پھر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ چوہدری نے کھڑکی سے دیکھا۔ پارس آیا تھا۔ اس نے اجنبی محافظوں سے کہا "طارق آیا ہے۔"

"طارق کون ہے؟"

"میری بے حیا بیٹی کا عاشق ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دو تاکہ وہ عاشقی بھول جائے۔"

ایک اجنبی محافظ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا۔ پارس کار سے اتر کر کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "رک جاؤ اور یہیں سے واپس چلے جاؤ۔"

پارس نے پوچھا "واپس جاؤں؟ کیا صوفیہ گھر میں نہیں ہے؟"

"ہے لیکن آئندہ تم اس سے نہیں ملو گے۔"

"کیوں نہ ملوں۔ کیا وہ تمہاری بہن ہے؟"

اس بات پر اس نے حملہ کیا۔ پارس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے دوسرا حملہ کیا۔ پارس نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا پھر کہا "تم واقعی غیرت مند بھائی ہو۔ بہن کی خاطر اپنی توڑ پھوڑ کے لئے آئے ہو۔"

اس نے دونوں ہاتھوں کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے سمجھ لیا کہ فولادی شکنجوں سے اپنا ایک ہاتھ بھی نہیں نکال سکے گا۔ وہ لات چلانا چاہتا تھا' پارس نے اپنے سر سے اس کے سر پر ٹکر ماری تو پہلے آنکھوں کے سامنے ننھے ننھے جلنے بجھنے لگے۔ دوسری ٹکر پر اندھیرا چھا گیا۔ وہ تکلیف کی شدت سے مدد کے لئے پکارنا چاہتا تھا' منہ کھولتے ہی ٹھوڑی پر گھونسا پڑا۔ کھلا ہوا منہ ایسے بند ہوا کہ اوپر نیچے کے دانت آپس میں ٹکرائے اور ان کے درمیان زبان آگئی۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔

اس کی چیخیں سن کر چوہدری کے دونوں محافظ چونک گئے' ایک نے دوسرے سے کہا "جاؤ دیکھو۔ بلیک بیلٹ ہو کر بزدل کی طرح چیخ رہا ہے۔"

دوسرا دوڑتا ہوا گیا۔ صوفیہ نے کہا "تم لوگوں کی شامت آگئی ہے۔ طارق کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ میرے پاپا کا ماتحت ہے۔"

"پھر تو اس ماتحت کے ہاتھ پاؤں توڑ کر فرہاد کے پاس اسے تحفے کے طور پر پارسل کردوں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دوسرا ساتھی ٹوٹے ہو[ئے] دروازے سے گزرتا ہوا صوفیہ کے قدموں کے پاس آکر فرش [پر] گر پڑا۔ اس کی ناک سے اور کھلے ہوئے منہ سے خون بہ [رہا] تھا۔ صوفیہ خوشی سے جھوم گئی۔ قہقہے لگانے لگی۔ چوہدری نے [کہا] "اے محافظ بھائی! تم تو کہہ رہے تھے' فرہاد تمہارا کچھ نہیں بگاڑ [سکے] گا۔ اس کے ایک بندے نے تمہارے دو بندوں کو ایک منٹ [کے] اندر پنکچر کردیا ہے۔"

محافظ نے زخمی ساتھی کو ٹھوکر مار کر پوچھا "باہر کتنے [آدمی] ہیں؟"

پارس نے کمرے میں داخل ہو کر کہا "میں اکیلا ہوں۔ اور دیکھو میں خالی ہاتھ ہوں۔"

وہ اپنے دونوں ہاتھ بڑھاتا ہوا اسے دکھاتا ہوا اس کے قریب آیا۔ محافظ نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا لیں پھر دانت پیس کر بولا "اب یہ انگلیاں ٹوٹ کر ہی میرے فولادی شکنجوں سے آزاد ہوں گی۔"

اس نے ذرا قوت لگا کر پارس کی انگلیوں کو موڑنا چاہا۔ پھر [سمجھ گیا] کہ وہ آہنی سلاخوں کو موڑنے کی حماقت کر رہا ہے۔ اس نے پوری قوت صرف کی مگر پارس اطمینان سے کھڑا ہوا صوفیہ سے پوچھ رہا [تھا] "یہ مرغے کون ہیں؟"

صوفیہ نے کہا "یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یوگا کا ماہر ہے۔ ا[پنی] طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دروازہ توڑ کر آیا ہے۔ یہ کہتا ہے [اس] کا باس اس سے بھی زیادہ طاقتور اور یوگا کا ماہر ہے۔ یہاں سا[نس] روکنے والوں کی بہت بڑی ٹیم آئی ہے۔ پاپا کو مجبور اور بے [بس] کرنے کے لئے ان کے آدمی شاہینہ باجی اور ان کے بیٹے کامران [کو] اغوا کرنے گئے تھے۔ لیکن باجی اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں چلی [گئی] ہیں۔ اب یہ مجھے لے جا کر پاپا کو مجبور کرنا چاہتے ہیں۔"

چوہدری نے محافظ سے کہا "اے محافظ بھائی! تم ان کی با[تیں] کیا سن رہے ہو۔ اس کی انگلیاں توڑ دو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "میں اب دوسرا داؤ استعمال کروں گا۔"

اس نے دوسرا داؤ استعمال کرنے کے لئے اپنی انگلیوں [کو] چھڑانا چاہا۔ اب پارس نے انہیں جکڑ لیا۔ وہ تڑپ کر دونوں ہاتھ[وں] کو آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ پارس نے ذرا اور سختی [سے] جکڑ لیا تو وہ چیخ کر بولا "چھوڑ دو۔ میں بہت برا آدمی ہوں' میرے [ہاتھ] چھوڑ دو۔"

وہ سر سے ٹکر مار کر ہاتھ چھڑانا چاہتا تھا۔ پارس نے انگلیوں [کو] زوردار جھٹکا دیا۔ کڑاکڑ' کڑاکڑ انگلیاں ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ چوہدری کا منہ بھی کھل گیا تھا مگر اس سے چیخ نہیں نکل رہی تھی' ایک ہائے نکل گئی تھی۔

صوفیہ خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔ پاگل پن میں باپ کو بھ[ول] کر پارس سے لپٹ گئی تھی اور دل کھول کر قہقہے لگا رہی تھی۔ پا[رس] نے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کی دونوں ہتھیلیاں ا[ور]

انگلیاں ڈھیلی ہو کر جھول رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر دیوار سے لگ گیا تھا۔

پارس نے کہا "تم تینوں یوگا کے ماہر ہو۔ مگر اس حالت میں سانس نہیں روک سکو گے۔ اگر فرہاد صاحب تمہارے دماغوں میں آئیں گے تو ان کا راستہ کیسے روکو گے؟ چوہدری صاحب کی حفاظت کیسے کرو گے؟"

چوہدری آگے بڑھ کر بولا "ارے یہ تمہارے سامنے ٹوٹ گئے تو میرے فرہاد بھائی کے سامنے کیا ٹھہریں گے۔ ان گدھوں کو تو پتا نہیں ہے کہ فرہاد بھائی نے میری صوفیہ کو اپنی بیٹی بنایا ہے۔ اس رشتے سے وہ میرے بھائی جان ہیں۔"

صوفیہ نے کہا "میں تمہاری بیٹی نہیں ہوں۔ تمہاری بیٹی تو وہ تھی جسے تم ان غنڈوں کے ذریعے اغوا کرا رہے تھے۔ میرے پاپا تمہارے جیسے بے غیرت کے بھائی ہو ہی نہیں سکتے۔"

"بیٹی! زبان کو لگام دو۔ باپ کتنا ہی برا ہو اسے برا نہیں کہتے۔"

"یعنی مانتے ہو کہ تم برے ہو؟"

"برا تھا۔ اب نہیں ہوں۔ ان بد معاشوں کی کمزوریوں نے اور بھائی جان کی طاقت نے مجھے انسان بنا دیا ہے۔"

پارس نے پوچھا "کیا انسان ہونے کا ثبوت دو گے؟"

"ضرور دوں گا۔ آزما کر دیکھ لو۔"

"ابھی اپنے وکیل کو بلاؤ یا اس کے پاس جاؤ اور تمام کاروبار صوفیہ کے نام لکھ دو۔"

"میاں صاحبزادے! کسی انسان سے اس کا سب کچھ چھین لینا انسانیت نہیں ہے۔ تم غیر انسانی آزمائش کے ذریعے مجھ سے انسان ہونے کا ثبوت مانگ رہے ہو۔"

"میں ثبوت انسان سے نہیں یہودیوں کے دلال سے مانگ رہا ہوں۔"

صوفیہ نے کہا "بڑے میاں! تم جب تک اپنی دولت اور جائداد میرے نام کر کے یہ ثابت نہیں کرو گے کہ اب یہودیوں کے دلال نہیں رہے' تب تک میں تمہیں ڈیڈی نہیں کہوں گی۔"

"اچھا اچھا۔ ٹھیک ہے' مجھے سوچنے کا وقت دو۔"

وہ وہاں سے جانے لگا۔ دونوں مار کھانے والے بھی باہر چلے گئے تھے۔ پارس اور صوفیہ نے پورچ میں آکر دیکھا۔ وہ تینوں ٹوٹنے پھوٹنے کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ چوہدری حاکم علی بھی ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر بولا "مجھے اپنے باس سے ملاؤ' میں کنگال ہونا نہیں چاہتا۔ مجھے دشمنوں سے بچاؤ۔"

وہ چلا گیا' پارس نے کہا "تمہارا باپ نہیں سدھرے گا۔"

وہ گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "تم کیا چیز ہو۔ اس روز میرے بدن کا زہر چوس لیا۔ میری جان بچائی۔ آج میری عزت بچانے کے لئے تین زبردست غنڈوں سے ٹکرا گئے۔ کیا یہ ثبوت نہیں ہے کہ تم مجھے دل اور جان سے چاہتے ہو؟"

"یہ ثبوت نہیں ہے کیونکہ فرائض ادا کرنے والے باڈی گارڈز بھی ایسا کرتے ہیں۔"

"مگر تمہاری طرح جان پر نہیں کھیلتے۔ میں تو تم پر تن من اور دھن سے فدا ہو گئی ہوں۔ مجھ سے شادی کرو گے؟"

پارس نے اپنی گردن سے اس کی بانہوں کو الگ کیا پھر کوٹھی کے اندر جاتے ہوئے بولا "میں خانہ بدوش ہوں۔ فرہاد صاحب کے حکم سے ملک اور شہر بدلتا رہتا ہوں۔ آج یہاں ہوں' کل پتا نہیں کہاں پہنچوں گا۔ جس کا گھر نہ ہو' وہ گھر کیا بسائے گا۔"

"میں پاپا سے کہوں گی' وہ تمہیں میرے نام کر دیں گے۔ انہیں ہزاروں ماتحت مل سکتے ہیں۔ مجھے تمہارے جیسا جیون ساتھی نہیں ملے گا۔"

"اپنے پاپا سے کبھی میری فرمائش نہ کرنا۔ کیونکہ میں خود اُن کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ جسم ہیں' میں جان ہوں۔ تم ان سے اُن کی جان نہ مانگنا۔"

"یعنی تم مجھے نہیں چاہتے ہو؟"

"تمہیں کون کافر نہیں چاہے گا۔ تم حسین ہو' جوان ہو اور ایک ذہین ڈاکٹر ہو۔ تم پر تو لوگ مرتے ہوں گے لیکن میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ ناراض ہو کر دوسری طرف مُنہ پھیر لیا۔ اسی وقت سلمان نے پارس کے پاس آکر کوڈ ورڈز ادا کئے پھر کہا "تمہاری پھوپی اور کامران کو فرہاد و تیج روانہ کر دیا گیا ہے۔ تم سناؤ' کیا میری ضرورت ہے؟"

پارس نے مختصر طور پر بتایا کہ یہاں یوگا کے ماہرین کی ٹیم پہنچی ہوئی ہے۔ وہ پھوپی' کامران اور صوفیہ کو اغوا کر کے پاپا کو مجبور کرنا چاہتے تھے۔ اب پھوپی اور کامران کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا' صوفیہ کے لئے اندیشے رہ گئے ہیں۔

سلمان نے پوچھا "کیا صوفیہ کو بھی کسی پناہ گاہ میں پہنچایا جائے؟"

"پاپا چاہتے ہیں یہ اپنی لیبارٹری میں بہترین دوائیں تیار کرے اور اپنا کاروبار خود سنبھالے۔ لیکن یہودی اپنی دواؤں کا فارمولا صوفیہ کو استعمال نہیں کرنے دیں گے۔ وہ جانتے ہیں' انہیں پاکستان سے ایک پیسے کا بھی منافع حاصل نہیں ہوا کرے گا۔"

"گویا یہودیوں سے مقابلہ جاری رہے گا۔"

"جی ہاں۔ آپ ذرا چوہدری حاکم علی کے پاس جائیں۔ وہ یوگا ٹیم کے کسی باس سے ملنے گیا ہے۔"

سلمان چلا گیا۔ پارس نے صوفیہ کو دیکھ کر پوچھا "تم نے مُنہ کیوں پھیر لیا ہے؟"

"میرے منہ پھیرنے سے تمہارا کیا جائے گا۔"

"مُنہ ادھر رہے گا تو مجھے نظر نہیں آئے گا۔"

"مجھے دیکھ کر کیا کرو گے۔ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔"

"صوفیہ! میری شرافت کو سمجھو۔ میں تمہیں محبت کا فریب دے کر کچھ روز کی عیاشی نہیں چاہتا۔ فرہاد صاحب نے مجھے تمہاری جان کا نہیں عزت کا بھی محافظ بنایا ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ منہ پھیرے بیٹھی رہی۔ پارس نے کہا "بھوکا پیاسا آیا تھا۔ سوچا تھا یہاں کچھ کھانے کو ملے گا۔ کوئی نہیں' میں کسی ہوٹل میں جا کر....."

وہ فوراً اٹھ کر بولی "اوہ خدایا! میں بہت خود غرض ہوں۔ دل کی باتیں کرتی رہی اور تمہیں ایک گلاس پانی کے لئے پوچھا۔ سوسوری طارق! مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔ میں گرم کر کے لاتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کچن میں آئی۔ فریج سے کھانے کی چیزیں نکال کر گرم کرنے لگی۔ وہ ایک خشک مزاج لیڈی ڈاکٹر پارس کے آنے سے رومانس کی ہوا چاٹنے لگی تھی۔ نگاہوں میں کھلنے لگے تھے۔ اب اس دنیا میں صرف دوائیاں نہیں' رنگ بھی نظر آنے لگی تھیں۔

پارس نے اسے سوتے سے جگا دیا تھا۔ جگا دینے کے بعد سے انکار کر رہا تھا۔ ایک پہلو سے صوفیہ کو اپنی توہین کا احساس ہوا۔ دوسرے پہلو سے اُس کی شرافت اور نیک نیتی کی ... ہو رہی تھی۔ اور یہ شرافت اسے پارس کا اور دیوانہ بنا رہی ... اسے خوشی بھی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ عورت بھی عجیب ہے۔ عزت پر ہاتھ ڈالو تو فریاد کرتی ہے۔ ہاتھ کھینچ لو تو شکایت ... ہے۔

○☆○

میں نے پشاور کی زمین پر قدم رکھا۔ گویا جانبازوں کی تاریخ کے صفحات پر آ گیا جہاں دنیا کی بے شمار جنگجو قومیں آئیں ... پٹھانوں کی جانبازی کے آگے دم نہ مار سکیں۔ آریا' ایرانی' ہن' ترک' منگول' مغل اور آخر میں فرنگی۔ ان تمام قوموں نے پورے ہندوستان پر اپنی تہذیب کا اثر ڈالا۔ لیکن پٹھانوں پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ یہ آج بھی اپنا لباس پہنتے ہیں۔ اپنی پگڑی ... پر رکھتے ہیں۔ اپنے رسم و رواج پر قائم رہتے ہیں۔ دوسری تہذیب نہیں اپناتے۔ دوسروں کو اپنی تہذیب کا سرمایہ دیتے ... محبت ملے تو گلے لگتے ہیں۔ نفرت ملے تو تاریخ گواہ ہے' انہوں نے سکندرِ اعظم سے لے کر فرنگیوں تک کے قدم اپنی زمین سے ... دیئے۔ میں جس شہر میں جاتا ہوں' مہنگے اور آرام دہ ہوٹلوں ... کرتا ہوں لیکن لاہور میں ایک رات میں نے اسٹیشن ... ایک ایسی سرائے میں گزاری تھی جہاں ایک منجی کے صرف ... روپے لئے جاتے تھے۔ پشاور میں بھی میں نے ایک سرائے ... قیام کیا۔ ایسی جگہ رہنے سے اپنے وطن کے لوگوں کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کے مواقع ملتے ہیں۔

میں نے ایک منجی پر آرام سے لیٹ کر آئی جی سے رابطہ ... کہا "میں پشاور پہنچ گیا ہوں۔ آپ یہاں کے جیلر سے فون ... کریں۔ اگر بات نہ کرنا چاہیں تو رانگ نمبر کہہ کر ریسیور ... ہیں۔"

آئی جی نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا "میں سمجھ گیا' آپ جیلر کی آواز سننا چاہتے ہیں۔"

دوسری طرف فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کسی نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو سینٹرل جیل پشاور۔ میں مقدس خان ولد تقدس خان جیلر بول رہا ہوں۔"

میں مقدس خان جیلر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ آئی جی نے پوچھا۔ "تم اپنے نام کے ساتھ ولدیت کیوں بتاتے ہو؟"

وہ بولا "آہ! کیا بتاؤں۔ یہ ایک ٹریجڈی ہے۔ یہاں ایک قاتل ... قید کی سزا کاٹنے آیا ہے۔ اس کا نام بھی مقدس خان ہے۔"

آئی جی نے کہا "واقعی ٹریجڈی ہے۔ جیلر بھی مقدس اور قاتل بھی مقدس۔ لوگ آپ کو قاتل سمجھ کر فون کرتے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ اس قاتل کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ کوئی نہ کوئی ... آدمی اسے فون پر بلاتا ہے۔ اسی لئے میں ولدیت کے ساتھ اپنا نام بتاتا ہوں تاکہ میں جیلر ہی سمجھا جاؤں۔ یہ کتنی توہین کی بات ہے ... قاتل بدمعاش کا نام مقدس خان ہے۔ بائی دی وے' آپ کون ہیں؟"

"میرا نام بھی مقدس خان ہے۔"

یہ کہتے ہی آئی جی نے ریسیور رکھ دیا۔ جیلر نے دو چار بار ہیلو ہیلو کہا پھر ریسیور رکھ کر بڑبڑایا "میرے والدین نے میرا بہترین نام رکھا ہے۔ اگر اسے رجسٹرڈ کرا دیتے تو پھر کوئی یہ نام نہ رکھ سکتا۔ ... ساری دنیا میں ایک میں ہی مقدس رہتا۔"

میں خاموشی سے اُس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ پتا چلا کہ حمزہ ... ان کی رہائی کا اجازت نامہ آگیا ہے۔ کل صبح نو بجے اسے رہا کر دیا جائے گا۔

وہ کلاشنکوف اور سیون ایم ایم جیسے جدید ترین ہتھیاروں کا سمگلر تھا۔ ٹائم بم اور ریموٹ کنٹرولر سے بلاسٹ ہونے والے ... وں کا سپلائر تھا' کئی قتل کر چکا تھا۔ اس پر کئی مقدمات تھے۔ لیکن ... ایسے اثر و رسوخ اور ایسے رعب و دبدبے والا شخص تھا کہ اُس کے خلاف ٹھوس ثبوت ہونے کے باوجود کسی بھی مقدمے کا فیصلہ نہیں ... دیا جا رہا تھا۔

اس کے متعلق مشہور تھا کہ جو پولیس افسر اسے گرفتار کرتا تھا وہ چند دنوں میں مارا جاتا تھا۔ جو بھی جج اس کے خلاف فیصلہ سنانا چاہتا' اس کے بیوی بچوں میں سے کسی کو اغوا کر لیا جاتا۔ کوئی سرکاری وکیل اس کے خلاف بولنے کے لئے عدالت میں نہیں آتا تھا۔ اسی لئے کسی مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو پاتا تھا۔ اس کے خلاف جتنے ٹھوس ثبوت ہوتے تھے انہیں بڑی رازداری سے ضائع کر دیا جاتا تھا۔

حمزہ خان کتنا زبردست اور ناقابلِ شکست ہے اس کا یقین اس طرح بھی ہوتا تھا کہ وہ اپنے دماغ کے دروازے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے لئے بند رکھتا تھا۔ اس کی ایسی ہی صلاحیتوں کو دیکھ کر یہودی اُس کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ ایک جیالے پولیس افسر شاہ خان نے اس خطرناک قاتل اور اسمگلر کو گرفتار کر کے آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا تھا۔ حمزہ خان ہنستا ہوا اور یہ کہتا ہوا جیل میں آیا تھا "شاہ خان ابھی تم جوان ہو' تمہیں دیکھ کر اپنا جوان بیٹا یاد آگیا۔ لہٰذا تمہارا دل رکھنے کے لئے یہاں آگیا ہوں۔ جب چاہوں گا یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

شاہ خان نے کہا "تمہارے خلاف ایسے ٹھوس ثبوت حاصل کر چکا ہوں کہ اب ان سلاخوں کے پیچھے سے پھانسی کے پھندے تک ہی پہنچو گے۔"

حمزہ خان یوں بھی دنیاوی ہنگاموں سے دور رہنے اور تنہائی میں آرام کرنے کے لئے کبھی کبھی جیل میں آتا تھا۔ وہاں اس کے عیش آرام کی تمام چیزیں مہیا کی جاتی تھیں۔ اُس کے احکامات کے مطابق اس کے حواری جیل کے باہر وارادات کرتے تھے۔ قتل و غارت گری کی وارادت کا الزام اس پر عائد نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ قانون کی آنکھیں ایسے وقت اسے جیل کی چار دیواری میں دیکھتی تھیں۔ ڈی ایس پی شاہ خان نے اس کے خلاف تمام ثبوت اپنے اعلیٰ افسر کو دے دیئے تھے تاکہ باقاعدہ قانونی کارروائی کی جا سکے۔ اعلیٰ افسر نے کہا "شاہ خاناں' تم نے اسے گرفتار تو کر لیا ہے لیکن پچھلے دو افسروں کا انجام معلوم ہے نا؟ انہوں نے حمزہ خاں کو جیل پہنچایا اور خود دوسری دنیا میں پہنچ گئے۔"

"میں جانتا ہوں' میرا بھی یہی انجام ہو سکتا ہے۔ لیکن ... ہم میں سے کسی کو تو دلیری سے موت کا چیلنج قبول کرنا چاہئے۔ اگر میں نے بھی ... دکھائی تو پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ضرورت کیا رہے گی؟ کیا صرف اس لئے کہ ہم وردیاں پہن کر تنخواہ لیتے رہیں؟"

"بہت جوشیلے ہو۔ اس لئے کہ تمہارے بیوی بچے نہیں ہیں۔ ہمارے ہیں۔ جب کوئی قاتل ہمارے کسی ننھے بچے کی کنپٹی پر ریوالور رکھتا ہے تو ہماری دلیری اور فرض شناسی ہوا ہو جاتی ہے۔ ویسے تمہیں حق پہنچتا ہے کہ اپنے حوصلوں کو آزماؤ۔ جاؤ اور ضرور آزماؤ۔ لیکن میں تمہارے حق میں دعا نہیں کروں گا۔ کیونکہ حمزہ خان کے خلاف دعا بھی قبول نہیں ہوتی ہے۔"

شاہ خان کو بعد میں معلوم ہوا کہ حمزہ خان کی جڑیں کتنی گہری ہیں اور کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کے خلاف جتنے ثبوت فراہم کئے گئے تھے وہ تمام ثبوت اس کیس کی فائل کے ساتھ چوری ہو گئے تھے' حیرانی کی بات تھی کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ایک دفتر سے چوری ہوئے تھے۔

شاہ خان نے اپنے اعلیٰ افسر سے پوچھا "کیا عقل اسے تسلیم کرتی ہے؟"

"تسلیم کرنا چاہئے۔ پولیس والوں کے گھروں میں بھی چوریاں ہوتی ہیں۔"

"سر! دلوں میں چور نہ ہو تو گھروں میں چوری نہیں ہوتی۔"

"شاہ خاناں! تم کچھ زیادہ بول رہے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔"

وہ اپنے سینئر کو سلیوٹ کر کے چلا آیا۔ یہ بات اسے تکلیف پہنچا رہی تھی کہ اعلیٰ افسر کتنا ہی بے ایمان ہو' اسے سلیوٹ کرنا پڑتا ہے اور ان کی بے ایمانیوں کے باعث ایک ایماندار افسر کو مجرموں کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ شاہ خان کو حمزہ خان کا ریلیز آرڈر لے کر جیلر کے پاس جانا پڑا۔ حمزہ خان نے مسکرا کر کہا "تم نے جن ہاتھوں سے مجھے گرفتار کیا تھا انہی ہاتھوں سے میری رہائی کا پروانہ لے کر آئے ہو۔ اب بھی تمہیں عقل آئی ہے یا نہیں؟"

وہ بولا "شیطان طاقتور ضرور ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی انسان سے ہارتا ضرور ہے۔ جن خفیہ ذرائع سے تم کامیابیاں حاصل کرتے ہو پہلے میں ان ذرائع کو نابود کروں گا پھر تم سے سمجھوں گا۔"

وہ نئے عزائم کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ حمزہ خان نے جیلر سے کہا "یہ جوان افسر بڑا ہمت والا ہے۔ مگر عقل والا نہیں ہے اور اس کے تیور بتاتے ہیں اسے عقل کبھی نہیں آئے گی۔ خیر جانے دو' رہائی کی بات کرو۔"

"خانِ خاناں! تم تو جیل کے قواعد جانتے ہو۔ قیدیوں کو صبح نو بجے رہا کیا جاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم کو جلدی نہیں ہے۔ میرا آدمی لوگ کو فون کرو۔ صبح گاڑی لے کر آئے گا۔"

اس کی رہائی کے لئے ایک رات رہ گئی تھی۔ ایسے ہی وقت مَیں جیلر کے خیالات پڑھ کر معلومات حاصل کر رہا تھا۔ جیلر نے حمزہ خان کے ایک دستِ راست سے فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ حمزہ خان رہا کیا جا رہا ہے۔ وہ صبح گاڑی لے آئے۔

یہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے تمام حواری اور دستِ راست یوگا کے ماہر ہیں۔ اس لئے میں نے اس دستِ راست کے دماغ کو نہیں چھیڑا۔ جیلر کے خیالات سے معلوم ہوا کہ حمزہ خان کا جوان بیٹا میرداراز خان رنگین مزاج ہے۔ گرمیوں کا موسم لندن' پیرس اور جنیوا وغیرہ میں گزارتا ہے' آج کل پاکستان میں ہے۔

باپ چاہتا تھا کہ بیٹا اس کی طرح یوگا میں مہارت حاصل کرلے لیکن اسے شراب اور شباب کا چسکا پڑ گیا تھا۔ چونکہ چار بیٹیوں پر ایک ہی بیٹا تھا۔ اس لئے بیٹے پر سختیاں نہیں کرتا تھا۔ اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتا تھا۔ کسی حد تک اس کے لاڈ پیار نے ہی اسے گمراہ کیا تھا۔

جیلر نے میری مرضی کے مطابق فون پر میرداراز خان سے رابطہ کیا اور کہا "تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ تمہارا بابا جانی کل صبح رہا ہو جائے گا۔"

وہ بولا "ٹھیک ہے' میں کل صبح گاڑی لے آؤں گا۔"

"نہیں چھوٹے خان! تم نہ آنا۔ خان خاناں نے تمہیں اطلاع دینے کو نہیں کہا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔ بابا جانی مجھے جیل کے دروازے سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے' میں نہیں آؤں گا۔"

میں اس جوان میرداراز خان کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ... نامی ایک گاؤں میں اپنی والدہ اور بہنوں سے ملاقات کرنے ... اسی شام پشاور آنا چاہتا تھا۔ ماں نے اسے روک لیا تھا پھر ... بتایا کہ بابا جانی سے ملنے جا رہا تھا۔ وہ صبح رہا ہو رہے ہیں۔

وہ اپنی آبائی حویلی سے نکل کر کار کے ذریعے پشاور کی ... روانہ ہو گیا۔ میں نے ماں بیٹے کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا ... کل حمزہ خان کچھ زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ گھر کا یا جیل کا کھانا ... کھاتا ہے۔ یہ اندیشہ ہے کہ کوئی کھانے پینے کی چیز ... ضرر رساں دوا ملا سکتا ہے۔ اسے دماغی اور جسمانی طور پر کمزور ... ہے اس لئے اس کا یوگا کا ماہر دستِ راست خود پکا کر اس کے ... کھانا لایا کرتا تھا۔

گویا وہ میری وجہ سے اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ ہر ... محتاط رہ کر مجھ سے ٹکرانے پر آمادہ ہوا تھا۔ ایک بات وہ بھول ... کہ میں راہ چلتے کسی بھی شخص کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے ... مار سکتا ہوں۔ اسے زخمی کر کے اس کے دماغ میں جگہ بنا سکتا ...

میں ابھی یہ طریقہ آزمانا نہیں چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ ... اس پہلو سے بھی اپنے بچاؤ کا انتظام کیا ہو۔ پھر یہ کہ فوراً ... چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں اسے اندیشوں' واہموں اور اپنوں ... بدگمانیوں میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ اپنوں سے بدگمانی اس لئے ... میں اس کے اپنوں کے دماغوں پر قبضہ جما کر بھی نقصان پہنچا ... تھا۔ میرداراز خان رات کے آٹھ بجے پشاور پہنچا۔ حمزہ خان ... دستِ راست نے اس سے کہا "چھوٹے خان! تم کو ادھر نہیں ... تھا' بابا جانی غصہ کرے گا۔"

"کیوں غصہ کرے گا؟ کیا میں بیٹا نہیں ہوں۔ کیا میرا دل ... سے ملنے کے لئے تڑپتا نہیں ہے۔ تم لوگ فکر مت کرو۔ بابا ... جانی کو سمجھا لوں گا۔"

اس رات وہ اپنی کوٹھی میں ایک معشوق کو بلانا چاہتا تھا ... نے اسے موقع نہیں دیا۔ اسے جلدی سُلا دیا۔ پھر اس پر تنویمی عمل ... کیا۔ اس کے دماغ میں یہ نقش کیا کہ وہ شراب نہیں پئے گا ... نشہ نہیں کرے گا۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی ... روک لیا کرے گا۔ صرف سونیا کی آواز اور لہجے کو اپنے ... محسوس نہیں کرے گا۔

پھر یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دماغ میں کوڈ نمبر زیرو ون زیرو ... زیرو تھری سنتے ہی خود کو بھول جائے گا۔ خود فراموشی کے ... جو حرکتیں کرے گا' وہ حرکتیں اسے ہوشمندی کے وقت یاد ... رہیں گی۔ وہ دوبارہ کوڈ نمبر زیرو ون زیرو ٹو اور زیرو تھری سن ... ہوش و حواس میں آئے گا۔ خود کو پہچانے گا لیکن خود فراموشی ... بھول جائے گا۔

اس کے بعد میں ڈی ایس پی شاہ خان کے دماغ میں ... میری آواز سنتے ہی چونک کر خلاؤں میں تکنے لگا۔ سوچنے لگا ...

... واز میرے اندر سے آ رہی ہے؟"

"ہاں' میں فرہاد علی تیمور تمہارے اندر بول رہا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا "کیا واقعی؟ میں اتنا خوش نصیب ہوں کہ ... آپ میرے پاس آئے ہیں؟"

"میں تمہاری ایمانداری اور فرض شناسی کا انعام بن کر آیا ... ہوں۔ میں حمزہ خان کے سامنے تمہارا سر جھکنے نہیں دوں گا۔"

"بے شک خدا نیکی کا صلہ دیر سے دیتا ہے مگر ضرور دیتا ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا تم چاہتے ہو اس مجرم کو رہائی نہ ملے؟"

"بے شک میں قانون کی سربلندی چاہتا ہوں۔"

"شاہ خاناں! ہمارے ملک کا قانون لکڑی کی تلوار بن گیا ہے۔ ... اس تلوار سے تم فولاد کو نہیں کاٹ سکو گے۔ اس کے خلاف ثبوت ... اور گواہ جمع کرتے رہو گے اور تمہارے بڑے وہ ثبوت ضائع کرتے ... رہیں گے۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"لوہے کو کاٹنے کے لئے لوہا بننا چاہئے۔ شیطان کو مارنے کے ... لئے شیطانی چال چلنا چاہئے۔"

"آپ مجھے ایسا مشورہ دیں کہ میں قانون کے مطابق عمل ... کرتے ہوئے کامیابی حاصل کروں۔"

"ایسے کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ تم محنت کرتے ... رہو گے' تمہارے بڑے اس محنت کو مٹی میں ملاتے رہیں گے۔ ذرا ... عقل سے سوچو' تمہارے اعلیٰ افسران غیر قانونی حرکتیں کر کے ... مجرموں کو تحفظ دیتے ہیں۔ یعنی وہ وردی پہن کر جرم کرتے ہیں۔ اگر ... تم بھی قانون سے ذرا ہٹ کر ایسی چال چلو کہ مجرموں کی کامیابیاں ... ناکامیوں میں بدل جائیں۔ حمزہ خان کو رہائی کا حکم ملنے کے بعد بھی ... اسے رہائی نہ ملے تو یہ تمہاری اور قانون کی جیت ہوگی۔"

"بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ آپ مجھے گائیڈ کریں۔"

"سب سے پہلے یہ سمجھ لو کہ یہودیوں کے ٹیلی پیتھی جاننے ... والے تمہارے دماغ میں آ کر تمہیں غیر قانونی حرکتیں کرنے پر مجبور ... کر سکتے ہیں۔ اگر تم پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس ... روک لو گے تو وہ تمہیں اپنے اشاروں پر نہیں نچا سکیں گے۔"

"میں دشمنوں کی سوچ کی لہروں کو کیسے محسوس کر سکتا ہوں؟"

"تم آرام سے بستر پر لیٹ جاؤ۔ اور مجھے تنویمی عمل کرنے دو۔ اس عمل سے تمہارا دماغ حساس ہو جائے گا۔ تمہارے جیسا ... صحت مند جوان آسانی سے ایک منٹ تک سانس روک سکتا ہے۔"

وہ راضی ہو گیا۔ بستر پر آرام سے لیٹ کر اس نے جسم کو ڈھیلا ... چھوڑ دیا۔ ذہن کو میری طرف مائل کر دیا۔ میں نے بڑی آسانی سے ... اسے اپنا معمول بنا کر اس کے دماغ کو حکم دیا کہ وہ آئندہ پرائی سوچ ... کی لہروں کو محسوس کرلے گا اور سانس روک لیا کرے گا۔ صرف ... سونیا کی آواز اور لہجے کو محسوس نہیں کرے گا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ ... وہ قانون کی بالادستی کے لئے کبھی کبھی قانون سے ہٹ کر بھی عمل ... کیا کرے گا۔

یہ عمل کرنے کے بعد میں بھی اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سو گیا۔ اس سرائے میں میرا الگ کمرا نہیں تھا۔ وہاں ہر کمرے میں چار یا چھ مسافر رہا کرتے تھے۔ میں محتاط رہ کر دوسروں سے الگ تھلگ زندگی گزارتا تھا لیکن اس سرائے میں' مَیں ایک معمولی سا' عام سا مسافر تھا۔ وہاں میرا مال چوری ہو سکتا تھا' مگر جان کا خطرہ نہیں تھا۔

صبح پانچ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ میں سونیا کا لہجہ اختیار کر کے میرداراز خان کے پاس آیا۔ اسے نیند سے بیدار کیا پھر اس کے اندر کوڈ نمبر ادا کئے۔ انہیں سنتے ہی وہ دماغی طور پر غائب ہو گیا۔ خود کو بھول گیا۔ بستر سے اٹھ کر اسٹور روم میں آیا۔ وہاں کچھ ہتھیار اور مختلف قسم کے بم رکھے ہوئے تھے۔ اس نے دو عدد بم اور ریموٹ کنٹرولر کو اٹھایا پھر کوٹھی کے باہر آ گیا۔ پورچ میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ایک شیراڈ اور دوسری ہنڈا ایکارڈ تھی۔ ان دو میں سے کوئی ایک گاڑی حمزہ خان کے لئے جانے والی تھی۔

میرداراز خان نے آس پاس نظریں دوڑائیں۔ اتنی صبح کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے باری باری دونوں گاڑیوں کے نیچے جا کر ایک ایک بم کو وہاں باندھ دیا۔ پھر باہر نکل کر کوٹھی کے اندر آ گیا۔ ریموٹ کنٹرولر کو اس لباس کی جیب میں رکھا جسے وہ پہن کر جانے والا تھا۔ پھر میں نے اسے ایک کرسی پر بٹھا کر کوڈ نمبر سنائے۔ وہ فوراً دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے جو کچھ کیا تھا' وہ اسے یاد نہیں رہا تھا۔

میں نے غسل وغیرہ کے بعد لباس تبدیل کیا۔ پھر پٹھانی پراٹھے اور انڈوں کے آملیٹ کا ناشتا کیا۔ اس کے بعد چائے پی کر میرداراز خان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو گیا تھا۔ میں نے کوڈ نمبر کے ذریعے اسے نافل کیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ریسیور اٹھا کر جیلر کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں حمزہ خان کا دوست ہے' اس سے بات کرنا مانگتا ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "ہولڈ آن پلیز۔"

بیٹا باپ کے انتظار میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ وہ باپ سے باتیں کرنے والا ہے اور اپنی آواز اور لہجہ بدل چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد حمزہ خان کی آواز سنائی دی "ہیلو' میں حمزہ خان ہوں۔ تم کون ہے؟"

"میں بھی تمہارا مافق ہتھیاروں کا اسمگلر ہے۔ تمہارا جیل میں رہنے سے میرا مال کا ڈیمانڈ بڑھ جاتا ہے۔ میرے کو بہت منافع ہوتا ہے۔ میں تم سے عرض کرتا ہے' تم ادھر جیل میں رہو باہر میرے کو دھندا کرنے دو۔"

حمزہ خان نے ناگواری سے پوچھا "خنزیر کا بچہ! تم کون ہے؟"

"ہم تمہارا بچہ ہے۔ خود کو خنزیر مت بولو۔ ہم کو اپنا بچہ سمجھ کے دھندا کرنے دو۔ نہیں کرنے دے گا تو تمہارا زندگانی خلاص ہو جائے گا۔"

حمزہ خان نے ریسیور کو غصے سے کریڈل پر پٹخ دیا۔ جیلر نے پوچھا۔ "کیا بات ہے خانِ خاناں؟"

"خدا معلوم کون بزدل کا بچہ ہے۔ فون کا اوپر دھمکی دیتا ہے' ہم باہر جا کے دیکھے گا' اس کا شامت آیا ہے۔"

میں جیلر کے پاس سے پھر میر درّاز خان کے پاس آیا۔ وہ ریسیور رکھ کر فون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اس کے ذریعے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کھڑکی کے پاس آکر دیکھا۔ حمزہ خان کا دستِ راست کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر تھا۔ پیچھے دو گن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مالک کا استقبال کرنے جیل کی طرف جا رہے تھے۔

اس وقت آٹھ بجنے والے تھے۔ میں نے میر درّاز خان کے اندر اُس کی اپنی سوچ کے ذریعے کہا "جیل یہاں سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ میں ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے یہاں سے نکلوں گا۔ بابا جانی کے آدمیوں کی نظروں سے چھپ کر جیل سے دور رہوں گا۔ مجھے اس بات کا خاص خیال رکھنا ہے کہ وہاں کسی کو میری موجودگی کا علم نہ ہو۔"

میں اسے ضروری باتیں سمجھا کر دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ سرائے کی چارپائی پر بیٹھ کر زیادہ دیر خیال خوانی کے باعث میں دوسرے مسافروں کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ لوگ مجھے حیرانی سے دیکھتے اور سوچتے کہ میں بے حس و حرکت ایک ہی جگہ جم کر کیوں بیٹھا ہوں؟

ایک رات سرائے میں گزارنے کے بعد دانشمندی یہی ہوتی کہ کسی ہوٹل میں قیام کروں تاکہ بند کمرے کے اندر کوئی مجھے مراقبے میں نہ دیکھ سکے۔ میں نے چھوٹی سی اٹیچی میں اپنا سامان رکھا۔ پھر سرائے کے مالک سے مصافحہ کرکے ایک چھوٹے سے رہائشی ہوٹل میں آگیا۔ کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کرکے گھڑی دیکھی' ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے۔

پہلے میر درّاز خان کو دیکھا۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے سے نکل رہا تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ بڑی راز داری سے جیل کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں اپنے لوگوں کی نظروں سے چھپنے کی حتی الامکان کوشش کرے گا۔

میں نے شاہ خان کو مخاطب کیا پھر کہا "فون پر حمزہ خان سے بات کرو۔ اسے بتاؤ کہ جیل کے باہر اُس کی زندگی مختصر ہو جائے گی۔ اسے سلاخوں کے پیچھے رہنا چاہئے۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولا "معاملہ کیا ہے؟"

"میں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔"

رابطہ قائم ہوگیا۔ جیلر کی آواز سنائی دی۔ شاہ خان نے اپنا نام بتا کر کہا "میں حمزہ خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

چند لمحات کے بعد حمزہ خان کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ "ہیلو آفیسر! بولو کیا بات ہے؟"

"خانِ خاناں! ابھی ایک منٹ پہلے کسی اجنبی نے مجھے فون کیا۔ وہ بولتا تھا جیل کے باہر حمزہ خان کے لئے موت ہے۔ وہ حیات ہے تو باقی زندگی جیل کے اندر رہے۔"

وہ بولا "میں سمجھ گیا۔ اس خنزیر کا بچہ نے میرے کو بھی کے اوپر دھمکی دیا تھا۔ تم فکر مت کرو آفیسر! تم میرا مخالف ہو میرے کو خطرے سے آگاہ کیا۔ میں تم سے بہت خوش ہے۔ کو خدمت کا موقع دو۔ میں تمہارا بہت کام آئے گا۔"

"خانِ خاناں! میں رشوت نہیں لیتا۔ یہ تم اچھی طرح گئے ہو' میں نے تمہیں اس لئے خطرے سے آگاہ کیا ہے کہ تم رہو اور میرے ہاتھوں عدالت میں پہنچ کر سزائے موت پاؤ۔"

اس نے زوردار قہقہہ لگایا پھر کہا "شاباش آفیسر شاباش! بہت دلیر ہے' ارادے کا پکا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہے۔ باہر آئے گا تو تم سے ملاقات کرے گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ شاہ خان نے پوچھا "فرہاد صاحب واقعی اس کی جان کو خطرہ ہے؟ مجھے اس کی حفاظت کے لئے چاہئے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم ادھر نہ جاؤ۔ میرا وعدہ ہے محفوظ رہے گا۔ میں ابھی تمہارے پاس آؤں گا۔"

میں نے جیلر کے پاس آکر دیکھا۔ نو بجنے میں... چند گئے تھے۔ حمزہ خان رخصت ہونے کے لئے جیلر سے مصافحہ کر اور وہ کہہ رہا تھا "خان خاناں! ہم آپ کے خادم ہیں۔ رخصت کرنے کے لئے جیل کے بیرونی گیٹ تک جائیں گے۔"

وہ تمام سرکاری ملازم حمزہ خان کے آس پاس چلتے ہوئے کی طرف جانے لگے۔ میں میر درّاز خان کے پاس آگیا۔ اپنی کار جیل سے بہت دور کھڑی کی تھی۔ وہاں سے پیدل اس کے باپ کے لئے آئی ہوئی ہنڈا ایکارڈ گیٹ سے ذرا دور ہوئی تھی۔ جیسے ہی گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا' میں نے درّاز ایکشن پر مجبور کیا۔ اس نے ریموٹ کنٹرول کا رخ ہنڈا ایکا طرف کیا پھر ایک بٹن کو دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زبر دھماکا ہوا۔ حمزہ خان گیٹ کے چھوٹے دروازے سے جھک آنا چاہتا تھا' دھماکا ہوتے ہی الٹ کر پیچھے دوبارہ جیل کے ا گرا۔

اس کا دستِ راست اور ایک گن مین گیٹ کے پاس بھی چھلانگیں لگا کر جیل کے احاطے میں چلے آئے۔ دوسرا اپنے مالک کے لئے کار کا دروازہ کھولنے کے لئے وہیں اب بے وجود ہو کر رہ گیا تھا۔ کار کے ساتھ اُس کے بھی اڑ گئے تھے۔

میں نے درّاز خان کو اس کی کوٹھی کی طرف روانہ کیا کے پاس آیا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ حمزہ خان بہت ہے' موت سے نہیں ڈرتا۔ خطرات سے کھیلنے کا عادی ہے وقت حواس باختہ ہوگیا تھا۔ کیونکہ ایسا اچانک ہوا تھا۔ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی دشمن اتنی دلیری دکھائے

میر حمزہ خان جیسے خطرناک شخص کی چھ لاکھ کی گاڑی کو تباہ کردے گا۔ جیلر نے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا "خانِ خاناں! خدا کا شکر ادا کرو۔ سجدہ کرو' اگر چند سیکنڈ پہلے باہر جاتے اور اس گاڑی میں بیٹھتے تو کیا ہوتا؟"

دستِ راست نے کہا "آپ کے ایک باڈی گارڈ کے ٹکڑے ہوگئے ہیں۔"

میر حمزہ خان خلا میں تک رہا تھا۔ اس کی دماغی حالت کیسی تھی یہ میں معلوم نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن چہرے کا پسینہ بتا رہا تھا کہ وہ پریشان ہوگیا ہے۔ وہ فرش پر سے اٹھ کر اپنے لباس کو جھاڑتا ہوا جیلر کے دفتر کی طرف جانے لگا۔ جیلر نے ایک سپاہی سے کہا۔ "دوڑ کے جاؤ' خانِ خاناں کے لئے ٹھنڈی بوتل لے آؤ۔"

"نہیں......" حمزہ خان نے دہاڑتے ہوئے کہا "ٹھنڈا بوتل میں بھی سازش ہوسکتا ہے۔ ادھر میرا پاس سے یہ بھیڑ ہٹاؤ۔ ابھی میرے کو سمجھنے دو کون دوست ہے کون دشمن ہے؟"

پھر اس نے اپنے دستِ راست سے کہا "اوئے شیرباز! جاؤ جلدی جاؤ۔ کمشنر صاحب کو' آئی جی صاحب کو بولو۔ ادھر میرے ساتھ میں کیا ہوتا ہے۔ اپنا حواری لوگ کو دشمن کا پیچھے دوڑاؤ۔ جو میرا دشمن کو پکڑے گا' میں اس کو پاکستان کا کرنسی میں تول دے گا۔"

شیرباز ریسیور اٹھا کر کمشنر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں درّاز خان کے پاس آیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں واپس آگیا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے فون پر آئی جی سے رابطہ کیا۔ اس کی آواز سنی۔ پھر ریسیور رکھوایا۔ آئی جی کے خیالات پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی فون کی گھنٹی سنائی دی۔ آئی جی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کمشنر نے کہا "سینٹرل جیل کے سامنے میر حمزہ خان کی کار کو بم سے اڑا دیا گیا ہے۔ آپ وہاں فوراً پہنچیں۔ میں بھی آرہا ہوں۔"

"میں ابھی یہاں سے نکل رہا ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر بڑبڑانے لگا "کیا مشکل ہے۔ حمزہ خان ہمارے ملک کا بدترین مجرم ہے۔ لیکن اسے وی آئی پی ٹریٹمنٹ دینا پڑتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہودیوں سے رشوت لینے کے بعد ان کا غلام بن جاؤں گا اور سلامتی کی یہ وردی پہن کر بدترین مجرموں کا خدمت گار بن جاؤں گا۔ تو میں کبھی رشوت قبول نہ کرتا۔"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "کیا میں اس غلامی سے آزاد نہیں ہوسکتا؟"

"نہیں ہوسکتا۔ میری بیٹی لندن میں اور بیٹا شکاگو میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے اخراجات ایک ایسا یہودی سرمایہ دار برداشت کر رہا ہے جسے میں نہیں جانتا۔ اگر میں فرض شناسی دکھاؤں گا تو وہاں میری بیٹی اور بیٹے سلامت نہیں رہیں گے۔ مجھے دھمکی دی گئی ہے کہ جب تک میں اُن کا وفادار رہوں گا میرے دونوں بچے وہاں عیش و آرام سے محفوظ رہیں گے۔ ورنہ ان کی لاشیں یہاں پہنچیں گی۔"

رشوت خوری نے اسے بری طرح پھانس لیا تھا۔ اسے دلدل سے نکالنے میں بڑا وقت لگنے والا تھا۔ فی الحال حمزہ خان سے نمٹنا تھا۔ میں کمشنر کے پاس آیا۔ وہ ایک گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا جیل کی طرف جارہا تھا۔ اگلی سیٹوں پر سپاہی ڈرائیور اور باڈی گارڈز بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کمشنر کے ذریعے ڈرائیور کی آواز سنی پھر آئی جی کے پاس آگیا۔ وہ بھی اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر جارہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے بھی اس کے ڈرائیور کی آواز سن لی۔

کمشنر اور آئی جی اپنی اپنی گاڑیوں میں آگے پیچھے سینٹرل جیل کے گیٹ کے پاس پہنچے۔ گاڑیوں کو گیٹ سے ذرا دور کھڑا کیا پھر حمزہ خان کی تباہ شدہ گاڑی کو دیکھا۔ کمشنر نے کہا "خانِ خاناں کا کوئی زبردست دشمن پیدا ہوگیا ہے۔ ہمیں اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کرنا ہوگا۔"

آئی جی نے کہا "میں خانِ خاناں کو اپنی نگرانی میں یہاں سے لے جاؤں گا۔ وہ جہاں جانا چاہے گا اسے بحفاظت پہنچادوں گا۔"

وہ دونوں اپنے سپاہیوں کے ساتھ گیٹ کے چھوٹے دروازے سے گزر کر جیل کے احاطے میں چلے گئے۔ میں۔۔۔ایک ڈرائیور کے دماغ پر قبضہ جماکر گاڑی کی پٹرول کی ٹنکی کی پاس لے گیا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر اسے کھولا پھر اس کی نوک سے ٹنکی میں ننھا سا سوراخ کردیا۔

اس کے بعد ڈرائیور کو دوسری گاڑی کے پاس لے گیا۔ اس گاڑی کا ڈرائیور پان سگریٹ کی دکان کے پاس کھڑا سگریٹ سلگانے کے لئے دیا سلائی خرید رہا تھا۔ ڈرائیور نے دوسری گاڑی کی ٹنکی میں بھی سوراخ کردیا۔

اب دونوں گاڑیوں کی ٹنکیوں سے پٹرول پتلی سی دھار کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ گاڑیوں کے نیچے سے بہتا ہوا دور جارہا تھا۔

جیلر کے دفتر میں کمشنر' آئی جی اور میر حمزہ خان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈی ایس پی شاہ خان ان کے سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا "میں نے خانِ خاناں کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل کئے تھے۔ سوچا تھا ایک خطرناک مجرم کو سزائے موت ملے گی یا عمر قید......"

کمشنر نے شاہ خان سے کہا "ایسی بکواس کرنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ خانِ خاناں کو یہاں سے بحفاظت لے جانے کی بات کرو۔ تمہارے آئی جی صاحب خانِ خاناں کو اپنی نگرانی میں لے جائیں گے۔ تم بھی ان کے ساتھ......"

شاہ خان نے کہا "نو سر! میں خانِ خاناں کو یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔"

وہ غصے سے اٹھ کر بولا "تم میرے حکم سے انکار کروگے؟"

"نو سر! میں جونیئر افسر ہوں۔ جائز اور ناجائز ہر حکم کی تعمیل کرتا ہوں لیکن اس اوپر والے کا حکم ہے کہ خانِ خاناں تمام عمر جیل میں رہے۔ ورنہ باہر عمر تمام ہوجائے گی۔"

حمزہ خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "یہ میر حمزہ خان دشمن کے دھماکے سے نہیں ڈرے گا۔ میں اندر تھا' باہر اس کا داؤ چل گیا۔ اس کے بعد اور کوئی داؤ مجھ پر نہیں چلے گا۔"

میں نے وہاں سے آکر ایک ڈرائیور کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اس کے ہاتھوں سے ماچس کی تیلی جلاکر سڑک پر بہتے ہوئے پٹرول پر پھینک دی۔ یکبارگی آگ بھڑکی۔ پھر وہ آگ پٹرول کی دھار پر پھیلتی اور بڑھتی ہوئی ایک گاڑی تک پہنچی۔ ایک زور دار دھماکا ہوا۔ گاڑی کے جلتے ہوئے ٹکڑے دوسری گاڑی کے بہتے ہوئے پٹرول پر آئے پھر دوسری گاڑی کے دھماکے نے قیامت مچادی۔

میں جیل کے اندر شاہ خان کے پاس آیا۔ وہاں بھی دھماکوں کی آوازوں نے ہلچل مچادی تھی۔ وہ سب دفتروں سے نکل کر گیٹ کی سمت دیکھ رہے تھے۔ گیٹ کے اور جیل کی اونچی دیواروں کے اس پار آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔ گیٹ کا سپاہی دوڑتا ہوا آیا تھا اور ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا "سر! ایک نہیں دونوں گاڑیوں میں دھماکے ہوئے ہیں۔ کمشنر صاحب اور آئی جی صاحب کی گاڑیاں تباہ ہوگئی ہیں۔"

سب کے منہ حیرانی اور پریشانی سے کھلے رہ گئے۔ شاہ خان نے کہا "خانِ خاناں! دیکھو اور سمجھو۔ موت تمہیں بار بار وارننگ دے رہی ہے۔ عدالت سے ملنے والے رہائی کے پروانے کے باوجود تم رہا نہیں ہوپاؤ گے' آگے تم سمجھ دار ہو۔"

میر حمزہ خان دیوار پر گھونسا مارتے ہوئے بولا "یہ کیا ہورہا ہے۔ آپ جیسے اعلیٰ افسروں کی گاڑیوں میں دھماکے ہو رہے ہیں۔ وہ دشمن کتنے بڑے دل گردے والا ہے جو میرے جیسے خطرناک مجرم سے ٹکرا رہا ہے۔ پولیس کے اتنے بڑے بڑے افسروں کو چیلنج کررہا ہے۔ کون ہے وہ؟ کون ہے وہ؟"

وہ دیوار پر گھونسے مار رہا تھا اور کہتا جارہا تھا "کون ہے وہ؟ کون ہے وہ؟"

کمشنر' آئی جی اور ڈی ایس پی شاہ خان نے اسے پکڑلیا' گھونسے مارتے مارتے اس کا ہاتھ لہولہان ہورہا تھا۔ وہ اپنے لہو کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ پھر یکبارگی خود کو تینوں سے چھڑاتے ہوئے بولا "پکڑلیا۔ دشمن کو پکڑلیا۔"

کمشنر نے پوچھا "کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں سمجھ گیا کمشنر صاحب! آپ انکوائری کرے گا تو معلوم کرنا ہوگا۔ میرا گاڑی میں کس نے بم رکھا؟ آپ کا گاڑی میں اور آئی جی صاحب کا گاڑی میں آگ کیسا لگ گیا؟ جب یہ تمام سوالوں کا جواب نہیں ملے گا تو پھر ایک ہی جواب ہوگا۔ اور وہ جواب ہوگا فرہاد علی تیمور۔ فرہاد' فرہاد۔ اتنا بڑا بڑا واردات فرہاد کرسکتا ہے' کوئی دوسرے کا مجال نہیں ہے۔"

آئی جی نے پوچھا "تمہارا دھیان فرہاد کی طرف کیوں گیا ہے؟ کیا اسے تم سے کوئی دشمنی ہے؟"

"آئی جی صاحب! فرہاد کو تم سے بھی دشمنی ہے۔ ہم جس پاور کا ایجنٹ ہے آپ بھی اُس کا وفادار ہے۔ کمشنر صاحب بھی اس کا جی حضوری کرتا ہے۔ فرہاد ہمارا تمہارا اعمال نامہ پڑھنے کا واسطے ادھر آیا ہے۔ ابھی وہ پاور سے ملاقات کرو۔ اس کو فون کرکے بولو ہمارا تمہارا جان عذاب میں ہے۔ اس کو بولو' ادھر آؤ' ہمارا مدد فرماؤ۔"

وہ کھل کر یہودی نہیں کہہ رہا تھا۔ یہودیوں کو پاور کہہ رہا تھا۔ میں نے ایک مسلح سپاہی کی زبان سے کہا "میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

سب نے چونک کر اُس سپاہی کو دیکھا' میں نے کہا "یہ بیچارہ سپاہی فرہاد نہیں ہے۔ میں اس کے دماغ پر قبضہ جماکر اس کی زبان سے بول رہا ہوں۔"

میں نے سپاہی کی گن سے حمزہ خان کا نشانہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "موت تم سے کتنی دور ہے؟ میں چاہتا تو جیل کے کسی سپاہی کے ذریعے تم پر گولی چلاتا۔ تمہیں زخمی کرتا پھر تمہارے دماغ پر حکومت کرتا۔ تمہاری یوگا کی مہارت دھری کی دھری رہ جاتی۔"

حمزہ خان پریشان ہوکر گن کی نال کو اپنی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ موت سے خوف زدہ نہیں تھا۔ پریشانی یہ تھی کہ زخمی ہوگا تو فرہاد کا غلام بن جائے گا۔

میں نے کہا "میں تمہیں زخمی نہیں کروں گا۔ تمہیں اپنا معمول اور آلۂ کار نہیں بناؤں گا۔ تمہیں یہ دکھاؤں گا کہ یوگا کی مہارت کے باوجود تم میری جوتیوں میں ہو۔ تم جیل سے باہر قدم نہیں رکھ سکوگے۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کی مہلت دیتا ہوں۔ اپنے یہودی آقاؤں کی جتنی مدد حاصل کرسکتے ہو' کرلو۔ ان دو اعلیٰ افسروں کو بھی اتنی ہی مہلت دے رہا ہوں۔ کل صبح نو بجے تک تم تینوں کو اگر یقین ہوجائے کہ یہودی آقا تمہارے کام نہیں آسکیں گے تو حمزہ خان تم کمشنر اور آئی جی کے سامنے تحریری بیان دوگے۔ اپنے تمام چھوٹے بڑے جرائم کا اعتراف تحریری طور پر کروگے۔ کمشنر اور آئی جی تمہارا تحریری بیان لے کر عدالت میں جائیں گے۔ جج صاحب کے سامنے وہ بھی یہودیوں کے دلّال ہونے کا تحریری طور اعتراف کریں گے اور یہ سب کارروائیاں ڈی ایس پی شاہ خان کی نگرانی میں ہوں گی۔"

وہ سب گم صم ہوکر میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "کل نو بجے میرے احکامات کی تعمیل نہ ہوئی تو میں سب سے پہلے حمزہ خان کو زخمی کرکے اس کے دماغ پر قبضہ جماؤں گا۔ پھر تم تینوں کو پشاور سے دوڑاتے ہوئے اسلام آباد لے جاؤں گا۔ وہاں قانون ساز ادارے کی چوکھٹ پر تم تینوں سر مارتے مارتے مرجاؤگے۔ قانون شکن افسروں اور دلّالوں کو قانون کی دہلیز پر ہی تماشا بن کر مرنا چاہئے تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں۔ میں جارہا ہوں' کل صبح نو بجے آؤں گا۔"

میں سپاہی کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر شاہ خان کے دماغ میں آگیا۔ وہ بہت خوش ہورہا تھا اور مطمئن تھا کہ ٹیڑھے راستے سے ہی سہی' قانون کی بالادستی بحال ہورہی ہے۔ وردی کی عزت بھی برقرار رہے گی۔ جنہیں وہ انتھک محنت کے باوجود بے نقاب نہیں کرسکا تھا۔ وہ کل صبح بڑی آسانی سے بے نقاب ہوکر اپنی سزا کو پہنچنے والے تھے۔

شاہ خان نے آئی جی سے پوچھا "سر! کیا میں جاسکتا ہوں؟"

کمشنر نے کہا "ہم پر مصیبت آئی ہوئی ہے اور تم چھٹی مانگ رہے ہو۔ مسٹر فرہاد نے تمہیں ہماری نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے مسٹر فرہاد سے تمہارا رابطہ رہتا ہے۔"

"سر! آپ میری بات نہ کریں اپنی فکر کریں۔"

"فکر سے میری آدھی جان جارہی ہے۔ کیا آج شام کو تم کسی وقت فرہاد صاحب سے رابطہ کراسکتے ہو؟"

"اگر وہ میرے دماغ میں آئیں گے تو میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گا۔"

کمشنر نے آئی جی اور حمزہ خان سے کہا "میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آیئے ہم کسی کمرے میں بیٹھیں گے۔"

جیلر نے ان کے لئے دفتر کے ساتھ والا کمرا کھول دیا۔ ان تینوں نے اندر آکر دروازے کو بند کرلیا پھر کمشنر نے آئی جی اور حمزہ خان سے کہا "یہاں آرام سے بیٹھ کر صرف ایک سوال کا جواب سوچو کہ کل صبح نو بجے ہمارا انجام کیا ہوگا؟ سوسائٹی میں اور سرکاری شعبوں میں ہماری عزت ہے۔ کل وہ ہمیں ننگا کرکے عوام کے سامنے دوڑائے گا اور اقبالِ جرم کرائے گا تو ہم اور ہمارے بچے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

حمزہ خان نے کہا "بے شک پریشانی کی بات ہے۔ میرا خلاف جتنا ثبوت تھا اسے آپ نے خلاص کردیا۔ اس کے باوجود کل وہ میرے کو زخمی کرے گا۔ میرے دماغ میں گھسے گا اور میرے سے اقبالِ جرم کرائے گا۔ یہ ٹیلی پیتھی بہت جنجال والا شیطانی علم ہے۔ یہ تو میں اچھی طرح سمجھ گیا' فرہاد ہم کو نہیں چھوڑے گا۔ ہم سب کو ذلیل کرے گا۔"

آئی جی نے کہا "تم ذلیل ہوگے تو قیامت نہیں آئے گی۔ تم تو پہلے بھی بدنام قاتل اور مجرم تھے۔ عزت تو ہم عزت داروں کی جائے گی۔ جب میں پہلی بار یہودیوں سے سودے بازی کررہا تھا تب میری بیوی نے سمجھایا تھا' آپ تھوڑا کمائیں' ہم تھوڑا کھائیں گے۔ اپنے بچوں کو پاکستان میں تعلیم دلائیں گے۔ انہیں لندن اور شکاگو بھیجنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اُن دنوں میں اونچا اڑ رہا تھا۔ میری بیوی مجھے نادان اور احمق نظر آرہی تھی۔ جب مجھے تمہارے جیسے مجرموں کے سامنے جھک کر بات کرنا پڑی' تب میری برتری اور خودداری کو ٹھیس پہنچی۔ جب میں نے تمہارے خلاف ملنے والے تمام ثبوت کو ضائع کرنے سے انکار کیا تو دھمکی دی گئی کہ میری بیٹی لندن سے اور بیٹا شکاگو سے زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ تب میرے ضمیر نے ملامت کی۔ میں نے جھوٹی نمائش اور جھوٹی شان و شوکت کے لئے اپنے بچوں کو یہودیوں کے پاس گروی رکھ دیا ہے۔"

کمشنر نے کہا "جو ہوگیا' سو ہوگیا۔ جو ہونے والا ہے اُس کی

بات کریں۔" حمزہ خان نے کہا "ایک بات تو پکا ہے۔ فرہاد ہم سب سے اقبالِ جرم کرائے گا۔ میں تو نہیں کرے گا' کیا آپ کرے گا؟"

"نہیں' کوئی اپنی خوشی سے اپنے جرائم قبول نہیں کرتا ہے۔ اس لئے وہ جبراً ایسا کرائے گا۔ کیا یہودی آقا ہمیں تحفظ دیں گے؟"

"کیوں نہیں دے گا۔ ضرور دے گا۔ ہم اور آپ پاکستان میں یہودی برادر کا واسطے بہت اہم ہے۔ میرا دستِ راست ٹرانسیٹر سے گفتگو کرنے گیا ہے۔ ابھی وہ آکے بتائے گا۔ آپ حوصلہ کرو' ہم سب کو فرہاد کا ٹیلی پیتھی سے تحفظ ملے گا۔ ضرور ملے گا۔"

میں کبھی آئی جی اور کبھی کمشنر کے چور خیالات پڑھ رہا تھا۔ کمشنر کو حمزہ خان کی طرح یہودیوں پر بھروسا تھا۔ لیکن آئی جی دل سے پچھتا رہا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "دس بج کر پندرہ منٹ ہو چکے ہیں' میں منصف سردار علی خان کی عدالت میں جا رہا ہوں۔ ان کے سامنے اقبالِ جرم کروں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کمشنر نے اٹھ کر کہا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کا انجام جانتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیٹی اور بیٹے کی زندگی داؤ پر لگا رہے ہیں؟"

"میں نے یہودیوں کی پابندیاں قبول کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ میں ایک مسلمان کے ضمیر کو بیچ رہا ہوں اور پاکستان کے وقار کو ٹھیس پہنچا رہا ہوں۔ کیا بیٹی اور بیٹا ہمارے مذہب اور ہمارے وطن سے زیادہ اہم ہیں؟ نہیں' میں بیٹی اور بیٹے کی قربانیاں دے کر کفارہ ادا کروں گا۔ میرے اقبالِ جرم سے اور اولاد کی قربانیوں سے دوسرے پولیس والے عبرت حاصل کریں گے تو ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے لئے یہ میرا بہترین عمل ہوگا۔" وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

حمزہ خان نے کہا "بزدل کا بچہ۔ فرہاد کا خوف سے اقبالِ جرم کرتا ہے۔"

کمشنر نے پوچھا "کیا ہم فرہاد سے محفوظ رہیں گے؟"

"ضرور۔ اسرائیل بہت چھوٹا ملک ہے۔ دنیا کا نقشے میں ناخن کے برابر ہے۔ مگر وہ امریکا جیسا سپرپاور کو نچاتا ہے۔ ہم دونوں اسرائیلیوں کا ایجنٹ ہے۔ جب امریکا ناچتا ہے تو کل نو بجے سے پہلے فرہاد بھی ناچے گا۔"

میں کمشنر کے دماغ سے نکل آیا۔ انہیں اپنا اپنا مقدر آزمانے کے لئے چوبیس گھنٹوں کی مہلت دے چکا تھا۔ اس لئے مجھے حمزہ خان کی باتوں پر غصہ نہیں آیا۔ میں آئی جی کے دماغ میں آیا۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا عدالت کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اُس کی زبان سے کہا "ڈرائیور! راستہ بدل دو۔ کینٹونمنٹ کی طرف چلو۔"

ڈرائیور ٹیکسی کو روک کر واپس موڑنے لگا۔ آئی جی نے حیرانی سے سوچا "میں نے ارادہ کیوں بدل دیا ہے۔ اپنے گھر کی طرف کیوں جا رہا ہوں؟"

میں نے کہا "مسٹر ہدایت اللہ! عدالت نہیں جاؤ گے۔"

وہ حیرانی سے بولا "کیا میرے اندر مسٹر فرہاد بول رہے ہیں؟"

"ہاں' میں ہوں۔ میں نے تمہاری نیک نیتی پڑھ لی ہے۔ تم اپنی غلطیوں پر دل کی گہرائیوں سے پچھتا رہے ہو۔ اگر تمہیں یہودیوں کے شکنجے سے رہائی مل جائے تو تم پولیس ڈیپارٹمنٹ کے فرض شناس افسر بن کر قانون کی بالادستی قائم رکھ سکتے ہو۔"

"خدا کا شکر ہے۔ آپ نے اپنے علم کے ذریعے میرے اندر کی سچائی کو پڑھ لیا ہے۔"

"تمہاری سچائی کا انعام تمہیں ملے گا۔ میں تمہاری بیٹی اور بیٹے کو زندہ سلامت تمہارے پاس پہنچاؤں گا۔"

"کیا واقعی؟" وہ حیرت اور مسرت سے خلا میں تکنے لگا۔

"ہاں' مجھے اپنی بیٹی اور بیٹے کے سرپرست یہودیوں کے نام اور پتے بتاؤ۔ کیا ان کی تصویریں ہیں؟"

"میں ان سرپرستوں کو نہیں جانتا ہوں۔ ایک مڈل مین ہے جو ہمارے اور یہودیوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنتا ہے۔ میں اُس کے ذریعے اپنی بات یہودیوں تک پہنچاتا ہوں اور یہودی بھی اپنا پیغام اُسی کے ذریعے مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

وہ اپنی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رخصت کیا پھر اندر جانے لگا۔ میں نے کہا "اس مڈل مین سے فون پر بات کرو۔"

اس نے کمرے میں آکر فون کا ریسیور اٹھایا پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں رابطہ ہوگیا۔ دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو! میں مسز مارٹن بول رہی ہوں۔"

آئی جی نے کہا "مسز مارٹن! میں ایکس ون بول رہا ہوں اور ایکس ون ون ٹو سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"پلیز ہولڈ آن۔"

میں مسز مارٹن کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ اس کے شوہر مارٹن کا کوڈ نمبر ایکس ون ون ٹو ہے۔ دونوں میاں بیوی یہودی تھے۔ یہاں عیسائی بن کر رہتے تھے۔ آئی جی' کمشنر اور حمزہ خان جیسے ایجنٹوں کے پیغامات مارٹن کے ذریعے یہودی تنظیم کے سربراہ تک پہنچاتے تھے اور سربراہ کے احکامات اسی مڈل مین مارٹن کے ذریعے ان تینوں ایجنٹوں کو سنائے جاتے تھے۔ وہ سنتے تھے اور ان احکامات کی تعمیل پالتو کتوں کی طرح کرتے تھے۔

مارٹن نے ریسیور کان سے لگا کر کہا "ہیلو ایکس ون! مجھے حمزہ خان کے رائٹ ہینڈ نے بتایا ہے کہ فرہاد تم لوگوں کو پریشان کر رہا ہے۔"

آئی جی نے کہا "اس نے غلط بتایا ہے۔ مسٹر فرہاد پریشان نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہماری آنکھیں کھول رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا دوسرے مسلمانوں کی غیرت جاگے گی یا نہیں؟ لیکن مجھے یہودیوں کی غلامی کرتے ہوئے شرم آرہی ہے۔ اپنے بڑوں سے کہہ دو آئی جی ہدایت اللہ آج سے اپنے ملکی قوانین کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔ اور قانون توڑنے والوں کو عدالت اور جیل میں پہنچائے گا۔ قانون توڑنے والوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی ہے۔"

"تم... ہوش میں تو ہو مسٹر ایکس ون؟"

"اب میں ایکس ون نہیں رہا۔ میں صرف پولیس ڈیپارٹمنٹ کا آئی جی ہوں۔"

"کیا تم اپنی بیٹی اور بیٹے کو بھول گئے ہو؟"

"میں نے ایمان اور فرض کے سامنے خون کے رشتوں کو بھلا دیا ہے۔ اب تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔"

آئی جی نے ریسیور رکھ دیا۔ مارٹن نے ہیلو ہیلو کہہ کر آوازیں دیں پھر ریسیور رکھ کر تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ وہاں دیوار پر ایک بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس نے تصویر کو ہٹایا اس کے پیچھے ایک بڑا سا ٹرانسیٹر رکھا ہوا تھا۔ اس نے اُسے آپریٹ کیا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ یہودی تنظیم کا سربراہ دہلی میں رہتا ہے۔

اس نے رابطہ قائم ہونے کے بعد سربراہ سے کہا "سر! گڑبڑ ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ فرہاد نے پشاور سینٹرل جیل کے سامنے ہمارے تین اہم ایجنٹوں کی گاڑیاں تباہ کر دی ہیں اور چیلنج کیا ہے کہ حمزہ خان رہائی کے حکم نامے کے باوجود جیل سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ اب دوسری اطلاع یہ ہے کہ آئی جی ہدایت اللہ نے ہمارا آلۂ کار بن کر رہنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے اپنے ملک کے خلاف کام کرنے والوں کو گرفتار کرے گا۔ اس نے مجھے بھی گرفتار کرنے کی دھمکی دی ہے۔ آپ گائیڈ کریں' مجھے اب کیا کرنا چاہئے؟"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "کیا اسے اپنے جوان بچوں کی فکر نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔ وہ اپنے فرائض پر بچوں کو قربان کرنے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ وہ اپنے بچوں کی وجہ سے ہمارے دباؤ میں نہیں رہے گا۔"

"یہ تشویش کی بات ہے۔ تم اپنی رہائش گاہ میں ایسی کوئی چیز نہ رکھو' جو تمہارے خلاف ثبوت بن جائے۔ جب وہ ثابت نہیں کرسکے گا کہ تم یہودی تنظیم کے مڈل مین ہو تو پھر گرفتار بھی نہیں کرا سکے گا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ سربراہ کے خیالات نے بتایا کہ پاکستان' بنگلہ دیش' سری لنکا اور افغانستان میں سراغ رسانی اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے یہودی تنظیم کا ایک دفتر دہلی میں قائم کیا گیا ہے۔ اس تنظیم کے چند بڑے دماغ دہلی میں بیٹھ کر افغانستان' سری لنکا' بنگلہ دیش اور پاکستان کے زرخرید ایجنٹوں کی راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔

سربراہ نے ٹرانسیٹر کو آف کر کے ان تین افراد کو دیکھا جو

قریب ہی صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تینوں اس تنظیم کے بہترین دماغ تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان کی پلاننگ اور مشوروں کے مطابق بھارت کے پڑوسی ملکوں میں سازشی کارروائیاں کی جاتی تھیں۔ سربراہ نے ان تینوں پلان میکرز سے کہا "ایک نیا مسئلہ درپیش ہے۔ آئی جی ہدایت اللہ پر حب الوطنی کا جنون سوار ہوگیا ہے۔ وہ آئندہ ہمارا آلۂ کار بن کر نہیں رہے گا۔ وہ ہمارے مڈل مین مارٹن کو گرفتار کرنے والا ہے۔ آئندہ وہ اپنے بچوں کی خاطر ہمارے دباؤ میں نہیں رہے گا۔"

ایک پلان میکر نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے فرہاد کی پشت پناہی حاصل ہو رہی ہے۔"

دوسرے پلان میکر نے کہا "اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ فرہاد آئی جی کے ذریعے مارٹن اور مارٹن کے ذریعے ہمارے درمیان پہنچ گیا ہے۔"

تیسرے پلان میکر نے ہنستے ہوئے کہا "ہمارے درمیان پہنچنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم تینوں یوگا کے ماہر ہیں۔ وہ ہمارے سربراہ رابرٹ کے اندر جا سکتا ہے ہمارے اندر نہیں آسکتا۔"

مجھے یہ سن کر مایوسی ہوئی کہ وہ تینوں مجھ سے محفوظ رہیں گے لیکن دوسرے ہی لمحے میں سربراہ رابرٹ کے چور خیالات نے بتایا۔ "یہ تینوں شراب پیتے ہیں۔ عیاشی کرتے ہیں۔ بھلا سانس کیا روکیں گے۔ ویسے بہت چالاک ہیں۔ ایسا کہہ کر فرہاد کو اپنے اندر آنے سے روک رہے ہیں۔"

میں نے تینوں کے دماغوں میں باری باری جا کر دیکھا۔ واقعی وہ بڑی مکاری سے مجھے اپنے اندر آنے سے روکنے والے تھے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی مخاطب نہیں کیا۔ رابرٹ نے کہا "تم تینوں محفوظ رہو گے لیکن مجھے اس کے آنے کا پتا نہیں چلے گا۔"

ایک نے کہا "اگر فرہاد ہمارے سربراہ کے دماغ میں ہے تو ہم سے معاملات طے کرے۔ ہم بڑی آسان شرائط پر آئی جی ہدایت اللہ کی بیٹی اور بیٹے کو بحفاظت پاکستان پہنچا دیں گے۔"

یہ بہت بڑی پیشکش تھی۔ میں آئی جی کے بچوں کی سلامتی چاہتا تھا لیکن اپنی موجودگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہیں اسی خوش فہمی میں مبتلا رکھنا دانش مندی ہوتی کہ میں ان کے دماغوں تک نہیں پہنچ رہا ہوں۔

میں آئی جی ہدایت اللہ کے پاس آیا۔ وہ انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ کرکے یہ کہنا چاہتا تھا کہ اسلام آباد میں رہنے والے ایک شخص مارٹن پر نظر رکھی جائے۔ ان میاں بیوی کی عدم موجودگی میں ان کے بنگلے کی تلاشی لی جائے۔ وہاں سے اس کے خلاف کچھ ثبوت مل سکتے ہیں کہ وہ یہودیوں کا ایک مڈل مین ہے۔ میں نے آئی جی کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ اسے بستر پر لیٹنے اور پھر سونے پر آمادہ کیا۔ جب اسے نیند آگئی تو میں نے اسے اپنا معمول بنایا۔ اس کے دماغ کو حکم دیا کہ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرے اور سانس روک لیا کرے۔ صرف سونیا کی آواز اور لہجے میں جو سوچ کی لہریں آئیں انہیں محسوس نہ کرے۔

مجھے اس کے دماغ کو لاک کرنا پڑا تاکہ یہودی خیال خوانی کرنے والے اس کے خیالات نہ پڑھ سکیں اور یہ نہ معلوم کرسکیں کہ میں اس سے دماغی رابطہ رکھتا ہوں۔ جب یہ معلوم نہیں ہوسکے گا تو دہلی میں رہنے والے یہودی تنظیم کے سربراہ اور تینوں پلان میکرز خوش فہمی میں رہیں گے کہ وہ لوگ میری ٹیلی پیتھی سے محفوظ ہیں۔ میں اسے تنویمی نیند سلا کر مڈل مین مارٹن کے مزید خیالات پڑھنے لگا۔ پتا چلا اسلام آباد میں ایک بہت ہی چالاک اور تجربہ کار یہودی سراغ رساں اے آر ڈوگلس ہے لیکن وہ سردار عبدالرحمان کے نام سے مسلمان بن کر زیرو پوائنٹ کے قریب ایک بنگلے میں رہتا ہے۔ اُس کے ساتھ ایک بوڑھی جاسوسہ اور تین یہودی حسینائیں ڈوگلس کی مسلمان بیٹیاں بن کر رہتی ہیں۔ یعنی ایک بنگلے میں ڈوگلس سمیت پانچ جاسوس رہتے ہیں۔ اور پاکستانی انٹیلی جنس والوں کو ان پر آج تک شبہ نہیں ہوا تھا۔

اے آر ڈوگلس عرف سردار عبدالرحمان کے بیان کے مطابق وہ برسوں سے اپنی بیوی اور تین بیٹیوں کے ساتھ نیویارک میں رہتا تھا لیکن اب جوان بیٹیوں کو پاکستان میں بیاہنا چاہتا تھا اور معقول لڑکوں کی تلاش میں وہاں آیا تھا۔

درپردہ اس کی یہ ذمے داری تھی کہ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی صحیح رپورٹ حاصل کرتا رہے اور ایٹمی پلانٹ سے تعلق رکھنے والے افسران سے دوستی کرے۔ دوستی کرنے کے لئے تینوں حسیناؤں کو ذریعہ بناتا رہے اور یہ ظاہر کرتا رہے کہ اُس کی لڑکیاں چند افسران سے متاثر ہیں اور کسی دوسری جگہ شادی نہیں کرنا چاہتی ہیں۔

بھارت اور اسرائیل سے لے کر امریکا تک یہ تشویش پھیلی ہوئی تھی کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ جب کہ پاکستان کی طرف سے بار بار یقین دہانی کرائی گئی کہ ہمارے سائنس دان امن سلامتی اور تعمیری مقاصد کے لئے مصروف رہتے ہیں۔ لیکن پُرامن ایٹمی پروگرام دشمنوں کے گلے میں ہڈی کی طرح اٹکا ہوا تھا۔ پاکستانی سراغ رساں خوب سمجھتے تھے کہ غیر ملکی جاسوس ہمارے ایٹمی پلانٹ پر نظر رکھتے ہیں اور ہمارے سائنس دانوں کی مصروفیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر ملکی جاسوس کبھی پکڑے جاتے ہیں اور کبھی ایسے آہنی پردوں میں چھپے رہتے ہیں کہ وہاں تک نظر نہیں پاتی۔ میں نے ان آہنی پردوں کے پیچھے دیکھ لیا تھا اور ابھی بہت کچھ دیکھنا باقی تھا۔

ایسے دشمن سیکرٹ ایجنٹوں سے خاموشی اور ... ذمہ داری ...

تمنا دانش مندی ہوتی۔ اگر میں یہودی تنظیم اور اسرائیلی حکمرانوں کو اس سلسلے میں وارننگ دیتا یا کھل کر انتقامی کارروائی کرتا تو میرے ہاتھ ایک یا دو دشمن آتے باقی ہوشیار ہو کر میری پہنچ سے دور نکل جاتے۔ پھر کسی دوسرے روپ میں اسلام آباد پہنچ جاتے۔

میں نے ایک اسرائیلی حاکم کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا "فرہاد صاحب! آپ نے ہمارے دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ختم کر دیا۔ اپنی بھانجی کی ہلاکت کا انتقام لے لیا۔ اب کیا چاہتے ہیں؟"

"میں کیا چاہتا ہوں اور آئندہ کیا کرنے والا ہوں' یہ بتا کر تم لوگوں کو چونکانا اور ہوشیار کرنا نہیں چاہتا۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ میرے انتقامی رویے میں لچک پیدا ہو جائے اور تم لوگوں کو زیادہ نقصان نہ پہنچے تو فی الحال میری دو شرائط تسلیم کرو اور ان پر عمل کرو۔"

"وہ شرائط کیا ہیں؟"

"ایک تو یہ کہ پاکستان میں تمہارے جتنے زر خرید ایجنٹ ہیں اُن کا ساتھ چھوڑ دو۔ ان کی پشت پناہی نہ کرو۔ ان کی کسی طرح بھی چھپ کر مدد کرو گے تو تمہاری دوغلی حرکتیں مجھ سے چھپی نہیں رہیں گی۔ میں حمزہ خان' کمشنر اور چودھری حاکم علی جیسے ایجنٹوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"مسٹر فرہاد! یقین کرو۔ تم پاکستان میں ہمارے جن ایجنٹوں کے نام لے رہے ہو' میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا ہوں۔"

"تم نہیں جانتے ہو لیکن جو حاکم یا گولڈن برین پاکستان کے معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں' اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ تم ان سے رابطہ کرو اور جو کہہ رہا ہوں اس پر فوراً عمل کرو۔"

"تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟"

"پشاور کا ایک آئی جی ہدایت اللہ تمہارا زر خرید ایجنٹ تھا۔ اب وہ تمہارا وفادار نہیں رہا۔ اُس کی ایک بیٹی کو لندن میں اور ایک بیٹے کو شکاگو میں یرغمال بنا کر رکھا گیا ہے۔ ان دونوں کو اڑتالیس گھنٹوں کے اندر بحفاظت پاکستان پہنچا دو۔"

"آپ میرے پاس موجود رہیں۔ میں گولڈن برینز سے رابطہ کرتا ہوں اور انہیں آپ کی شرائط سناتا ہوں۔"

"میں بہت مصروف ہوں۔ ابھی جا رہا ہوں۔ تین گھنٹے بعد آئی جی کی بیٹی اور بیٹے کے پاس جاؤں گا۔ اگر ان کے ذریعے یہ معلوم ہوگا کہ انہیں واپس بھیجنے کے انتظامات نہیں کئے جا رہے ہیں تو چار گھنٹے بعد تمہارا تیسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا جہنم میں پہنچ جائے گا۔"

یہ کہہ کر میں خاموش ہوگیا۔ اس نے مجھے آوازیں دیں۔ جواب نہ ملا تو وہ گولڈن برینز سے رابطہ کرنے لگا۔ وہ چھ گولڈن برینز ایسی جگہ چھپے ہوئے تھے۔ جہاں ہم اور ہماری خیال خوانی کی لہریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا علی جلد ہی ان کی شہ رگ تک پہنچ جائے گا۔

حاکم نے رابطہ قائم کرنے کے بعد گولڈن برینز تک میرا پیغام اور دھمکی پہنچائی۔ ایک گولڈن برین نے کمپیوٹرائز اسکرین کے ذریعے کہا "ہمیں یقین کرنا ہوگا کہ وہ چار گھنٹے بعد ہمارے ایک اور ٹیلی پیتھی جاننے والے کو مار ڈالے گا۔ پہلے دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ہلاک کرکے اس نے ہماری خوش فہمی ختم کر دی ہے۔"

دوسرے گولڈن برین نے کہا "ہم اپنی کمزوریوں کو ابھی تک سمجھ نہیں پائے کہ فرہاد کہاں سے سرنگ بنا کے ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں تک پہنچ جاتا ہے۔ جب تک ہمیں ان کی حفاظت اور سلامتی کا پورا یقین نہیں ہوگا تب تک فرہاد کی شرائط پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔"

تیسرے گولڈن برین نے کہا "فی الحال ہم مجبور ہیں۔ آئی جی کی بیٹی اور بیٹے کو پاکستان پہنچا دیں گے۔ حمزہ خان اور کمشنر سے کہہ دیا جائے کہ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے ہمیں اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے عزیز ہیں۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ ہوٹل کے کمرے سے نکل کر باہر سڑک پر آیا۔ آئی جی تنویمی نیند پوری کرچکا تھا۔ میں سونیا کا لہجہ اختیار کرکے اس کے دماغ میں گیا۔ اس سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی اور بیٹے کی تصویریں لے کر کار میں باہر آئے۔ اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے اس سے چوک یادگار میں ملاقات کی۔ اس سے ملاقات کرنے اور اس کے بچوں کی تصویریں لینے تک میں نے اسے غائب دماغ رکھا تاکہ وہ مجھے نہ پہچان سکے اور اس کے ذریعے کوئی دشمن میرے ہوٹل تک نہ پہنچ سکے۔ وہ مجھے تصویریں دے کر چلا گیا۔ میں نے ہوٹل کے کمرے میں آکر ان تصویروں کو تکیے کے نیچے رکھا۔ دو تین گھنٹوں کے بعد ان بچوں کے پاس جا کر معلوم کرنا تھا کہ انہیں والدین کے پاس پہنچانے کے انتظامات کئے گئے ہیں یا نہیں؟

میں نے مڈل مین مارٹن کے دماغ میں جا کر اُس کی سوچ میں کہا۔ "مجھے معلوم کرنا چاہئے کہ ڈوگلس ایٹمی پروگرام معلوم کرنے کے سلسلے میں کیا کر رہا ہے؟"

پاکستانی ایٹم بم کا ہوا ایسا تھا کہ بھارت اور اسرائیل کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر یہ ثبوت چاہتے تھے کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ مارٹن بھی یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے فون پر رابطہ کیا پھر کہا "ہیلو اے آر!"

اے آر ایک طرح کا کوڈ تھا۔ یہ ڈوگلس کے نام کے ابتدائی حروف بھی تھے اور اے آر سے عبدالرحمان کا نام بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس نے پوچھا "اے آر! کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا "کوششیں جاری ہیں۔"

"صرف جاری رہنے سے کامیابی نہیں ہوگی۔ مجھ سے رابطہ کرو۔"

دوسری بار رابطہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ٹرانسمیٹر پر گفتگو کی جائے۔ پھر ٹرانسمیٹر پر گفتگو ہونے لگی۔ مارٹن نے کہا "تم جانتے ہو فرہاد پاکستان میں ہے۔ اگر اسے تم پر شبہ ہوگا تو تمہارے ساتھ

رہنے والی چار جاسوس عورتوں کی بھی شامت آجائے گی۔ یہاں تم لوگ مسلمان بن کر بھی نہیں رہ سکو گے۔"

وہ بولا "مجھے بھی یہی اندیشہ ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمارے خیال خوانی کرنے والے ہمارے دماغوں کو لاک کر دیں تاکہ فرہاد کبھی ہمارے اندر نہ پہنچ سکے؟"

"میں نے اس سلسلے میں بات کی تھی لیکن پتا چلا ہے کہ ہمارے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے دوسرے معاملات میں مصروف ہیں۔ یہاں نہیں آسکتے۔"

"پاکستانی ایٹم بم کا معاملہ سب سے اہم معاملات میں سے ایک ہے۔ کسی ایک خیال خوانی کرنے والے کو ہمارے پاس آنا چاہئے۔"

"یہ بات میں نے اپنے اکابرین تک پہنچائی تھی لیکن ایک ہی جواب ملا کہ ہمارے خیال خوانی کرنے والے دوسری مصروفیات چھوڑ کر نہیں آئیں گے۔"

اس طرح تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فرہاد کی موجودگی سے ہمارے خیال خوانی کرنے والے ادھر کا رخ نہیں کر رہے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ تمہیں صرف اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کے بل پر جلد سے جلد اپنا کام کرنا ہوگا۔"

میں ڈوگلس عرف سردار عبدالرحمان کے دماغ میں آگیا۔ گولڈن برینز اور ان کے دوسرے اکابرین نے مارٹن اور ڈوگلس کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اسرائیل میں دو ٹیلی پیتھی جاننے والے مارے گئے ہیں اور باقی کو ان کی مختلف رہائش گاہوں میں نظر بند رکھا گیا ہے، انہیں خیال خوانی سے منع کیا گیا ہے۔ جب تک گولڈن برینز میری کوئی کمزوری ہاتھ میں نہیں لیں گے، مجھے بری طرح مجبور نہیں کریں گے، اپنے خیال خوانی کرنے والوں کو خفیہ پناہ گاہوں میں چھپا کر رکھیں گے۔

ڈوگلس نے رابطہ ختم کر کے ٹرانسیٹر کو چھپا دیا۔ اس کی بیوی بن کر رہنے والی جاسوسہ مسز ڈوگلس نے پوچھا "ٹدل مین کیا کہتا ہے؟"

وہ جاسوسہ کو تمام باتیں بتانے لگا پھر اس سے پوچھا "تینوں لڑکیاں کہاں ہیں؟ یہاں ان کے حسن و شباب کا جادو نہیں چل رہا ہے۔ کیا یہ شکار پھانسنا بھول گئی ہیں؟"

وہ بولی "ایسی بات نہیں ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ سائنس دان خشک مزاج ہوتے ہیں۔ حُسن، جوانی، شاعری اور چاندنی راتوں سے انہیں دلچسپی نہیں ہوتی۔ پھر یہاں کے مسلمان سائنس دان شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے ہیں۔"

ایک نوجوان حسینہ دروازے پر آکر اُن کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کمرے میں آتے ہوئے بولی "ممی! تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ پاکستانی سائنس دان شراب نہیں پیتے ہیں اور جب تک انہیں مدہوشی اور مستی میں نہ لایا جائے یہ ہماری بانہوں کے اسیر نہیں بنیں گے۔"

ڈوگلس نے کہا "ایک راستہ ہے۔ یہ لوگ شراب نہیں پیتے لیکن چند ایسے ہیں جو سگریٹ پیتے ہیں۔ سگریٹ میں چرس اور ہیروئن کی تھوڑی سی مقدار ملا کر انہیں پلائی جا سکتی ہے۔"

حسینہ نے کہا "وہ ایک دو کش لے کر ہوشیار ہو جائیں گے۔"

ڈوگلس نے کہا "تم مجھے احمق سمجھتی ہو؟ میں کچھ سمجھ کر ہی کہہ رہا ہوں۔ ان کے سگریٹوں میں اتنی کم مقدار ملائی جائے گی کہ انہیں ہلکا سا سُرور ہوگا۔ وہ رفتہ رفتہ اس سرور کے عادی ہوں گے۔ ہم سُرور کی مقدار بڑھاتے جائیں گے۔"

دو حسینائیں اور آگئیں۔ ایک نے ڈوگلس سے پوچھا "تمہارے بنا سپتی ڈیڈی کس کی مقدار بڑھا رہے ہیں؟"

تیسری حسینہ نے کہا "کسی کو بڑھاؤ یا کسی کو گھٹاؤ، تین ماہ سے تمہارا ہر منصوبہ ناکام ہو رہا ہے۔ پہلے تو پاکستانی جاسوس مصیبت بنے ہوئے تھے، اب فرہاد آگیا ہے۔"

"نیلما! تمہیں فرہاد کی آمد کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"

"جس نوجوان سائنس دان کو اپنے عشق میں گرفتار کر رہی ہوں وہ آج کہہ رہا تھا... نیلما ڈارلنگ! میرا دل تمہاری طرف کھنچا جاتا ہے مگر میں مجبور ہوں۔ ہمیں سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ ہم کسی اجنبی سے دوستی نہ کریں۔"

ڈوگلس نے پوچھا "تم نے اسے سمجھایا نہیں کہ تم اجنبی نہیں ہو۔ مسلمان ہو، پاکستانی ہو۔"

"میں نے سمجھایا تھا کہ مجھ سے شادی کر لوگے تو میں اجنبی نہیں رہوں گی۔ تمہارے ڈیپارٹمنٹ والوں کو مجھ پر اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ بولا، شادی سے پہلے تحقیقات ہوں گی۔ میری پوری ہسٹری معلوم کی جائے گی۔ آج کل فرہاد علی تیمور لاہور میں ہے۔ چونکہ ہمارا ایٹمی پلانٹ بہت اہم ہے اس لئے وہ ادھر بھی دوستوں اور دشمنوں کو پہچاننے آئے گا۔"

"اچھا تو اس طرح تمہیں معلوم ہوا کہ فرہاد اس ملک میں موجود ہے؟"

نیلما نے کہا "ہاں۔ اُس کی موجودگی کا اس لئے بھی یقین ہے کہ ہماری یہودی تنظیم کے چند اکابرین ہم سے خاطر خواہ تعاون نہیں کر رہے ہیں۔"

دوسری حسینہ نے کہا "یہ بات یوں بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے خیال خوانی کرنے والے بھی چھپ کر ہمارے پاس نہیں آتے ہیں۔"

بوڑھی جاسوسہ نے ڈوگلس سے کہا "ابھی تم منصوبہ بنا رہے تھے کہ سگریٹ میں نشہ آور کوئی چیز ملائی جا سکتی ہے۔ لیکن کون ملائے گا۔ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔ ہم نشیلا سگریٹ ان سائنس دانوں کی جیبوں میں کیسے پہنچائیں گے؟ ہر کام ہمارے خیال خوانی کرنے والے آسانی سے کر سکتے تھے بلکہ وہ ان کے دماغوں میں گھس کر بہت سی معلومات حاصل کر سکتے تھے لیکن ایسا نہیں کیا جا رہا ہے۔ اور ایسا کیوں نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہے؟"

ڈوگلس نے کہا "میں صرف ایک بات جانتا ہوں۔ ہمارے اکابرین ہمیں ٹیلی پیتھی کے سہارے کے بغیر کامیاب ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں ہمیں جو کچھ کرنا ہے، اپنے ہی بھروسے پر کرنا ہے۔"

میں اُن کی باتیں سن کر دماغی طور پر اپنے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ باتھ روم میں جا کر غسل کیا پھر لباس تبدیل کر کے ہوٹل کے باہر آیا۔ سڑک کے کنارے کئی ہوٹل تھے۔ میں ایک ہوٹل میں آکر بیٹھ گیا۔ ملازم کو بھونا ہوا گوشت اور روٹیاں لانے کو کہا پھر دور دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ باہر کی چہل پہل اچھی لگ رہی تھی۔ کوئی اردو بول رہا تھا، کوئی پشتو اور کوئی افغانی زبان بول رہا تھا۔ ملازم میرے لئے سالن اور روٹیاں لے آیا۔ کھانا شروع کیا تو چار افغانی میری میز کی خالی کرسیوں پر آکر بیٹھ گئے۔

مجھے ان کے قریب آکر بیٹھنے پر اعتراض نہیں تھا۔ جب چالیس لاکھ افغانیوں کا بوجھ برداشت کیا گیا تھا تو یہ چار کیا تھے۔ لیکن ان کے لباس سے ہینگ کی بو آرہی تھی۔ کھاتے وقت یہ بو ناگوار گزر رہی تھی۔

ان میں سے ایک افغانی کھانے کا آرڈر دے رہا تھا۔ دوسرے نے مجھ سے کہا "تمہارے کو دو دن سے دیکھتا ہے۔ تم اُدھر سرائے میں تھا پھر ادھر ہوٹل میں آیا۔"

وہ مسکرانے لگا۔ دوسرے نے کہا "تم اکیلا ہے اور اکیلا آدمی کا دشمن بہت ہوتا ہے۔ تم کو اپنا لباس میں ریوالور چھپا کے رکھنا چاہئے۔"

پھر وہ رازداری سے بولا "جو مانگے گا مل جائے گا۔ ریوالور، رائفل، کلاشنکوف۔ جدھر بولے گا اُدھر پہنچا دے گا۔ مال سستا میں دے گا۔ ریوالور ایک ہزار روپیہ، رائفل سات ایم ایم پانچ ہزار اور کلاشنکوف بارہ ہزار میں ہمارے پاس سے ملے گا اور کدھر نہیں ملے گا۔"

میں نے کہا "اچھا تم لوگ پشاور سے کراچی تک غیر قانونی اسلحہ فروخت کرتے ہو۔ جس ملک میں مہاجرین بن کر پناہ لیتے ہو اسی ملک میں اسلحے کی فراہمی سے دہشت گرد اور تخریب کار پیدا کرتے ہو۔"

"برادر! تقریر مت کرو۔ رقم نکالو۔ مال لو۔ میز کا نیچے ایک بھرا ہوا ریوالور ہے۔ ایک گولی چلے گا تم ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تمہارا جیب میں جتنا رقم ہے اس کو میز کا نیچے ہاتھ بڑھا کے دے دو۔"

دوسرے نے کہا "ہم اِدھر کا تھانیدار کو مال دیتا ہے۔ وہ تمہارا مدد نہیں کرے گا۔ مکاری کرے گا تو ہم تمہارا ہوٹل کا کمرا میں گھس کے تم کو قتل کر دے گا۔"

میں نے جیب سے پچاس کا نوٹ نکال کر کہا "میں کھانے کا بل ادا کرنے صرف یہی رقم لایا ہوں۔ پچاس ہزار روپے ہوٹل کے کمرے میں ہیں۔ وہ رقم لینا چاہتے ہو تو میرے ساتھ کمرے میں چلو۔ مجھے اپنی زندگی عزیز ہے۔ میں مکاری نہیں کروں گا۔"

وہ چاروں اپنی زبان میں ایک دوسرے سے بولنے لگے۔ پچاس ہزار کی رقم ان کے لئے بہت بڑی تھی۔ وہ مجھے کمرے میں تنہا جانے نہ دیتے۔ ایک نے کہا "ہم تمہارے ساتھ جائے گا۔ چلو اٹھو۔"

میں اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ دو قدم چلتے ہی اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ وہ میرا ہاتھ چھوڑ کر پلٹ گیا۔ لباس کے اندر سے ریوالور نکال کر اُس نے بڑی پھرتی دکھائی۔ اس کے تینوں ساتھی جو میز کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے، باری باری ان کا نشانہ لے کر گولیاں برسا دیں۔ ہوٹل میں بھگدڑ شروع ہو گئی۔ بھگدڑ کے وقت کسی نے نہیں دیکھا کہ تین ساتھیوں کو قتل کرنے والے نے چوتھی گولی خود پر چلائی ہے۔ میں تیزی سے چلتا ہوا دوسرے راستے پر آیا۔ وہاں سے لوگ دوڑتے ہوئے ادھر جا رہے تھے جہاں سے فائرنگ کی آوازیں آئی تھیں۔ میں اطمینان سے چلتا ہوا قصہ خوانی بازار کے قریب ایک ہوٹل میں آیا۔ وہاں بیٹھ کر کھانے کا آرڈر دیا پھر بڑے دکھ سے سوچنے لگا۔ میرے ملک کے شہروں، گلیوں اور کوچوں میں ہتھیار بیچے اور خریدے جا رہے ہیں۔ گھر گھر بارود کا ذخیرہ ہو رہا ہے۔ پہلے ایک دوسرے کو پتھر مار کر زندہ رہتے تھے اب ایک دوسرے کو گولیاں مار کر کوئی نہیں بچے گا۔

میں نے ہوٹل کے کمرے میں آکر آئی جی کی بیٹی اور بیٹے کی تصویریں دیکھیں۔ ان کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔ اُس کی بیٹی اپنا سامان پیک کر رہی تھی۔ اسے پاکستان جانے کے لئے ٹکٹ مل گیا تھا۔ اس کے بیٹے کی سوچ نے بتایا کہ اسے

فون پر اطلاع دی گئی ہے کہ وہ پاکستان واپس جانے کے لئے تیار رہے۔ کسی بھی وقت، کسی بھی فلائٹ کا ٹکٹ اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ میں مطمئن ہو کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

ابھی کئی معاملات سے نمٹنا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ کھانے کے بعد آرام کرنے کا موڈ ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کیں، سونے کا ارادہ نہیں تھا لیکن ذہن تھکا ہوا تھا۔ اس لئے آنکھ لگ گئی۔

پاکستان آنے کے بعد چھوٹے چھوٹے بے شمار مسائل کا سامنا ہو رہا تھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسائل بڑے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہو رہے تھے۔ مثلاً یہ ایک عام سی بات تھی کہ چوہدری حاکم علی حاکم دواؤں میں ملاوٹ کرتا تھا۔ لیکن اس کے پیچھے ایک ناقابلِ برداشت حقیقت یہ تھی کہ یہودی سرمایہ دار پاکستان کی دوا ساز کمپنیوں سے اچھا خاصا منافع چور دروازے سے حاصل کر رہے تھے۔ یہ نظر انداز کرنے والا مسئلہ نہیں تھا کہ حمزہ خان جیسے خطرناک مجرم اپنے خلاف ثبوت غائب کرا کے رہائی کا پروانہ حاصل کرتے تھے اور قانون کا مذاق اڑاتے تھے۔ توبہ کرنے اور راہِ راست پر واپس آنے والے آئی جی کے جوان بچوں کو بیرونی ممالک میں یرغمال بنایا جاتا تھا۔

اور سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ بھارت، اسرائیل اور امریکا ہمارے پُرامن ایٹمی پروگرام کو تخریبی پروگرام ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے اور ہمارے ایٹمی پلانٹ کی کوئی کمزوری حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سیکرٹ ایجنٹوں کی ایک ٹیم اسلام آباد پہنچائی ہوئی تھی۔ میں ایک ایک سے نمٹ رہا تھا لیکن یہودی بڑے ڈھیٹ ثابت ہو رہے تھے۔ ایک طرف سے مات کھاتے تھے۔ دوسری طرف سے پھر شہ دینے کی چال چلتے تھے۔

دو گھنٹے بعد میری آنکھ کھلی۔ میں نے ہوٹل کے ملازم کو چائے لانے کے لئے کہا پھر منہ ہاتھ دھو کر چائے پینے بیٹھ گیا۔ ایسے وقت سلمان نے آکر کوڈ ورڈز ادا کئے پھر کہا "چوہدری حاکم علی نئے دشمنوں کی پناہ میں ہے۔ وہ نئے دشمن یوگا کے ماہر ہیں۔ ان کے سربراہ کا نام بلال احمد عرف بلے ہے۔ بلے نے چوہدری سے کہا ہے کہ فرہاد اس کے دماغ میں نقصان پہنچانے آئے تو اس سے کہہ دے کہ بلے فرہاد کی منہ بولی بیٹی صوفیہ کو اور اس کے عاشق کو نقصان پہنچائے گا۔

میں نے پوچھا "پارس کہاں ہے؟"

سلمان نے کہا "میں نے پارس کو بلے کے متعلق بتایا تھا۔ اس نے کہا ہے وہ اپنا اور صوفیہ کا چہرہ بدل کر رہائش گاہ بھی بدل دے گا۔ ایسے میں بلے کسی کو نقصان پہنچانے کی دھمکی نہیں دے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ پارس کو یہی کرنا چاہئے۔ اگر وہ حلیہ تبدیل کر چکا ہے تو تم چوہدری کے اندر خاموش رہ کر بڑی سہولت سے بلے اور اس کے حواریوں کو دماغی کمزوریوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے رہو۔"

سلمان چلا گیا۔ میں کمشنر کے پاس آیا۔ وہ پھر حمزہ خان سے ملاقات کرنے جیل میں آیا تھا۔ وہ دونوں جیلر کے دفتری کمرے میں تھے۔ حمزہ خان یہودیوں کو گالیاں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا "وہ خنزیر کا بچہ لوگ نے عین وقت پر ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ ادھر سے مُلا مین بولتا ہے، ابھی فرہاد کا پلڑا بھاری ہے۔ ابھی ہمارا کوئی مدد نہیں فرمائے گا۔"

کمشنر نے کہا "یہ تو بہت برا ہوا۔ اب ہمیں تحریری طور پر اپنے جرائم کا اعتراف کرنا ہو گا۔ میری برسوں کی بنائی ہوئی عزت اور ظاہری شرافت خاک میں مل جائے گی۔ مجھے بھی قیدی بن کر اسی جیل میں آنا پڑے گا۔"

حمزہ خان نے کہا "اب ایک ہی راستہ ہے۔ ہم فرہاد سے معافی مانگے گا۔ توبہ کرے گا۔ قسمیں کھا کر اُسے یقین دلائے گا کہ آئندہ شرافت اور ایمان داری سے زندگانی پورا کرے گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر فرہاد سے رابطہ کیسے ہو گا؟"

جیلر نے میری مرضی کے مطابق کہا "فرہاد سے آج نہیں تو کل رابطہ ہو جائے گا۔ لیکن سوچ لو۔ وہ دماغ میں گھس کر معلوم کرے گا کہ مجبور ہو کر وقتی طور پر توبہ کر رہے ہو یا دل سے راہِ راست پر آ رہے ہو؟"

وہ بولا "ہم دل سے توبہ کرے گا۔"

"کیا تم اسے دماغ میں آنے دو گے؟ اپنے دل کا حال معلوم کرنے دو گے؟"

"اس کا کیا ضرورت ہے۔ مرد کا زبان ایک ہوتا ہے۔ فرہاد ہمارا زبان پر اعتماد کرے گا۔"

"نہیں حمزہ خان! اس وقت فرہاد میری زبان سے بول رہا ہے۔ تم دونوں غلط ہو۔ معافی کسی صورت سے نہیں ملے گی۔ کاغذ اور قلم اور اپنے تمام برے اعمال کی تفصیل لکھتے جاؤ۔"

وہ بولا "برادر! میرا اعتبار کرو۔ میں تمہارا تابعدار بن کر رہے گا۔ کاغذ کا اوپر میں لکھا کے میرے کو خوار مت کرو۔"

"حمزہ خان! اس کے بعد ایک لفظ نہ بولنا۔ ورنہ میں جیلر کے ریوالور سے تمہیں زخمی کر کے تمہارے دماغ میں آؤں پھر تم مجبور ہو کر لکھتے جاؤ گے۔"

کمشنر نے عاجزی سے پوچھا "فرہاد صاحب! میرے لئے کیا حکم ہے۔ آپ میرے اندر آکر معلوم کر سکتے ہیں کہ میں پوری سچائی سے۔۔۔"

میں نے بات کاٹ کر کہا "میں تھوڑی دیر پہلے تمہارے خیالات پڑھ رہا تھا۔ تم یہودیوں سے دھوکا کھانے کے بعد توبہ کر رہے ہو اور تمہاری توبہ میں کھوٹ ہے۔ ابھی میں کمزور پڑ جاؤں اور یہودی غالب آجائیں تو تم پھر اُن کے غلام بن جاؤ گے۔ فوراً کاغذ اور قلم لو۔ اور اپنے تمام برے اور غیر قانونی اعمال لکھو۔ ایس پی شاہ خان آ رہا ہے۔ وہ تم دونوں کے اعمال نامے لے جائے گا پھر قانونی کارروائی کرے گا۔"

وہ دونوں مجبور ہو کر لکھنے لگے۔ میں نے شاہ خان کے پاس جا کر اس سے کہا "ابھی جیل جاؤ۔ کمشنر اور حمزہ خان کے جرائم کا اعتراف نامہ ان سے لو پھر اُن کے خلاف قانونی کارروائی کرو۔"

اسے یہ ذمے داری سونپ کر میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ہوٹل کے ملازم کو بلا کر چائے کا بل دیا پھر اس کے جانے کے بعد دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب ڈگلس عرف سردار عبدالرحمان سے نمٹنے کا ارادہ تھا لیکن ارادے پر عمل نہ کر سکا۔ دروازے پر دستک ہونے لگی۔

کون ہو سکتا ہے؟ یہاں میرا کوئی شناسا نہیں تھا۔ ہوٹل کا منیجر یا کوئی ملازم ہو سکتا تھا۔ میں کرسی سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا پھر اسے کھولنے سے پہلے بولا "کون ہے؟"

باہر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی "اجی مہربان! ہم ہیں۔ دروازہ تو کھولئے۔"

میں بولنے والی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پتا چلا وہ بازارِ حسن سے آئی ہے۔ علاقے کے تھانیدار نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ میرے کمرے میں جائے۔ بعد میں وہ سپاہیوں کے ساتھ آکر مجھے بدکاری کے الزام میں گرفتار کرے گا۔ وہ حکم کی تعمیل کے لئے آئی تھی۔

میں نے اس کے اندر یہ احساس بڑی شدت سے پیدا کیا کہ اُس کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ وہ میری مرضی کے مطابق دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر ہائے ہائے کرنے لگی۔ وہاں سے پلٹ کر لڑکھڑاتی ہوئی زینے کے پاس آئی۔ زینے کے نچلے حصے میں کاؤنٹر کے پاس تھانیدار دو سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اوپر دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ زینے پر سے آہستہ آہستہ اترتی ہوئی اور کراہتی ہوئی بولی۔ "میرے پیٹ میں بہت درد ہے۔ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی ہے، مجھے اسپتال پہنچا دو۔ جلدی کرو۔۔۔۔ نہیں تو مر جاؤں گی۔"

تھانیدار نے ناگواری سے ایک سپاہی کو بولا "اسے باہر لے جاؤ، کسی رکشا ٹیکسی میں بٹھا دو۔ یہ خود چلی جائے گی۔"

میں تھانیدار کے دماغ میں پہنچا۔ وہ طوائف کو دل ہی دل میں گالیاں دے رہا تھا۔ یہ وہی تھانیدار تھا جو غیر قانونی اسلحہ فروخت کرنے والے افغان مہاجروں کی پشت پناہی کرتا تھا اور ان سے اپنا حصہ وصول کرتا تھا۔ ہوٹل کے اندر فائرنگ سے تین افغانی ہلاک ہوئے تھے چوتھا صرف زخمی ہوا تھا۔ اس زخمی کو اسپتال پہنچایا گیا۔ اس نے تھانیدار کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا "فائرنگ کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمارے ساتھی کا دماغ چل گیا تھا یا وہ تنہا اس اجنبی (فرہاد) کے پچاس ہزار روپے ہضم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہمیں راستے سے ہٹا رہا تھا۔"

تھانیدار کو فائرنگ کے سلسلے میں تفتیش کرنی چاہئے تھی لیکن اُس کے دماغ میں میرے پچاس ہزار روپے کے نوٹ پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس نے فوراً ہی منصوبہ بنایا کہ مجھے کسی الزام میں پھانس کر مجھ سے پچیس ہزار روپے وصول کرے گا۔ پھر مجھے چھوڑ دے گا۔ اس کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ وہ غصہ سے بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

میں نے باہر آکر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اب وہاں خیال خوانی کرنا مناسب نہیں تھا وہ پھر مداخلت کے لئے آسکتا تھا۔ میں ایک خوب صورت سے پارک میں آیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر وہاں سے اٹھ کر مسجد مہابت خان کے ایک گوشے میں آکر بیٹھ گیا۔ یہاں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔

اے آر ڈگلس عرف سردار عبدالرحمان کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بوڑھی جاسوسہ بیٹھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی "یہ تدبیر اچھی ہے۔ ہیروئن کا رقیق مادہ سرنج کے ذریعے سگریٹ کے تمباکو میں انجکٹ کیا جا سکتا ہے لیکن ہیروئن کہاں ملے گی؟"

ڈگلس نے ہنستے ہوئے کہا "یہ یورپ اور امریکا نہیں ہے جہاں ہیروئن بڑی تلاش کے بعد سیکڑوں ڈالر میں ملتی ہے۔ ہم راجا بازار جا رہے ہیں۔ وہاں ایک سینما کے پاس چنے اور مونگ پھلی کی طرح ہیروئن مل جاتی ہے۔"

وہ بولی "ہماری نیلما کا وہ سائنس دان عاشق گولڈ لیف سگریٹ پیتا ہے اور روزینہ جسے پھانس رہی ہے وہ ڈن ہل پیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دونوں برانڈ خرید لوں گا۔"

وہ ڈرائیو کرتا ہوا راجا بازار تک آیا۔ وہاں ایک جگہ کار روک کر بولا "تم یہاں بیٹھی رہو۔ میں ہیروئن فروشوں کو تلاش کرتا ہوں۔"

وہ کار سے اتر کر ایک طرف جانے لگا۔ آگے جا کر ایک گلی میں مڑ گیا۔ منشیات فروخت کرنے والوں کو سائن بورڈ لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کا حلیہ اور رازداری کا انداز بتا دیتا ہے کہ مطلوبہ نشہ ان سے حاصل ہو سکتا ہے۔

وہ ایک گلی سے ہوتا ہوا دوسری گلی میں آیا۔ دکانداری کا وقت تھا۔ لوگوں کی اچھی خاصی آمد و رفت تھی۔ اس بھیڑ میں ہیروئن فروش آسانی سے نظر نہیں آسکتے تھے۔ وہ تیسری گلی میں آیا۔ وہاں میں نے اس کے ذریعہ ایک سپیرے کو دیکھا۔ وہ سر پر سانپ کا پٹارہ رکھے بین بجاتا آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے سوچا۔ سگریٹ میں سانپ کا زہر بھی انجکٹ کیا جا سکتا ہے۔

ڈگلس نے میری مرضی کے مطابق سپیرے کو روک کر پوچھا۔ "کیا سانپ کا تماشا دکھاتے ہو؟"

وہ سر سے پٹارہ اتارتے ہوئے بولا "جی صاحب! بڑے مزے کا تماشا ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گے؟"

"پہلے یہ بتاؤ، تمہارے پاس زہریلے سانپ ہیں؟"

"اجی ہم تو زہریلے سانپوں سے کھیلتے ہیں۔ میرے پاس ایک نہیں ایک درجن سانپ ہیں۔"

"کیا ان سانپوں کا زہر مل سکتا ہے؟"

"ضرور مل سکتا ہے۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک شیشی نکالی۔ اس میں زرد رنگ کا رقیق مادہ تھا۔ وہ شیشی کو ہلاتے ہوئے بولا "یہ بڑا زبردست زہر ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا قطرہ زبان کو چھو لے تو بندے کو

اچھی طرح تڑپنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔وہ دیکھتے ہی دیکھتے مرجاتا ہے۔"

ڈوگلس نے کہا "میں کسی کو مارنے کے لئے نہیں ایک دوا تیار کرنے کے لئے زہر چاہتا ہوں۔"

اس نے جیب سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اُسے دیا۔ سپیرے نے خوش ہو کر نوٹ کو جھپٹ لیا۔اسے جلدی سے تہ کر کے قمیص کی اندرونی جیب میں چھپالیا پھر وہ شیشی ڈوگلس کو دے دی۔

ڈوگلس نے اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا پھر وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔میں نے اس کے دماغ کو آہستہ آہستہ آزاد چھوڑ دیا اور اس کی اپنی سوچ میں کہا "میں راجا بازار کے ایک راستے کے کنارے کار روک کر آیا ہوں۔وہاں مسز روبن اگلی سیٹ پر بیٹھی میرا انتظار کررہی ہیں۔"

اس نے مسز روبن اس بوڑھی جاسوسہ کو کہا جو مسز ڈوگلس کہلاتی تھی۔میں نے اس کی یادداشت سے یہ بھلا دیا تھا کہ اس نے زہر سے بھری ہوئی ایک شیشی خریدی ہے اور اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں چھپا رکھا ہے۔

اسے ایک افغانی لڑکا نظر آیا۔اس کے ساتھ ایک پنجابی جوان بھی تھا۔ان کے میلے کپڑے اور حلیہ بتا رہا تھا کہ وہ غلط دھندا کرتے ہیں۔ڈوگلس نے ان کے قریب جا کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔

"جو میں مانگتا ہے وہ تمہارے پاس ہے؟"

پنجابی جوان نے پوچھا "کیا مانگتا ہے؟"

وہ بولا "فلمی ہیروئن نہیں مانگتا۔دوسرا ہیروئن مانگتا۔"

جوان نے افغان لڑکے کو اشارہ کیا۔اس لڑکے نے ہیروئن کی ایک پڑیا نکال کر دی۔ڈوگلس نے پچاس روپے دے کر دو پڑیاں خرید لیں پھر انہیں کوٹ کی اوپری جیب میں رکھ کر اپنی گاڑی کے پاس آگیا۔

میں اسے چھوڑ کر نیلما کے پاس پہنچا۔وہ اپنے عاشق کے ساتھ شکرپڑیاں کی بلندی پر کھڑی ہوئی اسلام آباد کی جگمگاتی ہوئی روشنیاں دیکھ رہی تھی۔اس کے عاشق کا نام حسن اتفاق سے عاشق حسین تھا۔میں اُس کی آواز سن کر اُس کے دماغ میں آیا اور خیالات پڑھنے لگا۔

وہ بہت ذہین نوجوان تھا۔اسے سائنس کے موضوع سے بے حد دلچسپی تھی۔اس کی دلچسپی اور ذہانت کے پیش نظر اسے ایٹمی پلانٹ کی لیبارٹری میں ملازمت دی گئی تھی۔نام عاشق تھا لیکن وہ عاشق مزاج نہیں تھا۔نیلما جیسی حسین اور نوجوان لڑکی کی طرف وہ خود مائل نہیں ہوا تھا۔نیلما اسے اپنی طرف مائل کررہی تھی۔

وہ ابتدا میں اُس سے کترانے کی کوشش کرتا رہا پھر رفتہ رفتہ اُس سے متاثر ہونے لگا۔وہ اچھی لگنے لگی۔عاشق حسین اس کی آرزو کرنے لگا۔لیکن یہ آرزو اسی حد تک تھی کہ وہ سامنے ہوتی تو اس کا ہاتھ تھام لیتا لیکن اسے شدت سے طلب نہیں کرتا تھا۔ اُس کا ہاتھ تھام کر سنجیدہ اور نارمل رہتا تھا۔

نیلما نے ایک دن بیزار ہو کر ڈوگلس سے کہا "وہ میرا ہاتھ ایسے پکڑتا ہے جیسے بچہ آئس کریم کون دونوں ہاتھوں سے تھام لیتا ہے۔میں ادائیں دکھانے اور اسے تڑپانے کے لئے ہاتھ چھڑاتی ہوں تو وہ گدھا چھوڑ دیتا ہے۔جب تک میں آگے نہ بڑھوں وہ مجھے ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ایسے تو برسوں گزر جائیں گے اور اس کے عشق میں دیوانگی پیدا نہیں ہوگی۔جب تک وہ مجنوں نہیں بنے گا جنون میں لیبارٹری کی باتیں نہیں کرے گا۔"

تب ڈوگلس نے یہ پلاننگ کی تھی کہ عاشق حسین کو اور دوسری لڑکی روزینہ کے محبوب کو نشے کا عادی ہونا چاہئے۔عورت اور نشے میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عورت دل کو لگتی ہے۔نشہ دماغ کو لگتا ہے۔جو محبت میں نہیں جھکتے' وہ نشے میں اسیر ہوجاتے ہیں۔

روزینہ اپنے شکار کے ساتھ کار میں بیٹھی پنڈی سے اسلام آباد جارہی تھی۔اس کے شکار کا نام محبوب علی تھا۔وہ ایٹمی پلانٹ میں سائنس لیبارٹری کا انچارج تھا۔وہاں سائنس دانوں کی ضرورت کی ہر چیز مہیا کرتا تھا اور ان چیزوں کا باقاعدہ حساب رکھتا تھا۔روزینہ کو اس سے یہ معلوم ہوسکتا تھا کہ ایٹم بم کی تیاری کے لئے محبوب علی کتنی یورینیم وغیرہ مہیا کررہا ہے۔

لیکن محبوب علی بھی حسین عورتوں کے معاملے میں پتھر تھا۔ روزینہ سے بہت زیادہ متاثر نہیں تھا۔وہ ملنے آتی تو اس کے ساتھ تفریح میں تھوڑا بہت وقت گزار لیتا تھا۔اگر نہ آتی تو شکایت نہیں کرتا تھا۔

روزینہ یہی شکایت کررہی تھی "میں کل تم سے ملنے نہیں آئی اور تم نے پوچھا تک نہیں کہ میں کیوں نہیں آئی؟"

وہ ڈن ہل کے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے بولا "اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔تم اس لئے مجھ سے ملنے نہیں آئیں کہ ملاقات کا موڈ نہیں ہوگا۔یا کسی مصروفیت میں الجھ گئی ہوگی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میں بیمار تھی۔میرا فون نمبر تمہارے پاس ہے۔تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ فون کر کے خیریت معلوم کرلیتے۔"

"روزینہ! خیریت معلوم کرتا..... تمہاری بیماری سے پریشان ہوتا پھر تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا بڑی اہم ذمے داری ہے۔میں اپنی بیوی اور بچوں کے لئے یہ ذمے داریاں اور پریشانیاں اٹھاتا ہوں۔اگر ہر حسین اور جوان لڑکی کی ذمے داری قبول کرتا رہوں تو پھر کسی کام کا نہیں رہوں گا۔اور سرکار نے میرے کام سے میری دیانت داری اور راز داری سے خوش ہو کر ہی ایک اہم شعبے کا انچارج بنایا ہے۔"

وہ اندر ہی اندر کڑھ کر رہ گئی۔یہ یقین ہوگیا تھا کہ ایک پتھر سے سر ٹکرا رہی ہے۔اس پتھر کو موم کرنے کا بس ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا کہ اسے نشے کا عادی بنایا جائے۔ڈوگلس نے اس سے کہا کہ وہ اپنے پرس میں ڈن ہل کا پیکٹ چھپا کر لے جائے گی اور موقع

دیکھ کر محبوب علی کا پیکٹ اٹھا کر اپنے پرس میں رکھے گی اور پرس والا پیکٹ محبوب علی کے پاس رکھ دے گی۔دوسرے دن نیلما بھی یہی کرنے والی تھی۔

میں دماغی طور پر مسجد میں حاضر ہوگیا پھر وہاں سے اٹھ کر باہر آگیا۔مسجد میں بیٹھ کر کسی کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مناسب نہیں تھا۔اگرچہ ڈوگلس ملک کا دشمن تھا اور ہمارے دین کا دشمن تھا۔یہودی ہو کر مسلمان بنا ہوا تھا۔اس کے باوجود میرے اندر کے ایمان نے کہا' مسجد مقام عبادت ہے۔جنونی قاتلوں نے تو سجدے میں بھی مومنین کی گردنیں کاٹی ہیں۔اور میں کسی کافر کے ساتھ بھی ایسا نہیں کرسکتا۔کیوں کہ میں جنونی نہیں ہوں۔

میں فٹ پاتھ پر چلتا ہوا ایک بند دکان کے تھڑے پر آکر بیٹھ گیا۔پھر ڈوگلس کے پاس آگیا۔وہ گھر پہنچ گیا تھا اور بوڑھی جاسوسہ کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہا تھا۔ان کے ساتھ تیسری لڑکی بھی کھانے میں مصروف تھی۔

میں نے ڈوگلس کو کھانے پر سے اٹھا دیا۔بوڑھی نے پوچھا "کیا بات ہے' کھانا پسند نہیں ہے؟"

"بہت پسند ہے۔کھانا لذیذ ہو تو زیادہ نہیں کھانا چاہئے' بدہضمی ہوجاتی ہے۔میں اپنے بیڈ روم میں جا کر نشیلے سگریٹ تیار کررہا ہوں' مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔"

وہ اپنے کمرے میں آگیا۔ایک میز پر سگریٹوں کے دو پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک عاشق حسین کا برانڈ تھا اور دوسرا محبوب علی کے لئے تھا۔پاس ہی ایک سرنج رکھی ہوئی تھی۔وہ کوٹ کی اوپری جیب سے ہیروئن کی پڑیاں نکال کر اُس کے سفوف کو پانی میں گھول کر رقیق بنانا چاہتا تھا تاکہ اسے سرنج کے ذریعے سگریٹوں میں انجکٹ کرسکے۔

اس نے اوپری جیب سے پڑیاں نہیں نکالیں۔اندرونی جیب سے زہر کی شیشی نکالی پھر میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔پہلے سگریٹوں کے پیکٹ کو کھولا۔اس میں سے پانچ سگریٹ نکال کر میز پر رکھے۔پھر زہر کی شیشی کو کھولا۔سرنج اٹھا کر شیشی کے زہر کو اس میں منتقل کیا پھر ایک ایک سگریٹ اٹھا کر اُس کے تمباکو میں سوئی پیوست کر کے اس زہر کو انجکٹ کرنے لگا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے شیشی کو بند کیا۔اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا پھر وہاں سے اٹھ کر دروازہ کھول کر بولا۔ "ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

بوڑھی نے کہا "ضرور' ابھی لاتی ہوں۔"

وہ میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔وہاں سے ایک سگریٹ کو اٹھا کر ہونٹوں میں دبایا پھر اسے لائٹر سے سلگا کر کش لینے لگا۔پہلے ہی کش میں احساس ہوا کہ تمباکو کا مزہ کچھ اور ہوگیا ہے۔نشہ کرنے والوں کے لئے بہت ہی عجیب اور انوکھا سا مزہ تھا۔ڈوگلس شراب اور سگریٹ کا عادی تھا۔اس لئے اُس سگریٹ کے مزے میں اگر تھوڑی سی کڑواہٹ تھی تو وہ بھی اچھی لگ رہی تھی۔

اچھی نہ لگتی' تب بھی میں اسے کش لگانے پر مجبور کرتا رہتا۔ جب وہ خود ہی دلچسپی سے پینے لگا تو میں اسے چھوڑ کر بوڑھی جاسوسہ کے پاس آگیا۔اس وقت نیلما اور روزینہ بھی آگئی تھیں۔روزینہ کھانے کی میز پر بیٹھ کر ایک پلیٹ میں سالن لیتے ہوئے بولی "بڑی بھوک لگی ہے۔وہ کمبخت محبوب علی عشق کے معاملے میں تو بالکل گدھا ہے۔اس پر کنجوس بھی ہے۔کبھی کسی ریستوران میں نہیں جاتا ہے۔آؤ نیلما! تم بھی شروع ہوجاؤ۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "میرا وہ بڑا فراخ دل ہے۔میں اس کے ساتھ کھا چکی ہوں۔"

بوڑھی ایک پیالی چائے لے کر ڈوگلس کے کمرے کی طرف جارہی تھی۔نیلما نے کہا "ممی! میری بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔یہ نحوست کی علامت ہے نا؟"

ممی نے کہا "سب کہنے کی باتیں ہیں۔جوانی میں میری آنکھ پھڑکتی تھی تو دل پھینک نوجوان سمجھتے تھے میں آنکھ مار رہی ہوں۔"

تینوں لڑکیاں ہنسنے لگیں۔وہ چائے لے کر کمرے میں آئی پھر ڈوگلس کے سامنے میز پر پیالی رکھ کر بولی "دھوئیں میں عجیب سی بُو ہے۔کیا ہیروئن پی رہے ہو؟"

"ہاں نشیلا سگریٹ آزما رہا ہوں۔"

"کیسا لگ رہا ہے؟"

"ایسا سُرور محسوس کررہا ہوں کہ لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔"

میں نے بوڑھی جاسوسہ کو بھی پینے پر آمادہ کیا۔وہ میز پر سے ایک سگریٹ اٹھا کر بولی "ذرا میں بھی دیکھوں' کیسا سُرور ہوتا ہے۔"

وہ سگریٹ سلگا کر کش لگانے لگی۔میرا خیال تھا' زہر فوراً اثر کرے گا اور کش لگانے والا اس کی تلخی محسوس کرے گا۔اس کے برعکس ڈوگلس ابھی تک زندہ تھا اور صرف نشے میں مست ہورہا تھا۔

تھوڑی دیر میں بوڑھی جاسوسہ بھی مستی میں آنے لگی۔میں

نے تیسری لڑکی کو کمرے میں لاکر اُسے بھی ایک سگریٹ پینے پر مجبور کیا۔ نیلما باتھ روم میں تھی۔ میں نے روزینہ کے ہونٹوں تک بھی وہ سگریٹ پہنچا دیا۔ کمرے کی محدود فضا میں دھواں ہی دھواں نظر آرہا تھا۔ میں جس کے دماغ سے نکل جاتا تھا۔ وہ گھٹن سے پریشان ہو کر باہر چلی جاتی تھی۔ لیکن سگریٹ نہیں چھوڑتی تھی۔ اس کا نشہ مست کر رہا تھا۔

میں حیران تھا۔ میری محنت رائیگاں جارہی تھی۔ وہ چاروں زندہ تھے۔ نیلما نے باتھ روم سے باہر آکر ناگواری سے پوچھا "کیسی بو پھیلی ہوئی ہے۔ تم سب باجماعت سگریٹ کیوں پی رہی ہو؟"

میں نے نیلما کو سگریٹ نوشی پر مجبور نہیں کیا۔ میری کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ میں اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ ایک سپاہی میرا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "اے ادھر کیوں بیٹھا ہے؟ کیا ارادہ ہے؟"

آس پاس کی دکانیں بند ہوگئی تھیں۔ میں ایک دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے وقت دکانوں کے تالے توڑ کر چوری کرنے والے ہی موقع کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔ سپاہی شبہ کرنے میں حق بجانب تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا "میں ذرا تھک کر بیٹھ گیا تھا۔"

میں جانے لگا' اس نے پوچھا "ایک سگریٹ ہوگا؟"

میں نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر دیا پھر آگے بڑھ گیا۔ اب اطمینان سے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھ کر ڈوگلس اور اس کی جاسوس فیملی سے نمٹنا چاہتا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ سپیرے نے ڈوگلس سے فراڈ کیا تھا۔ زہر کے بجائے کوئی نشیلی چیز دے گیا تھا۔

میں ہوٹل میں آیا۔ میری عدم موجودگی میں ملازم صفائی کر گیا تھا۔ کمرا صاف ستھرا نظر آرہا تھا۔ میں بستر پر آکر لیٹ گیا پھر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا ڈوگلس کے دماغ میں پہنچنا چاہا تو اس کا دماغ نہیں ملا۔

میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ زہر نے اب اثر دکھایا تھا وہ مر چکا تھا۔ میں بوڑھی جاسوسہ کے دماغ میں آیا۔ وہ زندہ تھی مگر فرش پر پڑی ہوئی ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ تیسری لڑکی کی بھی یہی حالت تھی۔ دونوں کی سانسیں رک رک کر آرہی تھیں۔ روزینہ نیلما کو جھنجھوڑ کر کہہ رہی تھی "مجھے بچاؤ' نہیں تو میں بھی مرجاؤں گی۔ گاڑی نکالو۔ مجھے اسپتال لے چلو۔"

نیلما دوڑتی ہوئی باہر جانے لگی۔ روزینہ نے باہر جانے سے پہلے پلٹ کر کمرے میں دیکھا۔ ممی اور اس تیسری لڑکی کے دیدے پھیل کر ساکت ہوگئے تھے۔ ان کی موت دیکھ کر وہ چیخ پڑی۔ دوڑتی ہوئی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آئی۔ وہاں سے ہانپتی ہوئی کوریڈور میں پہنچی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ باہر نیلما کار کے پاس کھڑی کہہ رہی تھی "جلدی آؤ۔ اسپتال قریب ہی ہے۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ زرینہ باہر برآمدے میں آتے ہی چکرا کر گر پڑی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی زرینہ کے پاس آئی۔ اس کی سانسیں اٹک اٹک کر آرہی تھیں۔ نیلما نے پوچھا "آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا کھانے میں کوئی زہریلی چیز تھی؟"

زرینہ کہنا چاہتی تھی کہ سگریٹ زہریلا ہے لیکن زبان نہیں ہل رہی تھی۔ نیلما کو سگریٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ لیکن اس نے بڑی دیر تک دھوئیں سے بھری ہوئی فضا میں سانس لی تھی۔ جب روزینہ نے اس کے سامنے دم توڑا تو وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ ایک سمت دوڑتی ہوئی کوٹھی کے احاطے سے باہر جاتی ہوئی چیخنے لگی "بچاؤ' مجھے بچاؤ۔ سب مر گئے۔ میں بھی مرنے والی ہوں۔"

ایک بار بھوپال میں زہریلی گیس پھیل گئی تھی۔ اس زہریلی فضا میں سانس لینے والے سیکڑوں لوگ مر گئے تھے اور ہزاروں اپاہج ہوگئے تھے۔ نیلما سمجھ رہی تھی کہ اُس کے گھر کی اور شاید شہر کی فضا بھی زہریلی ہوگئی ہے۔ اسی لئے ایک کے بعد ایک مرتا جارہا ہے اور اب اس کی باری ہے۔

بدحواسی میں وہ کار کو بھول گئی تھی اور مدد کے لئے چیختی ہوئی دوڑتی جارہی تھی۔ اسی وقت میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

میں بستر سے اٹھ کر دروازے کے قریب آیا پھر پوچھا "کون ہے؟"

ایک رعب دار آواز سنائی دی "پولیس۔ دروازہ کھولو۔"

میں اُس کے دماغ کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔ وہ وہی تھانیدار تھا جس نے پہلی بار ایک طوائف کے ذریعے مجھے پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اسے جب سے معلوم ہوا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار روپے ہیں تب سے وہ بے چین ہوگیا تھا۔ مجھ سے دس بیس ہزار وصول کرنے کے ہتھکنڈوں کو آزما رہا تھا۔

میں نے معلوم کیا۔ اس بار وہ کس طرح مجھے پھانسنا چاہتا ہے؟ پتا چلا' میری غیر موجودگی میں ہوٹل کا جو ملازم کمرے کی صفائی کے لئے آیا تھا۔ تھانیدار نے اس کے ہاتھوں سے ہیروئن کے دس پیکٹ پلنگ کے نیچے رکھوادئے تھے۔ یوں مجھ پر کیس بن سکتا تھا کہ میں ہیروئن فروش ہوں۔

کیا مشکل ہے۔ میں ایسے دشمنوں سے نمٹ رہا تھا' جو پاکستان کا ایٹم بم تلاش کرنے آئے تھے اور ایٹم بم کی تلاش انہیں جہنم میں پہنچا رہی تھی۔ دوسری طرف اپنے ہی ملک کے قانون کے رشوت خور محافظ میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔

میں نے تھانیدار کے دماغ پر قبضہ جما کر دروازے کو کھولا۔ وہ سپاہیوں سے بولا "ادھر رکو! میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ کمرے میں آیا۔ پلنگ کے نیچے جھک کر ہیروئن کے دس پیکٹ نکالے پھر انہیں اٹھا کر باہر چلا گیا۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ میرے کمرے کی صفائی ہو چکی تھی۔

وہ دروازے کے باہر اپنے ماتحت سپاہیوں کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ہیروئن کے سفید سفوف سے بھرے ہوئے دس پیکٹ تھے۔ سپاہی اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک سپاہی نے پوچھا "جناب! یہ کیا؟ آپ غیر قانونی مال باہر لے آئے اور جسے پکڑنا چاہتے تھے اسے کمرے کے اندر آزاد چھوڑ دیا؟"

وہ کڑک کر بولا "تھانے دار تم ہو یا میں ہوں؟"

"آپ ہیں جناب۔"

"تو پھر میرے پیچھے آؤ۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔ تمام سپاہی اس کے پیچھے ہوگئے۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے کاؤنٹر کے پاس پہنچے۔ تھانے دار نے منیجر سے کہا۔ "اپنے ملازم عبداللہ کو بلاؤ۔"

منیجر نے ملازم کو بلانے والی گھنٹی بجائی پھر پوچھا "جناب! یہ تو وائٹ پاؤڈر ہے۔ کیا ہوٹل سے برآمد ہوا ہے؟"

"تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ میں یہاں سے خالی ہاتھ گیا تھا۔ واپسی میں یہ زہریلے نشے کے پیکٹس میرے ہاتھوں میں ہیں' تم لوگوں نے اپنے ہوٹل میں یہ دھندا شروع کیا ہے۔"

"نہیں جناب! کوئی مسافر اپنے سامان میں چھپا کر لے جائے تو ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں اور کیسے پکڑ سکتے ہیں؟ یہ کس کمرے سے برآمد ہوا ہے؟"

اسی وقت ملازم عبداللہ نے آکر سلام کیا۔ تھانے دار نے اس سے پوچھا "کیا تم نے یہ پاؤڈر کمرا نمبر سات میں لے جاکر چھپایا تھا؟"

عبداللہ نے پریشان ہو کر تھانے دار کو پھر منیجر کو دیکھا۔ منیجر نے ڈانٹ کر کہا "جواب دو؟"

وہ تھانے دار سے بولا "جناب! آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں' آپ نے حکم دیا تھا کہ میں سات نمبر کمرے کی صفائی کرنے جاؤں اور پاؤڈر کی یہ تھیلیاں پلنگ کے نیچے چھپا کر رکھ دوں۔"

بے شک تھانے دار نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ ایک ادنیٰ سا ملازم تھا۔ پولیس والوں کے حکم سے انکار کرکے حوالات میں لات جوتے نہیں کھانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے حکم کی تعمیل کی تھی۔ ہیروئن کے پیکٹس کو میرے پلنگ کے نیچے چھپا دیا تھا۔

تھانے دار خود پر کبھی الزام نہ لیتا کہ مجھے پھانسنے اور مجھ پر کیس بنانے کے لئے اس نے ہوٹل کے ملازم کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا لیکن میں اُس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق کہا "اچھا تو میں نے تمہیں حکم دیا تھا؟"

عبداللہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "حضور! آپ مالک ہیں۔ آپ جانتے ہیں' میں آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات نہیں کروں گا۔"

منیجر نے اسے ایک ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا "ذلیل کمینے! تو یہ کہہ رہا ہے کہ انسپکٹر صاحب سات نمبر کے مسافر کو جھوٹے الزام میں پھانسنا چاہتے تھے۔ اور جب پھانسنا چاہتے تھے تو اس مسافر کو مال کے ساتھ پکڑ کر کیوں نہیں لائے؟"

تھانے دار نے کہا "اس غریب کو نہ مارو۔ یہ میرے منہ پر سچ کہہ رہا ہے۔ اور ہمیں سچے آدمی کی قدر کرنا چاہئے۔"

منیجر نے تعجب سے پوچھا "کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ہی یہ مال وہاں رکھوایا تھا؟"

"جی ہاں' میں نے عبداللہ کو حکم دیا تھا۔ میں بہت ذلیل اور کمینہ ہوں' میں اس شریف مسافر کو پھانس کر اُس سے کچھ رقم وصول کرنا چاہتا تھا۔"

پھر اس نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا "کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

تمام سپاہی الجھن میں پڑ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے افسر نے مال کمانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ اور وہ تمام سپاہی اُس کے اس جرم میں شریک تھے اب وہ اقرار کرنے سے ہچکچا رہے تھے کہ انہوں نے قانون کی دی ہوئی وردی پہن کر ایسا جرم کیا تھا۔

تھانے دار نے ڈانٹ کر پوچھا "سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ بولا کرو۔ ہاں تو بولو۔ ہم سب ایسی ذلیل حرکت کر رہے تھے یا نہیں؟"

ایک سپاہی نے سرگوشی کے انداز میں کہا "جناب! جو ہوگیا اسے جانے دیں۔ تھانے چلیں۔"

تھانے دار نے کہا "ہاں مجھے تھانے لے چلو' مجھے گرفتار کرلو۔ میں تم سب کو گرفتار کروں گا۔ ہم سب مجرم ہیں۔ اگر ہم نے ایک دوسرے کو گرفتار کرکے تھانے نہ پہنچایا تو ہمیں یہ وردی پہننے کا حق نہیں ہے۔"

دوسرے سپاہی نے پریشان ہو کر کہا "جناب! آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ہم یہ باتیں تھانے چل کر کریں گے۔"

"یہ باتیں تھانے چل کر کیوں کریں گے؟ کیا ہم کسی مجرم کو ہتھکڑی پہنا کر نہیں لے جاتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ ہتھکڑی پہنا کر لے جاتے ہیں' مگر....."

وہ بات کاٹ کر بولا "اگر مگر نہ کرو۔ ہتھکڑیاں نکالو۔"

"جی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"زیادہ باتیں نہ کرو۔ پہلے اپنی وردی اتارو۔ کیونکہ وردی میں ہتھکڑی پہننے سے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی توہین ہوگی۔"

تھانے دار نے یہ کہتے ہوئے اپنی پیٹی اتاری۔ پھر ٹوپی اور شرٹ اتار دی۔ ایک سپاہی نے عاجزی سے کہا "سر! ایسا کرنے سے ہم سب کی بے عزتی ہوگی۔ آپ ذرا منیجر صاحب کے کمرے میں چلیں۔ ہم وہاں....."

وہ پھر بات کاٹ کر ڈانٹتے ہوئے بولا "وردی اتارنے کے بعد

بے شک ہماری بے عزتی ہوگی لیکن وردی کی عزت رہے گی۔ کم آن۔ جلدی کرو۔ یہ وردی اتارو اور ہتھکڑیاں پہنو۔"

وہ سب حکم کے بندے تھے۔ مجبور ہو کر وردی اتارنے لگے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ہتھکڑیاں پہنائیں۔ سب نے ہیروئن کے دو دو پیکٹس اٹھائے پھر وہاں سے تھانے کی طرف جانے لگے۔

ایسا منظر پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مجرموں کو پولیس والے ہتھکڑیاں پہنا کر لے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی مجرم خود اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑی پہن کر تھانے نہیں جاتا۔ وہ ہمارے ملک کے پہلے مجرم تھے جو خود ہی ہتھکڑیوں میں بندھے بازار سے گزرتے ہوئے تھانے جا رہے تھے۔

جو لوگ انہیں افسر اور سپاہیوں کی حیثیت سے جانتے تھے وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہے تھے "یہ کیا تماشا ہے۔ آپ لوگ ہتھکڑیوں میں ہیں؟ آپ لوگوں کو کس نے گرفتار کیا ہے؟"

تھانے دار کہتا جارہا تھا "ہمیں ہمارے ضمیر نے گرفتار کیا ہے۔ اے لوگو! اپنی زندگی میں کبھی کبھی اپنے ضمیر کے آواز سن لیا کرو۔ کبھی کبھی سچائی سے اپنا محاسبہ کرو اور توبہ کرتے رہو۔ خدا تمہیں اور ہمیں ضرور معاف کرے گا۔"

تھانے پہنچنے تک کچھ اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر بھی پہنچ گئے تھے۔ ان کی تصویریں اتار رہے تھے۔ اور کیسٹ ٹیپ ریکارڈر میں یہ اقبالِ جرم ریکارڈ کر رہے تھے کہ انہوں نے ہیروئن کے پیکٹس کے ذریعے ایک بے گناہ کو مجرم ثابت کرنا چاہا تھا۔ اس بے چارے کو قانونی گرفت میں لا کر اُس سے بھاری رقم وصول کرنا چاہتے تھے۔ رپورٹرز سوال کر رہے تھے "کس بے گناہ شخص پر الزام عائد کرنے کی کوشش کی گئی تھی؟ وہ کس ہوٹل کے کس کمرے میں ہے؟"

تھانے دار نے انہیں ہوٹل کا نام اور کمرا نمبر بتایا۔ میں اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر اپنی چھوٹی سی اٹیچی اٹھا کر اُس ہوٹل سے نکل آیا۔ سر سے بالوں کی وِگ اتار دی۔ اس تبدیلی کے بعد کوئی مجھے دور سے نہیں پہچان سکتا تھا۔ قریب آکر غور سے دیکھنے کے بعد شاید کوئی سمجھ پاتا کہ میں سات نمبر کمرے کا مسافر ہوں۔

میں نے دوسرے ہوٹل میں ایک کمرا حاصل کیا۔ پھر کمرے میں آکر دروازے کو بند کرکے آرام سے بیٹھ گیا۔ اس تھانے دار کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا تھا' اسے وہی بھگتنے والا تھا۔ میں نیلما کے پاس پہنچ گیا۔

اس کا بیناسپتی باپ اے آر ڈگلس عرف سردار عبدالرحمان' بوڑھی جاسوسہ اور دو نوجوان لڑکیاں سب کے سب زہریلے سگریٹ کے کش لگانے کے بعد ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے تھے۔ نیلما کے نصیب اچھے تھے۔ اس نے سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور نہ ہی اسے یہ معلوم تھا کہ ان چار افراد کو زہریلے سگریٹوں نے مارا ہے۔ اس نے کبھی اتنے سارے افراد کو ایک ہی وقت میں یکے بعد دیگرے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ اور جب دیکھا تو ہوش اڑ گئے' وہ نیم پاگل سی ہو گئی۔ بدحواسی میں گھر سے نکل کر بھاگتی چلی گئی۔ ساتھ ہی چیختی گئی "بچاؤ' مجھے بچاؤ۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ میری مدد کرو۔"

وہ سمجھ گئی تھی کہ گھر کی محدود فضا میں زہریلی گیس پھیلی ہوگی' جس کے نتیجے میں وہ سب مر گئے تھے اور اب اس کی باری تھی کیونکہ وہ بھی زہریلے دھوئیں میں سانس لیتی رہی تھی۔

ایسے ہی وقت میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ پھر تقریباً تین گھنٹے بعد پہنچا تو اسے اسپتال سے چھٹی مل گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے تسلی دی کہ اس کے اندر زہریلی گیس کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس نے اسپتال پہنچتے ہی چار افراد کی موت کے متعلق بتایا تھا۔ پولیس والے اس کے بتائے ہوئے پتے پر اس کوٹھی میں پہنچ گئے تھے۔

اس کوٹھی میں خاص طور پر انٹیلی جنس کے شعبے سے دو جاسوس آئے تھے۔ انہوں نے کئی دنوں سے نیلما اور روزینہ کو نظروں میں رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ ایٹمی پلانٹ سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان اور ایک شادی شدہ مرد میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ انہیں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ لڑکیاں غیر ملکی جاسوسہ ہیں۔ اس کوٹھی سے چار لاشیں برآمد ہوئیں۔ ایک زہر کی شیشی اور ایک سرنج کے علاوہ ٹرانسمیٹر اور کچھ ایسے کاغذات ہاتھ آئے جن سے ثابت ہوگیا تھا کہ ڈگلس یہودی تھا اور وہاں مسلمان بن کر رہتا آیا تھا۔ اس کے ساتھ جو لڑکیاں تھیں وہ اس کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دیتی تھیں۔

ہمارے جاسوس یہ سمجھ نہیں پارہے تھے کہ یہودی ڈگلس اور اس کی ساتھیوں نے سگریٹوں کو سرنج کے ذریعے زہریلا بنایا۔ پھر ان زہریلے سگریٹوں کے کش کیوں لگائے۔ کیوں جان بوجھ کر موت کو دعوت دی اور نیلما کیسے بچ گئی۔ انہوں نے نیلما کو حراست میں لے لیا تھا اور اُس سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔

میرا کام ختم ہوگیا تھا۔ میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ میں پارس اور علی تیمور کی خیریت معلوم کرکے سونا چاہتا تھا۔ دروازے پر دستک سن کر اٹھ گیا پھر پوچھا "کون ہے؟"

"میں ہوٹل کا ملازم ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمائیں۔"

میں نے کہا "کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو بیل بجادوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ میں اس کے اندر پہنچ گیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بغیر بلائے کیوں آیا تھا۔ کیا پھر کوئی چکر چلنے والا تھا؟ اس کی سوچ نے بتایا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ہر نئے مسافر کے پاس اس طرح جاتا تھا اور اپنے لائق کسی خدمت کے لئے پوچھتا تھا۔ یوں خدمت کرتے رہنے سے صاحب لوگ خوش ہو کر پانچ دس روپے بخشش کے طور پر دیا کرتے تھے۔

وہ ضلع مردان کے ایک گاؤں سے بیس ہزار روپے کمانے پشاور آیا تھا۔ اس کا باپ ایک زمیندار کافور خان کا مقروض تھا۔ ان علاقوں میں اگر کوئی مقروض ہوتا تھا تو وہاں کے دستور کے مطابق زمیندار کا غلام بن جاتا تھا۔ پھر جب تک قرض کا ایک ایک پیسہ ادا نہیں ہوتا تھا۔ تب تک وہ زمیندار کے کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ اس کے مویشیوں کی اور اس کے گھر والوں کی خدمت کرتا رہتا تھا۔ رات کو کھیتوں کی رکھوالی کرتا تھا اسے کبھی عید' بقر عید میں ایک دن کی بھی چھٹی نہیں ملتی تھی۔

یہ قرضہ پچھلے دس برس سے چلا آرہا تھا۔ ان غریبوں کے لئے بیس ہزار بہت بڑی رقم تھی۔ انہوں نے کبھی ایک ساتھ سو روپے اپنے ہاتھ میں نہیں پکڑے تھے۔ دور سے زمیندار کے ہاتھوں میں سو' پانچ سو اور ہزار کے نوٹ دیکھے تھے۔ جب باپ مر گیا تو اس کی ماں زمیندار کی غلامی کرنے لگی' بیٹے سے بولی "نور زمان! تم بارہ برس کے ہو۔ تمہاری بہن گل جاناں دس برس کی ہے اور پانچ برس میں جوان ہوجائے گی تو کافور خان قرض کے بدلے تیری بہن کا مطالبہ کرے گا۔ میری غیرت یہ گوارا نہیں کرے گی۔ میں انکار کروں گی تو تجھے باپ کا قرض ادا کرنے کے لئے ساری حیات غلام بن کر رہنا پڑے گا۔"

نور زمان نے کہا "بابا نے غلامی میں زندگی گزار دی۔ میں بھی گزار دوں گا۔ پتا نہیں یہ بیس ہزار کتنے ہوتے ہیں اور یہ کہاں سے ملتے ہیں۔"

"سنا ہے بڑے شہروں میں ملتے ہیں۔ تو حوصلہ کرے گا' شہر جائے گا۔ کہیں ملازمت کرے گا اور تنخواہ کے پیسے جمع کرتا رہے گا تو تھوڑا تھوڑا کرکے قرض ادا ہوتا رہے گا۔"

وہ ماں کی ہدایت کے مطابق ایک رات بستی والوں سے چھپ کر وہاں سے چلا آیا۔ اگر کوئی اسے دیکھ لیتا اور کافور خان کے پاس مخبری ہوجاتی تو وہ نور زمان کو باندھ کر مارتا۔ زمینداروں کے خود ساختہ دستور کے مطابق مقروض خاندان کا کوئی فرد اپنا گھر چھوڑ کر دوسرے علاقے میں نہیں جاسکتا تھا۔

اس دستور کی یہ تاویل پیش کی جاتی تھی کہ اگر غلام بیمار ہوجائے تو اس کے باپ' ماں' بیٹا' بیٹی یا بہن یا بھائی آکر بیمار کی جگہ کام کرے۔ زمیندار کافور خان نے بھی کہہ دیا تھا "تیرا خاوند مر گیا۔ اب تو خدمت گزاری کے لئے آئی ہے۔ یاد رکھ جب تک قرضہ ادا نہیں ہوگا' تب تک تیرا بیٹا نور زمان اور بیٹی گل جاناں بستی سے باہر نہیں جائیں گے۔"

"خان! ہم پر رحم کرو۔ عدینہ میں میرا بھائی اور دوسرے عزیز رہتے ہیں۔ میرے بچے اپنے ماموں وغیرہ سے تو مل سکتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ رشتے داروں کو ملنا ہوگا تو وہ ادھر آئیں گے' تمہارے مقروض بچے ادھر نہیں جائیں گے۔"

یہ یقینی بات تھی کہ بیس ہزار روپے کا پہاڑ ان کے سر سے کبھی نہیں اترے گا۔ نہ کافور خان بستی کے باہر محنت مزدوری کرنے دے گا۔ نہ کبھی نقد رقم ہاتھ لگے گی۔ یہ کچھ سوچ سمجھ کر ماں نے بیٹے کو ایک رات چپکے سے بھگا دیا۔ دوسری صبح خان سے کہا۔ "بیٹا آوارہ ہوگیا تھا' مجھ سے لڑتا تھا۔ کل رات بھی مجھ سے بدکلامی کی۔ پھر رات کو جانے کب چلا گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو میں نے اسے تلاش کیا۔ بستی والوں سے پوچھا لیکن اس کا پتا نہ چلا۔"

کافور خان نے کہا "مجھے الو سمجھتی ہے۔ تو نے اسے بھگا دیا ہے۔"

"تمہاری غلامی کی قسم۔ میں نے نہیں بھگایا ہے وہ جیسا بھی تھا میرا بیٹا تھا۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر جان بوجھ کر اسے کیوں بھگا دیتی۔ شاید وہ ماموں کے پاس گیا ہے ہو سکتا ہے واپس آجائے۔"

وہ بولا "میں چاہوں تو اس کتے کے پیچھے اپنے آدمی لگا دوں' وہ اسے جہاں دیکھیں گے گولی مار دیں گے۔"

"نہیں خانِ اعظم! میرا ایک ہی بیٹا ہے اسے کچھ ہوگا تو میں مر جاؤں گی۔"

"تو مر جائے گی تو قرضہ ادا کرنے کے لئے ایک تیری بیٹی رہ جائے گی' وہ بیٹی بھی بھاگ گئی تو میری وصولی کیسے ہوگی؟"

"نہیں' میری گل جاناں نادان ہے' وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی۔"

"آج نادان ہے کل جوان ہوگی' اس کے بھی پر نکل آئیں گے۔ مجھے میری رقم کی ادائیگی کی ضمانت چاہئے۔ اس لئے ضمانت کے طور پر بیٹی کو میرے حوالے کردے۔"

"نہیں خانِ اعظم! میری معصوم بیٹی کو ضمانتی نہ بنا۔ میرا بیٹا جب تک واپس نہیں آئے گا' جب تک قرضہ ادا نہیں ہوگا' میں زندہ رہوں گی اور تیری خدمت کرتی رہوں گی۔"

"کیا زندگی تیرے ہاتھ میں ہے کہ جب تک چاہے گی زندہ رہے گی۔ تو آج مر سکتی ہے' کل مر سکتی ہے۔ میں کل صبح تک مہلت دیتا ہوں۔ بیٹے کو واپس لا یا قرضہ ادا کر ورنہ کل میں تیری بیٹی کو بڑی حویلی پہنچا دوں گا۔"

وہاں سے بیس کلومیٹر دور شاہ خیل نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ وہ گاؤں اور آس پاس کی زمین کافور خان کی ملکیت تھیں۔ نور زمان کی ماں نے سنا تھا وہاں قلعہ نما ایک حویلی تھی۔ جہاں کافور خان کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ حویلی کے چاروں طرف مسلح حواریوں کا پہرا رہتا تھا۔ یہ بھی سنا تھا کہ جو مقروض غلام بغاوت کرنا چاہتے تھے انہیں حویلی میں قیدی بنا کر رکھا جاتا تھا۔ ان قیدیوں میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ ان سے الگ ایک بڑی حرم سرا میں حسین اور جوان لڑکیاں رکھی جاتی تھیں۔ کافور خان نے اسی بڑی حویلی میں گل جاناں کو پہنچانے کی دھمکی دی تھی۔

نور زمان کو پتا نہیں تھا۔ اس کے شہر آنے کے بعد ماں اور

بہن پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ کسی سے خط لکھوا سکتا تھا لیکن یہ اندیشہ تھا کہ جوابی خط کے پتے پر زمیندار کے آدمی اسے پکڑنے آجائیں گے۔ ماں نے سمجھایا تھا جب تک قرضے کی رقم جمع نہ ہو جائے تب تک گھر کا رخ نہ کرنا۔

یہ نورزمان کی روداد تھی۔ اس کے خیالات مجھے یہ روداد سنا رہے تھے۔ ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں انسانوں کو غلام بنانے کی روایت آج بھی قائم ہے۔ اور یہ ہم پاکستانیوں کے لئے بڑے شرم کی بات ہے۔ بعد میں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق تقریباً چار ہزار دہقان مجبور اور بے یار و مددگار ہو کر غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔

ہو سکتا ہے حکومت نے ان مجبور دہقانوں کی آزادی کے لئے احکامات جاری کئے ہوں اور ان پر عمل نہ ہو رہا ہو۔ مجھے پاکستان آنے کے بعد جو بنیادی خرابی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ اوپر سے صادر ہونے والے احکامات کو پولیس والے سبوتاژ کر دیتے تھے۔ جس حکم کی تعمیل سے منافع یا رشوت حاصل نہیں ہوتی تھی اس حکم کی تعمیل مجرموں کے اور اپنے مفاد کے مطابق کرتے تھے۔

میں نے آئی جی کو مخاطب کیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا "فرہاد صاحب! میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں، آپ کی مہربانی سے میری بیٹی کل صبح اور بیٹا شام کو یہاں پہنچ رہے ہیں۔ میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھلاؤں گا۔ آپ نے مجھے یہودیوں کی غلامی سے نجات دلائی ہے۔"

میں نے کہا "آپ نے یہودیوں کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے لیکن ہماری قوم کے مجبور بندے اپنی ہی قوم کے ظالموں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کی عزت و آبرو مٹی میں ملتی رہتی ہے۔"

"آپ کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں؟"

"صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں سیکڑوں ہزاروں غریب اور مجبور دہقان زمینداروں کی غلامی کرتے ہیں اور آپ کو خبر نہیں ہے؟"

"اچھا سمجھ گیا۔ لیکن جناب! حکومت نے دہقانوں اور محنت کشوں کے لئے ویلفیئر اسکیم جاری کی ہے۔ اس اسکیم کے مطابق انہیں پندرہ ہزار روپے ادا کئے جاتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "آپ کو یقین ہے کہ یہ پندرہ ہزار ہر مستحق تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ رقم مستحقین کے بہانے بے ایمانوں کے پاس نہیں پہنچتی ہے؟"

"آپ درست فرماتے ہیں۔ بے ایمانی ہو سکتی ہے۔ بلکہ پولیس والوں کے تعاون سے بے ایمانی رواج پاتی ہے۔ مجھے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بدنامی سے شرمندگی ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ آوے کا آوا ہی ٹیڑھا ہے۔"

میں نے کہا "ہم آپ تمام پولیس والوں کو صراطِ مستقیم پر نہیں چلا سکتے، لیکن جہاں تک آپ کے اختیارات ہیں اور جہاں تک میری ٹیلی پیتھی مجھے پہنچاتی ہے، وہاں تک ہم ناداروں کی اور مظلوموں کی دست گیری کر سکتے ہیں۔"

"میں حاضر ہوں۔ آپ کی نظروں میں کوئی مجبور دہقان ہے؟"

"جی ہاں ایک لڑکا نورزمان بارہ برس کی عمر میں محنت کے ذریعے بیس ہزار روپے حاصل کرنے پشاور آیا۔ اس کا باپ ایک زمیندار کافور خان کا مقروض تھا۔ وہ مر گیا تو مقروض ماں اپنے مرحوم شوہر کی جگہ غلامی کرنے لگی۔ اس کا بیٹا نورزمان مزدوری کرنے ادھر آیا تو ادھر کافور خان نے اس کی دس برس کی بہن گل جاناں کو ضمانت کے طور پر اپنی حویلی میں قید کرا لیا۔ نورزمان سولہ برس کا جوان ہو گیا ہے۔ دن رات محنت کرنے کے باوجود اس نے اب تک صرف آٹھ ہزار روپے جمع کئے ہیں۔ اس کی بہن گل جاناں چودہ برس کی ہو گئی ہے۔ ایک آدھ برس میں اس کی جوانی کی بولی لگائی جائے گی۔"

"بس فرہاد صاحب! آگے نہ بولیں۔ آپ نے میری بیٹی کو یہودیوں کے حصار میں بے آبرو ہونے سے بچایا ہے۔ میں پرائی بیٹیوں کی عزتوں کا محافظ بنتا رہوں گا۔"

میں نے اسے بتایا کہ کافور خان ضلع مردان کے ایک دور افتادہ گاؤں جرگہ میں رہتا ہے۔ آئی جی نے ریسیور اٹھا کر مردان کے ایک پولیس افسر سے رابطہ کیا۔ پھر اس سے کہا "میں ہدایت اللہ بول رہا ہوں؟"

اس نے کہا "السلام علیکم سر! میرے لائق کوئی خدمت؟"

آئی جی نے کہا "جرگہ میں ایک زمیندار کا نام کافور خان ہے۔ کیا اسے جانتے ہو؟"

"جی ہاں، اچھی طرح جانتا ہوں۔ کافور خان ان مجرموں کی فہرست میں ہے جن پر ہم ہاتھ نہیں ڈال سکتے، کیونکہ اس کا تعلق علاقہ غیر سے ہے۔"

میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی سے کہا "آپ اس سے نورزمان کی باتیں نہ کریں۔ میں اس کے دماغ میں جا رہا ہوں۔"

میں اس پولیس انسپکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ دوسری طرف آئی جی کہہ رہا تھا "ٹھیک ہے۔ جب کافور خان کا تعلق علاقہ غیر سے ہے تو میں پولیٹیکل ایجنٹ سے بات کروں گا، شکریہ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ انسپکٹر نے بھی مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ کر سوچا "پولیٹیکل ایجنٹ کافور خان کا کیا بگاڑے گا۔ کافور خان کی پہنچ بہت دور تک ہے۔"

وہ درست سوچ رہا تھا۔ علاقہ غیر ایک آزاد علاقہ ہے۔ وہاں کے آزاد قبائلی کسی کے محکوم نہیں رہتے۔ کسی ملک کے قانون کو نہیں مانتے۔ حکومت پاکستان کو ان قبائلیوں سے یا ان قبائلیوں کو حکومت پاکستان سے کوئی شکایت ہو یا کوئی باہمی مسئلہ حل کرنا ہو تو ان کے درمیان ایک پولیٹیکل ایجنٹ ہوتا ہے۔ وہ ملے کراتا ہے۔ یہاں کے پولیس والے وہاں پناہ لینے والے کسی مجرم کو گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔

کافور خان کے جرائم کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ انسپکٹر بادشاہ اس کے خلاف ظاہر ہونے والے ثبوت کو مٹا دیا کرتا تھا۔ اس نے آزادی سے پاکستان میں مردان کے ایک گاؤں جرگہ میں رہتا تھا لیکن وہ دراصل علاقہ غیر کا باشندہ تھا۔ وہاں اس کی قلعہ نما حویلی تھی جہاں حسین عورتوں کی حرم سرا تھی اور تہہ خانے میں قیدیوں کو آہنی سلاخوں کے پیچھے رکھا جاتا تھا۔ وہ ان سے کراتا تھا۔ اس کے ایک سو مسلح ماتحت تھے جو نہایت سنگدل خونخوار تھے۔

انسپکٹر بادشاہ خان کی سوچ نے بتایا کہ کافور خان کے جتنے مقروض تھے۔ ان کے ناموں سے جعلی کاغذات تیار کر کے وہ ہر مقروض کے نام سے حکومتِ پاکستان کی ویلفیئر اسکیم سے پندرہ پندرہ ہزار وصول کر چکا ہے۔ اس رقم سے انسپکٹر پانچ ہزار اور کافور دس ہزار لیا کرتا تھا۔ دونوں اب تک لاکھوں روپے حاصل کر چکے تھے۔ نورزمان کے مرحوم باپ کے نام سے بھی پندرہ ہزار لئے جا چکے تھے اور وہ بے چارہ اس فریب سے بے خبر تھا۔ اسے علم بھی ہوتا تو وہ اتنے بڑے زمیندار اور پولیس والے کا کیا بگاڑ سکتا۔ خود پولیس والے کافور خان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ میں نے آئی جی کو اس معاملے سے الگ کیا۔ یہ جرائم سے بھرپور سلسلہ تھا جس کا قانونی طور پر بھی پولیس سے تعلق نہیں تھا۔ میں انسپکٹر کے ذریعے کافور خان تک پہنچ سکتا تھا اور یہ ارادہ تھا کہ میں اس علاقے میں پہنچوں جہاں لاقانونیت ہر سو تھی اور کسی دوست یا دشمن کو گولی مار دینا ایسا ہی تھا جیسے کھٹمل مارنا ہوتا ہے۔ کوئی پوچھنے اور پکڑنے والا نہیں تھا کہ تم نے انسانی کھٹمل کیوں مارا ہے؟

میں نے معلومات حاصل کیں کہ مردان کے دور افتادہ گاؤں جرگہ تک بس یا کوچ سروس کی گاڑیاں کس وقت روانہ ہوتی ہیں۔ میں نے انسپکٹر بادشاہ خان کو سلا کر اس کے خوابیدہ دماغ میں یہ نقش کیا کہ وہ کل دن گیارہ بجے تک جرگہ پہنچے گا۔

میں نے پارس اور علی تیمور سے باری باری رابطہ کیا۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ دشمنوں سے نمٹ رہے تھے۔ میں آگے چل کر ان کے دلچسپ واقعات پیش کروں گا۔ میں نے نورزمان کو دماغی طور پر غائب کر کے اپنے کمرے میں بلایا۔ میں نے اس کے سوئٹر کے اندر قمیص کی جیب میں اور اس کی دوسری اندرونی جیب میں بارہ ہزار روپے ٹھونس دیئے۔ وہ ہزار ہزار کے نوٹ تھے اس لئے جیبوں میں سما گئے۔ پھر میں نے اسے واپس بھیج دیا۔ وہ ہوٹل کے ایک چھوٹے سے اسٹور روم میں سوتا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر دماغی طور پر حاضر ہوا پھر چونک کر سوچنے لگا "میں ابھی کہاں تھا؟ کیا کر رہا تھا؟"

اس نے میری مرضی کے مطابق جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر چونک کر نوٹ نکالے ہزار ہزار کے نوٹ دیکھ کر وہ بوکھلا گیا۔ ایسے ہی نوٹ اندرونی جیب سے نکلے تو وہ بڑی دیر تک گم صم بیٹھا رہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنی دولت کیا غیب سے اس کے پاس آ گئی ہے۔ وہ انہیں گننے لگا اور گنتے گنتے رونے لگا۔ میرا بھی دل بھر آیا۔ اس پر بڑا پیار آ رہا تھا۔ بے چارہ زندگی میں پہلی بار آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اتنی دولت دیکھ رہا تھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ پورے بیس ہزار غیب سے مل گئے ہیں۔ تو وہ سجدے میں گر کر سبحان ربی الاعلیٰ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے لگا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ کو ہدایات دیں۔ پھر گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔ کسی سے محبت کرو، کسی کے برے وقت میں کام آؤ۔ اسے گرداب سے نکال لاؤ تو جو سچی مسرتیں حاصل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی حاصل ہوتی ہے، وہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ نیکیاں کر کے سونے والا ہی جانتا ہے، اسے کتنی پُرسکون اور گہری نیند آتی ہے۔

رات کے تین بجے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے شیو کیا، غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا۔ پھر اپنی کیس اٹھا کر کاؤنٹر پر آیا۔ کاؤنٹر مین کو اطلاع دی کہ میں جا رہا ہوں۔ پھر ریلوے اسٹیشن کے پاس آیا۔ ایک آرام دہ کوچ کا ٹکٹ لے کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہاں کئی مسافروں کے درمیان نورزمان بھی بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے پچھلے ساڑھے چار برس سے اپنی ماں اور بہن کی صورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ ابتدا میں انہیں یاد کرتے ہی ان سے ملنے کو دل تڑپنے لگتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ صبر آ گیا تھا لیکن اب قرضے سے بھی زیادہ رقم مل گئی تھی۔ بیس ہزار میں نے دیئے تھے اور آٹھ ہزار اس نے محنت مزدوری سے جمع کئے تھے، یہ اٹھائیس ہزار ملتے ہی وہ ماں کی آغوش میں پہنچنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے ماں اور بہن کے لئے کچھ کپڑے اور دوسرے تحفے بھی نہیں خریدے تھے، سوچا تھا کہ راستے میں کہیں بازار پڑے گا تو خرید لے گا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ پرواز کر کے وہاں پہنچ جاتا۔

وہ جس قدر بے چین تھا، اتنا ہی سہما ہوا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ اس کے لباس میں چھپی ہوئی دولت کوئی دیکھ نہ لے۔ آس پاس بیٹھے ہوئے ہم سفر اسے چور ڈاکو لگ رہے تھے۔ وہ جگہ بدلنے کے لئے خالی سیٹوں پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کیا، میں کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا "برادر! آپ مجھے کھڑکی کے پاس بیٹھنے دیں گے؟"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "ضرور یہاں بیٹھو۔"

وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں بیٹھ گیا۔ کھڑکی کے پاس بیٹھنے کا یہ فائدہ تھا کہ اس طرف کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے دوسری طرف میں ہی ایک ہم سفر تھا۔

پچھلی رات سے اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ اتنی بڑی رقم ملنے کے بعد اس کے اندر ہلچل سی پیدا ہو گئی تھی۔ تجسس بھی تھا کہ اتنی بڑی

رقم اس کی دو جیبوں میں کہاں سے آگئی؟ بس اتنا ہی سمجھ میں آیا کہ اللہ چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے۔ آج اسے بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ خداوندِ کریم جسے دیتا ہے۔ اسے دینے کے لئے کسی کو ذریعہ بناتا ہے۔ نورزمان اور اس کی ماں بہن کو مشکلات سے نکالنے کے لئے اس معبود نے مجھے ذریعہ بنا دیا تھا۔

جب گاڑی چلنے لگی تو تازہ ہوا کے جھونکوں سے اسے نیند آنے لگی لیکن وہ سونا نہیں چاہتا تھا۔ دل میں خوف سمایا ہوا تھا کہ آنکھیں بند کرے گا تو کوئی تمام رقم چرا کر لے جائے گا۔ یہ خوف ہوٹل میں بھی قائم رہا' اس لئے وہ جاگتا رہا تھا۔

میں نے آہستہ آہستہ اسے تھپکی تھپکی کی لوری سنا کر سلا دیا۔ خوابیدہ شخص نصف مردہ ہوتا ہے۔ یہ عارضی موت تمام فکروں اور اندیشوں سے نجات دلا دیتی ہے۔ فکر اور اندیشے آدمی کو سونے نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں جسے نیند آجائے' وہ بہت خوش نصیب ہوتا ہے۔ نورزمان خوش قسمتی کی آغوش میں مزے سے سو رہا تھا۔

سفر بڑے سکون سے جاری تھا۔ کئی گھنٹوں کے بعد گاڑی مردان کے ایک اسٹاپ پر رکی' ڈرائیور نے بتایا۔ گاڑی وہاں سے آدھے گھنٹے بعد روانہ ہوگی۔ میں نے نورزمان کو جگایا۔ وہ ہڑبڑا کر دونوں ہاتھوں سے لباس کے اندر ٹٹولنے لگا۔ جب اسے اطمینان ہوا کہ رقم موجود ہے تو اس نے مجھ سے کہا "میں اتنی دیر تک سوتا رہا۔ ہم مردان ضلع میں پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے کہا "آؤ کچھ کھالو۔"

میں گاڑی سے باہر آگیا۔ وہ بھی باہر آکر بولا "آپ کھانے کے لئے جائیں' میں کچھ خریداری کروں گا۔"

وہ دوسری طرف چلا گیا۔ میں کھانے کے لئے ایک ہوٹل میں آگیا۔ کھانے کے دوران نورزمان کے پاس جاتا آتا رہا۔ وہ ماں کے لئے سادے کپڑے اور بہن کے لئے رنگین کپڑے اور نقلی زیورات خرید رہا تھا۔ خوشی کے مارے اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔ گاڑی کی روانگی کا بھی وقت ہوچکا تھا۔ وہ تمام سامان لے کر اپنی سیٹ پر جاکر بیٹھ گیا تھا۔ میں دو پراٹھے اور انڈوں کا آملیٹ بنوا کر لے آیا' اس کے پاس بیٹھ کر بولا "شاوا بھئی شاوا۔ بڑی خریداری کی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا "پورے ساڑھے چار برس کے بعد گھر جا رہا ہوں' اس لئے گھر والوں کے لئے کچھ خرید لیا ہے۔"

میں نے کاغذ میں لپٹے ہوئے پراٹھے پیش کئے "لو انہیں کھالو۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولا "شکریہ برادر! میں نے کھا لیا ہے۔"

"میں نے بھی پیٹ بھر کر کھا لیا ہے۔ تم نہیں کھاؤ گے تو یہ ضائع ہو جائیں گے۔"

کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو اس کی بھوک بڑھا رہی تھی۔ میں نے اس کے اندر پہنچ کر اسے کھانے پر مائل کیا۔ وہ بے اختیار میرے ہاتھوں سے پراٹھے لے کر کھانے لگا۔ وہ جھینپ رہا شرما رہا تھا لیکن کھاتا جا رہا تھا۔ حیران ہو رہا تھا کہ ایک اجنبی پراٹھے لے کر کیوں کھلا رہا ہے؟

اس نے کھانے کے بعد کاغذ کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا' منہ پونچھتے ہوئے بولا "مجھے شرمندگی ہے' میں نے آپ کا کھانا کھالیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے لئے ہی لایا تھا۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"جرگہ تک جانے کا ارادہ ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "وہ میرا گاؤں ہے۔ میں بھی وہیں جا رہا لیکن آپ ادھر کے نہیں لگتے۔ کیا ادھر کوئی عزیز یا دوست ہے؟"

"میرا کوئی نہیں ہے۔ پہلی بار جا رہا ہوں۔ شہری ہنگاموں سے بیزار ہوگیا ہوں۔ سنا ہے وہ بہت پُرسکون علاقہ ہے۔"

"میرا گاؤں بہت خوب صورت ہے۔ پہاڑ' آبشار' دریا اور طرح طرح کے رنگ برنگے پھولوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے زمین پر اتر آئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو جنت نہ لگے لیکن بستی ہے' میرے جذبات ہیں۔ آپ وہاں میرے مہمان رہیں گے۔"

"نہیں' میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔"

"برادر! اس علاقے میں کسی پٹھان سے یہ نہ کہنا کہ بوجھ ہوتا ہے۔ وہ گولی مار دیں گے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں تمہارے ہاتھوں سے گولی کھا کر مرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے تمہاری میزبانی قبول ہے۔"

"شکریہ برادر! ہماری بستی میں قہوہ خانہ ہے مگر کھانے کا ہوٹل نہیں ہے۔ وہاں آپ کو کسی نہ کسی کا مہمان بن کر رہنا خدا کا شکر ہے آپ مجھے مل گئے۔ مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔"

ہم جرگہ پہنچ گئے۔ یوں تو میں راستے میں خوب صورت دیکھتا آیا تھا لیکن جرگہ کا حسن منفرد تھا۔ آنکھیں ہر طرف تھیں اور دیکھ دیکھ کر جی نہیں بھرتا تھا۔ وہ علاقہ قدرتی حسن جس قدر مالا مال تھا اسی قدر وہاں کے لوگ غریب' مجبور اور تھے۔ دور دور تک مٹی یا لکڑیوں سے بنے ہوئے چھوٹے کچے مکانات دکھائی دے رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی کی بلندی پر ایک پختہ حویلی نظر آرہی تھی۔ حویلی کے اطراف اونچے مچان بنے ہوئے تھے۔ ہر مچان پر دو مسلح پہرے دار ہوئے تھے جو وہاں سے دوستوں اور دشمنوں کو دور سے آتے دیکھ سکتے تھے۔

نورزمان نے ادھر انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ خان کی حویلی ہے۔ ظالم سے خدا سمجھے گا۔"

وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا سے بولتا جا رہا تھا "آج میرا پورا کنبہ قرضے کی لعنت سے

حاصل کرلے گا۔ میرے بابا کی روح کو سکون ملے گا۔ ظالم خان نے میرے بابا کو فکر اور پریشانیوں میں مبتلا کرکے مار ڈالا تھا۔"

اس نے بستی کے ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اوئے دلدارا! میرے کو شناخت کر۔ ام تیرا بچپن کا یار ہے' نورزمان۔"

دلدار نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا "اوئے زمان! تو اونٹ کی طرح لمبا ہوگیا ہے۔ پہچانا نہیں جاتا ہے۔"

"وقت نے ہم سب کو بدل دیا ہے۔ ان سے ملو' یہ میرے مہمان ہیں۔"

دلدار نے مجھ سے مصافحہ کیا پھر کہا "زمان! تیری ماں خانِ اعظم کی حویلی میں ہے۔ تو جانتا ہے اسے آدھی رات سے پہلے چھٹی نہیں ملے گی۔"

نورزمان نے کہا "میں گھر جاکر پہلے بہن سے ملوں گا۔ پھر سامان رکھ کر ماں کے پاس حویلی میں جاؤں گا۔ آج خانِ اعظم کا قرضہ اتار دوں گا۔"

"تو پھر خدا کا واسطہ پہلے قرضہ اتار دے۔ تیری بہن گھر میں نہیں' خانِ اعظم کی بڑی حویلی میں ہے۔"

"کیا بولتا ہے دلدارا؟"

"سچ بولتا ہوں۔ تیرے یہاں سے جاتے ہی خانِ اعظم نے کہا' تیری ماں کسی دن تیری بہن کو بھی یہاں سے بھگا دے گی۔ اس لئے اسے ضمانت کے طور پر قید کرلیا ہے۔ وہ علاقہ غیر کی بڑی حویلی میں ہے۔"

"میری بہن کو اس نے علاقہ غیر میں پہنچا دیا ہے۔ نہیں' میں اسے آج ہی واپس لاؤں گا۔"

وہ غصے' جوش اور جنون میں مجھے بھول گیا۔ دوڑتا ہوا حویلی کی طرف جانے لگا۔ میں نے اس کے پیچھے جاتے ہوئے اسے کنٹرول کیا' اس کی سوچ میں سمجھایا "مجھے ہوش میں رہ کر یہ سمجھنا چاہئے' کافور خان کتنا سنگدل قصائی ہے۔ اس کے خونخوار پہرے دار مجھے گولیوں سے چھلنی کردیں گے۔"

اس نے کہا "میں اپنی جان دے دوں گا۔ وہ میری بہن کو اس بڑی حویلی میں لے گیا ہے' جہاں سے کوئی لڑکی واپس نہیں آتی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں زندہ رہوں گا اور عقل سے کام لوں گا تو گل جاناں عزت و آبرو سے واپس آئے گی۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا' سوچوں میں گم پہاڑی کے دامن تک آیا۔ وہاں ایک کیبن میں دو مسلح گارڈز تھے۔ ایک نے باہر آکر پوچھا "کون ہو تم؟ ادھر کیوں آئے ہو؟"

"میں نورزمان ہوں۔ میری ماں سیدی باؤ حویلی میں خدمت گار ہے۔ میں اپنی ماں اور خانِ اعظم سے ملنے آیا ہوں۔"

میں اس گارڈ کے اندر پہنچ گیا۔ وہ کیبن کے اندر آیا۔ دوسرے گارڈ نے پوچھا "یہ دونوں کون ہیں؟"

گارڈ نے اونچی آواز میں پوچھا "نورزمان تیرے ساتھ کون ہے؟"

"میرا معزز مہمان ہے۔"

گارڈ نے ریسیور اٹھا کر پہاڑی کی نصف بلندی پر تعمیر کی ہوئی حویلی میں کسی سے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ نورزمان اپنی ماں اور خانِ اعظم سے ملنا چاہتا ہے' دوسری طرف سے کہا گیا "انتظار کرو۔"

میں حویلی کے اندر انتظار کرانے والے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کافور خان کا دستِ راست تھا۔ اس نے انٹرکام کے ذریعے کافور خان کو مخاطب کیا۔ پھر کہا "سیدی باؤ کا فرزند نورزمان اپنے ایک مہمان کے ساتھ آیا ہے۔ وہ آپ سے اور سیدی باؤ سے ملنا چاہتا ہے۔"

کافور خان کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی "وہ خنزیر کا بچہ اتنے برس بعد آیا ہے۔ کیا قرضے کی رقم لایا ہے؟"

"میں نے یہ نہیں پوچھا ہے۔ ابھی پوچھتا ہوں۔"

"تم ریسیور رکھ دو۔ میں بات کرتا ہوں۔"

کافور خان نے ریسیور اٹھا کر نیچے کیبن کے گارڈ سے کہا "اس سے معلوم کرو۔ کیا وہ قرضہ ادا کرے گا؟"

میں کافور خان کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا "اگر وہ شہر سے اچھی کمائی کرکے آیا ہے تو قرضہ ادا کردے گا۔ بڑی گڑبڑ ہوگی۔ چھوٹا خان' گل جاناں پر عاشق ہوگیا ہے۔ اس کے جوان ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ حرم سرا کی لیڈی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ گل جاناں کے لئے اور دو برس انتظار کرنا ہوگا اور یہ نورزمان ادائیگی کے لئے آگیا ہے۔"

ریسیور سے گارڈ کی آواز سنائی دی "جنابِ عالی! یہ ابھی پورے بیس ہزار ادا کرے گا۔"

وہ غرا کر بولا "ہوں' اسے آنے دو۔"

اس نے پوچھا "مہمان کے لئے کیا حکم ہے؟"

وہ مجھے حویلی کے اندر بلانا نہیں چاہتا تھا لیکن میری مرضی سے بولا "کیا ہماری قوم کی روایت نہیں جانتے ہو۔ بستی میں آنے والا سب کا مہمان ہوتا ہے۔ اسے بھی آنے دو۔"

کیبن کے ایک گارڈ نے باہر آکر ہم سے کہا "اوپر چلو۔"

میں گارڈ اور نورزمان کے ساتھ پہاڑی راستے پر چڑھتے ہوئے دور دور تک دیکھنے لگا۔ وہاں کی ایک ایک جگہ کو ذہن نشین کرنے لگا۔ بلند مچانوں پر گن مین نظر آرہے تھے۔ پہاڑی راستے کے ہر موڑ پر ایک کیبن تھا۔ گویا وہ چیک پوسٹ کے طور پر بنائے گئے تھے۔ گارڈ نے ہمیں پہلے چیک پوسٹ تک پہنچایا۔ وہاں ہماری جامہ تلاشی لی گئی۔ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میرے پاس بیس ہزار اور نورزمان کے پاس ستائیس ہزار چھ سو روپے تھے۔ چیکنگ کے دوران پہاڑ کے دامن سے ایک قیمتی مرسڈیز کار آرہی تھی اور

حویلی کی طرف جارہی تھی۔ ایک گارڈ نے کہا "ایک طرف ہو جاؤ۔ مرجینا خانم آرہی ہیں۔"

یہ معلوم ہوا کہ مرجینا خانم' کافور خان کی چھوٹی بہن تھی اور وہ چھوٹا خان جو گل جاناں پر عاشق تھا' وہ کافور خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ مرجینا کی گاڑی چیک پوسٹ پر آکر رک گئی۔ اگرچہ وہ ان زمینوں کی مالک تھی۔ کافور خان کی بہن تھی لیکن خود کافور خان کی گاڑی کو بھی آتے جاتے چیک کیا جاتا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی دشمن گاڑی میں ٹائم بم وغیرہ چھپا کر رکھ سکتا ہے۔

مرجینا چیکنگ کے دوران کار سے باہر آگئی۔ وہ جتنی حسین تھی' اتنی ہی قد آور اور بھرپور تھی۔ اجلے چمکتے چہرے پر سیب کی سرخی تھی۔ اس نے آنکھوں پر سے سیاہ گوگلس اتارتے ہوئے چیک پوسٹ کے پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو ایسی حقارت سے دیکھا جیسے کیڑے مکوڑوں کو دیکھ رہی ہو۔

اس کی نظریں مجھ پر سے گزرتی ہوئی دوسری طرف جانا چاہتی تھیں۔ لیکن میری شمع بینی کی مقناطیسی نگاہوں نے اس کی نگاہوں کو جکڑ لیا۔ وہ جسے اپنے برابر نہیں سمجھتی تھی اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ وہ مجھے بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن میری آنکھوں کی مقناطیسیت سے آزاد نہیں ہو رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے روبرو آگئی۔ اس کی آواز میں مالکانہ رعب اور دبدبہ ہوتا تھا لیکن اس نے زبان کھولی تو آواز ڈوبنے لگی۔ وہ پھنسی پھنسی سی سرگوشی میں بولی "کون ہو تم؟"

میں نے اس کے اندر کہا "وہی ہوں جس کے لئے تم سوچتی ہو لیکن جسے تم سمجھ نہیں پاتی ہو۔"

پھر میں نے زبان سے کہا "میرا نام ارسلان ہے۔ میں اس نوجوان نورزمان کا مہمان ہوں۔ خانِ اعظم سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔"

میں نے اس پر سے اپنی نگاہیں ہٹالیں۔ مقناطیسی طلسم ٹوٹ گیا۔ مرجینا نے چونک کر آس پاس دیکھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ یہ سوچ کر اسے غصہ آرہا تھا کہ ایک اجنبی کی آنکھوں میں گم ہو گئی تھی۔

وہ تیزی سے پلٹی اور کار میں جاکر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "ارسلان کو دیکھو۔"

دولت اور دنیا والے اس کے محکوم تھے لیکن وہ دماغ کی محکوم تھی۔ اس نے بے اختیار مجھے دیکھا۔ پھر کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھ گئی۔ ذرا دور جاکر اس نے میری مرضی کے مطابق کار روکی۔ کھڑکی سے جھانک کر مجھے دیکھا۔ وہ مجبور ہو کر سوچنے لگی "میں اس کی طرف کھنچی جارہی ہوں۔ سنا تھا کہ ہزار سخت مزاجی کے باوجود دل کسی ایک کے لئے پاگل سا ہو جاتا ہے۔ کیا میں دیوانی ہو رہی ہوں۔ خواہ مخواہ گاڑی روک کر اسے دیکھ رہی ہوں۔ یہ ملازم گارڈز وغیرہ کیا سوچتے ہوں گے۔"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا۔ ایک گارڈ نے کہا "ادھر جاؤ' خانم بلاتی ہیں۔"

میں نورزمان کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا' یہ معلوم کرچکا تھا کہ دونوں بھائیوں نے اسے تعلیم کے لئے لندن بھیجا تھا۔ وہ پچھلے برس واپس آئی تھی۔ میں نے انگریزی میں کہا "دل کی بات زبان پر نہ لائی جائے تو اندر گھٹن بڑھ جاتی ہے۔"

وہ بھی انگریزی میں بولی "یہ اچھا ہوا کہ تم یہ زبان بولتے ہو۔ ورنہ میں ادنیٰ لوگوں کے سامنے دل کی بات نہ کہہ پاتی۔ تم نے پہلی ملاقات میں نہ جانے کیا جادو کردیا ہے۔"

"میں جادوگر نہیں ہوں اور نہ ہی عاشق مزاج ہوں۔ مجھے کوئی عورت متاثر نہیں کرتی۔"

"یعنی مجھ میں متاثر کرنے والی خوبیاں نہیں ہیں۔ تم میری توہین کررہے ہو۔"

"میں تمہارے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ بھلا پہلی ملاقات میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ تم میں کتنا کرنٹ ہے۔"

"میں تمہیں بتاؤں گی کہ کیسے کرنٹ مارتی ہوں۔ اگلی سیٹ پر بیٹھو۔"

"میرا دہقان میزبان بھی بیٹھے گا تو تمہاری برتری کو ٹھیس پہنچے گی۔"

وہ بولی "یہ گاڑی کے پیچھے دوڑتا ہوا آئے گا۔ اس کی اوقات یہی ہے۔"

"اس کی اوقات اتنی اونچی ہے کہ تم اس کے مہمان کے لئے گاڑی سے اتر کر زمین پر آگئی ہو۔"

"تم میری انسلٹ کررہے ہو۔ جانتے ہو تمہارا انجام کیا ہوگا؟"

"کوئی اپنا انجام نہیں جانتا۔ تمہیں بھی اپنے انجام کی خبر نہیں ہے۔"

وہ غصے سے کار کے اندر گئی۔ ڈیش بورڈ کے ایک خانے کو کھول کر بھرا ہوا ریوالور نکالا۔ اس کا خیال تھا مجھے گولی مار دے گی میں مر جاؤں گا تو اس کے اندر سے میرا تاثر اور میرا جادو بھی ختم ہو جائے گا۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا "وہ مر جائے گا تو میں خالی ہو جاؤں گی۔ اس کی مقناطیسی نگاہیں میری رگ رگ میں لہو کی طرح دوڑ رہی ہیں۔ میں چاہتی ہوں یہ مجھے دیکھتا رہے اور میں گھائل ہوتی رہوں۔"

وہ ڈھیلی پڑ گئی۔ ریوالور کو واپس رکھتے وقت اس کی سوچ نے کہا "آہ! کیا کروں۔ میرا دل اسے مانگتا ہے۔"

وہ فوراً ہی کار اسٹارٹ کرکے آگے چلی گئی۔ ایک دہقان کو اپنی کار میں نہیں بٹھا سکتی تھی۔ میں نے اس کی انا کو ابھی مجروح نہیں کیا۔ ابھی جو سلوک کرچکا تھا وہ پہلی ملاقات کے لئے کافی تھا۔

نورزمان نے میرے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا "وہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"کہہ رہی تھی میں اس کے ساتھ کار میں بیٹھ جاؤں کیونکہ انگریزی بولتا ہوں تم گاڑی کے پیچھے دوڑتے ہوئے آؤ گے کیونکہ تم قومی اور علاقائی زبان بولتے ہو اور اس سے بہت کمتر ہو۔"

"آپ اس کے ساتھ نہیں گئے۔ یہ بہت برا ہوا۔ وہ خان زادی ہے' اپنی توہین کا بدلہ لے گی۔"

"لینے دو۔ پروا نہ کرو۔"

ہم پہاڑی راستے پر چڑھتے چڑھتے حویلی کے بڑے گیٹ تک پہنچ گئے۔ ایک سیکیورٹی افسر نے ڈیٹیکٹو آلے سے ہمیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔ کسی ہتھیار کی نشاندہی نہیں ہوئی۔ ہم دو سیکیورٹی گارڈز کے پیچھے چلتے ہوئے وسیع و عریض باغ سے گزرتے ہوئے حویلی کے اندر آئے۔ بڑے زبردست حفاظتی انتظامات تھے۔ اس کے باوجود میں ان کے آقا کافور خان کے اندر پہنچا ہوا تھا۔ اگر علاقہ غیر سے نورزمان کی بہن کو واپس لانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں خانِ اعظم کو مٹی چاٹنے پر مجبور کردیتا۔

حویلی کی بیٹھک میں اس کے ملازم نے مجھ سے کہا "تم ادھر بیٹھو اور تم نورزمان میرے پیچھے آؤ۔"

میں ایک ایسی کرسی پر بیٹھا جس کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ کسی نئی جگہ اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔ پیچھے سے دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا۔ میں دستِ راست کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ نورزمان کو اپنے آقا کے پاس لے جارہا تھا۔ ایک راہداری سے گزر کر دوسری تیسری راہداری میں چل رہا تھا۔ حویلی بہت بڑی تھی۔ آقا تک پہنچنے کا فاصلہ بھی بہت تھا۔ آخر وہ ایک بڑی سی خواب گاہ میں پہنچ گئے۔

کافور خان شاہانہ طرز کے پلنگ پر شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ نورزمان نے جھک کر سلام کیا۔ وہ غرا کر بولا "تو ہمیں دھوکا دے کر فرار ہوا تھا۔ تیری اتنی جرات کیسے ہوئی؟"

"خان آقا! میں محنت مزدوری کرنے گیا تھا۔ یہ دیکھئے' میں آپ کے پورے بیس ہزار روپے لایا ہوں۔"

اس نے لباس کے اندر سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر دکھائیں۔ پھر کہا "آج میں قرض ادا کررہا ہوں۔ میری ماں اور بہن کو رہا کردیں۔"

کافور نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا "دور سے رقم کیا دکھاتا ہے۔ ادھر آ اور قرضے کی رقم میرے قدموں میں رکھ دے۔"

وہ دونوں ہاتھوں کی طشتری پر نوٹوں کی گڈیاں رکھے آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا پھر بولا "آقا حضور! یہ رقم قبول کریں۔"

وہ گرج کر بولا "کیا تو نے سنا نہیں' یہ رقم میرے قدموں میں رکھ دے۔"

"معافی چاہتا ہوں آقا! نوٹوں پر ہمارے قائدِاعظم کی

تصویریں ہیں۔ میں انہیں قدموں میں نہیں رکھوں گا۔"

نورزمان کی قائدِاعظم سے عقیدت اور احترام کا جذبہ دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ کافور خان نے ایک طمانچہ رسید کیا۔ نورزمان کا مُنہ گھوم گیا۔ وہ پلٹ کر فرش پر گر پڑا۔ نوٹوں کی گڈیاں اِدھراُدھر بکھر گئیں۔ پھر وہ جلدی سے اٹھ کر گڈیاں سمیٹ کر انہیں ہتھیلیوں کی طشتری میں سجا کر دوبارہ اس کے روبرو آگیا۔

کافور خان نے کہا "میں علاقہ غیر میں رہتا ہوں۔ وہاں بڑے بڑے ملکوں کے کرنسی نوٹ آتے ہیں۔ ان کے سامنے پاکستانی کرنسی کی کیا اہمیت ہے۔"

اس نے دستِ راست سے کہا "شکنجہ خان! اسے ٹھوکر مار کر نوٹوں سمیت ہمارے قدموں میں گراؤ۔"

میں نے دستِ راست شکنجہ کو مائل کیا کہ وہ نورزمان کے پیچھے سے دوڑتا ہوا آکر فلائنگ کک مارے۔ اس نے یہی کیا۔ دوڑتا ہوا آکر فضا میں چھلانگ لگائی۔ میں نے اسی لمحے میں اسے گھمادیا۔ فلائنگ کک کافور خان کے مُنہ پر لگی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے پلنگ پر پہنچ گیا۔ شکنجہ فرش پر اوندھے مُنہ گر پڑا تھا۔ اِدھر کافور خان غصے سے پاگل ہوگیا تھا۔ آج تک کسی نے اسے انگلی نہیں لگائی تھی۔ کجا یہ کہ ملازم نے مُنہ پر لات ماردی تھی۔

اس نے گالیاں دیتے ہوئے تکیے کے نیچے سے بھرا ہوا ریوالور نکالا۔ شکنجہ نے گڑگڑا کر کہا۔

"رحم آقا رحم! میں نے دانستہ....."

اس کی بات پوری نہ ہوسکی۔ کافور خان جنون میں فائر کرتا گیا۔ دستِ راست پہلی ہی گولی میں ٹھنڈا پڑ گیا تھا لیکن وہ ٹھائیں ٹھائیں فائر کرتا گیا۔ یکے بعد دیگرے گولیاں اس کے جسم میں اتارتے ہوئے اپنا غصہ سرد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر خالی ریوالور کھینچ کر اس نے لاش پر مارتے ہوئے گہری سانسیں لینے لگا۔ ایک زخمی درندے کی طرح ہانپنے لگا۔

سیکیورٹی افسر دوسرے گارڈز کے ساتھ دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا اور سیلیوٹ کرکے حیرانی سے دستِ راست کی لاش کو دیکھ رہا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ آقا نے اپنے قابلِ اعتماد دستِ راست کو قتل کیا ہے۔ آقا نے گرج کر کہا "اس نمک حرام کی لاش کو حویلی کے پیچھے کھائی میں پھینک دو۔"

وہ سب لاش اٹھا کر لے گئے۔ دو ملازم خون آلود قالین لپیٹ کر لے گئے۔ دوسرے ملازم نیا قالین لاکر بچھانے لگے۔ اس عرصے میں نورزمان ایک طرف سہما کھڑا رہا۔ کافور خان آنکھیں بند کرکے سوچ رہا تھا "ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے مُنہ پر لات کھائی ہے۔ یہ نورزمان بھی نابود ہوجائے گا تو میری عزت رہ جائے گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے لات کھا کر عقل سے سوچنا چاہئے کہ میں قائدِاعظم کو اور پاکستانی کرنسی کو اپنے قدموں میں لانا چاہتا تھا، مجھے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔"

اس نے عبرت کے نام پر گندی سی گالی دی۔ پھر ریوالور دوبارہ لوڈ کرکے نورزمان سے بولا "رقم اِدھر رکھ دے۔ تیری رقم کل صبح تیرے گھر پہنچ جائے گی۔ تیری ماں حویلی کے پیچھے کام کررہی ہے۔ چل آ، میں تجھے اس سے ملادوں گا۔ تو ماں کے ساتھ پچھلے راستے سے چلے جانا۔"

وہ بولا "آقا! میرا مہمان آپ کی بیٹھک میں ہے۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔"

"اوہ۔ ہاں! میں تیرے مہمان کو بھول گیا تھا لیکن اب وہ مہمان ہے۔ اور جسے میں مہمان بنالوں، کیا اسے تو ساتھ لے جانے کی جرات کرے گا۔"

نورزمان مجھے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے اسے خیال خوانی کے ذریعے جانے پر مجبور کردیا۔ وہ کافور خان کے پیچھے جانے لگا۔ خان نے فیصلہ کیا تھا کہ نورزمان اور اس کی ماں کو پائیں باغ کے راستے جانے دے گا پھر ان پر اپنے پالتو خونخوار کتے چھوڑ دے گا۔

وہ پچھلے حصے میں اس کی ماں کو بلالایا۔ دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے سے لپٹ کر خاموشی سے رونے لگے۔ نورزمان نے کہا "ماں! اب تیری آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے۔ میں نے تمام قرضہ ادا کردیا ہے۔ کل ہماری گل جاناں بھی گھر آجائے گی۔"

میں نے کافور خان کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اسے کتوں کے کمرے کے پاس لے گیا۔ چار بھوکے خونخوار کتے آہنی سلاخوں کے پیچھے غرارہے تھے اور بھونک رہے تھے۔ خان نے چاروں کو گولی ماردی۔ ان کا بھونکنا ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ وہ زیرِ زمین سیل سے باہر آیا۔ سیکیورٹی افسر دوسرے گارڈز کے ساتھ پھر دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ خان نے کہا "واپس جاؤ۔ خطرے کی بات نہیں۔ میں ہوائی فائر کررہا تھا۔"

وہ سب واپس چلے گئے۔ کافور خان حویلی کے پیچھے برآمدے میں آیا..... وہاں ماں بیٹے اس کا انتظار کررہے تھے۔ وہ انہیں ساتھ لے کر پائیں باغ سے گزرتا ہوا پچھلے گیٹ پر آیا۔ ایک گارڈ سے بولا "انہیں بخیریت پہاڑی کے نیچے پہنچادو۔"

ماں بیٹے گارڈ کے ساتھ چلے گئے۔ وہ واپس زیرِ زمین سیل میں آیا۔ میں نے اس کے دماغ کو ذرا سی ڈھیل دی۔ وہ آہنی سلاخوں کے پیچھے مردہ کتوں کو دیکھ کر چونک گیا۔ پھر بڑبڑایا "میرے ان عزیز ترین کتوں کو کس نے گولی ماری ہے؟"

میں نے اسے ریوالور کی طرف متوجہ کیا۔ اس نے چیمبر چیک کیا۔ چھ گولیوں میں سے چار نکل چکی تھیں۔ چیمبر میں صرف دو گولیاں رہ گئی تھیں۔ اسی حساب سے چار کتے مارے گئے تھے پھر بھی وہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کتوں کو ہلاک کیا ہے۔

اسی وقت مرجینا وہاں آئی۔ اس سے بولی "برادر! میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ میں نے دس فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں سیکیورٹی افسر کہہ رہا تھا، تم نے قابلِ اعتماد شکنجہ کو مار ڈالا ہے!"

"ہاں وہ قابلِ اعتماد نہیں رہا تھا۔ اس سے آگے کچھ نہ پوچھنا۔"

مرجینا نے کتوں کو دیکھ کر پوچھا "کیا تم نے...؟"

وہ جھنجھلا کر بولا "کیا تمہاری عقل کہتی ہے کہ جن کتوں سے بے حد محبت کرتا تھا انہیں گولی مار سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ مگر کس نے گولی ماری ہے؟"

"گولیاں میرے ریوالور سے چلی ہیں مگر میں نے فائر نہیں کیا ہے۔"

"کیا تم نے کچھ دیر کے لئے یہ ریوالور کسی کو دیا تھا؟"

"بالکل نہیں، یہ میرے ہاتھ میں تھا۔"

مرجینا نے اسے ایسے دیکھا جیسے بھائی کا دماغ چل گیا ہو۔ وہ بولی "شکنجہ خان نے تمہیں کوئی ذہنی صدمہ پہنچایا ہے۔ میں بچپن سے تمہارا غصہ اور جنون دیکھتی آرہی ہوں۔ کوئی سا بھی ہتھیار استعمال کرتے ہو تو ہوش میں نہیں رہتے ہو۔"

وہ بولا "ہم سب کی رگوں میں چنگیزی خون ہے۔ تم بھی ایک خاص موقع پر جنون میں مبتلا ہوجاتی ہو اور جب ہوش میں آتی ہو تو تمہیں یاد نہیں رہتا کہ جنون میں کیا کچھ کرتی رہی ہو۔"

کافور خان کی سوچ نے بتایا۔ مرجینا کو دلہن بننے کے بعد سہاگ کی سیج پر دورہ پڑتا ہے۔ وہ دوبار دلہن بن چکی ہے۔ پہلی بار اپنے پہلے شوہر کو پھولوں کی سیج پر گولی ماردی۔ دوسری بار دوسرے شوہر کو خنجر سے ہلاک کردیا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے یقین نہیں کیا کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا سہاگ اجاڑ چکی ہے۔ حقیقتاً وہ ایسی کنواری سہاگن تھی کہ جو شبِ عروسی میں کنواری رہ جاتی تھی اور جنون کی حالت میں ایک قتل کرکے کنواری بیوہ بن جاتی تھی۔

مرجینا کا کردار عجیب وغریب تھا۔ میں نے اچھی طرح اس کے چور خیالات پڑھے۔ بار بار پڑھے۔ ہر بار یہی معلوم ہوا کہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے۔ اسے یہ یاد تھا کہ دوبار دلہن بن چکی ہے۔ اور یہ بھی یاد تھا کہ ان دو مقتول جوانوں کو بھی دیکھا ہے جو اس کے دلہا بن کر آئے تھے، اور سہاگ کی سیج پر ابدی نیند سوگئے تھے۔

یہ خیریت ہوئی کہ اس کی شادی دونوں بار اس علاقے سے دور اپنی برادری سے باہر کی گئی تھی۔ اگر برادری میں شادی ہوتی اور دلہا قتل کئے جاتے تو خاندانی عداوتیں بڑھتی جاتیں۔ اپنے ہی قبیلے میں کافور خان کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا۔

کافور خان اور اس کے بھائی بیرم خان عرف چھوٹا خان نے اپنی بہن مرجینا کے علاج میں دولت پانی کی طرح بہائی تھی۔ یورپ اور امریکا کے تجربہ کار ڈاکٹروں سے اور ماہرینِ نفسیات سے معائنہ کرایا تھا۔ ماہرین کا متفقہ فیصلہ تھا کہ مرجینا کے دماغ میں کوئی پُرانی الجھن ہے۔ اس نے شاید بچپن میں چھپ کر کسی دلہن کے ساتھ زیادتی ہوتے اور اس دلہن کو قتل کرتے دیکھا ہے۔ یا اسی قسم کی کوئی فلم دیکھی ہے جو اس کے تحت الشعور میں چھپی ہوئی ہے۔ جب وہ خود دلہن بنتی ہے تو عالمِ جنون میں وہی واقعہ دہراتی ہے۔

ویسے میں نے خیال خوانی کے ذریعے اس کے لاشعور اور تحت الشعور کو اچھی طرح پڑھا تھا، ایسا کوئی فلمی واقعہ اس کی یادداشت میں چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ یقیناً ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئی تھی۔

بہرحال حویلی کے اندر آکر کافور خان کو یاد آیا کہ نورزمان اپنی ماں کے ساتھ کہاں گیا ہے؟ جبکہ وہ ماں بیٹا حویلی کے پچھلے حصے میں تھے۔ اس نے پچھلے گیٹ کے سیکیورٹی گارڈ سے پوچھا "کیا تم نے سیدی بانو اور اس کے بیٹے کو دیکھا ہے؟"

گارڈ نے جواب دیا۔ "آقا! آپ ماں بیٹے کو یہاں لائے تھے۔ مجھے حکم دیا تھا کہ میں انہیں پہاڑی کے نیچے چھوڑ آؤں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی ہے۔"

کافور خان نے سوچتی ہوئی نظروں سے گارڈ کو دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ وہ دل ہی دل میں اعتراف کررہا تھا کہ اس سے کچھ بے تکی حرکتیں سرزد ہورہی ہیں۔ اس نے جنون میں آکر قابلِ اعتماد شکنجہ خان کو قتل کیا تھا۔ اس کے بعد ہی چار کتے مرگئے تھے اور ماں بیٹے زندہ سلامت حویلی سے چلے گئے تھے چونکہ یہ سب کچھ غصے اور جنون سے شروع ہوا تھا اس لئے وہ پریشان ہوکر سوچ رہا تھا کیا بہن کی طرح اسے بھی جنونی دورہ پڑنے لگا ہے؟

مرجینا جو حرکتیں کرتی تھی اسے بعد میں بھول جاتی تھی۔ کافور خان سوچ رہا تھا، میں بھی جو حرکتیں کرتا رہا ہوں انہیں بھولتا رہا ہوں۔ بھائی اور بہن کا خون ایک ہے اور یہ خون اپنی اصلیت دکھا رہا ہے اور اصلیت یہ تھی کہ ان کا باپ جوانی میں نیم پاگل تھا۔ بڑھاپے میں مکمل پاگل ہوکر دماغی اسپتال میں مرگیا تھا۔

باپ کے زمانے سے یہ کڑیاں جوڑتے ہوئے تسلیم کرنا پڑ رہا تھا کہ پاگل باپ کے خون کا کوئی پاگل جراثیم اولاد کے لہو میں بھی چلا آیا ہے اور وہ جراثیم اب انڈے بچے پیدا کررہا ہے اور انہیں بھی جنونی پاگل بناتا جارہا ہے۔

میں نے آہٹ سن کر خیال خوانی ختم کردی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ دروازے کے پردے کے پاس مرجینا کھڑی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی بیٹھک میں داخل ہوکر بولی "میں جانتی تھی تم حویلی میں آکر واپس نہیں جاؤ گے۔"

"کیا تم نے مجھے جانے سے روک لیا ہے؟"

"میرے برادر خانِ اعظم کا حکم ہے کہ پہلی بار آنے والا اجنبی پہلے ہماری حویلی میں مہمان بن کر رہے گا پھر تین دنوں کے بعد بستی کا کوئی بھی شخص اس اجنبی کو مہمان بنا سکتا ہے۔"

میں نے کہا "مہمان نوازی میں دوسروں سے سبقت لے جانا اچھی بات ہے مگر سنا ہے مہمان کے لئے آپس میں جھگڑے بھی

ہوتے ہیں گولیاں بھی چلتی ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تم پر گولی نہیں چلے گی۔ کسی میں اتنی جرات نہیں ہے کہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے... ہماری طرف اسلحہ اٹھانا تو دور کی بات ہے۔ ویسے تم بہت چھوٹے خیال کے آدمی ہو۔ ایک دہقان کے گھر جا رہے تھے۔"

"وہ دہقان میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ ہاں' انسانیت کا رشتہ ہے۔ سفر کے دوران آج ہی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اگر میں اسے چھوڑ کر تمہاری گاڑی میں بیٹھ جاتا تو ایک غریب کا دل ٹوٹ جاتا۔"

"وہ غریب تمہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

"وہ چھوڑ کر نہیں گیا۔ تمہارے بھائی کے حکم نے اسے ساتھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ابھی تم نے ہی کہا تھا کہ اجنبی شخص پہلے اس حویلی میں مہمان رہتا ہے۔"

"یہ میرے لئے اچھا ہوا کہ تمہارے جیسا انگریزی بولنے والا اسمارٹ مہمان آیا ہے۔ میں تنہا بور ہو رہی تھی۔"

ملازم نے آکر بتایا کہ میز پر کھانا چن دیا گیا ہے۔ وہ بولی "مسٹر ارسلان! میں نے دستور کے مطابق مہمان کو چائے یا شربت پیش نہیں کیا کیونکہ یہ لنچ کا وقت ہے۔ کم آن' باقی باتیں کھانے کی میز پر ہوں گی۔"

میں اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا بیٹھک سے نکل کر ایک راہداری میں آیا۔ وہاں سے ڈائننگ روم میں پہنچا۔ حویلی پرانی تھی لیکن جدید قیمتی سامان سے آراستہ تھی۔ ہم میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ مرجینا نے ملازم سے پوچھا "خانِ اعظم کہاں ہیں؟"

"آقا خان نے کہا ہے' بھوک نہیں ہے۔ آپ مہمان کا ساتھ دیں۔"

وہ انگریزی میں بولی "براور بہت پریشان ہے۔ ہم بھائی بہن آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ ایک چھت کے نیچے رہ کر ایک دوسرے کے بغیر ایک لقمہ بھی منہ میں نہیں رکھتے ہیں۔ اگر مائنڈ نہ کرو تو میں براور کو خود بلا کر لاتی ہوں۔"

"بے شک' میں انتظار کروں گا' مجھے خانِ اعظم سے ملاقات کر کے خوشی ہوگی۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر جانے لگی۔ اس کے خیالات کہہ رہے تھے' وہ مجھے گفتگو سے اور ظاہری شخصیت سے اونچے اسٹیٹس کا آدمی سمجھتی ہے۔ اسی لئے میرے سامنے آتی ہے اور اپنائیت سے گفتگو کرتی ہے اور چاہتی ہے غریبوں اور غلاموں کی بستی میں میرے ساتھ کچھ اچھا وقت گزر جائے لیکن چور خیالات کہہ رہے تھے کہ وہ اونچے اسٹیٹس کے لوگوں کو بھی خود سے کمتر سمجھتی ہے' کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ اس کا دل اور دماغ میری طرف جھک رہا تھا۔ اس لئے وہ مجھ سے فری ہو رہی تھی۔

وہ بھائی کے پاس آکر بولی "براور! تم جانتے ہو۔ میں تمہارے بغیر کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ پھر بھی کھانے سے انکار کر رہے ہو؟"

"مرجینا! جب تم پر دورہ پڑتا تھا تو میں پریشان ہو جاتا تھا' اسے بیاری سمجھ کر تمہارا علاج کراتا پھرتا تھا لیکن اب یقین ہے کہ ہم بیمار نہیں ہیں۔ ہمارے پاگل باپ کا خون رنگ ... ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو براور؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ذرا غور کرو۔ جس طرح جنون کی حالت میں تمہیں کچھ یاد نہیں رہتا' اسی طرح مجھے بھی یاد نہیں رہتا۔ یاد نہیں آرہا کہ میں نے کب اپنے کتوں کو گولی ماری اور کیسے غلام ماں بیٹے کو یہاں سے بھگا دیا۔ تم ہوش میں آکر سوچتی ہو سہاگ کی سیج پر دلہا کیسے قتل ہو گیا اسی طرح میں ہوش میں سوچتا ہوں کہ کتے کیسے مر گئے اور غلام کیسے آزاد ہو گئے؟"

"براور! تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ بالکل میری طرح دورہ پڑ رہا ہے لیکن کھانا چھوڑنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ پیٹ بھرتے رہیں یا بھوکے رہیں' باپ کا خون ابال میں آتا رہے گا ہم پر دورے پڑتے رہیں گے۔ ابھی خیریت ہے کہ چھوٹا خان ... ہے۔"

"کب تک محفوظ رہے گا۔ باپ کا خون اس کے لئے مصیبت بنے گا۔"

"میں تعویذ گنڈوں کو نہیں مانتی۔ عامل پروفیسروں کے ... تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا ہمیں کسی بہت بڑے عامل سے رجوع کرنا چاہئے؟"

"کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ علاج کراتے رہنے سے امید رہتی ہے۔"

"ہم اس موضوع پر بعد میں باتیں کریں گے۔ مہمان انتظار کر رہا ہے۔"

"مرجینا! تم اسے بہت لفٹ دے رہی ہو' کیا وہ ہماری ... کا آدمی ہے؟"

"بے شک تمہاری بہن کسی کمتر پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی ہے۔ تم اس سے ایک بار ملاقات کرو۔ اگر وہ ہم سے برتر نہیں تو کمتر بھی نہیں لگتا ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ مرجینا کے ساتھ چلتا ہوا ڈائننگ روم میں آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا' وہ بولی "یہ میرے براور خانِ اعظم کافور خان ہیں۔ یہاں سے علاقہ غیر ... بڑے بڑے چنگیز خان اور ہلاکو خان میرے براور کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور براور! یہ مسٹر ارسلان ہیں۔ خاصے تعلیم یافتہ ہیں۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتی۔"

ہم سب کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے' وہ بولا "کچھ اپنے متعلق بتاؤ۔"

میں نے کہا "میں ایک خانہ بدوش ہوں جبکہ دنیا کے ہر بڑے شہر میں میری محل نما کوٹھیاں ہیں۔ فرانس میں میرا ایک ذاتی طیارہ اور دو ہیلی کاپٹرز ہیں۔ لندن کے لارڈز اور ڈیوک مجھ سے ملاقات کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے سیاست داں کوئی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔"

"تم ایسا کیا کرتے ہو کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ تمہارے مشوروں کے محتاج رہتے ہیں؟"

"میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والا نجومی ہوں۔ سچی پیش گوئیاں کرتا ہوں۔ ایک پیش گوئی کے پچیس ہزار پونڈ وصول کرتا ہوں۔ مجھے صرف دولت مند اور خاندانی لوگ ہی برداشت کرتے ہیں۔"

"کیا تم میرے اور مرجینا کے حالاتِ زندگی بتا سکتے ہو؟"

"کھانے کے بعد ضرور بتاؤں گا۔"

مرجینا نے کہا "تم نے اپنے علمِ نجوم کے متعلق بڑے بڑے دعوے کئے ہیں۔ ایسے دعووں کو ڈینگیں مارنا بھی کہتے ہیں۔"

کافور خان نے کہا "میں جھوٹ اور فراڈ کو برداشت نہیں کرتا۔ اگر تم نے ہمارے ماضی کے حالات غلط بتائے تو میں مستقبل کی پیش گوئی سننے سے پہلے ہی تمہیں گولی مار دوں گا۔"

میں کھانے کی پلیٹ ہٹا کر کرسی کو پیچھے سرکا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا "کوئی غیرت مند پٹھان مہمان کو گولی مارنے کی بات نہیں کرتا۔ اس کا مطلب ہے' میں مہمان نہیں ہوں' صرف ایک نجومی ہوں جس کے علم کی سچائی آزمانا چاہتے ہو۔"

"مسٹر ارسلان! میرے براور کے سامنے طیش میں نہ آؤ۔"

"مجھے غصہ نہیں آتا اور میں خانِ اعظم جیسے اکابرین کو غصہ دکھانے کی حماقت نہیں کرتا۔ میں نے صرف یہ مہمان کی کرسی چھوڑ دی ہے۔ میں اس وقت تک صرف ایک نجومی ہوں' جب تک تم دونوں کی پچھلی زندگی کے حالات نہیں بتاؤں گا تمہارے گھر کا پانی بھی نہیں پیوں گا۔"

کافور خان نے کہا "ہم خاندانی لوگ اپنی غلطی کبھی نہیں مانتے کیونکہ ہماری غلطیاں بھی جائز ہوتی ہیں۔ میں نے مہمان کو گولی مارنے کی بات کہہ کر غلطی کی لیکن جب کہہ دیا ہے تو وہ بات پتھر کی لکیر ہو گئی ہے۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ سچی باتیں بتاؤ۔"

"کاغذ اور قلم منگواؤ اور اپنی صحیح تاریخ پیدائش وغیرہ بتاؤ۔"

اس نے ملازم کو کاغذ قلم لانے کا حکم دیا۔ میں ایک کرسی پر سر جھکا کر بیٹھ گیا اور کافور خان کی پچھلی زندگی کے حالات اس کی سوچ کے ذریعے پڑھنے لگا۔ ملازم نے کاغذ قلم لا کر دیا۔ میں اس پر خان کی تاریخ پیدائش وغیرہ لکھ کر زائچہ بنانے اور اس کے نام کے اعداد و شمار کرنے کے بہانے اس کے مزید خیالات پڑھنے۔ دونوں بہن بھائی اپنی جگہ بیٹھے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے علم کی زبان سننے کے لئے بے چین ... رہے تھے۔

میں نے نظریں اٹھا کر کافور خان کو دیکھا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "تمہارے ماضی کی اکثر باتیں سب کے سامنے بیان نہیں کی جا سکتیں۔ کیا تمہاری بہن کے سامنے بیان کروں؟"

وہ اٹھ کر بولا "میری خواب گاہ میں چلو۔"

میں اس کے ساتھ جانے لگا' مرجینا نے کہا "براور! اگر تم اس کے علم سے مطمئن ہو جاؤ گے تو میں بھی تنہائی میں اپنے حالات معلوم کروں گی۔"

"بے شک مسٹر ارسلان تمہارے پاس بھی آئیں گے۔"

ہم ایک خواب گاہ میں آگئے۔ پھر دو صوفوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے' میں نے کہا "یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ تمہارے لئے کسی کو قتل کرنا معمولی سی بات ہے۔ تم نے اپنی زندگی میں بے شمار قتل کئے ہیں لیکن ایک بھیانک قتل ایسا ہے جس کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ وہ تمہاری زندگی کا پہلا اور آخری قتل ہے جسے تم نے سب سے چھپ کر کیا۔ ورنہ تم کسی سے نہ ڈرتے ہو اور نہ ہی کسی کے سامنے جواب دہ ہو۔"

اس نے مجھ سے پوچھا "جب میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں تو میں نے چھپ کر وہ قتل کیوں کیا؟"

"تم اپنی ماں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اتنی محبت کہ کسی بھی معاملے میں اس کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے اور تم جانتے تھے کہ اس قتل کا علم ماں کو ہوگا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نے ڈر سے نہیں بلکہ ماں کی محبت سے چھپ کر وہ جرم کیا۔"

"تم سچ بول رہے ہو' لیکن ماں کی وفات کے بعد میں اس قتل کو کیوں چھپا رہا ہوں؟"

"تم مرحوم ماں کا عکس اپنی بہن مرجینا میں دیکھ رہے ہو۔ ماں کی تمام محبت بہن کو دے رہے ہو۔ یہ سوچتے ہو' اسے معلوم ہوگا تو وہ تمہیں اپنے باپ کا قاتل سمجھ کر نفرت کرے گی۔ نہ تم اس کی نفرت برداشت کرنا چاہتے ہو نہ اس کا دل توڑنا چاہتے ہو۔ تم نے طے کر لیا ہے کہ جب بات چھپی ہوئی ہے تو چھپی ہی رہے۔"

"تمہارا علم بہت خطرناک ہے۔ تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں اپنے باپ کا قاتل ہوں۔ تمہارا علم یہ بھی کہتا ہوگا کہ میں نے ایسا مجبور ہو کر کیا تھا۔ وہ خطرناک حد تک پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار مجھ پر اور میری ماں پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"تمہارا باپ مستقل پاگل نہیں تھا۔ اس پر کبھی کبھی پاگل پن کا دورہ پڑتا تھا۔ ورنہ وہ نارمل رہتا تھا اور اس نے کبھی تم پر یا تمہاری ماں پر قاتلانہ حملہ نہیں کیا تھا۔"

وہ غصے سے بھڑک کر بولا "کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"تم مجھے سچ بولنے سے روکو گے تو میں زبان بند کرا دوں گا۔ لیکن تم نے وارننگ دی ہے کہ میں ماضی کے سچے حالات نہیں بتاؤں گا تو تم مجھے گولی مار دو گے۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ کیا تمہارا علم اور کچھ سچی

باتیں بول رہا ہے؟"

اب جو سچی بات تھی' وہ بہت کڑوی اور زہریلی تھی۔ جسے وہ جانتا تھا۔ اور یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ دوسرا کوئی جان سکے۔ میرے منہ سے سچائی سن کر وہ غصے سے پاگل ہوجاتا اور اس کی پوری کوشش یہی ہوتی کہ میں وہاں سے زندہ واپس نہ جاؤں۔

میں نے اسے خود ہی سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ سرجھکا کر سوچنے لگا۔ یہ کوئی پینتالیس برس پہلے کی بات ہے۔ منشا خانم کا حسن و جمال پورے علاقہ میں مشہور تھا۔ اس دور کا خانِ اعظم شمشیر خان بھی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے لئے دور تک بدنام تھا۔ کسی کی زمین حاصل کرنے کی ضد کرتا تو پہلے اس کی قیمت لگاتا۔ زمین کا مالک فروخت کرنے سے انکار کرتا تو اسے گولی مار کر اُس کے وارثوں کو دھمکیاں دیتا۔ وہ جان کے خوف سے زمین اس کے نام کردیتے تھے۔

اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا زمیندار زیادہ سے زیادہ زمینیں حاصل کرکے اس سے برتر ہونا چاہتا تھا تو وہ اس زمیندار کو اسی کی زمین میں زندہ دفن کرادیتا تھا۔ پھر اس نے منشا خانم سے شادی کرنے کی ضد کی۔ پتا چلا وہ شمشیر خان کو پسند نہیں کرتی ہے۔ اور شمشیر خان اسے دیکھ کر ہزار جان سے عاشق ہوگیا تھا۔ پہلے اس نے محبت سے اسے سمجھایا "میری شریکِ حیات بن جاؤ۔ میں تمہارے قدموں میں دنیا کی ساری خوشیاں سمیٹ کرلے آؤں گا۔"

وہ بولی "میں دل سے مجبور ہوں۔ تم سے شادی نہیں کروں گی۔"

وہ بولا "میں بھی دل سے مجبور ہوں۔ تمام علاقے میں یہ مشہور ہوچکا ہے کہ میں تمہارے عشق میں گرفتار ہوں۔ اگر میں نے تم سے شادی نہ کی' تمہیں اپنی خانم نہ بنایا تو اس خانِ اعظم کے وقار کو ٹھیس پہنچے گی۔ میری توہین ہوگی اور میں توہین برداشت نہیں کروں گا۔"

وہ بولی "میں بھی کسی کے عشق میں گرفتار ہوں۔ شادی تم سے نہیں' اُس سے کروں گی۔"

"وہ کون ہے؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اس کا نام نہیں بتاؤں گی۔"

خانِ اعظم شمشیر خان نے جب یہ دیکھا کہ وہ نرمی سے حاصل نہیں ہوگی تو اس نے گرمی دکھائی۔ بڑی دھوم دھام سے برات لے کر اُس کے گھر پہنچ گیا۔ پھر منشا بانو کے باپ کے سینے پر بندوق رکھ کر کہا "نکاح قبول نہیں کرے گی تو پہلے تیرا باپ مرے گا' پھر تیرے بھائی بہنوں کی باری آئے گی۔"

منشا خانم نے نکاح قبول کرلیا۔ اس خوشی میں اس کے میکے سے سسرال تک کئی ہزار ہوائی فائر کئے گئے۔ فائرنگ کی آواز تمام رات اس علاقے میں گونجتی رہی۔ علاقہ غیر کی اس سرحد سے اس سرحد کے پار پاکستانی بستیوں میں یہ دھوم مچ گئی کہ خانِ اعظم شمشیر خان' منشا خانم کو جیت کر لایا ہے۔ ان دنوں پاکستان وجود میں آیا تھا۔ جرگہ گاؤں ہندوستانی کہلاتا تھا۔ اس رات وہ بڑی شان سے دلہن کے کمرے میں آیا۔ وہ پھولوں کی سیج پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر بولی "تو اچانک برات لے کر آیا تھا۔ میں اپنے گھر والوں کی سلامتی کے لئے نکاح قبول کرکے آئی ہوں لیکن یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ میں تیرے سوتیلے بھائی امجد خان کے ہونے والے بچے کی ماں ہوں۔"

شمشیر خان پر جیسے بجلی گرپڑی۔ وہ گرج کر بولا "کیا بکواس ہے؟"

"میں بہت پہلے یہ بکواس کرتی لیکن تیرے بھائی نے کہا جب تک وہ دہلی سے واپس نہ آجائے میں اس کا عشق کسی پر ظاہر نہ کروں۔ اب ظاہر کرنے پر مجبور ہوگئی ہوں۔"

اس نے ایک زور کا طمانچہ رسید کیا پھر کہا "میں تیرے میکے والوں کو گولی ماردوں گا۔"

"مجھے میکے سے یہاں آئے ہوئے سات گھنٹے گزر چکے۔ میرا باپ میرے بھائی بہنوں کو لے کر دہلی کی طرف جاچکا ہے۔ سات گھنٹوں میں اس نے نصف فاصلہ طے کرلیا ہوگا۔ تیرے اور تیری بندوق کی گولیاں میرے میکے والوں تک نہیں پہنچ سکیں گی۔"

"میں تیری بوٹی بوٹی کاٹ کر کتوں کو کھلادوں گا۔"

"بے شک تو ایسا کرسکتا ہے مگر مجھے نقصان پہنچانے سے پہلے یہ سوچ لینا۔ تیرا بھائی امجد خان فرنگی توپ خانے کا انچارج ہے۔ وہ تجھے اسلحہ اور بارود پہنچاتا ہے۔ اگر وہ سپلائی بند کردے تو تیرے پاس مغلوں کی صرف تلواریں رہ جائیں گی۔ اگر تو نے مجھے نقصان پہنچایا تو وہ فرنگی توپوں کا رخ تیری حویلی کی طرف کردے گا۔"

خانِ اعظم شمشیر خان آنکھیں پھاڑ کر منشا خانم کو دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار معلوم ہوا کہ بظاہر کمزور نظر آنے والی عورت کتنی ذہین اور فرنگی سیاست سے بھرپور ہوتی ہے۔ اس وقت منشا خانم کی جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو اسے فوراً گولی ماردیتا۔ اپنی توہین برداشت نہ کرتا لیکن وہ مشکل میں پڑگیا تھا۔ پورے علاقے میں مشہور ہوگیا تھا کہ اس نے ایک ضدی حسینہ کو جیت لیا ہے۔ اب اس کمرے سے باہر اپنی شکست کا چرچا برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اپنے سوتیلے بھائی سے دشمنی مول لینا بھی دانش مندی نہ ہوتی۔

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا "امجد خان کے آنے تک یہ بات چار دیواری سے باہر نہ جائے کہ میں تجھے حاصل کرنے میں ناکام ہورہا ہوں۔ میں چھپی ہوئی شکست برداشت کرلوں گا لیکن چرچا عام ہوگا تو میں تجھے اور تیرے یار کو زندہ نہیں چھوڑوں گا خواہ فرنگی مجھے مارڈالیں۔"

دوسرے دن شام کو سوتیلا بھائی امجد خان آگیا۔ اپنے ساتھ لاقہ غیر کے قبائلی سرداروں کو لایا تھا۔ وہ سب ایک بند کمرے میں بیٹھ کر منشا خانم کے مسئلے پر بحث کرنے لگے۔ شمشیر خان کا دعویٰ تھا کہ وہ اسے دنیا والوں کے سامنے دلہن بنا کر لایا ہے۔ اگر وہ دلہن نہ رہی تو اس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ امجد خان کا دعویٰ تھا کہ منشا اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ وہ اپنی عورت اور اپنا بچہ دوسرے کے حوالے نہیں کرے گا۔

ایک بزرگ سردار نے کہا "دونوں کا دعویٰ جائز نہیں ہے۔ امجد خان نے منشا کو بیوی نہیں بنایا۔ اپنی خاندانی روایت کے مطابق داشتہ بنایا ہے۔ وہ شمشیر خان کی بھی دلہن نہیں ہے۔ کیونکہ ایک حاملہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہے لیکن مسئلہ انا کا ہے' عزت کا ہے' غیرت کا ہے۔ دونوں بھائی عقل سے کام لیں۔ آپس میں سمجھوتا کریں اور کوئی کسی کے حق میں دستبردار ہوجائے تو بہتر ہے۔ ورنہ بڑا خون خرابا ہوگا اور نسل در نسل گولیاں چلتی رہیں گی۔"

ایک سردار نے کہا "پہلے امجد خان نے منشا پر قبضہ کیا۔ جو پہلے زمین پر قبضہ کرلیتا ہے' وہی زمین کا مالک ہوتا ہے۔"

دوسرے سردار نے کہا "اور جو اپنی دانائی اور شہ زوری سے زمین چھین لیتا ہے' وہ بھی مالک کہلاتا ہے۔"

تیسرے سردار نے کہا "اس طرح کبھی فیصلہ نہیں ہوسکے گا۔ معاملہ صرف ایک عورت کا نہیں سیاست کا بھی ہے۔ امجد خان بندوق' کارتوس' گولہ بارود شمشیر خان کو پہنچاتا ہے۔ شمشیر خان یہ سامان ہمیں لاکر دیتا ہے۔ ہمارے لئے دونوں بھائی اہم ہیں۔"

امجد خان نے کہا "آئندہ میں تمام اسلحہ براہِ راست تم لوگوں کے پاس پہنچاؤں گا۔ شمشیر خان کو درمیان میں نہیں آنے دوں گا۔"

شمشیر خان نے چونک کر سوتیلے بھائی کو دیکھا۔ اس علاقے میں جو اقتدار اور برتری اسے حاصل تھی وہ کسی حد تک سوتیلے بھائی کی بدولت تھی۔ اسی کے تعاون سے وہ خانِ اعظم کہلاتا تھا۔

اس نے کہا "امجد خان! یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ ہم آپس میں اس مسئلے کو حل کریں گے۔ میں کل صبح تم سے بات کروں گا۔"

تمام قبائلی سردار رات کا کھانا کھاکر رخصت ہوگئے۔ شمشیر خان نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ فی الحال ایسا طریقہ اختیار کرے گا کہ علاقے میں اپنی عزت بھی رہے اور امجد خان مخالفت بھی نہ کرے۔ بھائی بھائی سے راضی رہے۔ پھر کوئی مناسب موقع دیکھ کر وہ کسی دوسرے فرنگی ایجنٹ سے رابطہ کرے گا۔ اس کے ذریعے اسلحہ حاصل کرے گا اور امجد خان کو ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا دے گا۔

اسے راستے سے ہٹانا یوں بھی آسان تھا کہ اس پر پاگل پن کا دورہ پڑتا تھا۔ پورے چاند کی رات کو وہ عجیب سے وحشت اور جنون میں مبتلا ہوجاتا تھا۔ قمری تاریخ کا حساب رکھتے ہوئے وہ پورے چاند کی رات سے پہلے فرنگی آقا سے دو دن کی چھٹی لیا کرتا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو پاگل پن کا انکشاف ہونے پر اسے ملازمت سے نکال دیا جاتا۔

شمشیر خان کو اطمینان تھا کہ کسی نئے فرنگی ایجنٹ سے معاملات طے ہوتے ہی وہ امجد خان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔

اس نے دوسری صبح سوتیلے بھائی سے کہا "اس علاقے میں سرداری کا رعب اور دبدبہ ہے تو سب کچھ ہے۔ ہم ایک دوسرے کے تعاون سے اپنی برتری اور اقتدار قائم رکھتے ہیں۔ اگر ایک عورت کے لئے جھگڑا کریں گے تو ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ جس عورت کے لئے مریں گے وہ کسی اور سے شادی کرلے گی۔"

امجد خان نے کہا "درست کہتے ہو لیکن وہ میری دیوانی ہے۔ اس کی دیوانگی کا اندازہ یوں کرو کہ وہ تم سے نکاح قبول کرکے بھی راضی نہیں ہے اور میں نے اس سے نکاح نہیں کیا پھر بھی وہ مجھ سے راضی ہے۔ میں ہر ماہ دو دنوں کی چھٹی لے کر اس کے پاس رہتا ہوں۔ مجھ پر دورہ پڑتا ہے تو وہ مجھے سنبھالتی ہے۔ ہر طرح میری خدمت کرتی ہے۔ میں اتنی حسین وجمیل خدمت گزار عورت کو نہیں چھوڑوں گا۔"
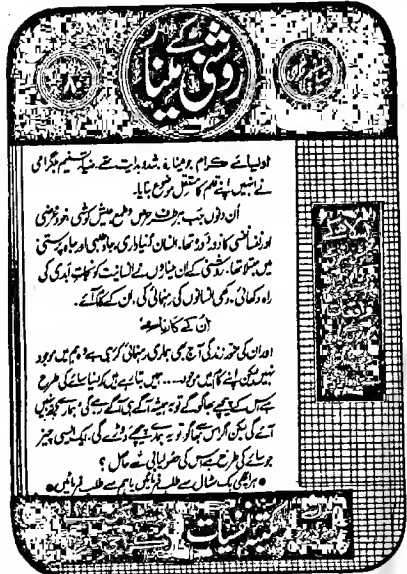
شمشیر خان نے کہا "مجھے اب اس عورت کی طلب نہیں رہی۔ لیکن ساری دنیا کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ میری عورت ہے اور میں اس کا مالک ہوں۔ دنیا یہ نہیں جانتی کہ وہ تمہاری چیز ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو تو دنیا والوں کے سامنے میرے مالکانہ حقوق کا بھرم رہے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"میں تمہاری منشا کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن وہ دنیا والوں کی نظروں میں میری ملکیت بن کر اسی حویلی میں رہے گی۔ وہ تمہاری امانت رہے گی لیکن تم دنیا والوں کے سامنے اسے اپنی ملکیت نہیں کہو گے۔ یہاں کی چار دیواری میں اس سے عشق کرو گے۔ اس طرح وہ ہمیشہ تمہاری رہے گی اور میرے مالک و مختار ہونے کا بھرم بھی قائم رہے گا۔"

فیصلہ ہو گیا۔ منشا نے بھی اس فیصلے کو اس لئے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ امجد خان کے سوا کسی دوسرے سے راضی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس فیصلے کے مطابق اسے شمشیر خان سے نجات مل رہی تھی اور اس کے میکے والوں کی سلامتی کی ضمانت بھی ہو گئی تھی۔

فیصلے پر عمل ہونے لگا۔ سات ماہ کے بعد منشا نے کافور خان کو جنم دیا۔ دنیا والوں کی نظروں میں وہ خانِ اعظم شمشیر خان کا بیٹا تھا۔ وہاں کے رواج کے مطابق اس کی پیدائش پر خوب جشن منایا گیا۔ شمشیر خان نے شادی کی رات ایک ہزار ہوائی فائر کرائے تھے۔ منشا خانم نے اس کے جواب میں بیٹے کی پیدائش پر دو ہزار ہوائی فائر کرائے۔

شمشیر خان عورتوں سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اس نے پھر کبھی شادی نہیں کی۔ اپنی دولت اور جائداد کا وارث پیدا کرنے کے لئے ایک شریکِ حیات لازمی تھی لیکن عورت پر سے بھروسا اٹھ گیا تھا۔ وہ سوچتا تھا جس سے شادی کرے گا وہ بھی منشا خانم کی طرح نہ جانے کس کی اولاد پیدا کرے گی اور اسے شوہر کے نام کرتی رہے گی۔ یہ بہتر تھا کہ وہ منشا خانم سے دھوکا نہیں کھا رہا تھا۔ بھائی کی اولاد کو اپنے نام کر رہا تھا۔ دنیا والے بس نام اور ولدیت دیکھتے ہیں۔ اس کے پیچھے جو تماشے ہوتے ہیں انہیں دیکھ نہیں پاتے۔

اور ایک برس بعد پاکستان وجود میں آ گیا۔ فرنگی بوریا بستر لپیٹ کر چلے گئے۔ امجد خان اپنا بوریا بستر لپیٹ کر منشا خانم کے پاس حویلی میں آ گیا۔ اس دوران اس نے اچھی طرح فرنگی سیاست سیکھ لی تھی۔ ادھر انگریز ملک سے گئے۔ ادھر اس نے روسی ایجنٹوں سے دوستی کر لی۔ قبائلی سرداروں کو روسی اسلحہ سپلائی کرنے لگا۔ ہتھیاروں کے سپلائر کی حیثیت سے اپنی ساکھ برقرار رکھی۔ تمام قبائلی سردار بدستور اس کے حمایتی رہے۔ ان حالات میں شمشیر خان اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

چار برس کے بعد منشا خانم نے بیرم خان کو جنم دیا۔ دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ۔ دو بیٹوں کے باپ بن گئے۔ شمشیر خان ان دنوں بہت بیمار تھا۔ اس نے امجد خان کو بلا کر کہا "ہم سب کو اپنا آخری وقت بھی یاد رکھنا چاہئے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بہت کی۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ تم بھی توبہ کرو، منشا سے شادی کر لو۔"

امجد خان نے کہا "جب تک وہ تمہاری بیوی کہلاتی ہے، میں اسے شریکِ حیات نہیں بناؤں گا۔ کیا یہ ناانصافی کم ہے کہ اولاد میری ہوتی ہے اور نام تمہارا ہوتا ہے۔ میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ اسے بیوی بنانے کے بعد تمہارے نام سے منسوب رکھوں۔"

شمشیر خان کو آخری وقت خدا یاد آ رہا تھا۔ اسے اب یاد آ رہی تھی کہ جو ہو رہا ہے، وہ غلط ہو رہا ہے۔ اپنی غلطی کو سمجھنے کے باوجود وہ اعلان نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کافور خان اور بیرم خان کا باپ نہیں ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات تھی، دنیا والے رہتی دنیا تک اسے بے غیرت کہتے رہتے۔

اس کی بیماری نے طوالت اختیار کر لی۔ پھر اس پر فالج کا حملہ ہوا۔ اس حملے کے بعد وہ بستر کا ہو کر رہ گیا۔ اس کی جگہ امجد خان نے سنبھال لی۔ وہ قائم مقام خانِ اعظم کہلانے لگا۔ مزید پانچ برس کے بعد مرجینا پیدا ہوئی۔ باہر والوں سے کافی عرصے تک یہ بات چھپی رہی تھی کہ شمشیر خان فالج زدہ ہے۔ اس لئے مرجینا کی پیدائش پر کسی نے بات نہیں بنائی لیکن شمشیر خان کی طویل علالت کو زیادہ عرصہ چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔ پھر امجد خان نے اس علاقے کی تاج بادشاہت سنبھال لی تھی۔ لہٰذا اس کے بعد مزید اولاد پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

شمشیر خان منشا کا کچھ نہیں لگتا تھا لیکن اس کی بیماری نے اسے بدنصیب بنا دیا تھا۔ امجد خان اس سے دور رہنے لگا تھا۔ وہ شکایت کرتی تھی "کیا مجھ سے دل بھر گیا ہے؟ کیا میں گیارہ برس میں بوڑھی ہو گئی ہوں؟"

وہ جواب دیتا تھا "برادر فالج زدہ ہے۔ تو میرے بچے پیدا ہو کر اسے باپ کا درجہ کیسے دے گی۔ دنیا والے اندھے اور احمق ہیں۔"

"بچے پیدا کرنا ضروری نہیں ہے۔ تم محبت سے وقت گزارنے کے لئے میرے پاس آ سکتے ہو۔"

"محبت سے وقت گزارتے گزارتے چوتھی غلطی پیدا ہو گئی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے اب میں تمہارے بغیر تنہا رہا کروں گی۔"

"تنہائی کا دکھ مٹانے کے لئے تین بچے کافی ہیں۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ مجھ سے بیزار ہو گئے ہو۔"

"ہاں، بیزار ہو گیا ہوں۔ تمہارے عشق میں الو بن کر زندگی گزار دی۔ اگر کسی سے باقاعدہ شادی کر لیتا تو میرے نام کی اولاد پیدا ہوتی رہتی۔ یہ میری بدبختی ہے کہ میں کسی کا باپ کہلاتا ہوں۔ تم باپ کہلا سکتے ہو۔ اگر تمہارا بھائی مر جائے تو تم اس کی بیوہ یعنی مجھ سے شادی کر سکتے ہو۔ اس کے بعد جو اولاد ہو گی وہ تمہارے نام سے ہو گی۔ کافور خان، بیرم خان اور مرجینا بھی سوتیلے نہیں رہیں گے۔ تمہارے اپنے ہی رہیں گے۔"

"کیا تم چاہتی ہو کہ میں بھائی کو قتل کر دوں؟"

"وہ میرے حقوق مار تا رہا ہے۔ میرے بچوں کی ولدیت کو قتل کرتا رہا ہے۔ آج وہ آدھا مر چکا ہے۔ آدھا اور مار ڈالو گے تو مجھے، تمہیں اور تمہارے بچوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات مل جائے گی۔"

"بکواس مت کرو۔ وہ میرا بھائی ہے۔ ہم سوتیلے ہیں مگر ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ اس کی موت کا خواب نہ دیکھنا اور نہ ہی کوئی سازش کرنا۔ اگر سازشی موت ہو گی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

منشا خانم سمجھ گئی تھی کہ اس کے عاشق کا دل اس سے بھر گیا ہے اور وہ غلط نہیں سمجھ رہی تھی۔ امجد خان نے جب سے خانِ اعظم کی جگہ سنبھالی تھی، تب سے وہ وراثت اور اپنی آئندہ نسل کے متعلق شدت سے سوچنے لگا تھا۔ اسے اولاد کی ضرورت تھی۔ ایسی اولاد کی جو اسے باپ کہے اور دنیا والوں کو معلوم ہو کہ وہ بچے اس کا خون ہیں۔ کافور خان، بیرم خان اور مرجینا خون ہوتے ہوئے بھی پانی تھے۔

منشا خانم کی یہ مراد پوری نہیں ہو رہی تھی کہ شمشیر خان کو جلدی موت آ جائے۔ پھر امجد خان اسے اپنی شریکِ حیات بنا لے۔ اب اسے شریکِ حیات بننے سے زیادہ بچوں کے مستقبل کی فکر تھی۔ اگر امجد خان مستقل طور سے خانِ اعظم بن جاتا اور دوسری شادی کر کے اولاد پیدا کرتا تو وہ اولاد زمین جائداد کی مالک ہوتی۔ منشا کے تینوں بچے معطل خانِ اعظم کی اولاد کہلاتے اور تمام زمین جائداد سے محروم ہو جاتے۔

شمشیر خان دس برس تک بستر سے لگا رہا۔ آخر اسے موت آ گئی۔ کافور خان اکیس برس کا ہو گیا تھا۔ پشاور سے دس جماعتیں پڑھ کر آیا تھا۔ وہ دنیاداری کو اور خاص طور سے وراثت کے جھگڑوں کو خوب سمجھنے لگا تھا۔ منشا اسے پشاور کے پتے پر خط لکھا کرتی تھی اور یہ سبق پڑھاتی تھی کہ تعلیم ضروری نہیں ہے۔ اپنے باپ کے بعد خانِ اعظم بننے کے گر سیکھ کر آؤ۔

وہ باپ کی وفات پر آیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد امجد خان سے خانِ اعظم کی ذمے داریاں واپس لینے کی بات کرنا چاہتا تھا لیکن اسی رات امجد خان پر پاگل پن کا دورہ پڑا۔ وہ پشاور سے پورے انتظامات کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے دیکھا خان چاچا کے پاگل پن کے وقت ماں اسے سنبھال رہی تھی اس سے لپٹ رہی تھی۔ اس کا سر سہلا رہی تھی۔ اسے سینے سے لگا کر سلا رہی تھی۔ کافور خان کے لئے یہ شرمناک حرکتیں تھیں۔

ان حرکتوں پر اس نے غصہ دکھایا تو ماں نے اسے ساری روداد سنائی کہ کس طرح دو بھائیوں کے درمیان اس کی زندگی برباد ہو گئی ہے۔ وہ ایک کی بیاہتا تھی مگر بیوی نہیں تھی۔ دوسرا اس لئے بیوی نہیں بنا سکتا تھا کہ وہ ایک کے نام سے منسوب ہو چکی تھی اس کی بیوی کہلاتی تھی۔

کافور خان کو اپنی ماں کی مظلومیت کا احساس ہوا۔ یوں بھی وہ منشا کو ایک آئیڈیل ماں سمجھتا تھا۔ پرستش کی حد تک اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ محبت میں فریب کھانے کے باوجود وہ امجد خان کو دیوانہ وار چاہتی ہے۔ اس لئے اس نے ماں کی غیر موجودگی میں امجد خان کو ایسا انجکشن لگا دیا۔ جس سے اس کا دماغی توازن اور بگڑ گیا۔

ایک پاگل خانِ اعظم کی ذمے داریاں نہیں سنبھال سکتا تھا۔ کافور خان نے وہ ذمے داریاں سنبھال لیں۔ اس نے ایسی چال چلی کہ کروڑوں روپے کی زمین جائداد کے لئے خون خرابا نہیں ہوا۔ اس نے ایک باپ کو دفن کیا، دوسرے باپ کو پاگل بنا کر ایک کمرے میں قید کر دیا۔ اس پاگل قیدی کے پاس صرف ماں بیٹے جاتے تھے۔ اس نے بیرم خان اور مرجینا کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن بھیج دیا... تاکہ ان بچوں کو ایک پاگل کے لئے ماں کی دیوانگی کا علم نہ ہو۔

وہ ماں کی لاعلمی میں اپنے باپ کو ہر ہفتہ پاگل پن کا انجکشن لگاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں وہ ایک سال سے زیادہ نہ جی سکا۔ منشا کو کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا پاگل عاشق سازشی موت مارا گیا ہے۔ اس کی یاد میں آنسو بہاتے بہاتے ایک دن وہ بھی چل بسی اور یہ سچائی راز میں ہی رہی کہ وہ تینوں ایک پاگل باپ کے بچے تھے۔ دنیا والے ان تینوں کو ولد شمشیر خان ہی کہتے آ رہے تھے۔

میں کافور خان کے دماغ میں تھا۔ وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے علمِ نجوم کی صداقت معلوم کرنے کے لئے وہ مجھ سے اپنے ماضی کے حالات پوچھ رہا تھا۔ اگر میں علمِ نجوم کے حوالے سے یہ سچ کہہ دیتا کہ وہ اور اس کے بھائی بہن ناجائز اولاد ہیں تو وہ اپنی توہین برداشت نہ کرتا۔ میری جان کا دشمن بن جاتا۔ یہ کبھی نہ چاہتا کہ میں اس حویلی سے زندہ واپس جا کر اس کی پیدائش کا بھید کھول دوں۔

اس لئے میں نے اسے خود ہی پچھلی زندگی کے سچے اور کڑوے واقعات یاد کرنے پر مجبور کیا تھا۔ جب اس نے ابتدا سے آخر تک سب کچھ یاد کر لیا تو میں نے اس کے دماغ کو ڈھیل دی۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا "تم سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے میں نے مخاطب نہیں کیا۔ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔"

"ہاں درست کہتے ہو۔ کیا اپنے علم سے میری پریشانی بتا سکتے ہو؟"

"میں پریشانی بھی بتا سکتا ہوں اور اس کا علاج بھی۔ اپنا ہاتھ

دکھاؤ۔"

اس نے ہاتھ بڑھایا۔ میں اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے لگا۔ ہاتھ بہت مضبوط تھا۔ فولادی شکنجہ لگتا تھا۔ آخر ایک سنگدل قاتل کا ہاتھ تھا۔ میں نے کہا "تمہارے ساتھ کچھ عجیب سے حالات پیش آرہے ہیں۔ تم دماغی طور پر غافل ہوجاتے ہو۔ کچھ الٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہو۔ پھر جب ہوش میں آتے ہو تو تمہیں یاد نہیں رہتا کہ غفلت میں کیا کرتے رہے ہو۔"

وہ حیرانی سے بولا "آفرین ہے تم پر اور تمہارے علم پر۔ تم بالکل سچی باتیں بتارہے ہو۔ خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ کیا یہ بیماری ہے؟"

"یہ تو ڈاکٹر بتاسکتے ہیں۔ میرا علم کہتا ہے کہ یہ پاگل باپ کا لہو بول رہا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔"

میں نے انجان بن کر کہا "یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ باپ کے خون کا اثر صرف تم پر کیوں ہوا ہے۔ تمہارے دوسرے بھائی بہن کے ساتھ ایسا نہیں ہے شاید۔"

وہ بولا "تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔ ابھی تم مرجینا کی قسمت کا حال بتانے جاؤ گے تو تمہیں معلوم ہوگا۔ اس پر بھی کچھ ایسا ہی پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے۔ شاید میرا بھائی بیرم خان ابھی محفوظ ہے۔"

"تمہارا بھائی بیرم خان کہاں ہے؟"

"وہ علاقہ غیر میں ہے۔ تم یہ بتاؤ یہ پاگل پن کا دورہ پڑتا رہے گا یا کسی علاج یا طریقے سے ختم ہوجائے گا؟"

"تم مستقبل کی بات پوچھ رہے ہو۔ میں نے تمہیں ماضی کے حالات بتاکر اپنے علم کی سچائی ثابت کردی اور تم سے کہہ چکا ہوں کہ قسمت کا حال بتانے سے پہلے پچیس ہزار پونڈ یعنی پاکستانی دس لاکھ روپے لیتا ہوں۔"

"یہ بہت ہیں، مگر میں دوں گا۔"

"مگر میں نہیں لوں گا۔ تم سے کچھ اور مانگوں گا۔"

"بولو کیا چاہتے ہو؟"

"نورزمان کی بہن گل جاناں کو آج ہی اس کی ماں اور بھائی کے پاس پہنچادو۔ اور انہیں آزادی سے زندگی گزارنے دو۔"

وہ تعجب سے بولا "تم اس معمولی دہقان کے لئے دس لاکھ کا معاوضہ چھوڑ دوگے؟ اُس سے اتنی زیادہ دلچسپی کیوں ہے؟"

"مجھے غریبوں کو عزت دے کر اور جینے کے تمام حقوق دلاکر روحانی مسرتیں حاصل ہوتی ہیں۔"

"میرا بھائی گل جاناں پر عاشق ہوگیا ہے۔ اس کے جوان ہونے کا انتظار کررہا ہے۔ میں اپنے بھائی کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ تم کچھ اور مانگ لو۔"

"میں نے ایک معصوم لڑکی کی عزت و آبرو بچانے کے لئے دس لاکھ روپے مانگنے سے انکار کردیا اور ایسا تمہاری بھلائی کے ل[illegible] بھی کیا ہے۔"

"اس میں میری بھلائی کیسے ہے؟"

"سفر کے دوران نورزمان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ [illegible] نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھیں۔ اس کی قسمت کا حال مع[illegible] کیا۔ پتا چلا اس کی بدقسمتی کے دن ختم ہوچکے ہیں۔ اس کی آزا[illegible] اور خوشحالی کے راستے میں جو بھی رکاوٹ بنے گا، اس پر بلا[illegible] آجائے گا۔"

یہ کہتے ہی میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ درست ہے [illegible] ماں بیٹے کو کتوں سے نچوانا چاہتا تھا مگر کتے مرگئے اور ماں بیٹے [illegible] ہوگئے۔ میں نے اپنے دستِ راست کو حکم دیا تھا کہ وہ نورزمان [illegible] ٹھوکر مارے لیکن وہ ٹھوکر میرے منہ پر پڑی۔ اس نجومی کی [illegible] ایک بات درست ہے؟"

پھر میں نے اس سے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟"

وہ چونک کر بولا "میں تمہاری کسی بات سے انکار نہ[illegible] کرسکتا۔ تم سچی پیش گوئی کرتے ہو۔ میں اپنے بھائی کی ہر ضد [illegible] کرتا ہوں لیکن گل جاناں کو حاصل کرنے کی ضد سے باز رکھوں [illegible] تم یہ بتاؤ، ہم پر جو باپ کے خون کا اثر ہے وہ کیسے ختم ہوگا؟"

"میرے ایک مشورے پر عمل کرتے رہو گے تو کبھی پاگل[illegible] کا دورہ نہیں پڑے گا۔"

"میں عمل کروں گا۔ جلدی مشورہ دو۔"

"پہلے بیرم خان کو فون کرو۔ اس سے دو باتیں کہو۔ ایک [illegible] وہ گل جاناں کو ابھی وہاں سے لے کر روانہ ہوجائے اور [illegible] پہنچے۔ دوسرا یہ کہ تم تینوں بھائی بہن آج سے بلکہ ابھی سے لو[illegible] کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔ اس مشورے پر عمل کرتے رہو[illegible] پاگل باپ کا خون اثر انداز نہیں ہوا کرے گا۔"

وہ فوراً ہی ریسیور اٹھاکر نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولا "بس [illegible] ہی احتیاط کرنے سے ہم محفوظ رہیں گے؟ یہ تو بہت معمولی [illegible] ہے۔ کوئی دوسرا یہ مشورہ دیتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا مگر [illegible] ہو۔"

دوسری طرف رابطہ قائم ہوا۔ اس نے کہا "میں خانِ [illegible] بول رہا ہوں۔ چھوٹے خان کو بلاؤ۔"

وہ انتظار کرنے لگا، پھر بولا "ہیلو چھوٹے خان! میری [illegible] خیریت سے ہو؟"

بیرم خان نے جواب دیا "برادر کی محبت ہے۔ خدا کی [illegible] ہے اور میں خیریت سے ہوں۔ حکم کرو برادر!"

"تم گل جاناں کو لے کر ابھی میرے پاس آؤ۔"

"کوئی پریشانی ہے برادر؟"

"کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میرے حکم پر عمل کرو۔ ابھ[illegible] وقت سے لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ میرا حکم سن کر تم [illegible]

ہورہے ہوگے، یہاں آؤ گے تو حیرانی دور کردوں گا۔ گل جاناں کو عزت سے اور حفاظت سے لاؤ۔"

"تمہارا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں کیسے آؤں۔ ہماری گاڑیاں تو لوہے کی ہیں۔"

کافور خان سوچ میں پڑگیا۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے پوچھا "چھوٹے خان کی پجیرو لوہے کی ہے کیا وہ لوہے پر بیٹھ کر آسکتا ہے؟"

"اس سے کہو گل جاناں کو گاڑی پر بٹھائے اور خود گھوڑے پر آئے اور گھوڑے کی زین سے لوہے کی رکاب ہٹادے۔"

اس نے بھائی کو یہ مشورہ دے کر ریسیور رکھ دیا۔ پھر کہا "میں تمہارے مشورے کو بہت معمولی اور قابلِ عمل سمجھ رہا تھا مگر یہ تو بہت مشکل ہے۔ ہم کسی قسم کا اسلحہ نہیں پکڑ سکیں گے۔ کسی گن کے ٹریگر پر انگلی بھی نہیں رکھ سکیں گے کیونکہ وہ سب لوہے کے ہوتے ہیں۔ ہتھیار نہ پکڑنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کسی بھی دشمن کے سامنے نہتے رہیں گے۔"

"خانِ اعظم! ہم خود اپنے دشمن ہوتے ہیں اور اپنے لئے دشمن پیدا کرتے ہیں۔ میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ جب تک ہتھیاروں سے دور رہو گے، دشمن بھی تم سے دور رہیں گے۔ میری تدبیر آزما کر دیکھو۔ تم دونوں بھائیوں اور بہن پر کبھی پاگل پن کا دورہ نہیں پڑے گا۔"

"برادر ارسلان! خدا قسم تمہاری ہر بات اب ہمارے لئے پتھر کی لکیر بن گئی ہے۔ ہم تمہارے مشورے پر عمل کرتے رہیں گے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "خانِ اعظم! میں نے ابھی تک تمہارے گھر کی روٹی نہیں کھائی ہے۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا، ایک دم سے شرمندہ ہوکر بولا "میں بہت نادم ہوں۔ ابھی یہ خانِ اعظم اپنے ہاتھوں سے کھانا لاکر تمہیں کھلائے گا۔ تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے مرجینا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اسے دوپہر کو کھانے کے بعد سونے کی عادت تھی۔ آج اس نے ارادہ کیا تھا کہ جاگتی رہے گی اور مجھ سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرے گی لیکن وہ ارادہ کرنے کے باوجود سوگئی تھی۔

میں اس کے اندر رہ کر مزید چور خیالات پڑھنا چاہتا تھا ایسے ہی وقت معلوم ہوا کوئی دوسرا خیال خوانی کرنے والا بول رہا ہے۔ جب میں اس کے دماغ میں پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا "میں جارہا ہوں۔ تم نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھول جاؤ گی کہ میں تمہارے دماغ میں آتا ہوں۔"

اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔ وہ شاید چلا گیا تھا۔ مرجینا گہری نیند میں تھی۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ کسی کی معمولہ اور تابعدار ہے۔ اس کا عامل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی سے شادی کرے۔ اس لئے اس نے شادی کی رات اس کا دولہا بن کر آنے والوں کو قتل کرادیا تھا۔ میں اس کے چور خیالات پڑھنے کے باوجود اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کا سراغ نہیں لگاسکتا تھا کیونکہ اس نے تنویمی عمل کے ذریعے اپنے متعلق حاصل ہونے والی معلومات کو دماغ سے مٹادیا تھا۔

اب مرجینا کے دماغ میں اس کی آواز اور لہجہ سنتے ہی میں اسے پہچان گیا تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا، جن دنوں مرینا کے کارنامے عروج پر تھے اور وہ اپنے ہی ملک امریکا کے برین ماسٹر اور بلیک سیکرٹ سے خیال خوانی کے ذریعے ٹکرارہی تھی۔ ایسے وقت اس نے بلیک سیکرٹ کے تین خیال خوانی کرنے والے روکی، جیری ہاک اور باربرا نکسن... کو ٹریپ کیا تھا۔ انہیں تاریک قید خانے میں پہنچایا تھا۔ میں نے ان تینوں کو تاریک قید خانے سے نکال کر اپنے قبضے میں رکھا تھا۔

ہم نے کئی خیال خوانی کرنے والوں کو مرینا کے حوالے کیا تھا تاکہ وہ ہم پر اعتماد کرے اور ہماری ہوجائے۔ میرا ارادہ تھا خیال خوانی کرنے والے روکی، جیری ہاک اور باربرا نکسن... کو بھی اس کے حوالے کردوں گا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ مرینا ہماری نہ ہوسکی۔ اس لئے میں نے ان تینوں کو فرانس پہنچادیا تھا۔ وہ تینوں میرے معمول اور تابعدار تھے۔ میں نے فرانس کے ملٹری انٹیلی جنس کے چیف سے کہہ دیا تھا کہ تینوں کو گھومنے پھرنے کی محدود

آزادی دی جائے اور انہیں ہمیشہ نگرانی میں رکھا جائے۔

میں مہینے میں ایک بار ان پر تنویمی عمل کیا کرتا تھا۔ وہ بدستور میرے معمول اور تابعدار تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کسی کے زیر اثر ہیں۔ ان تینوں میں رو کی پارہ صفت تھا۔ سکون سے ایک جگہ نہیں رہتا تھا۔ اسے ایک ہی جگہ رکھا جائے تو وہ بیزار ہو جاتا تھا۔ وہ ملٹری انٹیلی جنس والوں کی نگرانی میں نہ رہ سکا۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے دماغوں سے کھیلتا ہوا فرار ہو گیا۔ پھر میک اَپ کے ذریعے چہرہ بدل کر پیرس میں آزادی سے گھومنے لگا۔

وہ کئی بار لندن گیا۔ وہاں اس نے مرجینا کو دیکھا تھا اور پہلی نظر میں اس پر مرمٹا تھا۔ اس نے مرجینا سے دوستی کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا کیونکہ وہ سیاہ فام نیگرو تھا اور اتنا محتاط رہتا تھا کہ سرِعام خیال خوانی نہیں کرتا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ خیال خوانی کرتے ہوئے کبھی بدقسمتی سے دشمنوں کی نظروں میں نہ آجائے۔

اس نے رات کے وقت اپنی رہائش گاہ میں بیٹھ کر خیال خوانی کی۔ مرجینا کی سوچ میں کہا "میں نے اس نیگرو کا دل توڑ دیا ہے۔ کیا ہوا اگر وہ ... مگر محبت کرنے والا ہے۔"

مرجینا کی سوچ نے حقارت سے کہا "لعنت ہے ایسے کالے کی محبت پر۔ سیاہ رنگ کو دیکھ کر ابکائی سی آتی ہے۔ میں اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گی۔"

رو کی کو اپنی توہین کا احساس ہوا۔ وہ سمجھ گیا' حسینہ مغرور اور بدمزاج ہے۔ اب تک کسی کالے کو تو کیا' گورے کو بھی منہ نہیں لگایا ہے لیکن جلد ہی ایک خوبرو جوان سے شادی کرنے والی ہے۔

اس نے مرجینا پر تنویمی عمل کیا۔ اس کے دماغ میں یہ نقش کیا کہ وہ کبھی کسی کے ساتھ سہاگ رات نہیں گزارے گی۔ پہلی رات جو دلہا اس کے کمرے میں آئے گا اور اسے ہاتھ لگائے گا تو وہ جنون میں مبتلا ہو کر اسے قتل کرے گی۔ پھر ہوش میں آنے کے بعد قتل کے واقعے کو بھول جایا کرے گی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک وہ شکست تسلیم کرکے رو کی کی سیاہ آغوش میں آنے پر راضی نہیں ہوگی۔

یہ تمام باتیں میں نے رو کی کے دماغ میں جا کر معلوم کی تھیں۔ چونکہ وہ میرا معمول تھا اس لئے میری سوچ کی لہروں کو اس نے محسوس نہیں کیا۔ میں اس معاملے میں اُس سے نمٹنا چاہتا تھا لیکن موقع نہیں ملا۔ کانور خان دو ملازموں کے ساتھ دو بڑی ٹرے میں کھانے کی کئی ڈشیں لایا تھا۔ اس نے پھر شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے کہا "کھاؤ برادر! آج سے تم میرے برادر ہو۔ میں بھی کھانے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

ہم نے کھانا شروع کیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ شہری مہمان ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ کھانے کے وقت خاموش رہتا ہوگا۔ مجھے بھی خاموش رہنا چاہئے۔ یہ مخاطب کرے گا تو میں بولوں گا۔"

وہ خاموش رہا۔ میں اس کے بھائی بیرم خان کے پاس پہنچ گیا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آرہا تھا۔ اس کے پیچھے پجیرو میں گل جاناں پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ مسلح حواری اگلی سیٹوں پر تھے۔

بیرم خان سوچ رہا تھا "میں نے گل جاناں جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔ یوں تو کتنی ہی حسینائیں نظروں سے گزرتی رہی ہیں مگر یہ دل میں سماگئی ہے۔ برادر نے آج تک میری ہر ضد پوری کی ہے۔ پتا نہیں کیوں گل جاناں کو واپس بلا رہا ہے اور اس نے بڑا عجیب سا حکم دیا ہے کہ میں لوہے کو ہاتھ نہ لگاؤں۔ بھلا کیوں نہ لگاؤں؟ یہ حکم سمجھ سے باہر ہے لیکن برادر دن کو رات بولے گا تو میں بھی رات بولوں گا۔ حکم سمجھ میں آئے یا نہ آئے' میں عمل کرتا رہوں گا۔"

وہ آدھا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے یہاں پہنچنے والا تھا۔ وہ بڑے بھائی کانور خان کا فرمانبردار تھا لیکن گل جاناں کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ سوچ رہا تھا' برادر نے اس حسینہ کو واپس لے لیا تو سینے سے دل باہر آجائے گا۔ میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گا۔ برادر کے سامنے بھوک ہڑتال کر دوں گا۔

میں نے کھانا ختم کرتے ہوئے کہا "خانِ اعظم! ہم دونوں کی عادتیں ایک جیسی ہیں۔ کھانے کے دوران خاموش رہتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم آج آئے ہو مگر یوں لگتا ہے۔ جیسے ہمارے ہی گھر اور ہمارے ہی خاندان کے فرد ہو۔ کیا آرام کرو گے؟"

"میں صرف رات کو آرام کرتا ہوں۔ مس مرجینا میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

کانور خان نے ملازم سے کہا "کنیز کو بولو۔ بی بی خانم کو خبر دے' مسٹر ارسلان آرہے ہیں۔"

میں نے مرجینا کے پاس جا کر اسے نیند سے جگا دیا۔ وہ آنکھیں کھول کر چند سیکنڈ تک خاموشی سے چھت کو تکتی رہی۔ وہ تنویمی عمل کے مطابق بھول گئی تھی کہ رو کی اس کے دماغ میں آیا تھا۔ ایک کنیز نے آکر ادب سے کہا "بی بی خانم! جناب ارسلان صاحب آنا چاہتے ہیں۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی' سوچنے لگی "اوہ میں کیسے سو گئی تھی' میں تو ارسلان کا انتظار کر رہی تھی۔"

وہ کنیز سے بولی "مہمان کو یہاں لے آؤ۔"

وہ بستر سے اٹھ کر الماری کے پاس گئی۔ اپنی پسند کا بہترین لباس نکالا۔ پھر باتھ روم میں چلی گئی۔ میں کنیز کے پیچھے چلتا ہوا اس کی خواب گاہ میں آیا۔ کنیز نے کہا "آپ تشریف رکھیں۔ بی بی خانم ابھی آئیں گی۔"

میں ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر اُس کی پچھلی زندگی کے اہم واقعات معلوم کرنے لگا۔ مجھے ان بہن بھائیوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ میں صرف گل جاناں کی آبرومندانہ واپسی اور نورزمان کے گھر والوں کی آزادی اور سلامتی چاہتا تھا۔ جب تک یہ مقصد پورا نہ ہوتا' اس حویلی میں میرا مہمان بن کر رہنا ضروری تھا۔ وہ باتھ روم سے باہر آئی۔ اس نے غسل کیا تھا۔ اس کے گورے اور سرخ چہرے پر شبنم کے موتی چمک رہے تھے۔ اس کا انگ انگ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اس نے گیلے بدن پر لباس پہن لیا تھا۔ وہ لباس کہیں کہیں چپک رہا تھا۔ ایسا منظر دیکھنے والی نگاہیں بھی چپکنے لگتی ہیں۔ وہ مسکرا کر بولی "برادر نے تمہیں گولی نہیں ماری۔ اس کا مطلب ہے تم ماضی کی باتیں اور مستقبل کی پیش گوئی بالکل درست کرتے ہو۔"

"پتا نہیں کس حد تک درست کہتا ہوں۔ یہ تم سن کر ہی فیصلہ کر سکتی ہو۔"

وہ سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "تو پھر سناؤ۔"

"تم دوبار دلہن بن چکی ہو اور دلہا بن کر آنے والے دو جوانوں کو قتل کر چکی ہو۔"

"یہ برادر نے بتایا ہوگا۔"

"تمہارا بھائی یا دوسرے لوگ یہ نہیں جانتے کہ قتل ہونے والوں نے اپنی موت سے پہلے تمہیں سہاگن بنا دیا تھا یا کنواری چھوڑ دیا تھا۔"

وہ تیور بدل کر بولی "آج تک کسی نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔ میری مرضی کے بغیر ہوا بھی مجھے نہیں چھو سکتی۔"

"بے شک تم ہوش و حواس میں رہو تو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا لیکن سہاگ رات میں تم ہوش سے بیگانی رہتی ہو۔ تمہیں یہ خبر نہیں رہتی کہ کسی کو قتل کرتی ہو پھر یہ کیسے خبر ہوگی کہ قتل سے پہلے تمہاری عزت کا قتل ہو چکا ہوتا ہے؟"

پہلے تو وہ اس دلیل پر سوچتی رہ گئی۔ پھر غصے سے بولی "تم مجھے داغ دار کہہ رہے ہو۔"

"اگر دنیا والے تمہارے بھائیوں کے خوف سے ایسا نہیں کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسا سمجھتے بھی نہیں ہیں۔"

وہ اپنی بے عزتی اور توہین کے احساسات سے پھٹ پڑنا چاہتی تھی لیکن میں اُس کے دماغ میں رہ کر اسے کنٹرول کرتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے ارسلان کی باتوں پر غور کرنا چاہئے۔ دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپا کر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم دنیا سے چھپ گئے ہیں۔ دنیا والوں کو ہمارے وہ عیب نظر آتے ہیں' جو ہمیں نظر نہیں آتے۔"

وہ اپنے طور پر سوچنے لگی "یہ درست کہتا ہے۔ لوگ تو یہی سوچتے اور سمجھتے ہوں گے کہ دماغی طور پر غافل رہ کر قتل کرنے والی غفلت میں لٹ بھی جاتی ہوگی۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا' پھر پوچھا "تمہارا علم کیا کہتا ہے؟ کیا مجھ پر داغ لگ چکا ہے؟"

"نہیں۔ تم بے داغ ہو۔"

"کیا مصلحتاً میری تسلی کے لئے بول رہے ہو؟"

"جب میں اپنے علم کی زبان سے بولتا ہوں تو سچ بولتا ہوں۔ میں نے تمہارے بھائی کے سامنے بھی اتنی سچی اور کڑوی حقیقتیں بیان کی ہیں کہ کوئی دوسرا اس کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔"

"تمہاری ایسی ہی بے باکیوں سے میں متاثر ہوں۔"

"تم جانتی ہو کہ تم پر پاگل پن کا دورہ کیوں پڑتا ہے لیکن یہ حقیقت بھائیوں سے چھپاتی ہو۔ تمہیں کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ تمہارا باپ شمشیر خان نہیں بلکہ نیم پاگل امجد خان تھا۔"

وہ بڑی حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا "مائی گاڈ! تمہارا علم بہت خطرناک ہے۔ ہماری پیدائش ایک گالی ہے اور تمہیں اس گالی کا علم ہو گیا ہے۔ کیا تم اس صورت میں اس حویلی سے زندہ جا سکو گے؟"

"زندگی رہی تو چلا جاؤں گا۔ ورنہ سمجھ لوں گا' موت یہاں لائی ہے۔ تم یہ بتاؤ' تمہیں یہ حقیقت کیسے معلوم ہوئی؟"

"میری ماں نے ایک ڈائری میں اپنے حالات لکھے تھے۔ وہ ڈائری میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے اسے پڑھنے کے بعد جلا دیا تاکہ بھائیوں کو اپنے ناجائز ہونے پر غصہ نہ آئے۔"

وہ صوفے پر سے اٹھ گئی۔ اپنے بستر کے پاس گئی۔ پھر تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال کر مجھے نشانے پر رکھتے ہوئے بولی "تم حویلی سے باہر جا کر ہم بہن بھائیوں کے لئے بہت بڑی گالی بن جاؤ گے۔"

"تم مجھے گولی مارو گی تو کانور خان مہمان کو قتل کرنے پر غصہ کرے گا۔"

"میں کہہ دوں گی کہ تم مہمان سے شیطان بن گئے تھے۔ میری عزت پر حملہ کر رہے تھے۔ اس لئے تمہارا کام تمام کر دیا ہے۔"

"میں نے تمہارے بھائی کو پاگل پن سے نجات حاصل کرنے کی ایک تدبیر بتائی ہے' تم بھی سن لو۔ تم تینوں بہن بھائیوں کو لوہے کی کوئی چیز نہیں چھونا چاہئے۔ ورنہ پھر ویسا ہی پاگل پن اور دماغی غفلت کا دورہ پڑے گا۔ ریوالور لوہے کا ہے۔ اسے فوراً پھینک دو۔"

"جان بچانے کے لئے بچگانہ باتیں کر رہے ہو۔"

"میں بچنا نہیں چاہتا۔ آنکھ مارو' مر جاؤں گا۔ ریوالور پھینک دو۔"

اس نے بے اختیار پھینک دیا۔ پھر چونک کر اسے اٹھانا چاہتی تھی' میں نے دماغ پر پوری طرح قبضہ جما لیا۔ ریوالور کے چیمبر سے تمام گولیاں نکال کر پلنگ کے نیچے پھنکوا دیں۔ پھر ریوالور کو قالین پر ڈال کر اُس کے دماغ کو آزاد کر دیا۔

وہ ریوالور پر جھکنے کی پوزیشن میں دماغی طور پر غائب ہوئی تھی میں نے اسی پوزیشن میں حاضر دماغ کیا۔ وہ ذرا سا چونکی پھر ریوالور اٹھا کر میرا نشانہ لیتے ہوئے بولی "یہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اب تم اپنی زندگی سے چھوٹ جاؤ۔"

اس نے ٹریگر کو دبایا۔ پہلے ایک بار پھر بار بار دبایا۔ گولی نہیں نکلی۔ صرف کھٹ کھٹ کی آواز نکلی۔ اس نے حیرانی سے ریوالور کو

دیکھا۔ میں نے کہا "اس وقت تم ہوش میں نہیں ہو۔ جنون میں مبتلا ہو رہی ہو۔"

وہ چیخ کر بولنا چاہتی تھی۔ میں نے چیخنے نہیں دیا۔ وہ آہستگی سے بولی "میں ہوش میں ہوں۔ مجھ پر جنون سوار نہیں ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ جو قاتلانہ حملہ کرنے جا رہی ہوں' یہ بھی تو جنون ہے۔ شاید مجھ پر وہی دورہ پڑ رہا ہے۔"

میں نے اسے اِدھر سے اُدھر ناچنے اور تھرکنے پر مجبور کیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچ رہی تھی کہ واقعی دورہ پڑ رہا ہے۔ میں نے اسے دھیمی آواز میں ہنسنے پر مجبور کیا۔ وہ ہنسنے لگی۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور گر گیا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ میں نے کہا "دیکھو ریوالور کو چھوڑتے ہی تم نارمل ہو گئی ہو۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ ابھی کیسی حرکتیں کر رہی تھیں؟"

"ہاں' کچھ کچھ یاد ہے۔"

"کیا تمہیں یاد ہے کہ ریوالور سے گولیاں نکال کر تم نے پلنگ کے نیچے پھینک دیں۔ پھر خالی ریوالور سے مجھ پر فائر کرنے لگیں۔"

اس نے بے یقینی سے جھک کر پلنگ کے نیچے دیکھا۔ وہاں گولیاں بکھری پڑی تھیں۔ میں نے کہا "تمہیں کچھ یاد آ رہا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "مجھے پتا ہی نہ چلا کہ میں نے کب ایسا کیا۔"

"کیا تمہیں یاد ہے کہ تم مجھ سے آ کر لپٹ گئی تھیں اور ایسی بے حیائی سے بول رہی تھیں کہ تم سن کر خود یقین نہیں کرو گی۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو' میں تمہارے قریب بھی نہیں گئی تھی۔"

"یقین نہ کرو۔ کارتوس پلنگ کے نیچے موجود ہیں اس لئے اپنی اس بے خبری کا یقین کر رہی ہو۔ میری آغوش میں آنے کا کوئی فوٹو گراف نہیں ہے اس لئے میں اس پر بحث نہیں کروں گا۔ تمہیں سمجھایا تھا کہ لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤ۔"

وہ جھنجھلا کر بولی "کیا یہ کوئی ٹونا ہے؟"

"میں صرف ستاروں کی چال کے مطابق کہہ رہا ہوں۔ جو منحوس ستارہ تمہارے باپ پر اثر انداز ہو رہا تھا' وہی تم بہن بھائیوں پر اثر کر رہا ہے۔ اس نحوست سے کچھ روز بعد نجات مل جائے گی۔ جب تک نجات نہ ملے تب تک لوہے کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ کیونکہ منحوس ستارے کی شعاعیں براہ راست لوہے پر پڑتی ہیں۔"

"میں مانتی ہوں۔ تم بہت بڑے نجومی ہو۔ تم نے برادر کو مطمئن کیا ہے۔ میں بھی مطمئن ہوں لیکن تم ہمارے غلط خاندانی شجرے سے واقف ہو گئے ہو۔ تم یہاں سے جا کر ہماری پیدائش پر کیچڑ اچھالو گے۔"

"میں ایسا نہیں کروں گا لیکن تم مجھ پر بھروسا نہیں کرو گی۔ لہٰذا میرے خلاف جو کرنا چاہتی ہو' وہ کرو۔"

وہ سوچنے لگی۔ میں بھی سوچ کے ذریعے اسے اپنی طرف مائل کرنے لگا۔ وہ مجھ پر بھروسا کرنے پر مجبور ہونے لگی۔ یہ دیکھ چکی تھی کہ مجھے گولی نہیں مار سکے گی اور دوسری بار لوہے کو ہاتھ لگا کر ڈانس کرنے اور میری آغوش میں آنے کی حماقت نہیں کرے گی۔

اس نے پوچھا "پیش گوئی کرو۔ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والی ہوں؟"

"تم اپنی اور خاندان کی بہتری کے لئے مجھ پر بھروسا کرو گی۔ تمہارا دل میری طرف مائل ہو رہا ہے مگر تم انکار کر رہی ہو۔ اس کمزور انکار پر قائم نہیں رہ سکو گی۔ تمہارا دل مجھے مانگ رہا ہے۔"

"تم پیش گوئی میں اپنی خوش فہمی بھی شامل کر رہے ہو۔ تم آسمان کے چاند کو چھو سکتے ہو' مجھے نہیں چھو سکو گے۔"

"چاند ہمیں اپنی چاندنی سے چھو لیتا ہے۔ عورت اپنی نادانی سے چھو لیتی ہے۔ جیسے تھوڑی دیر پہلے تم خود میری آغوش میں آئی تھیں۔ یہ میری شرافت ہے کہ میں نے تمہاری غفلت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آئندہ لوہے کو ہاتھ لگاؤ گی اور جنون میں مبتلا ہو کر پھر میرے پاس آؤ گی۔ یہ تمہارے ستارے کہہ رہے ہیں اگر تم مقدر سے لڑ سکتی ہو تو ضرور لڑتی رہو۔"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ مرجینا نے کہا "آ جاؤ۔"

ایک کنیز دروازہ کھول کر ایک ٹرالی میں ناشتا اور چائے لے کر آئی۔ پھر ٹرالی چھوڑ کر چلی گئی۔ دروازے کو بند کر دیا۔ میں نے کہا۔ "چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور چائے آ گئی۔"

اس نے کیتلی اٹھا کر پیالی میں چائے ڈالی۔ پھر دودھ ملایا اس کے بعد ایک چمچہ اٹھا کر بولی "کتنی چینی؟"

میں نے کہا "ایک چمچہ۔"

چمچہ اسٹین لیس اسٹیل کا تھا۔

میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پہلو میں آ گئی۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے کبھی کسی حسینہ کے ساتھ ایسا نہیں کیا لیکن وہ اس قدر مغرور تھی کہ اپنی خاندانی کمزوری میرے پاس نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ میں اسے مائل کر رہا تھا کہ وہ مجھ پر بھروسا کرے اور میرے قتل سے باز آ جائے۔ وہ مائل ہو رہی تھی' پھر دماغ کو آزاد چھوڑتے ہی مجھے ختم کرنے کی کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگتی تھی جس پر عمل کرنے سے اس کے بھائی میرے قتل پر اعتراض نہ کریں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کے بھائیوں کو اپنے ناجائز ہونے کا علم ہو۔ پھر وہ میری معلومات کو کیسے برداشت کرتی۔

اپنے بچاؤ کے لئے لازمی تھا کہ میں اسے اپنی معمولہ بنا لوں۔ میں نے پہلے روکی کی آواز اور لہجے میں اسے معمولہ بنا کر حکم دیا کہ وہ روکی کے تنویمی عمل سے آزاد ہو رہی ہے۔ پھر میں نے اپنے طور پر عمل کیا۔ اس کے دماغ میں دو اہم باتیں نقش کیں۔ ایک تو یہ کہ وہ میری دیوانی رہے گی۔ دوسری بات یہ کہ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرے گی اور سانس روک لیا کرے گی۔ صرف مجھے اپنے دماغ میں محسوس نہیں کرے گی۔

پھر میں نے آدھے گھنٹے تک تنویمی نیند سونے کا حکم دیا۔ یہ اندیشہ تھا کہ مرجینا کی خواب گاہ میں زیادہ دیر رہوں گا تو کافور خان اسے گوارا نہیں کرے گا۔ میں نے کافور خان کے خیالات پڑھے۔ وہ سوچ رہا تھا "قسمت کا حال بتانے میں وقت لگتا ہے۔ میرے ساتھ ارسلان تین گھنٹے گزار کر گیا ہے۔ پھر بھی کسی کو مرجینا کے کمرے میں آتے جاتے رہنا چاہئے۔"

اس نے کنیز کو بلا کر پوچھا "مہمان کو چائے دی گئی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"جا کر معلوم کرو۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟"

کنیز حکم کی تعمیل کے لئے آئی۔ میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما کر کمرے میں بلایا اور اسے یہ سمجھنے پر مجبور کرتا رہا کہ مرجینا میرے سامنے صوفہ پر بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔ وہ چائے کی ٹرالی لے کر چلی گئی۔ کافور خان کے پاس جا کر کہا "بی بی خانم نے آدھے گھنٹے بعد گرم چائے لانے کو کہا ہے۔"

کافور خان مطمئن ہو گیا۔ آدھے گھنٹے بعد مرجینا بیدار ہو گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں ارسلان سے باتیں کر رہی تھی۔ اسے چائے میں چینی ملا کر دینے کے لئے چمچہ کو اٹھایا تھا۔ پھر میں بستر پر کیسے آ گئی؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "تمہارے بستر کے پاس چمچہ گرا ہوا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ چمچہ لوہے کا ہے؟ یا تم نے مجھے جھوٹا سمجھ کر اسے پکڑا تھا؟"

وہ پریشان ہو کر قالین پر پڑے ہوئے چمچے کو دیکھ کر بولی "یہ اتنی جلدی جلدی مجھ پر دورہ پڑنے لگا ہے۔ پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا۔"

"پہلے وہ منحوس ستارہ تمہارے ستارے پر حاوی نہیں تھا اب وہ لوہے کی قربت سے زیادہ اثر انداز ہو رہا ہے۔"

وہ بستر سے اٹھ کر آئی۔ پھر میری گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "تم نے اپنے علم سے اتنی سچی باتیں بتائی ہیں کہ اب میں تمہاری کسی بات کو جھوٹ نہیں سمجھوں گی۔"

دروازے پر دستک سنتے ہی وہ جلدی سے الگ ہو گئی' پھر بولی۔ "آ جاؤ۔"

کنیز گرم چائے لے کر آئی پھر چائے کی ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مرجینا میرے قریب صوفے پر آ گئی۔ پہلے وہ دور سامنے والے صوفے پر بیٹھتی تھی۔ تنویمی عمل نے اسے میری طرف اس قدر مائل کر دیا تھا کہ مجھ سے دور نہیں رہنا چاہتی تھی۔

وہ چائے پیالی میں انڈیل رہی تھی' میں نے کہا "چمچے کو ہاتھ نہ لگانا' میں چینی لے لوں گا۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں پھر بھول گئی تھی' اچھا ہوا تم نے یاد دلایا۔ یہ بتاؤ میں بستر پر کیسے چلی گئی تھی؟"

"مجھے بھی لے گئی تھیں۔ میں نے بچنے کی کوشش کی مگر تم آگ ہو۔"

وہ منہ پھیر کر شرمانے لگی۔ میں نے کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ جس کے بعد شرمانے کا مرحلہ گزر جاتا ہے۔ ویسے ہم بہت قریب ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی تم قریب ہو۔ اگر کوئی آ جائے تو؟"

"میرے دونوں بھائی کبھی میری خواب گاہ میں قدم نہیں رکھتے ہیں۔ میری ضرورت ہو تو مجھے بلوا لیتے ہیں اور کوئی کنیز دستک دئے بغیر اندر نہیں آتی۔"

میں نے اسے سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کے لئے مائل کیا' وہ اٹھ کر وہاں گئی اور یہ سمجھتی رہی کہ اپنی مرضی سے جگہ بدل رہی ہے۔ اس نے وہاں بیٹھتے ہوئے کہا "ویسے احتیاط لازمی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے' ہم ایسی جگہ ملیں جہاں کوئی مداخلت کرنے والا نہ ہو۔"

"ہم ایسی جگہ ضرور ملیں گے۔"

میں نے چائے ختم کی۔ اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا۔ پھر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ کافور خان کا بھائی بیرم خان بھی آ گیا تھا۔ گل جاناں کو ڈرائنگ روم کے فرش پر بٹھا کر بڑے بھائی کے ساتھ اس کی خواب گاہ میں گیا تھا۔ وہاں بڑا بھائی اسے میرے متعلق

بتا رہا تھا۔ میرے غیر معمولی اور حیرت انگیز علم کی تعریفیں کر رہا تھا۔ اپنے اور مرجینا کے پاگل پن کا حوالہ دے کر کہہ رہا تھا "ایسے دورے تم پر بھی پڑ سکتے ہیں کیونکہ ہماری رگوں میں ایک ہی باپ کا خون ہے۔"

وہ بولا "لیکن برادر! ہمارا باپ پاگل نہیں تھا۔ ہمارے چچا پاگل تھے۔"

وہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ جسے وہ پاگل چچا سمجھتا ہے وہی دراصل ان تینوں کا باپ ہے۔ وہ بات بناتے ہوئے بولا "ہمارے باپ اور چچا کا تو خون ایک تھا۔ ہم سب ایک دادا کی نسل سے ہیں۔ تم پر ابھی دورہ نہیں پڑا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ محفوظ ہو۔ مسٹر ارسلان نے کہا ہے کہ ہم ادبے کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے تو پاگل پن اور غائب دماغی سے محفوظ رہیں گے۔"

"یہ مسٹر ارسلان کون ہیں؟"

"یورپ کا ایک رئیسِ اعظم ہے۔ ماہر نجومی ہے۔ اتنی سچی پیش گوئیاں کرتا ہے کہ لندن کے لارڈ اور ڈیوک اسے ایک پیش گوئی کا معاوضہ پچیس ہزار پونڈ یعنی دس لاکھ روپے ادا کرتے ہیں۔ ابھی وہ تمہارے حالاتِ زندگی بھی بتائے گا۔"

"تم نے کتنا معاوضہ دیا ہے؟"

"میں تو منہ مانگا معاوضہ دینا چاہتا تھا لیکن وہ صرف گل جاناں کی رہائی چاہتا ہے۔"

"اسے گل جاناں سے کیا دلچسپی ہے؟"

"اسے ہم سے دلچسپی ہے۔ وہ ہماری بھلائی چاہتا ہے۔ نورزمان اور گل جاناں کے ستارے ہمارے مخالف ہیں۔ میں ابھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے نورزمان اور اس کی ماں کو ہلاک کرنا چاہا لیکن پاگل پن اور غائب دماغی کے باعث اپنے چار بہترین خونخوار کتوں کو مار ڈالا۔ اپنے دستِ راست کو بھی قتل کر دیا۔ تم گل جاناں کو اپنے پاس رکھو گے تو خدانخواستہ مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"برادر! تم نے باپ بن کر میری ہر خواہش پوری کی ہے۔ گل جاناں کو مجھ سے نہ لو.... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ اگر وہ دہقان کی اور ہمارے غلام کی بیٹی نہ ہوتی اور خاندانی لڑکی ہوتی تو میں اس سے شادی کر لیتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ میرے لئے کیا ہے۔"

"مجھے نہ سمجھاؤ، میں صرف تمہاری سلامتی کی بات سمجھتا ہوں۔"

"اور یہ بات تمہیں اس نجومی نے سمجھائی ہے۔ میں یہ سوچنے کی بھی جرات نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی غلط سمجھائے گا تو تم غلط سمجھ لو گے، تم بہت دانشمند ہو برادر! لیکن......"

"جب مجھے دانشمند کہتے ہو تو پھر لیکن کی کیا گنجائش ہے؟"

"جو نجومی پاگل پن سے محفوظ رہنے کی تدبیر بتا سکتا ہے وہ گل جاناں کو میرے پاس رکھنے کی ایسی تدبیر بھی بتا سکتا ہے کہ میں پاگل پن اور مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔"

کافور خان سوچنے لگا۔ پھر تائید میں سر ہلا کر بولا "یہ ممکن ہے وہ کوئی تدبیر بتا سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "کنیز کو بولو، بی بی خانم کے پاس جائے اور مہمان کو ادھر بلائے۔"

ملازم نے کہا "مہمان بہت دیر سے بیٹھک میں ہے۔"

وہ دونوں بھائی خواب گاہ سے نکل کر میرے پاس آئے۔ میں نے اٹھ کر بیرم خان سے مصافحہ کیا۔ کافور خان نے ہمارا تعارف ایک دوسرے سے کرایا۔ بیرم خان تعارف کے دوران رہ رہ کر گل جاناں کو دیکھتا رہا۔ وہ واقعی اتنی حسین تھی کہ اس کے لئے شہنشاہ اپنا تاج و تخت چھوڑ سکتے تھے۔ کافور خان نے ملازم سے کہا "گل جاناں کو باہر بٹھاؤ۔"

وہ فرش پر سے اٹھ گئی۔ ملازم کے پیچھے چلی گئی۔ بیرم خان نے مجھ سے کہا "میں نے تمہاری بہت تعریفیں سنی ہیں۔ کیا میرے حالاتِ زندگی بتاؤ گے؟"

"ضرور۔ خانِ اعظم نے تمہاری تاریخ پیدائش بتائی تھی۔ میں نے تمہارا زائچہ بنا کر حالات معلوم کئے ہیں۔ تمہارا برادر تمہارے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے۔ کوئی اس قلعے کی ایک اینٹ بھی ہلا نہیں سکتا۔ کوئی تمہاری طرف انگلی اٹھانے کی بھی جرات نہیں کرتا ہے۔ اس لئے کوئی بڑا دشمن آج تک تم سے نہیں ٹکرایا۔ اس کے علاوہ تم سونے کے جھولے میں جھولتے ہو۔ اس لئے زندگی میں کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کی۔ تمہاری پچھلی زندگی میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں ہے۔"

"اور مستقبل؟"

"مستقبل بہت تشویشناک ہے۔"

کافور خان نے پریشان ہو کر مجھ سے پوچھا "کیا کہتے ہو برادر ارسلان!"

"میں تو کچھ نہیں کہتا۔ میری زبان سے مقدر بولتا ہے۔ آرام سے بیٹھو اور باتیں توجہ سے سنو۔"

دونوں بھائی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے خانِ اعظم سے کہا تھا کہ میں نے نورزمان کا زائچہ بھی بنا کر اُس کے حالات معلوم کئے تھے۔ اس کے ساتھ اس کی ماں اور بہن کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کیا تھا۔ گل جاناں ایک معصوم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ کوئی اس کے دامن کو میلا نہیں کر سکے گا۔ اگر کوئی اس پر جبر کرے گا تو عذاب میں مبتلا ہوتا رہے گا۔"

کافور خان نے کہا "میں نے چھوٹے خان کو سمجھایا ہے مگر یہ اس کا دیوانہ ہے۔ میں نے آج تک اس کی ہر خواہش پوری کی ہے۔ میں اسے ایک پل کے لئے بھی مایوس اور اداس نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اس نامراد کی مراد پوری ہو جائے اور اس پر کوئی مصیبت نہ آئے۔"

"وہ سب کا مقدر لکھنے والا کہتا ہے کہ آدمی اچھے عمل سے قسمتی کو ٹال سکتا ہے۔ اگر تم اسے کیچڑ سمجھتے ہو تو ہاتھ نہ لگاؤ۔ کنول سمجھتے ہو تو جھک کر اٹھا لو، لیکن خانِ اعظم! تم دونوں بھائیوں کو جھکنا نہیں آتا۔"

"ذرا وضاحت سے بولو۔"

"چھوٹے خان، گل جاناں سے باقاعدہ نکاح پڑھوا کر اسے شریکِ حیات بنا کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

کافور خان نے کہا "یہ ناممکن ہے۔ مسٹر ارسلان! وہ ہمارے حقیر غلام کی بیٹی ہے۔ تمام قبائلی سردار ہم پر ہنسیں گے۔ ہم کیچڑ کو سر پر نہیں رکھ سکتے۔"

"تو پھر اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔"

بیرم خان نے بھائی سے کہا "وہ حاصل نہ ہوئی تو میں کھانا پینا چھوڑ دوں گا۔ کیا تم مجھے بھوکا پیاسا دیکھ سکتے ہو؟"

"جانِ برادر! تم آگ سے کھیلنے کی ضد کرو گے تو کیا میں کھیلنے کی اجازت دے دوں گا۔ تم ایک معمولی لڑکی کے لئے خطرات سے کھیلنا چاہتے ہو؟"

"تم نے ایک بار کہا تھا۔ مرد خطرات سے کھیل کر ہی اپنی مردانگی تسلیم کراتے ہیں۔"

"یہ درست ہے لیکن جان بوجھ کر خطرات سے نہیں کھیلنا چاہئے۔ پھر گل جاناں ایسا خطرہ ہے، جس سے کھیل کر تم شہرت، برتری یا اقتدار حاصل نہیں کر سکو گے۔"

"دل کا قرار تو حاصل ہو گا۔ وہ نہ ملی تو میرے پاؤں میں نامرادی کا کانٹا چبھتا رہے گا۔ میں سر اٹھا کر نہیں چل سکوں گا۔ ایک چھوٹی سی محرومی مجھے جھکاتی رہے گی۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہو گی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کمبل دو۔ نہیں ٹھہرو۔ اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کھانے پینے کا خیال رکھو۔"

بڑا بھائی چھوٹے خان کی چاہت اور بے قراری کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا اور سہارے کے لئے مجھے بھی دیکھتا جا رہا تھا پھر وہ بولا "مسٹر ارسلان! تم نے ہمیں لوہے سے دور رکھ کر پاگل پن سے دور کر دیا ہے۔ ایسی ہی کوئی تدبیر کرو۔ میرا بھائی میری جان ہے۔ اس کے لئے کچھ سوچو پھر سے اس کا زائچہ بناؤ۔"

"زائچے میں کوئی غلطی ہوتی تو میں نظرِ ثانی کرتا۔ ابھی تک چھوٹے خان پر دورہ نہیں پڑا ہے لیکن اب پڑے گا۔ میں کہہ چکا ہوں، اس کا مستقبل تشویشناک ہے۔ جو ہونے والا ہے اسے تم اپنی دولت اور طاقت سے نہیں روک سکتے۔ دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔ سلامتی اور خوش حالی کا ایک ہی راستہ ہے۔ گل جاناں کو عزت اور عظمت دو۔"

"ہم جوتے کو زیادہ سے زیادہ چمکا کر قابلِ دید بنا سکتے ہیں۔ لیکن اسے صرف پیروں میں ہی پہن سکتے ہیں، سر پر نہیں رکھ سکتے۔"

میں نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ میں اس سلسلے میں مزید کوئی مشورہ نہیں دے سکوں گا۔"

کافور خان نے کہا "کوئی بات نہیں۔ میں ملازم سے کہتا ہوں وہ تمہیں مہمان خانے میں پہنچا دے گا۔"

بیرم خان نے کہا "برادر! میں نے ادھر گل جاناں کو رکھا ہے۔"

میں نے کافور خان کی سوچ میں کہا "یہ معزز مہمان ہے۔ ہماری حویلی میں کئی کمرے ہیں۔ کسی میں رہ سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "مہمان کو میرے ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ اور ہر ضرورت کا خیال رکھو۔"

میں ملازم کے ساتھ ایک کمرے میں آیا۔ پھر اس سے بولا۔ "مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں دروازے کو اندر سے بند کر کے دونوں بھائیوں کے درمیان پہنچ گیا۔ کافور خان کہہ رہا تھا "ارسلان کہتا ہے، گل جاناں کو صبح سے پہلے اس کے گھر پہنچا دو۔ ورنہ بڑی تباہی آئے گی۔"

بیرم خان نے کہا "یہ مہمان جب سے آیا ہے نورزمان اور گل جاناں کی حمایت میں بول رہا ہے۔ اس کے پیچھے ضرور کوئی مقصد ہو گا۔"

"کوئی مقصد نہیں ہے۔ میری بات کو سمجھو۔ ارسلان کے مشورے کے مطابق گل جاناں صبح تک گھر پہنچ جائے گی تو ہم تباہی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا مطلب ہے آج بھی یہ ایک رات تمہارے پاس ہے۔ وہ کچی عمر کی ہے، کوئی بات نہیں۔ اسے شکار گاہ لے جاؤ۔"

"مگر وہ کہتا ہے کوئی اس کا دامن میلا نہیں کر سکے گا۔"

"اس نے نورزمان کا زائچہ بنا کر اس کی بہن کے متعلق کچھ معلوم کیا ہے۔ بہن کا تو زائچہ نہیں بنایا ہے۔ پھر گل جاناں کون سی اللہ والی ہے کہ اسے ہاتھ لگایا جائے تو بجلی گر پڑے گی۔"

بیرم خان نے خوش ہو کر کہا "تم میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔"

وہ بولا "میں تسلیم کرتا ہوں ارسلان درست پیش گوئی کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر پیش گوئی درست ہو۔ تم پورے انتظامات کے ساتھ شکار گاہ جاؤ۔ پہرے داری کے لئے ہوشیار بندوں کو رکھو۔ ذرا بھی خطرے کا احساس ہو تو موبائل ٹیلیفون پر

مجھے اطلاع دینا۔"

بیرم خان بھائی سے لپٹ گیا۔ بھائی نے کہا "رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔ یاد رکھو، تمہارے پاس صرف آٹھ گھنٹے ہیں۔ صبح چار بجے اس لڑکی کو اس کے گھر میں پھینک کر آجانا۔"

وہ بھائی کے ہاتھ کا بوسہ لے کر چلا گیا۔ بھائی نے اپنی خواب گاہ کے پاس آکر ساتھ والی خواب گاہ کو دیکھا۔ پھر ملازم کو بلا کر پوچھا "مہمان اندر ہے؟"

"جی ہاں۔ آرام کرتا ہے۔"

"اس سے معلوم کرو کہ رات کا کھانا کب کھائے گا۔ میرے لئے پوچھے تو کہہ دینا خانِ اعظم کو بھوک نہیں ہے۔ وہ بی بی خانم کے ساتھ کھا سکتا ہے۔"

ملازم میرے دروازے کی طرف جانے لگا۔ وہ بولا "اور سنو! مہمان کھانے کے بعد کمرے میں آئے تو تم باہر ڈیوٹی پر رہو گے۔ مہمان کی نگرانی کرو گے۔"

"آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔"

خانِ اعظم اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔ ملازم دستک دے کر میرے پاس آیا۔ مجھ سے کھانے کے متعلق پوچھا، میں نے کہا "میں نے دوپہر کا کھانا شام کو خان اعظم کے ساتھ کھایا تھا۔ رات کو نہیں کھاؤں گا اور اب دروازے پر دستک نہ دینا۔ میں سونے جارہا ہوں۔"

ملازم میرے کمرے سے نکل کر راہداری میں ایک کرسی پر میری نگرانی کے لئے بیٹھ گیا۔ میں دروازے کو بند کرکے مرجینا کے پاس آیا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ آج رات کا کھانا جلد کھانا چاہئے تاکہ کھانے کے بعد ارسلان سے ملاقات ہوسکے۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا "ذرا ٹھہر کر کنیز کو بلاؤں گی۔ تھوڑی دیر کمر سیدھی کرلوں۔"

میں نے اسے بستر پر لٹادیا۔ پھر ٹیلی پیتھی کے ذریعے گہری نیند سلادیا۔ دماغ کو ہدایت دی کہ دستک کی آواز پر بھی آنکھ نہ کھلے اس کے بعد بیرم خان کی کھوپڑی میں پہنچ گیا۔

وہ جیپ کی درمیانی سیٹ پر گل جاناں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ آگے پیچھے کی سیٹوں پر خونخوار مسلح حواری بیٹھے ہوئے تھے۔ گل جاناں بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ وہ معصوم سمجھ گئی تھی کہ خیر نہیں ہے۔ بیرم خان اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہ جہاں بھی اسے لے جارہا ہے، وہاں اسے امان نہیں ملے گی۔

شکار گاہ حویلی سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ وہ ایک پختہ مکان تھا۔ خانِ اعظم شکاری مہمانوں کے ساتھ وہاں آتا تھا۔ پھر رات کو قیام کرنے کے بعد صبح شکار کھیلنے آگے جنگل میں نکل جاتا تھا۔ وہاں بجلی نہیں تھی۔ مٹی کے تیل کی لالٹین اور لیمپ روشن کئے گئے۔ گل جاناں کو ایک کمرے میں بند کردیا گیا۔ بیرم خان نے حواریوں سے کہا "آگ جلاؤ۔ سیخ کباب تیار کرو۔ اور میری بوتل لے آؤ۔"

اس کے حکم کی تعمیل ہونے لگی۔ ایک حواری بوتل اور گلاس لے آیا۔ بیرم خان تھوڑی دیر تک کھلی فضا میں بیٹھ کر پیتا رہا۔ پھر دروازہ کھول کر گل جاناں کے پاس آیا تو میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جمالیا۔ وہ سہم کر دیوار سے جا لگی تھی۔ اس نے کہا "گھبراؤ نہیں، میرے اندر کی انسانیت بیدار ہوگئی ہے۔ چلو میں تمہیں تمہاری ماں اور بھائی کے پاس پہنچادوں گا۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر آیا۔ پھر دو حواریوں سے بولا "ہمیں جرگہ لے چلو۔ باقی یہاں رہیں گے۔"

وہ گاڑی میں آکر گل جاناں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہی جرگہ پہنچ گیا۔ نور زمان کے مکان کے سامنے گاڑی رکی تو کتنے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ نور زمان نے باہر آکر حیرانی سے حویلی کی گاڑی کو دیکھا۔ بیرم خان نے گاڑی سے اتر کر کہا "لے نور زمان، تیری بہن کو لے آیا ہوں۔ اس کا دامن اتنا پاک ہے کہ فرشتے نماز پڑھ سکتے ہیں۔"

گل جاناں گاڑی سے باہر آگئی۔ بھائی اور ماں دوڑتے ہوئے آکر اُس سے لپٹ گئے۔ بیرم خان اور خانِ اعظم کو دعائیں دینے لگے۔ بیرم خان گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہاں سے واپس جانے لگا۔ بستی سے دو کلومیٹر دور جاکر اس نے گاڑی روکنے کو کہا پھر دونوں حواریوں کو گاڑی سے اترنے کا حکم دیا۔ پھر خود اتر کر بولا "میں ایک معصوم لڑکی کو بے لباس کرنا چاہتا تھا، مجھے اس کی سزا ملنی چاہئے۔"

وہ اپنی قمیص اتارنے لگا۔ ایک حواری نے کہا "چھوٹے آقا! یہ کیا کررہے ہو؟ غضب کی سردی ہے۔"

وہ اوپری دھڑ کے کپڑے اتارتے ہوئے بولا "جب میں گل جاناں کو بے لباس کرتا تو کیا اسی طرح تم مجھے منع کرتے؟"

"نہیں آقا! تم حاکم ہو۔ کسی کے بھی کپڑے اتار سکتے ہو۔"

"پھر تم دونوں اپنے کپڑے اتار دو۔"

وہ پریشان ہوگئے۔ اس نے ڈانٹ کر پوچھا "کیا تم نے نہیں سنا؟"

وہ جلدی جلدی قمیصیں اتارنے لگے۔ سرد ہوائیں بدن میں چبھ رہی تھیں اور ہڈیوں میں اتر رہی تھیں۔ وہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ بیرم خان نے ایک چاقو کھول کر کہا "اپنے اپنے چاقو نکالو۔"

انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ بولا "جب سردی لگتی ہو اور اپنے بدن پر کپڑا نہ ہو تو جانتے ہو اپنے اندر گرمی کیسے پہنچائی جاتی ہے؟"

پھر اس نے چاقو سے اپنے دوسرے ہاتھ کے گوشت اور کھال کو چیرتے ہوئے کہا "اپنے جسم کے کسی حصے کو ذرا سا چیر دو۔ آہ! کیسی جلن ہورہی ہے۔ بدن گرم ہورہا ہے۔"

ایک نے پریشان ہوکر پوچھا "آقا! تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم خود پر ظلم کررہے ہو۔"

"تم بھی کرو۔ اپنے بدن پر چاقو سے زخم لگاؤ۔ سردی کا موسم ختم ہوجائے گا۔ تمہارے اندر گرم ہوا چلے گی۔ یہ دیکھو۔"

اس نے چاقو کی نوک سے سینے کے درمیانی حصے کو پیٹ تک چیر دیا۔ زخم گہرا نہیں لگایا۔ اوپر کی کھال اور گوشت کے کچھ حصے کو کاٹا۔ اس کے ہاتھ، سینے اور پیٹ سے لہو رس رہا تھا۔ وہ تکلیف سے سسک کر کہہ رہا تھا "آہ! بڑی تکلیف ہورہی ہے۔ لیکن بڑا مزہ آرہا ہے۔"

وہ تینوں ہی ننگے تھے۔ دونوں حواری سردی سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے دانت بج رہے تھے۔ بیرم خان نائب دماغی اور زخموں کی گرمی کے باعث ابھی تن کر کھڑا ہوا تھا۔ ان سے کہہ رہا تھا "بزدلو! اپنے ہاتھوں سے خود کو زخم نہیں لگا سکتے۔ کیسے مرد ہو؟ دیکھو ایسے زخم لگاؤ۔"

وہ چاقو کی نوک سے اپنی ران کو دور تک چیرتا گیا۔ دونوں حواریوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔ ایک نے کہا "چھوٹے خان! خدا کے واسطے چاقو پھینک دو۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر خانِ اعظم ہمیں گولی ماردے گا۔"

دونوں اسے مضبوطی سے جکڑ کر اُس سے چاقو چھیننا چاہتے تھے لیکن بیرم خان بھی اکیلا نہیں تھا۔ اس کے اندر میری قوت بھی سمائی ہوئی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑالیا۔ ایک پر چاقو سے حملہ کرکے اسے زخمی کیا، دوسرا خود کو بچانے کے لئے دور ہوگیا۔ پھر بیرم خان ہاتھ میں لہو آلود چاقو لئے حویلی کی طرف دوڑتے ہوئے چیخنے لگا "برادر! میں آرہا ہوں۔ اپنے جسم پر زخموں کے پھول سجاتا آرہا ہوں۔"

دونوں حواری اس کے پیچھے دوڑتے جارہے تھے۔ ان میں سے ایک زخم کی تکلیف سے کراہتا جارہا تھا۔ دل ہی دل میں چھوٹے خان کو گالیاں بھی دیتا جارہا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں مسلح گارڈز نے کیبن سے نکل کر دیکھا۔ انہوں نے سمجھا بستی کے ننگے بھوکے لوگ دوڑتے آرہے ہیں۔ ایک گارڈ نے رائفل سیدھی کرتے ہوئے للکارا "خبردار! رک جاؤ۔ ادھر آئے گا تو گولی کھائے گا۔"

ایک حواری نے چیخ کر کہا "گولی مت چلاؤ۔ ہم شہباز اور دلدار ہے۔ چھوٹا آقا ہمارے ساتھ ہے۔ آقا خانِ اعظم کو فون پر اطلاع دو کہ چھوٹا خان کا دماغ چل گیا ہے۔ اس نے ہم سب کو ننگا کردیا ہے۔ اور اپنے چاقو سے خود کو لہولہان کرتا ہے۔"

ان کے قریب آنے پر مسلح گارڈز نے حیرانی سے دیکھا پھر بیرم خان کو روکنا اور کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ دونوں گارڈز کو دھکے دیتا ہوا پہاڑی راستے پر دوڑتے ہوئے اوپر حویلی کی سمت جانے لگا۔

ایک گارڈ نے کیبن کے اندر جاکر فون پر رابطہ کیا، پھر کہا۔ "آقا! غضب ہوگیا۔ چھوٹا آقا پاگل ہوگیا ہے۔ اپنے چاقو سے خود کو لہولہان کرتا ہے۔ ہمارا گرفت میں نہیں آتا ہے۔"

کافور خان نے تڑپ کر پوچھا "میرا بھائی کدھر ہے؟"

"وہ اوپر حویلی کا راستے میں دوڑتا جارہا ہے۔ خدا معلوم گاڑی کدھر چھوڑ دیا ہے۔"

کافور خان ریسیور پھینک کر دوڑتا ہوا خواب گاہ سے نکلا، ملازموں کو آوازیں دیتا ہوا باہر آیا۔ پھر کار میں بیٹھ کر ڈرائیو کرتا ہوا حویلی کے احاطے سے باہر جانے لگا۔ ملازم کار کے پیچھے دوڑتے ہوئے جانے لگے۔ چھوٹا بھائی پہاڑی کے اوپر دوڑتا آرہا تھا۔ بڑا بھائی ڈھلان پر کار ڈرائیو کرتا جارہا تھا۔ اس نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دور سے آتے ہوئے ننگے اور زخمی بھائی کو دیکھا تو دل اور دماغ پر گھونسے پڑنے لگے۔

وہ قریب جاکر کار روکنے کے لئے بریک لگانا چاہتا تھا۔ میں نے بریک سے پاؤں ہٹادیا۔ ایکسیلیریٹر پر دباؤ بڑھادیا۔ کار رکنے کے بجائے اور تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔ اس نے اسٹیرنگ کو قابو میں رکھنا چاہا۔ بیرم خان بیچ سڑک پر دوڑتا آرہا تھا۔ گاڑی کو قابو میں کرتے کرتے بھی اسے ٹکر لگ گئی۔ وہ اچھل کر چیخیں مارتا ہوا جھاڑیوں کے درمیان چلا گیا۔ کافور خان گاڑی روک کر دوڑتا ہوا آیا۔ دونوں حواری اسے جھاڑیوں سے نکالتے ہوئے کہہ رہے تھے "چھوٹا آقا بے ہوش ہوگیا ہے۔"

کافور خان نے قریب آکر بھائی کے زخموں کو اور لہو میں نہائے ہوئے جسم کو دیکھا تو کانپ گیا۔ ایک تو غضب کی سردی میں وہ ننگا

تھا۔ پھر لہو میں بھیگا ہوا تھا۔ بڑے بھائی سے یہ منظر دیکھا نہیں جارہا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر لے آیا۔ حواری سے بولا "گاڑی چلاؤ۔ حویلی میں چلو' ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

گاڑی واپس مڑکر حویلی کی طرف جانے لگی۔ کافور خان نے پوچھا "یہ کیسے ہوگیا؟"

"آقا! ہماری عقل کام نہیں کرتی ہے۔ پہلے تو چھوٹا آقا شکار گاہ میں گیا۔ وہاں سے گل جاناں کو اور ہم کو لے کر بستی میں گیا۔ گل جاناں کو اس کی ماں اور بھائی کے حوالے کرکے بستی سے باہر آیا پھر بولا کہ وہ معصوم لڑکی کو بے لباس کرنا چاہتا تھا اس کی سزا پانے کے لئے خود ننگا ہوگیا۔ ہمارے کپڑے بھی اتروادئے۔ چاقو سے اپنے جسم پر زخم لگانے لگا۔ ہم روکنا چاہتے تھے۔ وہ ہم کو بھی زخمی کرکے دور بھگا دیتا تھا۔"

کافور خان سن رہا تھا اور اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اسے میری پیش گوئی یاد آرہی تھی۔ اسے اپنے الفاظ بھی یاد آرہے تھے' اس نے کہا تھا "گل جاناں کون سی اللہ والی ہے کہ اسے ہاتھ لگانے والے پر بجلی گر پڑے گی۔"

اور اب چھوٹے بھائی کی حالت دیکھ کر کافور خان پر بجلی گر رہی تھی۔ وہ قائل ہورہا تھا کہ نور زمان اور گل جاناں کے دشمن ستارے ان بہن بھائیوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ آئندہ ان غلاموں سے دور ہی رہنا چاہئے۔

وہ سوچ رہا تھا اور اپنی شال اتار کر بھائی کو اس میں چھپا رہا تھا۔ حویلی کے دروازے کے سامنے گاڑی رک گئی۔ ایک حواری ننگا ہی دوڑتا ہوا ڈاکٹر کے کوارٹر کی طرف گیا۔ کافور خان نے فوری طبی امداد حاصل کرنے کے لئے حویلی کے احاطے میں ایک ڈسپنسری قائم کی تھی اور ایک ڈاکٹر کو ملازم رکھا تھا۔

وہ بھائی کو اٹھا کر اپنی خواب گاہ میں لایا۔ ملازموں سے بولا۔ "پانی گرم کرو۔ دوسرا ہیٹر بھی لگاؤ۔ مہمان کو بولو خانِ اعظم بلاتا ہے۔"

تمام ملازم احکامات کی تعمیل کرنے لگے۔ ایک نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ اس نے کہا "خانِ اعظم نے یاد کیا ہے۔ چھوٹا خان بری طرح زخمی ہوکر آیا ہے۔ جلدی چلو۔"

میں کافور خان کی خواب گاہ میں پہنچا۔ اس نے بھائی پر سے کمبل ہٹا کر زخم دکھائے تو میں نے شدید حیرانی ظاہر کی۔ وہ بولا "میں نے بھی اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے۔ ایک تو یہ زخموں سے چور ہے۔ پھر میں گاڑی عین وقت پر نہ روک سکا۔ اسٹیرنگ بے قابو ہوگیا۔ یہ میری گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہوگیا۔"

میں نے ذرا غصہ دکھاتے ہوئے کہا "میرے منع کرنے کے باوجود تم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تم نے لوہے کو ہاتھ لگایا۔ آخر نتیجہ دیکھ لیا۔ تم نے خود اپنی جان سے زیادہ عزیز بھائی کو گاڑی سے ٹکر ماری۔ تمہارے بھائی نے بھی میرے مشورے کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہوگا۔"

وہ اور ایک حواری بتانے لگے کہ بیرم خان بری نیت سے گل جاناں کو شکار گاہ لے گیا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کا دماغ چل گیا اور وہ اس حالت کو پہنچ گیا۔ میں نے تمام روداد سن کر کہا "بس بہت ہوچکا خانِ اعظم! اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔ تم نے اور تمہارے بھائی نے اپنے مہمان کے علم کو جھوٹا سمجھا۔ میں بھی تمہاری نظروں میں جھوٹا اور فریبی ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا چاہئے۔"

اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "تمہارا غصہ بجا ہے۔ خانِ اعظم کو کوئی آنکھ نہیں دکھا سکتا لیکن تم غصہ دکھا رہے ہو۔ کوئی بات نہیں۔ تم ہمارے لئے فرشتہ ہو۔ خانِ اعظم تم سے التجا کرتا ہے۔ ابھی جانے کی بات نہ کرو۔ ہم سب کو تمہاری بہت ضرورت ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں' آئندہ ہم تمہارے مشوروں پر عمل کرتے رہیں گے۔"

ڈاکٹر آگیا تھا۔ بیرم خان کے ایک ایک زخم کو صاف کرکے مرہم لگا رہا تھا۔ اس نے انجکشن بھی لگایا۔ پھر کہا "خانِ اعظم! اسے تھوڑی دیر میں ہوش آئے گا۔ میں بیٹھک میں موجود رہوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ کافور خان کبھی بھائی کے قریب جارہا تھا۔ کبھی آرہا تھا۔ غصے اور بے بسی سے کہہ رہا تھا "میں نے آج تک کسی دشمن کو معاف نہیں کیا۔ جس نے بھی ہمیں نقصان پہنچانا چاہا' میں نے اسے جہنم میں پہنچا دیا' میں ان دو کوڑی کے ذلیل غلاموں کو بھی معاف نہیں کروں گا لیکن کیا کروں؟ میں کیا کروں؟"

میں نے کہا "انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

"کیسے چھوڑ دوں؟ وہ میری زمینوں پر رہتے ہیں گویا میرے سینے پر سوار رہتے ہیں۔ میں انہیں کیسے نظرانداز کرسکتا ہوں۔ ان سے سامنا ہوگا تو میری آنکھوں میں خون اتر آئے گا۔ میں ان سے کترا جاؤں گا تو میری عزت اور شان وشوکت دو کوڑی کی نہیں رہے گی۔ پولیس والے' سرکاری عہدے دار جو مجھ سے مرعوب رہتے ہیں وہ طعنے دیں گے کہ ذلیل غلاموں نے خانِ اعظم کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"میں تمہارا مہمان ہوں۔ اپنی آنکھوں سے تمہاری تباہی نہیں دیکھوں گا۔ تم ان کے خلاف جو کرنا چاہتے ہو' میرے جانے کے بعد کرو۔"

"مسٹر ارسلان! میں ان کے خلاف کچھ نہیں کروں گا لیکن دوسرے لوگ ان سے دشمنی کریں اور انہیں قتل کردیں تو اس کا الزام مجھ پر نہیں آئے گا۔"

"دشمنی اور قتل کرنے والے تمہارے ہی نمک خوار ہوں گے۔"

"بالکل نہیں۔ میرا اور میرے نمک خواروں کا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ تمہارے مشوروں اور اپنے ستاروں کی چال کے مطابق ہم دونوں بھائی ان غلاموں سے دور رہیں گے۔ ان کا نام بھی زبان پر نہیں لائیں گے۔ اب تم بتاؤ۔ اس کے بعد بھی ان کے منحوس ستارے ہم سے ٹکرائیں گے؟"

میں نے نور زمان اور گل جاناں کے حوالے سے ان پر جو پابندیاں عائد کی تھیں۔ وہ اپنی نئی چال کے ذریعے ان پابندیوں سے آزاد ہورہا تھا۔ میں سمجھ گیا۔ یہ خردماغ جاگیردار اپنی انا اور برتری کی خاطر انتقامی کارروائی سے باز نہیں آئیں گے۔ میں نے کہا۔ "خانِ اعظم! میں نے پیش گوئی کی تھی کہ جو اس معصوم لڑکی کو نقصان پہنچائے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ تم اس معاملے سے الگ ہوجاؤ۔ تمہارے بعد جو اس معاملے میں پڑے گا وہ بھگت لے گا۔"

بیرم خان کو ہوش آگیا۔ وہ آنکھیں کھول کر سوچ رہا تھا "میں کہاں ہوں۔ یہ تو برادر کا کمرا ہے' اور میں شکار گاہ میں تھا۔"

کافور خان نے قریب آکر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "جانِ برادر! حوصلہ کرو' سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا "میرے جسم سے ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ یہ مرہم پٹی بتا رہی ہے۔ میں زخمی ہوں' یہ سب کیا ہے؟ میں زخمی کیسے ہوگیا؟"

کافور خان اسے تمام روداد سنانے لگا۔ میں بیرم خان کے دماغ میں رہ کر ان تمام مناظر کی جھلکیاں پیش کررہا تھا۔ جو اسے یاد نہیں رہے تھے۔ اسے کچھ کچھ یاد آرہا تھا اور وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔ "میں نے یہ پاگل پن کیسے کیا؟ اپنے ہاتھوں سے خود کو زخمی کیا۔ زخم کھانے کے باوجود میں ہوش میں کیوں نہیں آیا؟"

"تم نے مہمان کے مشوروں پر عمل نہیں کیا۔ گل جاناں کو گاڑی میں لے گئے۔ لوہے کو چھولیا۔ مجھ سے بھی نادانی ہوئی' میں نے تمہیں اس لڑکی کو شکار گاہ لے جانے کی اجازت دی۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ ان غلاموں پر لعنت بھیج دو۔ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

وہ تکلیف سے بے چین ہورہا تھا' ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے معائنہ کرتے ہوئے کہا "پریشانی کی بات نہیں ہے۔ زخم تو تکلیف ضرور دیں گے۔ آپ کا حکم ہو تو میں نیند کا انجکشن لگادوں۔"

وہ بولا "میرے بھائی نے بہت تکلیف برداشت کی ہے۔ اسے آرام سے سُلادو۔"

ڈاکٹر انجکشن لگا کر چلا گیا۔ کافور خان نے چھوٹے بھائی سے کہا "آنکھیں بند کرلو' آرام سے سوجاؤ۔ تمہارے دشمنوں کا آرام آج سے تمام ہوجائے گا۔"

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ کافور خان موبائل ٹیلیفون اٹھا کر میرے ساتھ باہر آیا۔ پھر مجھ سے بولا "تم بھی آرام کرو۔ میں آج رات بھائی کے ساتھ گزاروں گا۔ کل صبح تم سے ملاقات ہوگی۔"

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ اس نے دوسرے کمرے میں جاکر فون کے ذریعے پولیٹیکل ایجنٹ سے رابطہ کیا' پھر کہا "پچاس ہزار کا سودا ہے۔"

"سودا بولو۔"

"جرگہ بستی میں ایک نوجوان نور زمان اپنی ماں اور بہن کے ساتھ رہتا ہے۔ ان تینوں کا جتنا برا انجام کیا جائے گا میں سودے کی رقم اتنی ہی بڑھا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کل تک تینوں کی تکہ بوٹی ہوجائے گی۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ میں پولیٹیکل ایجنٹ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کا نام زرتاج خان تھا۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا گیا تھا لیکن وہ اپنے عہدہ سے خوب ناجائز فائدے اٹھایا کرتا تھا۔ قانون کی بالادستی' امن وامان قائم رکھنا اور ترقیاتی منصوبوں پر عمل کرانا اس کے فرائض میں شامل تھا لیکن وہ علاقہ غیر کے قبائلی سرداروں کا بھی نمائندہ تھا۔ اس لئے دوغلی حرکتیں کرتا تھا۔

وہاں کا قانون جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کے مصداق تھا۔ جس کے پاس دولت اور کارتوس زیادہ ہوتے تھے' وہی زیادہ بندے مار سکتا تھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کی نگرانی میں چوری اور اسمگلنگ کا مال محفوظ رہتا تھا۔ وہاں اغوا برائے تاوان کے معاملات طے ہوتے تھے۔ افیون' چرس' ہیروئن' اسلحہ اور چوری کی کاروں اور موٹر سائیکلوں کا کاروبار اس قدر تھا کہ بڑے بڑے عہدے داروں کی روزانہ آمدنی تقریباً ایک لاکھ روپے تھی۔

جہاں مال ودولت کی فراوانی ہو۔ اسلحہ اور کارتوس کا استعمال غیر قانونی نہ رہے اور جہاں محاسبے کا عمل نہ رہے۔ وہاں کا ہر عہدے دار اور ہر قبیلے کا سردار فرعون ہوتا ہے۔ ایسے تمام فرعونوں کو پولیٹیکل ایجنٹ زرتاج خان اپنے کنٹرول میں رکھتا تھا۔ ان کی ہر ناجائز بات مانتا تھا اور اپنی ہر ناجائز بات ان سے منواتا تھا۔ زرتاج خان کے بیوی بچے پشاور میں بڑی رئیسانہ زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے دو جوان بیٹے کالج میں تھے اور ایک جوان بیٹی اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ وہ چودہ برس کی تھی یعنی گل جاناں کی ہم عمر۔ میں نے زرتاج خان کو اپنے بیوی بچوں سے رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ اس نے فون کے ذریعے ان کی خیریت معلوم کی۔ میں اس کے بیوی بچوں کے دماغوں میں پہنچ کر اُن کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے لگا۔

اس کے بعد میں کافور خان کے پاس آیا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں زخمی بھائی کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بھائی انجکشن کے اثر سے سو رہا تھا۔ کافور خان اس سے اور مرجینا سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ وہ تمام رات بھائی کے پاس جاگنا چاہتا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ جما کر فون کا ریسیور اٹھانے کو کہا' پھر پولیٹیکل ایجنٹ کے نمبر

ڈائل کرائے۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس کے ذریعے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں پشاور سے بول رہا ہوں۔"

"کون ہو تم؟"

"میں تمہاری بیوی اور بچوں کی موت ہوں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"نورزمان کی بہن کی عمر چودہ برس ہے۔ تمہاری بیٹی کی بھی یہی عمر ہے۔ جو سلوک نورزمان کی بہن سے ہوگا' وہی تمہاری بیٹی کے ساتھ ہوگا۔ نورزمان اور اس کی ماں کو نقصان پہنچے گا تو تمہارے جوان بچوں اور تمہاری بیوی کی لاشیں تمہیں ملیں گی۔"

میں نے کافور خان سے ریسیور رکھوادیا۔ وہ دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کہہ رہا تھا۔ میں نے کافور خان کو پہلے کی طرح کرسی پر بٹھادیا۔ اس کی آنکھیں بند کرانے کے بعد دماغ کو آزاد چھوڑتے ہوئے ایک جھپکی سی دی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں کھول کر بھائی کو نیند کی حالت میں دیکھا اور سوچا "مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ نہیں میں جاگتا رہوں گا۔"

میں پولیٹیکل ایجنٹ کے جوان بیٹے کے پاس پہنچا۔ وہ پڑھنے میں مصروف تھا۔ دوسرا بیٹا اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ جماکر بستر سے اٹھایا۔ میز کے پاس لایا۔ ایک سادے کاغذ پر لکھوایا "حمیدہ بانو! تمہارا شوہر ایک معصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں تمہاری بیٹی شازیہ کو اغوا کیا جائے گا اور تم ماں بیٹوں کو گولی ماردی جائے گی۔"

اس نے یہ لکھ کر ایک کھڑکی کھولی۔ کھڑکی کے دوسری طرف ماں اور بہن کا کمرا تھا۔ وہ دونوں بستر پر سو رہی تھیں۔ اس نے کاغذ کو ہاتھ بڑھا کر ماں کی طرف پھینک دیا۔ پھر کھڑکی بند کرکے بستر پر آکر پہلے کی طرح سوگیا۔ میں اس کی ماں کے پاس آیا۔ اسے نیند سے چونکایا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں بستر پر پڑے ہوئے کاغذ پر پڑیں۔ وہ اسے اٹھا کر پڑھنے لگی۔

ڈرائنگ روم میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اپنے کمرے میں پڑھنے والا لڑکا اٹھ کر ادھر جانے لگا۔ دوسری طرف سے ماں بھی آگئی۔ بیٹے کو وہ کاغذ دیتے ہوئے بولی "میں فون اٹینڈ کرتی ہوں۔ ذرا تم اسے پڑھو۔"

وہ فون کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ریسیور اٹھا کر بولی "ہیلو۔"

دوسری طرف سے پولیٹیکل ایجنٹ زرتاج خان نے پوچھا "ہیلو بانو! تم سب خیریت سے ہو؟"

"جی ہاں' لیکن ایک پریشانی ہے۔ ابھی مجھے ایک دھمکی آمیز خط ملا ہے۔ پتا نہیں کسی کی شرارت ہے یا......"

وہ بات کاٹ کر بولا "کہاں ہے وہ خط؟ مجھے پڑھ کر سناؤ۔"

بیٹے نے ریسیور لے کر کہا "ڈیڈی! پتا نہیں یہ کس شیطان نے لکھا ہے۔ ممی کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔ تمہارا شوہر ایک معصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں تمہاری بیٹی شازیہ کو اغوا کیا جائے اور تم ماں بیٹوں کو گولی ماردی جائے گی۔"

زرتاج خان نے پوچھا "وہ خط کہاں سے آیا ہے؟"

"ممی نے مجھے دیا ہے۔ آپ ممی سے بات کریں۔"

بانو ریسیور لے کر بولی "میں ابھی سو رہی تھی کہ اچانک آنکھ کھلی تو بستر پر وہ خط پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں کمرے کے اندر بستر پر کیسے آگیا۔"

وہ بولا "تم ذرا ہوشیار رہو۔ میں ابھی آئی جی کو فون کرتا ہوں۔ تم لوگوں کے لئے سیکیورٹی کا انتظام ہوجائے گا۔"

میں نے آئی جی کو مخاطب کیا۔ اس نے خوش ہوکر کہا "فرہاد صاحب! آپ کہاں ہیں؟ میری بیٹی اور بیٹا دونوں میرے پاس پہنچ گئے۔ میں آپ کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔"

میں نے کہا "ابھی آپ کے پاس پولیٹیکل ایجنٹ زرتاج خان کا فون آئے گا اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی آپ کہہ دیں کہ آپ کو فون پر کسی نے دھمکی دی ہے کہ زرتاج کے گھر والوں کو سیکیورٹی دی گئی تو آپ کی بیٹی اور بیٹے کو نقصان پہنچے گا۔"

"قصہ کیا ہے؟"

"قصہ طویل ہے۔ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ زرتاج کتنا غلط آدمی ہے اور میں کسی غریب خاندان کی بھلائی کے لئے ایسا کررہا ہوں۔"

"بے شک آپ فرشتہ ہیں۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے کہا "شاید اسی کا فون ہے۔"

آئی جی نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو' میں آئی جی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے زرتاج خان نے کہا "آئی جی صاحب' السلام علیکم میں پولیٹیکل ایجنٹ بول رہا ہوں۔"

"آہا زرتاج صاحب! ابھی میں آپ ہی سے رابطہ کرنے والا تھا۔ ایک منٹ پہلے آپ کے کسی دشمن نے مجھے فون پر دھمکی دی ہے کہ اگر میں پولیٹیکل ایجنٹ کے گھر والوں کو سیکیورٹی دوں گا تو میری بیٹی اور بیٹا زندہ نہیں رہیں گے۔ کیا پشاور میں کسی سے دشمنی ہوگئی ہے۔"

وہ بولا "میں حیران ہوں کہ وہ دشمن کتنا تیز رفتار ہے اور کتنا بے باک ہے۔ اس نے آپ جیسے پولیس کے اعلیٰ افسر کو دھمکی دی ہے۔"

آئی جی نے کہا "میں مجرمانہ ذہن رکھنے والوں سے خوف زدہ نہیں ہوتا لیکن طویل عرصے کے بعد میرے بچے یہاں آئے ہیں اور آزادی سے گھومتے پھرتے ہیں۔ میں تمہیں سیکیورٹی دوں گا تو میرے بچوں کی آزادی ختم ہوجائے گی۔ وہ پابندیوں سے پریشان ہوکر پھر مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ویسے معاملہ کیا ہے؟"

"معاملے کو رہنے دیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں دشمن سے نمٹ لوں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں آئی جی کا شکریہ ادا کرکے زرتاج خان کے پاس آیا۔ وہ پریشان ہوکر سوچ رہا تھا۔ "میں نے پچاس ہزار میں بہت خطرے کا سودا کیا ہے۔ کافور خان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ نورزمان کے پیچھے خطرناک دشمن چھپے ہوئے ہیں جو چشم زدن میں میرے گھر والوں تک اور آئی جی تک پہنچ جاتے ہیں۔"

اس نے فون کے ذریعے کافور خان سے رابطہ کیا پھر کہا "خانِ اعظم! تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ نورزمان بہت دور تک پہنچ رکھتا ہے اور بہت خطرناک ہے۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ خطرناک ہے۔ وہ میرے ایک غلام کا بیٹا ہے۔ غریب ہے' بے یارومددگار ہے۔ سولہ برس کا جوان ہے۔ اس کی گردن پکڑلو تو وہ چھڑا نہیں سکے گا۔"

"فی الحال اس نے میری گردن پھنسادی ہے۔ کسی نے مجھے فون پر دھمکی دی کہ میں نے نورزمان اور اس کے گھر والوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو میری بیٹی کو اغوا کیا جائے گا اور میری بیوی اور جوان بیٹوں کو قتل کردیا جائے گا۔ یہی دھمکی ایک خط کے ذریعے میرے گھر والوں کو دی گئی۔ حتیٰ کہ آئی جی کو بھی وارننگ دی گئی ہے کہ پولیٹیکل ایجنٹ کے گھر والوں کو سیکیورٹی دی گئی تو آئی جی کے بچوں کی شامت آجائے گی۔ یعنی پشاور میں پولیس والے میرے بیوی بچوں کو تحفظ نہیں دیں گے۔ آخر یہ نورزمان ہے کون؟ تم اتنے خطرناک بندے سے کترا گئے اور مصیبت میرے سر ڈال رہے ہو۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں نورزمان' اس کی ماں اور اس کی بہن کا کوئی مددگار نہیں ہے۔"

"جب قسم کھا رہے ہو تو خود ہی انہیں گولی ماردو۔ وہ تمہاری بستی میں چند قدم کے فاصلے پر ہیں۔ تم انہیں ٹھکانے لگانے کے لئے اتنی دور میرے پاس کیوں آرہے ہو۔ مجھے اس سودے سے انکار ہے۔ خدا حافظ۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ کافور خان ریسیور رکھ کر سوچ میں پڑگیا "یہ نورزمان شہر سے واپس آکر بہت پُراسرار ہوگیا ہے۔ کیا یہ کسی سے کالا جادو سیکھ کر آیا ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "نہیں' یہ کالا جادو نہیں ہے۔ مسٹر ارسلان درست کہتے ہیں۔ یہ ستاروں کی چال ہے۔ ہمارے ستارے گردش میں ہیں اور نورزمان کے ستارے اس کے لئے خوش بختی لارہے ہیں۔"

اس نے قائل ہوکر سوچا "ہاں لیکن ستارے کب تک ان کے حمایتی رہیں گے۔ خوش بختی ہمیشہ نہیں رہتی۔ میں ارسلان سے کہوں گا وہ نورزمان کا زائچہ دوبارہ دیکھے اور بتائے کہ اس کی خوش بختی کی مدت کتنی ہے؟"

میں نے ہر طرح سے کوشش کی کہ وہ نورزمان کے خلاف انتقامی کارروائی سے باز آجائے لیکن وہ اب اس کے برے وقت کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اس کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

میں پھر اس پر قبضہ جماکر اسے کمرے میں لایا۔ راہداری میں دو غلام کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے کہا "ڈاکٹر سے کہو چھٹی کرے' تم لوگ بھی جاکر آرام کرو۔"

پھر وہ حویلی کے دوسرے حصے میں آیا۔ ایک کنیز سے پوچھا "بی بی خانم سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟"

"وہ سو رہی ہیں۔"

"تم بھی اپنے کوارٹر میں جاؤ۔ حویلی کے اندر کسی کی ضرورت نہیں ہے۔"

کنیز بھی باہر چلی گئی۔ اس نے بیرونی دروازے کو اندر سے بند کیا پھر اپنی خواب گاہ میں آکر بھائی کے برابر بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے تھوڑی دیر میں اسے گہری نیند سلادیا۔ بیرم خان کے خوابیدہ دماغ میں جاکر دیکھا۔ وہ ہوش میں آنے والا تھا۔ میں نے اسے بھی صبح چھ بجے تک کے لئے سلادیا۔ جب سب ہی سوگئے تو میں نے مرجینا کو جگادیا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سامنے دیوار گھڑی میں رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ بے وقت سونے اور سونے کے وقت جاگنے پر حیران تھی۔ اس نے باتھ روم میں جاکر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ پھر دروازے پر دستک سن کر آئی۔ اسے کھولا تو میں سامنے کھڑا ہوا

تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔
میں نے خواب گاہ میں آکر اسے بیرم خان کے حالات بتائے۔ وہ تمام حالات سننے کے بعد بولی "آخر اس گل جاناں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں، جس کے لئے میرا بھائی مصیبتیں اٹھا رہا ہے۔"
"تمہارا بھائی خود مصیبتیں اٹھا رہا ہے۔ وہ کیوں گل جاناں کو طلب کر رہا ہے؟"
وہ بولی "ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ جاگیردار جسے پسند کرتے ہیں اسے اٹھوا لیتے ہیں۔ گل جاناں جیسی لڑکیوں کی عزت ہی کیا ہوتی ہے؟"
"تم عورت ہو کر ایسا کہہ رہی ہو؟"
"خاندانی عورتوں اور غلام عورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ مٹی کے کیڑے پاؤں تلے آنے کے لئے ہی پیدا ہوتے ہیں۔"
"اور تمہاری جیسی حسینائیں حویلی کے مضبوط قلعے میں محفوظ رہتی ہیں۔"
"بے شک۔ کوئی ہماری آرزو کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔"
"اگر کوئی تمہیں حاصل کرنے کی ضد کرلے تو؟"
"تو حویلی کی دیواریں اور دروازے بہت مضبوط ہیں۔ کوئی انہیں توڑ کر نہیں آسکے گا۔"
"آنے والے آہی جاتے ہیں۔ فولاد کی دیواریں بھی ان کا راستہ نہیں روکتیں۔"
میں نے اس کی ریشمی زلفوں کو مٹھی میں جکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ زلفوں سے اس لئے پکڑا کہ غرور کا سر وہیں سے اونچا ہوتا ہے اور وہیں سے نیچا ہو جاتا ہے۔ میں نے اس کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگادی کیونکہ غریبوں کے لئے وہیں سے گالیاں نکلتی ہیں اور خوش نصیبوں کے لئے وہیں سے پیار کے گلاب کھلتے ہیں۔ کسی ہستی کو یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ زبر رہتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زیر بھی ہو جاتی ہے۔
حویلی میں گہرا سناٹا تھا۔ اس کے مکینوں کا دعویٰ تھا کہ وہ حویلی نہیں قلعہ ہے۔ وہاں کوئی نقب نہیں لگا سکتا۔ جبکہ خونخوار کتے مارے گئے تھے، مسلح گارڈز خالی حویلی کے پہرے دار بنے ہوئے تھے۔ جب مکین غافل ہوں تو ان کی موجودگی، عدم موجودگی ہو جاتی ہے۔ وہ حویلی خالی تھی، کھوکھلی تھی۔ آبرو نہ رہے تو مکان اور انسان دونوں اندر سے کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔
ہم رات کے تین بجے کچن میں آئے۔ مرجینا نے کھانا گرم کرتے ہوئے کہا "میں نے خود اپنے لئے کبھی اپنے ہاتھوں سے نہیں پکایا۔ مگر تمہارے لئے یہ کام کر رہی ہوں۔ تم سچ مچ کوئی جادوگر ہو۔ پتا نہیں مجھ پر کیا جادو کیا ہے۔ اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ کہیں نہیں جانے دوں گی۔"
وہ میز پر کھانا لے آئی۔ پھر میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہوئے بولی "تعجب ہے، آج حویلی کے اندر کوئی کنیز یا ملازمہ نہیں ہے۔ دونوں برادر گہری نیند میں ہیں۔ ہماری تنہائی میں کوئی مخل ہونے والا نہیں ہے۔"
میں چپ چاپ کھاتا رہا، وہ بولتی رہی "یہ خواب جیسا لگ رہا ہے۔ جیسے کوئی دوشیزہ محبوب کو اپنی تنہائی میں بلانے کے لئے سحر پھونک رہی ہو۔ تمام پہرے دار سحر زدہ ہو کر سو گئے ہوں اور وہ اپنے محبوب کی آغوش میں پہنچ گئی ہو۔ یہ سب خواب میں ہوتا ہے۔ کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟"
میں نے اس کے بھرے بھرے بازو میں چٹکی لی۔ وہ سسکاری بھرتے ہوئے بولی "ہائے، یہ کیا حرکت ہے؟"
"تم نے تکلیف محسوس کی۔ اگر نیند میں ہوتیں تو آنکھ کھل جاتی۔ یقین کرلو کہ بیداری میں مجھ سے مل رہی ہو۔ میں خواب یا آسیب نہیں ہوں۔"
"یہی دیکھ کر حیران ہوں۔ آج تک حویلی میں ایسا نہیں ہوا کہ سب یہاں سے چلے جائیں اور جو حویلی کے اندر ہیں وہ گھوڑے بیچ کر سوتے رہیں۔ میرے غیرت مند بھائی ایسے تو نہیں ہیں۔"
"کہو تو انہیں ان کی غیرت کے ساتھ جگادوں؟"
وہ کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی "ہرگز نہیں۔ وہ ہم دونوں کو زندہ دفن کر دیں گے۔"
میں نے کھانے کے بعد کہا "چار بجنے والے ہیں۔ اپنی خواب گاہ میں جاؤ۔ مجھے بھی اپنے کمرے میں رہنا چاہئے۔ تمہارے بھائی کسی وقت بھی بیدار ہو سکتے ہیں۔"
میں جانا چاہتا تھا۔ اس نے پیار سے راستہ روک لیا، پھر کہا۔ "کاش ایسا ہوتا۔ ساری دنیا اسی طرح سوتی رہ جاتی اور ہم ہمیشہ کے لئے مل جاتے۔ سچ کہتی ہوں، تم سے الگ نہیں رہ سکتی۔"
پھر اس نے مسکراتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی طرف دھکا دیا۔ میں نے کہا "میں زندہ دفن نہیں ہونا چاہتا۔ یہ رات پھر آئے گی، آج کے لئے شب بخیر۔"
میں نے اسے جدا ہونے پر مجبور کیا۔ وہ چلی گئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ دروازے کو بند کرکے مرجینا کو اس کی خواب گاہ سے نکالا۔ اسے کچن میں لایا۔ وہاں کیروسین آئل سے بھرا ہوا ایک کین تھا۔ ایک خانے میں دیا سلائی کی کئی ڈبیاں تھیں۔ اس نے تین ماچس کی ڈبیاں اٹھائیں۔ مٹی کے تیل سے بھرے ہوئے کین کو لیا۔ وہاں سے چلتی ہوئی اپنے بھائیوں کے کمرے میں آئی۔ پھر کھڑکیوں کے پردوں اور صوفوں پر تیل چھڑکنے لگی۔
اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دیا سلائی کی ایک ڈبیا کافور خان کے سرہانے رکھ دی۔ وہاں سے چلتی ہوئی میرے کمرے میں آئی یہاں بھی اس نے تیل چھڑک کر ایک ڈبیا مجھے دی۔ پھر اپنی خواب گاہ میں آگئی۔ وہاں بھی اس نے جگہ جگہ تیل چھڑک دیا۔

واپس کچن میں آئی۔ کیروسین آئل کے کین کو اس کی جگہ پر رکھ کر وہاں کی گیس لائن کی چابی گھما کر اسے پوری طرح کھول دیا۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں جا کر ایک تیلی جلائی پھر اسے صوفے پر پھینک دیا۔ ایک دم سے آگ بھڑک گئی۔
میں نے اسے چھوڑ کر کافور خان کو بستر سے اٹھایا، اس نے نیند کی حالت میں ایک تیلی جلا کر اسے پردے کے پاس پھینکا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے دماغ کو چھوڑ کر بیرم خان کو جگایا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کمرے میں آگ پھیل رہی تھی اور کافور خان زخمی بھائی کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر باہر پہنچانا چاہتا تھا۔ ادھر میں اپنے کمرے میں آگ لگا کر بھاگتا ہوا باہر آیا۔ حویلی کے ایک حصے سے مرجینا دوڑتی آرہی تھی۔ سب ہی چلا رہے تھے، آگ! آگ! میں نے کہا "فوراً باہر نکلو۔ پتا نہیں آگ اور کہاں کہاں بھڑکنے والی ہے۔"
بیرم خان آگ اور موت کو قریب دیکھ کر اپنے زخم بھول گیا تھا۔ بھائی کے بازوؤں سے اتر کر بھاگنے لگا تھا۔ ہم سب باہر آئے۔ ملازم اور مسلح گارڈز حویلی کے اندر بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھ کر دوڑتے آرہے تھے۔ کافور خان چیخ چیخ کر حکم دے رہا تھا "پانی لاؤ فوراً آگ بجھاؤ۔ بزدلو! اندر جاؤ۔"
وہ خود بھاگ کر باہر آیا تھا اور ملازموں کو بزدل کہہ رہا تھا۔ ملازم اور گارڈز اندر گئے پھر پلٹ کر آگئے کیونکہ آگ کچن سے باہر آنے والی گیس تک پہنچ گئی تھی۔ ایسے قیامت کے شعلے بھڑک کر باہر آرہے تھے جیسے تیل کا کنواں پھٹ پڑا ہو۔
ہم باہر احاطے میں بھی ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ وہاں سے دوڑتے ہوئے احاطے کے باہر پہاڑی کے دامن کی طرف جا رہے تھے۔ دو گارڈز ان کی دو گاڑیاں احاطے سے نکال کر لے آئے تھے۔ ہم ان گاڑیوں میں بیٹھ کر پہاڑی کے نیچے آئے۔ پھر بہت دور جا کر گاڑیاں روک دی گئیں۔
ہم نے گاڑیوں سے نکل کر پہاڑی کی بلندی پر اس مغرور بلند و بالا حویلی کو دیکھا، جہاں دھماکے ہو رہے تھے۔ تہ خانے میں اسلحہ اور بارود کا جو ذخیرہ تھا، وہاں تک آگ پہنچ گئی تھی۔ وہاں اتنے طاقتور بم رکھے ہوئے تھے، جن کے پھٹنے سے حویلی کی دیواریں ریزہ ریزہ ہو رہی تھیں۔ دھماکوں کی آوازیں پتا نہیں کتنی دور جا رہی ہوں گی۔ بستی کی عورتیں اور بچے خوف سے چیخ رہے تھے۔ لوگ دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ حویلی کے بے گناہ ملازم مارے نہ جائیں۔ اس میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی، سب ہی بچ کر نکل آئے تھے۔ کچھ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے زخم تشویشناک نہیں تھے۔
بیرم خان چکرا کر زمین پر گر پڑا تھا۔ کافور خان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بھائی کے سرہانے بیٹھ گیا تھا اور مرجینا آنکھیں پھاڑے گم صم کھڑی حویلی کی تباہی دیکھ رہی تھی۔ ایسا ہولناک منظر دیکھ کر سن بھائی یہ سوال کرنا بھول گئے تھے کہ آگ کیسے لگی؟
کافور خان اپنے نقصان کا حساب کر رہا تھا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ ایک خفیہ تجوری میں تقریباً اسی لاکھ روپے نقد اور دس کلو سونے کے بسکٹ تھے جن کی مالیت کروڑوں روپے تک تھی۔ لاکھوں کے نوٹ جل چکے ہوں گے اور دھماکوں سے سونے کے بسکٹ ذرہ ذرہ ہو کر نہ جانے کہاں کہاں گئے ہوں گے۔ تہ خانے میں پچیس لاکھ کے گولہ بارود اور مختلف قسم کے ہتھیار تھے۔ ان میں سے کچھ بھی بچا نہ ہوگا۔ اور تو اور بدن پر جو لباس تھا، وہی رہ گیا تھا، باقی لباس بھی جل چکے تھے۔ کوئی تباہی سی تباہی تھی۔ چند منٹوں میں کنگال ہو کر رہ گئے تھے۔
پھر کافور خان نے اٹھتے ہوئے کہا "میرا مغز پھر گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، یہ خدا میرے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مجھ پر اتنا عذاب کیوں نازل کرتا ہے۔ اے مہمان برادر! ابھی میری بات کا برا نہیں مانو۔ میرا مغز خراب ہے۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم خوش قدم نہیں ہے۔ جب سے حویلی میں داخل ہوا ہے، مجھ پر عجیب و غریب مصیبتیں آرہی ہیں۔ تم حویلی کے اندر آکے ہم سب کو باہر کر دیا ہے۔ ابھی تم مجھ کو معافی دو، اور رخصت ہو جاؤ۔ میں میزبانی کے قابل نہیں ہوں۔"
مرجینا پریشان ہو کر کبھی مجھے اور کبھی بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے دور نہیں رہنا چاہتی تھی۔ بھائی کو ایسا ناقابل برداشت صدمہ پہنچا تھا کہ وہ میری حمایت میں کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ پھر بھی وہ بات بناتے ہوئے بولی "مسٹر ارسلان! میرے برادر کے سینے میں بہت بڑا دل ہے۔ اتنا زبردست نقصان اور پریشانیوں کی وجہ سے میزبانی سے انکار کر رہا ہے۔ جب اس کی پریشانی دور ہوگی تو یہ تمہیں بہت یاد کرے گا۔"
میں نے کافور خان کی سوچ میں کہا "مہمان نے پریشانیاں دور کرنے کے لئے دو مشورے دئے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں نے ان پر عمل نہیں کیا۔ ایک تو لوہے کو چھو رہے ہیں اور دوسرے گل جاناں کے خلاف انتقامی کارروائیوں سے باز نہیں آرہے ہیں۔ مجھے عقل سے سوچنا چاہئے۔ یہ اتنی بڑی تباہی کسی دشمن کی طرف سے نہیں ہے۔ کوئی دشمن میرے گھر کے اندر نہیں تھا اور آگ گھر کے اندر سے شروع ہوئی ہے۔ یہ عذاب ہے، قہرِ الٰہی ہے۔ یہ گل جاناں سے ٹکرانے کا عبرت ناک انجام ہے۔ مجھے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔"
کافور خان سر پکڑ کر اپنے دماغ میں اپنے ہی خیالات سن رہا تھا۔ ایک حواری نے کہا "آقا! ٹیلیفون کال ہے۔"
وہ گاڑی کے اندر سے موبائل ٹیلیفون اٹھا کر لایا تھا۔ کافور خان نے ریسیور اٹھا کر کہا "کون بولتا ہے۔ جلدی بولو، ابھی میرا مغز خراب ہے۔"
دوسری طرف پولیٹیکل ایجنٹ نے کہا "تمہارے علاقے کے تھانے دار نے فون پر بتایا ہے کہ تمہاری حویلی جل رہی ہے اور

قیامت خیز دھماکے ہو رہے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"سچ ہے' میں تباہ ہو گیا ہوں۔ میرے جسم پر صرف ایک کپڑا ہے اور کچھ باقی نہیں بچا ہے۔ اب میں بڑی حویلی میں جا رہا ہوں۔ اُدھر آ کے ملاقات کرو۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پولیس انسپکٹر ایک جیپ میں سپاہیوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ کافور خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "اے' واپس جاؤ۔ ادھر مجھے پولیس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں سے علاقہ غیر جا رہا ہوں۔"

اس نے بیرم خان اور مرجینا کو گاڑی میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ پولیس کی جیپ قریب آ کر رک گئی۔ انسپکٹر نے جیپ سے اتر کر سلام کرتے ہوئے کہا "خانِ اعظم! ہم آپ کے نمک خوار ہیں۔ ہمیں دشمن کا نام بتاؤ۔ ہم اسے......"

اس نے ڈانٹ کر کہا "زیادہ مت بولو۔ تم لوگ سامنے کے مجرم کو چھوڑ کر پیچھے بے گناہوں کو پکڑتے ہو۔ میرے دشمن کو کیا پکڑو گے۔ اگر پکڑ سکتے ہو تو جاؤ اسے تلاش کرو۔ اس کا نام مقدر ہے۔"

یہ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ مجھے ان کے ساتھ جانے کا شوق نہیں تھا اور نہ ہی میں مرجینا کا عاشق تھا لیکن اس علاقے میں جانا چاہتا تھا جو پاکستان کے جسم سے ایک ناسور کی طرح چپکا ہوا تھا۔ میں نے دنیا میں بڑے بڑے جرائم کے علاقے اور جزیرے دیکھے ہیں۔ ایک یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا اور اپنی بساط کے مطابق کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔

میں نے کافور خان کی دُکھتی رگ پر انگلی رکھی۔ اس کے بھائی بیرم خان کو قائل کیا۔ اس کی سوچ میں کہا "مہمان نے ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ ہماری بہتری کے لئے مشورے دیتا رہا۔ ہم نے مشوروں پر عمل نہیں کیا تو ہماری شامت آ گئی۔ برادر اپنی تباہی کا غصہ اس پر اتار رہا ہے۔"

اس نے بھائی سے کہا "برادر! ایک گزارش ہے۔"

"بولو جانِ برادر!"

"مہمان کو ادھر مت چھوڑو۔ لوگ باتیں بنائیں گے کہ ہم نے تباہ ہوتے ہی مہمان کو بوجھ سمجھ کر پھینک دیا۔"

"درست کہتے ہو۔ میرے مغز میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ مہمان کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہئے۔"

وہ گاڑی سے باہر آیا' پھر مجھ سے بولا "برادر! مجھے افسوس ہے میں نے صدمے کے باعث میزبانی سے انکار کیا۔ تم مجھے پھر معافی دو اور میرے ساتھ چلو۔"

میں نے کہا "میں معذرت چاہتا ہوں۔ ایک بار کسی کے دل سے نکل کر اُس کے دروازے پر نہیں جاتا۔"

"برادر! غصہ تھوک دو۔"

"مجھے غصہ نہیں ہے۔ دراصل میں خوش قدم نہیں ہوں۔ خدانخواستہ بڑی حویلی میں کچھ گڑبڑ ہو گی تو پھر یہی الزام آئے گا۔ اگر آپ میرے کام آنا چاہتے ہیں تو انسپکٹر سے کہہ دیں۔ مجھے پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر تک پہنچا دے۔ میں اس کی اجازت حاصل کر کے ایک بار آزاد علاقے میں جانا چاہتا ہوں۔"

کافور خان نے سوچا۔ مہمان اس بستی سے چلا جائے گا تو یہ بدنامی نہیں ہو گی کہ اس نے میزبانی سے انکار کیا ہے۔ وہ انسپکٹر سے بولا "یہ میرا معزز مہمان تھا۔ اسے آرام سے اور عزت سے زرتاج خان کے پاس پہنچاؤ اور میرا نام لے کر بولو' اس کے ساتھ تعاون کرے۔"

وہ مجھ سے مصافحہ کر کے اپنی گاڑی کی طرف گیا۔ مرجینا کھڑکی سے جھانک کر مجھے حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ میں انسپکٹر کے ساتھ جیپ میں آ کر بیٹھ گیا۔ ہمارے راستے الگ ہو گئے۔ میں نے بروقت فیصلہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ علاقہ غیر کی بڑی حویلی میں نہیں جانا چاہئے۔ وہاں بھی ان پر ہوشربا عذاب نازل ہونے والے تھے۔ میرے وہاں جانے سے یقین پختہ ہو جاتا کہ میں خوش قدم نہیں ہوں۔

وہاں بستی والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میں نے جیپ میں جاتے ہوئے لوگوں کے درمیان نور زمان کو دیکھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ بستی چھوڑ دے گا۔ شہر میں اس کی نوکری تھی۔ وہ ماں بہن کے ساتھ وہاں جا کر رہنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں اس کے ارادے کو مستحکم کیا کہ وہ آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائے۔

میں نے سوچ لیا تھا کہ وہ شہر پہنچے گا تو میں آئی جی کے ذریعے اسے بہتر ملازمت اور بہتر رہائشی سہولت فراہم کروں گا۔ دراصل گل جاناں کم سنی میں ہی اتنی حسین تھی کہ دو چار برس میں اس کا حسن و شباب غریب بھائی کے لئے عذاب جان بن جاتا۔ شہر میں بھی خانِ اعظم اور بیرم خان جیسے درندوں کی کمی نہیں تھی۔

آگے جا کر انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

"ارسلان احمد نام ہے۔ رہائش لندن میں ہے۔ علمِ نجوم ذریعۂ معاش ہے۔ بہت عرصے بعد پاکستان آیا ہوں۔ سرحدی علاقوں کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے صرف نام پوچھا تھا۔"

"تھانے دار صرف نام پوچھ کر نہیں رہ جاتا۔ تمہیں میرے نام سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ تم یہ ضرور معلوم کرنا چاہو گے کہ میں کون ہوں اور خانِ اعظم تک کیسے پہنچ گیا تھا۔ یہ بتا چکا ہوں کہ نجومی ہوں۔ خانِ اعظم نے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے مجھے مہمان بنایا تھا۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا "تم نے خوب قسمت کا حال بتایا حویلی ریزہ ریزہ ہو گئی۔"

"میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ایسی ہولناک تباہی ہو گی ویسے میں نے تباہی کی پیش گوئی کی تھی۔"

"کیا میرے مستقبل کی پیش گوئی کر سکتے ہو؟"

"میرا پیشہ یہی ہے لیکن میرا معاوضہ بڑے بڑے رئیس ہی ادا کر سکتے ہیں۔ پھر پولیس والوں کے لئے پیش گوئی کیا کروں گا۔ تم لوگوں کے ماضی حال اور مستقبل کے حالات تو بچہ بچہ جانتا ہے۔"

"تم ضرورت سے زیادہ بول رہے ہو۔ اگر خانِ اعظم کے مہمان نہ ہوتے تو زبان کھینچ لیتا۔"

"چلو کچھ تو مجبوری ہے کہ زبان نہیں کھینچ سکو گے۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر سختی سے ہونٹوں کو بھینچ کر خاموش رہا۔ ایک گھنٹے بعد تھانے پہنچ کر جیپ رک گئی۔ اس نے بیزاری سے کہا "خانِ اعظم نے تمہیں پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس پہنچانے کا حکم دے کر مصیبت کر دی ہے۔ یہاں سے ایک سو دس میل کا سفر ہے۔ جیپ میں ہڈیاں دُکھنے لگیں گی۔ چلو اترو' میری کار میں چلو۔"

اس کے پاس تقریباً پانچ لاکھ روپے کی ہنڈا ایکارڈ آرام دہ کار تھی۔ میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں پچھلی رات سے جاگ رہا ہوں۔ آرام سے نیند پوری کرنا چاہوں گا۔"

جب کار چل پڑی تو میں نے انسپکٹر کی سوچ میں کہا "اچھا ہے یہ سو جائے۔ جاگتا رہے گا تو الٹی سیدھی باتیں کرے گا اور میں خانِ اعظم کی وجہ سے برداشت کرنے پر مجبور رہوں گا۔"

پھر میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ میں آرام سے دو گھنٹے تک سوتا رہوں۔ اس دوران کوئی غیر معمولی بات ہو' پچھلی سیٹ پر کوئی میرے قریب آنا چاہے تو ہلکی سی آہٹ سے بھی میری آنکھ کھل جائے۔ اس کے بعد میں گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

نامعلوم علاقہ تھا۔ اجنبی ہم سفر تھا۔ انجانے راستے تھے۔ کچھ خبر نہ تھی کہ گاڑی کہاں کہاں سے گزر رہی ہے اور کہاں رک رہی ہے۔ انسپکٹر مجھ سے خار کھا رہا تھا۔ اس لئے اس نے کھانے پینے کے لئے بھی مجھے نہیں جگایا۔ اس کی مہربانی سے میں نے دو گھنٹے کی نیند پوری کر لی۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ دور تک اونچی نیچی پہاڑیاں' پتھر اور چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ کہیں کہیں سبزہ دکھائی دیتا تھا۔ میں نے کہا "آگے کوئی بستی آئے تو ذرا گاڑی روک لینا' چائے پینا چاہتا ہوں۔"

وہ غرا کر بولا "مجھے گاڑی روکنے کا حکم نہ دو۔ میں کسی کی بات برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"خانِ اعظم کی باتیں برداشت کرتے ہو۔ پولیس کی وردی پہن کر گورنمنٹ کے بجائے علاقہ غیر کے سرداروں کی جی حضوری کرتے ہو۔"

اس نے اچانک بریک لگا کر کار روکی۔ پھر میری طرف گھوم کر بولا "اب اگر تم نے ایک بھی توہین آمیز لفظ میرے خلاف کہا تو میں خانِ اعظم کو بھول جاؤں گا اور تمہیں گاڑی سے اتار کر پٹائی بھی کروں گا اور اس ویرانے میں چھوڑ کر بھی چلا جاؤں گا۔"

"میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی کہ تم اس وردی میں رہ کر خانِ اعظم کی غلامی پر تھوک دو گے۔ اور خانِ اعظم کے مہمان کو اس ویرانے میں پھینک کر جاؤ گے۔"

وہ ریوالور نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے بولا "چلو اتر جاؤ میری گاڑی سے۔"

"یہ تمہاری گاڑی کیسے ہے؟ جب تم سچے سپاہی کی طرح خانِ اعظم کی غلامی سے باز آ رہے ہو تو رشوت کی کار پر بھی لعنت بھیج دو۔"

"یہاں خانِ اعظم اور قبائلی سرداروں کی تابعداری کے بغیر کوئی پولیس والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے زندہ رہنا ہے اس لئے تمہیں برداشت کر رہا ہوں۔ میں نے سوچا ریوالور کی دھمکی دے کر تمہاری زبان بند رکھوں گا مگر تم بڑے ہی ڈھیٹ ہو۔ چلو آگے ایک آبادی ہے۔ وہاں تمہیں گرما گرم چائے پلاؤں گا۔ مگر خدا کے واسطے دوستی کر لو اور مجھے طعنے نہ دو۔"

میں نے کہا "دوست آگے پیچھے نہیں ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں۔"

اس نے مسکرا کر مصافحہ کیا۔ میں پچھلی سیٹ سے نکل کر اگلی سیٹ پر اس کے برابر آ گیا۔ جن لوگوں کو رشوت کی کمائی لگ جاتی ہے' وہ لعن طعن سن کر بھی باز نہیں آتے۔ میں اسے طعنے دیتا رہتا تو میری زبان تھک جاتی لیکن وہ آخری سانس تک حرام کی کمائی سمیٹ سمیٹ کر بھی نہ تھکتا۔

اس نے ایک پُررونق بستی میں کار روکی۔ میں نے کہا "دیکھو' میں طعنہ نہیں دے رہا ہوں۔ صرف اپنے ضمیر کی بات کہہ رہا ہوں۔ تمہارے پیسے کی چائے تو کیا پانی بھی نہیں پیوں گا۔"

وہ مسکرا کر بولا "چلو یہی سہی۔ میں پولیس والا ہوں۔ سامنے والے کی جیب سے خرچ کراتا ہوں۔ آج تم سے چائے پی لوں گا۔"

ہم نے ایک ہوٹل میں ڈٹ کر ناشتا کیا۔ چائے پی' پھر میں نے دو جوڑے لباس' جوتے' جرابیں اور ضرورت کی چیزیں خریدیں۔ میری بھی اٹیچی حویلی میں جل گئی تھی۔ میں نے اس میں سے اپنے بتیس ہزار روپے نکال کر رکھ لئے تھے۔ باقی چیزیں دانستہ جلنے کے لئے چھوڑ دی تھیں۔

ہم گیارہ بجے سرحدی چوکی پہنچ گئے۔ پولیٹیکل ایجنٹ زرتاج خان وہاں ایک ڈاک بنگلے میں رہتا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہمیں آتے ہوئے دیکھا۔ کافور خان نے فون پر اطلاع دی تھی کہ اس کا ایک مہمان آ رہا ہے۔ پھر بھی وہ رسماً مجھے خوش آمدید کہنے کے لئے باہر نہیں آیا۔ اس علاقے میں وہ ایک گورنر سے بھی زیادہ اختیارات رکھتا تھا۔ دو قبائلی سردار اس کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے میں وہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس کے پاس آنے والے کمتر ہیں یعنی میں انسپکٹر کے ساتھ وہاں برآمدے میں

کھڑا رہ کر اُس سے ملاقات کرنے کا خواہش مند رہوں گا۔
میں چاہتا تو اس کے دماغ میں گھس کر اسے دوڑاتا ہوا باہر لے آتا لیکن ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ مناسب نہیں تھا۔ اور یہ بھی میرے مزاج کے خلاف تھا کہ میں انتظار میں کھڑا رہتا۔ میں نے اس کی سوچ میں انسانی ہمدردی کے حوالے سے کہا "یہ مہمان بہت دور سے آیا ہے' اگر میں نے اسے ویلکم نہیں کہا تو یہ ہمارے علاقے سے باہر جاکر پریس والوں کے سامنے اچھی رائے پیش نہیں کرے گا۔"
وہ اپنی اس سوچ سے قائل ہوکر اٹھ گیا۔ باہر برآمدے میں آیا۔ انسپکٹر نے اسے دیکھ کر سلیوٹ کیا۔ پھر میرا تعارف کرایا۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "خوش آمدید مسٹر ارسلان! تشریف لائیں۔"
میں اس کے ساتھ کمرے میں آیا۔ اس نے دو سرداروں سے تعارف کرایا پھر مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ خانِ اعظم کی حویلی کس طرح تباہ ہوئی ہے؟ میں نے اسے وہاں کی تمام روداد سنادی۔ وہ اور دونوں سردار حیرت زدہ ہورہے تھے کہ خان اعظم اور بیرم خان پر پاگل پن کا دورہ کیوں پڑتا ہے۔ انہیں خبر کیوں نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کتوں کو گولی ماردیتے ہیں۔ اپنے چاقو سے خود کو زخمی کرتے ہیں۔ انہوں نے ایسی ہی غفلت کی حالت میں اپنی حویلی کو آگ لگائی ہوگی۔ وہ تینوں اپنے طور پر صحیح رائے قائم کررہے تھے۔
زرتاج خان نے کہا "مسٹر ارسلان! تم تو بہت پہنچے ہوئے نجومی ہو۔ کیا میرا زائچہ بھی بناؤ گے؟"
"ضرور بناؤں گا۔ پہلے رہائش کی اطمینان بخش جگہ مل جائے۔"
"یہ پورا علاقہ ہمارا ہے تو تمہارا بھی ہے۔ جہاں چاہو رہ سکتے ہو۔ کہو تو اس ڈاک بنگلے کا ایک کمرا کھلوادوں۔"
میں نے کہا "میں کسی غریب کسان یا مزدور کے گھر میں رہنا چاہتا ہوں لیکن مہمان بن کر نہیں' میں اس گھر کے تمام اخراجات برداشت کروں گا۔"
"یہاں کے لوگ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ وہ مہمانوں سے پیسے نہیں لیتے۔ لیکن کسی غریب کو راضی کرلیا جائے گا۔ اس بے چارے کی مدد بھی ہوجائے گی۔"
میں نے پوچھا "یہ رہائش علاقہ غیر میں ہوگی یا اسی علاقے میں؟"
"تم علاقہ غیر میں کہاں جاکر پھنسنا چاہتے ہو۔ وہاں لاقانونیت ہے۔ اندھی گولیاں چلتی ہیں اور وہ گولیاں دوست اور دشمن کی تمیز نہیں کرتی ہیں۔ تم اِدھر ہی رہو' اُدھر نہ جاؤ۔"
"میں ادھر ہی جانا چاہتا ہوں۔ صرف تمہاری اجازت چاہئے۔ اسی غرض سے ہزاروں میل دور سے آیا ہوں۔ علاقہ غیر میں نہ رہا۔ وہاں کا پانی نہ پیا اور دوسروں کو پانی پلا پلاکر نہ گیا تو حسرت رہ جائے گی۔"
"ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ مہمان کوئی حسرت لے کر یہاں سے نہ جائے۔ یہ کاغذ قلم لو اور درخواست لکھو کہ تم علاقہ غیر میں چند دنوں کے لئے جانا چاہتے ہو اور وقتِ مقررہ پر واپس آجاؤ گے۔"
میں نے ایک عرضی لکھ دی۔ اس کے بعد کچھ کاغذی کارروائی عمل میں آئی۔ اس نے پوچھا "تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟"
"اکتیس ہزار روپے سے زیادہ...!"
"اتنی رقم لے جاؤ گے تو اپنے لئے بے شمار رہزن پیدا کراؤ گے۔ ایک ہزار اپنے پاس رکھو اور تیس ہزار یہاں جمع کرادو۔ ادھر کوئی مہنگی چیز خریدنا ہو تو میرا کارڈ اس علاقے کے سردار کو دکھادینا وہ مجھ سے فون پر رابطہ کرے گا۔ میں اس سے کہہ دوں گا کہ تم تیس ہزار تک جو چیز بھی خریدو گے اس کی ادائیگی میں کروں گا۔ مزید رقم کی ضرورت ہو تو وہ بھی وہاں مل جائے گی۔"
میں نے پولیٹیکل ایجنٹ کو تیس ہزار دے دئے۔ اس نے مجھے اپنا ایک کارڈ دیتے ہوئے کہا "یہ بہت اہم ہے۔ تم جس قبیلے میں جاؤ گے وہاں کے سردار یہ کارڈ دیکھ کر تم سے تعاون کریں گے۔"
پھر اُس نے ایک مسلح ماتحت کو حکم دیا "مسٹر ارسلان کو جیپ میں علاقہ غیر لے جاؤ۔ ادھر پہلی جنوبی بستی پنجہ خیل کے سردار کے پاس پہنچادو پھر واپس آجاؤ۔"
میں نے پوچھا "کیا میری رہائش کا انتظام وہاں کا سردار کرے گا؟"
"میں فون پر اسے تمام باتیں سمجھادوں گا۔ تم اطمینان سے جاؤ۔"
میں جیپ میں بیٹھ کر دوپہر کے دو بجے پنجہ خیل کی بستی میں پہنچ گیا۔ وہاں ایک قبیلے کے سردار نے میرے لئے زبردست کھانے کا انتظام کیا تھا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ ایک غریب کسان وہاں موجود تھا۔ سردار نے کہا "تم اس کے گھر میں رہ سکتے ہو اور جب تک رہو گے' کھانے کا سامان میرے پاس سے جائے گا۔"
میں سردار کی بات سے انکار کرکے پورے قبیلے کو دشمن نہیں بنا سکتا تھا۔ اس لئے راضی ہوگیا۔ کسان کا چھوٹا سا مکان پہاڑ کے ساتھ چٹانوں کے سائے میں تھا۔ قریب ہی ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ بہتا تھا۔ ندی کی چوڑائی پچاس گز ہوگی۔ اس پچاس گز کے فاصلے پر یعنی ندی کے دوسرے کنارے پر پتھروں سے بنا ہوا قید خانہ تھا جہاں کچھ جوان لڑکے' لڑکیاں اور بوڑھے قیدی بنا کر رکھے گئے تھے۔ جب بوڑھے کسان نے بتایا کہ وہ لوگ حبسِ بے جا میں رکھے گئے ہیں تو میں ندی کے پانی میں اتر کر ادھر جانے لگا۔ گہرائی زیادہ نہیں تھی۔ درمیان میں صرف کمر تک پانی تھا۔ جب میں نے نصف ندی پار کرلی تو قید خانے کے مسلح پہرے داروں نے مجھے نشانے پر رکھتے ہوئے للکارا۔ وہ مقامی زبان میں بول رہے تھے۔ لیکن سمجھ میں آگیا کہ وہ مجھے ندی پار کرنے سے منع کررہے ہیں۔

میں نے اوپری جیب سے پولیٹیکل ایجنٹ کا کارڈ نکال کر اسے سر سے بلند کرتے ہوئے دکھایا' پھر کہا "یہ پولیٹیکل ایجنٹ کا کارڈ ہے۔ میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا ہوں۔"
انہوں نے رائفلوں کو واپس اپنے شانوں سے لٹکالیا۔ ایک نے کنارے پر آکر کہا "یہاں تمہاری زبان سمجھنے والے دو چار ہی ہیں۔ کیا تم پولیٹیکل ایجنٹ کے نمائندے ہو؟"
میں پانی سے نکلتا ہوا اس کے پاس آکر بولا "میں پولیٹیکل ایجنٹ اور تمہارے سردار کا مہمان ہوں۔"
اس نے کہا "تم نے یہ کارڈ دکھایا۔ اس لئے ہم نے گولی نہیں چلائی۔ تم واپس جاؤ۔ آقا سے اجازت لے کر آؤ۔ مالک کی اجازت کے بغیر اس کنارے پر آنے والوں کو گولی ماردی جاتی ہے۔"
میں نے دور قید خانے کی طرف دیکھا۔ ایک روشندان جیسی کھڑکی کی سلاخوں کے پیچھے سے ایک نوجوان اور ایک بوڑھا حسرت سے اور رحم طلب نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے پہرے دار سے کہا "اچھی بات ہے' میں اجازت لے کر آؤں گا۔"
میں واپس ہوگیا۔ پانی میں اتر کر پہلے کنارے کی طرف جاتے ہوئے اس مسلح پہرے دار کے اندر پہنچ گیا۔ وہ قید خانہ کی سلاخوں والی کھڑکی کے پاس آکر قیدیوں سے کہہ رہا تھا "ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ وہ تمہارا باپ نہیں تھا۔ تمہارے باپ یا سرپرست آکر رقم ادا کریں گے تو تمہیں رہائی ملے گی۔"
ایک جوان نے کہا "میں نے اپنے باپ کا پتا اور فون نمبر تمہارے آقا کو بتادیا تھا۔ پلیز میرے ڈیڈی کو فون کرو' وہ میری رہائی کے لئے ضرور تاوان دیں گے۔"
"تم سب کے ماں باپ اور سرپرستوں سے بات چل رہی ہے۔ صبر کرو' مقدر میں رہائی ہوگی تو رہائی ملے گی۔ موت ہوگی تو موت ملے گی۔"
میں اس جوان قیدی کے اندر آگیا۔ اس کے خیالات سے پتا چلا۔ وہ پچھلے دو دن سے وہاں قید ہے۔ کچھ ایسے بوڑھے اور جوان ہیں جو چار چھ دنوں سے ہیں۔ وہاں تین لڑکیاں ہیں' ایک لڑکی پچھلے دس دن سے ہے۔
اس جوان نے میری مرضی کے مطابق اس لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "شینا! دو دنوں میں یہاں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ تم دس دنوں سے کیسے جی رہی ہو؟"
وہ بولی "اچھے دنوں کی امید میں جینا ہی پڑتا ہے۔"
میں شینا کے دماغ میں آگیا۔ اس کے خیالات نے کہا۔ وہ فیصل آباد کے مل اونر کی بیٹی ہے۔ وہ پشاور کے قریب آثارِ قدیمہ کی تصاویر اتارنے فیصل آباد سے آئی تھی۔ ان کھنڈرات کا تعلق مہاتما بدھ سے تھا اور وہ اس موضوع پر تھیسس لکھنا چاہتی تھی۔ ایک پروفیسر اور چند طلبا وطالبات کے ساتھ تھی لیکن بدقسمتی سے وہ ایک کھنڈر میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ تصویریں اتارتی ہوئی وہ دوسری طرف نکل گئی تھی۔ اچانک دو اشخاص نے اسے پیچھے سے جکڑلیا۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر بازو میں ایک سرنج کی سوئی پیوست کردی۔ پھر اسے ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچائی جارہی ہے۔
آنکھ کھلی تو ایک بند گاڑی کی سیٹ پر پڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ ایک جگہ گاڑی روکی گئی تھی۔ دو خونخوار قسم کے قبائلیوں نے اس کے منہ پر سے پٹی ہٹاکر اسے کچھ کھانے پینے پر مجبور کیا۔ وہ رو رہی تھی اور پوچھ رہی تھی "مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"
ایک نے کہا "ہم معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی کسی پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے' تم ایک بہت بڑے مل اونر کی بیٹی ہو۔ تمہارا باپ تمہاری عزت بچانے اور رہائی دلانے کے لئے تم از کم دس لاکھ روپے ضرور دے گا۔"
شینا نے کھانے سے انکار کیا تو دوسرے نے کہا "ابھی تمہاری عزت اور جان دونوں سلامت ہیں۔ ہماری باتیں مانتی رہوگی تو اسی طرح سلامت رہوگی۔ ورنہ تمہاری جان سے پہلے تمہاری عزت جائے گی۔"
وہ عزت و آبرو کی خاطر کھانے پر مجبور ہوگئی۔ پنجہ خیل میں اسے ہر طرف خونخوار اور بے رحم چہرے نظر آئے۔ ان کے سردار نے کہا "ہمارا ایک نمائندہ تمہارے باپ سے معاملات طے کرے گا۔ تمہارا باپ جتنی جلدی رقم ادا کرے گا۔ اتنی ہی جلدی تمہیں رہائی نصیب ہوگی۔"
اس بات کو دس دن گزر چکے تھے۔ اور اب تک اس کی رہائی کے لئے رقم ادا نہیں کی گئی تھی۔ ایک ہفتے تک یہی خبر ملتی رہی کہ شینا کا باپ کاروبار کے سلسلے میں گیا ہوا ہے۔ اور یہ پتا نہیں چل رہا ہے کہ وہ کس ملک میں ہے۔
آٹھویں دن شینا کے سوتیلے بھائی سے رابطہ ہوا۔ نویں دن خبر ملی کہ سوتیلا بھائی فہیم درانی رقم لے کر پشاور پہنچ گیا ہے۔ دسویں دن کی صبح سردار نے شینا سے کہا تھا۔ آج آخری دن ہے۔ **کل چھ** بجے تک رقم نہ ملی تو تمام قبیلوں کے سرداروں کو دعوت دی جائے گی' وہ آئیں گے اور زیادہ سے زیادہ بولی دے کر **تمہیں** اپنے عیش کدے کے لئے لے جائیں گے۔
میں ندی کے اس پار کسان کے گھر میں آگیا۔ وہاں دو کمرے تھے۔ ایک بڑا کمرا میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ سردار کے ملازم بستر' چارپائی' کرسیاں اور ویڈیو کیسٹ ریکارڈر وغیرہ وہاں لے آئے تھے۔ کمرے کو میری رہائش کے قابل بنارہے تھے۔ میں خیال خوانی کے لئے تنہائی چاہتا تھا۔ اس لئے دریا کنارے ایک پتھر پر آکر بیٹھ گیا۔ میں نے سردار کے پاس پہنچ کر اسے اپنے نمائندے سے

رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ اس نے فون کے ذریعے نمائندے کو مخاطب کرکے پوچھا "فہیم درانی کیا بولتا ہے؟ آج رقم دے گا یا نہیں؟"

نمائندے نے کہا "یہ خنزیر کا بچہ معاملے کو ٹال رہا ہے۔ ادھر پشاور میں اپنے غنڈوں کے ساتھ آیا ہے۔ میں اسے دھمکی نہیں دے سکتا۔ اس سے زبردستی رقم نہیں لے سکتا۔ میں اس کو بہن کے لئے غیرت دلاتا ہوں۔ وہ بے غیرت بولتا ہے 'بہن کو گولی ماردو۔'"

میں نمائندے کے پاس پہنچ گیا۔ سردار اس سے کہہ رہا تھا "ٹھیک ہے۔ دس لاکھ نہ سہی، کل اس کی بہن کی نیلامی ہوگی۔ کوئی نہ کوئی اس کے دو چار لاکھ دے دے گا۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ میں نے نمائندے کو فہیم درانی سے بات کرنے پر مائل کیا۔ اس نے فون پر اسے مخاطب کیا "ہیلو درانی صاحب! میں ایجنٹ بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ صاف ظاہر تھا۔ فہیم درانی کو سوتیلی بہن کی رہائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے نمائندے کے ذریعے پھر رابطہ کیا۔ میں اس کی آواز نہیں سن سکا تھا اور سننا ضروری تھا۔ اس بار جیسے ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا۔ میں نے نمائندے کی زبان سے کہا "شینا کے باپ سے ہمارا براہِ راست رابطہ ہوگیا ہے۔ اگر اپنی بھلائی نہیں چاہتے ہو تو جہنم میں جاؤ۔ اب میں فون نہیں کروں گا۔"

وہ بولا "ٹھہرو ریسیور نہ رکھنا۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم فیصل آباد کے فون پر کسی سے بات نہیں کروگے۔"

میں نمائندے سے ریسیور رکھوا کر فہیم درانی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ ایک آوارہ اور عیاش نوجوان ہے۔ باپ دل کا مریض تھا، اس نے بیٹے کو دس لاکھ دے کر کہا تھا فوراً بہن کو واپس لے آؤ۔ لیکن وہ پچھلے نو دنوں سے ایک طرف باپ کو اور دوسری طرف اغوا کرنے والوں کو ٹال رہا تھا۔ اس نے نو لاکھ روپے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرادئے تھے۔ ایک لاکھ روپے لے کر آوارہ دوستوں کے ساتھ پشاور آیا تھا تاکہ باپ اس آسرے میں رہے کہ بیٹا بہن کی خاطر پشاور گیا ہے اور اسے واپس لے کر ہی آئے گا۔

اس نے سوچا تھا۔ اغوا کرنے والوں کو رقم نہیں ملے گی تو وہ شینا کو گولی ماردیں گے یا اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔ باپ کو بیٹی کی موت کی اور بے آبروئی کی خبر ملے گی تو وہ صدمہ برداشت نہیں کرسکے گا۔ دل کا مریض ہے، اسے بھی مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔

میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ سوچنے لگا، کیا کیا جائے؟ بے غیرت بھائی کو ابھی سزا دینے سے شینا کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اس علاقے میں ایک سردار میرا دشمن بنے گا تو تمام سردار بھی میرے دشمن بن جائیں گے، چاروں طرف دشمن ہوں گے تو ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنا بچاؤ نہیں کرسکوں گا۔ سیکڑوں ہزاروں گولیاں برسیں گی تو دو چار گولیاں مجھے ضرور لگیں گی۔

شام کے چھ بج رہے تھے۔ صبح چھ بجے تک شینا کی مہلت تھی۔ ان درمیانی بارہ گھنٹوں میں اس کے لئے کچھ کرسکتا تھا۔ اس لئے ہر پہلو سے غور کررہا تھا۔ میں نے معلوم کیا تھا، سردار نے اسلحہ اور بارود کا ذخیرہ کہاں رکھا ہے۔ میں خانِ اعظم کی حویلی کی طرح یہاں بھی دھماکے کرتا تو پولیٹیکل ایجنٹ اور دوسرے تمام سردار مجھ پر شبہ کرتے کہ میں جہاں جاتا ہوں وہاں ایسی ہی بھیانک تباہی لے آتا ہوں۔

رات دس بجے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہاں صاحبِ اقتدار صرف سردار ہے۔ باقی سب محکوم ہیں۔ وہ رات کو دن کہتا ہے تو سب ہی دن کہتے ہیں۔ اگر میں اس ایک شخص کی کھوپڑی الٹ دوں۔ اسے ایک شریف اور مہذب انسان بنادوں تو اس کے سارے محکوم بھی شرافت دکھانے پر مجبور ہوجائیں گے۔

جب وہ سونے کے لئے بستر پر آیا تو میں نے اس پر عمل کیا۔ اس کے دماغ میں یہ نقش کیا کہ آئندہ وہ ایک ہاتھ میں تسبیح اور دوسرے ہاتھ میں ریوالور نہیں پکڑے گا۔ دوغلی حرکتوں سے باز آجائے گا۔ ریوالور پھینک کر صرف تسبیح اور ایمان کا ہوکر رہے گا۔ معصوم اور بے گناہ انسانوں کو اغوا نہیں کرائے گا۔ جو اس کی قید میں ہیں۔ انہیں رہا کرکے بحفاظت ان کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کرے گا۔ آئندہ وہ میرا دوست بن کر رہے گا اور میرے مشوروں پر عمل کرتا رہے گا۔

میں نے اچھی اچھی باتیں اس کے ذہن میں نقش کرکے اسے سونے کے لئے چھوڑ دیا۔ پھر فہیم درانی کے پاس پہنچا۔ وہ ایک مہنگے ہوٹل کے کمرے میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ میں نے اسے باپ سے فون پر باتیں کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے، رابطہ قائم ہونے پر ایک ملازم کی آواز سنائی دی، اس نے کہا "میں پشاور سے فہیم بول رہا ہوں، ابو کو فون دو۔"

تھوڑی دیر بعد اس کے باپ وسیم درانی کی آواز سنائی دی، وہ بول رہا تھا "بیٹے! کوئی خوشخبری سناؤ۔ شینا کی جدائی نے مجھے بستر سے لگادیا ہے۔"

"کس شینا کی بات کررہے ہیں۔ وہ درندوں کی بستی میں ہے۔ اس کی آبرو کی دھجیاں اڑ چکی ہوں گی۔ وہ واپس آئے گی تو ہم رشتے داروں اور کاروباری حلقوں میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ میرا نیک مشورہ ہے کہ آپ اس پر فاتحہ پڑھ لیں۔"

میں اس کے باپ وسیم درانی کے دماغ میں تھا۔ وہ دل کا مریض تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا، وہ صدمہ سے مرجائے۔ اس لئے اس کے اندر رہ کر حوصلہ پیدا کررہا تھا۔ اس نے بیٹے سے کہا "کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں تو ہو؟"

"پہلے ہوش میں نہیں تھا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ایک

نئی کار خریدنا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ نے کار کے لئے مجھے پانچ لاکھ نہیں دئے۔ اور بیٹی کے لئے دس لاکھ روپے نکال کردے دئے۔ لیکن میں احمق نہیں ہوں۔ میں نے ایک آبرو باختہ لڑکی کے لئے دس لاکھ ضائع نہیں کئے۔ وہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرادی ہے۔ آپ کو یہی مشورہ دینے کے لئے فون کیا ہے کہ آپ بیٹی کے لئے صبر کرلیں۔ وہ ہمارے لئے مرچکی ہے۔ میں اسی لئے پشاور میں ہوں کہ وہ کسی طرح زندہ لوٹے گی تو اسے گولی ماردوں گا۔ ایک مردہ بیٹی کا ماتم کریں گے تو دنیا آپ کے غم میں شریک ہوگی۔ زندہ بیٹی کی واپسی پر خوش ہوں گے تو دنیا والے اس پر کیچڑ اچھالیں گے۔ آپ عقل سے کام لیں۔ صبر کریں اور اسے شرم سے مرجانے دیں۔"

میں وسیم درانی کے اندر بھڑکنے والے غصے کو دبا رہا تھا۔ اس کی سوچ میں سمجھا رہا تھا "مجھے غصے اور جنون میں نہیں آنا چاہئے۔ سمجھداری سے کام لینے کا وقت ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کی رہائی کے لئے خود وہاں جانا چاہئے۔ میں اتنا بیمار نہیں ہوں کہ اپنی عزت اور غیرت کے لئے پشاور تک نہ جاسکوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ کچھ سوچا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ ایک اعلیٰ پولیس افسر سے رابطہ قائم کرکے اسے اپنے بیٹے فہیم کے متعلق بتایا کہ وہ پشاور کے ایک ہوٹل میں ہے، اس نے دس لاکھ کا فراڈ کیا ہے۔ اسے پشاور پولیس کی مدد سے گرفتار کرکے فیصل آباد لے آئیں۔ افسر نے کہا "درانی صاحب! اطمینان رکھیں۔ وہ صبح تک آپ کے سامنے ہوگا۔"

"میں شاید صبح تک یہاں نہ ملوں۔ آپ میری واپسی تک اسے حراست میں رکھیں، اس سے دس لاکھ روپے کا حساب لیں اور اسے ایسی سزا دیں کہ میری سوسائٹی میں بدنامی نہ ہو اور وہ بھی آئندہ ایسی حرکتوں سے توبہ کرلے۔"

اس نے رابطہ ختم کیا۔ پھر ایک رئل اونر دوست سے رابطہ کیا۔ اسے اپنے بیٹے کے متعلق بتایا، دوست نے کہا "فی الحال بیٹے کو بھول جاؤ۔ اپنی شینا بیٹی کے لئے ہمیں خود وہاں جانا چاہئے۔"

"میں نے اسی لئے فون کیا ہے۔ میرے پاس گھر میں نقد پندرہ لاکھ ہیں، تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟"

"میرے پاس بھی اتنی ہی رقم ہوگی۔ میں صبح کی فلائٹ میں دو سیٹیں بک کراتا ہوں۔ تم اغوا کرنے والوں کو اطلاع دو کہ رقم لے کر آرہے ہو۔"

میں نے سردار پر جیسا تنویمی عمل کیا تھا۔ اس کے بعد رقم کی ادائیگی ضروری نہ ہوتی۔ تمام قیدی مفت میں رہا ہوجاتے۔ اس کے باوجود میں نے سوچا وہ دونوں سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ رقم لے آئیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ رقم واپس جاسکتی تھی اور نیک کاموں میں خرچ بھی ہوسکتی تھی۔

اس رات میں اپنوں کی خیریت معلوم کرکے آرام سے سوگیا۔ صبح وہی ہونے والا تھا جس کے لئے میدان ہموار کرچکا تھا۔ مگر ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جس کی تدبیر کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تقدیر بھی اپنی ضد پوری کرلیتی ہے۔ دوسری صبح اس قبیلے کا سردار بدل گیا۔ جس پر تنویمی عمل کیا تھا، اسے قتل کردیا گیا۔ اس کے بھائی جرار خان نے اسے قتل کرکے سرداری کا منصب سنبھال لیا۔

جرار خان پچھلے چھ برس سے افغانستان کے شمالی شہر فرغنہ میں تھا۔ یہ شہر روسی سرحد کے قریب تھا۔ وہاں روسی ایجنٹوں اور تخریب کاروں کی ایک جماعت میں شامل ہوکر سیاسی داؤ پیچ سیکھتا رہا تھا۔ وہاں رہ کر یہ سمجھ میں آیا کہ جب تک بھائی زندہ رہے گا اسے قبیلے کی سرداری نہیں ملے گی۔ وہ پچھلی رات اچانک قبیلے میں آیا تھا اور اپنے سردار بھائی کو نیند کی حالت میں قتل کرکے اس کے مسلح محافظوں کو پچاس پچاس ہزار روپے دیئے اور انہیں اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔ پھر صبح ہوتے ہی اپنی سرداری کا اعلان کردیا تھا۔

میں نیند سے بیدار ہوا تو میزبان کسان نے بتایا کہ قبیلے کا سردار بدل گیا ہے۔ میں نے مقتول سردار کے دستِ راست کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ اس کی وفاداری بدل گئی تھی۔ اب وہ نئے سردار کا دستِ راست بن گیا تھا اور سردار جرار خان کو موجودہ آمدنی کے ذرائع بتا رہا تھا۔ ان میں ایک موجودہ ذریعہ وہ تمام اغوا کئے ہوئے قیدی تھے، جن سے لاکھوں روپے وصول ہونے والے تھے۔

جرار خان نے کہا "تمام قبیلوں کے سرداروں کے پاس اپنے آدمی روانہ کرو۔ انہیں خوش خبری سناؤ کہ جرار خان سردار بن چکا ہے۔ اور اس خوشی میں چند حسیناؤں کو نیلامی کے لئے پیش کیا جائے گا۔ آج شام کے چھ بجے نیلامی شروع ہوگی۔"

میں محتاط اور گمنام رہ کر قیدیوں کی رہائی کے لئے کوشش کرچکا تھا۔ اب کسی حد تک کھل کر سامنے آنے کی ضرورت تھی۔ میں نے سلمان، سلطانہ، لیلیٰ اور جوجو کو بلایا۔ انہیں سمجھایا کہ قیدیوں کو وہاں سے رہائی کیسے دلائی جاسکتی ہے۔ ہم ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے تمام دشمنوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے کیونکہ سلمان، سلطانہ، لیلیٰ اور جوجو یورپ کی بیشتر زبانیں جانتے تھے لیکن ایشیائی زبانوں کو بالکل نہیں سمجھ سکتے تھے۔

صرف ایک آسانی تھی۔ افغانستان اور روس کی سرحدوں سے انگریزی بولنے والے اسمگلر آتے جاتے رہتے تھے اور ان قبائلیوں کو پونڈز اور ڈالروں کی صورت میں منافع پہنچاتے تھے۔ چرس اور ہیروئن لے جاتے تھے۔ اس لین دین میں وہاں کے سرداروں اور ان کے خاص حواریوں نے تھوڑی بہت انگریزی سیکھ لی تھی۔ میں نے اپنے خیال خوانی کرنے والوں کو اسی ایک زبان کے سہارے جرار خان اور اس کے دو چار حواریوں کے دماغوں میں پہنچادیا۔ اور آپس میں یہ طے کرلیا کہ جتنے دشمنوں کے اندر ہم پہنچ چکے ہیں۔ انہیں آخر وقت تک زندہ رکھیں گے... تاکہ

ان کے ذریعے قیدیوں کو رہا کرایا جا سکے۔

پھر میں نے جرار خان کو مخاطب کیا "ہیلو قاتل خان؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر سوچا "کیا میں اپنے اندر خود کو ہیلو کہہ رہا ہوں؟"

"تمہارے اندر ٹیلی پیتھی کا علم بول رہا ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "ٹیلی پیتھی!"

"ہاں تم علاقہ غیر کے باہر چھ برس فرغنہ میں رہ چکے ہو۔ روسیوں کے ایجنٹ بن کر آئے ہو۔ ٹیلی پیتھی کے علم کے متعلق کچھ تو سنا ہوگا؟"

"ہاں۔ سنا ہے کوئی دماغ کے اندر آکر بولتا ہے۔"

"تو پھر میں بول رہا ہوں۔ تم اتنی دیر سے کس کی باتوں کے جواب میں بول رہے ہو؟"

"ہاں سمجھ گیا۔ تم کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والے ہو لیکن ادھر کیسے آئے ہو؟"

"تمہاری عاقبت سنوارنے آیا ہوں۔ تم نے اغوا کرنے والوں کو قید کر رکھا ہے۔ ان میں جو حسین لڑکیاں ہیں، ان کی نیلامی کرنے والے ہو۔"

"بے شک، یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔"

"اب نہیں ہوگا۔ انہیں آزاد کردو۔"

"ارے تم مجھے لاکھوں روپے پھینک دینے کو کہہ رہے ہو؟ کیا مجھے پاگل سمجھتے ہو؟"

"تم سے بڑا پاگل تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ یہ دیکھو، تم اپنے دستِ راست سے کہہ رہے ہو کہ تم سے کچھ فاصلے پر جو مسلح حواری کھڑا ہے اسے گولی ماردی جائے۔"

پھر میں نے اسے بولنے پر مجبور کیا۔ وہ اپنے دستِ راست سے بولا "کیا تم میرے وفادار ہو؟"

"بے شک وفادار ہوں۔"

"کیا میرے حکم پر کسی کو بھی گولی مار سکتے ہو؟"

"حکم کرو آقا۔"

"وہ سامنے جو لال پگڑی والا شخص کھڑا ہے اسے گولی ماردو۔"

دستِ راست نے پریشان ہو کر کہا "آقا! وہ میرا بھائی ہے۔"

"میں نے حکم دیا ہے۔ رشتہ نہیں پوچھا ہے۔"

"آقا! ہم اپنی سلامتی کے لئے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور زندگی گزارنے کے لئے تمہاری غلامی کرتے ہیں۔ میرا بھائی بھی تمہارا وفادار غلام ہے۔ اگر اس کی وفاداری میں فرق آئے گا تو میں اسے ضرور گولی ماروں گا۔ تم اس کا قصور بتاؤ؟"

جرار خان نے دوسرے حواری سے کہا "یہ بحث کر رہا ہے، تم حکم کی تعمیل کرو، اس پر فائر کرو۔"

حواری نے حکم کی تعمیل کے لئے اپنی گن سیدھی کی لیکن اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتا دستِ راست نے اسے گولی مارتے ہوئے جرار خان کو نشانے پر رکھ لیا اور کہا "تم نے کل رات ہمارے آقا کو قتل کردیا۔ اب میرے بھائی کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ تم پاگل ہو۔"

میں نے جرار خان سے کہا "دیکھو یہ دستِ راست بھی تمہیں پاگل کہہ رہا ہے۔ میں نے تمہارا پاگل پن ثابت کردیا ہے۔"

وہ اپنے دستِ راست کی گن کے نشانے پر تھا۔ اس سے بولا "میں نے تمہارے بھائی کو مارنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ میرے دماغ کے اندر ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا چھپا ہوا ہے۔ ابھی اس نے یہ حکم دیا تھا۔"

"جرار خان! تم سچ مچ پاگل ہو۔ ابھی تم نے میرے سامنے حکم دیا تھا۔ اور کہتے ہو تمہارے دماغ کے اندر کوئی چھپا ہوا ہے۔ وہ قد میں کتنا چھوٹا ہے کہ تمہارے دماغ میں جا کر چھپ گیا ہے؟"

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟ ٹیلی پیتھی ایک علم ہے۔ ایسا علم جاننے والا خیال خوانی کے ذریعے ہمارے تمہارے خیالات پڑھ لیتا ہے اور ہم سے زبردستی اپنی بات منوالیتا ہے۔"

"جرار خان! تم موت کو سامنے دیکھ کر بکواس کر رہے ہو۔ مگر یہ موت نہیں ٹلے گی۔ اگر تم زندہ رہ گئے تو سردار کی حیثیت سے مجھے اور میرے بھائی کو مار ڈالو گے۔"

وہ جرار خان کو گولی مارنا چاہتا تھا لیکن ہم نے طے کیا تھا کہ اپنے کسی آلۂ کار کو پہلے مرنے نہیں دیں گے۔ اس لئے میں نے دستِ راست کا نشانہ بہکا دیا۔ جرار خان اچھل کر دوسری طرف گیا پھر اس نے جوابی فائرنگ کی۔ ہم تمام خیال خوانی کرنے والے ایک ایک آلۂ کار کے دماغ میں تھے۔ انہیں ایک دوسرے سے بچا رہے تھے اور ان پر فائرنگ کر رہے تھے جو ہمارے آلۂ کار نہیں بن سکتے تھے۔

دشمن جہنم میں پہنچ رہے تھے اور ہمارے آلۂ کاروں کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک پارٹی میں جرار خان کے کچھ حمایتی تھے۔ دوسری پارٹی میں کچھ مسلح افراد دستِ راست کا ساتھ دے رہے تھے۔ آدھے گھنٹے میں کتنی ہی لاشیں زمین بوس ہوگئیں۔ چونکہ فائرنگ کرنے والے ہمارے قابو میں تھے اس لئے ہماری مرضی کے مطابق انہوں نے فائرنگ روک دی۔

وہ تعداد میں پانچ رہ گئے تھے۔ ہم خیال خوانی کرنے والے بھی پانچ تھے۔ ہم انہیں پانچ ویگنوں اور پجیرو میں بٹھا کر ندی کنارے لائے۔ جرار خان نے قید خانے کے پہرے داروں کو حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو لا کر گاڑیوں میں بٹھایا جائے اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے۔

حکم کی تعمیل کی گئی۔ نوجوان لڑکیوں، لڑکوں اور بوڑھوں کو گاڑیوں میں بٹھایا گیا۔ میں بھی ایک گاڑی میں بیٹھ گیا۔ یہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور علاقہ غیر سے نکل کر آیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے ریسٹ ہاؤس سے باہر آکر دستِ راست سے مصافحہ کیا۔ پھر پوچھا "کیا یہ وہی قیدی ہیں جنہیں اغوا کرکے پنجہ خیل پہنچایا گیا تھا؟"

"ہاں۔ یہ وہی ہیں، اور ہم انہیں حفاظت سے واپس لے جارہے ہیں۔"

"کیا ان کے سرپرستوں نے رقم ادا کردی ہے؟ لیکن رقم کی ادائیگی تو میرے ذریعے ہوتی ہے۔"

میں نے دستِ راست کی زبان سے کہا "ادائیگی ہو چکی ہے، کیا اپنا کمیشن چاہتے ہو؟"

وہ بولا "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟"

میں نے کہا "جاؤ پہلے مسٹر ارسلان کے تیس ہزار لے آؤ۔"

وہ ریسٹ ہاؤس کے اندر گیا۔ سلمان جرار خان پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔ میں نے کہا "ان پانچ آلۂ کاروں میں سے ایک کم کرو۔ ایک حواری کو گولی مار کر اس دستِ راست کے دماغ میں آؤ۔ میں دوسری طرف مصروف رہوں گا۔"

سلمان نے ایک حواری کو ختم کیا۔ اس کے اندر لیلیٰ تھی، وہ میری جگہ دستِ راست کے دماغ میں آئی۔ میں پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس آگیا۔ اس نے ایک آئرن سیف میں بارہ لاکھ روپے، دس ہزار پونڈ اور اٹھارہ ہزار ڈالر رکھے تھے۔ وہ ہر ماہ کے آخر میں ایسی نقد رقمیں لے جا کر شہر کے بینکوں میں اور کچھ کالی تجوریوں میں جمع کرتا تھا۔ اس نے تمام رقم نکال کر ایک اٹیچی میں رکھی اور اسے لے کر میرے ساتھ پجیرو میں آبیٹھا۔ تمام گاڑیاں آگے پیچھے چلنے لگیں۔

ہم پانچ خیال خوانی کرنے والے اپنی اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے قیدیوں سے کہہ رہے تھے "تم سب قیدی نہیں رہے۔ اب آزاد ہو۔ ہم تمہیں پشاور لے جارہے ہیں۔ وہاں تمہارے سرپرستوں سے رابطہ کرکے انہیں بلا کر تمہیں ان کے حوالے کیا جائے گا۔"

وہ آزادی کی خوشخبری سن رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ راستے میں کھاتے پیتے ہنستے بولتے جارہے تھے۔ میں نے آئی جی کو اطلاع دی کہ میں مجرموں کو اغوا ہونے والوں کے ساتھ لا رہا ہوں۔ ان میں مل او نر وسیم درانی کی بیٹی شینا بھی ہے۔

جب ہم پشاور شہر میں داخل ہوئے تو آئی جی نے پولیس پارٹی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی سے کہا "ان میں میرا ایک خاص بندہ ارسلان ہے جسے آلۂ کار بنا کر میں اس سے اپنا کام نکالتا ہوں۔ آپ اسے زیادہ دیر نہ روکیں۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس جتنی رقم ہے اسے قومی خزانے میں جمع کرادیں۔"

آئی جی نے پجیرو کے پاس آکر پوچھا "مسٹر ارسلان کون ہیں؟"

میں نے گاڑی سے اتر کر مصافحہ کیا۔ پانچ مجرموں کی نشاندہی کی۔ انہیں ہتھکڑیاں پہنادی گئیں۔ آئی جی نے مجھ سے کہا "مسٹر ارسلان! قانونی کارروائی کرنے اور اغوا ہونے والوں کے سرپرستوں سے رابطہ کرنے میں گھنٹوں لگ جائیں گے۔ آپ میری رہائش گاہ میں چل کر آرام کریں۔"

میں نے جانے سے پہلے شینا کو بتایا کہ اس کے والد کس ہوٹل میں ہیں۔ کمرا نمبر اور فون نمبر بھی بتایا۔ پھر پولیٹیکل ایجنٹ سے کہا۔ "تم بڑے عہدے پر ہو۔ اپنے بچاؤ کی کوشش کروگے لیکن تمہارے دماغ پر فرہاد علی تیمور سوار ہے۔ تحریری طور پر اپنے تمام جرائم کا اعتراف کرلو۔ ورنہ فرہاد کو اقبالِ جرم کرانا آتا ہے۔"

میں نے آئی جی کی رہائش گاہ میں آکر غسل کیا۔ لباس تبدیل کرکے کچھ کھایا۔ پھر کمرے کا دروازہ بند کرکے نورزمان کی خبر لی۔ وہ ماں اور بہن کو لے کر پشاور آگیا تھا۔ جس ہوٹل میں ملازم تھا۔ اس کے مالک نے انہیں سر چھپانے کے لئے عارضی جگہ دے دی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی کو نورزمان کے متعلق تفصیل سے بتایا پھر کہا "آپ ان کی رہائش کا انتظام کردیں۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس میرے تیس ہزار روپے تھے۔ وہ رقم نورزمان کو دے کر اسے کاروبار کرنے کا مشورہ دیں۔"

آئی جی نے وعدہ کیا کہ آج ہی ان کی رہائش کا معقول بندوبست ہو جائے گا اور نورزمان کو تیس ہزار روپے مل جائیں گے۔ پھر میں نے کہا "آپ وسیم درانی کو بتادیں کہ فرہاد نے ان سب قیدیوں کو رہا کرایا ہے اور وہ تھوڑی دیر بعد ان کے دماغ میں آکر ضروری باتیں کرے گا۔"

اس کے بعد پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس آیا۔ وہ کسی جرم کو تسلیم نہیں کررہا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ جمایا۔ وہ کاغذ قلم لے کر اپنے ایک ایک جرم کی تفصیل لکھنے لگا۔ آخر میں تمام جرائم کو قبول کرکے اپنے دستخط کئے۔ ایک اعلیٰ افسر نے آئی جی کی موجودگی میں وہ اعتراف نامہ لے لیا۔

اس کے بعد پولیٹیکل ایجنٹ نے آئی جی سے اجازت لے کر فون کے ذریعے کافور خان سے رابطہ کیا پھر کہا "میں زرتاج خان بول رہا ہوں۔ اب پولیٹیکل ایجنٹ نہیں ہوں۔ فرہاد علی تیمور نے مجھے بے نقاب کردیا ہے۔ شاید تم فرہاد اور اس کی ٹیلی پیتھی کے متعلق نہیں جانتے۔"

کافور خان نے کہا "میں نے کبھی ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ سنا تھا۔ مگر ایسے علم پر کبھی یقین نہیں کیا۔"

"خانِ اعظم! اسی بے یقینی نے تمہیں تباہ کیا ہے۔ تمہاری حویلی میں جو ارسلان نامی مہمان آیا تھا۔ وہ نجومی نہیں بلکہ فرہاد کا آلۂ کار تھا۔ وہ تمہیں علم نجوم کے چکر میں ڈالتا رہا اور فرہاد تم لوگوں کے دماغوں پر قبضہ جماکر جنونی حرکتیں کراتا رہا۔ تم نے اس کا معمول بن کر اپنے کتوں کو مار ڈالا اور نورزمان اور اس کی ماں کو رہا کردیا۔"

کافور خان نے حیرانی سے پوچھا "کیا ہم ٹیلی پیتھی کا شکار تھے؟"

"ہاں اسی ٹیلی پیتھی سے سحرزدہ ہوکر بیرم خان نے خود کو بری طرح زخمی کیا اور تم تینوں بہن بھائیوں نے اسی علم کے ذریعے غائب دماغ ہوکر اپنی حویلی کو آگ لگادی۔"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے سن رہا تھا۔ یقین آرہا تھا مگر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ حویلی' سونا چاندی' ہیرے جواہرات اور کروڑوں کے قریب نقد رقم کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا چکا ہے۔

زرتاج خان نے کہا "سوچتے رہو۔ ابھی فرہاد تمہارے دماغ میں آرہا ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں کافور خان کے اندر پہنچ گیا۔ وہ بڑی حویلی کے ایک بڑے شاندار کمرے میں اپنی بہن مرجینا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بستر پر بیرم خان لیٹا ہوا تھا۔ حویلی کی تباہی کی بعد وہ اپنی آدھی دولت اور جائداد سے محروم ہوگئے تھے لیکن علاقہ غیر کی اس بڑی حویلی میں ابھی اتنی دولت تھی کہ وہ اب بھی غرور سے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چل سکتے تھے۔

مرجینا نے پوچھا "برادر! یہ فون پر ٹیلی پیتھی کا کیا ذکر ہورہا تھا؟"

کافور خان نے کہا "تم لندن اور پیرس میں رہ چکی ہو۔ کیا وہاں ٹیلی پیتھی کا ذکر کبھی سنا تھا؟"

"کئی بار سن چکی ہوں۔ وہاں اس موضوع پر معلوماتی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ لیکن میں نے نہیں پڑھیں۔ یہ مجھے قصہ کہانیوں والی بات لگتی ہے۔"

"ابھی پولیٹیکل ایجنٹ کہہ رہا تھا' فرہاد نامی ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا ہم سے پاگل پن کی حرکتیں کرارہا تھا۔ وہ مہمان نجومی نہیں فرہاد کا ایک آلۂ کار تھا۔"

وہ جو کچھ فون پر میرے متعلق سن چکا تھا۔ وہ انہیں بتانے لگا۔ بیرم خان نے کہا "اب سمجھ میں آرہا ہے۔ اس کم بخت نے ہم سب کا زائچہ نہیں بنایا تھا۔ ہمیں ستاروں کی چال میں الجھا کر ہم کو مصیبتوں میں مبتلا کررہا تھا۔ اس نے ہمارے گھر میں اور ہمارے دماغوں میں گھس کر بری طرح تباہ کیا ہے۔ آخر اسے ہم سے کیا دشمنی ہے؟"

کافور خان نے کہا "وہ بزدل دشمن ہے' اس نے چھپ کر ہم پر حملے کئے ہیں۔"

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ خلا میں تکتے ہوئے بولا "کیا میرے دماغ میں فرہاد آگیا ہے؟"

"ہاں' میں بول رہا ہوں۔ بزدل میں نہیں' تم ہو۔ طاقت کے غرور میں غریبوں اور کمزوروں پر ظلم کرتے ہو۔ انہیں زندگی بھر کے لئے غلام بنالیتے ہو۔ ان کی حسین بہنوں اور بیٹیوں کو اٹھا کر اپنی حرم سرا میں لے جاتے ہو۔"

وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔ بیرم خان نے پوچھا "کیا فرہاد پھر دشمنی کے لئے آیا ہے؟"

میں نے بیرم خان کے پاس آکر اس کی زبان سے کہا "میں فرہاد ہوں۔ اور بیرم خان کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تاکہ تم تینوں میری باتیں سن سکو۔"

میں نے وہی بزدلی والی باتیں دہرائیں اور کہا "تم لوگ صرف بزدل ہی نہیں' بے ایمان بھی ہو۔ نورزمان سے بیس ہزار روپے وصول کرنے کے بعد ماں بیٹے کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ تم لوگ صرف بے ایمان ہی نہیں' شیطان بھی ہو۔ چودہ برس کی ایک معصوم لڑکی کو برباد کردینا چاہتے تھے۔ پھر پوچھتے ہو مجھے تم سے کیا دشمنی ہے؟ جواب دو کہ ایک غریب نورزمان اور اس کی بہن سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟"

کافور خان نے کہا "تم جن باتوں کو غلط سمجھ کر اعتراض کررہے ہو' یہ ہمارے علاقے میں صدیوں سے رائج ہیں۔ راجا اور رانا کا دور گزر گیا ہے لیکن جاگیرداروں کی حکومت اور دہقانوں کی محکومیت کا دور باقی ہے اور باقی رہے گا۔"

میں نے کہا "فرعون اور حضرت موسیؑ کا دور بھی جاری رہتا ہے اور تمہارے جیسے فرعونوں کے لئے کوئی موسیؑ ضرور پیدا ہوتا رہتا ہے۔"

"فرہاد صاحب! ہماری طرح تم بھی اپنی ایک طاقت رکھتے ہو۔ ہماری دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے اور ہورہا ہے کہ ہم تمام طاقتور خواہ وہ سپرپاورز کیوں نہ ہوں' آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن عام

لوگوں کو محکوم بناکر رکھنے کے لئے بڑی طاقتیں ایک ہوجاتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کی طاقت کو دوگنا کرکے اپنی برتری قائم رکھتی ہیں۔ ہم اور آپ بھی ایک ہوسکتے ہیں ایک دوسرے کی طاقت کو دوگنا کرسکتے ہیں۔"

"سوری' مجھے حکومت کرنے اور برتری قائم رکھنے کا شوق نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم نے نورزمان اور گل جاناں کو دل و دماغ سے نکال دیا ہے۔ اب تو تمہیں ہم سے دشمنی نہیں رہے گی؟"

"دشمنی رہے گی۔ ابھی حساب باقی ہے۔"

"کیسا حساب؟"

"تم نے بڑی حویلی میں جو حرم سرا بنائی ہے۔ اسے آباد رکھنے کے لئے غریب کسانوں اور مزدوروں کے گھروں سے بہو بیٹیاں اٹھا کر لاتے ہو۔"

"ہم نے وہ عیش کدہ ختم کردیا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ میں چور خیالات پڑھ کر جھوٹ اور فریب کو سمجھ لیتا ہوں۔ اس وقت تمہاری حرم سرا میں ستائیس حسین عورتیں ہیں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "ہاں۔ مگر میں ان پر جبر نہیں کرتا ہوں۔ یہ راضی خوشی رہتی ہیں۔ میں ان میں سے ہر عورت کے بوڑھے والدین کو ماہانہ تین سو روپے دیتا ہوں۔"

"کیا تم ماہانہ تین سو میں اپنی بہن دوگے؟"

وہ اچھل پڑا۔ غصے دہاڑتا ہوا بولا "تو میری بہن تک پہنچ رہا ہے۔ مرد کا بچہ ہے تو سامنے آ۔"

"کیا تم مرد کے بچے ہو؟"

وہ سینہ ٹھونک کر بولا "ہاں سامنے آ۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ میں کیسا مرد کا بچہ ہوں۔"

"میں اپنی ماں کا بچہ ہوں۔ تعجب ہے' کسی مرد نے تمہیں کیسے پیدا کیا ہوگا!"

"آں؟" وہ پہلے تو بوکھلایا' پھر گرجتے ہوئے بولا "باتوں سے الو بناتا ہے۔ خنزیر کے......"

گالی پوری ہونے سے پہلے ہی میں اس کی زبان دانتوں کے درمیان لے آیا۔ زبان کٹ کر الگ تو نہیں ہوئی۔ لیکن تکلیف ایسی ہوئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ادھر سے ادھر تڑپ کر جانے لگا۔ مرجینا نے پریشان ہوکر پوچھا "برادر! کیا ہوا؟"

میں نے بیرم خان کی زبان سے کہا "برادر کو بولو۔ زبان سنبھال کر گفتگو کرے۔ ورنہ دوسری بار یہ کٹ کر الگ ہوجائے گی۔"

"پلیز مسٹر فرہاد! ہم سے دشمنی نہ کرو۔"

"اپنے بھائیوں سے کہو' عزت آبرو کے دشمنوں سے کہو کہ ان ستائیس عورتوں کو آزاد کریں۔ اب وہ آزادی کے بعد شریف گھرانوں میں بیاہی نہیں جائیں گی۔ لہٰذا اپنے طور پر زندگی گزارنے کے لئے ہر عورت کو پانچ لاکھ روپے ادا کریں۔"

وہ حیرانی سے چیخ کر بولی "پانچ لاکھ! تم ایسی عورتوں کو پانچ لاکھ دینے کو کہہ رہے ہو' جنہیں کبھی پانچ روپے بھی نصیب نہیں ہوتے۔"

"رقم نہ دیکھو۔ عورت ہوکر عورت کی آبرو کا حساب کرو۔ آبرو کو نہیں سمجھوگی تو میں تمہارے بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے تمہیں کوٹھے پر پہنچادوں گا۔"

کافور خان اتنی دیر میں بولنے کے قابل ہوا۔ اس نے کہا۔ "مرجینا! تم اس سے نہ بولو۔ میں فرہاد سے کہتا ہوں' ان عورتوں کو ابھی حرم سرا سے نکال دوں گا۔ گزارے کے لئے انہیں کچھ رقم بھی دے دوں گا۔ اس کے بعد تم کبھی ادھر نہ آنا۔"

"میں نے ہر عورت کے لئے جتنی رقم مقرر کردی ہے' اتنی ہی دوگے؟"

وہ بولا "تم ہوش میں نہیں ہو یا دولت کو مٹی دھول سمجھتے ہو۔ ہر عورت کو پانچ لاکھ دینے کا مطلب یہ ہوا کہ ستائیس عورتوں کو ایک کروڑ پینتیس لاکھ روپے ادا کئے جائیں۔ اور میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔"

"تمہارے پاس اس سے زیادہ ہے۔ تمہاری علاقہ غیر کی ایک خفیہ تجوری میں اسی ہزار پونڈ' دو لاکھ ڈالر' ستر لاکھ روپے' پندرہ کلو سونے کے بسکٹ' تقریباً پچاس لاکھ روپے کے ہیرے جواہرات' یہاں کی سو ایکڑ زمین اور علاقہ غیر کی پچیس ایکڑ زمینوں کے کاغذات ہیں۔ پشاور اور اسلام آباد کے بینکوں میں نوّے لاکھ روپے علیحدہ ہیں۔"

میں اس کی دولت اور جائداد کا اتنا پکا حساب بتا رہا تھا کہ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا' پھر وہ بولا "تت..... تم کیسے جانتے ہو؟"

"میں کہہ چکا ہوں خیال خوانی کے ذریعے کسی کے بھی چور خیالات پڑھ کر اس کے دل کا اور تجوری کا راز معلوم کرلیتا ہوں۔ اگر تم نے ان تمام عورتوں کو مقررہ رقم ادا نہ کی تو میں تمہاری وہ تجوری خالی کرادوں گا۔"

"کیسے خالی کراؤگے؟ میرے سوا کوئی اس تجوری کو نہیں کھول سکتا۔ وہ مخصوص نمبروں سے کھلتی ہے اور وہ نمبر صرف میں جانتا ہوں۔"

میں نے کہا "تجوری کے ہینڈل کے پاس ڈائلنگ سسٹم ہے۔ تم پہلے ڈبل زیرو ڈبل ون ڈائل کرتے ہو تو ایک ننھی سی سرخ روشنی آن ہوتی ہے۔ پھر تم ون سیون ون سکس ون ٹو ڈائل کرکے ہینڈل گھماتے ہو تو تجوری کھل جاتی ہے۔"

پھر اس کا منہ کھل گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بولا۔ "میرا سر چکرا رہا ہے۔ تم جادوگر ہو۔ اتنے اندر کی باتیں صرف جادو کے ذریعے ہی معلوم ہوسکتی ہیں۔ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں

خدا کا واسطہ ہے' ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔"

"میری شرائط پر عمل کرو گے تو ہمیشہ کے لئے پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"شرائط کیا ہیں؟"

"ایک شرط بیان کر چکا ہوں۔ مقررہ رقم دے کر عورتوں کو آزاد کرو۔ پھر جتنے دہقانوں کو غلام بنا رکھا ہے ان کے قرضے معاف کرکے انہیں بھی آزاد کردو۔ تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ آئندہ کبھی علاقہ غیر سے باہر نکلنے کی حماقت نہ کرنا۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "تینوں شرائط ناقابلِ عمل ہیں۔ بہت سخت ہیں۔ ان پر عمل کیسے ہوگا' یہ سوچنے کی مہلت دو۔"

"چوبیس گھنٹے تک غور کرسکتے ہو۔"

"یہ مہلت کم ہے۔"

"چلو دو دن اور دو راتیں دے رہا ہوں۔ اس دوران کوئی چالاکی نہ دکھانا۔ ورنہ پچھتانے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ میں جا رہا ہوں۔ آئندہ اڑتالیس گھنٹوں کے بعد آؤں گا' خدا حافظ۔"

میں بیرم خان کو چھوڑ کر مرجینا کے پاس آگیا۔ میرے تنویمی عمل کے مطابق وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرکے سانس روک سکتی تھی۔ صرف میری سوچ کی لہروں سے بے خبر رہتی تھی۔ کافور خان نے مجھے آواز دی "فرہاد صاحب! کیا آپ جاچکے ہیں؟"

میں خاموش رہا۔ بیرم خان نے کہا "اب میں خود بول رہا ہوں' میری زبان سے بولنے والا چلا گیا ہے۔"

کافور خان نے کہا "یہ ٹیلی پیتھی کا علم بہت خطرناک ہے۔ وہ کم بخت ہماری تجوری کے ایک ایک پیسے کا حساب جانتا ہے۔ ہمارا ذاتی اور خاندانی کوئی سا بھی راز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

"برادر! ہم نے بہت عمر ضائع کردی۔ ہمیں معلوم ہوتا کہ یہ علم اتنے کمال کا ہے تو اسے ضرور پڑھتے اور سیکھتے۔ ہمیں معلوم کرنا چاہئے کہ یہ علم کتنے دنوں میں سیکھا جاتا ہے اور اس کا اسکول اور کالج کہاں ہے؟"

"جانِ برادر! یہ علم ہم اڑتالیس گھنٹوں کے اندر نہیں سیکھ سکیں گے اور وہ فرہاد مہلت ختم ہوتے ہی ہمارے سر پر سوار ہوجائے گا۔"

مرجینا نے کہا "اس بار اس نے مہلت کی صورت میں وارننگ دی ہے۔ اس سے پہلے وارننگ کے بغیر لاکھوں کی حویلی اور کروڑوں روپے جلا کر راکھ کرچکا ہے۔ یہ ظالمانہ دشمنی ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہم سے اپنی شرائط پر ضرور عمل کرائے گا۔"

"دو کوڑی کی عورتوں کو ایک کروڑ پینتیس لاکھ دینے کو کہہ رہا ہے۔ کوئی ڈاکو بھی ایسے نہیں لوٹتا جیسے وہ لوٹ رہا ہے۔ آئندہ وہ ہمیں علاقہ غیر سے باہر قدم نہیں رکھنے دے گا۔ یعنی ہماری سو ایکڑ زمینوں کو اور ان سے ہونے والی آمدنی کو بھی ہم سے چھین رہا ہے۔"

کافور خان نے کہا "اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔ ورنہ ہم کنگال ہوجائیں گے۔ وہ ہمیں مجبور اور محتاج بنانے کے لئے ہی ایسی شرائط پیش کر رہا ہے۔"

میں نے مرجینا کو وہاں سے اٹھایا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں آئی۔ اس نے اپنے بھائی بیرم خان کی زبان سے میری آواز سنی تھی۔ تب سے اس پر عجیب سا سحر طاری تھا۔ کیونکہ میں نے اسی آواز اور لہجے میں اس پر تنویمی عمل کرکے اسے اپنی معمولہ بنایا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے مخاطب کیا "ہیلو مرجینا!"

وہ چونک کر آئینے میں خود کو دیکھنے لگی' میں نے کہا "میری یہ آواز تمہارے دل اور تمہاری روح میں اتر چکی ہے۔"

وہ بولی "مجھے ایسا لگتا ہے۔ میں نے تمہاری آواز خواب میں یا بے خودی کے عالم میں سنی ہے۔ کیا پہلے بھی تم میری زندگی میں یا میرے دماغ میں آچکے ہو؟"

"یہ میرے سمجھانے کی نہیں' تمہارے سمجھنے کی بات ہے۔"

"پلیز میرے لئے معمہ نہ بنو۔"

"فی الحال معمہ ہی رہوں گا۔ اڑتالیس گھنٹے بعد تمہاری الجھن دور کردوں گا۔"

"ارسلان کہاں ہے؟"

"پشاور میں ہے۔"

"تمہیں اس کے اور میرے تعلقات کا علم ہوگا؟"

"کیا اس سے ملنا چاہتی ہو؟"

"ہاں' اس نے میری نیندیں اڑادی ہیں۔"

"ارسلان میرا خاص آلۂ کار ہے۔ میں اس کی خاطر تمہیں پاکستان آنے کی اجازت دیتا ہوں۔ جب چاہو پشاور چلی آؤ۔"

"وہ اتنے بڑے شہر میں کہاں ملے گا؟"

"پہلے سفر کا پختہ ارادہ کرو۔ پھر تمہیں منزل کا پتا مل جائے گا۔"

"میں تو کب سے ارادہ کر رہی ہوں پھر یہ سوچ کر رہ جاتی ہوں کہ ارسلان نہیں ملے گا تو میں بھٹکتی رہ جاؤں گی۔"

"کیا تمہارے بھائی تمہیں اجازت دیں گے؟"

"میں نے پندرہ برس لندن اور پیرس میں گزارے ہیں۔ برادر سمجھتا ہے کہ میں قبائلی عورتوں کی طرح چاردیواری میں قید رہنا پسند نہیں کرتی۔ میں کل صبح یہاں سے روانہ ہوجاؤں گی۔ مجھے اس کا پتا بتاؤ۔"

"آئی جی صاحب کے پاس چلی آنا۔ وہ تمہیں ارسلان تک پہنچادیں گے۔ میں جا رہا ہوں۔ ارسلان کو تمہارے آنے کی خوشخبری سنادوں گا۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ اس کمرے کو دیکھنے لگا جہاں مجھے مہمان بنا کر رکھا گیا تھا۔ آئی جی ان اغوا ہونے والوں کے معاملات میں مصروف تھا جنہیں میں علاقہ غیر سے لایا تھا۔ اس کے ماتحت

افسران اپنے اعلیٰ افسر کو ذاتی طور پر دلچسپی لیتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس لئے بڑی تیزی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان رہا ہوکر آنے والوں کے سرپرستوں سے رابطہ کر رہے تھے۔ وسیم درّانی اپنی بیٹی شینا کو ہوٹل کے ایک کمرے میں لے آیا تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ اس کے بھائی فہیم نے بہن کو درندوں کے درمیان چھوڑ کر دس لاکھ روپے کا فراڈ کیا تھا۔ پولیس اسے گرفتار کرکے فیصل آباد لے گئی ہے۔ وہاں اس کے بینک اکاؤنٹ سے دس لاکھ نکلوائے جائیں گے۔

وہ بڑے دکھ سے بولی "جب بھائی نظروں سے گر رہا ہے تو دنیا والے بھی مجھے داغ دار سمجھیں گے۔"

"نہیں بیٹی! ایک ایسے شخص نے تمہاری عزت بچائی ہے، جس کا نام سن کر لوگوں کی زبانیں چپ ہوجائیں گی۔ وہ شخص فرہاد علی تیمور ہے۔"

"فرہاد علی تیمور؟" وہ حیرانی سے بولی "کیا آپ ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد کا ذکر کر رہے ہیں؟"

"ہاں' آئی جی صاحب کہہ رہے تھے کہ وہ میرے دماغ میں آکر کچھ ضروری باتیں کرنے والا ہے۔"

"اوہ پاپا! مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ فرہاد صاحب ٹیلی پیتھی کی آنکھوں سے مجھے دیکھتے رہے ہیں اور میری مدد کرتے رہے ہیں۔"

میں نے اس کے دماغ میں کہا "یقین کرلو۔ میں تمہارے دماغ میں آتا جاتا رہا ہوں اور اس وقت بھی تمہارے اندر ہوں۔"

وہ گم صم سی ہوکر خلا میں تک رہی تھی' پھر اس نے پوچھا "آ۔ آپ.... آپ فرہاد صاحب ہیں؟"

"ہاں' میں نے ہی تمہارے بھائی کے فراڈ کو ظاہر کیا ہے لیکن تمہارے والد کو یہ نہیں بتایا کہ میں ان کے دماغ میں بھی پہنچتا رہا ہوں۔"

"آپ نیکی کرتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ آپ بہت عظیم ہیں۔"

"لیکن اب ایک ضرورت کے لئے ظاہر ہو رہا ہوں۔ اپنے پاپا سے کہو' میں موجود ہوں اور ان کے دماغ میں آرہا ہوں۔"

بیٹی نے باپ کو میری موجودگی کے متعلق بتایا۔ وسیم درانی نے ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے ہوئے کہا "میرے محسن! میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔ آپ نے میری بیٹی کو درندوں سے بچا کر وہ احسان کیا ہے' جس کے بدلے میں آپ پر جان نچھاور کردوں تو بھی کم ہے۔"

میں نے کہا "احسان کا بدلہ یہ ہوتا ہے کہ آپ بھی کسی مجبور کے کام آئیں۔ کیا آپ ایک غریب اور امداد کے مستحق نوجوان کو ایک لاکھ روپے دے سکتے ہیں؟"

"ایک لاکھ سے بھی زیادہ دے سکتا ہوں۔ آپ اس نوجوان کا نام اور پتا بتائیں۔ میں خود اس کے گھر جاؤں گا۔"

"میں ابھی آکر بتاتا ہوں۔"

میں نے معلوم کیا۔ آئی جی کے ایک ماتحت افسر نے نورزمان' اس کی ماں اور بہن کی رہائش کے لئے ایک اچھے مکان کا انتظام کیا تھا۔ میں نے اس کی سوچ کے ذریعے مکان کا پتا معلوم کیا۔ پھر وسیم درّانی کو وہ پتا بتادیا۔

وہ اسی وقت ایک چھوٹے بریف کیس میں دو لاکھ روپے رکھ کر بیٹی سے بولا "میں ابھی آتا ہوں۔ پھر ہم فیصل آباد کے لئے روانہ ہوجائیں گے۔"

وہ ہوٹل سے باہر آگیا۔ میں نے کہا "اگر نورزمان رقم لینے سے انکار کرے تو آپ آئی جی کے ذریعے اسے رقم لینے پر آمادہ کریں اور اسے کاروبار کرنے کا مشورہ دیں۔"

پھر میں نے شینا کے پاس آکر کہا "تم نے مجھ سے محبت اور عقیدت ظاہر کی ہے اس لئے ایک مشورہ دیتا ہوں۔ اپنے والد کی بیماری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ فہیم پر اعتبار نہ کرو۔ خود اعتمادی سے ٹیکسٹائل ملز کی ذمے داریاں سنبھالو۔"

"میں آپ کے مشوروں پر ضرور عمل کروں گی۔ آپ کہاں ہیں؟ کیا آپ سے ملاقات نہیں ہوسکتی؟"

"میں بہت دور ہوں۔ کبھی ایک جگہ سکون سے رہنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ کبھی فیصل آباد آؤں گا تو تم سے اور تمہارے والد سے ضرور ملاقات کروں گا' ابھی مصروف ہوں اس لئے جا رہا ہوں۔"

"ذرا ٹھہر جائیں۔ پتا نہیں ہمارے شہر میں کب آئیں گے۔ لیکن دماغ میں تو آسکتے ہیں۔ وعدہ کریں آپ آج یا کل ضرور آئیں گے۔"

"مصروفیات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ میں خود کو بھول جاتا ہوں۔ تم سے وعدہ کرکے بھول گیا تو تمہیں دکھ ہوگا۔ اس لئے وعدہ نہیں کروں گا کوشش کروں گا' خدا حافظ۔"

میں وہاں سے چلا آیا۔ اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ میں کمرے سے باہر آیا۔ ایک ملازم نے کہا۔ "صاحب! آپ کو یاد کر رہے ہیں؟"

میں ڈرائنگ روم میں آیا۔ آئی جی نے مسکرا کر پوچھا "کیا سو رہے تھے؟"

میں نے جواباً مسکرا کر کہا "کوشش کر رہا تھا مگر بے وقت نیند نہیں آئی۔ رات کے کھانے کے بعد ہی نیند آئے گی۔"

"آپ کس وقت کھانا پسند کریں گے؟"

"جب آپ اپنے معمول کے مطابق کھائیں گے۔ فرہاد صاحب اپنے ساتھ مجھے بھی اس قدر مصروف رکھتے ہیں کہ کھانے اور سونے کا کوئی خاص وقت اور خاص اصول نہیں رہتا۔"

"تو پھر ایک گھنٹے بعد یعنی نو بجے کھائیں گے۔ آپ فرہاد

صاحب کے متعلق بتائیں۔ آپ نے تو انہیں روبرو دیکھا ہوگا؟"
وہ میرے متعلق بڑی دلچسپی سے سوالات کررہا تھا۔ میں جواب دے رہا تھا۔ ایسے وقت اس کی بیٹی باہر سے آئی۔ پھر آئی جی سے بولی "اوہ ڈیڈ! یہاں تو تفریح کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ لندن بہت یاد آتا ہے۔"
باپ نے اس سے میرا تعارف کرایا "یہ مسٹر فرہاد کے معتمدِ خاص ہیں مسٹر ارسلان' یہ میری بیٹی رابعہ ہے۔ لندن میں رہنے کے باعث نام سکڑ کر رابی ہوگیا ہے۔"
رابی نے مجھ سے کہا "پھر تو تم فرہاد کے ساتھ ساری دنیا کی سیر کرتے ہوگے؟"
"جی ہاں' یہ میری خوش قسمتی ہے۔"
"اور میری بدقسمتی ہے کہ لندن اور پیرس سے آگے نہ جاسکی۔ ڈیڈ نے اچانک یہاں بلالیا۔"
"ڈیڈ نے یہ بھی بتایا ہوگا کہ یہودی تمہاری جان کے دشمن ہوگئے تھے۔"
"میں نہیں مانتی۔ میں نے یہودیوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے مذہب کا اور ان کے لٹریچر کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ یہودی.... **بہت** زیادہ مہذب اور انسان دوست ہوتے ہیں۔"
آئی جی نے ڈانٹ کر کہا "بکواس مت کرو۔ میں رشوت خوری کی سزا پارہا ہوں۔ میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میری بیٹی اور بیٹا یہودیوں کی سرپرستی میں رہ کر اپنے مذہب کو بھول جائیں گے۔ تم بہن بھائی جب سے آئے ہو یہودیوں کے گن گارہے ہو۔"
"ڈیڈ! یہ تہذیب کے خلاف ہے کہ آپ مہمان کے سامنے ڈانٹ رہے ہیں اور مجھے نالائق کہہ رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو باپ کا نظریہ ہو وہ اولاد کا بھی ہو۔ میں بالغ ہوں' مجھے اپنی رائے اور نظریے کے اظہار کا حق ہے۔ میں وہی بات کہوں گی جسے بہتر سمجھتی ہوں۔"
وہ پاؤں پٹختی ہوئی کوٹھی کے اندرونی حصے میں چلی گئی۔ آئی جی نے کہا "مسٹر ارسلان! میری بیٹی اور بیٹے اپنے دین اور قوم سے دور ہورہے ہیں۔ میں آپ کے ذریعے فرہاد صاحب سے التجا کرتا ہوں کہ میرے بچوں کے ذہن کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے بدل دیں۔ انہیں ہمارے دین کی طرف لے آئیں' یہ مجھ پر ایک اور احسان ہوگا۔"
میں نے کہا "ٹیلی پیتھی اور تنویمی عمل کے ذریعے وقتی طور پر اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ ہم صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا اس لئے مانگتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دعا قبول کرتا ہے اور راہِ راست پر لاتا ہے۔ آپ دعا کریں' فرہاد صاحب دوا کریں گے۔ ان سے رابطہ ہونے تک میں آپ کے بچوں کو سمجھاؤں گا۔"
اسی وقت وسیم درانی وہاں آیا۔ اس نے آئی جی سے کہا "میں فرہاد صاحب کی خوشی کے مطابق ایک پٹھان نوجوان کو دو لاکھ روپے دینے گیا تھا۔ لیکن وہ بہت خوددار ہے۔ اس نے اتنی بڑی رقم لینے سے انکار کردیا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں' اسے رقم لینے پر راضی کریں۔ اس سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ رقم قرض ہے۔ کاروبار چل پڑے گا تو وہ قرضہ واپس کرسکتا ہے۔"
میں نے آئی جی سے کہا "اسے کسی بھی طرح سمجھا کر رقم دی جاسکتی ہے۔ پلیز' آپ درانی صاحب کے ساتھ جائیں۔ میں رابی کا مسئلہ حل کرتا ہوں۔"
وہ وسیم درانی کے ساتھ چلا گیا۔ میں رابی کے خیالات پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے پڑھتا گیا' مایوس ہوتا گیا۔ رشوت لینے والے اپنی اولاد کو ملک سے باہر بھیج کر یہ نہیں سوچتے کہ وہ صرف والدین اور وطن سے ہی نہیں' اپنے دین سے بھی دور جارہے ہیں۔
یہودیوں نے رابی کو اپنے ماحول میں رکھ کر اپنی تعلیمات کے ذریعے اس کا برین واش کردیا تھا۔ اس نے اور اس کے بھائی جاوید نے ان کا مذہب قبول کرلیا تھا اور یہ بات اپنے باپ سے چھپائی **تھی۔** اگر یہ بات میں آئی جی کو بتاتا تو وہ صدمے سے آدھا ہوجاتا۔ اور پوری طرح شرم سے مرنے کے لئے یہ معلومات کافی تھیں کہ رابی کا فرینڈ دو یہودی جوانوں سے تھا اور وہ اس بے حیائی پر شرمندہ نہیں تھی۔ کیونکہ مغربی سوسائٹی میں یہ شرم کی بات نہیں تھی۔ وہاں جتنے بوائے فرینڈز ہوتے ہیں' لڑکی اتنی ہی حسین اور پرکشش کہلاتی ہے۔
وہ دلدل میں اتنی دھنس گئی تھی کہ اسے نکالا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے وجود سے کیچڑ صاف نہیں کی جاسکتی تھی۔ اگر معجزہ ہوجاتا اور وہ یہودیت سے باز آکر اسلام قبول کرلیتی تو اسے دین واپس مل جاتا مگر آبرو واپس نہیں مل سکتی تھی۔
میں اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ بے چارے باپ نے غلطیوں سے توبہ کرلی تھی لیکن توبہ کرنے میں دیر ہوجائے تو اندھیر ہوجاتا ہے۔ میں نے رابی کی سوچ میں کہا "مجھے ڈیڈ کی محبت اور شفقت کو سمجھنا چاہئے اور ان کی عزت کرنا چاہئے۔ میں پاکستان میں رہ کر خود کو یہودی ظاہر نہیں کرسکوں گی۔ یہاں کا بچہ بچہ مجھے پتھر مارے گا۔ بہتر ہے میں باپ کا دل نہ دکھاؤں۔ مسلمان اور فرمانبردار بیٹی بن کر رہوں یا پھر ضد کرکے واپس لندن چلی جاؤں۔"
وہ سوچنے لگی "ضرور واپس جاؤں گی' یہاں تو قدم قدم پر پابندیاں ہیں۔ پتا نہیں یہاں عورتیں کس طرح زندہ رہتی ہیں۔ ڈیڈ نے جانے کی اجازت نہ دی تو میں دھوکا دے کر چلی جاؤں گی۔"
خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ رابی کھڑی ہوئی تھی' اندر آکر بولی "تم میرا ایک کام کروگے؟"
"کام میرے بس کا ہوگا تو ضرور کروں گا۔"
"مسٹر فرہاد سے میرا رابطہ کرادو۔"
"یہ بات تم اپنے ڈیڈ سے کہہ سکتی ہو۔ ان کا بھی رابطہ ہمارے فرہاد صاحب سے رہتا ہے۔"
"میں ڈیڈ سے نہیں کہہ سکتی۔ میرا ایک پرسنل پرابلم ہے۔"
"فرہاد صاحب میرے دماغ میں آئیں گے تو تمہارا پیغام پہنچادوں گا۔"
"تم نے فرہاد صاحب کو روبرو دیکھا ہے؟"
"کئی بار دیکھ چکا ہوں۔"
"وہ بوڑھے ہیں یا جوان؟"
"ان کے دو جوان بیٹے ہیں۔"
"جوان بیٹوں کے ہونے سے آدمی بوڑھا نہیں ہوتا۔ میں نے چند ماہ پہلے سنا تھا کہ فرہاد نے سونیا سے شادی کی ہے۔"
"تم چاہتی کیا ہو؟"
میں نے یہ سوال کرتے ہی چونک کر کہا "اوہ فرہاد صاحب! آپ اچھے وقت پر آئے ہیں۔ یہ میرے سامنے آئی جی صاحب کی بیٹی رابی ہے' آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہے۔"
پھر میں جواب سننے کے انداز میں چپ ہوا اس کے بعد بولا۔ "رابی! اپنی آواز سناؤ۔ کچھ بولو' وہ تمہارے دماغ میں آئیں گے۔"
وہ خوش ہوکر بولی "مسٹر فرہاد! میں تمہاری بہت بڑی فین ہوں تم سے ایک ذاتی مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"
میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "اپنے کمرے میں چلو اور اپنا مسئلہ بیان کرتی رہو' میں سنتا رہوں گا۔"
وہ میرے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی "پہلے تم میرے خیالات پڑھ لو۔ میرے متعلق تمام معلومات حاصل کرلو۔ پھر آگے بات ہوگی۔"
میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا "اچھا تو تم یہودی بن چکی ہو۔ اور یہ چاہتی ہو کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے باپ کو غائب دماغ کروں اور تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا موقع دوں۔"
"بے شک میں یہی چاہتی ہوں۔ اگر تم ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو تو میرے حسن وشباب کو ضرور دیکھ رہے ہوگے۔ میں نے سنا ہے تم بڑے دل پھینک ہو۔ رنگین مزاج ہو' میں اس ملک سے نکلتے ہی تمہارے پاس آؤں گی اور تمہارا دل خوش کردوں گی۔"
میں نے کہا "یہودیوں نے تمہیں زبردست بازاری بنادیا ہے۔ مگر تمہیں مایوسی ہوگی۔ شیر کسی کا جھوٹا نہیں کھاتا اور تم تو ایسا جھوٹا کھانا ہو' جس پر مکھی بھی بیٹھنا پسند نہیں کرے گی۔ تمہیں یہودی کلچر مبارک ہو۔"
وہ اپنی توہین پر تلملانے لگی۔ میں اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ آئی جی کے آنے کے بعد میں نے رات کا کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر تک گارڈن میں ٹہلتا رہا پھر کمرے میں آکر دروازے کو اندر سے بند کرکے سوگیا۔
میں نے دوسری صبح مرجینا کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ اپنی حویلی سے نکل پڑی تھی۔ ایک کار ڈرائیو کرتی ہوئی میری طرف آرہی تھی۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی سے اجازت لینے گئی تھی۔ پتا چلا وہ رات سے کہیں گیا ہے۔
بھائی کی عدم موجودگی میں اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے ایک کاغذ پر لکھا "کافور خان! اس وقت میں نے تمہاری بہن کو غافل بنایا ہے اور وہ غفلت میں یہ خط تمہیں لکھ رہی ہے کہ فرہاد کو تم لوگوں پر بھروسا نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس کی شرائط پر عمل کروگے یا نہیں؟ اس لئے میں تمہاری بہن کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے یرغمال بنارہا ہوں۔ میری شرائط پر عمل کروگے تو تمہاری بہن واپس کردوں گا' فقط راقم الحروف فرہاد۔"
اس نے یہ خط لکھ کر کاغذ کو اپنے بستر پر رکھ دیا۔ پھر وہاں سے چلی آئی۔ کمال کی چیز تھی' گھر سے بھاگ کر آرہی تھی لیکن بھائیوں کے قہر و غضب کو میری طرف موڑ دیا تھا کہ میں اسے غافل بنا کر لے جارہا ہوں۔ اور وہ بے چاری اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہے۔
وہ بے چاری شام کے پانچ بجے پشاور پہنچی۔ میں نے اسے ایک ریسٹ ہاؤس کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس ریسٹ ہاؤس کا کمرا میں نے آئی جی کے تعاون سے حاصل کیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ فرہاد صاحب کی ہدایت کے مطابق مجھے وہاں

رہنا ہے۔
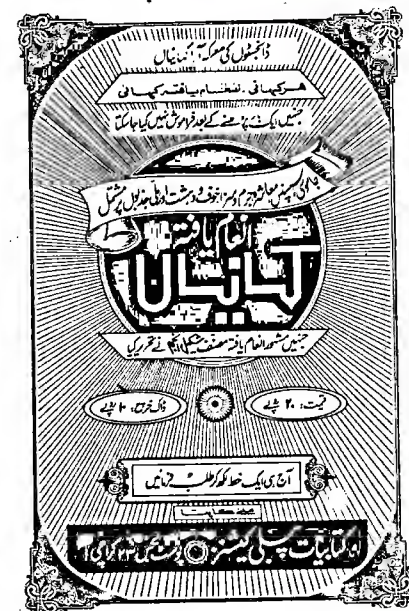
مرجینا مجھے دیکھ کر خوش ہوگئی' حیرانی سے بولی "میں ادھر کیسے چلی آئی؟ کیا یہ تمہارے فرہاد صاحب کا کمال ہے؟"

"ہاں' میرے صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ تم بڑی چالبازی سے یہاں آئی ہو۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے کمرے میں آئے' میں نے کہا "تم لمبی ڈرائیونگ سے تھک گئی ہو۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں جاکر یہاں کے چوکیدار سے چائے لانے کو کہتا ہوں۔"

وہ بولی "ارسلان! میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے بھائی میرے متعلق کیا رائے قائم کررہے ہیں۔ انہیں میرا خط ملا بھی ہے یا نہیں؟"

"اطمینان رکھو۔ فرہاد صاحب میرے دماغ میں آئیں گے تو ان سے کہوں گا کہ وہ تمہارے بھائیوں کے پاس جاکر معلومات حاصل کریں۔"

میں کمرے سے باہر آیا۔ ریسٹ ہاؤس کے پیچھے ایک کوارٹر میں جاکر چوکیدار کو چائے تیار کرنے کے لئے کہا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے کافور خان کے دماغ میں پہنچنا چاہا تو اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔

یا حیرت! یہ کیا ہوگیا؟ کافور خان نے میری سوچ کی لہروں کو محسوس کیا تھا۔ جبکہ اس کا دماغ حساس نہیں تھا اور وہ یوگا کے سلسلے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

میں نے پھر خیال خوانی کی پرواز کی' بیرم خان کے دماغ میں آیا اور آتے ہی باہر نکل گیا۔ اس نے بھی سانس روک لی تھی۔ جب دونوں نے سانس روک کر میرا راستہ روکا تو بات سمجھ میں آگئی۔ دونوں بھائیوں نے کسی تنویمی عمل جاننے والے کو ڈھونڈ نکالا تھا اور اس کے عمل کے ذریعے اپنے اپنے دماغ کو لاک کرالیا تھا۔

پتا نہیں کسی عامل کو کہاں سے پکڑ لائے تھے۔ مگر اپنا بچاؤ خوب کیا تھا۔ اب میں ان کے دماغوں میں اور ان کی حویلی میں نہیں جاسکتا تھا۔ ان سے اپنی شرائط نہیں منوا سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی دولت اور جائیداد کو بڑی کامیابی سے محفوظ کرلیا تھا۔ اور میرے لئے چیلنج بن گئے تھے کہ میں اپنے علم سے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا۔

مرجینا وہاں سے صبح ہی نکل پڑی تھی اگر وہ بھی وہاں ہوتی تو اس پر بھی تنویمی عمل کیا جاتا۔ شاید میرے نصیب سے بچ کر آگئی تھی۔ چوکیدار نے آکر کہا "صاحب! دودھ ختم ہوگیا ہے۔ میں بازار سے لے کر آتا ہوں۔"

میں نے کہا "اندھیرا ہورہا ہے۔ چائے کو چھوڑو۔ رات کا کھانا تیار کرو۔ ہم نو بجے کھائیں گے۔ اس سے پہلے دستک نہ دینا۔"

میں نے کمرے میں آکر دروازے کو بند کیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی میں نے اس کے پاس آکر کہا "فرہاد صاحب نے عجیب سی بات بتائی۔ تمہارے بھائیوں پر کسی نے تنویمی عمل کیا ہے۔ ٹیلی پیتھی کی لہریں ان کے دماغوں میں نہیں جاتی ہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ فرہاد صاحب آئندہ میرے بھائیوں کے دماغوں میں نہیں جاسکیں گے؟"

"ہاں' انہوں نے بڑی چالاکی سے ٹیلی پیتھی کا راستہ روک رہا ہے۔"

وہ ہنسنے لگی' میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ ہنستے ہنستے بولی "میرے بھائی لاکھوں کروڑوں میں ایک ہیں۔ فرہاد کے جادو کا توڑ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دولت اور جائیداد محفوظ ہوگئی ہے۔ تمہارے فرہاد صاحب میرے بھائیوں کو یہاں آنے سے بھی نہیں روک سکیں گے۔ ہماری یہاں کی جائداد بھی محفوظ رہے گی۔"

وہ ہنس رہی تھی' خوش ہورہی تھی اور مارے خوشی کے مجھ پر مہربان ہوتی جارہی تھی۔ مجھے پتا نہیں چلا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ دروازے پر دستک سن کر یاد آیا کہ چوکیدار نے کھانا تیار کرلیا ہے اور ٹھیک نو بجے دروازے پر آیا ہے۔ پھر میں نے خیال خوانی کے ذریعے بھی معلوم کیا وہ بند دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

باہر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی۔ دروازے کو کھول کر پوچھا "روٹی تیار ہے؟"

"جی صاحب! لے آؤں؟"

میں کہنے والا تھا "لے آؤ" لیکن کہہ نہ سکا۔ اچانک ٹھائیں کی آواز کے ساتھ کہیں سے گولی سنسناتی ہوئی آئی۔ میں اچھل کر دور فرش پر جاگرا۔ کمرے کی تاریکی نے مجھے بچالیا تھا۔ لیکن وہ پہلی گولی تھی۔ اس کے بعد گولیوں کی بوچھار ہونے لگی۔ چوکیدار کی چیخ سنائی دی۔ میں فرش پر لڑھکتا ہوا آیا پھر دروازے کو ایک لات ماری۔ وہ ایک دھڑاکے سے بند ہوگیا۔

باہر سے کافور خان کی آواز سنائی دی "فرہاد! میں نے تمہیں چوہے دان میں بند کردیا ہے۔ اب تمہاری لاش ہی یہاں سے نکلے گی۔"

مرجینا دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ اسی وقت باہر سے کافور خان نے دروازے کو لات ماری۔ دروازہ پھر کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فائر کیا۔ پھر ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اِدھر مرجینا بھائی سے خوف زدہ ہوکر مجھ سے لپٹنے آئی تھی۔ گولی اسے لگی۔ اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی۔

دوسری بار مرجینا نے بچایا۔ خدایا! کیا تیسری بار تو بچائے گا! تیسری بار ہو' یا آخری بار' بس دعا ہی رہ جاتی ہے۔

میں کافور خان اور بیرم خان کے دماغوں میں نہیں جاسکتا تھا۔ انہوں نے خود پر تنویمی عمل کرایا تھا۔ میری خیال خوانی کا راستہ روک دیا تھا۔ اتنے بڑے خطرے کو روکنے کے بعد وہ کسی وقت بھی جوابی حملے کرسکتے تھے۔ پھر ایسے وقت جبکہ ان کی بہن میرے پاس آئی تھی۔ وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے آسکتے تھے لیکن انہوں نے بہن کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ اگر کرتے تو شام کے پانچ بجے ہی ریسٹ ہاؤس میں مجھے گھیر لیتے۔ انہوں نے رات کو نو بجے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ مرجینا ریسٹ ہاؤس میں مجھ سے ملنے آئی ہے؟

اور انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ریسٹ ہاؤس کے اس کمرے میں فرہاد موجود ہے؟ کافور خان نے پورے یقین سے کہا تھا "فرہاد! میں نے تمہیں چوہے دان میں بند کردیا ہے۔"

اس کا یہ یقین ظاہر کررہا تھا کہ کسی نے وہاں میری موجودگی کی اطلاع اسے دی تھی۔ صرف آئی جی کو معلوم تھا کہ میں ریسٹ ہاؤس میں ہوں۔ اور یہ بات اسے آئی جی سے معلوم نہیں ہوئی تھی جو انتہائی اندر کا راز ہوتا ہے وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر کیا کافور خان سے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کا رابطہ ہوگیا ہے؟

یہی ہوسکتا تھا۔ بات کچھ سمجھ میں آرہی تھی۔ ان دونوں بھائیوں پر کسی ہپناٹائز کرنے والے نے عمل نہیں کیا تھا۔ میرا کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا خوبیِ قسمت سے کافور خان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ پہلے اس نے دونوں بھائیوں کے دماغوں کو لاک کیا تھا۔ پھر بھائیوں نے اسے مرجینا کی تصویر دکھائی ہوگی اور وہ تصویر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے دماغ میں پہنچا ہوگا۔

ادھر میں مرجینا کے دماغ کو لاک کرچکا تھا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے کو پہلے ناکامی ہوئی ہوگی۔ مرجینا نے سانس روک لی ہوگی۔ پھر دشمن کی سمجھ میں آیا ہوگا کہ فرہاد کی آواز اور لہجہ اختیار کرنا چاہئے۔ پھر وہ میری سوچ کا لہجہ اپنا کر مرجینا کے اندر آیا ہوگا۔ اس کے ذریعے معلوم ہوا ہوگا کہ میں ریسٹ ہاؤس کے اس کمرے میں ہوں۔

بہرحال وہ اسی طرح کی معلومات حاصل کرکے مجھے گھیرنے اور قتل کرنے آیا تھا۔ کمرے کی تاریکی نے اس کی پہلی گولی سے مجھے بچایا تھا۔ مرجینا مجھ سے لپٹنے آئی تھی۔ گویا اس بے چاری نے نادانستگی میں دوسری گولی سے مجھے بچایا تھا۔ تقدیر ہمیشہ نہیں بچاتی۔ کبھی حالات کے رحم وکرم پر بھی چھوڑ دیتی ہے۔

میں سمجھ رہا تھا' مرجینا مجھ سے لپٹنے آئی تھی۔ نہیں وہ تحفظ کا سامان لائی تھی۔ اس وقت بھی وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لئے مجھے ریوالور دینے آئی تھی۔ اس کی آخری چیخ کے ساتھ وہ ریوالور مجھ پر آکر گرا۔ پھر میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

اسے گرفت میں لیتے ہی جوابی فائر کیا۔ کافور خان کی چیخ سنائی دی۔ وہ اچھل کر برآمدے کے فرش پر گرا۔ پھر زینے پر سے لڑھکتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

چونکہ وہ چاندنی میں تھا۔ اس لئے میں نے اسے گولی کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ گولی اس کی ران میں پیوست ہوگئی تھی۔ وہ تکلیف کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔ ایسے میں سانس نہیں روک سکتا تھا۔ اس کی سوچ کے ذریعے معلوم ہوا اس کے چھ مسلح ماتحت ہیں جو ریسٹ ہاؤس کے چاروں طرف موجود ہیں۔ اپنے آقا کے گرتے ہی وہ تمام ماتحت فائرنگ کرتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کے سامنے آگئے تھے۔ ان میں سے دو ماتحت اسے اٹھا کر لے جارہے تھے۔ میں نے دوبارہ جوابی فائرنگ کی جس کے نتیجے میں وہ برآمدے تک آنے کی جرأت نہ کرسکے۔ شطرنج کی بساط ہو یا میدانِ جنگ' تمام مہرے اس وقت تک لڑتے ہیں جب تک بادشاہ سلامت رہتا ہے۔ جب انہوں نے زخمی بادشاہ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تو فائرنگ کرنے والوں نے بھی میدان چھوڑ دیا۔ وہاں سے بھاگتے ہوئے گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ کافور خان تکلیف سے کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "جلدی کرو۔ مجھے اسپتال پہنچاؤ۔ یہ گولی نکالو۔ میں فرہاد کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

میں ریسٹ ہاؤس سے باہر آگیا۔ برآمدے میں چوکیدار کی اور مرجینا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مسلسل فائرنگ کی آوازیں رات کو دور تک گونجتی گئی تھیں۔ قریبی تھانے سے پولیس والے دوڑے آئے تھے۔ میں ریسٹ ہاؤس کے عقب میں دوڑتا چلا گیا۔ کسی کی نظروں میں نہیں آیا۔ خواہ مخواہ قتل کے کیس میں الجھنا مناسب نہیں تھا۔

میں ایک رکشا میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی سمت جانے لگا۔ راستے میں آئی جی کو ریسٹ ہاؤس کی روداد سناتا گیا۔ اس نے کہا۔ "میں وہاں کے معاملات سنبھال لوں گا۔ یہ آپ نے اچھا کیا کہ ارسلان کو ریسٹ ہاؤس سے ہٹا دیا' وہ کہاں ہے؟ اسے میری کوٹھی میں رہنا چاہئے۔"

"میں اسے اپنے معاملات میں مصروف رکھوں گا۔ وہ یہاں دوسرے بہروپ میں رہے گا۔ کسی کو نظر نہیں آئے گا۔ میں پھر کسی وقت رابطہ کروں گا۔"

میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایسی جگہ رکشا سے اتر گیا جہاں خاصی تاریکی تھی۔ میں نے کرایہ ادا کیا۔ وہ آگے چلا گیا۔ میں نے آنکھوں سے لینسز نکال لئے' مونچھیں ہٹادیں' سر کی وگ اتار دی' اس طرح چہرہ کسی حد تک تبدیل ہوگیا۔ یہ احتیاط ضروری تھی۔ جو دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا مرجینا کے ذریعے ریسٹ ہاؤس میں میری موجودگی کو سمجھتا رہا تھا۔ اسے یقین ہوگا کہ فرہاد ابھی پشاور میں ہے اور وہ یقیناً مجھے دوبارہ گھیرنے کی سازش کررہا ہوگا۔ یا کوئی چال چل

چکا ہوگا۔

کافور خان کے ساتھ اس کا بھائی بیرم خان نہیں تھا۔ کیوں نہیں تھا یہ جاننے کے لئے میں نے کافور خان کے خیالات پڑھے۔ اسے ایک اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں پہنچایا گیا تھا۔ اس پر بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ اس کے بے ہوش ہونے سے پہلے ہی میں نے معلوم کیا۔ اس کا بھائی بیرم خان دو مسلح ماتحتوں کے ساتھ ریسٹ ہاؤس کے پیچھے چوکیدار کے کوارٹر سے ذرا دور چھپا ہوا تھا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے نے دونوں بھائیوں سے کہا تھا "فرہاد کچھ تو حاضر دماغ ہے اور کچھ قسمت کا دھنی ہے۔ مضبوط حصار کو توڑ کر نکل جاتا ہے۔ اگر وہ ریسٹ ہاؤس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگا تو پچھلے حصے سے فرار ہوگا کیونکہ ریسٹ ہاؤس کے آگے کچھ فاصلے پر پولیس اسٹیشن ہے۔"

اس پلاننگ کے مطابق بیرم خان دور چھپا ہوا تھا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے نے درست سوچا تھا۔ میں اسی راستے سے فرار ہوا تھا لیکن بیرم خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ بڑے بھائی کو باپ سمجھ کر محبت کرتا تھا۔ اسے گولی لگتے ہی وہ بھی اپنے بھائی کے پیچھے اسپتال پہنچ گیا تھا۔ کافور خان نے کراہتے ہوئے کہا تھا۔ "جانِ برادر! تم نے غلطی کی۔ تمہیں وہاں فرہاد کو گھیر کر مارنا چاہئے تھا۔"

"برادر! ابھی تمہیں خون کی ضرورت ہوگی۔ پہلے میں تمہیں خون دوں گا پھر اس دشمن کو جہنم میں پہنچاؤں گا۔ وہ چھپ نہیں سکے گا۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

اس کے بعد کافور خان کو آپریشن تھیٹر میں لایا گیا تھا۔ میں اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ اس کی سوچ میں پوچھ رہا تھا کہ اس کے دوست ٹیلی پیتھی جاننے والے کا نام کیا ہے اور وہ کس ملک سے تعلق رکھتا ہے؟

وہ جواب نہ دے سکا۔ اسی وقت بے ہوش ہوگیا۔ اب مجھے کسی طرح بیرم خان کے دماغ میں پہنچنا تھا اور اس دشمن خیال خوانی کرنے والے کو پہچاننا تھا۔ پھر یہ بھی فکر تھی کہ وہ کمبخت نور خان کو اس شہر میں دیکھ لے گا تو اس کے پورے کنبے کو قتل کر دے گا۔ اس سے پہلے ہی دونوں بھائیوں کو اس شہر سے بھگا دینا یا اس کا قصہ تمام کر دینا ضروری تھا۔

اور میری چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ یہ صرف دو بھائی دشمن نہیں ہیں۔ اس ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن نے پتا نہیں اور کتنے جوانمردوں کو آلۂ کار بنا کر اس شہر میں پھیلا دیا ہے۔ ہو سکتا تھا' میں بیرم خان کو ٹریپ کرنے جاتا تو خود کسی ان دیکھے جال میں الجھ جاتا۔ اب مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنا تھا۔ نادیدہ خطرات بڑھ گئے تھے۔

❀❀❀❀**❀❀❀
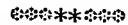
اس سرپرائز میرج یعنی چونکا دینے والی شادی میں دلہن پامیلا تھی اور دلہا علی تیمور تھا۔ یہ شادی بڑی جلدی میں ہوئی تھی۔ جلدی اس لئے تھی کہ علی تیمور عرف کارمن ہیرالڈ شادی کے معاملے کو ایک عرصہ سے ٹال رہا تھا۔ جب اس نے اچانک شادی کا ارادہ کیا تو پامیلا کے ماں باپ نے پوچھا۔ "چوبیس گھنٹوں کے اندر شادی کیسے ہو سکتی ہے؟"

علی نے کہا "رشتے داروں اور دوست احباب کو انویٹیشن کارڈ بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ فون پر سرپرائز میرج کی دعوت دیں۔"

دراصل علی کو دلہن سے دلچسپی نہیں تھی' وہ جلد سے جلد وہاں کے الیکٹریکل ڈیپارٹمنٹ کے پرائیویٹ شعبے میں پہنچنا چاہتا تھا۔ پامیلا کا باپ راجر موس اس پرائیویٹ شعبے کا انچارج تھا۔ اپنے ہونے والے داماد کو ترقی دلا کر اپنے شعبے میں لانا چاہتا تھا۔

اور علی کو جلدی تھی' وہ اس خفیہ شعبے میں رہ کر بجلی کے کنکشن کے ذریعے گولڈن برینز کے خفیہ اڈے تک پہنچنا چاہتا تھا۔

ادھر پامیلا نے سوچا' کارمن (علی) بڑے انتظار کے بعد شادی کے لئے راضی ہوا ہے۔ اس لئے ایک دن کی بھی دیر نہ ہو۔ شادی فوراً ہو جائے۔

دوسری طرف پامیلا کے ماں باپ نے دیکھا۔ بیٹی کارمن کی دیوانی ہو رہی ہے اور کارمن نہایت ہی شریف نوجوان ہے تو انہوں نے بھی دیر نہیں کی۔ دونوں کی شادی کر دی۔ علی' پامیلا کو دلہن بنا کر اپنے بنگلے میں لے آیا۔

شادی کا مطلب ہے خوشی' لیکن دلہا دلہن کے درمیان پہلی رات کی خوشی نہیں تھی۔ علی نے پامیلا کو اپنی پیدائش سے لے کر جوان ہو کر شادی کرنے تک کی ایک من گھڑت کہانی سنائی تھی کہ ربی اسفندیار نے پیش گوئی کی ہے اگر کارمن شادی کی پہلی رات دلہن کی سیج پر جائے گا تو مر جائے گا اور اگر اپنی موت کے خوف سے شادی نہیں کرے گا تو ہونے والی دلہن مر جائے گی۔

من گھڑت کہانی کے مطابق ربی اسفند نے اس مسئلے کا یہ حل پیش کیا تھا کہ شادی کے بعد میاں بیوی چالیس راتوں تک ایک دوسرے سے دور رہیں اور اس کے بعد ازدواجی رشتہ قائم کریں تو موت ٹل جائے گی۔

علی نے یہ کہانی اس لئے بنائی تھی کہ وہ دھوکے سے شادی کر رہا تھا۔ اسے گولڈن برینز تک پہنچنا تھا لیکن شادی کا فریب دے کر وہ پامیلا کی عزت سے کھیلنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنا مقصد پورا کرنے تک وہ اس سے دور رہنا چاہتا تھا۔

جب وہ دلہن بن کر کمرے میں آئی تو پاس ہوتے ہوئے بھی اس سے دور تھی۔ حسرت سے اپنے محبوب کو دیکھ رہی تھی جو اب شوہر بن گیا تھا اور وہ شوہر کے گلے نہیں لگ سکتی تھی۔ علی نے کہا "میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ تم بھی سمجھو کہ میں ایک مرد ہوں اور تم سے دوری کیسے برداشت کر رہا ہوں۔"

"تم زبردست قوتِ ارادی کے مالک ہو۔ مگر میں کمزور ہوں۔ تمہاری دیوانی ہوں۔ تمہارے ساتھ شادی کی رات کے کیسے کیسے رنگین خواب دیکھتی رہی ہوں۔ آج جاگتی آنکھوں سے سہاگ کی سیج تک آگئی ہوں لیکن خواب کی تعبیر نہیں ملے گی۔ کیا ہم ایک ہی کمرے میں ثابت قدم رہ سکیں گے؟"

"ایک کمرے میں رہنا ضروری نہیں ہے لیکن ایک چھت کے نیچے رہنا ضروری ہے تاکہ رشتے داروں اور دوسرے لوگوں کو ہماری چالیس دنوں کی دوری دکھائی نہ دے۔"

"میں کل سے بہت سوچتی رہی کہ تمہارے ساتھ ایک چھت کے نیچے دن تو کسی طرح گزار لوں گی۔ شاید رات نہ گزار سکوں۔ چالیس راتیں گزارنے کا ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا۔ میں اپنے ساتھ نیند کی گولیاں لائی ہوں۔"

علی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر کہا "نہیں پامیلا! میں نہیں چاہتا تمہیں خواب آور دواؤں کی عادت پڑ جائے۔"

"پڑنے دو۔ اسی طرح سونے دو۔ جاگتی رہی تو تمہیں بہکاؤں گی۔"

"میں اس معاملے میں فولاد ہوں۔ تم مجھے بہکا نہیں سکو گی۔ ویسے میں گہری نیند سونے کا طریقہ بتاتا ہوں۔ اس پر عمل کرو گی تو فوراً نیند آجایا کرے گی۔"

"وہ طریقہ کیا ہے؟"

اس نے بتایا کہ کس طرح بستر پر لیٹ کر جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر کس طرح دماغ کو ٹھہر ٹھہر کر ہولے ہولے ہدایات دینی چاہئیں۔ پوری توجہ کے ساتھ دماغ کو ہدایات دی جائیں تو نیند آجاتی ہے۔

اس دوران لیلیٰ نے آکر اس سے کہا "میں پامیلا کے دماغ میں رہ کر یہ باتیں سن رہی ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے آسانی سے نیند نہیں آئے گی۔ بہر حال اطمینان رکھو' میں اسے خواب آور دوا استعمال نہیں کرنے دوں گی' اسے اپنے طور پر سلا دوں گی۔"

پامیلا نے علی سے پوچھا "کیا اس طریقہ سے تمہیں نیند آجاتی ہے؟"

"بے شک' میں آزمودہ طریقہ بتا رہا ہوں۔"

"اور اگر نیند نہ آئے تو؟"

"میں دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں۔ نیند نہ آئے تو مجھے آواز دینا۔ میں یہاں آکر تمہیں سلاؤں گا۔"

"اتنے یقین سے کہہ رہے ہو تو جاؤ۔ میں سونے کی کوشش کرتی ہوں۔"

علی دوسرے کمرے میں گیا۔ پامیلا سہاگ کی سیج پر آکر دلہا کے بغیر لیٹ گئی۔ دل اور دماغ پر کنوارے پن کا بوجھ تھا۔ جب تک یہ بوجھ نہ اترتا اسے نیند نہ آتی۔ خواہ وہ ہزار بار دماغ کو ہدایات دیتی' نامراد سہاگن کی طرح جاگتی رہتی۔

صرف ٹیلی پیتھی ہی اسے تھپک سکتی تھی۔ لیلیٰ نے اسے تھپک کر سلا دیا۔ وہ ذرا سی دیر میں گہری نیند سو گئی۔ اس نے علی کے پاس آکر کہا "وہ بے خبر سو رہی ہے۔ میں ہر رات اسی طرح اسے سلا دیا کروں گی اور کوئی کام ہو تو بتاؤ۔"

"شکریہ امی! آپ آرام کریں' میں صبح چھ بجے تک سوتا رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے میں سات بجے آؤں گی۔" وہ چلی گئی۔ علی ایک ایزی چیئر پر آرام سے نیم دراز تھا۔ اسے بھی سو جانا چاہئے تھا لیکن ماں کا انتظار تھا۔ رسونتی ہر رات گیارہ بجے اس کی خیریت معلوم کرنے آتی تھی۔ کچھ دیر بیٹے سے باتیں کرتی تھی۔ پھر مطمئن ہو کر چلی جاتی تھی۔

وہ ٹھیک وقت پر آئی۔ بیٹے نے سلام کر کے خیریت پوچھی اس نے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ پھر کہا "تم مجھے دیکھ کر گئے تھے۔ میں صحت مند ہوں۔ تمہارے ساتھ صبح دو میل کی دوڑ لگاتی تھی۔ آج کل تین میل تک دوڑتی ہوں اور آدھے گھنٹے تک سانس روکتی ہوں۔ کیا تمہاری مشقیں جاری ہیں؟"

"جی ہاں' آج صبح اٹھ کر ورزش کروں گا۔"

"بیٹے! آج تو سہاگ رات ہے۔ کیا میری بہو سو رہی ہے؟"

"جی ہاں۔ ابھی امی اسے سلا کر گئی ہیں۔"

"ویسے یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ میرے ارمان دل ہی میں رہ جاتے ہیں۔ پہلے ثانی کو بہو بنانا چاہا تو تم نے کہا دو برس بعد شادی کرو گے اور اب پامیلا سے شادی کر کے بھی اسے میری بہو نہیں بنا رہے ہو۔"

"آپ جانتی ہیں میں اور ثانی ایک دوسرے کو کس قدر چاہتے ہیں اور ہم ہر معاملے میں ایک دوسرے کے ہم مزاج ہوتے ہیں۔ وہی صرف وہی میری شریکِ حیات بنے گی۔ ہماری زندگی ازدواجی رشتے کا بہترین نمونہ ہوگی۔ جہاں آپ نے اتنا صبر کیا ہے۔ کچھ عرصہ اور صبر کر لیں۔"

"کچھ عرصے کا مطلب پچیس برس بھی ہوتے ہیں۔"

"ماما! اسے عرصہ نہیں مدت کہتے ہیں اور اتنی مدت نہیں لگے گی۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ ثانی ادھر جان لمبوڈا کی سرپرستی میں ہے۔ پتا نہیں کب ٹرانسفارمر مشین سے گزرے گی اور کب دوبارہ ہمارے ہاتھ آئے۔ تم انتظار میں بوڑھے ہو جاؤ گے اور میں دنیا سے گزر جاؤں گی۔ اپنی گود میں پوتے پوتیوں کو کھلانے کی حسرت لے کر جاؤں گی۔"

"ایسی باتیں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو آپ اور سو برس جئیں گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ' شادی کے وقت دلہن کیسی لگ رہی تھی؟"

"میں نے دلہا کی نظر سے نہیں دیکھا پھر کیا بتاؤں وہ کیسی لگ رہی تھی؟"

"بیٹے اتنی شرافت اچھی نہیں ہوتی۔ پھر اسے دلہن سمجھنا کوئی بدمعاشی نہیں ہے۔ تم نے قانون کے مطابق شادی کی ہے۔ میری ایک بات مان لو۔"

"بات ماننے والی ہو تو حکم دیں۔"

"کیا ماں تم سے غلط بات منوائے گی؟"

"آپ حکم دیں گی کہ میں پامیلا کو سچ مچ آپ کی بہو بنادوں۔"

"وہ سچ مچ ہے ہی۔ تم سچائی سے انکار کررہے ہو۔"

"میں اس کنواری کی بہتری کے لئے کررہا ہوں۔"

"کیا بہتری کررہے ہو؟ اپنا مقصد پورا ہوتے ہی اسے رونے اور آہیں بھرنے کے لئے چھوڑ جاؤ گے۔ پامیلا کے دل میں بیٹھ کر سنو تمہیں اپنی ماں کی دھڑکنیں اور محرومیاں سنائی اور دکھائی دیں گی۔ جب بھی تمہارے پاپا مجھ سے دور ہوجاتے تھے۔ میں ویران ہوجاتی تھی۔ تم یہی ویرانی میری بہو کے نصیب میں لکھنے والے ہو۔ وہ تمہارے نام پر جینے اور مرنے آئی ہے اور تم اسے اندر سے مار کر جاؤ گے۔"

"اوہ ماما! آپ مجھے جذبات میں الجھارہی ہیں۔"

"میں جذبات سے نہیں اخلاق اور انسانیت کے حوالوں سے بول رہی ہوں۔"

"انسانیت کا تقاضا ہے کہ میں اسے حقیقت بتادوں پتا نہیں حقیقت معلوم ہونے کے بعد اس کے دل میں میری محبت رہے گی یا نہیں لیکن کام بگڑ جائے گا۔"

"کام نہیں بگڑے گا۔ میرا مشورہ ہے' جب تک گولڈن برینز کا سراغ نہ ملے اپنی حقیقت چھپاؤ۔ کامیاب ہونے کے بعد میری بہو کو دھوکا دے کر نہ جاؤ۔ اسے صاف صاف بتادو کہ تم مسلمان ہو۔ اگر وہ راضی خوشی اسلام قبول کرے گی تو تم اسے ساری زندگی کے لئے قبول کرو گے۔ مجھے یقین ہے جب اسے معلوم ہوگا کہ تم نے اس کی عزت رکھنے کے لئے اسے فریب دیا تھا تو وہ ضرور تمہاری عزت کرے گی۔"

"اور اگر عزت نہیں کرے گی۔ محبت کے بجائے دشمنی پر آمادہ ہوگی تو پھر میں اسے چھوڑ کر رُوپوش ہوجاؤں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"ہاں اپنی اصلیت ظاہر کرنے کے بعد تمہارا اخلاقی فرض ادا ہوجائے گا۔"

"آپ بہت اچھی ہیں ماما! میں آپ کے مشورے پر عمل کروں گا۔"

"میں اپنی بہو کے خوابیدہ دماغ کو چوم کر ابھی آتی ہوں۔"

رسونتی وہاں سے خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے پامیلا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ اسے مخاطب نہیں کرسکتی تھی کیونکہ کارمن کی کوئی ماں نہیں تھی۔ وہ ساس کی حیثیت سے کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ پھر یہ کہ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلائی گئی تھی۔ اسے مخاطب نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اور اس کی یہ خاموشی سودمند ثابت ہوئی۔ اس وقت پامیلا کے خوابیدہ دماغ میں کوئی بول رہا تھا "آج تمہاری سہاگ رات ہے اور تم آدھی رات کو ہی سوگئی ہو' یہ معاملہ کیا ہے؟"

پامیلا کی خوابیدہ سوچ نے پوچھا "تم کون ہو؟"

اس سوال نے رسونتی کو سمجھادیا کہ دماغ میں آنے والا پامیلا کے لئے اجنبی ہے اور آج پہلی بار اس کے پاس آیا ہے۔ آنے والا کہہ رہا تھا "میں کوئی بھی ہوں تم مجھے نہیں جانتی ہو اور نہ ہی کبھی جان سکوگی۔"

رسونتی نے پامیلا کے دماغ کو اپنے قابو میں رکھتے ہوئے اس کی سوچ میں کہا "اپنے متعلق نہ بتاؤ۔ یہ تو بتادو' مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں تمہارے باپ کو بھی نہیں جانتا تھا۔ شام کو تمہارے بنگلے کے سامنے شادی کی چہل پہل دیکھی۔ وہاں اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران کی بھی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس بنگلے کا مکین راجر موس بہت اہم شخص ہے۔ جس کے گھر اسرائیل کی بڑی بڑی شخصیتیں پہنچی ہوئی ہیں۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا "پھر میں تمہاری شادی میں بن بلائے مہمان کی طرح گیا۔ یہ معلوم کیا کہ تمہارا باپ الیکٹریکل ڈیپارٹمنٹ کے ایک خفیہ شعبے کا انچارج ہے۔ یہ بڑی حیرانی کی بات ہے۔ بجلی کے شعبے کے ایک عہدیدار کے ہاں اس ملک کے تمام خالص مکھن جمع ہوگئے ہیں۔ میں نے تمہارے باپ کے دماغ میں جانا چاہا اس نے سانس روک لی۔"

پھر وہ ذرا رک کر بولا "پھر میں تمہارے دلہا کے پاس گیا۔ اس نے بھی سانس روک لی۔ ویسے تمہارے دماغ میں جگہ مل گئی۔ کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ کے سسر داماد یوگا کے ماہر ہیں۔"

رسونتی نے پامیلا کے ذریعے کہا "اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ کیا ایک پہلوان کسی جوان پہلوان کو اپنا داماد نہیں بناتا؟ کیا ایک ہی گھر میں دو چار سیاست دان نہیں ہوتے؟"

"ایسا ضرور ہوتا ہے لیکن تمہارے لئے حاکموں اور جنرلوں کے رشتے آرہے تھے تمہارے باپ نے کارمن کو کیوں داماد بنایا! جس کا کوئی خاص خاندانی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔"

"کارمن میری پسند ہے۔ میرا محبوب ہے۔"

"میں نے شام کو تمہارے چور خیالات پڑھے تھے۔ کوئی خاص راز کی بات معلوم نہ ہوسکی۔"

"تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"جو معلوم کرنا چاہتا ہوں' وہ تمہارا دماغ نہیں بتائے گا۔ مجھے شبہ ہے کہ تمہارے دماغ کو لاک کیا گیا ہے۔ میں ابھی تم پر عمل کروں گا' تمہیں اپنی معمولہ بناؤں گا تو مقفل راز باہر آجائے گا۔"

وہ پامیلا پر عمل کرنے لگا۔ رسونتی اس کی پشت پر تھی وہ معمولہ نہیں بن سکتی تھیں لیکن ظاہر کررہی تھی جیسے عامل کے ٹرانس میں آرہی ہے اور اس کی معمولہ بن رہی ہے۔ جب اس اجنبی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو یقین ہوگیا کہ وہ پوری طرح معمولہ بن چکی ہے تو اس نے پوچھا "کیا تمہارا باپ راجر موس اور شوہر کارمن کچھ پُراسرار لگتے ہیں؟"

وہ بولی "پُراسرار تو نہیں البتہ ریزرو رہتے ہیں' بہت کم گو ہیں۔ میرے باپ کی بہت سی عادتیں کارمن میں ہیں اسی لئے میں اسے بہت چاہتی ہوں۔"

"کیا سرکاری ملازمت کے علاوہ بھی ان کی کچھ سرگرمیاں ہیں۔"

"ان کی ڈیوٹی کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ آدھی رات کو بھی فون کال سن کر ڈیوٹی پر جاتے ہیں۔"

"کیا کارمن آدھی رات کے وقت نئی دلہن کو چھوڑ کر ڈیوٹی پر گیا ہے۔"

"شاید گیا ہے۔ میں ابھی سو رہی ہوں' میری آنکھیں بند ہیں۔ میں یہ دیکھ نہیں سکتی کہ وہ میرے بستر پر موجود ہے یا نہیں؟"

"اب میں تمہیں جو حکم دوں گا تم اس پر عمل کروگی۔"

"عمل کروں گی۔"

"میں نے اس بنگلے کے بیرونی دروازے کے پاس ایک چھوٹی سی شیشی رکھی ہے۔ تم صبح کارمن کی چائے میں اس شیشی کے دو قطرے ڈالوگی۔"

"میں کارمن کی چائے میں اس شیشی کے دو قطرے ڈالوں گی۔"

"تم ایک گھنٹے تک تنویمی نیند سونے کے بعد اٹھوگی' بیرونی دروازہ کھول کر وہ شیشی فرش پر سے اٹھا کر کمرے میں واپس آؤگی اور شیشی کو چھپا کر رکھوگی۔"

پامیلا نے حکم کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ وہ بولا "تمہارا باپ راجر موس تم سے ملنے آئے گا۔ یا تم میکے جاؤگی تو راجر موس کو بھی دودھ یا چائے میں اسی شیشی کے دو قطرے ملا کے پلاؤگی۔"

پھر اس نے پامیلا کو ایک گھنٹے تک گہری نیند سونے کا حکم دیا۔ رسونتی نے علی کے پاس آکر اس اجنبی ٹیلی پیتھی جاننے والے کی تمام روداد سنائی۔ علی نے یہ سننے کے بعد بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔ "یہ کون شخص ہے۔ ہماری ٹوہ میں کیوں لگا ہے؟"

رسونتی نے کہا "وہ شام کو تمہاری شادی کی تقریب میں موجود تھا گویا وہ اسی شہر میں رہتا ہے۔"

"ماما! آج کل تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے اتنے محتاط ہوگئے ہیں کہ جہاں ٹیلی پیتھی کا کھیل کھیلتے ہیں' وہاں خود موجود نہیں رہتے۔ اپنے آلۂ کاروں کے ذریعے واردات کرتے ہیں۔ جان لبوڑا اپنے خیال خوانی کرنے والے ماتحتوں کو ان کی پناہ گاہ سے نکلنے نہیں دیتا ہے۔ ماسک مین بھی اپنے اکلوتے خیال خوانی کرنے والے کو ماسکو سے باہر جانے نہیں دے گا۔ یہاں جو بھی خیال خوانی کرنے والا آیا تھا اور میری شادی اٹینڈ کی تھی اس کا تعلق یہودیوں سے ہے۔ گولڈن برینز کے ماتحت رہنے والوں میں سے کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا باغی ہوگیا ہے۔ وہ اسرائیل کی اہم شخصیتوں تک اور گولڈن برینز تک پہنچنا چاہتا ہے۔"

"تمہارا یہ اندازہ بڑی حد تک درست لگتا ہے۔ پچھلے دنوں گولڈن برینز نے اپنے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے جنرل پارکن کو سزا دی تھی اسے اس کی رہائش گاہ میں نظربند رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ قید سے نکل بھاگا ہے۔"

"ماما! آپ کسی حاکم کے خیالات پڑھ کر کچھ معلوم کرسکتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ ایک حاکم کے دماغ میں آئی۔ وہ سو رہا تھا۔ اس کے خوابیدہ خیالات نے بتایا کہ پچھلے بیس گھنٹے سے جنرل پارکن لاپتا ہے۔ وہ اپنے بنگلے میں نظربند تھا۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے پہریداروں کو ٹریپ کرکے فرار ہوگیا ہے۔ پورے ملک کے جاسوس چھوٹے بڑے شہروں میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

ماں نے بیٹے کے پاس آکر یہ باتیں بتائیں۔ علی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "ماما! پندرہ منٹ کے بعد پامیلا کی تنویمی نیند کا ایک گھنٹا پورا ہوجائے گا۔ جنرل پارکن یہی سمجھ رہا ہے کہ تنویمی عمل کامیاب ہوا ہے۔"

"ہاں' وہ یہی سمجھ رہا ہے۔"

"وہ پامیلا کے دماغ میں آکر یا ہمارے بنگلے کے باہر چھپ کر یہ ضرور دیکھے گا کہ وہ بیرونی دروازہ کھول کر شیشی اٹھائے گی یا نہیں۔"

"بیٹے! میرا خیال ہے وہ پامیلا کے دماغ میں رہ کر ہی یہ معلوم کرے گا۔"

"پھر بھی میں چھپ کر باہر جارہا ہوں۔ جب آپ کو یقین ہوجائے کہ وہ پامیلا کے پاس نہیں ہے تو آپ میرے پاس آجائیں۔ اس کے بعد جو کرنا ہے وہ میں آپ کو بتاؤں گا۔"

وہ کمرے سے نکل کر بنگلے کے پچھلے حصے کی طرف جانے لگا۔ رسونتی وقت کے مطابق پامیلا کے پاس آگئی۔ اسے ٹھیک ایک گھنٹے بعد جگایا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پلنگ سے اتر کر چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر آگے بڑھتی ہوئی بیرونی دروازے تک پہنچی۔ اسے کھول کر نیچے فرش پر دیکھا وہاں ایک شیشی رکھی ہوئی تھی۔ پامیلا نے اسے اٹھالیا۔ دروازے کو دوبارہ بند کرکے کمرے کی طرف واپس جانے لگی۔

اس کی سوچ نے کہا "مجھے کارمن کے کمرے میں جھانک کر دیکھنا چاہئے وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے۔"

اسکی سوچ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پارکن پامیلا کے ذریعے کارمن کی مصروفیات معلوم کرنا چاہتا ہے۔ پامیلا کھڑکی کے پاس آئی۔ وہ بند تھی' اندر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پھر وہ دروازے کے پاس آئی وہ اندر سے لاک تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ دوسری بار بھی دستک دینے سے دروازہ نہ کھلا تو رسونتی نے اس کی سوچ میں کہا "اچھا سمجھ گئی کارمن ایمرجنسی کال پر ڈیوٹی کے لئے گیا ہے۔"

اس بات سے جنرل پارکن کو اطمینان ہو گیا ہو گا۔ رسونتی نے پامیلا کو کمرے میں لا کر اسے بستر پر لٹایا شیشی کو تکیے کے نیچے رکھوایا۔ پھر اس کی آنکھ بند کرائی۔ اسے نیند کی آغوش میں پہنچانے لگی۔ علی بنگلے کے پچھلے حصے سے نکل کر اگلے حصے کی طرف آ گیا تھا۔ ایک جگہ چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے بنگلے کے سامنے گلی کے راستے پر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ کوئی یہ دیکھنے آیا تھا کہ پامیلا دروازہ کھول کر شیشی پہنچاتی ہے یا نہیں؟ علی جھکتا ہوا دبے قدموں سے کار کے قریب پہنچا۔ سر اٹھا کر دیکھا اندر کوئی نہیں تھا۔ پچھلا دروازہ بند تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھلا تھا۔ وہاں سے کوئی نکل کر کارمن کے بنگلے کے احاطے میں گیا ہو گا۔

اس نے اندر ہاتھ ڈال کر پچھلے دروازے کو کھولا اور پھر اندر آ کر دروازے کو بند کر کے اگلی پچھلی سیٹوں کے درمیان لیٹ گیا۔ اس کار کا مالک جنرل پارکن نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ہوتا تو کار کی سیٹ پر بیٹھے ہی بیٹھے پامیلا کے دماغ میں بھی پہنچتا اور کار کی کھڑکی ہی سے اسے دروازہ کھول کر شیشی اٹھاتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

رسونتی ابھی تک بیٹے کے پاس نہیں آئی تھی۔ اس سے بھی علی نے سمجھ لیا تھا کہ پارکن' پامیلا کے دماغ میں ہے اور ماما اپنی بہو کے دماغ کو کنٹرول کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی پھر کوئی اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ دروازے کو بند کر کے اس نے کار اسٹارٹ کی پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے کہیں جانے لگا۔ علی دونوں سیٹوں کے درمیان خاموش پڑا ہوا تھا۔ اپنی ماں کا انتظار کر رہا تھا۔

رسونتی نے آ کر گوڈ ورڈز ادا کئے' اسے بتایا کہ پارکن' پامیلا کے ذریعے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کارمن کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ پارکن کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ کارمن ایمرجنسی ڈیوٹی پر گیا ہے۔

علی نے کہا "میں اس کار والے کو بولنے پر مجبور کروں گا۔ اگر اس کے دماغ میں جگہ نہ ملے تو میں اسے سانس روکنے نہیں دوں گا۔ آپ معلوم کریں کہ یہ پارکن ہے یا اس کا کوئی آلۂ کار ہے؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر آیا تو ڈرائیو کرنے والا عقب نما آئینے میں دیکھ کر چونک گیا۔ فوراً بریک لگا کر گاڑی کو روکا اور پیچھے گھوم کر دیکھتے ہوئے بولا "کون ہو تم؟"

دوسرے ہی لمحے اس نے سانس روک لی۔ علی نے پوچھا "کیا یہ سانس روک رہا ہے؟"

ماں نے کہا "ہاں بیٹے!"

علی نے کراٹے کا ایک فولادی ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ کار والے کو ایسا ہی لگا جیسے منہ پر آہنی سلاخ کی ضرب لگائی گئی ہے۔ اس کی ناک اور باچھوں سے خون نکلنے لگا تھا۔ چند لمحوں کے بعد رسونتی نے کہا "مبارک ہو۔ صیاد اپنے دام میں خود آپ آ گیا۔ یہ کمبخت جنرل پارکن ہے۔"

"ٹھیک ہے ماما! اسے یہ نہ معلوم ہونے دیں کہ آپ اس کے اندر موجود ہیں۔"

پارکن تکلیف برداشت کرتے ہوئے چوری چھپے جیب سے ریوالور نکال رہا تھا۔ علی نے دوسرا ہاتھ منہ پر رسید کیا۔ وہ ہاتھ ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ چکرا کر اسٹیئرنگ کے نیچے لڑھکتا ہوا گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ نہ سکا۔

رسونتی نے کہا "یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔"

علی پچھلا دروازہ کھول کر آگے آیا۔ اگلا دروازہ کھول کر اس نے پارکن کو اٹھا کر ساتھ والی سیٹ پر ڈالا۔ پھر اسٹیئرنگ سنبھال کر گاڑی کو اسٹارٹ کیا۔ رسونتی نے کہا "اسے ختم کر دو۔ یہودی خیال خوانی کرنے والا ایک اور کم ہو جائے گا۔"

"نہیں ماما! میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس ایک کے فرار ہونے سے یہاں کے اعلیٰ حکام سے لے کر گولڈن برینز تک پریشان ہیں۔ اگر میں اسے واپس ان کے پاس پہنچا دوں تو میرے محب وطن یہودی ہونے کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ سب مجھ پر پہلے سے زیادہ اندھا اعتماد کرنے لگیں گے۔"

"تم درست کہتے ہو لیکن ٹیلی پیتھی ایک خطرناک ہتھیار ہے۔ اسے پہلی فرصت میں ضائع کر دینا چاہئے۔"

"آپ اس کے دماغ میں پہنچ چکی ہیں۔ کسی وقت بھی اسے ختم کر سکتی ہیں۔ فی الحال مجھے اپنی چال چلنے دیں۔"

وہ ڈرائیو کرتا ہوا پامیلا کے باپ راجر موس کے بنگلے کے سامنے پہنچا۔ چوکیدار نے اس کے لئے گیٹ کھولا۔ وہ ڈرائیو کرتا ہوا احاطے میں آیا۔ کار سے اتر کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ تھوڑی دیر بعد راجر موس نے بند دروازے کے پیچھے سے پوچھا "کون ہے؟"

"انکل! میں ہوں کارمن۔"

دروازہ کھل گیا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "بیٹے! خیریت ہے' اتنی رات کو آئے ہو۔ پامیلا کہاں ہے؟"

"وہ خیریت سے ہے۔ میں ایک دشمن کو زخمی کر کے لایا ہوں۔ آپ کسی اعلیٰ پولیس افسر کو کال کریں۔"

اس نے کار کا دروازہ کھولا۔ بے ہوش پارکن لڑھک کر باہر آ گرا۔ راجر موس نے پوچھا "یہ کون ہے؟ اسے کہاں سے لا رہے ہو؟"

"یہ رات کے دو بجے ہمارے بنگلے کے سامنے آیا تھا۔ کار سے اتر کر ہمارے احاطے میں ایک جگہ چھپ گیا تھا۔ میں ایک کھڑکی کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں بنگلے کے پیچھے سے نکل کر چھپتا ہوا اس کی کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کار کی کھڑکی سے دیکھا۔ پامیلا نیند کی حالت میں چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آئی پھر فرش پر سے ایک شیشی اٹھا کر اندر چلی گئی۔"

راجر موس نے پوچھا "اس شیشی میں کیا تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔ یہ ہوش میں آ کر بتائے گا۔ میں نے اس کی پٹائی کی' بے ہوش کر کے گاڑی میں ڈالا پھر بنگلے کے اندر جا کر دیکھا تو پامیلا گہری نیند میں تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ شخص ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ اس نے میری پامیلا کو ہپناٹائز کر کے وہ شیشی دی ہے۔"

علی بے ہوش پارکن کو اٹھا کر ڈرائنگ روم میں لایا۔ پھر اس کی جیب سے ریوالور نکالا اور راجر موس کو دے کر کہا "آپ پولیس کے آنے تک اس شخص کی نگرانی کریں۔ میں گھر جا کر پامیلا کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ راجر موس کی کار لے کر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنے بنگلے میں آیا۔ اپنی ماں سے بولا "آپ پامیلا کے پاس جائیں۔ اسے یاد دلائیں کہ وہ کبھی سو رہی تھی اور کبھی جاگ رہی تھی۔ ابھی جاگنے کے بعد اسے یاد آیا کہ اس نے باہر سے ایک شیشی لا کر اپنے تکئے کے نیچے رکھی تھی۔"

جب وہ اپنے بنگلے کے اندر آیا تو پامیلا بیدار ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی "میری سمجھ میں نہیں آتا میں اتنی دیر سے سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔"

علی نے پوچھا "یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"یہ شیشی ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے میں نیند میں چلتی ہوئی باہر گئی تھی وہاں سے یہ بھری ہوئی شیشی لائی تھی۔"

وہ شیشی لے کر اسے تھپکتے ہوئے بولا "کوئی ٹیلی پیتھی یا ہپناٹائز جاننے والا تمہارے دماغ سے کھیل رہا تھا۔ میں نے اس بدمعاش کی خوب پٹائی کی ہے۔ اسے تمہارے ڈیڈی کے پاس پہنچا کر آ رہا ہوں۔ چلو ہم وہاں چلیں۔"

وہ حیرانی سے بولی "اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے خبر نہ ہوئی۔"

وہ میرے ساتھ آ کر اپنے باپ کی کار میں بیٹھ گئی۔ علی نے کہا۔ "تم ہپناٹائز کی گئی تھیں۔ ابھی اپنے حواس میں ہو۔ یہ یاد رکھو کہ ہم میاں بیوی ہیں۔ ہم نے سہاگ رات گزاری ہے۔"

اس نے کچھ صدمے سے اور کچھ شرماتے ہوئے سر کو جھکا لیا۔ وہ بولا "تم ایک کنواری کی طرح شرما رہی ہو۔ تمہاری ممی جہاندیدہ ہیں۔ وہ ہماری چوری پکڑ لیں گی۔"

"میں نہیں جانتی ایک سہاگن کیسے مسکراتی ہے۔ مجھے اور آزمائش میں نہ ڈالو۔"

علی جانتا تھا کہ ماما یہ باتیں سن رہی ہیں۔ وہ پامیلا کی ماں کو اندر کی باتیں سمجھنے کا موقع نہیں دیں گی۔ وہ اپنے سسرال پہنچ گیا۔ ساس نے اپنی بیٹی کو گلے لگا لیا۔ وہاں پولیس کے اعلیٰ افسران پہنچ گئے تھے۔ پامیلا کا بیان سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ٹیلی پیتھی کا چکر چل گیا ہے۔

اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا گیا۔ گولڈن برینز تک خبر پہنچی اس کے بعد ہی الپا خیال خوانی کے ذریعے پارکن کے دماغ میں آ گئی۔ اس نے تصدیق کی کہ وہ جنرل پارکن ہے۔ یہ انکشاف ہوتے ہی پارکن کو ہتھکڑی پہنا دی گئی۔

الپا خیال خوانی کے ذریعے سوالات کرنے لگی۔ پارکن افسران کے سامنے زبان سے جواباً بولنے لگا۔ "میں نے فرار ہونے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ یہاں بہروپ میں رہوں گا۔ تمام خیال خوانی کرنے والوں کا اور گولڈن برینز کا سراغ لگاؤں گا۔ مسٹر راجر موس کے ہاں شادی کی تقریب میں اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران کو دیکھ کر میری عقل میں آیا کہ راجر موس غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے اس کے اور کارمن کے دماغوں میں پہنچنا چاہا تو پتا چلا دونوں سسر داماد یوگا کے ماہر ہیں۔"

الپا نے کہا "اس لئے تم نے اس کی بیٹی پامیلا کے ذریعے ان کے دماغوں میں پہنچنے کی کوشش کی اور وہ ضرررساں دوا کی شیشی اس کے پاس پہنچائی۔"

"ہاں' یہی ایک طریقہ تھا۔ میں کارمن اور راجر موس کے دماغوں کو کمزور بنا کر ان کی غیر معمولی اہمیت کو سمجھ سکتا تھا۔"

"تم کسی کو آلۂ کار بنا کر وہ شیشی پامیلا کے دروازے پر رکھ سکتے تھے۔ تم نے خود وہاں جانے کی حماقت کیوں کی؟"

"جب تک ٹھوکر نہ لگے اپنی حماقت سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر یہ مجبوری تھی کہ کسی پر عمل کر کے اسے اپنا آلۂ کار بنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ خود اعتمادی بھی تھی کہ میں ٹیلی پیتھی کی طاقت سے تنہا یہ کام کر گزروں گا۔ یہ خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ کارمن بڑی چالاکی اور خاموشی سے مجھے اس انجام کو پہنچا دے گا۔"

گولڈن برینز کے فیصلے کے مطابق ایک اعلیٰ حاکم نے پولیس افسران کو حکم دیا "جنرل پارکن کو اسی وقت ملٹری اسپتال کے آپریشن تھیٹر پہنچاؤ۔ اس سے پہلے کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن راسماکی طرح پارکن کے دماغ میں بھی پہنچیں۔ اس کا برین واش کر دیا جائے گا۔"

پھر گولڈن برینز کی طرف سے اعلیٰ حاکم نے کہا "مسٹر کارمن ہیرالڈ تم نے پارکن کو گرفتار کرا کے ملک اور قوم کو ایک بڑے نقصان سے بچایا ہے۔ گولڈن برینز تمہاری حب الوطنی اور فرض شناسی سے بہت خوش ہیں اور مسٹر راجر موس کو......"

اعلیٰ حاکم نے ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھا "یہ مسٹر موس کہاں چلے گئے؟"

راجر موس نے بنگلے کے اندرونی حصے سے ڈرائنگ روم میں

آتے ہوئے کہا "ایکسکیوزمی، ذرا واش روم میں گیا تھا۔"
اعلیٰ حاکم نے کہا "تم نے مسٹر کارمن کو داماد بنا کر اور اپنے شعبے میں ترقی دے کر دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ گولڈن برنیز تم سے بہت خوش ہیں۔"
پولیس افسران جنرل پارکن کو لے گئے۔ رسونتی نے آکر کہا۔ "بیٹے تم نے ان کا بھرپور اعتماد حاصل کیا ہے لیکن برین واشنگ کے بعد پارکن کی آواز اور لہجہ بدل جائے گا۔ میں اس کے دماغ کو گرفت میں نہیں رکھ سکوں گی۔"
"ماما! میرا کام ہوگیا۔ اب آپ سلمان انکل سے کہیں کہ وہ پارکن کی آواز اور لہجے میں جان لبوڈا سے مدد کی اپیل کرے اور اسے بتائے کہ اس کا برین واش ہونے والا ہے۔ اس کے بعد یہودی اور امریکی خیال خوانی کرنے والے پارکن کے دماغ کو میدانِ جنگ بنالیں گے۔ اب آپ جائیں۔ الپا وغیرہ میرے دماغ میں اچانک آسکتے ہیں۔"
وہ چلی گئی۔ راجر موس نے کہا "بیٹے کارمن! میں تم پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ تم نے حکمرانوں اور گولڈن برنیز کے سامنے میرا سر اونچا کردیا ہے۔"
اس نے پوچھا "انکل! یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ گولڈن برنیز کی باتیں یہاں تک کیسے پہنچ رہی ہیں؟"
وہ مسکرا کر بولا "باہر انٹیلی جنس کا چیف اپنی کار میں بیٹھا ہے۔ وہاں ڈیش بورڈ کے ساتھ ایک کمپیوٹر ہے۔ اس کمپیوٹر کے ذریعے ہماری باتیں گولڈن برنیز تک اور ان کی باتیں ہم تک پہنچ رہی ہیں۔"
"لیکن یہ باتیں کون یہاں سن رہا ہے؟"
"تم سمجھ رہے ہو وہ اعلیٰ حاکم بہرا ہے اس لئے ایک کان میں ایئر فون لگایا ہے۔ دراصل اس ایئر فون کے ذریعے اعلیٰ حاکم انٹیلی جنس کے چیف کی باتیں سن رہا ہے۔ اور چیف کمپیوٹر اسکرین کی تحریر پڑھ کر اس حاکم کو سنا رہا ہے۔"
علی اس کی وضاحت سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ راجر موس اپنے بنگلے کے باہر نہیں گیا۔ البتہ بنگلے کے اندرونی حصے میں گیا تھا اور یہ بتایا تھا کہ وہ واش روم میں گیا تھا۔ بہرحال جب وہ باہر نہیں گیا تھا تو اسے کس نے بتایا تھا کہ چیف کی گاڑی میں کمپیوٹر ہے اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر فون کے ذریعے اعلیٰ حاکم سے رابطہ کر رہا ہے۔
یہ بات سب ہی جان سکتے تھے یا اندازہ کرسکتے تھے کہ چیف سراغرساں اور اعلیٰ حکام کے درمیان رابطہ رہتا ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ گولڈن برنیز کا پیغام ایک دوسرے تک پہنچا رہے ہیں اور یہ بات کانوں میں ہیڈ فون لگائے بغیر راجر موس کو معلوم ہوتی رہی تھی۔
اس طرح یہ شبہ ہوا کہ راجر موس گولڈن برنیز سے کوئی تعلق ضرور رکھتا ہے اور وہ تھوڑی دیر پہلے واش روم نہیں گیا تھا کسی دوسری جگہ سے ہو کر آیا تھا۔ علی کے اندر ایک گرہ سی پڑ گئی۔ وہ جب تک اسے کھول نہ لیتا، ایک بے چینی سی رہتی۔
اعلیٰ حاکم اور دوسرے افسران وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اس نے پامیلا سے پوچھا "گھر نہیں چلوگی؟"
"چلو، رات یونہی گزر گئی۔ چار بج رہے ہیں۔"
ساس نے کہا "اس وقت کہاں جاؤ گے، یہیں آرام کرو۔"
راجر موس نے کہا "بیٹے کارمن! تم تمام رات جاگتے رہے ہو۔ کل تمہاری چھٹی ہے۔ یہاں دیر تک نیند پوری کرسکتے ہو۔"
وہ خود وہاں رہنا چاہتا تھا۔ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ راجر موس کا وہ واش روم کہاں ہے جہاں وہ ایسے وقت گیا تھا جب ایک اہم مفرور ٹیلی پیتھی جاننے والا پکڑا گیا تھا اور اس کا محاسبہ کیا جارہا تھا۔ پامیلا اپنے میکے میں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ وہاں ماں باپ کے سامنے اسے شوہر کے ساتھ ایک کمرے میں رہنا پڑتا اور وہ اتنی بڑی آزمائش سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔
دونوں میاں بیوی سرگوشیوں میں مشورے کرنے لگے۔ پامیلا کے والدین سمجھتے تھے کہ وہ نئے دلہا دلہن ہیں۔ زندگی کے نئے دن اور نئی راتیں رشتے داروں سے اور دوسری مداخلتوں سے دور گزارنا چاہتے ہیں۔ تاہم پہلی رات بڑی واردات ہوئی تھی کہ وہ بیٹی کو ابھی سسرال نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔
ساس نے کہا "میں سمجھتی ہوں۔ بہت کچھ سمجھتی ہوں مگر ابھی بیٹی کو نظروں سے دور کرنے کو دل نہیں مانتا۔ ابھی رہ جاؤ، کل شام کو چلے جانا۔"
دونوں کو وہاں رہنا پڑا۔ ساس نے ایک کمرے میں دودھ اور پھل وغیرہ لاکر رکھ دیے۔ پھر انہیں وہاں چھوڑ کر چلی گئی۔ علی نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا "زندگی میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم پہلی ہی آزمائش سے پریشان ہو رہی ہو۔"
وہ ایک ہاتھ سے سر تھام کر صوفے پر گر پڑی۔ اس کا گورا اور گلابی چہرہ تمتما رہا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے گہری سانسیں لے رہی تھی۔ علی نے اسے غور سے دیکھا پھر پوچھا "کیا ہوا؟"
وہ کچھ نہ بولی، صوفے پر کبھی یہ پہلو کبھی وہ پہلو ہونے لگی۔ وہ قریب آکر بولا "پامی! طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
اس نے اس پر ہاتھ رکھا تو پتا چلا، بدن گرم ہو رہا ہے۔ پھر اس نے پیشانی کو چھو کر دیکھا اور کہا "تمہیں تو بخار ہے۔ بستر پر چلو۔ میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔"
پامیلا نے ادھ کھلی آنکھوں سے اس انداز میں اسے دیکھا جیسے کسی اناڑی کو دیکھ رہی ہو۔ پھر دھیمی آواز میں بولی "ڈاکٹر کو نہ بلانا۔"
"کیوں نہ بلاؤں؟"
وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "بھید کھل جائے گا۔"
علی تیمور کا سر جھک گیا۔ بخار سمجھ میں آگیا۔ کسی کے بدن پر کوڑے مارنا ایسا ظلم نہیں ہے جیسا کہ وہ ظلم کر رہا تھا۔ کیوں کر رہا تھا؟ جبکہ وہ بیوی تھی۔ اس کے ساتھ جو تعلق ہوتا، وہ جائز ہوتا۔
وہ جس ذہانت سے سوچتا تھا، اسی ذہانت نے اسے سمجھا دیا کہ آئندہ کیا ہوگا؟ اس کا علم صرف خدا کو ہے۔ بندہ تو صرف سوچتا ہے کہ ایسا ہوگا مگر ویسا ہوجاتا ہے۔ وہ سوچتا تھا، ایک دن جب وہ پامیلا کو چھوڑ کر جائے گا تو پامیلا اپنی عزت کا اور سہاگ کا ماتم کرے گی۔ جبکہ وہ ابھی اس ادھورے، نامکمل اور محرومیوں سے بھرپور سہاگ کا ماتم کر رہی تھی۔
وہ بعد میں رلانا نہیں چاہتا تھا اور ابھی رلا رہا تھا۔ یہ کوئی دانشمندی نہیں تھی۔ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو مستقبل کو خدا کی رضا سے نہیں دیکھتے، اپنی مرضی کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اپنے رب پر کمزور اعتماد کی دلیل ہے۔
وہ اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔ پامیلا نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ سینہ بہ سینہ ہو کر دل کی دھڑکنیں سنانے لگی۔ پھر چونک کر بولی۔ "نہیں، مجھے چھوڑ دو۔ ہاتھ نہ لگاؤ ربی کی پیش گوئی کے مطابق ہمارے درمیان فاصلہ رہنا چاہئے۔"
"تمہارا علاج ضروری ہے۔ ڈاکٹر دیر سے آیا ہے مگر آگیا ہے۔"
"کہاں ہے وہ؟"
اس نے پلنگ کے پاس آکر اسے بستر پر لٹا دیا۔ اس کی کلائی تھام کر نبض کی رفتار دیکھی، مرض کی گفتار سنی، بخار کا ٹمپریچر دیکھا گیا اور دوا کرتا گیا۔ بعض مریض رات سے صبح کر دیتے ہیں۔ وہ مریضہ بھی رفتہ رفتہ نارمل ہوتی چلی گئی۔
جب ہوش میں آئی تو گھبرا کر بولی "اوہ کارمن! میری جان! تم نے قریب آکر اپنی زندگی داؤ پر لگادی ہے۔"
وہ بولا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم پچھلی رات گیارہ بجے سوگئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ بھی لگ گئی۔ میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ شاید ربی اسفندیار تھے۔"
"وہ خواب میں آئے تھے؟"
"ہاں، کہہ رہے تھے۔ تم دونوں نے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر شادی کی ہے۔ شادی کے بعد جذبات کو مارنا اور رہبانیت کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ تم ازدواجی رشتہ قائم کرسکتے ہو مگر ایک شرط ہے۔"
پامیلا نے پوچھا "کیسی شرط؟"
"ربی نے کہا پہلی شرط یہ تھی کہ کارمن دلہن کی سیج پر جائے گا تو مر جائے گا۔ لہٰذا دلہن کے لئے خاص طور پر سسرال میں جو سیج بنا ہے اس سیج پر نہ جاؤ۔ اب نئی شرط یہ ہے کہ دلہن کے میکے میں میرے لئے سیج کا انتظام ہو۔ تم نے دیکھا پامیلا! قدرتی طور پر ایسا چکر چل گیا کہ پہلی رات ہی تم سسرال سے میکے آگئیں اور تمہاری ممی نے مجھے یہ سیج دی۔ ربی کی شرط پوری ہوگئی۔"
وہ خوش ہو کر بولی "یہ تو ہماری ازدواجی زندگی میں ایک معجزہ ہوگیا۔ میں بیان نہیں کرسکتی کہ میں کتنی خوش ہوں۔ مجھے دنیا جہان کی دولت مل گئی ہے۔"
"میں چاہتا ہوں، تم چالیس راتوں تک میرے گھر کی سیج پر نہ آؤ۔ کیا ہم دو چار راتیں اسی کمرے میں گزار سکتے ہیں؟"
"ضرور، میرے ممی اور ڈیڈی ہمارے یہاں رہنے سے بہت خوش رہیں گے۔ ہم یہاں سے چالیس دن بعد جائیں گے۔"
"نہیں، میں اتنے دن سسرال میں نہیں رہوں گا۔ مجھے دوسرا شاندار بنگلا سرکار کی طرف سے ملنے والا ہے۔ ہم موجودہ بنگلے کی نحوست سے نکل کر نئے گھر میں ازدواجی زندگی گزاریں گے۔"
وہ مارے خوشی کے اس پر قربان ہو رہی تھی۔ علی کو یاد تھا کہ صبح سات بجے امی آنے والی ہیں۔ وہ چاہتا تھا تھوڑی دیر کے لئے تنہائی مل جائے تاکہ امی سے ضروری باتیں کرسکے۔
سات بجے کے بعد تنہائی مل گئی۔ پامیلا نے باتیں کرتے کرتے آنکھیں بند کیں۔ پھر ایک منٹ کے اندر ہی سوگئی۔ لیلیٰ نے علی کو مخاطب کیا، گڈ ورڈز ادا کئے۔ پھر بولی "شادی مبارک ہو۔"
وہ مسکراتے ہوئے بولا "امی! آپ کے جانے کے بعد ماما آئی تھیں۔ پامیلا کو سچ مچ بہو بنانے کی ضد کر رہی تھیں۔ کچھ میرے ذہن نے کہا کہ آئندہ کی باتیں خدا پر چھوڑنا چاہئے۔ اس لئے..."
وہ بولی "اب تم وضاحت نہ کرو۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ میں خوش ہوں۔ تمہارے پاپا کو بھی خوشی ہوگی۔"
"امی! رات کو آپ کے جانے کے بعد وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا جنرل پارکن میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔"
"مجھے معلوم ہوچکا ہے۔ میں بہت دیر سے پامیلا کے خیالات پڑھ رہی تھی۔ ابھی میں نے ہی اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلایا ہے۔ یہ بتاؤ۔ دو چار روز سسرال میں رہنے کا مقصد کیا ہے؟"
وہ بولا "مجھے شبہ ہے کہ راجر موس کا براہِ راست تعلق گولڈن برنیز سے ہے۔"
"تمہیں کوئی سراغ مل رہا ہے؟"
اس نے بتایا کہ سراغ کس طرح لگایا جاسکتا ہے۔ وہ سسرال میں رہ کر دیکھنا چاہتا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں راجر موس کس طرح مصروف رہتا ہے۔ اور وہ اپنے سسر کے بیڈ روم وغیرہ کی بھی تلاشی لینا چاہتا ہے۔ لیلیٰ نے کہا "راجر موس دن رات کے کسی حصے میں بھی دفتر آتا جاتا رہتا ہے۔ جب وہ دفتر جائے گا تو میں پامیلا کی ماں کو لمبی شاپنگ کے لئے باہر بھیج دوں گی۔ پامیلا اسی طرح سوتی رہے گی یا میں اسے کچن میں مصروف رکھوں گی۔"
"میں یہی چاہتا ہوں لیکن ایک اندیشہ ہے اگر راجر موس گولڈن برنیز کا خاص آدمی ہے تو اس گھر میں یا اس بیڈ روم میں خفیہ

کیمرے اور مائیک چھپا کر رکھے گئے ہوں گے۔ میں بیڈ روم میں جاؤں گا تو کہیں دوسری طرف دیکھ لیا جاؤں گا۔"

"تم بہت دور تک سوچتے ہو علی! اور یہ اچھی بات ہے۔"

"میں چاہتا ہوں آپ میری ساس کے دماغ میں رہ کر اسے اپنے روم میں لے جائیں۔ ویسے تو وہ بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی خوابگاہ میں جاتی ہوگی لیکن آج ہمارے نقطۂ نظر سے جائے۔ خوابگاہ' اس کا اسٹور روم اور واش روم کو ایک جاسوسہ کی نظروں سے دیکھے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ اسے آلۂ کار بنانے سے راجر موس کو شبہ نہیں ہوگا۔ تم آرام کرو۔ میں موقع کا انتظار کروں گی۔ راجر موس دفتر جائے گا تو میں مسز موس کو بیڈ روم میں لے جاؤں۔"

"ایسے وقت آپ مجھے نیند سے بیدار کریں تاکہ میں آپ کو بتا سکوں کہ مسز موس سے کس طرح تلاشی کا کام لینا ہے۔"

لیلیٰ چلی گئی۔ علی تیمور اپنے دماغ کو ضروری ہدایات دے کر سوگیا۔ تھوڑی دیر بعد پامیلا نے آنکھیں کھول دیں۔ حالانکہ گہری نیند میں تھی۔ یہ ابھی علی اور لیلیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ الپا اب پامیلا کے دماغ میں آنے لگی ہے۔ پہلے پامیلا کی اہمیت نہیں تھی۔ اب ہوگئی تھی۔

ہوا یہ تھا کہ گولڈن برینز نے الپا سے کہا تھا "الپا! ہم نے جنرل پارکن کو اس کی رہائش گاہ میں نظر بند کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کسی دشمن خیال خوانی کرنے والے نے جنرل پارکن کو اپنا معمول بنا کر قید سے بھاگنے پر مجبور کیا ہو اور اسے پامیلا کے دماغ تک پہنچایا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ہم نے جنرل پارکن کو گرفتار کرلیا ہے لیکن اس کے پیچھے چھپا ہوا دشمن آزاد ہے' وہ پامیلا کے دماغ میں آتا جاتا ہوگا۔ اور اس کے ذریعے ان تمام اہم عہدیداروں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا جن کا رابطہ پامیلا کے باپ راجر موس سے رہتا ہے۔ لہٰذا تمہیں پامیلا کے پاس جاتے رہنا چاہئے۔"

اس حکم کے مطابق الپا' پامیلا کے پاس آئی۔ اس وقت پامیلا علی سے باتیں کرتے کرتے سو رہی تھی۔ یعنی لیلیٰ اس کے اندر چھپ کر اسے سلا رہی تھی۔ لیلیٰ اور الپا کو پتا نہیں تھا کہ وہ دونوں بیک وقت پامیلا کے اندر موجود ہیں۔ البتہ الپا کو شبہ ہوا کہ پامیلا اپنے شوہر کے ساتھ جاگنے کا ارادہ رکھتے ہوئے اتنی جلدی کیسے سوگئی؟

اس نے اپنے طور پر سمجھا کہ شاید وہی دشمن خیال خوانی کرنے والا پامیلا کے اندر ہوسکتا ہے جس نے پارکن کو ٹریپ کیا تھا۔ اب وہ پامیلا کو نیند کی حالت میں آلۂ کار بنانا چاہتا ہے یا اس کے شوہر کارمن کو اس کے ذریعے دماغی کمزوری کی دوا کھلانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ کافی دیر تک انتظار کرتی رہی۔

جب کسی نے پامیلا کو نیند کی حالت میں آلۂ کار نہیں بنایا تو الپا نے اس کی آنکھیں کھول کر علی تیمور کو دیکھا۔ وہ پامیلا کے پاس ہی گہری نیند میں تھا۔ تب اسے یقین ہوا کہ پامیلا بھی خود ہی سوئی تھی۔ کسی خیال خوانی کرنے والے نے اسے نہیں سلایا تھا۔ اور کوئی اس کے دماغ میں نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کے ذریعے کارمن کو دوا کھلا کر اعصابی کمزوری میں مبتلا کرتا۔

بہرحال الپا مطمئن ہو کر مسز موس کے دماغ میں آئی وہاں لیلیٰ موجود تھی اور دیکھ رہی تھی کہ اس کا شوہر راجر موس کار میں بیٹھ کر دفتر جارہا تھا۔ مسز موس سوچ رہی تھی۔ "اب میں خوابگاہ میں جاکر تھوڑی دیر کے لئے سوجاؤں گی۔ پتا نہیں کیوں اپنے میاں کے جاتے ہی میں ایک آدھ گھنٹے کے لئے سوجاتی ہوں۔"

یہ لیلیٰ کے لئے ایک نئی اطلاع تھی کہ مسز موس خوابگاہ میں جاکر ایک آدھ گھنٹے کے لئے سوجاتی ہے جبکہ الپا جانتی تھی وہ سوتی نہیں ہے۔ دماغی طور پر غائب رہ کر اپنے میاں کے کمرے کی صفائی کرتی رہتی ہے۔

یہ بات سمجھنے کی تھی کہ وہ غائب رہ کر خوابگاہ کی صفائی کیوں کرتی ہے؟ جواب سمجھ میں آتا ہے اس خوابگاہ میں کچھ ایسی اہم چیزیں چھپائی گئی ہوں گی جنہیں اس کی نظروں میں لانا مناسب نہیں تھا۔ الپا اسے دماغی طور پر غائب کرکے وہاں کی صفائی کراتی تھی۔ یہ گولڈن برینز کا حکم تھا کہ ایسا کیا جائے۔ یوں ثابت ہورہا تھا کہ راجر موس بڑی اہمیت کا حامل ہے اور گولڈن برینز اس کے گھر کے اندر بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور توجہ دیتے ہیں۔

مسز موس خوابگاہ میں آئی۔ پھر تھکے ہوئے انداز میں بستر پر لیٹ گئی۔ چند لمحوں تک سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ الپا نے اسے سلا دیا تھا۔ لیلیٰ خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ دس منٹ کے بعد اس نے نیند کی حالت میں آنکھیں کھول دیں۔ آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیند کی حالت میں چلتی ہوئی اسٹور روم میں آئی۔ وہاں ایک لکڑی کا صندوق ٹوٹی کرسیاں اور بہت سا پرانا سامان رکھا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ بنی ہوئی ایک الماری تھی۔ اس نے ایک چابی سے اس کے پٹ کھول دیئے۔

اس کے اندر کچھ فائلیں اور کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک چھوٹا سا آئرن سیف تھا۔ اس نے دوسری چابی سے اس سیف کو کھولا۔ سیف میں کچھ ہیرے جواہرات اور برطانوی پونڈز کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے سیف کی آہنی دیوار پر ایک کی ہول تھا۔ مسز موس نے اس کی ہول میں ایک چابی ڈالی۔ پھر اسے گھمایا تو الماری کی پچھلی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر کھل گئی۔

کھلے ہوئے دروازے کے دوسری طرف اسٹور روم کے برابر دوسرا کمرا تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑے سائز کا کمپیوٹر تھا اس سے منسلک دیوار پر ایک اسکرین تھا۔ ایک طرف ٹی وی کیمرا' وی سی آر اور ٹی وی تھا اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ راجر موس کی خوابگاہ میں خفیہ ٹی وی کیمرے ہیں جو بھی خوابگاہ میں داخل ہوتا ہے وہ اس خفیہ کمرے کے ٹی وی اسکرین پر نظر آتا ہے۔

مسز موس بے خبر تھی۔ بے چاری نہیں جانتی تھی کہ اپنے ہی گھر کے ایک کمرے میں آئی ہے اور وہاں کی صفائی کررہی ہے۔ لیلیٰ اس کے ذریعے ایک ایک سامان کو توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ وہاں ایک پرائیویٹ فون اور ٹرانسمیٹر کے علاوہ ضروری فائلیں اور اہم دستاویزات بھی رکھی ہوئی تھیں انہیں پڑھنے سے ہی ان کی اہمیت کا پتا چل سکتا تھا۔

لیلیٰ نے اس کے ذریعے چھت کو اور دیواروں کو بھی دیکھا۔ پھر علی کو نیند سے جگا کر اس خفیہ کمرے کی تفصیلات بتائیں۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ "اللہ بڑا کارساز ہے۔ اس معبود نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ یہ راجر موس یقیناً چھ گولڈن برینز میں سے ایک گولڈن برین ہے۔"

"اس خفیہ کمرے کو دیکھ کر میں بھی یہی سمجھ رہی تھی ویسے علی! ہم یہ سوچ رہے تھے کہ کوئی زیر زمین اڈا ہوگا جہاں چھ برینز آکر بیٹھتے ہیں اور اعلیٰ حکام اور فوج کے اعلیٰ افسران سے رابطہ کرتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ پہلے یہی طریقہ تھا۔ اب انہوں نے طریقۂ کار بدل دیا ہے۔ راجر موس کے اس کمرے کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ باقی پانچ گولڈن برینز نے بھی اپنی اپنی خوابگاہ کے ساتھ ایسے خفیہ کمرے بنوائے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کمپیوٹرز کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں۔"

"بیٹے! اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام برینز ایک ہی وقت میں ایک ہی خفیہ اڈے میں تمہارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ تمہیں ہر ایک کو باری باری تلاش کرنا ہوگا۔"

"جی ہاں' کام بڑھ گیا ہے۔ ان تمام کو ٹریپ کرنے میں پتا نہیں کتنے دن یا کتنے مہینے گزر جائیں گے۔"

"تم نے سوچا تھا چالیس راتوں میں پامیلا کو ٹرخا کر اپنا کام کر جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ تم اپنی دلہن سے باقاعدہ رشتہ قائم کرو۔ اور ایمان مستحکم کرلو کہ آنے والے لمحات خدا کے مرضی سے گزرتے ہیں اور بندوں کی تدابیر ہمیشہ کام نہیں آتیں۔"

"یہ مشورہ میری ماما نے دیا تھا۔ وہ جناب علی اسد اللہ تبریزی کے حضور زانوئے ادب تہ کرتی ہیں اور ان سے دین اور دنیا کی ایمان افروز باتیں سیکھتی رہتی ہیں۔ آج ان کی ہی ایک ایمان افروز ہدایت پر میں نے عمل کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے مجھے زیادہ دیر تمہارے پاس نہیں رہنا چاہئے۔ الپا نے مسز موس کے دماغ میں جگہ بنائی ہے۔ تمہارے پاس اچانک آئے گی تو ہمارا بھید کھل جائے گا۔"

"درست ہے۔ آپ جائیں پھر کسی وقت آجائیں۔"

لیلیٰ میرے پاس آگئی۔ مجھے وہاں کے تمام حالات سنانے لگی۔ میں نے کہا "میرے علی کی کیا بات ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک گولڈن برین کو پہچان لیا لیکن باقی پانچ برینز تک پہنچنے میں بہت وقت لگے گا۔"

وہ بولی "آپ علی کے پاس رہیں گے تو پانچ مرحلے کچھ آسان ہوجائیں گے۔"

"مجھے ابھی پاکستان میں رہنا چاہئے۔ پہلے تو بھارت اور اسرائیل کی دوستی تھی اب اسی دوستی میں امریکا شریک ہوگیا ہے۔ روس کو کسی قدر کمزور بنانے کے بعد جمہوریہ چین کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کرنا چاہتا ہے۔ ایک طرف وہ بھارت میں رہ کر چین کے لئے بہت بڑی دھمکی بنے گا۔ دوسری طرف اپنی امداد کے ذریعے بھارت کو پاکستان کے لئے مصیبت بنانا چاہے گا۔"

"کیا ایسا ہو رہا ہے؟"

"ہاں منصوبے تیار ہیں۔ ان پر اس لئے عمل نہیں ہو رہا ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انہوں نے مجھے پاکستان سے نکالنے کی کوشش اپنے طور پر کرلی۔ اب کوئی اور چال چلیں گے۔"

لیلیٰ نے پوچھا "کیا یہ چال نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے آپ کو سرحدی علاقہ میں مصروف رکھا ہے۔"

"یہ چال مجھے پہلے ہی معلوم ہوگئی تھی۔ میں انجان بن کر آیا ہوں وہ سمجھتے ہیں پاکستان کا سرحدی شہر لاہور میری ذات سے خالی ہوگیا ہے۔ ان کے فرشتوں کو بھی وہاں پارس کی موجودگی کا علم

نہیں ہے۔"

"آپ پشاور میں کب تک رہیں گے؟"

"یہاں سے اچانک ہی جاؤں گا۔ پارس کی طرف سے ایک خاص رپورٹ کا انتظار ہے۔ لاہور پہنچتے ہی میں پارس کو تل ابیب روانہ کردوں گا وہاں اس کی موجودگی سے علی کی منزلیں آسان ہوجائیں گی۔"

"دونوں بھائی ایک جگہ ہوں تو خاصی قیامت برپا کریں گے۔"

"تم بابا صاحب کے ادارے سے معلوم کرو' اسرائیل میں ہمارے جاسوس کہاں کہاں ہیں اور پارس کس جاسوس کی جگہ وہاں جاکر شبہات سے بالاتر ہوکر رہ سکتا ہے۔"

دشمن دو طرفہ چالیں چل رہے تھے۔ ایک طرف مجھے پشاور سے علاقہ غیر تک الجھا رہے تھے۔ دوسری طرف لاہور میں یوگا جاننے والوں کی ٹیم پہنچائی تھی۔ میں انہیں خوش کرنے کے لئے پشاور آگیا تھا اس میں میری ذاتی خوشی یہ تھی کہ میں پاکستان کے شمالی مغربی علاقوں میں جیالے پٹھانوں سے ملنا اور ان کے ماحول میں رہنا چاہتا تھا۔

دشمنوں نے سوچا تھا اگر میں لاہور چھوڑ کر نہیں جاؤں گا تو وہ یوگا جاننے والی ٹیم کے ذریعے میری ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کو ناکام بنادیں گے۔ ایسے میں مجھے ان کے سامنے کھل کر مقابلے پر آنا پڑے گا لیکن نہ تو مجھے ان کے خلاف خیال خوانی کرنی پڑی' نہ ہی مقابلہ کرنا پڑا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں۔ پارس نے اس ٹیم کے تین یوگا جاننے والوں کی بری طرح پٹائی کی تھی۔ وہ ایسے زخمی ہوئے تھے کہ سانس روکنا بھول گئے تھے۔

چودھری حاکم علی یہودیوں کا بے غیرت ایجنٹ ان تین زخمیوں کے ساتھ ان کے سربراہ سے ملاقات کرنے گیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ فرہاد کے مقابلے میں ان کا سربراہ فولاد ہے۔ وہ چودھری حاکم علی کی حفاظت کرے گا۔ اس کی بیٹی صوفیہ کو باپ کی دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنے نہیں دے گا۔

پارس نے سلمان سے کہا تھا کہ وہ چودھری اور تین زخمیوں کے دماغوں کے اندر رہ کر یوگا ٹیم کے سربراہ کا ٹھکانا معلوم کرے اور چودھری کو مجبور کرے کہ یہودیوں کی شرکت سے قائم کی ہوئی دواؤں کی فیکٹری کو اپنی بیٹی صوفیہ کے نام قانونی طور پر منتقل کر دے۔ چودھری جیتے جی یہ نقصان اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے محض ٹالنے کے لئے وعدہ کیا تھا کہ دوسرے دن وہ فیکٹری بیٹی کے نام کردے گا لیکن دوسرے دن سلمان نے اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا تو اس نے سانس روک لی۔ سمجھ میں آگیا کہ چودھری حاکم کے دماغ کو تنویمی عمل کے ذریعے لاک کردیا گیا ہے۔

سلمان نے ان تین زخمیوں کے ذریعے کوئی راستہ نکالنا چاہا۔ پتا چلا وہ تینوں اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یوگا ٹیم کا سربراہ بہت محتاط تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں یا میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے ان زخمیوں کے ذریعے اس کا سراغ لگائیں اور ان کی یہ تمام حکمتِ عملی بتا رہی تھی کہ یہودی اپنی دواؤں کا فارمولا صوفیہ کو استعمال کرنے نہیں دیں گے۔

میں نے صوفیہ کو پارس کی پناہ میں چھوڑا تھا۔ اب یہ اندیشہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی قتل کردی جائے گی۔ اس کے قتل ہونے کے بعد دواؤں کا فارمولا بھی اس کے ساتھ ختم ہوجاتا کیونکہ تمام فارمولے صرف صوفیہ کو معلوم تھے۔

پارس صوفیہ کو ایک ہوٹل میں لے آیا تھا۔ وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ اپنی کوٹھی میں رہے گی تو جان سے جائے گی۔ وہ میک اپ کا سامان لاکر اس کے چہرے کو عارضی طور پر بدلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "فی الحال تمہارے بچاؤ کا یہی طریقہ ہے۔ دشمن تمہیں نہیں پہچان سکیں گے۔"

اس نے پوچھا "کیا ہم اسی ہوٹل میں رہیں گے؟"

"تم میری نہیں اپنی بات کرو۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ تمہیں کہیں بھی کچھ روز تنہا رہنا ہوگا۔"

"کیا تم پاکستانی معاشرے کو نہیں سمجھتے ہو؟ یہ یورپ نہیں ہے۔ یہاں ایک تنہا جوان لڑکی کسی بھی محلے میں رہنا چاہے گی تو اسے اپنی پچھلی ہسٹری پیش کرنی ہوگی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ ماں باپ یا شوہر کو چھوڑ کر تنہا رہنے کے لئے مکان کیوں تلاش کررہی ہے۔ ہوٹل والے بھی شناختی کارڈ طلب کریں گے۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ انہوں نے ایک فرنشڈ کوٹھی کرائے پر حاصل کی۔ پارس نے کہا "تم یہاں خود کو مصروف رکھو۔ تمہیں جتنی دواؤں کے فارمولے یاد ہیں انہیں لکھتی جاؤ۔"

وہ بولی "لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تمام تحریری فارمولے میرے بینک لاکر میں رکھے ہوئے ہیں۔"

"تم وہ فارمولے لاکر سے نکالنے جاؤ گی تو دشمنوں کی نظروں میں آجاؤ گی۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔"

"تم ان کا کیا کرو گے؟"

"میں دشمنوں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ تمہارے نام سے اخبارات میں اشتہار دوں گا کہ ایک کیمسٹ اور لیڈی ڈاکٹر صوفیہ چند اہم دواؤں کے فارمولے فروخت کرنا چاہتی ہے۔ جو کمپنیاں یا ڈاکٹر حضرات خریدنا چاہتے ہیں' وہ ڈاکٹر صوفیہ کو مخاطب کرکے اخبارات میں اپنا نام پتا اور فون نمبر شائع کرائیں۔ ڈاکٹر صوفیہ پہلے ان سے فون پر رابطہ کریں گی۔"

وہ بولی "کیا اس طرح دشمن سامنے آئیں گے؟"

"وہ اشتہار پڑھ کر سب سے پہلے تو تمہارے باپ کے ہوش اڑیں گے کہ تم نے وہ فارمولے فروخت کردیے تو آئندہ وہ لاکھوں روپے نہیں کما سکے گا۔ جو دشمن تمہیں قتل کرنے کے لئے تلاش کررہے ہیں' وہ اس تاک میں رہیں گے کہ تم فارمولے فروخت کرنے کے لئے کن لوگوں سے ملاقات کرنے جارہی ہو۔"

کیا میں خریداروں سے ملاقات کرنے جاؤں گی؟"

"تمہاری ایک ڈمی جائے گی۔ میں چھپ کر اس ڈمی کی نگرانی کروں گا اور دشمنوں کو تاڑنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔"

"تدبیر بہت عمدہ ہے لیکن دشمن نادان نہیں ہیں۔ وہ اس چال کو سمجھ لیں گے۔"

"سمجھنے دو۔ میں تو تمہارے باپ کی فطرت سمجھ کر یہ چال چل رہا ہوں۔ وہ بے حد لالچی اور منافع خور ہے۔ یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ تم وہ فارمولے کسی دوسری دوا ساز کمپنی کو دو۔ تم فارمولوں کا سودا کرنے جہاں جاؤ گی' وہ تم سے پہلے وہاں پہنچ جائے گا۔"

"ہاں' ڈیڈی ایسا ضرور کریں گے لیکن میں وہ فارمولے کاغذ پر کیوں لکھوں؟ ہم سچ مچ ان کا سودا نہیں کریں گے۔"

"میں سچ مچ سودا کروں گا ان کے عوض لاکھوں روپے لے کر تمہیں الو بنا کر دوسرے ملک چلا جاؤں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تم میرے پاپا کے ماتحت ہو' بھلا تمہیں روپے' ڈالر اور پونڈز کی کیا کمی ہوگی۔ میں لکھ رہی ہوں مگر صبح سے شام ہوجائے گی۔ تم اس دوران کیا کرو گے؟"

"میں اخبارات میں اشتہار دینے جارہا ہوں۔"

"اوہ نو۔ تم مجھے چار دیواری میں تنہا چھوڑ کر باہر جارہے ہو۔"

"میں تفریح کی غرض سے نہیں' کام سے جارہا ہوں۔"

"تم کام کرتے رہنا' میں تمہارے ساتھ تفریح کرتی رہوں گی۔"

"بالکل نہیں۔ میں تنہا جاؤں گا۔ مجھے ایک لڑکی کو پھانسنا ہے۔"

"لڑکی پھانسنے جارہے ہو۔ شرم نہیں آتی۔ پرائی لڑکیوں کو بہن سمجھنا چاہئے لیکن مردوں میں اتنی شرافت نہیں ہوتی ہے۔"

"نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے تنہا جارہا ہوں۔"

"میں نہیں جانے دوں گی۔"

"یہ تمہارے پاپا کا حکم ہے۔ ان کے لئے لڑکی تلاش کرنا ہے۔"

"کیا؟ پاپا کے لئے؟ اوہ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں اور پاپا سے پوچھا بھی نہیں کہ اتنی عمر ہوگئی ہے' انہوں نے شادی بھی کی ہے یا نہیں؟"

"شادی کیا خاک کریں گے۔ تم جیسی لڑکیوں کو بیٹی بنالیتے ہیں۔ کسی بیوہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک عورت پسند آئی ہے مگر وہ شادی شدہ ہے۔ اس کے بیوہ ہونے کے انتظار میں کنوارے بیٹھے ہیں۔"

"اس عورت میں کیا بات ہے؟ اگر وہ حسین ہے تو یہاں کتنی ہی حسین بیوائیں مل جائیں گی۔"

"وہ عورت صرف حسین ہی نہیں' چار بچوں کی ماں بھی ہے۔"

وہ چونک کر پارس کو دیکھنے لگی۔ وہ بولا "یہی تو مسئلہ ہے۔ یہ آج تک خود ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

وہ اس بات پر غور کرنے لگی۔ جب بات سمجھ میں آئی تو اس وقت تک پارس جاچکا تھا۔ وہ سچ مچ کسی ایسی لڑکی کو پھانسنا چاہتا تھا جسے صوفیہ کی ڈمی کے طور پر استعمال کرسکے۔ پھر اسے میرا یا سلمان کا انتظار تھا کیونکہ وہ جس لڑکی کا انتخاب کرتا۔ اسے ہم ٹیلی پیتھی کے ذریعے آلۂ کار بناتے۔ لڑکی کی ضرورت دوسرے دن تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں ایک بار اس سے رابطہ کرتے ہیں۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک یہودی سرمایہ دار دواؤں کے فارمولوں کے ذریعے پاکستان سے کروڑوں روپے کما رہا تھا۔ میں نے یہ منافع روک دیا تھا لیکن یہ ایسا مسئلہ تھا جس میں مجھے الجھایا جارہا تھا اور دوسری طرف درپردہ پاکستان کے خلاف گہری سازش جاری تھی۔

بھارت جو کبھی روس کی آغوش میں دودھ پیتا تھا' اب امریکا کی گود میں پل رہا تھا۔ سانپ کو دودھ پینے سے غرض ہے۔ جہاں زیادہ ملتا ہے وہاں جاتا ہے۔ روس تقریباً ٹوٹ چکا تھا اب امریکا کو جمہوریہ چین سے اندیشہ تھا اور بھارت کو تو روزِ اول سے ہی پاکستان کھٹک رہا ہے۔ یہ راز نہیں کھل رہا تھا کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے یا نہیں؟

پاکستانی خطرے سے بچنے کے لئے یہ خفیہ معاہدہ ہوچکا تھا کہ امریکا بھارت کو اسلحہ' جدید طیارے اور فوجی امداد دے گا اور بھارت امریکا کو چین اور بھارت کی سرحد کے پاس فوجی اڈے بنانے کی اجازت دے گا۔

فی زمانہ کوئی ملک جنگ کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے سیاسی بیان بازی کے ذریعے اقتصادی معاشی اور تہذیبی نقصانات پہنچانے کے لیے اپنے ایجنٹوں اور سراغرسانوں کے ذریعے دوسرے ملکوں میں سرنگیں بناتے ہیں اور انہیں کھوکھلا کرنے کی سرد جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی بھارتی ایجنٹوں اور سراغرسانوں کی خفیہ سرگرمیاں تیز ہوتی جارہی تھیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ غیر ملکی دشمنوں کو ہمارے ملک میں آرام سے رہنے کی جگہ کیسے ملتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمارے جوان جن ملکوں سے شادی کرکے اپنی بیویاں اور جوان ساتھی لاتے ہیں ان میں بیشتر جاسوس ہوتے ہیں۔ جب تک میاں بیوی بن کر رہتے ہیں اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ دوسرے یہ کہ راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھنے والے لوگ رشوت لے کر ان غیر ملکیوں کو اپنا رشتے دار یا دوست بنا کر اپنے گھروں میں رہنے کا موقع دیتے ہیں۔

یہ قیام پاکستان سے ایک برس پہلے کی بات ہے' ایک ہندو

کائستھ لاہور کے ایک علاقے وسنت پورہ میں رہتا تھا۔ وہاں ان دنوں ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس کائستھ کی ایک خوبصورت بیٹی شاردا، اقبال حمید پر عاشق ہوگئی تھی۔ اقبال حمید بھی اس کا دیوانہ تھا۔ جب ان کے عشق کا چرچا ہونے لگا تو ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف بولنا شروع کیا۔ یوں بھی پاکستان قائم کرنے کے لئے نعرے لگائے جاتے تھے جس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ ایک برس کے اندر یہ آگ پورے ہندوستان میں پھیل گئی تھی۔ چونکہ تقسیم ہند کے مطابق یہ معلوم ہوچکا تھا کہ لاہور پاکستان میں رہے گا۔ اس لئے سکھ اور ہندو یہ شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ایسے ہی دنگے فساد کے دوران شاردا بھاگ کر اقبال حمید کے گھر آگئی۔

اقبال حمید کے والدین اور دوسرے بزرگ گھر میں نہیں تھے۔ اپنے عزیزوں سے ملنے اچھرہ گئے ہوئے تھے اگر وہ ہوتے تو شاردا کو اس کے ماں باپ کے حوالے کردیتے لیکن جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اقبال نے اسے چھپا کر رکھ لیا۔ دوسرے دن اس کے والدین آئے تو شاردا کے ماتا پتا سرحد پار جاچکے تھے۔ وہ لڑکی بے سہارا ہوچکی تھی۔ اقبال کے عشق میں اسلام قبول کرنا چاہتی تھی۔ مختصر یہ کہ دونوں کی شادی ہوگئی۔ وہ شاردا سے شمیمہ بن گئی۔

عورت بیاہ کر ہزاروں میل دور چلی جائے، ہزاروں سرحدیں پار کرکے دور ہوجائے لیکن میکے والوں کو نہیں بھولتی۔ ماں باپ بھائی بہن یاد آتے رہتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان ڈاک کا نظام بحال ہوا تو شمیمہ (شاردا) کے باپ دھنی رام نے اقبال کے والد کو خط لکھا۔ خط کی تحریر کچھ یوں تھی۔ "تم مسلمان انسان نہیں ہوتے شیطان ہوتے ہو۔ پاکستان بننے سے پہلے ہی تم لوگوں نے میری نادان بیٹی کو بہکایا تھا۔ پھر ہم لوگوں کو اپنے باپ دادا کی زمین جائداد چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ ویسے ہم یہاں جائداد کے بدلے جائداد اور زمین حاصل کرچکے ہیں لیکن ہمیں اپنی بیٹی اور اس کی عزت واپس نہیں ملے گی۔ بھگوان نے چاہا تو ہمارے شراپ (بددعا) سے تم کبھی سکھی نہیں رہو گے۔"

اقبال کے والد نے جواب لکھا "بھائی دھنی رام! تم حقیقت سے واقف نہیں ہو اس لئے مسلمان کو شیطان لکھ دیا۔ میں تمہاری بیٹی کی چند تصویریں بھیج رہا ہوں۔ ان تصویروں میں وہ اپنے دلہا کے ساتھ ہے۔ اگر یہ میرے بیٹے کے ساتھ نہ ہوتی تو میں کس رشتے سے تمہاری غیرت کو اپنے گھر میں رکھتا؟ اسے بے یارومددگار گھر سے نکال دیتا تو قدم قدم پر اس کی آبرو خاک میں مل جاتی یا یہ پاؤں میں گھنگرو باندھ کر کوٹھے میں مجرا کرتی ہوئی دکھائی دیتی۔

"تمہیں اپنی عزت جان سے پیاری نہیں تھی۔ اس لئے تم نے بیٹی کو تلاش نہیں کیا۔ جان بچا کر اکھنڈ بھارت چلے گئے۔ تمہارے گھر کی عزت کو میں نے اپنے گھر کی عزت بنایا پھر بھی شیطان کہلایا۔ تم اپنی عزت مسلمان کے گھر چھوڑ کر بھاگے پھر بھی انسان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تم نے مجھے بددعا دی۔ مگر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایمان دھرم سے سچ اور شرافت کو سمجھنے کی توفیق دے۔"

اس خط کے ساتھ شمیمہ نے بھی ماں باپ کو خط لکھا کہ شاردا اسی وقت آدھی مرچکی تھی جب تمہارا گھر چھوڑ کر اقبال کے پاس آگئی تھی۔ پھر اس وقت ہمیشہ کے لئے مرگئی جب آپ سب مجھے مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تھے۔ اس موت کے ساتھ شاردا کا دیہانت ہوچکا ہے اب میں شمیمہ زوجہ اقبال حمید ہوں۔ میں نے ایک نیا جنم لیا ہے لیکن پچھلے جنم کی ماں بہنیں اور بھائی بہت یاد آتے ہیں۔ میں اس خط کے جواب میں یہ سننا چاہتی ہوں کہ میں بے حیائی کی موت مرجاتی تو کیا آپ لوگ حیا سے جیتے یا میں اب عزت سے جی رہی ہوں تو آپ لوگوں کو کیسا لگ رہا ہے؟ اگر مجھے عزت آبرو سے زندہ پاکر خوش ہیں تو خط و کتابت کے ذریعے آدھی ملاقات کرتے رہیں۔ فقط آپ تمام کی شبھ چنتک شمیمہ اقبال۔"

دو ملکوں کے درمیان ڈاک کا نظام بحال تو ہوگیا تھا لیکن بھارتی جاسوس اپنے دیس میں آنے والے پاکستانی خطوط کو سونگھتے اور ٹٹولتے تھے۔ جس پر شبہ ہوتا تھا، وہ خط کھول کر پڑھتے تھے۔ پھر اس کے مطابق کارروائی کرتے تھے۔

دھنی رام اپنی بیوی اور جوان بچوں کے ساتھ دہلی میں تھا انٹیلی جنس کا افسران کے گھر آیا۔ اس نے پاکستان سے آنے والے خطوط کا حوالہ دے کر کہا "ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تمہاری ایک بیٹی لاہور میں مسلمانوں کے پاس رہ گئی ہے۔"

دھنی رام نے کہا "ہم پر بہت ظلم ہوا ہے۔ انہوں نے ہماری بیٹی کے ساتھ ہماری زمین جائداد پر بھی قبضہ جمالیا ہے۔"

افسر نے کہا "جو ہوا اچھا ہوا۔ مسلمانوں کو ظالم نہ کہو۔ ان سے برابر رشتہ رکھو۔ شاردا کو شمیمہ تسلیم کرلو۔ ہم وقت اور حالات کے مطابق جیسا حکم دیتے رہیں گے ویسا ہی عمل کرتے رہو۔ اس میں تمہارا اور تمہارے دیس کا فائدہ ہے۔ اب یہ بتاؤ یہاں تمہارے کتنے بچے ہیں؟"

وہ بولا "میرا ایک بڑا بیٹا ہے اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ اس کے بعد میری دو بیٹیوں سے بھی تین بیٹیاں ہیں۔ آخری بیٹی پاکستان میں رہ گئی۔"

افسر نے کہا "یعنی تمہارے دو پوتے، ایک پوتی اور تین نواسیاں ہیں۔ اگر تم دیس سیوک ہو تو ان چھ بچوں کو فوجی اسکول میں تعلیم اور تربیت حاصل کرنے دو۔"

"یہ تو ہمارے لئے بڑی خوشی کی بات ہے۔ ان چھ عدد بچوں کے ماں باپ کو بھی دیس کی سیوا میں لگادو۔ یہ ہمارے لئے بڑے فخر کی بات ہوگی۔"

"تمہارے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کو لندن میں ملازمتیں دی جائیں گی۔ ان تینوں کی آتما ہندو رہے گی لیکن یہ پاکستان سے آئی ہوئی مسلمان فیملی کی طرح وہاں رہیں گے۔ ان کے نام اور طور طریقے مسلمانوں جیسے ہوں گے۔ ان کے چھ بچے فوجی اسکول میں تعلیم اور جاسوسی کی تربیت حاصل کرنے کے بعد تمہارے پاس مسلمان ناموں سے لندن پہنچ جائیں گے۔ ان سب کو بھی وقت اور حالات کے مطابق ہدایات ملتی رہیں گی۔"

کسی بھی ملک کی حکومت ایک دو دن کا پروگرام نہیں بناتی۔ ان کے منصوبے پانچ سالہ، دس سالہ اور پچاس سالہ ہوتے ہیں۔ بھارت نے آزادی کے پینتالیسویں سال تک سراغرسانی کے میدان میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔ پاکستانی سیاستدان جب بھی اپنے ملک سے بھاگ کر لندن اور پیرس میں پناہ لیتے تھے۔ تو یہ مسلمان بن کر رہنے والے بھارتی جاسوس اسلام کے نام پر انہیں گلے لگاتے تھے۔ ان کی دلجوئی کرتے تھے اور ان کے پیٹ میں گھس کر پاکستان کے اہم ترین خفیہ رازوں تک پہنچ جاتے تھے۔

میں نے اپنی داستان میں کبھی سیاست پر بحث نہیں کی اور نہ اب کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ پاکستان میں ہوں اور بھارتی سراغرسانوں کا سراغ مجھے ملتا جارہا ہے اس لئے میں نے یہ مختصر سا سیاسی پس منظر پیش کیا ہے۔

یہاں اقبال حمید اور شمیمہ کے بچے ہوئے پھر ان بچوں کے بچے ہوئے۔ اس عرصے میں دو نسلیں جوان ہوئیں۔ یہ جوان بچے بھی اعلیٰ تعلیم کے لئے یا کاروبار کے لئے لندن اور پیرس گئے۔ وہاں دھنی رام کی دو نسلوں سے دوستی اور رشتے داری ہوتی رہی۔ اور وہ انہیں مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ پاکستان واپس آتے رہے اور یہاں آباد ہوتے رہے۔ جو گھر میری نظروں میں آرہا ہے میں اس کا قصہ سنا رہا ہوں۔ ورنہ خدا بہتر جانتا ہے کہ یہاں کتنے پاکستانی خاندانوں میں کتنے بھارتی جاسوس کھچڑی کی طرح مکس ہوگئے ہیں ان کی شناخت ممکن نہیں رہی ہے۔ ایک ٹیلی پیتھی ہی ایسا ایکسرے ہے جس سے ان کے اندر کا بھید معلوم ہوسکتا ہے۔

اقبال حمید اور شمیمہ کے پوتے پوتیاں، نواسیاں اور نواسے جوان ہوگئے تھے۔ یعنی بہت اندر کی بات یہ ہے کہ شمیمہ کی جو بہوئیں لندن سے آئیں وہ اس کی ہندو بہنوں کی بیٹیاں تھیں اور جو داماد لندن پیرس سے آئے وہ شمیمہ کے ہندو بھائی کے بیٹے تھے۔ یہ وہی بہوئیں اور داماد تھے جو بھارت کے فوجی اسکول سے تعلیم اور جاسوسی کی تربیت حاصل کرکے لندن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی اولادوں کو یعنی اقبال حمید اور شمیمہ کے پوتے پوتیوں اور نواسیوں اور نواسوں کو ایسا سکھایا پڑھایا کہ ان کے ناموں اور جسموں کو مسلمان رکھا لیکن ان کی آتماؤں کو کٹر ہندو اور بھارتی بنا ڈالا۔

کون جانتا ہے یا جان سکتا ہے کہ ہمارے سامنے والا اندر سے کیا ہے؟ اسے جاننے کا ایک ہی کلیہ ہے کہ باہر سے آنے والے مال میں کھوٹ ہوتا ہے۔ وہ کتنا ہی کھرا نظر آئے، شبہات سے بالاتر نہیں ہوتا۔

اقبال حمید کا بڑا بیٹا رانا حمید یوگا ماسٹر کہلاتا تھا۔ اچھا خاصا باڈی بلڈر تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ ہندوستان کے ٹکڑے نہیں ہونے تھے پاکستان نہیں بننا چاہئے تھا۔ وہ کہتا تھا انسان کے ٹکڑے نہیں کئے جاسکتے جسم سے دو ہاتھوں کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح پاکستان بھی ہندوستان کا نہ ٹوٹنے والا حصہ ہے۔ اگر (خدانخواستہ) یہ دوبارہ ہندوستان میں شامل ہوجائے تو مسلمانوں کی طاقت میں زبردست اضافہ ہوگا۔ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمان متحد ہوکر بہت بڑی اکثریت بن کر پورے شمالی ہندوستان پر حکومت کرسکتے ہیں۔

وہ صاف طور سے یہ نہیں کہتا تھا کہ بھارت پاکستان کو اپنا پہلا اور آخری دشمن سمجھتا ہے۔ دوبار طاقت سے اسے مٹانے کی ناکام کوششیں کرچکا ہے۔ بڑی خوش فہمی تھی کہ سابقہ مشرقی پاکستان بھارت کا پھر سے ایک حصہ بن جائے گا لیکن وہ آزاد بنگلہ دیش بن گیا۔ ہمارے بزرگوں نے اسلامی ریاست قائم کرنے کے لئے پاکستان بنایا تھا۔ ہندوستان کی سازش سے مشرقی پاکستان نہیں رہا لیکن بنگلہ دیش کے نام پر آج بھی وہاں اسلامی حکومت قائم ہے اور وہاں ہندو تہذیب کا داخلہ ممنوع ہے۔

اس ناکامی کے بعد پاکستان پر دو طرفہ حملوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ایک تو امریکا سے گٹھ جوڑ کے ذریعے بھارت ایشیا میں فوجی

قوت بڑھا رہا تھا۔ دوسری طرف پاکستانی عوام کے دماغوں میں یہ نظریہ ٹھونس دیا تھا کہ خدانخواستہ پاکستان کو مٹا کر مسلمان بھارت میں ہندوؤں کے ساتھ حکومت کر سکتے ہیں۔ جبکہ پاکستان کا مقصد صرف علیحدہ حکومت نہیں اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ ہندوؤں کے اشتراک سے کوئی مسلمان صدر یا وزیر اعظم تو ہو سکتا ہے لیکن سیکولر بھارت میں اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتا۔ بات صرف بھارتی سراغرسانوں کی نہیں ہمارے حکمرانوں کی بھی ہے جو حکمران اسلامی قوانین کے نفاذ میں ٹال مٹول کرتے ہیں وہ بھی درپردہ بھارتی ایجنٹ ہوتے ہیں۔

یوگا ماسٹر رانا حمید کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ یہ تینوں بیٹا اور بیٹیاں بھی یوگا کی ماہر تھیں۔ بیٹا رانا جمشید سیاستدان تھا اسمبلی میں پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بیٹی ریحانہ حمید انجمن خواتین کی چیئر پرسن تھی اور نمائش کی عادی خواتین کے درمیان اینٹی نظریات کا زہر پھیلاتی آ رہی تھی۔ ایک اور بیٹی رخسانہ سیکنڈ ایئر میں تھی اور ایک طلبا و طالبات کی یونین میں رہ کر یونیورسٹی میں سیاسی ہنگامے کراتی تھی۔

اب ایک نیا یوگا ماسٹر اسیبے ڈیوڈ آیا تھا۔ وہ یہودی تھا۔ وہ اپنے نام کے عربی ترجمہ ابو داؤد کے مطابق داؤد کہلاتا تھا۔ بھارت کی خفیہ تنظیم "را" کی پاکستانی برانچ کا چیف تھا۔ اس نے لاہور پہنچ کر ایسی ٹیم بنائی تھی جس کا ہر فرد یوگا کا ماہر تھا۔ اس میں رانا حمید، اس کا بیٹا رانا جمشید، بیٹی ریحانہ اور رخسانہ وغیرہ خاص اہمیت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے یوگا جاننے والوں کی جماعت اس لئے بنائی گئی تھی کہ میری ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہیں۔ ابوداؤد کا خیال تھا کہ میں کسی بھی ٹیم کے ممبر کو آلۂ کار نہیں بنا سکوں گا۔ نہ ابوداؤد تک پہنچ سکوں گا نہ کبھی خفیہ تنظیم "را" کی موجودگی اور اس کی پلاننگ کو سمجھ پاؤں گا۔ پارس نے صوفیہ کی کوٹھی میں اسی تنظیم کے تین افراد کو بری طرح زخمی کیا تھا اور ان یوگا جاننے والوں کے دماغوں میں سلمان کو پہنچایا تھا۔ پتا چلا وہ اپنی ٹیم کے سربراہ ابوداؤد کا اور "را" تنظیم کا نام نہیں جانتے ہیں۔ اس کے باوجود ابوداؤد کے حکم سے تینوں کو شوٹ کر دیا گیا۔ شاید اس لئے کہ وہ ناکام شکست خوردہ ماتحتوں کو پسند نہیں کرتا تھا یا پھر اس لئے کہ وہ تینوں صوفیہ کے مددگار (پارس) کی نظروں میں آ گئے تھے۔ وہ مددگار ان تینوں کے ذریعے دوسرے ماتحتوں کو پہچان سکتا تھا اور انہیں بھی زخمی کر سکتا تھا۔ اصل اندیشہ یہی تھا کہ ان زخمیوں کے دماغوں میں فرہاد پہنچ سکتا ہے۔

پچھلے دو دنوں سے ابو داؤد میری طرف سے بے فکر تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں صوبہ سرحد میں مصروف ہوں۔ وہ چاہتا تھا میں جب بھی لاہور واپس آؤں پھر صوفیہ اور اس کے باپ چودھری حاکم علی حاکم کے معاملات میں الجھ جاؤں اور اسی خوش فہمی میں رہوں کہ پاکستان سے کاروباری منافع حاصل کرنے والوں کے راستے بند کر چکا ہوں۔

یہ درست ہے، میں کچھ روز پہلے تک خفیہ تنظیم "را" کی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ یہ جو کچھ بیان کر رہا ہوں، مجھے یہ بعد میں معلوم ہوا تھا۔ ابوداؤد نے فون کے ذریعے رانا حمید سے رابطہ کیا پھر کہا "تمہارا بیٹا رانا جمشید اور دونوں بیٹیاں ریحانہ اور رخسانہ اپنے اپنے مشن پر بہت کامیاب ہیں۔ ان کی کامیابیوں کے پیش نظر میں چاہتا ہوں، وہ اب فرہاد کو دوسرے معاملات میں الجھاتے رہیں۔ ایک معاملہ تو چودھری حاکم علی حاکم کا ہے۔ اس کی بیٹی اپنے یار کے ساتھ کہیں چھپ گئی ہے۔ اسے ڈھونڈ نکالنا ضروری ہے۔"

"کیا وہ اسی شہر میں ہوگی؟"

"ہاں۔ دوا ساز فیکٹری پر قبضہ جمانے کے لئے اس نے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ بیٹی کے خوف سے باپ چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس چودھری کے دماغ کو لاک کرا دیا ہے۔ اس کی بیٹی اسے فرہاد کے ذریعے تلاش نہیں کر سکے گی۔"

"کیا فرہاد اسی شہر میں ہے؟"

"آج کل نہیں ہے لیکن کسی دن بھی آ سکتا ہے۔ وہ اپنے پیچھے اپنی جیسی کوئی طاقت چھوڑ کر جاتا ہے۔ اسی شہر میں طارق نامی ایک نوجوان ہے۔ وہ صوفیہ کا محافظ ہے۔ وہ اتنا شہ زور ہے کہ اس نے ہمارے تین فائٹروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"صوفیہ اور طارق کو صرف ڈھونڈ نکالنا ہے یا انہیں ختم بھی کر دینا ہے؟"

"دونوں کو گرفتار کر کے یرغمال بنایا جائے تو فرہاد انہیں رہائی دلانے کے مسئلے میں الجھا رہے گا۔"

"کیا وہ دونوں فرہاد کے لئے بہت اہم ہیں؟"

"فرہاد جسے بیٹی یا بہن بنا لیتا ہے اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ پھر وہ فرہاد کا ماتحت طارق جو صوفیہ کا محافظ بنا ہوا ہے۔ اس جیسے شہ زور نوجوان کی بھی اہمیت کچھ نہ کچھ ہوگی۔"

رانا حمید نے کہا "میرا بیٹا رانا جمشید صرف شہ زور ہی نہیں بے حد چالاک بھی ہے۔ وہ چھپنے والوں کو چوہے کے بل سے بھی نکال لاتا ہے۔ میں آدھے گھنٹے بعد بتاؤں گا کہ صوفیہ اور طارق کو ہم ان کی پناہ گاہ سے کیسے نکالیں گے۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ رانا حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا "ہیلو بیٹے جمشید! کیا ہو رہا ہے؟"

"ڈیڈ! اور کیا ہوگا۔ آئندہ الیکشن کے لئے غنڈوں کی فوج تیار کر رہا ہوں۔ یہ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ دھن، دھونس اور دھاندلی کے ذریعے ہی اسمبلی تک پہنچ سکتا ہوں۔"

"بیٹے! اپنی موجودہ مصروفیات کے علاوہ فرہاد علی تیمور کے ایک معاملے میں ٹانگ اڑانا ہوگا۔"

"کیا چیف کا حکم ہے؟"

"چیف تم بھائی بہنوں سے بہت خوش ہے۔ اسے تم پر اعتماد ہے۔ کہ تم ہی فرہاد کو اصل ٹریک سے ہٹا کر دوسرے معاملے میں الجھا سکتے ہو۔"

وہ اپنے بیٹے جمشید کو چودھری حاکم علی، صوفیہ اور طارق (پارس) کے متعلق بتانے لگا۔ جمشید نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ "بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ اس معاملے میں پہلے صوفیہ اور طارق کو ان کی خفیہ پناہ گاہ سے نکالنا ہے۔"

"میں نے تمہاری ذہانت اور چالاکی پر بھروسا کر کے چیف سے وعدہ کیا ہے کہ تم آدھے گھنٹے بعد بتاؤ گے کہ انہیں کس طرح گرفتار کیا جا سکتا ہے۔"

"آپ کا بھروسا قائم رہے گا۔ چیف سے کہہ دیں، مجھے چودھری حاکم علی، صوفیہ اور طارق کی تصویروں کی ضرورت ہے۔ تصویریں ملنے کے بعد بارہ گھنٹوں کے اندر وہ دونوں ہماری قید میں ہوں گے۔"

"بیٹے! چیف کی تسلی کے لئے اپنی پلاننگ بتاؤ۔"

"میں چودھری حاکم کی تصویر دیکھ کر اس کی ڈمی تیار کروں گا اور اس ڈمی کو شہر میں گھماؤں گا۔ صوفیہ دوا ساز فیکٹری کو اپنے نام کرانے کے لئے پہلے کسی خیال خوانی کرنے والے کے ذریعے دھمکی دے چکی ہے کہ باپ نے وہ فیکٹری قانونی طور پر اس کے حوالے نہ کی تو وہ زندہ نہیں رہے گا۔ جب صوفیہ اور طارق چودھری حاکم علی کی ڈمی کو دیکھیں گے تو دھوکا کھا کر اس کے قریب آئیں گے اور بھیس بدلنے کے باوجود دونوں پہچانے جائیں گے۔"

"شاباش بیٹے! ہزاروں برس جیو۔ تمہیں تصویریں مل جائیں گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر سر گھما کر دیکھا۔ کمرے کے دروازے پر شمیمہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ شمیمہ جو پہلے کبھی شاردا تھی۔ اب عمر کے ساٹھ برس سے آگے نکل چکی تھی۔ وہ ہاتھی دانت کے دستے کی ایک چھڑی فرش پر ٹیکے اپنے بیٹے رانا حمید کو دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چھڑی ٹیکتے ہوئے بیٹے کے قریب آ کر بولی۔ "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم چیف سے اور میرے پوتے جمشید سے باتیں کر رہے تھے اور گفتگو کے دوران فرہاد علی تیمور کا نام لے رہے تھے۔"

"امی! ہمیں صرف ابو سے اندیشہ رہتا ہے کہ وہ ہم ماں بچوں کو وطن دشمنوں کی صورت میں نہ دیکھ لیں۔"

"ہاں میں بارہا سمجھا چکی ہوں، تمہارا باپ کٹر پاکستانی ہے۔ اسے ہماری سرگرمیوں کا علم نہیں ہونا چاہئے۔"

"اوہ امی! وہ تو فالج زدہ ہیں، چوبیس گھنٹے بستر پر پڑے رہتے ہیں اگر انہیں معلوم ہو بھی گیا تو وہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کے لئے بستر سے اٹھ نہیں سکیں گے۔"

"تمہارے ابو کئی بار ضد کر چکے ہیں کہ ٹیلیفون ان کے سرہانے رکھا جائے۔ میں انہیں کب تک ٹالتی رہوں گی۔ ان کے قریب فون رہے گا تو وہ گھر سے باہر دوست احباب سے باتیں کر کے دل بہلاتے رہیں گے۔ ایسے میں ہماری اصلیت معلوم ہوگی تو وہ ٹیلیفون ہمارے لئے خطرے کی گھنٹی بن جائے گا۔"

وہ بولا "ہمارے لئے بڑی مشکل ہو جائے گی۔ چیف کا حکم ہے کوئی بھی ہمارے لئے خطرہ بنے اسے پہلی فرصت میں ختم کر دو۔ لیکن آپ کی شوہر پرستی سمجھ میں نہیں آتی۔ جو شوہر پاکستان سے محبت کرتا ہے آپ اسے ختم کرنا نہیں چاہتیں، پاکستان کو ختم کر کے اکھنڈ بھارت بنانا چاہتی ہیں۔"

"دیکھو حمید! یہ تم دوسری بار میرا سہاگ اجاڑنے کی بات کر رہے ہو کیا تم اس کے بیٹے نہیں ہو، وہ تمہارا باپ نہیں ہے؟"

"ہے۔ لیکن بوڑھا اپاہج باپ پہلے ہی زندہ لاش بنا ہوا ہو اور وہ ہماری ماں کے لئے اور تمام اولاد کے لئے موت کا خطرہ بن جائے تو ہمیں کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ کیا زندہ لاش کو یہاں چھوڑ کر ہم سب کو اس دنیا سے چلے جانا چاہئے۔"

"میں صرف ایک ہی بات جانتی ہوں۔ جب تک میرا سہاگ سانس لے رہا ہے اسے سانس لینے دو۔ اپنے طور پر محتاط رہو، ہمارا کوئی راز اس کے کانوں اور آنکھوں تک نہ پہنچنے دو۔"

"ہم یہی کر رہے ہیں۔ آپ ہماری آئیڈیل ماں ہیں۔ آپ نے ہند سرکار کے ذریعے ہمیں زمین سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ بھارت، لندن اور پیرس کے بینکوں میں ہماری بے شمار دولت ہے۔ ہم سب لندن کے شہری بھی ہیں، اور کسی خطرے کے وقت ہمیں بھارت میں عزت اور احترام سے پناہ مل سکتی ہے۔ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہیں گے۔"

وہ اقبال حمید کی محبوبہ شاردا تھی اور اقبال حمید کی شریکِ حیات شمیمہ تھی۔ مسلمان عورتیں شوہر کو مجازی خدا کہتی ہیں۔ ہندو عورتیں شوہر کو بھگوان، پتی پرمیشور سمجھتی ہیں۔ شاردا بھی اپنے محبوب شوہر کو بھگوان سمجھ کر پوجتی تھی۔ جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اس کی خدمت کرتی آ رہی تھی لیکن جس زمین پر خدمت کر رہی تھی اسے ہندوستان کی ملکیت سمجھتی تھی۔ اس نے اسی نظریے سے اپنی اولاد کو دودھ پلایا تھا اور اولاد کو کم عمری میں ہی تعلیم کے بہانے لندن بھیج دیا تھا۔ جہاں شاردا کے بھائی اور بہنوں نے اس کی اولاد کو اپنی سرپرستی میں لے کر رفتہ رفتہ ان کے ذہن بدل دیئے تھے۔

وہ قیامِ پاکستان سے یہاں کی زمین کا اناج اور نمک کھا کر ایک مسلمان کی شوہر پرست بیوی ہو کر بھی اندر سے شاردا تھی۔ بہر حال شاردا نے بیٹے سے کہا "میں ضروری شاپنگ کرنے جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔"

"امی! چیف کا فون آنے والا ہے۔ میں انتظار میں بیٹھا ہوں۔"

وہ چھڑی ٹیکتی ہوئی دروازے پر آئی پھر بولی "فون اٹینڈ کرنے کے بعد اپنے ابو کو اٹینڈ کرنا۔ شاید انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو۔"

"آل رائٹ امی! میں ادھر جاؤں گا۔"

وہ چلی گئی۔ یہ سوچنے لگا "امی نے ابو کو پرابلم بنا دیا ہے۔ بے شک مجھے باپ سے محبت ہے لیکن باپ سے زیادہ اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ اگر ابو نے ہمیں ملک دشمن عناصر سمجھ لیا اور ایک محبِ وطن کی حیثیت سے ہمیں قانون کے حوالے کیا تو میں باپ کے ذریعے ملنے والی سزا بھگت لوں گا لیکن اپنی اولاد پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ امی اپنے سہاگ کو بچا رہی ہیں۔ مجھے اپنی اولاد کو بچانا چاہئے۔"

اس نے کھڑکی کے پاس آکر باہر دیکھا اس کی ماں کار میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر ٹیلی فون کو دیکھا۔ آدھا گھنٹا گزر چکا تھا اور چیف نے ابھی تک رابطہ نہیں کیا تھا۔ شاید وہ کسی دوسرے معاملے میں مصروف ہو گا۔ وہ سوچتا ہوا کمرے سے باہر آیا، کوریڈور کے دوسری طرف اس کے باپ اقبال حمید کی خوابگاہ تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ اقبال حمید ایک آرام وہ پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ بیٹے کو دیکھ کر مسکرایا پھر بوڑھی کمزور آواز میں بولا۔ "ایک ہی گھر میں رہتے ہو اور ایک ہفتہ بعد باپ کے کمرے میں آئے ہو۔"

وہ بولا "اسی لئے نہیں آتا کہ آپ طعنے دیتے ہیں، ہماری مصروفیات کو نہیں سمجھتے۔ اپنی بیکار زندگی کی طرح ہمیں بھی بیکار سمجھتے ہیں۔"

اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ باپ نے کہا۔ "ٹھیک کہتے ہو بیٹا، میں بیکار جی رہا ہوں۔ تم لوگوں پر بوجھ بن گیا ہوں۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولا "آپ بوجھ نہیں، خطرہ بن گئے ہیں۔ دانا کہتے ہیں کہ خطرے کو پنپنے نہیں دینا چاہئے۔"

"تم مجھے خطرہ کیوں سمجھ رہے ہو؟ کیا تمہیں میری ذات سے نقصان پہنچ رہا ہے؟"

"پہنچنے والا ہے۔ آپ قیامِ پاکستان کے سپاہی ہیں۔ آپ لوگوں نے ہندوستان کے ٹکڑے کر دیے۔ اس زمین کو پاکستان کا نام دے دیا۔ آپ لوگوں نے کس حق کے تحت ایسا کیا؟"

"بیٹے! تاریخ پڑھو۔ مسلمانوں نے کئی صدیوں تک ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ وہاں کی زمینوں پر پسینہ بھی بہایا ہے اور خون بھی۔ ہمارے پسینے اور خون کا حساب کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے پاکستان بنا کر اپنے تہذیبی، سیاسی اور اسلامی حقوق حاصل کئے ہیں۔"

اس نے باپ کے سر کے نیچے سے تکیہ کھینچ کر کہا "میں بھی اپنا حق حاصل کرنے آیا ہوں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کے پوتے پوتیوں کی بقا کے لئے آپ کی سانسیں چھین لوں۔"

اقبال حمید نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ چند لمحات کی حیرانی تھی۔ پھر اس کے منہ اور ناک پر تکیہ آگیا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ سے تکئے کو ہٹانے کی کوشش کی۔ دوسرا ہاتھ اور پاؤں فالج زدہ تھے۔ ان میں ایک ذرا جنبش نہیں ہوتی تھی۔ تکئے کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ سانس لینے کے لئے ہوا نہیں مل رہی تھی۔

جدّوجہد کے لئے ایک ہی بوڑھا اور کمزور ہاتھ اور ایک پاؤں رہ گیا تھا۔ وہ اکیلا ہاتھ کانپتے کانپتے کٹی ہوئی شاخ کی طرح بستر پر گر پڑا۔ جدّوجہد تمام ہو گئی۔ آخری بار اس کا کمزور جسم ذرا سا پھڑپھڑایا پھر ایک دم سے ساکت ہو گیا۔ اس بوڑھے کی سانس روکنے کے لئے پانچ منٹ بہت زیادہ تھے لیکن وہ پندرہ منٹ تک تکئے کو منہ اور ناک پر دبوچے رہا۔ پھر پلنگ سے اتر گیا۔ سینے پر کان رکھ کر اور نبض ٹٹول کر یقین ہوا کہ وہ یتیم ہو چکا ہے۔

اس نے پھیلی ہوئی مردہ آنکھوں کو بند کیا۔ زیادہ دباؤ کے باعث ناک ذرا دب گئی تھی اس نے نتھنوں میں انگلی ڈال کر ناک کو سیدھا کیا، تکئے کو دوبارہ سر کے نیچے رکھا۔ لاش کو ایسی پوزیشن میں لے آیا جیسے حرکتِ قلب بند ہونے سے موت واقع ہوئی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ اسے کھولنے کے بعد باپ پر ایک نظر ڈالی۔ ماں نے حکم دیا تھا "جب تک میرا سہاگ سانس لے رہا ہے، اسے سانس لینے دو" اور اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ ہلاک کرنے کا تو محض ایک بہانہ تھا۔ مقدر میں اتنی ہی سانسیں تھیں، جو ٹمک گئی تھیں۔

فون کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا، پھر ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو رانا حمید اسپیکنگ۔"

چیف کی آواز سنائی دی "آدھا گھنٹا گزر چکا ہے۔ پلاننگ بتاؤ؟"

اس نے اپنے بیٹے جمشید کی پلاننگ سنا دی۔ چیف نے خوش ہو کر کہا "جمشید کا جواب نہیں ہے۔ پلاننگ بہت عمدہ ہے۔ چودھری اور صوفیہ کی تصویریں تمہیں ایک گھنٹے کے اندر مل جائیں گی۔ طارق ایک ہی بار نظروں میں آیا تھا، اس لئے اس کی تصویر نہیں ہے۔"

رانا حمید نے کہا "آج میں نے تنظیم کے مفاد کے لئے ایسا کام کیا ہے، جو بہت کم وفادار کر پاتے ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو تم انعام کے حق دار ہو جاؤ گے۔ بتاؤ کیا کیا ہے؟"

"میرے ابو کو ہم لوگوں پر شبہ ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ انہیں ہماری سرگرمیوں کا علم ہو رہا تھا۔"

"یہ بڑی تشویش ناک بات ہے۔ تنظیم کے قوانین یاد ہیں نا؟"

"جی ہاں۔ ہم پر لازم ہے کہ باپ بھی تنظیم کو نقصان پہنچائے

تو خون کے رشتے کو بھول جاؤ، ورنہ ہم سب کا خون ہو جائے گا۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض کہ میں نے پانچ منٹ پہلے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔"

"شاباش رانا! تم نے وفاداری کی انتہا کر دی ہے۔ بولو کیا انعام چاہتے ہو؟"

"میں اپنے پیارے ابو کا مقبرہ بناؤں گا۔ دس لاکھ بھیج دیں۔"

"ایک گھنٹے کے اندر ان تصویروں کے ساتھ رقم بھی مل جائے گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر باپ کی موت پر افسوس کرتے ہوئے سوچا "ایک باپ کو بھگتانے کے دس لاکھ روپے۔ آہ! افسوس میرا ایک ہی باپ تھا۔ دس ہوتے تو ایک ہی دن میں کروڑ پتی بن جاتا......"

○☆○

پہلے ریحانہ گھر میں آئی۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹی بہن رخسانہ پہنچ گئی۔ رانا حمید نے دونوں بیٹیوں کو راز داری سے سمجھایا کہ مخالفانہ نظریات رکھنے والے باپ کا کس طرح خاتمہ ہوا ہے۔

آدھے گھنٹے بعد اس کا بیٹا رانا جمشید بھی آگیا۔ وہ بھی اس راز میں شریک ہو گیا۔ آخر میں شاردا آئی تو بیوہ ہونے کی خبر سنتے ہی روتی ہوئی شوہر کے پاس آئی پھر اس سے لپٹ کر بین کرنے لگی۔ "ہائے میں گھنٹا بھر پہلے یہاں سے گئی تو سہاگن تھی۔ واپس آئی تو بیوہ ہو گئی ہے۔"

اس نے روتے ہوئے اور بولتے ہوئے اپنے بیٹے اور پوتے پوتیوں کو دیکھا۔ وہ سب سر جھکائے چہرے سے گہرے صدمے کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ شاردا نے ایک ایک کے پاس آکر پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟ میں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ یہ تمہارے چہروں پر ماتمی خاموشی نہیں ہے، مجرمانہ خاموشی ہے۔"

رانا حمید نے کہا "امی! کیا آپ ہمیں پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتی ہیں۔" پھر اس نے بیٹے سے کہا "جمشید! کفن دفن کا فوراً انتظام کرو۔ یہ کام جلدی نمٹاؤ۔ ابھی بہت سے کام پڑے ہیں۔"

جمشید باہر چلا گیا۔ ریحانہ اور رخسانہ رشتے داروں کو فون پر اطلاع دینے چلی گئیں۔ شاردا نے گھور کر اپنے بیٹے رانا حمید کو دیکھا۔ پھر کہا "ایسی جلدی کیا تھی؟ دو چار روز صبر کر لیتے تو قدرتی موت ہو جاتی۔"

"آپ دو چار روز کی باتیں کر رہی ہیں۔ ہم برسوں سے صبر کرتے آئے ہیں۔ ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ بڑے میاں کسی بھی وقت عذاب بن جائیں گے۔"

"کیا کسی کو شبہ نہیں ہو گا؟"

"بالکل نہیں ہو گا۔ حرکتِ قلب بند ہوئی ہے اور طبعی موت ایسے بھی ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں اپنی بیٹیوں کے پاس چلا گیا۔

رشتے دار ماتم کرنے آرہے تھے۔ ابو داؤد نے رقم اور تصویریں بھیج دی تھیں۔ جمشید نے کہا "ڈیڈ! ہمیں اپنے اعتماد کے آدمیوں میں ایسے شخص کا انتخاب کرنا ہے جو چودھری حاکم علی کے میک اپ میں صوفیہ اور طارق کو کامیابی سے دھوکا دے سکے۔"

باپ نے کہا "کیسے انتخاب کریں۔ ابھی تو بڑے میاں کی تجہیز و تکفین کی آخری رسومات باقی ہیں۔"

"سب ہو جائے گا ڈیڈ! ابھی پوری رات پڑی ہے۔ میں صبح تک چودھری کی ڈمی تیار کر لوں گا۔"

وہ تمام رات مصروف رہے۔ اپنے باپ کو قبر میں اتار کر صوفیہ کے باپ کی ڈمی تیار کرتے رہے۔ صبح چار بجے ڈمی کو ہدایت دی کہ وہ دن کے نو بجے تک نیند پوری کرے اور پھر دس بجے تک صوفیہ کی کوٹھی میں جائے۔ ایک اندازہ تھا کہ صوفیہ کسی ضرورت سے اپنی کوٹھی میں آتی ہو گی یا ڈاکٹرز ایسوسی ایشن کی لائبریری میں جاتی ہو گی۔

ریحانہ نے کہا "میں دن کے دس بجے سے شام چار بجے تک دور ہی دور سے ڈمی کی نگرانی کرتی رہوں گی۔"

رخسانہ نے کہا "میں شام چار بجے سے رات نو بجے تک نگرانی کروں گی۔ اگر ڈمی کو یہ شبہ ہو کہ صوفیہ اور طارق اس کے قریب آرہے اور اسے ٹریپ کرنا چاہتے ہیں تو ڈمی اپنا سر کھجائے گا۔ میں سمجھ لوں گی کہ دونوں شکار ہماری نظروں میں آگئے ہیں۔ میں خاموشی سے ان کا تعاقب کر کے ان کی خفیہ پناہ گاہ تک پہنچنا چاہوں گی اور ٹرانسمیٹر کے ذریعے جمشید اور ڈیڈ کو اطلاع دیتی رہوں گی۔"

اس پلاننگ کے مطابق انہوں نے اپنی نیندیں پوری کیں۔ دن کے دس بجے ڈمی صوفیہ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا۔ ریحانہ اپنی کار میں بیٹھ کر اس کی نگرانی کے لئے گئی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد جمشید نے صبح کا اخبار پڑھا تو صوفیہ کی طرف سے شائع ہونے والے اشتہار پر نظر پڑی اس نے اپنے باپ اور چھوٹی بہن کو وہ اشتہار پڑھایا۔ رانا حمید نے اسے پڑھنے کے بعد کہا "معلوم ہوتا ہے فرہاد لاہور آگیا ہے۔ وہ اشتہار کے ذریعے حاکم علی کے اندر بے چینی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ اس کی بیٹی وہ فارمولے کسی کو فروخت کرے۔ بیٹی کو اس دھاندلی سے روکنے کے لئے وہ خفیہ پناہ گاہ سے نکلے گا تو فرہاد کی گرفت میں آجائے گا۔"

جمشید نے کہا "ضروری نہیں کہ فرہاد یہاں موجود ہو۔ ویسے یہ خوب ہے کہ ہم صوفیہ اور طارق کو ٹریپ کرنے کے لئے ڈمی چودھری کو چارا بنا رہے ہیں اور وہ چودھری حاکم علی کو ٹریپ کرنے کے لئے اشتہار کا سہارا لے رہے ہیں۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنی بہن ریحانہ کو اخباری اشتہار کے متعلق بتایا پھر کہا "فرہاد یا اس کا ماتحت طارق اشتہار کے ذریعے چودھری کو ٹریپ کرنا چاہتے ہیں۔ ہوشیار رہو۔ دشمن ڈمی چودھری

سے دھوکا کھا کر اسے ٹریپ کریں گے۔ ایسی کوئی بات ہو تو فوراً رابطہ کرنا۔"

اس نے ٹرانس میٹر کو آف کیا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رانا حمید نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے ابوداؤد نے پوچھا۔ "تم نے آج کے اخبار میں صوفیہ کا اشتہار پڑھا ہے؟"

"جی ہاں' میں اپنے بچوں سے ابھی اسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ ہم نے چودھری کی ڈمی کو صوفیہ کی کوٹھی کی طرف روانہ کیا ہے۔ ریحانہ اس ڈمی کی نگرانی کر رہی ہے۔"

ابوداؤد نے کہا "جو دوا ساز کمپنیاں صوفیہ سے فارمولے خریدنا چاہیں گی وہ کل کے اخبارات میں اپنے نام' پتے اور ٹیلی فون نمبر شائع کرائیں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے' صوفیہ ان خریداروں سے معاملات طے کرنے جائے گی؟"

"میرا خیال ہے وہ ہماری ہی چال چلیں گے۔ ہم نے انہیں پھانسنے کے لئے ڈمی چودھری کو پیش کیا ہے۔ وہ ڈمی صوفیہ کو خریداروں کے پاس بھیجیں گے۔"

"ٹھیک ہے اسی طرح دشمنوں کی چالیں سمجھتے ہوئے جوابی کارروائی کرتے رہو۔"

جمشید نے ریسیور لے کر کہا "باس! ایک اور آئیڈیا ہے۔ چودھری حاکم علی بیشتر دوا ساز کمپنیوں کے مالکان سے واقف ہے۔ ان کے فون نمبروں سے بھی واقف ہوگا۔ اگر آپ اپنے کسی خیال خوانی کرنے والے کا تعاون حاصل کریں اور وہ چودھری حاکم کی فون کال کے ذریعے ان دوا ساز کمپنیوں کے مالکان کے دماغوں میں پہنچ جائے تو ہمیں معلوم ہوتا رہے گا کہ صوفیہ فون کے ذریعے کن لوگوں سے فارمولوں کا سودا کر رہی ہے۔"

"یہ اچھی تدبیر ہے۔ میں اس پر غور کروں گا۔"

ادھر سے رابطہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے ہر پہلو سے صوفیہ اور طارق کو ٹریپ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اگر طارق ڈمی چودھری کو پکڑنے جاتا تو خود پکڑا جاتا۔ ابوداؤد اور جمشید وغیرہ ڈمی صوفیہ سے دھوکا نہ کھاتے بلکہ وہ اپنے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کے ذریعے فارمولے خریدنے والوں کے دماغوں تک پہنچ رہے تھے اور یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کا علم مجھے اور پارس کو نہیں تھا۔

پارس شیزان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کے خیال میں آج فرصت کا دن تھا۔ کیونکہ آج ہی اخبار میں صوفیہ کی طرف سے اشتہار شائع ہوا تھا۔ اس اشتہار کے جواب میں فارمولے خریدنے والے کل کے اخبارات میں صوفیہ کو مخاطب کرنے اور اپنا نام' پتا اور فون نمبر شائع کرانے والے تھے۔

صوفیہ چاہتی تھی آج کا دن پارس کے ساتھ تنہائی میں گزارے لیکن وہ بہانے کرکے تنہا چلا آیا تھا۔ اپنے طور پر کوشش کر رہا تھا کہ صوفیہ کے ساتھ کہیں تنہا وقت نہ گزارے۔ وہ عیاش نہیں تھا مگر ہاں حسن پرست تھا۔ اور حسن پرستی بھی وقت اور حالات کے مطابق کرتا تھا۔ میں نے اسے صوفیہ کا محافظ بنایا تھا۔ اس لئے وہ صرف اس کی جان کا نہیں آبرو کا بھی محافظ رہنا چاہتا تھا۔ انسان اگر شیطان کی حد تک پہنچے تو وہ برا ہے' بدکار ہے اگر انسان کی حد میں رہ کر غلطیاں کرے تو اس میں اچھے برے کی تمیز باقی رہتی ہے اور وہ اچھائی کی طرف لوٹتا رہتا ہے۔

وہ شیزان میں جس میز پر چائے پی رہا تھا۔ اس کے پیچھے والی میز کے اطراف تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو اشخاص کی کرسیوں کی پشت پارس کی کرسی کی پشت سے لگی ہوئی تھی۔ یوں ان کی گفتگو صاف طور سے اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

ایک نے کہا "یار! ایک بج گیا۔ وہ یونیورسٹی کے لڑکے ابھی تک نہیں آئے۔"

دوسرے نے کہا "ایک تو تیری جلد بازی نے پریشان کیا ہوا ہے۔ تو سمجھتا کیوں نہیں کہ یونیورسٹی کے منڈے وقت پر اپنی کلاسوں میں نہیں جاتے۔ پھر وقت پر ادھر کیسے آئیں گے۔"

تیسرے نے کہا "اصل میں یہ شیدا پہلی بار واردات کرنے والا ہے اس لئے گھبرا کر گھڑی گھڑی' گھڑی دیکھ رہا ہے۔"

وہ ہنسنے لگا' شیدے نے کہا "میں بزدل اور گھبرانے والا نہیں ہوں مگر آگ لگانے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔"

"ابے چپ" ایک نے سرگوشی میں ڈانٹ کر سر گھماتے ہوئے پارس کو دیکھا۔ ان سب کو غلطی کا احساس ہوا کہ ایک اجنبی ان کے پیچھے ہی بیٹھا ہوا ہے اور اس نے گفتگو سنی ہوگی۔

تینوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک نے اسی طرح سر گھما کر پارس کے پیچھے کھنکارا۔ اس کے کھنکارنے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ سوچ میں ڈوبا ہوا چائے پی رہا تھا۔ دوسرے نے طنزیہ انداز میں پوچھا "باؤ جی! بہرے بننے کی ایکٹنگ کر رہے ہو۔"

پارس ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک نے اس کے کان کے قریب کہا "ابے کچھ تو بول کنجر کی اولاد!"

پارس نے گالی سن کر بڑے ضبط سے کام لیا۔ دوسرے نے کہا "یہ کتے کا بچہ گالیاں سن کر بھی خاموش ہے' کیا سچ مچ بہرا ہے؟"

تیسرا اپنی جگہ سے اٹھ کر پاس کے پاس آیا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا "کیا تم بہرے ہو؟"

اس نے چونک کر تیسرے شخص کو دیکھا۔ پھر فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر ائرفون کان سے لگاتے ہوئے بولا "جی کیا فرمایا' آپ نے؟"

وہ تینوں ہنسنے لگے۔ پارس ایک بہرے کے بہروپ میں تھا اور وہ خوش ہو رہے تھے کہ اس نے کچھ نہیں سنا ہے' ایک نے چونک کر کہا "وہ دیکھو اسٹوڈنٹس نے کہا تھا' جو بس بیچ سڑک میں آکر رکے۔ ہم اس کو آگ لگائیں گے۔"

انہوں نے رنگل چوک کے قریب ہی پہنچ کر شاہراہ پر بس کو

ترچھی ہو کر رکتے دیکھا تھا۔ ایک نے میز کے نیچے سے پیٹرول کا کین اٹھایا پھر وہ بیرے کو چائے کے عوض بیس روپے دیتے ہوئے باہر چلے گئے۔

پارس نے بھی اٹھ کر بیرے کو دس کا نوٹ دیا۔ پھر ہوٹل کے باہر آگیا۔ رنگل چوک پر لوگ دوڑتے آرہے تھے۔ ترچھی کھڑی ہوئی بس کے اندر سے مسافر بھاگتے ہوئے باہر آرہے تھے۔ چار چھ طلبا بس پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ ایک جوان ہاکی سے کھڑکی کے شیشے توڑ رہا تھا۔ لوگ پوچھ رہے تھے کیا بات ہے؟ کس بات کا جھگڑا ہے؟

ایک جوان کہہ رہا تھا "کنڈیکٹر جھگڑا کرتا ہے۔ ہم نے یونیورسٹی کا کارڈ دکھایا پھر بھی پورا کرایہ مانگتا تھا۔ اب تو نہ یہ بس رہے گی۔ نہ یہ پورا کرایہ مانگے گا۔"

جس شخص کے ہاتھ میں پیٹرول کا کین تھا' وہ دوڑتا ہوا بس کی طرف جا رہا تھا۔ بھیڑ سے فائدہ اٹھا کر بس کو آگ لگانا چاہتا تھا تاکہ طلبا کے احتجاج میں زور پیدا ہو جائے لوگ یہی سمجھیں کہ طلبا بری طرح مشتعل ہو گئے ہیں۔

وہ دوڑتا ہوا بس کے اندر آیا۔ پھر انجن ڈرائیور کی سیٹ کی طرف پیٹرول چھڑکنے لگا۔ اس کے پیچھے شیدا بھی آیا تھا۔ پارس دوسرے دروازے سے دوڑتا ہوا اندر آیا۔ اس نے پیٹرول چھڑکنے والے کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے گزرتا ہوا باہر جا کر سڑک پر گرا۔ کین کا باقی پیٹرول اس پر الٹ گیا تھا۔ شیدا ماچس کی تیلی جلا کر چھڑکے ہوئے پیٹرول پر پھینکنا چاہتا تھا۔ پارس نے اس کے ہاتھ پر لات ماری۔ جلتی ہوئی تیلی ہاتھ سے نکل کر فضا میں اڑتی ہوئی باہر گرنے والے شخص پر گئی۔ وہ یکبارگی بھڑکتے ہوئے شعلوں میں لپٹ گیا۔

پارس نے شیدے کی گردن دبوچ لی۔ وہ جلنے والا سڑک سے اٹھ کر اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا اور لوگ آگ کے شعلوں سے بچنے کے لئے اس سے دور بھاگ رہے تھے۔ کچھ لوگ پانی کی بالٹیاں اٹھا کر لا رہے تھے۔ پارس نے شیدے کو سپاہیوں کے سامنے دھکا دے کر گراتے ہوئے کہا "یہ اندر جا کر آگ لگانا چاہتا تھا۔ اس کا ایک ساتھی جل رہا ہے اور دوسرا ساتھی......"

اس نے بھیڑ میں نظر دوڑائی۔ تیسرا ساتھی نظریں ملتے ہی بھاگنے لگا۔ پارس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "پکڑو اسے۔ وہ بھی مجرم ہے۔"

لوگ اسے چاروں طرف سے گھیرنے لگے۔ اس نے فرار کا کوئی راستہ نہ پا کر لانبا سا چاقو نکال لیا۔ لوگ اپنے بچاؤ کے لئے پیچھے ہٹنے لگے۔ پارس نے پیٹرول کے خالی کین کو اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ تب دوسرے لوگ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر اسے دور سے مارنے لگے۔ رنگل چوک کا ایک ضمنی راستہ بن رہا تھا۔ اس راستے پر پتھر بچھائے گئے تھے۔ پتھر بے شمار تھے' مارنے والے بھی بے شمار تھے۔ آخر وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔

تمام طلبا وہاں سے چلے گئے تھے۔ صرف وہ پکڑا گیا تھا جو ہاکی سے کھڑکی کا شیشہ توڑ رہا تھا۔ پارس نے اپنے ایک کان میں ائرفون لگا کر کہا "ہاکی ہمارا قومی کھیل ہے۔ جب سے تم لوگوں نے تخریب کاری اور دنگے فساد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا ہے تب سے ہماری قومی ٹیم کے کھیل کا معیار گرتا جا رہا ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے کہا "جوان تم نے بڑی پھرتی دکھائی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ تم نے بس کو جلنے سے بچا لیا ہے لیکن جلانے والے کو جلا دیا۔"

وہ بولا "میں نے دانستہ نہیں جلایا ہے اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ یہ تینوں اسٹوڈنٹس نہیں ہیں۔ کرائے کے غنڈے ہیں۔"

ہاکی والے طالب علم نے کہا "میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ ہم احتجاج کے طور پر تھوڑی سی توڑ پھوڑ کرنا چاہتے تھے۔ آگ لگانا ہماری پلاننگ میں شامل نہیں تھا۔ یہ بھائی صاحب درست کہتے ہیں۔ یہ تینوں غنڈے ہیں۔ ہم نے کبھی انہیں یونیورسٹی میں نہیں دیکھا ہے۔"

انسپکٹر نے کہا "ہم غنڈوں کے ساتھ تمہاری خیریت بھی پوچھیں گے" پھر اس نے پارس سے کہا "تم بھی بیان دینے کے لئے تھانے چلو۔"

پارس نے کہا "ذرا ایک منٹ آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

انسپکٹر اس کے ساتھ بھیڑ سے نکلتا ہوا سڑک سے دور آیا۔ وہاں ذرا فاصلے پر کچھ کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کار رخسانہ کی تھی جو اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھی وہ ہنگامہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں موبائل ٹیلیفون کا ریسیور تھا۔ وہ اسے کان سے لگائے کہہ رہی تھی "ایک نوجوان نے کھیل بگاڑ دیا ہے۔ پلاننگ پر بڑی کامیابی سے عمل ہو رہا تھا' پتا نہیں یہ کہاں سے آمرا ہے۔ میں اسے ٹریپ کرکے لاتی ہوں۔ پہلے تم اس کا شجرہ پوچھنا پھر اس کی ہڈیاں توڑ کر نہر میں پھینک دینا۔ میں آرہی ہوں' انتظار کرو۔"

اس نے ریسیور رکھا۔ پھر کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کا رخ پارس کی طرف تھا۔ وہ انسپکٹر کو ایک طرف لے جا کر کہہ رہا تھا "میں پولیس تھانے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجرموں کو اچھی خاصی سزا مل گئی ہے۔ ایک جل چکا ہے۔ دوسرے نے اتنے پتھر کھائے ہیں کہ مجنوں کی روح کانپ گئی ہوگی۔ وہ دو دن تک اسپتال کے بستر سے نہیں اٹھ سکے گا۔ میرا فرض پورا ہو چکا ہے' مجھے جانے دیں۔"

"کیسے جانے دوں؟ یہ قانون کا معاملہ ہے۔ یہاں بچے نہیں کھیل رہے تھے۔ تخریب کاری ہو رہی تھی۔ تمہیں تو تھانے چلنا ہی

ہوگا۔"
"دیکھئے انسپکٹر صاحب! یہ آگ لگانے والے نچلے طبقے کے غنڈے نہیں ہیں۔ بڑے امیر کبیر لوگوں کے سپوت ہیں۔ تھانے پہنچتے ہی اوپر سے فون آئے گا اور آپ اس کیس کا فائل کھولنے سے پہلے ہی بند کردیں گے۔"
رخسانہ نے اس کے پیچھے سے کہا "انسپکٹر یہ درست ہے۔ ادھر میری مرسڈیز کھڑی ہے۔ اپنے ایک سپاہی کو میرے ساتھ کردو۔ وہ میری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر تھانے کے راستے پر آگے جاکر اتر جائے گا۔ اترنے سے پہلے میں پچیس ہزار اسے دوں گی۔"
انسپکٹر نے ہچکچاتے ہوئے کہا "مگر.... میں.... میں اتنے لوگوں سے کیا کہوں گا؟"
"تم نادان بچے نہیں ہو انسپکٹر! انہیں لوگوں کے سامنے پکڑ کر لے جاؤ اور تھانے کے دروازے پر رہا کردو۔ انہیں تھانے کے اندر لے جاؤ گے تو پچیس ہزار سے جاؤ گے۔ اوپر سے رہائی کا حکم آئے گا تو تمہیں پچیس پیسے بھی نہیں ملیں گے۔ میرا وقت ضائع نہ کرو۔ سپاہی کو میری گاڑی میں بھیج دو۔"
انسپکٹر سپاہیوں کی طرف گیا، رخسانہ نے پارس سے کہا "تم نے بڑی پھرتی دکھائی ہے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"
وہ بولا "میرا نام سرتاج محمد ہے۔ تم مجھے سرتاج کہہ سکتی ہو۔"
وہ مسکرا کر بولی "میں روز آئینہ دیکھتی ہوں اور جانتی ہوں کہ حسن کا شاہکار ہوں۔ لوگ پہلی ہی ملاقات میں سرتاج بننے کا خواب دیکھتے ہیں۔ اگر واقعی تم سرتاج ہو تو بہت خوب نام ہے۔"
"تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں؟"
"مجھے کنیز رخسانہ کہتے ہیں۔ سرتاج کے ساتھ کنیز خوب جچتا ہے، ہمارے ملک کی عورتیں بیویاں بن کر سسرال جاتی ہیں اور کنیز بن کر رہ جاتی ہیں۔"
"تمہاری زبان سے یہ شکایت اچھی نہیں لگتی۔ تم تو پیدائشی کنیز ہو۔"
رخسانہ نے شکایتی نظروں سے دیکھا، پھر کہا "بہت بولتے ہو مگر اچھا بولتے ہو، میرے ساتھ چائے پیو گے؟"
"میں شیزان میں چائے پی رہا تھا۔"
"میں اپنے گھر میں پلاؤں گی۔"
سپاہی آگیا تھا۔ وہ تینوں مرسڈیز کے پاس آئے۔ سپاہی پچھلی سیٹ پر آگیا۔ پارس اگلی سیٹ پر رخسانہ کے برابر بیٹھ گیا۔ پھر وہ کار چل پڑی۔
تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے گاڑی روک دی۔ ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر ایک گڈی سے ہزار ہزار کے پچیس نوٹ نکالے۔ پھر وہ رقم سپاہی کو دے کر بولی "جاؤ دفع ہو جاؤ۔"
وہ ایسی شاہانہ طبیعت کی تھی کہ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ سپاہی کیا چیز تھا۔ وہ رقم لے کر سلام کرتے ہوئے بقول اس کے دفع ہوگیا۔ اس نے کار آگے بڑھادی، پارس نے کہا "تم اپنے مزاج اور رویے سے کسی ملک کی شہزادی لگتی ہو۔"
"وہ تو ہوں۔"
"تمہیں اپنے حسن وشباب پر بڑا ناز ہے؟"
"وہ تو ہے۔"
"معلوم ہوتا ہے، بے انتہا دولت مند ہو؟"
"وہ تو ہوں۔"
"بے حد مغرور ہو؟"
"وہ تو ہوں۔"
"بے شمار چاہنے والوں کی مرکز نگاہ ہو؟"
"وہ تو ہوں۔"
"یعنی بازاری ہو؟"
"وہ تو ہوں۔"
پھر اس نے چونک کر کار کو بریک لگادئے اور چیختے ہوئے پوچھا۔ "کیا؟ تم نے کیا کہا؟ بازاری؟"
"میں نے کہا نہیں تھا، پوچھا تھا۔ تم نے جواب دیا، وہ تو ہوں۔"
"تم نے یہ پوچھنے کی جرات کیسے کی؟"
"تم خود کہتی ہو کہ بے شمار چاہنے والوں کی مرکز نگاہ ہو۔ جبکہ شریف لڑکی کا ایک ہی چاہنے والا ہوتا ہے۔"
وہ گھور کر دیکھ رہی تھی اور یہ سوچ کر غصہ برداشت کررہی تھی کہ ابھی میرے سرتاج کی ہڈیاں ٹوٹنے والی ہیں۔ اس وقت پوچھوں گی کہ میں کیا قیامت ہوں؟
وہ دوبارہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی "تم گفتار کے غازی ہو۔ میں نے تمہارے اندازِ گفتگو پر صبر کیا ہے۔ سنا ہے صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"
"میں نے سنا ہے جس کے خاندان میں شوگر کی بیماری ہو، اسے میٹھا پھل نصیب نہیں ہوتا۔"
اس نے چونک کر پارس کو دیکھا، پھر پوچھا "تم میرے خاندان کی ہسٹری کیسے جانتے ہو؟ کون ہو تم؟ کیا ہمیں پہلے سے جانتے ہو؟"
کار راوی کے پل پر سے گزر رہی تھی۔ اس نے پوچھا "یہ تم کہاں جارہی ہو؟ کیا شہر سے باہر رہتی ہو؟"
وہ بولی "کوٹھی شہر میں ہے۔ ادھر آگے ہماری ایک دواؤں کی لیبارٹری ہے۔ ہم وہیں چل کر چائے پئیں گے۔"
اس نے پندرہ منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد نعمان لیبارٹری کے احاطے میں داخل ہو کر گاڑی روک دی۔ یہ وہی لیبارٹری تھی جس کا مالک چودھری حاکم علی حاکم تھا۔ چونکہ دواسازی کا کام فی الحال بند تھا۔ اس لئے تنظیم کے سربراہ ابو داؤد نے چودھری سے چابی لے کر اس لیبارٹری کو ایک اڈا بنالیا تھا اور چودھری سے کہا تھا۔ صوفیہ اور طارق ادھر کا رخ کریں گے تو اس کے حواری انہیں زندہ واپس نہیں جانے دیں گے۔

رخسانہ کا خیال تھا کہ سرتاج ایک جذباتی نوجوان ہے۔ اس نے سرکاری بس کو جلنے نہیں دیا۔ اگر وہاں مجمع نہ ہوتا تو رخسانہ کے حواری ایسی پٹائی کرتے کہ سرتاج آئندہ ہیرو بننے سے توبہ کرلیتا۔ اور وہ عام ساجذباتی نوجوان سمجھ کر اس سے توبہ کرانے لائی تھی۔
اور جہاں لائی تھی، وہاں پہنچ کر پارس کو یقین ہوگیا کہ رخسانہ کا تعلق چودھری حاکم علی سے ہے اور اس گینگ سے ہے جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا تھا کہ اس کا سربراہ اور اس کے تمام ماتحت یوگا کے ماہر ہیں۔
وہ کار سے اترتے ہوئے بولی "چلو اترو، آفس میں تمہیں زبردست چائے ملے گی۔"
وہ جیسے ہی باہر نکلی۔ پارس نے کار کی چابی نکال کر جیب میں رکھ لی۔ رخسانہ نے اس لئے چابی رہنے دی تھی کہ اسے غنڈوں کے حوالے کرکے فوراً واپس چلی جائے گی۔ پارس اس کی واپسی کا راستہ روک کر کار سے باہر آیا۔ پھر اس کے ساتھ چلتے ہوئے دفتری کمرے میں پہنچا۔ وہاں چار باڈی بلڈرز اپنے بازوؤں کی مچھلیاں ابھارے اور چٹانوں جیسے سینے پھلائے کھڑے تھے۔
ایک باڈی بلڈر دروازے کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا تاکہ شکار بھاگنے نہ پائے، رخسانہ نے کہا "سرتاج! میں تمہاری خواہش کے مطابق سرتاج کہہ رہی ہوں مگر افسوس اس چاردیواری کے باہر نہ تمہارا سر رہے گا نہ تم کسی کے تاج بن سکو گے۔"
پھر اس نے ایک باڈی بلڈر سے کہا "پہلے میں نے سوچا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر کہیں پھینک دیا جائے گا۔ یہ اپاہج بن کر زندہ رہے گا لیکن اسے ہمارے خاندان کی ہسٹری معلوم ہے۔ اس سے پوچھو کہ ہمارے خاندان میں کسی کو شوگر کا مرض ہے، یہ بات اسے کیسے معلوم ہوئی؟ یہ ہمیں کس حد تک جانتا اور پہچانتا ہے؟ یہ جواب نہ دے تو اسے ختم کردو۔"
پارس نے کہا "میں جھوٹ نہیں بولتا، سچ بولتا ہوں۔ میں نے آج پہلی بار رخسانہ کو دیکھا ہے۔ میں اس کے خاندان کے کسی فرد سے واقف نہیں ہوں لیکن تم لوگ یقین نہیں کروگے اور سوال پر سوال کرتے جاؤ گے۔ بہتر ہے کہ میں تمہارا کوئی سوال نہ سنوں۔"
یہ کہہ کر اس نے کان سے ائرفون نکالا پھر جیب سے مائک کی ڈبیا نکالی۔ ائرفون کا تار کھینچ کر توڑ دیا۔ اور ڈبیا کو فرش پر ڈال کر اسے جوتے کی ایڑی سے کچل کچل کر ناقابلِ استعمال بنادیا۔
رخسانہ نے غصے سے کہا "یہ ڈھیٹ ہے۔ اپنی اصلیت نہیں بتائے گا، اسے جان سے مارڈالو۔"
پارس نے اس سے کہا "اے خبردار، میں نے ائرفون توڑ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے گالیاں دینا شروع کردو۔"
وہ چیخ کر بولی "میں گالی نہیں دے رہی ہوں۔ اگر دوں گی تو میرا کیا بگاڑلوگے؟"
وہ بولا "دیکھو اب حلق پھاڑ کے گالیاں دے رہی ہو۔ تمہاری زبان میں چھالے پڑیں گے۔ تمہارے منہ میں کیڑے پڑیں گے۔"
وہ باڈی بلڈرز سے بولی "اسے میرے سامنے مارو۔"
باڈی بلڈرز آگے بڑھنا چاہتے تھے اس سے پہلے ہی پارس نے دو جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دو لائٹر نکالے پھر کہا "یہ خطرناک بم ہیں، نمونہ دیکھو۔"
اس نے ایک لائٹر کے اوپر لگی ہوئی ننھی سی چابی کو دانتوں میں دبا کر کھینچا۔ چابی الگ ہوگئی۔ اس نے کھڑکی سے باہر ہاتھ ڈال کر پوری قوت سے لائٹر کو بہت دور پھینک دیا۔
پھینکنے کے تین سیکنڈ بعد ہی ایسا زبردست دھماکا ہوا کہ وہ سب اچھل کر فرش پر گر پڑے۔ بم بہت دور بلاسٹ ہوا تھا پھر بھی اس دفتر کی دیواریں لرز گئی تھیں۔ ایک دیوار تڑخ گئی تھی۔ کھڑکی کی آہنی جالی اور دروازے کے پٹ ٹوٹ گئے تھے۔ میز پر رکھے ہوئے ٹیلیفون اور دوسری چیزیں اچھل کر فرش پر پہنچ گئی تھیں۔
پہلے تو یوں لگا جیسے قیامت آگئی ہے۔ سب کے سب دم سادھے پڑے رہے اور دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے رہے۔ جب ذرا حواس بجا ہوئے تو رخسانہ نے دیکھا، وہ نیچے ہے اور سرتاج اوپر۔ پھر نظریں ملتے ہی وہ بولا "سرتاج ہمیشہ اوپر رہتا ہے۔"
دوسری طرف پڑے ہوئے باڈی بلڈرز اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ پارس نے لائٹر کو منہ کے قریب لاکر کہا "دوسرا دھماکا یہاں ہوگا۔ میں تنہا نہیں مروں گا۔ ہم سب کے چیتھڑے اڑیں گے۔ بولو

کون کون مرنا چاہتا ہے؟"

وہ لائٹر کی ننھی چابی کو دانتوں تک لایا۔ چاروں باڈی بلڈرز ایک دم سے پلٹ کر دوڑتے ہوئے، گرتے پڑتے بھاگ گئے۔ رخسانہ چیخنے لگی "رک جاؤ۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ نمک حرامو! مجھے مرنے کے لئے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

پارس نے کہا "اے تم پھر چیخ چیخ کر مجھے گالیاں دے رہی ہو۔"

وہ رونے کے انداز میں بولی "لعنت ہے تم پر۔ تم نے ائرفون کیوں توڑ دیا؟ خدا کی قسم، میں نہیں دے رہی ہوں گالی۔"

وہ بہرے کی طرح کان لگا کر سن رہا تھا، پھر سرہلا کر بولا "گالی" یہی تو کہہ رہا ہوں اور تم پھر "گالی" بول رہی ہو۔"

وہ ایک دم سے رو پڑی، کہنے لگی "ایک طرف موت ہے دوسری طرف بہرا۔ بم کے پھٹنے سے شاید بچ جاؤں مگر اس کے سامنے چیخ چیخ کر مرجاؤں گی۔"

پھر وہ پارس کا ہاتھ پکڑ کر اشارے کی زبان سے بولی کہ وہ بم بلاسٹ نہ کرے۔ اس کی جان بخش دے۔ وہ سرہلا کر بولا "اچھا سمجھ گیا۔ میں اس کی چابی نہیں نکالوں گا لیکن ہاتھ میں پکڑے رہوں گا جیسے ہی تم مجھے نقصان پہنچانے کی چالاکی دکھاؤ گی تو......"

وہ نہیں نہیں کے انداز میں سرہلا کر اشارے کی زبان سے بولی کہ اس کا کچومر نکل رہا ہے وہ اوپر سے ہٹ جائے۔ وہ ہٹ گیا۔ رخسانہ عارضی نجات کی گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو رخسانہ بھی اٹھ کر بولی "کیا میں جاؤں؟"

"گاؤں؟ تم گانا چاہتی ہو؟ کمال ہے۔ میرے ہاتھ میں موت کا لائٹر ہے اور تم گانا سنانا چاہتی ہو۔"

وہ چیخ کر بولی "گانا نہیں جانا چاہتی ہوں، جانا۔"

"کھانا۔ اچھا اب سمجھا۔ مجھے بھی بھوک لگی ہے۔ چلو کسی ہوٹل میں جاکر آرام سے بیٹھ کر کھائیں گے۔"

رخسانہ نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آئی۔ وہ جیب سے کار کی چابی نکال کر دیتے ہوئے بولا۔ "میں پہلے سے محتاط رہنے کا عادی ہوں۔ سوچا کہیں تم چھوڑ کر نہ بھاگ جاؤ اس لئے یہ چابی رکھ لی تھی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ چیختے چیختے سر چکرانے لگا تھا۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر اندر آئی۔ پارس اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اسی وقت موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھانا چاہتی تھی۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا "کس کو فون کرنا چاہتی ہو؟"

وہ بولی "میں فون نہیں کر رہی ہوں۔ گھنٹی بج رہی ہے، کوئی مجھے کال کر رہا ہے۔"

"تم کیا کہہ رہی ہو؟ کچھ کہتی بھی ہو یا صرف منہ ہلاتی ہو۔"

اس نے معافی مانگنے کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر اشارے سے سمجھایا کہ کہیں دوسری جگہ سے فون آیا، وہ بولا "اچھا سمجھ گیا۔ اگر تمہارے ماں باپ کا فون ہو تو کہہ دینا ابھی تم میرے سائے میں سانس لے رہی ہو۔ اگر کسی نے پولیس سے رابطہ کیا یا چھپ کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تو میرے ساتھ تم بھی مروگی۔"

وہ ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولی "ہیلو، میں رخسانہ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے اس کے بھائی رانا جمشید نے پوچھا "تم خیریت سے ہو؟ ابھی ان بزدل نمک حراموں نے فون پر بتایا ہے کہ تم سرتاج نامی کسی نوجوان کے چنگل میں پھنس گئی ہو اور اس کے پاس کوئی خطرناک بم ہے۔"

"ہاں۔ بہت ہی تباہ کن بم ہے۔ ہم نے اس کی دل ہلادینے والی بلاسٹنگ آنکھوں سے دیکھی ہے دوسرا بم اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بالکل سگریٹ لائٹر نظر آتا ہے لیکن ہینڈ گرینیڈ کی طرح دانتوں سے چابی ہٹاتے ہی تین چار سیکنڈ میں ایسا دھماکا اور تباہی ہوتی ہے کہ میں وہ منظر دیکھنا نہیں چاہتی۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے اس پاگل سے کسی طرح نجات دلاؤ۔"

"اسے ریسیور دو، میں بات کروں گا۔"

"یہ کمبخت بہرا ہے۔ تم چیخ چیخ کر تھک جاؤ گے ایک لفظ بھی اس کے کان میں نہیں گھسے گا۔"

"تم اس سے پوچھو، وہ کیا چاہتا ہے، اس کا مطالبہ کیا ہے؟"

"بھائی! میں بھی چیخ چیخ کر پاگل ہو رہی ہوں۔ یہ ابھی کھانے کے لئے مجھے کسی ریستوران میں لے جائے گا۔ میں اسے مال روڈ پر ہوٹل انٹرنیشنل یا پرل کان میں لے جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے، میں پہنچ رہا ہوں۔"

"لیکن اس نے وارننگ دی ہے کہ پولیس سے رابطہ کیا گیا یا کوئی چالاکی دکھائی گئی تو یہ بم کے ذریعے خود بھی مرے گا اور مجھے بھی مار ڈالے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ ایسا کام دکھاؤں گا کہ بم اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"بھائی! آپ کی ذہانت کا تو چیف بھی قائل ہے۔ مجھے اطمینان ہو گیا ہے، میں آرہی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پارس نے اس موبائل ٹیلیفون کو اٹھایا پھر اسے کار کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ وہ چیخ کر بولی "تم نے اسے کیوں پھینک دیا۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتی تھی۔ اس نے بازو پکڑ کر کھینچا تو وہ آغوش میں آگری، وہ بولا "سیدھی طرح بیٹھو اور گاڑی چلاؤ۔"

"وہ فون میرے لئے ضروری ہے۔"

"کیا کہا؟ گاڑی نہیں چلاؤ گی؟"

وہ چیخ کر بولی "میں گاڑی کی نہیں فون کی بات کر رہی ہوں۔ اد

گاڈ! میں چیختے چیختے مرجاؤں گی۔"

"گھر جاؤ گی؟ نہیں میں تمہیں گھر نہیں جانے دوں گا۔ پہلے ہم کسی ریستوران میں کھانے جائیں گے۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی۔ پھر خیال آیا۔ تھوڑی دیر کی بات ہے۔ ہوٹل میں پہنچتے ہی اس کا بھائی اس بہرے سے پیچھا چھڑادے گا۔ وہ کار اسٹارٹ کرکے لیبارٹری کے احاطے سے باہر آئی۔ پھر اسے لاہور کی سمت موڑنا چاہتی تھی' وہ بولا "ادھر نہیں ادھر۔ ہم گوجرانوالہ جائیں گے۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ میں اتنی دور نہیں جاؤں گی۔"

"کھاؤ گی؟ ٹھیک ہے میں کھلانے ہی لے جارہا ہوں۔ گوجرانوالہ کے کباب بہت لذیذ ہوتے ہیں۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر اشارے کی زبان سے بولی "بڑی مہربانی ہوگی۔ لاہور کی طرف چلو۔"

وہ گوجرانوالہ کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ اس کی بات ماننے سے وہ مال روڈ کے ہوٹل نہیں جاسکتی تھی۔ اپنے بھائی کے ذریعے رہائی حاصل نہیں کرسکتی تھی' وہ جھنجلا کر جانے سے انکار کرنے لگی۔ اس نے کہا "انکار کرو گی تو پہلے کار کی چابی چھین کر باہر جاؤں گا۔ پھر یہ بم کار کے اندر تمہارے پاس پھینک کر دور بھاگ جاؤں گا۔"

اس نے کار کی چابی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "میں تمہارے پاؤں پکڑتی ہوں۔ تم اپنی ہربات منوالو مگر میری ایک بات مان لو۔ ہم پرل کان میں چل کر کھائیں گے۔"

پارس نے لائٹر کی چابی کو دانتوں میں دبایا۔ اس نے جلدی سے کار اسٹارٹ کرکے اسے گوجرانوالہ کی طرف موڑ دیا۔ تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے بڑبڑانے لگی "بہرے خاندان کی بہری اولاد! میرا داؤ چلنے دے۔ گن گن کر بدلے لوں گی۔ تیری بوٹی بوٹی کرکے تجھ پر تھوکتی رہوں گی۔"

وہ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ بولتی رہی۔ پھر بولتے بولتے تھک کر چپ ہوگئی۔ گوجرانوالہ پہنچ کر اس نے ایک بڑے جنرل اسٹور کے قریب روکتے ہوئے کہا "مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی کہ تمہارے سامنے حلق پھاڑتی رہوں۔ چلو اترو۔ میں ابھی تمہارے لئے ایک نیا آلۂ سماعت خریدوں گی۔"

وہ دکان کے اندر آئے۔ وہاں سے ایک آلۂ سماعت خریدا۔ رخسانہ نے مائک کی ڈبیا میں سیل لگا کر ائیرفون کو اس کے کان میں گھسا کر پوچھا "اب سنائی دے رہا ہے؟"

"ہاں' تمہاری سریلی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔"

وہ پرس سے رقم نکال کر آلۂ سماعت کی قیمت ادا کرنے لگی۔ جیسے ہی اس کی توجہ ادھر ہوئی' ادھر پارس نے مائک کی ڈبیا میں سے سیل نکال کر چھپالیا۔ پھر ڈبیا کو اوپری جیب میں رکھ کر ائیرفون کو کان سے لگالیا اب وہ آلۂ سماعت نہ ہونے کے برابر تھا۔

وہ قیمت ادا کرکے بولی "تھینکس گاڈ! ایک مصیبت دور ہوئی' چلو۔"

وہ باہر آئے۔ رخسانہ نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "جلدی سے کچھ کھاؤ۔ پھر مجھے جانے دو۔"

"ابھی جانے کی بات نہ کرو۔ میں کچھ ضروری باتیں کروں گا۔"

"تو پھر جلدی کرو۔"

"بھوکے پیٹ سے بات نہیں نکلے گی۔"

"یہاں ریلوے پھاٹک کے پاس بہت مشہور کباب اور چرغے کی دکان ہے لیکن شام چھ بجے کے بعد یہ کباب نصیب ہوں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم ایک مہنگے ہوٹل میں کمرا لیں گے۔ اس کمرے میں کچھ منگوا کر کھائیں گے۔"

"ہوٹل میں کمرا لینا کیا ضروری ہے؟"

"ضروری باتیں کرنے کے لئے تنہائی ضروری ہے۔"

"تمہارے ارادے کیا ہیں؟ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے' میں بھی ایسا ہوں نہ ویسا ہوں' گاڑی چلاؤ۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر ڈرائیو کرتے ہوئے بولی "میں موت کے خوف سے تمہاری ہربات مانتی جارہی ہوں لیکن عزت پر آنچ آئے گی تو موت سے نہیں ڈروں گی۔ اس لائٹر بم سے ہونے والی موت کو ترجیح دوں گی۔"

"تمہاری پاکیزہ باتیں سن کر میرا ایمان تازہ ہورہا ہے۔ جس طرح آبرو کی حفاظت کرنے سے پاکیزگی قائم رہتی ہے۔ اس طرح ذمے دارانہ عمل سے وطن سلامت رہتا ہے۔ تم آبرو کی سلامتی چاہتی ہو لیکن وطن کی آبرو کا تمہیں خیال نہیں ہے۔ تم پاکستانی کہلاتی ہو اور پاکستان کے ایک خوب صورت شہر میں تخریبی کارروائیاں کرتی ہو۔ شہر کا حسن اجاڑتے وقت یہ نہیں سوچتیں کہ تمہارے بدن کا شہر بھی کوئی اجاڑ سکتا ہے۔"

"میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔ میں طلبا یونین کی سیکریٹری ہوں۔ طلبا وطالبات کے جائز حقوق کا مطالبہ کرنا ہمارا حق ہے۔"

"ٹھیک ہے' مطالبات منوانے کے لئے بسوں کو جلانا' توڑ پھوڑ کرنا اور امن وامان کا مسئلہ پیدا کرنا تمہارا حق ہے تو آج ایک مرد تم سے رات بھر اپنے مرد ہونے کے حقوق حاصل کرتا رہے گا۔"

"آخر تم ہو کون؟ کیا امن وامان کے ٹھیکیدار ہو؟ اگر سرکاری آدمی ہو تو لین دین کی بات کرو۔"

"میں لین دین کی بات کئے بغیر ہی تمہیں لے آیا ہوں۔"

اس نے ایک ہوٹل کے سامنے کار روکنے کو کہا۔ وہ کار روک کر بولی "میں ہوٹل میں نہیں جاؤں گی۔"

"تم جاؤ گی۔ اگر اپنا صحیح نام' پتا اور خفیہ مصروفیات بتاؤ گی تو میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔ ورنہ میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس کے لہجے میں ایسی پختگی تھی کہ رخسانہ کو لائٹر بم سے ہونے والی موت کا یقین آگیا۔ اس نے سوچا "ہوٹل کے کمرے میں جانے کا ایک فائدہ ہے۔ وہاں موقع ملتے ہی میں فون پر بھائی یا ڈیڈی سے رابطہ کرسکوں گی۔"

وہ کار کو ایک طرف پارک کرکے ہوٹل میں آئی۔ پارس نے کاؤنٹر کے پاس آکر ایک کمرا حاصل کیا۔ اس وقت سلمان نے آکر کوڈ ورڈز ادا کئے۔ پارس نے کہا "میرے ساتھ یہ لڑکی رخسانہ ہے۔ آپ میرے خیالات پڑھتے رہیں۔ آپ کو بہت کچھ معلوم ہوگا۔ اگر یہ یوگا جاننے والی ٹیم سے تعلق رکھتی ہے تو آپ کو دماغ میں آنے نہیں دے گی۔ ویسے میں تھوڑی دیر میں اسے دماغی کمزوری میں مبتلا کردوں گا۔"

پھر وہ کاؤنٹر مین سے بولا "ویٹر کو فوراً بھیج دو۔ ہمیں بھوک لگی ہے۔"

وہ رخسانہ کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سیکنڈ فلور پر جانے لگا' وہ بولی "تم مسلسل لائٹر پکڑے ہوئے ہو۔ دیکھنے والے کیا سوچتے ہوں گے۔"

"ہمارے معاشرے میں لائٹر پکڑ کر رہنا معیوب اور قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض صرف تمہیں ہے۔"

وہ کمرے میں پہنچ کر بولی "میں باتھ روم میں جاؤں گی۔"

"ہاں ضرور چلو۔ آؤ۔"

"کیا؟" وہ گھور کر بولی "تم وہاں بھی میرے ساتھ جاؤ گے؟"

"اگر میں ساتھ نہ گیا تو تم فرار کا کوئی راستہ نکال لوگی۔"

"باتھ روم کا ایک ہی دروازہ ہوتا ہے۔ تم دروازے پر موجود رہنا۔"

پارس نے باتوں کے دوران اپنی انگوٹھی کی خفیہ سوئی نکال لی پھر وہ ہاتھ اس کے بازو پر رکھتے ہوئے بولا "کوئی بات نہیں جاؤ' اس لمحے سے آزاد ہو۔"

بازو میں ہلکی سی چبھن محسوس ہوئی۔ رخسانہ نے آہ کی۔ پھر ایک ہاتھ سے سر کو تھام کو ڈگمگاتی ہوئی پلنگ پر آکر بیٹھ گئی۔ سلمان نے کہا "میں نے تمہارے خیالات پڑھ کر رخسانہ کے متعلق کچھ معلوم کیا ہے۔ اب اسے معمولہ بنا کر بہت سے راز معلوم کرلوں گا۔"

پارس نے رخسانہ سے پوچھا "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"تم۔۔۔۔ تم نے میرے بازو میں سوئی چبھوئی تھی۔"

"میں سوئی چبھونے والا ڈاکٹر نہیں ہوں۔"

"اپنے ہاتھ دکھاؤ۔"

اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر دکھائے۔ انگلی میں ایک انگوٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بظاہر ایک عام سی انگوٹھی تھی۔

اس کے اندر جو خاصیت تھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ اس نے پوچھا "تم باتھ روم جانا چاہتی تھیں؟"

"ہاں' مگر کمزوری سی لگ رہی ہے۔ یہ اچانک کیسے ہوگیا؟ تم نے ضرور کچھ کیا ہے۔"

"تم کمزوری کا بہانہ کرکے میرے سوالوں سے بچنا چاہتی ہو۔ چلو میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں باہر جارہا ہوں۔"

وہ خوش ہوکر بولی "مجھے چھوڑ کر جارہے ہو؟"

"ہاں' اور یہ لائٹر بم تمہیں دے کر جارہا ہوں۔ یہ لو۔"

اس نے وہ لائٹر بم اس کی طرف بڑھایا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ جس ہتھیار کے ذریعے وہ اسے مٹھی میں جکڑے ہوئے تھا۔ وہی ہتھیار اس کے حوالے کررہا ہے' وہ بولا "تمہیں یقین نہیں آرہا ہے' دیکھو میں یقین دلا رہا ہوں۔"

اس نے بم کی چابی کو دانتوں میں دبایا۔ وہ کمزوری کے باوجود چیخ کر بولی "نہیں۔ نہیں میں مرنا نہیں چاہتی۔"

اس نے چابی کو دانتوں سے کھینچ لیا۔ لائٹر بم کے اندر سے پھس کی آواز کے ساتھ دھواں نکلا تو وہ اچھل کر پارس سے لپٹ گئی' وہ بولا "چند سیکنڈ رہ گئے ہیں۔ آخری وقت لپٹنے سے کیا حاصل ہوگا؟"

وہ خوف سے کانپتے ہوئے اور اس کی آغوش گھستی ہوئی بولی۔ "سب کچھ حاصل ہوگا۔ میرا تن' من اور دھن سب تم پر نچھاور کردوں گی' مجھے بچالو۔ میں زندگی تمہارے نام کردوں گی۔"

"وعدہ کرتی ہو؟"

"وعدہ کرتی ہوں۔ قسم کھاتی ہوں۔"

"تو پھر تم نہیں مروگی۔ موت کا وقت ٹل گیا ہے۔ دیکھو یہ بم ہماری محبت کے مارے پھٹنا نہیں چاہتا۔"

اس نے ڈرتے ڈرتے الگ ہوکر لائٹر کو دیکھا۔ چابی پہلے ہی الگ ہوگئی تھی۔ اب دھواں بھی ختم ہوگیا تھا۔ وہ کچھ مطمئن تھی کچھ سہمی ہوئی تھی۔ پارس نے اس کے ہاتھ میں زبردستی لائٹر پکڑا دیا۔ تب اسے پورا یقین ہوا۔ وہ گھور کر بولی "یہ بم نہیں تھا؟"

"نہ تھا' نہ ہے۔"

"تم مجھے الو بنا رہے تھے؟"

"نہیں۔ الو کی مادہ بنا رہا تھا۔"

"یو چیٹ' فریبی۔۔۔۔۔"

وہ غصے سے لائٹر پھینک کر مارنا چاہتی تھی۔ پارس نے گھبرا کر کہا "اسے نہ پھینکنا' یہ پھٹ پڑے گا۔"

اس نے ایک دم سے ہاتھ روک لیا۔ پتھر کے مجسمے کی طرح چپ کھڑی رہ گئی۔ وہ قریب آکر اس کے ہاتھ سے لائٹر لے کر بولا "اسے محبت سے چھپا کر رکھو گی تو یہ نہیں پھٹے گا۔"

"میں۔۔۔ اسے کہاں چھپاؤں؟"

اس نے لائٹر کو اس کے گریبان کے اندر ڈال دیا۔ پھر پلٹ کر دروازے کے پاس آیا' وہاں رک کر بولا "میں جارہا ہوں' تین گھنٹے بعد آؤں گا۔"

یہ بات اس نے سلمان کو سنائی۔ پھر کمرے سے باہر آیا۔ ویٹر آرڈر لینے دروازے پر آگیا تھا۔ اس نے کہا "ابھی ضرورت نہیں ہے' جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ پارس ہوٹل سے باہر آکر کار میں بیٹھ گیا۔ پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے دوسری جگہ جانے لگا۔ تاکہ رخسانہ کے پیچھے تلاش کرتے ہوئے ادھر آئیں تو وہ کار ہوٹل کے سامنے نہ دکھائی دے۔ ورنہ وہ اس کمرے میں پہنچ جائیں گے۔

سلمان نے آکر کہا "رخسانہ بہت اہم ہے۔ میں اسے سلا کر آیا ہوں' ابھی جاکر عمل کروں گا۔ آئندہ وہ تمہاری پابند رہے گی۔"

"اس کے پس پردہ کیا ہے؟"

"تمہارا خیال درست نکلا۔ رخسانہ' اس کے بھائی بہن' اس کا باپ اور اس کی دادی سب کے سب بھارتی خفیہ تنظیم "را" کے بہت ہی قابلِ اعتماد جاسوس ہیں۔ دادی کو چھوڑ کر سب ہی یوگا کے ماہر ہیں۔"

"انکل! جس یوگا ٹیم کے متعلق ہمیں اطلاع ملی تھی۔ یہ سب اسی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا ان کے سربراہ کا نام اور ٹھکانا معلوم ہوا ہے؟"

"صرف اتنا کہ سربراہ کا نام ابوداؤد ہے۔ وہ یہودی ہے۔ اصل نام ایبے ڈیوڈ ہے۔ پُراسرار بن کر رہتا ہے۔ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔ رخسانہ کی فیملی میں بھی کسی نے آج تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ رخسانہ کا بھائی رانا جمشید بہت ہی چالاک' مکار اور فولادی فائٹر مانا جاتا ہے شاید وہ ابوداؤد کو اچھی طرح پہچانتا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے انکل! آپ رخسانہ کو قابو میں کریں۔ اس پر عمل کرنے کے بعد ایک درخواست ہے۔ پلیز صوفیہ کے پاس جاکر پاپا کے لہجے میں کہہ دیں کہ طارق دوسرے شہر میں مصروف ہے۔ کل یا پرسوں تک آئے گا۔ وہ تنہا باہر نہ نکلے۔"

"ٹھیک ہے' سمجھادوں گا۔"

سلمان چلا گیا۔ پارس ڈرائیو کرتا ہوا بہت دور نکل آیا تھا۔ اس نے کار کو ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ تھوڑی دور جاکر اسے روک دیا۔ پھر انجن کو بند کیا۔ باہر آکر دروازے لاک کئے۔ چابی جیب میں رکھی اس کے بعد پختہ سڑک پر واپس آگیا۔ وہاں سے ایک بس میں سوار ہوکر پھر گوجرانوالہ پہنچا تو دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ مزید ایک گھنٹا گزارنے کے لئے وہ صدر بازار آکر روحانی ریسٹورنٹ میں چائے پینے بیٹھ گیا۔

رخسانہ کے دماغ میں خیال خوانی کی سرنگ بن رہی تھی! اس کے ذریعے "را" تنظیم کے چیف تک پہنچنا آسان نہیں تھا تو مشکل بھی نہیں رہا تھا۔ آگے چل کر مزید کامیابیاں حاصل ہوسکتی تھیں۔ صوفیہ کے نام سے جو اشتہار شائع کرایا گیا تھا اب اس کی اہمیت رہ گئی تھی کہ پارس چودھری حاکم علی کو پھانسنے کی ناکام کوشش کرتا رہتا اور ابوداؤد وغیرہ کو یہ سمجھنے دیتا کہ فرہاد اور اس کا ماتحت چودھری کے پیچھے بھٹک رہے ہیں اور سرتاج نامی نوجوان کوئی محبِ وطن تھا' جو رخسانہ کو سزا دینے کے بعد کہیں گم ہوگیا ہے۔

جب وہ تین گھنٹے بعد ہوٹل کے کمرے میں پہنچا تو وہ تنویمی نیند سے بیدار ہوچکی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور اس کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ حسینہ مان گئی ہے۔

پارس نے پوچھا "کیسا محسوس کررہی ہو؟"

وہ بدستور مسکرا کر بولی "مجھے کیا ہوا تھا کہ میں کچھ محسوس کروں؟"

"تم کمزوری محسوس کررہی تھیں۔ میں نے تمہیں لیٹنے کے لئے کہا۔ مگر تم لیٹتے ہی سوگئیں۔"

"ہاں۔ میں گھڑی دیکھ کر حیران ہورہی تھی کہ بے وقت کیسے سوگئی۔"

"اور میں بھوکا رہ کر تمہاری بیداری کا انتظار کرتا رہا۔"

"اوہ سوسوری۔ چلو کہیں کھانے چلتے ہیں۔"

"باہر تمہارے لوگ تمہیں تلاش کررہے ہوں گے۔"

"ہاں' تم مجھے دن کے ایک بجے سے چکر دے رہے ہو۔ اب رات کے دس بج چکے ہیں۔ ڈیڈ اور جمشید بھائی کے کتے ہمیں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔"

پارس نے فون پر ہوٹل سروس کو کھانے کا آرڈر دیا۔ پھر رخسانہ سے پوچھا "کھانے کے بعد گھر واپس جاؤگی؟"

وہ گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "پتا نہیں تمہارے اندر کیا بات ہے۔ میں اپنے میکے والوں کو بھول جانا چاہتی ہوں۔"

"انہیں یاد رکھو۔ اس سسرال والے کا بھلا ہوگا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ جب میں جانا چاہتی تھی تو تم ایک کھلونے سے مجھے ڈرا کر روکتے رہے۔ اب میں نہیں جانا چاہتی ہوں تو مجھے گھر والوں کی یاد دلا رہے ہو۔"

"تمہیں آج یا کل اپنے گھر جانا ہوگا۔"

"سچ پوچھو تو مجھے ملک کے ان دشمنوں سے نفرت ہوگئی ہے۔"

سلمان نے تنویمی عمل کے ذریعے خوب برین واش کیا تھا۔ اس کے اندر حب الوطنی کے جذبات بھر دیئے تھے۔ پارس نے کہا "بیشک ملک دشمن عناصر سے نفرت کرنا چاہئے خواہ وہ باپ اور بھائی کیوں نہ ہوں لیکن اس خفیہ تنظیم کی جڑوں تک پہنچنے کے لئے ان سے مصلحتاً محبت کرو۔ انہیں کبھی شبہ نہ ہونے دینا کہ تم بدل گئی ہو۔"

"میں شبہ نہیں ہونے دوں گی۔ اپنا رول عمدگی سے ادا کروں گی لیکن تم بچھڑ جاؤگے تو میں اندر سے خالی ہوجاؤں گی۔ تمہارے بغیر توجہ اور دل جمعی سے کام نہیں کرسکوں گی۔ تم میرے ساتھ رہنے کی تدبیر کرو۔"

"میں کل شام کو تم سے ایک نئے روپ میں ملوں گا۔ تم مجھے بوائے فرینڈ بناکر اپنے گھر والوں سے میرا تعارف کراسکوگی۔"

"میں تمہیں نئے روپ میں کیسے پہچانوں گی؟"

"اپنی انگوٹھی مجھے دو۔ میں نئے روپ میں رہ کر تمہیں انگوٹھی واپس کروں گا۔ یوں مجھے پہچان لوگی۔"

اس نے انگوٹھی اتار کردی۔ اسی وقت ہوٹل کا ملازم کھانا لے کر آگیا۔ جب وہ تمام ڈشیں رکھ کر چلا گیا تو رخسانہ نے کہا "یہ انگوٹھی میرے پیار کی نشانی ہے۔ کیا تم کوئی نشانی نہیں دوگے؟"

"اتنی رات ہوگئی ہے جیولرز کی دکانیں بند ہوچکی ہوں گی' کل صبح تمہارے شایانِ شان ہیرے کی انگوٹھی دوں گا۔"

"مجھے تم مل گئے گویا کوہِ نور ہیرا مل گیا۔ مجھے ہیرے کی نہیں یہ سادی انگوٹھی دے دو۔"

پارس نے اپنی انگوٹھی دیکھی' اسے دیکھنے سے مما (سونیا) یاد آجاتی تھی۔ وہ مسکرا کر بولا "یہ میری ماں نے مجھے پہنائی ہے۔ اسے صرف وہی اتار سکتی ہیں۔"

"صرف وہی کیوں اتار سکتی ہیں؟"

"میری مما کہتی ہیں' بیٹے کی زندگی میں بہو آکر اس کے خیالات بدل دیتی ہے۔ اس کی کھوپڑی سے عقل نوچ لیتی ہے۔ ایسی حالت میں بیٹا ماں کو بھول جاتا ہے۔ میری مما نے کہا ہے' اگر کسی لڑکی نے میری انگلی سے یہ انگوٹھی اتروالی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ بیٹے کو ماں سے چھین رہی ہے۔ لہٰذا وہ ایسی لڑکی کو کبھی بہو نہیں بنائیں گی۔"

"نہیں۔ تم... تم اسے پہنے رہو۔ مجھے اپنی ماں سے ملادو۔"

"ابھی تو مجھ سے ہی ملتی رہو۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو مما سے بھی ملاقات ہوجائے گی۔"

وہ لقمہ چباتے ہوئے سوچنے لگی "مجھے صرف سرتاج سے ہی نہیں اس کی ماں سے بھی اپنائیت محسوس ہورہی ہے۔ اگر یہ میرا جیون ساتھی بن جائے گا تو میں خوشگوار ازدواجی اور گھریلو زندگی گزاروں گی۔ ویسے یہ خواب پورا کرنے کے لئے پہلے سرتاج کا نیک مقصد پورا کرنا ہوگا۔ خفیہ تنظیم کی جڑوں تک پہنچنا ہوگا۔"

دوسری صبح میں پارس کے پاس آیا تو وہ رخسانہ کو ہوٹل سے رخصت کررہا تھا اور اسے سمجھا رہا تھا کہ ان دونوں کو یہاں سے جدا ہوجانا چاہئے۔ وہ شام کو پرل کان کے سوئمنگ پول کے پاس ملے گا۔

وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن شام کو ملاقات کرنے کی خوشی میں چلی گئی۔ میں نے کہا "سلمان نے رخسانہ کے تمام خاندان والوں کے متعلق بتایا ہے۔ "را" تنظیم کا چیف ابوداؤد آہنی پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ اسے باہر لانے اور اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے جلد ہی ٹھوس منصوبے پر عمل کرنا ہوگا۔"

وہ بولا "اب اس شہر میں میرا بھی خاندانی بیک گراؤنڈ ہونا چاہئے۔ میں رخسانہ کے ذریعے اس کے باپ اور بھائی سے ملاقات کروں گا تو وہ میری پچھلی ہسٹری معلوم کریں گے اور میں جو ہسٹری سناؤں گا وہ اس کی تصدیق کرائیں گے۔"

"ہاں' رخسانہ کے گھر والوں سے تمہیں گہری دوستی کرنی چاہئے۔ میں ابھی تمہارے لئے کچھ کرتا ہوں۔"

میں وہاں کے آئی جی اکبر درانی کے پاس پہنچا۔ اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو سنتے ہی اس نے خوش ہوکر پوچھا "فرہاد صاحب! کیا آپ لاہور واپس آگئے ہیں؟"

"میں پشاور سے بول رہا ہوں۔ میرا ایک ماتحت طارق وہاں ہے۔ وہ ملک دشمن عناصر کی خفیہ تنظیم کے سربراہ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ آج کل میں ان سے دوستی کرنے والا ہے۔ اس سے پہلے لازمی ہے کہ یہاں طارق کا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ ہو۔ کیا آپ کے علم میں کوئی ایسا گھر ہے جہاں صرف ایک نوجوان اور اس کے ماں باپ ہوں۔ وہ لوگ بظاہر شریف ہوں مگر جرائم پیشہ ہوں اور قانون کی دسترس سے بچتے رہتے ہوں۔"

"ہمارے ملک میں ایسے شریف جرائم پیشہ افراد کی کمی نہیں ہے۔ ان کے پیچھے بڑے بڑے ہاتھ ہوتے ہیں۔ جو ہم جیسے اعلیٰ افسران کو بھی قانونی کارروائیوں سے روک دیتے ہیں۔ مجھے پندرہ منٹ سوچنے دیں۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے ماتحت کے لئے کون سا مختصر خاندان مناسب رہے گا۔"

میں نے پوچھا "یہاں کوئی پلاسٹک سرجری کا ماہر ہے؟"

"میں ایک پلاسٹک سرجن کو جانتا ہوں۔ میری ڈائری میں اس کا فون نمبر ہے۔ کیا آپ اس سے رابطہ کریں گے؟"

"جی ہاں۔ آپ فون کرکے اس کی آواز سنائیں پھر ریسیور رکھ دیں۔"

اس نے ڈائری کھول کر نمبر دیکھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر ڈائل کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی نے پوچھا "ہیلو آپ کون ہیں؟"

آئی جی نے ریسیور رکھ دیا۔ میں بولنے والے کے دماغ میں پہنچا۔ وہ پلاسٹک سرجن یوسف شہابی تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ پلاسٹک سرجری کے پیشے میں بے انتہا دولت کما رہا ہے۔ بے انتہا دولت ہمیشہ غلط راستوں سے کمائی جاتی ہے۔ ہمیں اتنا وقت نہیں ملتا ہے کہ ہم ہر کس وناکس کے دماغوں میں جھانکتے پھریں۔ اگر ہر ایک کو اندر سے پڑھتے رہیں تو کتنے ہی معزز پیشے سے تعلق رکھنے والوں کے جرائم کا انکشاف ہوتا رہے گا۔

یہ انکشاف ہوا کہ سرجن یوسف شہابی کو "را" تنظیم سے لاکھوں روپے ملتے رہتے ہیں۔ اس تنظیم کا کوئی بندہ قانون کی نظروں میں آجاتا ہے تو اسے چھپانے کے لئے یوسف شہابی سرجری کے ذریعے اس کا چہرہ بدل دیتا ہے پھر وہ بندہ نئے چہرے اور نئے نام

سے تنظیم کے لئے کام کرنے لگتا ہے۔

سرحد پار سے جو تربیت یافتہ ہندو سراغ رساں آتے ہیں، سرجن یوسف ان کی ختنہ کرتا ہے تاکہ وہ کبھی چھوٹے موٹے کیس میں پکڑے جائیں تو ان کے ہندو ہونے پر شبہ نہ کیا جائے۔ وہ باہر سے اندر تک مسلمان ہی تسلیم کئے جائیں۔

اس تنظیم سے تعلق رکھنے والا یہ ایک اور مجرم ڈاکٹر ہماری معلومات کی فہرست میں آیا تھا۔ ابھی مجھے ضروری کام نمٹانے تھے اس لئے میں نے فی الحال اسے ڈھیل دے دی۔ پھر کسی وقت اسے عبرت ناک سزا دی جاسکتی تھی۔

میں نے اس کے دماغ سے دوسرے ماہر سرجن کا نام پتا اور فون نمبر معلوم کیا۔ پھر اسے پشاور سے فون کیا۔ رابطہ کرکے اس کی آواز سنی پھر ریسیور رکھ دیا۔ اس پلاسٹک سرجری کے ماہر کا نام زاہد ابن الحسن تھا۔ وہ ایک برس پہلے یہاں آیا تھا اور اپنے پیشے کے تقدس کو برقرار رکھتے ہوئے فرائض ادا کررہا تھا۔

زاہد ابن الحسن کے متعلق یہ انکشاف ہوا کہ اس نے جس ماہر سرجن سے یہ ہنر سیکھا ہے وہ ماہر سرجن بابا صاحب کے ادارے سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد پیرس شہر میں پریکٹس کررہا تھا۔

میں نے ڈاکٹر زاہد ابن الحسن کے دماغ سے بہتیری معلومات حاصل کرنے کے بعد فون پر رابطہ کیا۔ اس نے پوچھا "ہیلو آپ کون ہیں؟"

میں نے کھانستے ہوئے کمزور سی آواز میں کہا "میرے ہونہار شاگرد! میں تمہارا پروفیسر صداقت حسین بول رہا ہوں۔ کیا مجھے پہچان رہے ہو؟"

وہ خوش ہوکر بولا "استادِ معظم پروفیسر صاحب! برسوں کے بعد آپ کی آواز سن رہا ہوں۔ آپ کھانس رہے ہیں، خیریت تو ہے؟"

"میری فکر نہ کرو۔ میرا علاج ہورہا ہے۔ تم سے ایک ضروری بات ہے۔ بابا صاحب کے ادارے سے مجھے ہدایت ملی ہے کہ میں تم سے رابطہ کروں اور یہ درخواست کروں کہ ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد علی تیمور صاحب سے ایک معاملے میں تعاون کریں۔"

"جناب! آپ درخواست کرکے شرمندہ کررہے ہیں۔ آپ حکم کریں۔ پھر فرہاد صاحب اور بابا صاحب کے ادارے کے لئے کوئی کام کرنا میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"ہمارا رابطہ ختم ہوتے ہی وہ تمہارے دماغ میں پہنچ جائیں گے۔"

میں نے استاد کی حیثیت سے اس سے دوچار باتیں کیں۔ پھر ریسیور رکھ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہیلو ڈاکٹر زاہد!"

وہ پہلے تو حیران ہوا، پھر بولا "آپ فرہاد صاحب ہیں؟"

"جی ہاں، ابھی پروفیسر سرجن صداقت حسین صاحب نے آپ سے میرا ذکر کیا تھا۔"

"جناب! آپ کا ذکر تو بڑی مدت سے سنتا آرہا ہوں۔ میرے استاد کچھ نہ کہتے تب بھی آپ کی خدمت کرنا میرے لئے فخر کی بات ہے۔"

میں نے مختصر طور پر یہ بتایا کہ ملک دشمن عناصر سے نمٹنے کے لئے اپنے ایک ماتحت طارق کا چہرہ بدلنا چاہتا ہوں۔ طارق کو کسی کا ہم شکل بنانا ہے اس نے کہا "میں اپنے وطن سے دشمنوں کا ناپاک وجود مٹانے کے لئے دن رات آپ کے کام آتا رہوں گا۔ آپ طارق کو میرے پاس بھیج دیں۔"

"میں بارہ بجے تک اسے بھیج دوں گا۔ آپ شام تک سرجری مکمل کرسکتے ہیں؟"

"جی ہاں، شام سے پہلے ہی آپ کا کام ہوجائے گا۔"

میں شکریہ ادا کرکے پارس کے پاس آیا۔ اسے تمام باتیں بتائیں۔ اس نے کہا "میں نے ڈاکٹر زاہد کا پتا اور فون نمبر ذہن نشین کرلیا ہے وہاں گیارہ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔"

میں آئی جی اکبر درانی کے پاس آیا۔ اس نے کہا "اقبال ٹاؤن میں ایک شخص شمشاد علی رہتا ہے۔ اس کی بیوی پاگل ہے۔ اس کے جوان بیٹے کا نام حماد علی ہے۔ یہ باپ بیٹے ہماری بلیک لسٹ میں ہیں۔ ان کے کئی ٹرک لاہور سے قصور اور بارڈر تک جاتے ہیں۔ پولیس افسروں کی جیبیں گرم کرتے رہتے ہیں۔ اب آپ ہی ان کے اندر گھس کر انہیں سزا دے سکتے ہیں۔"

اس نے فون نمبر بتایا پھر ریسیور اٹھا کر ڈائل کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر شمشاد علی کی آواز سنائی دی۔ اس نے صرف ہیلو کہا، آئی جی نے پوچھا "کیا تم شمشاد علی ہو؟"

"ہاں۔ تم کون ہو؟"

"کیا تم نے مجھے آواز سے نہیں پہچانا؟"

"میں پہیلیاں نہیں بوجھتا۔ فوراً بتاؤ کون ہو؟ اور کس لئے فون کیا ہے؟"

"کیا بچگانہ سوال ہے کہ فون کس لئے کیا ہے؟ بھئی فون باتیں کرنے کے لئے ہوتا ہے اور میں نے باتیں کرنے کے لئے ہی فون کیا ہے۔ اگر تم باتیں نہیں کرنا چاہتے تو یہ لو بند کردیتا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں شمشاد علی کے پاس پہنچ کر اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ آئی جی کی بلیک لسٹ میں ایک ایسے مجرم کی حیثیت سے اس کا نام تھا جو کبھی گرفتار نہیں ہوا کیونکہ لاہور سے قصور تک قانون کے چند اہم محافظ اس کے بھی محافظ تھے۔ ایسے مجرم اندر سے کتنے گہرے ہوتے ہیں یہ ان کے رشوتیں لینے والے افسران بھی نہیں جانتے۔ وہ اتنا جانتے تھے کہ شمشاد علی کے ٹرک میں کبھی کبھی مفرور مجرم چھپ کر سرحد کی طرف جاتے تھے پھر لاپتا ہوجاتے تھے اور کبھی کبھی سرحد پار سے دوچار بندے آتے تھے اور

شمشاد کے بیٹے حماد علی کے ساتھ نہ جانے کہاں چلے جاتے تھے۔ ...کہاں جاتے اور آتے ہیں؟ اور کہاں روپوش ہوجاتے ہیں؟ ...صرف خیال خوانی ہی بتاسکتی تھی۔ یہاں سے سرحد پار جانے ...والے وہ جاسوس ہوتے تھے جو بیمار اور ناقابلِ علاج ہوتے تھے یا ...میں "را" تنظیم کی طرف سے ریٹائر کردیا جاتا تھا یا پھر یہودیوں ...کے مسلمان ایجنٹ بھارت میں ٹریننگ حاصل کرنے جاتے تھے۔ ...میں یہودیوں کی بدنامِ زمانہ "موساد" تنظیم کا ایک ٹریننگ سینٹر ...ہے جہاں اسلامی ممالک کے لالچی اور عیاش مسلمانوں کو حسین ...دوشیزاؤں اور دولت کی افراط سے اپنا ایجنٹ بنا کر لایا جاتا ہے اور ...انہیں اپنے ہی وطن میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی ٹریننگ ...دی جاتی ہے۔

میں نے شمشاد کے دماغ سے اس کے بیٹے حماد کے متعلق ...معلوم کیا۔ پتا چلا کہ وہ ایک صحت مند اور یوگا کا ماہر فائٹر ہے۔ ...اسے مزید ٹریننگ کے لئے جلد ہی بھارت بھیجا جائے گا۔ ابھی وہ گھر ...میں نہیں تھا۔ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔

میں نے شمشاد کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اسے بیٹے کے کمرے ...میں لاکر وہاں بیٹے کی چند تصویریں نکالیں انہیں ایک لفافے میں رکھ ...کر اسے باہر لایا۔ اس کی کار میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار ...ڈرائیو کرتا ہوا ڈاکٹر زاہد ابن الحسن کے دروازے تک پہنچ گیا۔ ...میں نے کار سے اتر کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ ایک ملازم نے ...دروازہ کھول کر پوچھا "آپ کون ہیں؟"

میں نے شمشاد کی زبان سے پوچھا "ڈاکٹر زاہد صاحب ہیں؟"

"وہ تو ہیں، لیکن اپائنٹمنٹ کے بغیر ملاقات نہیں کرتے ہیں۔"

"میرا اپائنٹمنٹ ہے۔ ان سے کہو فرہاد کا ایک ماتحت آیا ہے۔"

"اچھا۔ آپ انتظار کریں۔"

وہ دروازہ بند کرکے ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اسی وقت ایک نوجوان ...کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوا پھر وہ بھی دروازے کی طرف آنے ...لگا۔ میں شمشاد کے دماغ میں اس کا حلیہ معلوم کررہا تھا۔ دن کے ...گیارہ بج چکے تھے اس وقت پارس کو وہاں پہنچنا چاہئے تھا۔ شمشاد ...کی سوچ نے بتایا کہ آنے والا نوجوان پلکیں نہیں جھپک رہا ہے۔ یہ ...پارس کی پہچان تھی۔

اس نے شمشاد سے پوچھا "کیا ڈاکٹر زاہد موجود ہیں؟"

اس کی آواز اور لہجہ سن کر میں نے کہا "ہیلو بیٹے! میں اس ...شخص کے ذریعے بول رہا ہوں۔ اس کا نام شمشاد علی ہے۔ اس ...لفافے میں اس کے بیٹے حماد علی کی تصویریں ہیں۔ میں یہ لفافہ ڈاکٹر ...کو پہنچانے آیا تھا۔"

وہ لفافہ لے کر بولا "کیا مجھے حماد علی کے بہروپ میں رہنا ہے؟"

"ہاں۔ تم ڈاکٹر کو یہ تصویریں دکھاؤ۔ میں شمشاد علی کو ٹھکانے لگا کر آؤں گا۔"

میں نے شمشاد کو لاکر کار میں بٹھایا۔ وہ میری مرضی کے مطابق ڈرائیو کرتا ہوا راوی کی طرف جانے لگا۔ میں نے اس کے دماغ کو ذرا سا ڈھیل دے کر کہا "ہیلو شمشاد! کہاں جارہے ہو؟"

وہ بوکھلا کر بریک لگانا چاہتا تھا۔ میں نے ایسا کرنے نہیں دیا۔ وہ گھبرا کر بولا "مم... میں کار میں کیسے آگیا؟ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟"

"تم نے آج تک جو زندگی گزاری، وہ خواب تھی۔ اگر کچھ حقیقت تھی تو وہ عیاشی تھی جو تم پڑوسی ملک سے ملنے والی دولت پر کرتے رہے اور اب یہ چند سانسوں کی زندگی رہ گئی ہے۔ آرام سے سانس لو اور اپنی عیاشی اور سیاسی دلالی کا حساب کرو۔"

"تم کون ہو؟ کیا یہ ٹیلی پیتھی ہے؟"

"یہ ٹیلی پیتھی مجھے تمہارے جرائم کی طویل داستان سنارہی ہے۔ میں دنیا والوں کو یہ داستان سناؤں گا تو تمہارے چہرے پر شریفانہ نقاب دیکھ کر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ تمہارے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی تو تمہیں پولیس والوں کی پشت پناہی حاصل ہوگی۔ تم نے اپنے خلاف کوئی تحریری ثبوت یا تصویری ثبوت نہیں رہنے دیا ہے۔"

اس نے کئی بار کوشش کی کہ گاڑی روک کر واپس گھر جائے لیکن میں اس کے ارادوں کو ناکام بناتا رہا۔ وہ بولا "میں نے سنا ہے کہ ہمارا ایک ہی دشمن فرہاد ہے' کیا تم وہی ہو؟"

"نام نہ پوچھو۔ موت کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ جلدی فیصلہ کرو' پانی میں ڈوب کر مروگے یا خشکی پر؟"

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے چیخنے لگا "نہیں۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے چھوڑ دو۔ میرے دماغ سے چلے جاؤ۔ مجھ سے سودا کرو۔ میں تمہیں ڈالرز اور پونڈز کی صورت میں منہ مانگی رقم ادا کروں گا۔"

وہ اپنی مرضی سے بول رہا تھا اور میری مرضی سے رفتار بڑھاتا جارہا تھا۔ سامنے سے آئل ٹینکر آرہا تھا۔ رفتار خطرناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ کار اتنی تیزی اور قوت سے ٹکرائی کہ اگلا حصہ پچک کر رہ گیا ہوگا۔ اس کے ٹکڑے ہوگئے ہوں گے۔ میں یہ سب کچھ معلوم نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اس کے مردہ دماغ نے کنٹری بند کردی تھی۔

میں نے ڈاکٹر زاہد کے دماغ میں آکر دیکھا۔ وہ حماد کی تصویریں دیکھ چکا تھا اور سرجری کی تیاری کررہا تھا۔ میں نے پارس کے پاس آکر اسے شمشاد کی موت کی خبر سنائی اور بتایا کہ حماد یوگا کا ماہر ہے۔ یعنی وہ بھی ابوداؤد کی یوگا ٹیم سے تعلق رکھتا ہے۔

"پاپا! حماد کے دماغ کو کمزور بنا کر اس کی ذاتی زندگی کی بھی بہت سی خفیہ باتیں معلوم کرنی ہوں گی۔"

میں نے کہا "حماد گھر میں نہیں تھا۔ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اب باپ کی آخری رسومات ادا کرنے آئے گا تو اسے ٹریپ کیا جائے گا۔"

وہ بولا "رخسانہ کے گھر والے اور حماد ایک ہی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس تعلق سے وہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے۔ ہوسکے تو آپ رخسانہ کے ذریعے حماد کی گفتگو سنیں۔ اسے دماغی کمزوری میں مبتلا کرنے کے سلسلے میں رخسانہ سے تعاون حاصل ہوگا۔"

یہ مشورہ مناسب تھا۔ وہ سلمان کی معمولہ تھی۔ اپنے عامل کے سوا کسی بھی پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرکے سانس روک سکتی تھی۔ میں سلمان کی سوچ کا لہجہ اپنا کر اس کے دماغ میں پہنچ گیا اور اس کے خیالات پڑھنے لگا۔

وہ پچھلی رات گھر سے باہر رہنے کے بعد دن کے دس بجے واپس آئی تھی۔ اس کی بہن ریحانہ اور باپ رانا حمید نے اسے دیکھ کر گلے لگالیا۔ وہ منصوبے کے مطابق رونے لگی۔ اغوا کرنے والے سرتاج کو برا بھلا کہنے لگی۔ باپ نے کہا "ہم نے کل کئی بار تمہیں فون کیا پھر نعمان لیبارٹری گئے تو وہاں تمہارا موبائل ٹیلی فون ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ وہ بدمعاش تمہیں کہاں لے گیا تھا؟"

وہ بولی "میں اسے لنچ کے لئے جمشید بھائی کے پاس پرل کان میں لانا چاہتی تھی لیکن وہ مجھے گوجرانوالہ لے گیا۔ میں بالکل مجبور ہوگئی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے ایک ہاتھ میں لائٹر بم پکڑے رہتا تھا۔"

ریحانہ نے کہا "ہمارے آدمی گوجرانوالہ کی طرف بھی گئے تھے۔ پورے شہر میں ڈھونڈتے پھرے۔ تمہاری گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔"

جمشید نے کمرے میں داخل ہوکر کہا "گاڑی وہاں سے بیس کلومیٹر دور ایک کچے راستے پر پائی گئی ہے۔"

رخسانہ نے کہا "ابھی میں یہی بتانے جارہی تھی کہ اس نے گاڑی کو وہاں چھوڑ دیا تھا پھر پختہ سڑک پر ایک رکشا مل گیا۔ مجھے رکشا میں بٹھا کر ایک ہوٹل میں لے آیا۔ وہاں اس نے زنا کے لئے کمرا کرائے پر لے کر......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی' بڑی بہن ریحانہ اسے سینے سے لگا کر تھپکنے لگی۔ جمشید نے غصے سے کہا "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرے سوالوں کا جواب دو۔ کیا وہ پیشہ ور بدمعاش تھا؟"

وہ بولی "میں کیا جواب دوں۔ آج کل تو معمولی سڑک چھاپ بدمعاشوں کی جیبوں میں بھی بم اور پستول ہوتے ہیں۔"

جمشید نے کہا "آدمی کو اس کی گفتگو سے پہچانو۔ کیا تمہیں ٹریننگ نہیں دی گئی ہے؟"

"وہ بہت سلیقے سے بولتا تھا۔ بہت تعلیم یافتہ اور اونچے خاندان کا لگتا تھا۔ انگریزی اچھی طرح بول نہیں پاتا تھا لیکن انگریز بننے کی کوشش کرتا تھا۔"

وہ پارس کے سلسلے میں اصل باتیں چھپارہی تھی اور الٹے سیدھے جوابات دے رہی تھی۔ ریحانہ نے کہا "جمشید بھائی کل سے پریشان ہے۔ اسے آرام سے نیند پوری کرنے دیں۔"

وہ بولا "رخسانہ سے مجھے بھی پیار ہے۔ مجھے بھی اس کی پریشانیوں کا خیال ہے لیکن یہ خیال پریشان کررہا ہے کہ وہ فرہاد کا آلۂ کار نہ ہو۔"

رخسانہ نے کہا "اگر وہ فرہاد کا آلۂ کار ہوتا تو میرے دماغ کو کمزور بنایا جاتا لیکن میں بالکل نارمل ہوں۔ معمول کے مطابق منٹ تک سانس روک سکتی ہوں۔ آپ آزمالیں۔"

"میں اپنی بہن پر اندھا اعتماد کرتا ہوں مگر ہماری تنظیم کی بھلائی کے لئے بریدنگ بیگ سے منسلک ہوکر سانس روکو۔"

ان کی کوٹھی کے ایک کمرے میں جمنازیم کا سامان تھا۔ ورزشی مشقوں سے گزرنے کے لئے ایک اسٹاپ واچ تھی جس کے ذریعے سانسیں روکنے کا صحیح وقت معلوم ہوتا تھا۔ جس طرح اسپتال میں آپریشن کے وقت مریض کی سانسوں کا اندازہ کرنے کے لئے بریدنگ بیگ ہوتا ہے ویسا ہی ایک بیگ وہاں بھی تھا۔

رخسانہ اپنی بہن اور بھائی کے ساتھ آکر بیگ کے پاس بیٹھ گئی۔ ایک آکسیجن ماسک کو اپنے منہ پر چڑھالیا۔ اس ماسک کی نلکی بریدنگ بیگ سے منسلک تھی۔ رخسانہ کے سانس لینے سے بریدنگ بیگ پچکتا تھا اور سانس چھوڑنے سے بیگ پھول جاتا تھا۔

اگر رخسانہ فریب دینے کے لئے چپکے سے ذرا سی سانس بھی لیتی تو اس بیگ کے پھولنے اور پچکنے سے چوری پکڑی جاتی۔ جمشید نے اسٹاپ واچ لے کر کہا "سانس روکو۔"

اس نے سانس روکی۔ جمشید نے واچ کا بٹن دبایا۔ گھڑی کا کانٹا سیکنڈ کے حساب سے حرکت کرنے لگا۔ ربڑ کا بیگ پھولا ہوا بالکل ساکت تھا اور بتا رہا تھا کہ رخسانہ سانس نہیں لے رہی ہے۔ ایک ایک سیکنڈ کرکے پہلے ایک منٹ گزرا پھر دو منٹ پھر تیسرے منٹ کے ختم ہوتے ہی ربڑ کا بیگ پھولنے اور پچکنے لگا۔ وہ سانس لے رہی تھی۔

جمشید نے مطمئن ہوکر کہا "تھینکس گاڈ! تمہارے دماغ میں نہ کوئی خیال خوانی کرنے والا آیا ہے اور نہ کوئی آسکے گا۔ جاؤ آرام کرو۔"

وہ اپنی خواب گاہ میں آئی۔ پہلے اس نے غسل کیا پھر بستر پر سوگئی۔ جب میں پہنچا تو وہ گہری نیند میں تھی۔ میں نے اس کے سوئے ہوئے دماغ سے پوچھا "شمشاد علی اور اس کے بیٹے حماد کو جانتی ہو؟"

"اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

"اچھا خوبرو' اسمارٹ جوان ہے۔ ایسے کتنے ہی جوان میرا دل جیتنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"ہمیں دماغ سے کام لینے کی ٹریننگ دی گئی ہے اور یہ سکھایا گیا ہے کہ کس طرح کام کے آدمیوں کو لبھانا چاہئے اور کس طرح کسی تنہائی میں آنے سے پہلے ٹرخانا چاہئے' میں کسی کو گھاس نہیں ڈالتی۔"

میں نے کہا "سرتاج سے تمہارا عشق چھپا نہیں رہے گا۔"

"تنظیم سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کو اجازت ہے کہ وہ خفیہ عشق کریں۔ لیکن یونیورسٹی کے جوانوں اور سرکاری اہم افسروں کے سامنے خود کو کنواری ظاہر کریں۔ میرا سرتاج دوسرے بہروپ میں آئے گا تو میرے گھر والوں کو اور تنظیم کے چیف کو ہماری دوستی پر اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ کنواری لڑکیاں جلدی بہکتی ہیں اور ایک غلطی کے بعد دوسری غلطیاں کرتی جاتی ہیں۔ اس لئے ہمیں جذباتی طور پر درپردہ آزاد رہنے کی اجازت ہے۔"

میں نے پوچھا "حماد تنظیم کی کون سی ذمے داریاں پوری کرتا ہے؟"

"وہ بھارتی سراغ رسانوں کی رہائش کا انتظام کرتا ہے۔ انہیں پاکستانی شہری ثابت کرنے کے لئے ان کے ڈومیسائل اور شناختی کارڈز بنواتا ہے۔ ان شعبوں کے افسران سے دوستی رکھتا ہے۔ ان کی جیبیں گرم کرتا ہے۔"

"وہ زیادہ وقت کہاں گزارتا ہے؟"

"ایسے ہی افسروں کے دفاتر یا گھروں میں جاتا رہتا ہے۔"

"ایسے افسران کے نام اور فون نمبر یاد ہوں تو بتاؤ۔"

وہ بولی "ایسے افسران سے ہمارا بھی کام نکلتا رہتا ہے۔ اس لئے ان کے نام اور فون نمبر ڈائری میں درج ہیں' مجھے یاد نہیں ہیں۔"

"ڈائری خواب گاہ میں ہے؟"

"ہاں اسی کمرے میں میز پر ہے۔"

"دو منٹ کے لئے آنکھیں کھول کر اٹھو۔ میز کے پاس جاؤ۔ ڈائری کھول کر متعلقہ افسروں کے فون نمبر پڑھو۔"

اس نے میری ہدایات کے مطابق آنکھیں کھول دیں۔ بستر سے اٹھ کر میز کے پاس آئی' ڈائری کو اٹھا کر کھولا' ان افسران کے نمبر تلاش کرتی گئی اور پڑھتی گئی۔ میں نے وہ تمام نمبر نوٹ کرلئے۔

وہ ڈائری بند کرکے میز پر سے اٹھ گئی۔ وہاں سے چلتی ہوئی پلنگ کے پاس آئی۔ دو منٹ پورے ہورہے تھے۔ اس نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ پھر گہری نیند میں دوبارہ ڈوب گئی۔

میں نے اپنی جگہ حاضر ہوکر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔ ان میں سے ایک نمبر ڈائل کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی کی آواز سن کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ شناختی کارڈ جاری کرنے والا ایک افسر تھا۔ حماد سے اچھی خاصی رقم لے کر اس کی فرمائش کے مطابق مطلوبہ شناختی کارڈز بنادیتا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ حماد ایک گھنٹا پہلے آیا تھا۔ ایک اجنبی شخص کا ڈومیسائل حاصل کرنے گیا ہے۔

میں نے اس آفس انچارج کے نمبر ڈائل کئے جو رشوت لے کر کسی انکوائری کے بغیر ڈومیسائل بنوادیتا تھا۔ اس طرح "را" تنظیم کے سراغ رسانوں کو پاکستانی شہریت حاصل ہوجاتی تھی۔ ان سراغ رسانوں کے لئے لاہور گیٹ وے آف پاکستان تھا۔ وہ یہاں آکر پاکستانی شہری کی حیثیت سے اپنی پوزیشن مضبوط کرتے تھے' پھر اسلام آباد کی طرف روانہ ہوجاتے تھے۔

اس آفس انچارج کے سامنے میز کے دوسری طرف حماد بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا "مسٹر خالد! میں کام کرنے کا منہ مانگا معاوضہ دیتا ہوں۔ ادھر زبان کھولتے ہو اُدھر ہاتھ پر رقم رکھ دیتا ہوں۔ پھر آج کل میرے کام میں دیر کیوں ہورہی ہے؟"

"حماد صاحب! یہ مجھ اکیلے کا کام ہوتا تو ڈومیسائل کے کاغذات پر فوراً ہی دستخط کرکے دے دیتا لیکن ہمارے بڑے صاحب لوگ فرہاد سے سہمے ہوئے ہیں۔ ایسے ہلاک کرتا ہے کہ قتل نہیں خودکشی کا کیس معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے بڑے صاحب لوگ ایسی خودکشی نہیں چاہتے اس لئے اچھی طرح جانچ پڑتال کے بعد کاغذات پر دستخط کرتے ہیں تاکہ فرہاد کبھی ان کے دماغوں میں آئے تو وہ دیانت دار اور فرض شناس افسر کہلائیں۔"

حماد نے کہا "انہیں سمجھاؤ، فرہاد اس شہر سے جا چکا ہے اور جب تک ہم صوبہ سرحد میں اسے نئے مسائل میں الجھاتے رہیں گے وہ ادھر واپس نہیں آسکے گا۔"

"بہتر ہے، تم دروازہ کھول کر اندر جاؤ اور بڑے صاحب سے مل لو۔ یہ فرہاد والی بات انہیں سمجھاؤ۔ میری عقل تو یہی تسلیم نہیں کرتی ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے دماغ میں گھس جاتا ہے۔"

اس نے انٹرکام کے ذریعے اپنے افسر سے رابطہ کیا، پھر کہا۔ "سر! مسٹر حماد آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

افسر نے کہا "یہ خالق صاحب ابھی میرے پاس سے اٹھ کر جارہے ہیں۔ ان کے بعد حماد کو بھیج دینا۔"

افسر نے انٹرکام کا بٹن آف کرکے سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے کہا "خالق صاحب! آپ کی بھاگ دوڑ سے یہ ریوالور اور لائسنس مل گیا۔ ورنہ حکومت نے نئے لائسنس جاری کرنے پر سختی سے پابندی لگائی ہے۔"

خالق نے اٹھ کر کہا "رحمان صاحب! ہم تو آپ کے خادم ہیں۔ یہ جو قانونی پابندیاں ہوتی ہیں نا، یہ عوام کے لئے ہوتی ہیں۔ آپ جیسے خاص بندوں کے لئے یہ ریوالور کیا چیز ہے۔ حکم کریں تو توپ کا لائسنس لا کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔"

اس بات پر دونوں نے قہقہہ لگا کر مصافحہ کیا۔ خالق کمرے سے باہر جانے لگا۔ رحمان صاحب نے نیا ریوالور اٹھا کر خوش ہوتے ہوئے اسے دیکھا حماد نے آکر سلام کیا۔ پھر مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "رحمان صاحب! ہمیں بھی حکم دیں۔ یہ ریوالور کیا چیز ہے۔ میں ٹی ٹی گن لا کر دے دوں۔"

رحمان صاحب نے ناگواری سے کہا "میں نے یہ ریوالور ذاتی حفاظت کے لئے حاصل کیا ہے۔ ٹی ٹی اور کلاشنکوف تمہارے جیسے بدمعاشوں کے لئے ہوتے ہیں۔"

حماد نے غصہ برداشت کرتے ہوئے پوچھا "آپ نے کس ثبوت کی بنا پر مجھے بدمعاش کہا ہے؟ افسر کی کرسی پر بیٹھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ سامنے والے کی عزت نہ کریں۔"

"بکواس مت کرو۔ کس لئے آئے ہو؟"

"میں نے اپنے ایک کزن کے ڈومیسائل کے کاغذات پُر کرکے آپ کے پاس پہنچائے تھے۔ ان کاغذات کے پیچھے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ تھے۔"

"آہستہ بولو، کیا مجھے مروانا چاہتے ہو۔"

"آپ کو قانون آج تک نہ مار سکا۔ پھر کس سے ڈرتے ہیں؟ فرہاد سے؟"

"میں نے فرہاد کی بہن کے دروازے پر ٹیلی پیتھی کے ذریعے مرنے والوں کا تماشا دیکھا ہے۔ اس کے بعد خود تماشا نہیں بننا چاہتا۔"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ فرہاد پشاور میں ہے اور ہم اسے ادھر آنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

رحمان صاحب نے میری مرضی کے مطابق کہا "فرہاد ہزاروں میل دور رہ کر بھی شہ رگ کے قریب رہتا ہے۔ ابھی وہ اچانک میرے دماغ میں گھس آئے اور میری مرضی کے خلاف یوں ریوالور اٹھالے۔"

اس نے بے اختیار ریوالور اٹھالیا پھر کہا "اور یوں ریوالور کا رخ تمہاری طرف کرے۔"

اس نے ریوالور کی نال حماد کی طرف کردی۔ پھر کہا "مسٹر حماد! تم یہی سمجھو گے کہ یہاں فرہاد نہیں ہے۔ یہ رحمان تمہیں فرہاد سے ڈرا رہا ہے لیکن جب گولی چل پڑے گی اور ایسے چل پڑے گی تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔"

اس نے ٹریگر کو دبادیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ گولی کھال سے گزر گئی۔ حماد کراہتے ہوئے اپنا زخمی بازو تھام کر ڈگمگایا پھر سنبھل کر بولا "تم... تم نے مجھ پر گولی چلائی ہے۔ اس کا انجام جانتے ہو؟"

میں حماد کے اندر پہنچ گیا۔ وہ افسر پریشان ہو رہا تھا کہ گولی کیسے چل گئی؟ دفتر کے لوگ فائر... کی آواز سن کر دوڑتے ہوئے آئے تھے۔ افسر نے کہا "منہ کیا دیکھتے ہو۔ جلدی جاؤ فرسٹ ایڈ باکس لاؤ۔"

پھر وہ ریوالور کو دراز میں رکھ کر حماد کے پاس آیا اور بولا "مجھے معاف کردو۔ بالکل اچانک ہی بالکل بے خیالی میں گولی چل گئی۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ ہم تو اچھے دوست ہیں۔ میں ابھی دستخط کرکے وہ ڈومیسائل دوں گا۔"

وہ بولا "کوئی بات نہیں۔ آپ میرا کام کرکے گویا زخم پر مرہم لگادیں گے۔"

ایک شخص فرسٹ ایڈ باکس لے آیا۔ زخم کی مرہم پٹی کی جانے لگی۔ ایک ہیڈ کلرک نے پوچھا "سر! یہ کیسے ہوگیا؟"

حماد نے افسر کے کچھ کہنے سے پہلے وضاحت کی "بھئی کچھ نہیں ہوا ہے۔ جب میں نے بھی پہلی بار ایک پستول کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو اندر سے خواہش ہو رہی تھی کہ اسے چلا کر دیکھوں۔ انسانی فطرت ہے، ہتھیار ہاتھ آئے یا طاقت، وہ کسی طرح بھی طاقتور ہو کر بے اختیار اس طاقت کو استعمال کرتا ہے۔"

افسر نے کاغذ دستخط کرکے دے دیے۔ میں حماد کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ ابھی اسے باپ کی موت کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ کار ایکسیڈنٹ میں اس کے جسم کے ٹکڑے ہوگئے تھے۔ وہ ناقابل شناخت ہوگیا تھا۔ کار کے نمبروں سے سراغ لگایا جا رہا تھا کہ وہ کار کس کی ملکیت تھی۔

حماد کے خیالات بتا رہے تھے کہ گھر میں اس کے بیڈ روم کے اندر کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔ الماری کی چابیاں کار کے ڈیش بورڈ والے خانے میں تھیں۔ الماری کے اندر جو چھوٹا سا سیف

تھا‘ وہ مخصوص نمبروں سے کھلتا تھا۔ اس سیف میں ملکی اور غیر ملکی بینکوں ... چیک بکس‘ لاکرز کی چابیاں اور اہم دستاویزات تھیں۔ الماری میں ایک البم تھا۔ جس میں دوست احباب کی تصویریں تھیں۔

چونکہ یوگا کا ماہر تھا اس لئے شراب اور سگریٹ سے پرہیز کرتا تھا۔ حمیرا نامی ایک لڑکی سے دوستی تھی۔ میں نے اسے کار ڈرائیو کرکے ڈاکٹر زاہد کے گھر جانے پر مجبور کیا۔ وہاں پارس کا چہرہ تبدیل ہوچکا تھا۔ میں نے حماد کی زبان سے ڈاکٹر زاہد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ڈاکٹر! میں حماد کو لے آیا ہوں۔ آپ اپنے حماد سے اس کا موازنہ کرلیں۔"

پھر پارس سے کہا "اس کی بول چال کی اسٹڈی کرو۔ اور اس کے دستخط کی نقل کرو۔ میں ایک منٹ کے لئے اس کے دماغ سے جارہا ہوں تم اسے قابو میں رکھو۔"

میں نے سلمان کے پاس آکر کہا "میرے دماغ میں آؤ۔ میں حماد نامی ایک جوان کے دماغ میں تمہیں پہنچاؤں گا۔ پارس وہاں حماد کی حیثیت سے رہنے والا ہے۔ تم اس کے دماغ پر قبضہ جماکر اسے غافل رکھوگے۔"

میں سلمان کے ساتھ آیا۔ حماد اس وقت پارس پر حملے کررہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے پارس سے کہا "میں آگیا ہوں۔ اب یہ تم سے نہیں لڑے گا۔"

اس نے کہا "آپ اسے کچھ دیر لڑنے دیں۔ میں اس کے حملہ کرنے اور لڑنے کا اسٹائل دیکھ رہا ہوں۔"

سلمان نے کہا "میں اس کے اندر رہوں گا۔ آپ اپنا کام کریں۔"

میں نے کہا "اس سے حمیرا نامی لڑکی کے نمبر ڈائل کراؤ۔"

حماد نے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہوا۔ حمیرا کی آواز سنائی دی‘ سلمان نے حماد سے ریسیور رکھوادیا۔ میں حمیرا کے پاس آگیا۔

حمیرا کے پاس آکر معلوم ہوا کہ وہ کیا ہے؟ آخری قیامت ہے؟ روزِ ازل سے جو عورت کی مکاریاں چلی آرہی ہیں‘ وہ ان کی ابتدا اور انتہا ہے۔ وہ صرف دولت چاہتی تھی اور دولت کے لئے کچھ بھی کرسکتی تھی۔

اس نے سات برس کی عمر میں اپنی ماں کو ایک دولت مند کے ہاتھوں بکتے دیکھا۔ وہ داشتہ بن کر دو بیٹیوں کی پرورش کرتی تھی۔ جب اس نے دسویں جماعت پاس کی تو ماں مرگئی۔ بڑی بہن بکنے لگی۔ ایسے حالات اسے غصہ اور جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتے تھے اور وہ سوچتی تھی کہ کیا ہمارا پورا خاندان جسم کی قیمت لگاکر زندگی کی سانسیں خریدنے کے لئے پیدا ہوا ہے؟

اس نے آنکھ کھولتے ہی اپنے خاندان میں کوئی مرد نہیں دیکھا تھا۔ باپ مرچکا تھا کوئی بھائی نہیں تھا۔ ماں کماکر انہیں کھلاتی اور پڑھاتی تھی ماں کے بعد بڑی بہن نے اس کی تعلیم جاری رکھی۔ اس نے ماں اور بہن سے یہ بنیادی باتیں سیکھیں کہ کسی مرد پر بھروسا نہیں کرنا چاہئے۔ کسی بھی دولت مند کو ایک غریب لڑکی کے مستقبل اور اس کی عزت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ صرف اس کے گورے بدن سے دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ قسموں اور وعدوں سے سبز باغ دکھاتے ہیں۔ ماں اور بہن دونوں نے کہا تھا ذہ عورت قیمتی اور انمول ہوتی ہے جو اپنی جوانی کی ہوا لگنے دیتی ہے لیکن بدن کو ہاتھ لگانے نہیں دیتی۔ یہ الگ بات ہے کہ ماں اور بہن نے حالات سے مجبور ہوکر خود کو سستا کردیا تھا۔ حمیرا نے قسم کھائی تھی کہ وہ بہت مہنگی اور ناقابلِ خرید بن کررہے گی۔

یونیورسٹی میں اس کی دوستی شاہد زمان سے ہوئی۔ وہ اسٹوڈنٹس یونین کا جنرل سیکریٹری تھا۔ وہ تعلیم سے کم اور سیاست سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے ایک خفیہ تنظیم سے اچھی خاصی رقم ملتی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس تنظیم کی جڑیں "را" سے ملتی ہیں۔ اس کی مخالف یونین کا جنرل سیکریٹری ایک جوان عباس واحدی تھا۔ یونیورسٹی میں دونوں اسٹوڈنٹس یونین کا تصادم ہوتا رہتا تھا۔ لیڈرشپ میں عباس واحدی تگڑا تھا۔ آثار بتارہے تھے کہ شاہد زمان کے طلبا ساتھی آئندہ الیکشن تک رفتہ رفتہ عباس واحدی کی طرف چلے جائیں گے۔ یہ بات اسے پریشان کررہی تھی۔ وہ کسی بھی طرح عباس واحدی کو لیڈرشپ کی سطح سے نیچے گرانا چاہتا تھا۔

حمیرا نے پوچھا "اگر میں عباس کو بدنام کردوں اور اسے مُنہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑوں تو کیا انعام دوگے؟"

"تم جو مانگوگی ‘ وہ دوں گا۔ میں اسے ذلیل کرنے کے لئے ہزاروں روپے خرچ کرسکتا ہوں۔"

"مجھے کتنے ہزار دے سکتے ہو؟"

"پورے دس ہزار دوں گا۔"

"میں اسے مُنہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ میں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ اتنی بڑی قربانی مول لینے کا معاوضہ صرف دس ہزار؟"

"بے شک یہ تمہاری عزت کا معاملہ ہے۔ میں پچیس ہزار دوں گا۔"

"تم اتنی بڑی بڑی رقمیں کہاں سے لاتے ہو؟"

"میرا باپ بہت دولت مند ہے۔ تم میری دولت کا حساب نہ کرو۔ اپنے فائدے پر نظر رکھو۔"

"تمہارا کام کرنے میں فائدے سے زیادہ نقصان ہے۔ تم رقم اور بڑھاؤ‘ جو کہتی ہوں وہ کرتے جاؤ تو عباس واحدی کو یونیورسٹی سے نکلوادوں گی۔"

وہ خوش ہوکر بولا "تم اسے یونیورسٹی سے نکلوادو تو میں تم پر قربان ہوجاؤں گا۔ چالیس ہزار دوں گا۔"

"کل بیس ہزار سے بینک میں میرا اکاؤنٹ کھلوادو۔ مجھے بینک میں ایک لاکر بھی چاہئے۔"

دوسرے دن بینک میں اس کا اکاؤنٹ کھل گیا۔ ایک لاکر بھی حاصل ہوگیا۔ وہ اپنے گریبان میں ایک چھوٹا سا پاکٹ کیسٹ ریکارڈر چھپاکر رکھتی تھی اس سے دو فائدے حاصل کرتی تھی۔ ایک تو کلاس پروفیسروں کے لیکچر ریکارڈ ہوجاتے تھے۔ جنہیں گھر میں بیٹھ کر سکون سے سنتی تھی‘ لکھتی تھی اور یاد کرتی تھی۔ دوسرے اس نے دیکھا تھا کہ لوگ اپنی زبان سے کہی ہوئی باتوں سے مکر جاتے ہیں اس کی ماں اور بہن سے وعدہ کرنے والے وعدے بھولتے رہے تھے۔ یہ سبق اس نے حاصل کیا تھا اس لئے جو اس سے لگاوٹ کی باتیں کرتا تھا۔ وہ باتیں اس کے گریبان کے اندر ریکارڈ ہوجاتی تھیں۔

اس کے چاہنے والوں میں عباس واحدی بھی تھا۔ اگرچہ سنجیدہ اور ذہین طالب علم تھا لیکن آدم کا بیٹا تھا۔ سینے میں دل اور دل میں کسی کو چاہنے اور کسی سے چاہے جانے کی آرزو رکھتا تھا۔ اور یہ آرزو حمیرا سے پوری کرنا چاہتا تھا۔ حمیرا کے پاس جو کیسٹ تھے ان میں عباس واحدی کے بے شمار محبت بھرے مکالمے ریکارڈ ہوچکے تھے۔

ایک دن اس نے دل سے مجبور ہوکر کہا "حمیرا! میں تم سے تنہائی میں ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی "تنہائی میں ملنے والی لڑکی بدنام ہوجاتی ہے۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں بدنام نہیں ہونے دوں گا۔ کل ایک بجے کلاس ختم ہوجائے گی۔ اس کے بعد لیبارٹری خالی رہتی ہے۔ میں ایک بجے کے بعد وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"وعدہ کرو۔ مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے تو آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے‘ دل پر جبر کروں گا اور تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

اسی شام حمیرا نے شاہد زمان سے ملاقات کی۔ اسے ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے عباس واحدی کی باتیں سنائیں۔ وہ خوش ہوکر بولا "کل تم اس سے لیبارٹری میں ملنے جاؤگی؟"

"ہاں جب لیبارٹری کے اندر چلی جاؤں تو ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد تم دو ایک پروفیسروں اور چند طلبا و طالبات کو لے کر چلے آنا۔ میں ایسا ڈراما کروں گی کہ اسی دن یونیورسٹی سے عباس واحدی کی چھٹی ہوجائے گی۔"

"میری جان! تم تو کمال کررہی ہو۔"

"کمال دکھانے کی قیمت ہوتی ہے۔ کل صبح دس بجے تک میرے اکاؤنٹ میں پچاس ہزار جمع کردو۔"

"کیا!" وہ چونک کر بولا "چالیس میں بات طے ہوئی تھی‘ بیس ہزار دے چکا ہوں۔ بیس اور دوں گا۔ تم پچاس کا مطالبہ کرکے پورے ستر ہزار وصول کرنا چاہتی ہو۔"

"میں چالیس ہزار عباس واحدی کے سلسلے میں لے رہی ہوں اور تیس ہزار تمہیں بدنامی سے بچانے کے لئے مانگ رہی ہوں۔"

"کیسی بدنامی؟"

حمیرا نے ریکارڈر سے پہلا کیسٹ نکال کر دوسرا کیسٹ لگایا پھر اسے آن کرکے سنایا۔ اس میں وہ باتیں ریکارڈ کی ہوئی تھیں جو شاہد زمان اپنے مخالف عباس کے متعلق کہتا رہا تھا۔ پھر وہ معاملات بھی تھے جو اس نے حمیرا سے چالیس ہزار میں طے کئے تھے۔ وہ کیسٹ سننے کے بعد شاہد کو بھی یونیورسٹی سے نکالا جاسکتا تھا۔ اگر وہ اپنے ذرائع استعمال کرکے وہاں رہ بھی جاتا تو یونین کا لیڈر نہ رہتا۔ طلبا اور طالبات ایسے طالب علم کو کوئی عہدہ نہ دیتے جو کسی پر کیچڑ اچھالنے اور کسی کو یونیورسٹی سے نکالنے کے لئے پانی کی طرح رقم خرچ کرتا ہے۔

اس نے حمیرا سے ریکارڈر چھین کر کہا "تم مجھے بلیک میل کروگی؟ تم ہو کیا چیز؟ میں ایک چٹکی میں تمہیں چیونٹی کی طرح مسل دوں گا۔"

"تم نہ بھی کہو تو میں سمجھتی ہوں کہ ایک کمزور لڑکی ہوں‘ کوئی بھی مرد مجھے چٹکی میں مسل سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اپنے لباس میں پستول چھپاکر رکھتے ہو۔ چھپ کر مجھے قتل کرسکتے ہو۔"

"بے شک کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ کس نے تمہیں حرام موت مارا ہے۔ یہ تمہارا کیسٹ اور ریکارڈر اب میرے پاس رہے

گا۔"

"میں نے ایک تحریر اپنے لاکر میں رکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ میرے قتل یا حادثاتی موت کی ذمے داری شاہد زمان پر ہوگی۔ وہ مجھے بھاری معاوضہ دے کر غیر قانونی کام کراتا ہے۔ لاکر میں جو کیسٹ رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں سن کر یقین ہو جائے گا کہ یونیورسٹی کے ایک جوان کو صرف بدنام کرنے کے لئے وہ چالیس ہزار کی خطیر رقم ادا کرتا ہے۔"

وہ غصے سے بولا "اچھا تو تم نے اسی لئے لاکر حاصل کیا تھا اور ان کیسٹوں کی نقلیں لاکر میں ہیں۔"

"نقل تو تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ لاکر میں اصل ہیں۔"

"تمہیں یہ سمجھ ہے کہ خطرات سے کھیل رہی ہو؟"

"میں کمزور عورتوں کی طرح عزت بیچ کر نہیں' خطرات سے کھیل کر مرنا چاہتی ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو' مجھے قتل کرو گے یا کل صبح دس بجے بینک میں ملو گے۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔ دوسری صبح وہ بینک میں پہنچی تو وہاں رخسانہ تھی۔ مسکرا کر حمیرا سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی "تم نے شاہد کی چھٹی کرادی لیکن میں تمہارے پچاس ہزار لائی ہوں اور یہ تمہارا ریکارڈر بھی' اسے شاہد چھین کر لے گیا تھا۔"

حمیرا نے کہا "تم شاہد کی اسٹوڈنٹس یونین کی سیکریٹری ہو' کیا اس کی طرف سے یہ رقم لائی ہو؟"

"ابھی کوئی سوال نہ کرو۔ یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کراؤ اور آج عباس واحدی کا ڈراپ سین کردو۔ اس کے بعد میں تمہیں ایسا کام دوں گی جس کا معاوضہ ایک لاکھ سے کم نہیں ہوگا۔"

اس نے رقم جمع کرادی۔ رخسانہ کے ساتھ یونیورسٹی آئی' ایک بجے عباس واحدی لیبارٹری میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بولا "پتا نہیں تم میں کیا بات ہے۔ دن رات تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔"

وہ بولی "جب لڑکی سامنے ہو اور کوئی تیسرا نہ ہو تو سوچنا نہیں چاہئے۔ تم سوچنے کے علاوہ بھی کچھ کر سکتے ہو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "میں نہیں سمجھا۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ میری ایک نفسیاتی کمزوری ہے۔ میری یہ شدید خواہش ہے کہ میرے پاس آنے والا درندہ بن جائے اور میرے کپڑے پھاڑ ڈالے۔"

"یہ.... یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"دیکھو ایسے" حمیرا نے اپنی ایک آستین پھاڑ ڈالی۔ پھر پوچھا "کیا یہ دوپٹہ پھاڑ سکتے ہو۔ اسے لو' پھاڑو....."

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنے دوپٹے کو پھاڑتے ہوئے بولی "خبردار! مجھے ہاتھ نہ لگانا۔"

پھر اس کا گریبان پکڑ کر چیخنے لگی "چھوڑو' مجھے چھوڑ دو۔ کمینے، شیطان! کیا تو نے اسی لئے یہاں بلایا تھا۔"

بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ وہ "بچاؤ بچاؤ" کہتی اور دوڑتی ہوئی آکر ایک پروفیسر کے قدموں میں گر پڑی۔ کتنے ہی طلبا و طالبات وہاں موجود تھے۔ دوسرے پروفیسر نے کہا "عباس! ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے' تمہارے جیسا ذہین اسٹوڈنٹ ایسی گری ہوئی حرکت کرے گا۔ آفس میں آؤ۔"

تمام طلبا اور طالبات عباس واحدی کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد عباس واحدی کو پرنسپل کی طرف سے ایک کاغذ ملا جس پر لکھا تھا کہ آپ کی بدچلنی کے باعث یونیورسٹی سے نکالا جا رہا ہے۔ اس کی ایک نقل وزارتِ تعلیم کو بھیجی جا رہی ہے اور درخواست کی جا رہی ہے کہ ایک سال تک عباس واحدی کو ملک کی کسی یونیورسٹی اور کالج وغیرہ میں داخلہ نہ ملے۔"

عباس نے وہ کاغذ لے کر بڑے دکھ سے حمیرا کو دیکھا۔ حمیرا نے منہ پھیر لیا۔ رخسانہ کے ساتھ اس کی کار میں آکر بیٹھ گئی۔ رخسانہ نے کہا "آج تم نے کمال کردیا ہے۔ عباس واحدی ہمارے راستے کا بہت بڑا پتھر تھا۔ کیا تم ہمارے لئے کام کرو گی؟"

"تم نے کہا تھا کسی کام کے لئے ایک لاکھ روپے مل سکتے ہیں۔ اگر یہ معاوضہ ہے تو ضرور کروں گی۔"

"کیا تم ایک شخص کی بہن اور ایک ماں کی بیٹی بن کر رہ سکتی ہو؟"

"وہ شخص کون ہے؟"

"تمہیں رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائے گا۔ اس کام کے لئے تمہیں اپنے گھر سے رابطہ ختم کرنا ہوگا۔ تم کسی رشتے دار سے نہیں ملو گی۔ انہیں دور سے دیکھ کر کترا جاؤ گی۔"

"میری ایک ہی بہن ہے۔ میں اسے سمجھا دوں گی تو وہ مجھ سے نہیں ملے گی لیکن یہ سلسلہ کب تک رہے گا؟"

"سال دو سال تک رہے گا۔ اگر تمہاری کارکردگی بہتر رہی تو یہ سلسلہ طویل ہوتا جائے گا۔"

"یہ تو کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے۔"

"تم نے جس چالاکی سے عباس واحدی کو یونیورسٹی سے نکلوایا اور ہماری یونین کے لئے میدان ہموار کیا پھر بیک وقت شاہد زمان کو بلیک میل کیا۔ تمہارا یہ طریقہ کار اور مکاریاں ہمارے باس کو بہت پسند آئی ہیں۔"

"باس؟"

"ابھی تم نے ریکارڈر اپنے گریبان میں نہیں چھپایا ہے۔ میری آواز ریکارڈ نہیں ہو رہی ہے اس لئے تمہیں راز کی بات بتا رہی ہوں۔ میرا تعلق ایک ایسی تنظیم سے ہے جو موجودہ حکومت کے خلاف سرگرم رہتی ہے۔ کیا تم ایسی سرگرمی میں حصہ لو گی؟"

"میں دولت مند بننے کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ صرف عزت کو داؤ پر نہیں لگاؤں گی۔"

"جو شخص بھائی بن کر رہے گا وہ تمہیں بہن بنا کر اعلیٰ سرکاری افسران اور عہدے داران سے ملایا کرے گا۔ جس عہدے دار سے کوئی سرکاری راز اگلوانا ہو اس سے تم فلرٹ کرو گی۔ اس کے ساتھ تنہائی میں وقت بھی گزارا کرو گی۔"

"میں کہہ چکی ہوں' عزت نہیں دوں گی۔"

"تمہاری عزت محفوظ رہا کرے گی۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تنہائی میں کوئی مرد ہمارے ساتھ تسبیح نہیں پڑھتا۔"

"تمہارے پاس ایک ایسی دوا رہا کرے گی۔ جس کا ایک قطرہ چائے' ٹھنڈی بوتل یا شراب میں ملاؤ گی تو پینے والے کو کچھ محسوس نہیں ہوگا وہ بالکل نارمل رہے گا۔ تمہاری خواہش کرتا رہے گا۔ تمہیں ہاتھ لگاتا رہے گا لیکن تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ اس کی مردانگی عارضی طور پر ہاتھی کے دانت کی طرح ہوگی جو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں کھانے کے لئے نہیں ہوتے۔"

وہ راضی ہو گئی۔ ایک جوان شخص اور ایک ادھیڑ عمر کی عورت کے ساتھ شاندار کوٹھی میں رہنے لگی۔ ابتدا میں اسے یہ نہیں بتایا گیا کہ جس بھائی اور ماں کے ساتھ رہتی ہے' وہ دونوں بھارتی جاسوس ہیں۔ جب وہ ذہانت بھری مکاریوں سے یہاں کے اعلیٰ عہدے داروں کو پھانسنے اور اپنے حسن و شباب کے جلووں سے دیوانہ بنا کر اہم سرکاری راز معلوم کرنے لگی تو تنظیم کے سربراہ نے اسے اپنا رازدار بنا لیا۔ وہ قابلِ اعتماد کارکن بنالی گئی۔

اس تنظیم میں رہ کر اس کی ملاقات حماد سے ہوئی۔ یہ ملاقات دوستی میں اور دوستی محبت میں بدلنے لگی لیکن اس نے حماد کو تنہائی میں کبھی ہاتھ پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ جتنا فاصلہ رکھتی تھی' وہ اتنا ہی اس کے لئے تڑپتا تھا۔ آخر اس نے کہا "مجھ سے شادی کرلو۔"

اس نے پوچھا "مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"محبت کیوں کرتے ہو؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو۔"

"میں اچھی کیوں لگتی ہوں؟"

"تم بے تکے سوالوں سے چڑا رہی ہو۔"

"یہ بے تکے سوالات نہیں ہیں۔ میں سمجھنا چاہتی ہوں کیوں کہ کتنے ہی عاشقوں نے مجھے شادی کی آفر دی لیکن کسی نے میری ماں سے اور میری بہن سے شادی نہیں کی۔ انہیں داشتہ بنا کر رکھا گیا۔ ان سے ناانصافی کیوں کی گئی؟"

"میں نہیں جانتا کیوں انصاف نہیں کیا گیا۔ میں تو انصافاً تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہی تو میں پوچھتی ہوں کہ شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"تم حسین ہو' جوان ہو اور پُرکشش ہو۔"

"بے شمار لڑکیاں حسین' جوان اور پُرکشش ہوتی ہیں۔"

"بے شمار حسیناؤں میں کوئی ایک دل میں سماتی ہے۔"

"میں یہی جواب چاہتی ہوں کہ تمہارے دل میں کیوں سما رہی ہوں؟"

وہ جھنجلا کر بولا "میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔"

"تمہارا سر ہے' تمہاری مرضی ہے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"کیا تم کبھی شادی نہیں کرو گی؟"

"میرے سوالوں کا جواب مل جائے گا تو ضرور کروں گی۔"

"میں دعوے سے کہتا ہوں دنیا کا کوئی شخص تمہارے بے تکے سوالوں کے جواب نہیں دے پائے گا۔"

"جو شخص صحیح معنوں میں عورت کو اپنا بنانا چاہتا ہے۔ اس کے پاس عورت کے ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔"

دراصل ماں اور بہن کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی۔ اس نے حمیرا کو سراپا انتقام بنا دیا تھا۔ وہ پاس آنے والے مردوں کو ٹھکرا کر دلی تسکین حاصل کرتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کبھی شادی کرے گی تو ایسے مرد سے جو اس سے کمتر ہو اور اس کا محتاج رہے تاکہ کبھی اسے چھوڑ کر کوئی داشتہ نہ رکھے۔

میں نے حمیرا کے ذریعے چند غیر ملکی سراغ رسانوں کے نام اور پتے معلوم کئے۔ پھر حماد کے پاس آگیا۔ پارس اس کی آواز اور لہجے میں بول رہا تھا اس کے دستخط کی نقل کر رہا تھا۔ پھر اس نے ڈاکٹر زاہد کا شکریہ ادا کرکے رخصتی مصافحہ کیا۔ اس کے بعد حماد کے ساتھ اس کی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اسے ڈرائیو کرتا ہوا ایک دکان کے سامنے آیا۔ وہاں سے تیزاب کی بوتل خریدی۔ پھر کار میں آکر اسے ڈرائیو کرتا ہوا شہری آبادی سے بہت دور نکل آیا۔

میں نے حماد کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پارس کو دیکھ کر کہا "تم۔ میرے ہم شکل بن گئے ہو۔ وہاں کسی کوٹھی کے اندر مجھ سے لڑ رہے تھے اور یہ۔ یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ میرے دماغ میں کون ہے؟"

پارس نے کہا "تمہارے دماغ میں ملک دشمنی ہے۔ حساب کرو' آج تک کتنے جاسوس یہاں لا چکے ہو۔ کتنے چھوٹے بڑے ملکی راز غیر ملکیوں تک پہنچا چکے ہو۔ تم اس زمین کو پرائی بنانے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ زمین تمہیں پرایا نہیں رہنے دے گی۔ تمہیں ایک قبر کی صورت میں اپنے اندر سمیٹ لے گی۔"

میں نے اس کی زبان سے کہا "دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں اسے ختم کرتا ہوں تم اسے ناقابلِ شناخت بنا دو۔"

میں اسے گاڑی سے باہر لا کر آہستہ آہستہ دوڑانے لگا۔ پارس نے کار اسٹارٹ کرکے تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے ٹکر ماری۔ وہ دور جا کر گرا۔ اس نے کار موڑ کر پھر ڈرائیو کرتے ہوئے اسے کچلتے ہوئے گزر گیا۔ ایسا دو بار کیا۔ میں نے کہا "وہ ختم ہو چکا ہے۔"

پارس نے کار سے اتر کر اس کے کپڑے اتارے۔ ان کپڑوں

میں آگ لگائی۔ پھر اس کے چہرے اور ہاتھوں کی انگلیوں پر تیزاب ڈال دیا تاکہ کوئی اسے چہرے اور... انگلیوں کے نشانات سے بھی نہ پہچان سکے۔ کپڑے جل کر راکھ ہو گئے تھے وہ کار میں بیٹھ کر واپس ہو گیا۔

میں نے اب تک در جنوں ملک دشمن عناصر کے نام اور پتے معلوم کر لئے تھے لیکن ان میں سے صرف شمشاد اور حماد کو موت کی سزا دی تھی۔ ان میں سے صرف شمشاد کی حادثاتی موت ظاہر ہوئی تھی۔ حماد کا عبرت ناک انجام چھپ گیا تھا۔ کیونکہ پارس وہاں حماد بن کر پہنچ گیا تھا۔

اگر میں ہر دشمن کو موت کی سزا دیتا تو خفیہ تنظیم کا سربراہ چوکنا ہو جاتا یہ سمجھ لیتا کہ میں یوگا کے ماہرین کی فولادی دیواریں توڑتا ہوا اس تنظیم کے بہت اندر تک پہنچ گیا ہوں۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے روپوش ہو کر اور زیادہ محفوظ اور پُراسرار بن جاتا۔

اس لئے میں یوگا کے ماہر سربراہ ابوداؤد کی شہ رگ تک پہنچنے کی خاطر چپ چاپ اقدامات کر رہا تھا اور ہاتھ آئے ہوئے دشمنوں کو فی الحال زندہ رہنے کا موقع دے رہا تھا۔

پارس حماد کے گھر پہنچا تو پہلے ہی باپ کی لاش وہاں پہنچ گئی تھی۔ دوست احباب افسوس کرنے اور آخری رسومات میں شریک ہونے آ رہے تھے۔ ریحانہ اور رانا جمشید بھی آئے تھے۔ لیکن رخسانہ نہیں آئی۔ پارس نے شام کو پرل کان کے سوئمنگ پول کے پاس ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ ریحانہ نے اس سے کہا تھا کہ تنظیم کے دستور کے مطابق اسے حماد کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہئے اور رخسانہ نے کہا تھا' وہ ایک گھنٹے بعد پرسے کے لئے آ جائے گی۔

پارس نے ریحانہ سے پوچھا "رخسانہ نہیں آئی؟"

اس نے جواب دیا "وہ ابھی آ جائے گی۔"

وہ سمجھ گیا جب تک وہ اپنے سرتاج سے نہیں ملے گی۔ وہیں سوئمنگ پول پر انتظار کرتی رہے گی۔ اس نے کمرے میں آ کر رخسانہ کے موبائل فون کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ ہونے پر کہا۔

"ہیلو رخسانہ میں سرتاج بول رہا ہوں۔"

اس نے پوچھا "تم کہاں ہو؟ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

"میں حماد کے گھر میں ہوں۔ اس کا باپ ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔ مجھے وہاں جانا چاہئے تھا لیکن میں تمہاری محبت میں ادھر دوڑی چلی آئی۔"

"اب ادھر دوڑی چلی آؤ۔"

"ابھی آ رہی ہوں۔"

وہ وہاں سے کار ڈرائیو کرتی ہوئی حماد کی کوٹھی میں آئی۔ تمام مرد حضرات قبرستان گئے ہوئے تھے۔ ریحانہ نے کہا "اب آئی ہو' پتا نہیں حماد اور جمشید بھائی کتنی دیر میں آئیں گے۔ میں جا رہی ہوں تم بھی چلو۔"

وہ بھلا کیسے جا سکتی تھی۔ وہاں یار کا دیدار ہونے والا تھا۔ اس نے کہا "یہاں آئی ہوں تو حماد سے مل کر افسوس کر کے جاؤں گی۔"

ادھر پارس مشکل میں پڑ گیا تھا۔ شمشاد کی موت پر ایسے دوست احباب چلے آئے تھے جنہیں پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ وہ کئی ناموں سے واقف تھا لیکن ان نام والوں کے چہرے نہیں پہچانتا تھا۔ پُرسا دینے والوں کے جواب میں ہوں ہاں کہہ کر ٹال رہا تھا۔

وہ قبرستان پہنچ کر وہاں کے منشی کے کمرے میں آیا۔ اسے تدفین کی مقررہ رقم سے دو سو روپے زیادہ دے کر بولا "آپ پانچ منٹ کے لئے باہر جائیں۔ میں فون پر ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ دو سو لے کر خاموش ہو گیا۔ باہر چلا گیا' پارس نے حماد کے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا' پھر کہا "رخسانہ! میں تمہیں پہلے سے بتا دوں کہ آج سے حماد کے بہروپ میں ہوں۔"

"کیا واقعی! حماد کہاں ہے؟"

"ابھی کوئی سوال نہ کرو۔ ملاقات ہو گی تو اطمینان سے بتاؤں گا اور ثبوت کے طور پر تمہاری انگوٹھی بھی دکھاؤں گا۔ فی الحال میری ایک مشکل آسان کرو۔"

"بولو کیا بات ہے؟"

"میں حماد کے کسی دوست اور رشتے دار کو نہیں جانتا ہوں۔ تم ہر ایک سے واقف ہو۔ جیسے ہی میں واپس آؤں تم میرے ساتھ لگی رہنا اور چپکے چپکے ہر ایک کے متعلق بتاتی رہنا۔"

ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ جو بھی پارس کے پاس پرسے کے لئے آتا میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کا نام' اس کی دوستی یا رشتے کو پہچان کر پارس کو اس کے متعلق بتا دیتا لیکن وہاں کئی یوگا کے ماہر تھے۔ ان کے پاس پہنچتے ہی وہ سانس روک لیتے پھر یہ بات پھیل جاتی کہ فرہاد ان کے دماغوں میں پہنچنے کی کوششیں کر رہا ہے۔

ایک اور راستہ تھا۔ میں حمیرا کے دماغ میں رہ کر پارس کو گائیڈ کر سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس کے پاس آیا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے سن رہی تھی۔ کوئی فون پر پوچھ رہا تھا۔ "تم حماد کے غم میں شریک ہونے نہیں گئیں؟"

وہ بولی "میں جاؤں یا نہ جاؤں' تم کسی نہ کسی بہانے سے فون ضرور کرتے ہو۔"

"میں اپنی ضد سے مجبور ہوں۔ دنیا کی ہر وہ چیز جو انمول ہو اسے ضرور حاصل کرتا ہوں۔"

"اور میں کہہ چکی ہوں' مجھے کبھی حاصل نہیں کر سکو گے۔"

"تمہیں یہ پتا نہیں ہے کہ ضدی عورت زبردست کے آگے ہار جاتی ہے۔"

"تم مرد لوگ اتنا ہی جانتے کہ عورت ایک دلچسپ کھلونا ہے اس سے جی بھر کے کھیلو۔ اگر کھیلنے کو نہ ملے تو اسے توڑ دو لیکن میں ٹوٹنے والی چیز نہیں ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں تمہارے حفاظتی انتظامات کو جانتا ہوں۔ تم ایک اجنبی شخص کو بھائی اور ایک اجنبی عورت کو ماں بنا کر رہتی ہو۔ اس کے علاوہ تم نے ایک کوٹھی خریدی ہے۔ جہاں تنہا وقت گزارتی ہو۔ اپنی ذاتی کوٹھی کا پتا اور فون نمبر کسی کو نہیں بتاتی ہو۔ مگر دیکھ لو میں تمہارے اسی پرائیویٹ فون پر بول رہا ہوں۔"

"مانتی ہوں کہ تم میری ٹوہ میں لگے رہتے ہو۔ فون تک پہنچے ہو تو کسی دن کوٹھی کے اندر بھی آ جاؤ گے۔"

"کسی دن نہیں' آج ہی رات کو آؤں گا۔ ابھی سات بج رہے ہیں۔ ٹھیک پانچ گھنٹے بعد آدھی رات کو تمہاری سانسوں کے قریب رہوں گا۔"

"تم کوٹھی میں داخل نہیں ہو سکو گے۔"

"جانتا ہوں۔ تمہارے تین مسلح باڈی گارڈز ہیں مگر اب وہ میرے زر خرید ہیں۔ میں تمہیں خرید نہ سکا لیکن تمہارے محافظوں کو خرید چکا ہوں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"دنیا میں سب ہو جاتا ہے۔ اس فون کا رابطہ ختم ہوتے ہی اس کے تار کاٹ دیے جائیں گے۔ تم کوٹھی سے باہر نہیں جا سکو گی۔ کسی کو مدد کے لئے نہیں بلا سکو گی اور تمہارا کوئی شناسا اس نئی کوٹھی کا پتا نہیں جانتا ہے۔"

"تم یہاں آؤ گے تو پچھتاؤ گے۔"

"تمہاری کوئی دھمکی اور کوئی دوا اثر نہیں کرے گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک دوا کے اثر سے اپنے قریب آنے والوں کو ناکارہ بنا دیتی ہو۔ میں وہاں پہنچ کر ایک گلاس پانی بھی نہیں پیوں گا۔"

اس نے ہنستے ہنستے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ حیران پریشان ہو کر سوچ رہی تھی۔ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا واقعی وہ اپنی ذاتی کوٹھی میں قید ہو کر رہ گئی ہے؟

اس نے ریسیور رکھ کر کال بیل کا بٹن دبایا۔ ایک مسلح باڈی گارڈ اندر آ کر اس کے سامنے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔ "تم نے کوٹھی کے آس پاس کسی اجنبی کو بار بار دیکھا ہے؟ کسی پر تمہیں شبہ ہے؟"

"نہیں میڈم۔"

"کیا تمہاری وفاداری کوئی خرید سکتا ہے؟"

"جی ہاں میڈم! آج سے ہم تینوں باڈی گارڈز کسی اور کے وفادار ہیں۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"عرض کرتا ہوں' یہ بکواس نہیں ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "کیا واقعی نمک حرامی کر رہے ہو؟"

وہ سر اٹھائے' سینہ تانے فوجی انداز میں ادب سے کھڑا رہا۔

وہ بولی "وہ تمہیں خریدنے والا کون ہے؟"

"ہم میں سے کوئی نہیں جانتا میڈم!"

"تم تینوں نے اس سے جتنی رقم لی ہے۔ میں اس کا دوگنا دوں گی۔"

"سوری میڈم!" وہ اباؤٹ ٹرن ہو گیا۔ فوجی انداز میں چلتا ہوا باہر گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ وہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی دوسرے تیسرے دروازوں پر آئی۔ باہر کی طرف کھلنے والے تمام دروازے مقفل ہو گئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں واپس آئی۔ ریسیور کو اٹھا کر نمبر ڈائل کرنا چاہا۔ پتا چلا فون مردہ ہو چکا ہے۔ اس کے تار کاٹ دیے گئے تھے۔

اس نے دوڑ کر دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے ایک چیخ ماری۔ "بچاؤ' مجھے بچاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی اونچی آواز میں پاپ میوزک گونجنے لگی۔ کوٹھی کے چاروں طرف بڑے بڑے ڈیک سے موسیقی شور مچا رہی تھی۔ وہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے زیادہ نہیں چیخ سکتی تھی۔ اس کی چیخ پکار نقار خانہ میں طوطی کی آواز کی طرح ڈوب کر رہ گئی تھی۔

آخر وہ تھک ہار کر ایک صوفے پر گر پڑی۔ اس کی خاموشی کے ساتھ پاپ میوزک بھی خاموش ہو گیا۔ دوسرے باڈی گارڈ نے اندر آ کر کہا "ہم اس علاقے میں بار بار ریکارڈنگ کا شور برپا نہیں کریں گے۔ آپ سے درخواست ہے کہ خاموش رہیں۔ ورنہ ہم انجکشن کے ذریعے آپ کو اتنا کمزور بنا دیں گے کہ پھر منہ سے آواز نہیں نکال سکیں گی۔"

وہ دھمکی دے کر باہر چلا گیا۔ حمیرا صوفے پر پڑی ہوئی ایک سمت خلا میں تک رہی تھی اور سوچ رہی تھی "کیا مجھ پر بھی وہی وقت آ رہا ہے جو میری ماں اور بہن پر آیا تھا؟ وہ دونوں کمزور تھیں' میں نے شہ زور بننے کے لئے مکاریاں کیں۔ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کی کیونکہ دولت مند عورت کو کوئی آسانی سے ہاتھ نہیں لگاتا۔ میں نے بدمعاشوں سے محفوظ رہنے کے لئے تین مسلح باڈی گارڈز رکھے۔ اپنی اس کوٹھی کو قلعہ بنا لیا۔"

پھر وہ سرد آہ بھر کر بولی "آہ! میں یہ بھول گئی تھی کہ یہ باڈی گارڈز بھی مرد ہیں۔ یہ نمک حرام میرا نہیں کسی مرد ہی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں کیا کروں؟ آخر وہ کون ہے جس نے مجھے چاروں طرف سے جکڑ لیا ہے؟"

میں بھی اسی سوال پر غور کر رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟

اس نے فون پر حمیرا سے جتنی گفتگو کی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کا دیوانہ نہیں بلکہ ایسا جنونی ہے جو لاحاصل کو حاصل کر لیتا ہے۔ عورت کا انکار اس کے لئے چیلنج بن جاتا ہے۔

پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کے متعلق بڑی معلومات رکھتا ہے۔ اندر کی بات جانتا ہے کہ وہ کسی اجنبی کی بہن اور کسی اجنبی عورت

کی بیٹی بن کر رہتی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ تنظیم کے اندر کا ہی کوئی شخص ہے جو یہ راز کی بات جانتا ہے۔ اس سے بھی آگے یہ جانتا ہے کہ حمیرا کے پاس ایسی دوا ہے جو اس کے قریب آنے والوں کو ناکارہ بنادیتی ہے۔

ایک نہیں تین باڈی گارڈز کو اپنا وفادار بنانا ممکن نہیں تھا۔ بیک وقت سب ہی نمک حرام نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نمک حرام نہیں تھے۔ شروع سے اپنے مالک کے وفادار تھے اور اسی کے حکم پر حمیرا کے باڈی گارڈز بن کر رہتے تھے۔

اگر میں درست سمجھ رہا تھا تو وہ تینوں بھی یوگا کے ماہر ہوں گے۔ خفیہ تنظیم کا سربراہ ابو داؤد یا اسی کی سطح کا کوئی یوگا ماسٹر حمیرا کو حاصل کرنے کی ضد کر بیٹھا تھا۔ آج رات اس کے پاس آنے والا تھا اور اس کی یہ ضد اسے مہنگی پڑنے والی تھی۔

میں رخسانہ کے پاس آیا۔ پارس اس کے بھائی جمشید وغیرہ کے ساتھ قبرستان سے واپس آگیا تھا۔ رخسانہ نے قریب آکر کہا "حماد! مجھے افسوس ہے۔ میں تمہارے دکھ کو دل سے محسوس کررہی ہوں۔"

اس وقت ایک شخص نے آکر پارس سے کہا "حماد! تمہیں باپ کی جدائی کا صدمہ ہے لیکن کچھ کھانا پینا بھی ضروری ہے۔ تمہاری بھابی کہہ رہی ہیں ہمارے ساتھ گھر چلو۔ کچھ کھاپی لو۔"

میں نے پارس سے کہا "رخسانہ کی سوچ بتارہی ہے اس شخص کا نام نجیب ہے۔ یہ تنظیم کے حوالے سے حماد کا دوست ہے۔"

پارس نے کہا "نجیب! بھابی سے کہنا ابھی دوست احباب کی آمد کا سلسلہ رہے گا۔ مجھے گھر میں رہنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے' میں گھر سے کھانا بھیج دوں گا۔"

رخسانہ نے کہا "میں پہلے ہی حماد سے طے کرچکی ہوں۔ ہم یہاں رات گیارہ بجے تک رہیں گے۔ پھر میں اسے گھر لے جاؤں گی۔"

جمشید نے کہا "یہ اچھی بات ہے۔ میں جارہا ہوں۔ تم حماد کے ساتھ آجانا۔"

وہ چلا گیا۔ رخسانہ پارس کا بازو تھام کر اسے کسی الگ کمرے میں لے جانے لگی لیکن ہر کمرے میں عورتیں موجود تھیں۔ اور ایک ایک کرکے رخصت ہو رہی تھیں۔ ایک گھنٹے بعد ذرا تنہائی نصیب ہوئی تو وہ بولی "ثبوت پیش کرو۔"

پارس نے کہا "میری انگلی میں تم نے میری ماں کی دی ہوئی انگوٹھی کل دیکھی تھی اور یہ رہی تمہاری انگوٹھی۔"

اس نے جیب سے نکال کر انگوٹھی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ خوش ہوکر اس سے لپٹ گئی پھر بولی "تم نے تو کمال کردیا۔ یہ حماد کیسے بن گئے۔"

میں نے پارس سے کہا "مجنوں کی اولاد! یہ ماتمی ماحول ہے۔ اسے اپنے سے الگ کرو۔"

وہ اسے الگ کرتے ہوئے بولا "ملنے کی خوشی میں یہ نہ بھولو کہ حماد کا باپ مرگیا ہے اور ہمارے ملک میں گلے لگ کر ماتم کرنے کا رواج نہیں ہے۔"

"میرا تجسس دور کرو۔ یہ سب کیسے ہوگیا؟"

"اللہ کو یہی منظور تھا۔ مرحوم بڑی خوبیوں والے تھے۔"

"میں تمہارے باپ کی خوبیاں نہیں پوچھ رہی ہوں۔ تم اتنی جلدی حماد کیسے بن گئے؟ اور وہ حماد کہاں ہے؟"

"تمہارے سامنے ہے۔ تم مجھے چاہتی ہو یا حماد کی واپسی؟"

"میں تمہیں اور صرف تمہیں چاہتی ہوں۔"

"تو پھر حماد کی باتیں نہ کرو۔ اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کرو۔ آؤ مہمانوں کو رخصت کریں۔"

وہ مہمانوں کے پاس آیا۔ لوگ رخصت ہو رہے تھے۔ میں اسے حمیرا کی موجودہ روداد سنا رہا تھا۔ اس نے سننے کے بعد کہا "پاپا! یہ حمیرا ہمارے لئے بڑی اہم ہوگئی ہے۔ آج رات خفیہ تنظیم کا کوئی اہم شخص اس کی کوٹھی میں بے نقاب ہوسکتا ہے۔"

پارس گم صم کھڑا مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس کی اس حالت پر لوگ اسے غمزدہ سمجھ رہے تھے۔ ایک عورت نے رخصت ہوتے ہوئے کہا "حماد! حوصلہ رکھو اور اپنی ماں کا خیال کرو۔ اس پاگل دکھیاری کو یہ بھی پتا نہیں ہے کہ اس کا سہاگ اجڑ گیا ہے۔"

حماد کی ماں پاگل تھی۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹے کو کبھی پہچانتی تھی کبھی بھول جاتی تھی۔ زیر لب بڑبڑاتی رہتی تھی۔ کوٹھی کے اندر تمام کمروں میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ اِدھر کا سامان اٹھا کر اُدھر رکھتی تھی۔ جیسے گھر کو سجا رہی ہو۔

جب تمام لوگ رخصت ہوگئے تو میں بھی پارس کو چھوڑ کر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ وہ رخسانہ کے ساتھ ایک کمرے میں آیا وہاں حماد کی ماں دیوار پر لگی ہوئی شمشاد کی تصویر کو دیکھ کر ہنس رہی تھی اور کہہ رہی تھی "مرگیا۔ آخر ایک دن سب ہی مرتے ہیں لیکن یوں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر حرام موت نہیں مرتے۔ ہاہاہا میں بھی مرنے والی ہوں۔"

پارس نے قریب جاکر مخاطب کیا "امی!"

اس نے چونک کر دیکھا۔ پارس پر اس کی نگاہیں یوں جم گئیں جیسے وہ کسی اجنبی کو پہچاننے کی کوشش کررہی ہو۔ رخسانہ نے جلدی سے کہا "حماد! انکل کی موت نے تمہیں اپسٹ کردیا ہے۔ تم آنٹی کو ممی کہتے ہو۔"

وہ ممی کے دونوں بازوؤں کو تھام کر بولا "ممی! میں بہت پریشان ہوں۔ اگر آپ کی ذہنی حالت درست ہوتی تو اپنی محبت سے میری کا دکھ کم کردیتیں۔"

وہ دونوں بازو چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر بولی "کون ہو تم؟"

"میں حماد ہوں۔ آپ کا بیٹا ہوں۔"

"نہیں تم میرے کوئی نہیں ہو۔ تم جھوٹے اور فریبی ہو۔ میرے مرحوم شوہر کی دولت اور جائداد پر قبضہ جمانے آئے ہو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

رخسانہ گھبرا گئی تھی کہ بھید کھل گیا ہے۔ پارس بھی ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سمجھنا چاہتا تھا کہ اس نے سچ مچ پہچان لیا ہے یا پاگل پن میں ایسا کہہ رہی ہے؟

یہ پاگل پن ہی تھا۔ وہ رخسانہ سے کہہ رہی تھی "اور تم... تم میری بہو بن کر مجھے زہر دے کر اس گھر میں راج کرنے آئی ہو۔"

"نہیں آنٹی! میں ابھی حماد کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

وہ قریب آکر بولی "ہاں اس لڑکے کے ساتھ چلی جانا۔ شمشاد مرحوم کی دولت کا لالچ نہ کرنا۔ یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ سب حرام کی ہیں۔ یہ باپ بیٹے حرام کماتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔ اسی لئے میں اسے بیٹا نہیں کہتی۔ تم حرام کھانے والے سے شادی کروگی تو حرام کھانے والی نسل پیدا کروگی۔"

یہ کہہ کر وہ قہقہے لگانے لگی۔ پھر ہنستے ہنستے اچانک روتے ہوئے بولی "میں کہتی تھی۔ دیکھ شمشاد! توبہ کرلے۔ یہ زمین کتنی اچھی ہے۔ ہم اس پر پاؤں پٹخ پٹخ کر چلتے ہیں۔ اسے لاتیں مارتے رہتے ہیں پھر بھی یہ اپنے سینے پر ہمیں اٹھائے رہتی ہے۔ اس کا سودا نہ کر۔ دلالی نہ کر ورنہ حرام موت مرے گا اور مرگیا۔ آخر حرام موت مرگیا....."

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پارس نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ اسے تھپکتے ہوئے بولا "ممی! چپ ہوجاؤ۔ اگر تم پاگل ہو تو میری دعا ہے کہ ہم سب پاکستانی ایسے جذبوں سے پاگل ہوجائیں۔ چپ ہوجاؤ ممی!"

وہ اس کی آغوش میں ساکت ہوگئی تھی۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ اس نے آغوش میں اسے اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔ اس کی بند آنکھوں سے جو آنسو نکل چکے تھے انہیں محبت سے پونچھا۔ اس پر ایک چادر ڈال دی۔ پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر رخسانہ کے ساتھ کمرے سے باہر آیا اور دروازے کو آہستگی سے بند کردیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی بیگم شمشاد نے آنکھیں کھول دیں۔ گھور کر دروازے کو دیکھا اس کے دیکھنے کا انداز بتارہا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔

پارس ایک کمرے میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ رخسانہ کو حمیرا کے متعلق بتانے لگا۔ وہ بولی "میں جانتی ہوں' وہ بڑی مکار ہے۔ دولت کے لئے کچھ بھی کرسکتی ہے لیکن عزت نہیں دیتی۔"

"وہ اسی طرح وطن کی عزت اور وقار کا پاس رکھتی تو اس کا کردار کتنا بلند رہتا۔"

"میں اس لڑکی کا بیک گراؤنڈ جانتی ہوں۔ اسے اپنی ماں اور بہن کی بے آبروئی کا صدمہ ہے اور وہ ایسی بے حیائی سے محفوظ رہنے کے لئے غلط راستوں پر چل پڑی ہے۔ تم میری زندگی میں آئے تو میں صحیح راستے پر آگئی ہوں۔ اگر حمیرا کی بھی راہنمائی کی جائے تو وہ محب وطن بن جائے گی۔"

"ایسی ذہین اور چالاک لڑکی کو صحیح راستوں پر چلنا چاہئے۔ ہم اس کے لئے کوشش کریں گے۔ فی الحال ہمیں اس کی فکر ہے جو آدھی رات کو ایک فاتح کی شان سے اس کی خوابگاہ میں آنے والا ہے۔ وہ "را" تنظیم کا بہت ہی اہم شخص ہوگا۔"

وہ کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے بولی "نو بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔ اس کوٹھی میں کس وقت جاؤ گے۔"

"یہاں سے آدھے گھنٹے کا راستہ ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے نکلوں گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"پرابلم بن جاؤ گی۔ پتا نہیں وہاں کیسے حالات پیش آئیں گے۔"

"تم جس کار میں جاؤ گے اسے اس کوٹھی کے قریب ہی کہیں روکو گے۔ میں کار میں بیٹھ کر تمہاری واپسی کا انتظار کرون گی۔ تمہارے لئے پرابلم نہیں بنوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ذرا حماد کے سامان کی تلاشی لوں گا۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر ایک الماری کے پاس آیا۔ اس نے حماد کو ہلاک کرنے کے بعد اس کی جیب سے چابیاں اور دوسری چیزیں نکال لی تھیں۔ اس نے دو چابیوں سے الماری کھولی۔ پھر اس کے
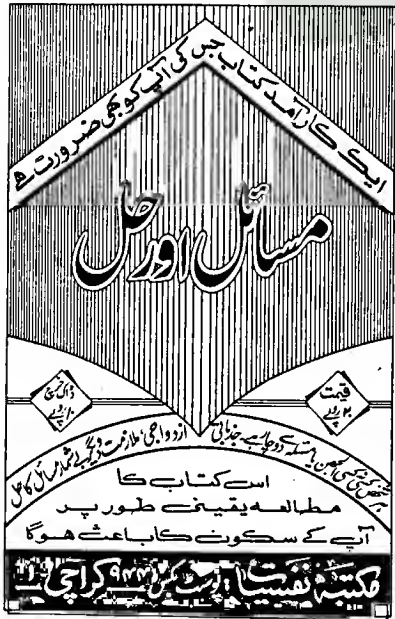
اندرونی آئرن سیف کو کھولا۔ اس میں پونڈز اور ڈالر کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ ضروری دستاویزات تھے۔ ایک سائلنسر کے ساتھ ایک ریوالور رکھا ہوا تھا۔ ریوالور پوری طرح لوڈ تھا۔ اس نے سائلنسر کے ساتھ اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

ہم باپ بیٹے اور سونیا کبھی اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھتے تھے۔ کبھی ضرورت کے وقت دشمنوں سے ہی ہتھیار چھین کر استعمال کرتے تھے لیکن آج حمیرا کی کوٹھی کے اطراف سخت پہرا تھا۔ باہر سے آنے والا احاطے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ سخت پہرے کو توڑنے کے لئے سائلنسر لگے ہوئے ہتھیار کی ضرورت تھی اس لئے اس نے احتیاطاً رکھ لیا تھا۔

رخسانہ نے پوچھا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ حماد کہاں ہے؟ کیا وہ ختم ہو گیا ہے؟"

"ہاں' برے کو برے انجام تک پہنچانا ہی تھا۔ اس لئے میں نے اسے بھی دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہے۔"

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسے ملک دشمن قانون کے ہاتھوں سزا نہیں پاتے یا اپنے پیچھے جرائم کے ثبوت نہیں چھوڑتے یا پھر قانون کے محافظوں کو خرید لیتے ہیں۔"

"یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی عدالت میں پورے انصاف کے ساتھ ایسے لوگوں کو سزائے موت دیتے ہیں۔"

وہ الماری سے ایک البم نکال کر دیکھنے لگا۔ آج جو لوگ شمشاد کی آخری رسومات کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کی تصویریں اس میں تھیں۔ رخسانہ پھر ان تصویروں کو دیکھ کر اسے بتانے لگی کہ کس کا نام کیا ہے۔ اور تنظیم سے اس کا کیا تعلق ہے؟

وہ دونوں کمرے کے اندر مصروف تھے۔ باہر بیگم شمشاد کھڑکی سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے بیٹے کی موت کے متعلق سن لیا تھا۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے دیوار سے ٹیک لگائے خود کو سنبھال رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک سایہ دار درخت کی طرح جڑ سے اکھڑ گئی ہے اور اب نیچے گرنے ہی والی ہے۔

شوہر نے کبھی اسے سکھ نہیں دیا تھا۔ وہ سمجھاتی رہی تھی کہ دولت کی ہوس نہ کرو۔ وہ اسے مارتا پیٹتا رہتا تھا اور کہتا تھا "زیادہ بولے گی تو لات مار کر گھر سے نکال دوں گا اور بیٹے کو چھین کر اپنے پاس رکھ لوں گا۔"

پھر بیٹا جوان ہونے لگا تو اسے بھی اپنے راستے پر لگا لیا۔ وہ بیٹے پر ممتا کا اثر ڈالتی رہی لیکن پتھر ذہنوں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر ہوتا ہے۔ وہ باپ سے ہی اثر لیتا رہا۔ اس نے کئی بار سوچا۔ ایمانداری اور حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ شوہر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرے لیکن ایک بیوی کا دل نہیں مانتا تھا۔ عقل نے کہا۔ وہ دو چار سال کی سزا کاٹ کر آئے گا تو ملک دشمنی سے توبہ کر لے گا۔ وہ ہمیشہ کشمکش میں رہی۔ یہ کشمکش اس وقت اور بڑھ گئی جب بیٹا بھی باپ کے نقشِ قدم پر چلنے لگا تو وہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گئی۔ کبھی وہ دماغی توازن کھو دیتی تھی۔ بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی تھی اور کبھی نارمل ہو جاتی تھی۔

دراصل بیٹے کو قانون کے حوالے کرانے کی بات دماغ میں آتی تو وہ ایک دم سے بکھر جاتی تھی۔ بیٹے کے جرائم کو بھولنے کے لئے پاگل پن میں پناہ لیتی تھی تاکہ عقل کی اور حب الوطنی کی باتیں دماغ میں نہ آئیں۔ یہ ایک نفسیاتی کیس تھا۔ بہت سے لوگ اندر سے پکے مسلمان رہتے ہیں مگر اوپر سے بے ایمانی پر بھی مجبور ہوتے رہتے ہیں۔ یہی بیگم شمشاد کا معاملہ تھا۔

وہ ڈگمگاتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کر کے الماری کو کھولا۔ پھر اس میں سے بیٹے کی تصویر نکال کر دیکھی۔ وہ تصویر میں مسکرا رہا تھا۔ ماں کی ممتا کو پکار رہا تھا۔ وہ روتی ہوئی بستر پر آ کر گر پڑی۔ حماد کی تصویر پر اپنا چہرہ رکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگی۔

ممتا انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔ اور آنسوؤں میں ڈوب رہی تھی۔ کلیجا پھٹ رہا تھا۔ وہ بیٹے کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔ کسی وقت بھی آتش فشاں پھٹ پڑنے کو تھا۔

پھر وہ اٹھ بیٹھی۔ پلنگ کے پاس سے چلتی ہوئی اپنے شوہر شمشاد علی کی الماری کے پاس آئی۔ اسے کھول کر اس میں سے ایک ریوالور نکالا۔ اسے پوری طرح لوڈ کیا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آئی وہاں سے چلتی ہوئی اپنے مقتول بیٹے کے کمرے میں آئی۔ وہ کمرا خالی تھا۔ پارس وہاں نہیں تھا۔

باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ پارس رخسانہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ بیگم شمشاد ہاتھ میں ریوالور لئے دوڑتی ہوئی باہر جانا چاہتی تھی لیکن برآمدے میں آتے ہی ٹھوکر کھا کر فرش پر اوندھے منہ گر پڑی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جعلی بیٹے' جعلی حماد کی کار احاطے سے باہر جا چکی تھی۔

****

حمیرا نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لاکھوں روپے کی کوٹھی میں رہ کر اور مسلح محافظ رکھ کر بھی وہ غیر محفوظ رہے گی اور اپنے ہی گھر میں قید ہو کر رہ جائے گی۔

وہ شام سے رات گیارہ بجے تک بار بار گھڑی دیکھتی رہی تھی اور اپنی غیر معمولی ذہانت سے بچاؤ کی تدبیر سوچتی رہی تھی لیکن ہر طرف سے بے دست و پا ہو کر یوں لگ رہا تھا کہ ایسے وقت غیر معمولی ذہانت بھی معمولی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے کبھی جان لیوا ہتھیاروں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ صرف دور ہی سے حسن و شباب کا چارا ڈال کر ذہانت اور مکاری سے شکار پھانستی تھی۔

کچن میں سبزی کاٹنے والا اور بیڈ روم میں پھل کاٹنے والا چاقو تھا۔ اس سے دشمن زخمی ہو سکتا تھا' مر نہیں سکتا تھا اور زخمی ہو کر جوابی حملے کر سکتا تھا۔ پھر یہ کہ اس کے پاس ریوالور ہوگا تو وہ ریوالور دکھا کر چاقو چھین لے گا۔

وہ طرح طرح سے بچاؤ کے طریقے سوچ رہی تھی لیکن کوئی طریقہ کام آتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے سوچا کہ خوابگاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر کے بیٹھ جائے اگر وہ دروازہ توڑنا چاہے گا تو یہ ہاتھ میں چاقو لے کر اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر دھمکی دے گی کہ دروازہ ٹوٹنے کے بعد اسے زندہ نہیں ملے گی۔

وہ موت سے نہیں ڈرتی تھی لیکن طبعی عمر تک جینا چاہتی تھی۔ زندگی سے بہت پیار تھا۔ وہ دنیا کا سارا حسن ساری مسرتیں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے چاقو کی نوک کو اپنے سینے پر رکھنے کے خیال سے ہی پریشان ہو رہی تھی۔

رات کے بارہ بجنے لگے۔ آدھی رات ہونے کو آئی تو وہ عاجزی سے بولی "خدایا! تو نے یہ کیسی دنیا بنائی ہے؟ یہاں عورت کی کوئی عزت نہیں ہے۔ عورت ہزار جتن کے باوجود اپنی حفاظت نہیں کر سکتی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "عورت شادی سے پہلے باپ اور بھائی کی سرپرستی میں اور شادی کے بعد شوہر کی پناہ میں رہے تو وہ اکثر محفوظ رہتی ہے۔ میں تمہارے ضمیر کی آواز ہوں۔ تم نے وہ راستے اختیار کئے جو سلامتی کی طرف نہیں لے جاتے۔ تم نے عشوہ طرازیوں سے مردوں کو للچایا۔ ان کے لئے چیلنج بن گئیں کہ تم ناقابلِ تسخیر ہو۔ مرد عورت کے چیلنج کی ایسی کی تیسی کر دیتا ہے۔ اگر کوئی ایسی کی تیسی کرنے آ رہا ہے تو تم خدا کی بنائی ہوئی دنیا پر تنقید کیوں کر رہی ہو؟"

وہ ضمیر کی باتوں کو تسلیم کرتی ہوئی بولی "اپنی تباہی کو سامنے دیکھ کر ضمیر کی باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں لیکن سمجھ لینے سے مصیبت نہیں ٹلے گی۔"

"اگر صدقِ دل سے توبہ کی جائے۔ گمراہی کو چھوڑ کر راستی پر آنے کا عزم کیا جائے تو خدا نیک نیتی کو سمجھ کر اپنے بندوں کے ذریعے مدد پہنچاتا ہے۔ پہلے خدا پر ایمان پختہ کرو۔"

"میرا ایمان خدا پر ہے۔ میں صدقِ دل سے عزم کرتی ہوں کہ ملک دشمن سرگرمیوں سے باز رہوں گی اور مردوں کو للچانے والا اشتہار نہیں بنوں گی۔"

"تو پھر یقینِ کامل رکھو کہ خدا نے اپنے ایک بندے کو تمہاری حفاظت کے لئے بھیج دیا ہے۔"

وہ پورے یقین کے ساتھ الماری سے ایک لباس نکال کر باتھ روم میں گئی تاکہ پاک و صاف ہو کر خدا کے سامنے سجدہ کرے۔ وہ بچپن میں نماز پڑھا کرتی تھی۔ آج ایک طویل مدت کے بعد پھر ایمان تازہ کرنے والی تھی۔

کوٹھی کے احاطے میں ایک کار آ کر رک گئی۔ کار کے اندر تاریکی تھی۔ اس کا اگلا دروازہ کھول کر ایک قد آور شخص باہر آیا۔ اس نے سر پر سے چہرے کے نیچے تک پتلا سا ماسک چڑھایا ہوا تھا۔ کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔

اس نے ایک باڈی گارڈ سے پوچھا "آس پاس سب ٹھیک ہے؟"

"جی جناب! ہم تینوں محتاط ہیں۔ کوئی انسان کا بچہ بھی باؤنڈری کے اندر نہیں آ سکے گا۔"

"وہ گڑبڑ کر رہی تھی؟"

"نہیں جناب! بالکل خاموش ہے۔"

"بالکل خاموشی کا مطلب کیا ہوا؟ کہیں مر تو نہیں گئی؟"

"نہیں جناب! زندہ ہے۔ نماز پڑھ رہی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "انسان کے پاس یہی ایک آخری راستہ ہوتا ہے۔ مگر افسوس نماز بھی اسے مایوس کرے گی۔"

اس نے دائیں بائیں' آگے پیچھے دور تک دیکھا۔ کسی طرف سے اندیشہ نہیں تھا۔ وہ اطمینان سے چلتا ہوا کوٹھی کے اندر آیا۔ اندر گہری خاموشی تھی۔ اس نے ڈرائنگ روم میں آ کر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں سے کوریڈور میں آیا پھر مختلف کمروں میں دیکھتا ہوا خوابگاہ میں پہنچ گیا۔

وہ فرش پر قبلہ رُو بیٹھی دعا مانگ رہی تھی۔ آنے والے نے جیب سے ایک موبائل فون نکال کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر بولا "راستہ صاف ہے۔ اندر یہ اکیلی ہے اور کوئی نہیں ہے۔ باہر ہمارے تینوں وفادار بہت ہوشیاری سے....."

دوسری طرف سے کہا گیا "موت کے سامنے ہوشیاری کام نہیں آتی۔ باہر تینوں وفادار موت کی نیند سو گئے ہیں۔ کسی نے سائلنسر لگا کر انہیں شوٹ کیا ہے۔"

"مائی گاڈ' کیا آپ کو یقین ہے کہ یعنی کہ میرا مطلب ہے ابھی میں اندر آیا تو وہ تینوں زندہ تھے۔"

"میں نے سگنل ٹرانسمیٹر سے رابطہ کیا تھا۔ تینوں میں سے کوئی جواب میں سگنل نہیں دے رہا ہے۔ تم باہر نکل کر دیکھو۔"

اس نے فون کو آف کر کے جیب میں رکھا۔ پھر باہر جانے کے لئے تیزی سے چلتا ہوا خوابگاہ کے دروازے سے گزرنا چاہتا تھا اسی وقت منہ پر ایک گھونسا پڑا۔ وہ پیچھے کی طرف ڈگمگایا۔ صوفے پر گرتا ہوا صوفے سمیت دوسری طرف الٹ کر فرش پر لڑھکتا ہوا حمیرا کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ بدستور قبلہ رُو بیٹھی دعا مانگنے میں مصروف تھی۔

نقاب پوش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دروازے پر رخسانہ اور حماد (پارس) کو دیکھ کر چونک گیا۔ جیب میں ریوالور کے لئے ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا۔ پارس نے اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا "حرکت نہ کرنا۔ اس کی تین گولیوں نے تمہارے تین وفاداروں کو ختم کیا۔ چوتھی اپنے نام نہ کرو۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر اباؤٹ ٹرن ہو جاؤ۔"

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دوسری طرف گھوم گیا۔ پارس نے کہا۔ "رخسانہ اس کی جیب سے ریوالور نکال لو۔"

وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب آئی۔ نقاب پوش نے سرگوشی میں کہا "میں اصل آواز میں بول رہا ہوں۔ اپنے بھائی کو پہچانو۔"

وہ حیرانی سے بولی "جمشید بھائی؟"

"ہاں۔ میں ہوں۔ حماد کو سمجھا کر یہاں سے لے جاؤ۔"

وہ بھائی کی جیب سے ریوالور نکال کر بولی "حماد! یہ میرے جمشید بھائی ہیں۔"

وہ پارس کے پاس آگئی۔ اس نے پوچھا "بھائی کا ساتھ دوگی یا میرا؟"

"میں حق کا ساتھ دوں گی۔ یہ بھائی ہے مگر دشمنوں کا دلال ہے۔"

جمشید نے ڈانٹ کر پوچھا "کیا بکتی ہو؟ کیا بچپن سے حاصل کی ہوئی تمام تعلیم و تربیت بھول گئی ہو؟ اور حماد! تم... تم تو ہمارے آدمی ہو؟"

"وہ حماد جہنم میں پہنچ گیا ہے۔ اگر تم بھی وہاں نہیں جانا چاہتے تو بتادو کہ ابوداؤد کہاں ہے؟"

"میں کسی ابوداؤد کو نہیں جانتا۔"

رخسانہ نے کہا "میرے سامنے جھوٹ نہ بولو۔ ابوداؤد "را" تنظیم کا چیف بن کر یہاں آیا ہے۔ تم اس کے معتمدِ خاص ہو۔ تمہیں اس کا پتا ٹھکانا ضرور معلوم ہوگا۔"

حمیرا نے مصلّے سے اٹھ کر کہا "ابھی یہ فون پر کسی کو انفارم کر رہا تھا کہ میں یہاں اکیلی ہوں اور راستہ صاف ہے لیکن جسے انفارم کر رہا تھا۔ اسے معلوم ہوگیا تھا کہ باہر تینوں پہریدار مارے گئے ہیں۔"

رخسانہ نے پوچھا۔ "جمشید بھائی! اس کا مطلب کیا ہوا؟ کیا ابوداؤد حمیرا کے پاس آنا چاہتا تھا اور تم اس کے لئے راستہ صاف کرنے آئے تھے؟"

جمشید نے ایک جھٹکے سے حمیرا کو کھینچ کر اپنے سامنے ڈھال بنالیا پھر ایک چاقو کی نوک اس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "ایک بھی گولی چلی تو یہ بھی میرے ساتھ مرے گی۔ راستہ چھوڑو۔ مجھے جانے دو' اپنے اپنے ہتھیار پھینک دو۔"

رخسانہ اور پارس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ گرج کر بولا۔ "وقت ضائع نہ کرو۔ اپنے اپنے ریوالور کمرے سے باہر پھینکو۔"

دونوں نے دروازے کی طرف گھوم کر دونوں ریوالوروں کو باہر پھینک دیا۔ دروازے سے دور ہٹ گئے۔ جمشید' حمیرا کو چاقو کی نوک پر رکھ کر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "خبردار! میں کسی کا لحاظ نہیں کروں گا۔ ذرا بھی چالاکی دکھائی تو پلک جھپکتے میں اس کی گردن کاٹ ڈالوں گا۔ چلو ادھر جاؤ۔"

وہ دونوں پلنگ کی طرف جارہے تھے۔ جمشید نے رخ بدل لیا تھا۔ اب دونوں کی طرف رخ کرکے دروازے کی طرف پشت کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہا تھا اور کمرے سے نکل رہا تھا۔ اس نے دہلیز پار کرنے کے لئے ایک قدم باہر رکھا۔ اسی وقت ٹھائیں کی آواز رات کے سناٹے میں گونج گئی۔

رخسانہ کے حلق سے چیخ نکلی۔ گولی لگتے ہی جمشید کی کھوپڑی کا تھوڑا سا حصہ اڑ گیا تھا اور وہ فرش پر اوندھے منہ گر کر تڑپ رہا تھا۔ حمیرا دوڑتی ہوئی رخسانہ کے پاس آگئی تھی۔ پھر ان تینوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں بیگم شمشاد بیگی دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھامے پارس کو نشانے پر رکھے کھڑی ہوئی تھی۔

جمشید تڑپ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔ بیگم شمشاد نے دانت پیس کر پارس کو گھور کر کہا "قاتل! میرے بیٹے کا قاتل!"

رخسانہ نے کہا "آنٹی! یہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ تمہارا بیٹا......"

وہ بات کاٹ کر بولی "بکواس مت کر لڑکی! میں نے اپنے گھر میں تم دونوں کی باتیں سن لی ہیں۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ برے کا انجام برا ہوتا ہے۔ اس لئے میرے برے بیٹے کو اس نے مار ڈالا ہے۔"

پارس دونوں لڑکیوں سے ذرا دور جاکر بولا "میں نہیں چاہتا کہ نشانہ بہکے اور یہ لڑکیاں ماری جائیں۔ موت کی سزا صرف مجرم کو ملنی چاہئے جبکہ میں بھی مجرم نہیں ہوں۔"

بیگم شمشاد نے کہا "میں مانتی ہوں تم نے ایمان اور قانون کے مطابق مجرم کو سزائے موت دی ہے لیکن ممتا کی عدالت میں تم نے جرم کیا ہے۔ میں بیس برس سے کشمکش میں ہوں کہ میں نے بیٹا پیدا کیا ہے یا کھٹمل؟ وہ قوم کا خون چوس رہا تھا اور ملک کی جڑوں میں دشمنوں کو پہنچا رہا تھا۔ میں اتنے خطرناک مجرم کو ممتا سے مجبور ہو کر بیٹا کہہ رہی تھی میں اسے نقصان پہنچتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے خود کو سمجھانے کے لئے کہا تھا کہ بیٹا برا ہے تو خدا سمجھے گا۔"

بوڑھی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی "آج خدا نے سمجھ لیا ہے۔ تمہیں اس کے عبرتناک انجام کا واسطہ بنایا ہے تو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ میری ممتا خدا کے فیصلے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ یہ کتنا بڑا کفر ہے۔ میں بیٹے کی محبت میں کافر ہو رہی ہوں۔ میرے مسلمان ہونے کا ایک ہی راستہ ہے کہ میں اپنے اندر کی کافر ممتا کو مار ڈالوں۔"

اس نے ریوالور کا رخ اپنی طرف کرلیا۔ اس کی نال کو پیشانی سے لگا کر پارس سے بولی "میرے بچے! جب تک میرے شہر میں رہنا میرے حماد کے روپ میں نیکیاں کرتے رہنا۔ ایک ماں اپنی آخری خواہش بیان کرنے آئی تھی۔"

یہ کہتے ہی اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ تینوں کے کلیجے کانپ گئے۔

کُند ہم جنس باہم جنس پرواز' کبوتر با کبوتر' باز با باز۔

یہ قدرتی امر ہے کہ کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ چھوٹا بڑے کے ساتھ چل نہیں سکتا اور کمزور شہ زور پر حملہ نہیں کرسکتا۔ کافور خان اپنے علاقے کا چنگیز خان تھا لیکن میں اس کے مقابلے میں شہ زور تھا اسے مجھ پر حملہ نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن اس نے غلطی کی اور غلطی کے نتیجے میں اسپتال پہنچ گیا۔

انتقام لینے والے اسپتال تو کیا قبرستان پہنچ جاتے ہیں' تب بھی ان کا انتقام جاری رہتا ہے۔ اب اس کا بھائی بیرم خان طیش میں آکر قسمیں کھا رہا تھا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اگرچہ اس کی اہمیت نہیں تھی وہ ہتھیاروں کا ذخیرہ اور دشمنوں کی فوج لاکر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تاہم ایک اجنبی نے اس کا پلڑا بھاری کردیا تھا۔

اور وہ کوئی خیال خوانی کرنے والا اجنبی تھا۔ پتا نہیں کافور خان سے اس کی ملاقات کیسے ہوگئی تھی۔ وہ اس خانِ اعظم سے دوستی کرکے ان بھائیوں کو آلۂ کار بنا کر مجھ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے یہ معلوم ہوگا کہ میں گرفت میں آکر بھی نکل جاتا ہوں۔ لہٰذا وہ یقینی گرفت کا انتظار کر رہا ہوگا۔

اس نے کافور خان اور بیرم خان پر عمل کرکے ان کے دماغوں کو لاک کردیا تھا۔ وہ دونوں مطمئن تھے کہ میں ان کے اندر آکر انہیں نقصان نہیں پہنچا سکوں گا۔ اسی زعم میں انہوں نے ریسٹ ہاؤس کو چاروں طرف سے گھیر کر مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور یہ سبق حاصل کیا تھا کہ میرے لئے دماغوں کے اندر پہنچنا ضروری نہیں ہے۔ میں باہر مقابلے پر آکر بھی مشکلات پیدا کردیتا ہوں۔

وہ بڑی مشکل میں تھا۔ آپریشن کے ذریعے جسم سے گولی نکال دی گئی تھی لیکن مرہم پٹی کے وقت میں ایک ڈاکٹر کے دماغ میں تھا۔ میں نے اسے زود اثر دوا لگانے سے روک کر یونہی پٹی کرادی تھی جس کی وجہ سے وہ گولی نکل جانے کے بعد بھی تکلیف میں مبتلا تھا۔

مجھے اس دوران پارس' رخسانہ اور حمیرا کے معاملات میں مصروف رہنا تھا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ کافور خان آپریشن کے بعد اس حد تک نارمل ہو کہ میری سوچ کی لہروں کو روکنا شروع کردے۔ تکلیف میں مبتلا رہ کر وہ مجھے اس اجنبی خیال خوانی کرنے والے کے متعلق کچھ بتا سکتا تھا۔

میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو خان!"

وہ کراہتے ہوئے بولا "میں بڑی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ تم کہاں رہ گئے تھے؟ فرہاد پھر میرے اندر آجائے گا۔ میں اس کی گولی سے بچ گیا۔ اس کی ٹیلی پیتھی سے نہیں بچ سکوں گا۔ میرے لئے کچھ کرو۔"

"ضرور کروں گا۔ پہلے یہ بتاؤ۔ میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"میں کیا جان سکتا ہوں۔ تم پُراسرار بن کر رہتے ہو۔ میں نے کئی بار پوچھا لیکن تم نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

میں اس کے چور خیالات پڑھنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میرے دماغ کو کسی طرح پھر سے لاک کردو۔ ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ بتاؤ میرے لئے کیا کر رہے ہو؟"

میری طرف سے جواب نہیں ملا۔ وہ اپنے ساتھی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو پکار رہا تھا۔ اس کے چور خیالات نے بتایا کہ وہ میرے دشمن خیال خوانی کرنے والے کے نام سے بھی واقف نہیں ہے۔ البتہ ایک فرانسیسی باشندہ آزاد علاقے میں آیا تھا۔ اس نے کافور خان کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ وہ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اور فرہاد کے مسئلے میں اس کے کام آنا چاہتا ہے۔

اندھا کیا چاہے' دو آنکھیں۔ کافور خان اور بیرم خان ہر قیمت پر مجھے اپنے دماغوں میں آنے سے روکنا چاہتے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی اس شخص کو حویلی میں بلایا۔ اس سے پوچھا "تم کون ہو؟ اور یہ کیسے جانتے ہو کہ فرہاد ہمارے لئے مسئلہ بن گیا ہے؟"

اس نے کہا "میرا نام جوزف ہے۔ میں پیرس سے آیا ہوں۔ کچھ عرصے سے میرے دماغ کے اندر کوئی بولتا ہے۔ پہلے تو میں بہت پریشان ہوا۔ پھر خوش ہونے لگا کیونکہ مجھے دولت اور خوش حالی مل رہی تھی۔ دو دن پہلے اس نے کہا کہ مجھے پاکستان کے صوبہ سرحد میں جانا ہوگا۔ وہاں ایک جاگیر میں فرہاد علی تیمور پہنچا ہوا ہے۔ مجھے فرہاد کے خلاف وہاں کچھ کرنا ہے۔"

کافور خان نے کہا "ہم دونوں پہلے جرگہ سے چلے آئے ہیں۔ فرہاد نے ہمیں کروڑوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے اور ہماری قلعہ نما حویلی کو کھنڈر بنا دیا ہے۔"

جوزف نے کہا۔ "مجھے یہاں پہنچ کر یہ سب کچھ معلوم ہوا۔ جرگہ سے ایک شخص کو گائیڈ بنا کر ابھی آپ کے پاس آیا ہوں۔"

بیرم خان نے پوچھا "تم ٹیلی پیتھی نہیں جانتے ہو' کوئی دوسرا جانتا ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ ابھی میرے دماغ میں ہے اور تم دونوں کی باتیں سن رہا ہے۔"

"جو مہربان تمہارے دماغ میں ہے اور جو فرہاد کا دشمن اور ہمارا دوست ہے' ہم اسے خوش آمدید کہتے ہیں۔ مہربان سے بولو' ہم سے باتیں کرے۔"

اجنبی نے اس کے دماغ میں آکر کہا "میں فرہاد کو تلاش کر رہا ہوں۔ میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ جرگہ پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ فرہاد نے تمہیں بہت نقصان پہنچایا ہے تو میں دوست بن کر تمہارے پاس

آیا ہوں۔"

"یہ ہماری خوش بختی ہے کہ تم ہمارے پاس آئے ہو۔ وہ ہمیں وارننگ دے کر گیا ہے۔ اڑتالیس گھنٹوں کے بعد ہمیں بالکل تباہ کر دے گا' ہمیں سڑکوں کا بھکاری بنا دے گا۔ خدا کے لئے اس کا راستہ روک دو۔ اس کو ہمارے دماغوں میں نہ آنے دو۔"

"میں تم پر تنویمی عمل کرکے دماغ کو لاک کردوں گا۔ وہ تمہارے اندر کبھی نہیں آسکے گا۔ تمہیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

"اے ٹیلی پیتھی جاننے والے مہربان! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ میرے دماغ کو جلدی مقفل کردو۔"

"ابھی کروں گا لیکن یہ سمجھ لو۔ اگر تم زخمی ہوجاؤ گے یا بیمار پڑجاؤ گے تو تمہارا دماغ بھی بیمار اور کمزور ہوگا ایسے میں وہ دشمن پھر تمہارے اندر آجائے گا۔"

وہ بولا "ہم دونوں بھائی صحت مند ہیں۔ ابھی شاید بیمار نہ پڑیں۔ رہ گئی زخمی ہونے والی بات تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ ہمارے مقابلے پر آکر وہ ہمارے جسم پر ہلکی سی خراش بھی ڈال سکے۔"

"فرہاد سے کچھ بعید نہیں ہے' وہ دشمنوں کے اندر پہنچنے کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اس سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو اسے پہلی فرصت میں ختم کردو۔"

"تم ہمارے دماغوں کو لاک کرو۔ ہم اسے تلاش کرکے گولی مار دیں گے۔"

اس اجنبی نے تنویمی عمل کے ذریعے دونوں کے دماغوں کو لاک کردیا۔ جب وہ تنویمی نیند سے بیدار ہوئے تو اس نے کہا "اپنی بہن مرجینا پر بھی عمل کراؤ ورنہ وہ تمہاری بہن کے دماغ میں رہ کر دشمنی جاری رکھے گا۔"

کافور خان نے کہا "بے شک ہم اپنی بہن کو بھی دشمن سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی خوابگاہ میں ہوگی۔ میں ابھی اس سے باتیں کرتا ہوں۔ تمہارا تعارف کراتا ہوں۔ پھر تم اس پر عمل کرو۔"

وہ اپنے کمرے سے نکل کر مرجینا کی خوابگاہ میں آیا لیکن پچھلی رات میرے اور مرجینا کے درمیان یہ طے ہوگیا تھا کہ وہ ارسلان سے ملنے پشاور آئے گی۔ اپنی حویلی کو اور بھائیوں کو چھوڑ کر جانے کے لئے اس نے ایک چال چلی' وہ بھائیوں کو ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے اُس نے مجھ پر الزام لگایا کہ فرہاد اسے اغوا کرکے کہیں لے جارہا ہے۔

اس نے میری طرف سے ایک کاغذ پر لکھا تھا۔ "کافور خان! اس وقت میں نے تمہاری بہن کو عاقل بنایا ہے اور یہ غفلت میں تمہیں خط لکھ رہی ہے کہ فرہاد کو تم لوگوں پر بھروسا نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس کی شرائط پر عمل کروگے یا نہیں؟ اس لئے میں تمہاری بہن کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے یرغمال بنا رہا ہوں۔ میری شرائط پر عمل کروگے تو تمہاری بہن واپس کردوں گا۔ فقط راقم الحروف فرہاد۔"

اس نے یہ خط اپنے بستر پر رکھ دیا تھا۔ پھر وہاں سے پشاور چلی آئی تھی۔ گھر سے بھاگ کر آئی تھی لیکن بھائیوں کے قہر و غضب کو میری طرف موڑ دیا تھا۔

دونوں بھائی وہ خط پڑھ کر غیرت اور غصے سے گرج رہے تھے۔ اجنبی نے خیال خوانی کے ذریعے کہا "غصہ نقصان پہنچائے گا۔ عقل سے کام لو۔"

بیرم خان نے کہا "وہ ہماری بہن کو لے گیا ہے۔ اب عقل نہیں صرف بندوق کام کرے گی۔"

"جب تک فرہاد نظر نہیں آئے گا تم گولی کسے مارو گے؟"

"اوہ خدایا! کیسی مجبوری ہے۔ پتا نہیں وہ بدبخت کہاں چھپا ہوا ہے۔"

"میں تمہاری بہن کی آواز سن کر اُس کے دماغ میں پہنچ سکتا ہوں۔ اگر اس کے پاس موبائل فون ہو تو اس سے رابطہ کرو۔ میں تمہارے ذریعے اس کی آواز سنوں گا۔"

مرجینا موبائل چھوڑ کر گئی تھی۔ کافور خان نے کہا۔ "ایک بار اس نے لندن سے ایک کیسٹ میں اپنی آواز ریکارڈ کرکے بھیجی تھی۔ میں ابھی وہ کیسٹ سناتا ہوں۔"

اس نے کیسٹ کے ذریعے آواز سنائی۔ اجنبی وہ آواز سن کر مرجینا کے پاس آیا اس نے سانس روک لی۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ فرہاد نے اس کے دماغ کو لاک کیا ہے۔ وہ میرے لب و لہجے میں اس کے اندر گیا تو دماغ میں جگہ مل گئی۔

اس نے خیالات پڑھ کر اُس کے بھائی کو بتایا کہ وہ ارسلان سے ملاقات کرنے پشاور جارہی ہے اور یہ غلط ہے کہ فرہاد اسے یرغمال بنا کر لے جارہا ہے۔ وہ خود ہی ارسلان کی دیوانی ہے۔ فرہاد ہمارا دشمن ہے لیکن اس دشمن میں یہ خوبی ہے کہ وہ کسی عورت کو جبراً اپنی طرف مائل نہیں کرتا ہے۔ وہ اپنے آلۂ کار ارسلان کو بھی یہ اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ تمہاری بہن خود بے حیائی کے لئے یہ گھر چھوڑ کر گئی ہے۔

وہ اجنبی خیال خوانی کرنے والا بھی یہی سمجھتا رہا کہ فرہاد اور ارسلان دو الگ شخص ہیں لیکن جب میں ریسٹ ہاؤس کے بند کمرے میں مرجینا کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا تب وہ مرجینا کے دماغ میں موجود تھا۔ اس نے میری آواز اور لہجے سے پہچان لیا۔ دونوں بھائیوں کے پاس جاکر بولا۔ "ارسلان ایک فراڈ ہے۔ دراصل وہی فرہاد ہے۔ اس وقت مرجینا کے ساتھ ریسٹ ہاؤس کے بند کمرے میں ہے۔ اسے گھیر کر قتل کرنے کا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔"

یہ معلوم ہوتے ہی انہوں نے ریسٹ ہاؤس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا' وہ میں بیان کرچکا ہوں۔ اب کافور خان کا کمزور دماغ مجھے اس اجنبی خیال خوانی کرنے والے کے متعلق بتا رہا تھا۔ اتنا کچھ بتانے کے باوجود یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کون ہے۔ امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے یا اسرائیلی؟ ان دو ملکوں کا ہی کوئی دشمن ہوگا۔ ایک خیال خوانی کرنے والا ماسک مین کے پاس تھا۔ ماسک مین نے اس کا برین آپریشن کرایا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق ابھی وہ زیرِ تربیت ہوگا۔ ماسک مین اسے اتنی جلدی میرے مقابلے پر نہیں لائے گا۔

پھر یہ کہ ایک عرصہ ہوا' ماسک مین سے کوئی دشمنی نہیں چل رہی تھی۔ البتہ یہودی چاہتے تھے کہ میں صوبہ سرحد میں مصروف رہوں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ صوبے میں میری کوئی خاص مصروفیت نہیں رہی ہے اور میں کسی وقت بھی واپس جاسکتا ہوں تو وہ اپنے ایک خیال خوانی کرنے والے کو میرا راستہ روکنے کے لئے لے آئے تھے۔

میری کوشش یہی تھی کہ میں اس اجنبی کو کسی طرح پہچان لوں۔ اس مقصد کے لئے میں بہت دیر تک کافور خان کے دماغ میں خاموش رہا۔ کبھی اس کے اندر جاتا رہا کبھی آتا رہا لیکن دشمن خیال خوانی کرنے والے کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ بہت محتاط تھا۔ یہ سمجھتا تھا کہ میں کافور خان کے کمزور دماغ میں رہ کر اُس کی آواز اور لہجے سے اسے پہچان سکتا ہوں۔

کافور خان اسپیشل وارڈ کے ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ بیرم خان نے آکر کہا "برادر! میں فرہاد کو تلاش کر رہا ہوں۔ وہ بزدل اسی شہر میں چھپا ہوا ہے۔"

کافور خان نے کہا "اسے بزدل نہ کہو۔ دشمن اگر شیر ہے تو شیر بولو' وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا۔ ہم نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا تھا۔ ہم اسے کتا سمجھ رہے تھے لیکن اس نے ایک حملے میں ہمیں میدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔"

"ٹھیک ہے' تم کہتے ہو تو اسے بزدل نہیں سمجھوں گا لیکن سمجھ میں نہیں آتا اسے کہاں تلاش کروں؟"

"ہمارا مہربان ٹیلی پیتھی جاننے والا اسے تلاش کرسکتا ہے۔"

"وہ کہتا ہے۔ ابھی مجھے فرہاد سے دور رہنا چاہئے۔ ورنہ وہ تمہارے دماغ میں آکر تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"ہاں' یہ اندیشہ ہے کہ وہ میرے دماغ میں پہلے کی طرح آئے گا تو اب مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مہربان سے بولو' میرے دماغ میں آکر مجھ سے باتیں کرے۔"

"یہ میرے دماغ میں ہے۔ تمہاری ہر بات کا جواب دے گا لیکن تمہارے دماغ میں جانے سے فرہاد اس کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"کیا مصیبت ہے۔ ہمارا مہربان فرہاد کی طرح ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ وہ فرہاد کے برابر پہلوان ہے۔ پھر بھی مقابلے پر نہیں آتا۔ اس سے مُنہ چھپاتا ہے۔"

"برادر! یہ مہربان بولتا ہے۔ فرہاد اندھیرے سے چلنے والا تیر ہے۔ مہربان جب تک اندھیرے میں رہے گا اس اندھے تیر سے محفوظ رہے گا۔"

کافور خان نے کہا "اسے اپنی حفاظت کا خیال ہے تو پھر وہ تھوڑی دیر پہلے میرے دماغ میں کیوں آیا تھا؟"

"مہربان کہتا ہے' جب سے تمہیں گولی لگی ہے' یہ تمہارے دماغ میں نہیں گیا ہے۔ تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ فرہاد آیا ہوگا۔"

میں نے کہا "ہاں میں تمہارے پاس آیا تھا اور اب بھی موجود ہوں۔ اپنے مہربان سے پوچھو' کیا وہ تمہیں مجھ سے بچا سکتا ہے۔ میں تمہیں ابھی ہلاک کرنے والا ہوں۔"

وہ گھبرا کر بولا "مہربان! مجھے بچاؤ۔ فرہاد میرے اندر ہے۔ مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ مجھے کسی طرح بچاؤ۔"

بیرم خان نے بھائی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "فرہاد! یہ بزدلی ہے۔ مرد کے بچے ہو تو سامنے آکر حملہ کرو۔"

"تم دونوں بھائی کیسے مرد ہو؟ مجھے قتل کرنے کے لئے ریسٹ ہاؤس کے بند کمرے میں مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اکیلے شخص کو پوری فوج کے ساتھ گھیرنا بزدلی نہیں ہے۔ غریب دہقانوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو اٹھا کر اپنی حرم سرا میں لے جانا کون سی مردانگی ہے؟"

کافور خان نے بھائی سے کہا "میں نے ابھی تمہیں سمجھایا تھا فرہاد کو بزدل نہ کہا کرو۔" پھر اس نے مجھ سے کہا "فرہاد بھائی! تمہیں خدا کا واسطہ یہ دشمنی ختم کرو۔ ایک بار ہمیں دوست بنا کر آزماؤ۔ ہم تمہارے لئے جان بھی قربان کردیں گے۔"

"جان ہی تو مانگنے آیا ہوں۔ چلو دوست بن کر ہی قربان ہوجاؤ۔"

"نہیں' میں مرنا نہیں چاہتا۔ خدا کے لئے بتاؤ جان بخشنے کا کیا لوگے؟"

"میں نے کہا تھا' پاکستان میں قدم نہ رکھنا لیکن تم خود کو طاقتور اور مجھے کمزور سمجھ کر دوبارہ یہاں آگئے۔ اس کی سزا تو ملے گی۔"

"مم..... میں آج ہی پاکستان چھوڑ دوں گا۔ یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"میں نے کہا تھا' تمہارے بھائی کی حرم سرا میں جتنی عورتیں ہیں ان میں سے ہر عورت کو پانچ لاکھ دے کر آزاد کردو۔"

"میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔ کل ہی یہ تمام ادائیگی ہوجائے گی۔ جو عورت جہاں جانا چاہے گی' اسے وہاں پہنچا دوں گا۔"

"میری تیسری شرط یہ تھی کہ تمام غلاموں کو آزاد کردو گے اور ان کے قرضے معاف کروگے۔"

"میں زندہ رہنا چاہتا ہوں' کل ہی تمام قرضے معاف کرکے غلاموں کو آزاد کردوں گا۔"

"تو پھر اپنے بھائی سے کہو' ابھی تمہیں یہاں سے لے جائے۔

میں چھ گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں اس مہلت کے بعد پاکستان میں ہرگز نظر نہ آنا۔"

اس نے بیرم خان سے کہا "جانِ برادر! فرہاد نے جو تین شرائط پیش کی تھیں ان پر فوراً عمل کرو گے تو میری زندگی سلامت رہے گی۔ اس لئے ابھی ہم پاکستان چھوڑ دیں گے۔"

وہ بولا "برادر! ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے مہربان نے ایک لڑکی کی ذمے داری مجھے دی تھی کہ میں اس شہر میں اُس کا خیال رکھوں۔ اس سے آخری ملاقات کرنا ضروری ہے۔ میں جا کر اسے بتادوں کہ وہ چاہے تو اپنے ملک واپس چلی جائے یا پھر ہمارے ساتھ چلے۔"

کافور خان نے پوچھا "وہ لڑکی کون ہے؟ تم نے پہلے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"تم زخمی تھے۔ تمہارے جسم سے گولی نکالی جارہی تھی۔ تب مہربان نے مجھے اس لڑکی کی ذمے داری سونپی تھی۔ اس کا نام فرمونا آندروف ہے۔"

اس نے بتایا کہ فرمونا کا قیام کسی ہوٹل میں ہے۔ وہ مجھے اس کے متعلق بتا رہا تھا کہ وہ روسی لڑکی ہے۔ ماسک مین کے ملک سے آئی ہے۔ اجنبی ٹیلی پیتھی جاننے والے سے اس لڑکی کا تعلق دور یا نزدیک سے تھا۔ اس تعلق سے صاف ظاہر تھا کہ ماسک مین کا واحد ٹیلی پیتھی جاننے والا ایوان راسکا اس وقت بیرم خان کے دماغ میں تھا اور وہاں اس نے میرے خلاف ان بھائیوں کو آلۂ کار بنایا ہوا تھا۔

کافور خان نے بھائی سے کہا "وہ لڑکی ہمارے مہربان سے تعلق رکھتی ہے۔ ابھی وہ تمہارے دماغ میں ہماری باتیں سن رہا ہے۔ ہمارا پروگرام جانتا ہے کہ ہم یہ ملک چھوڑ رہے ہیں۔ وہ خود اس لڑکی کو جا کر تمہارے متعلق بتادے گا۔"

"برادر! وہ مہربان ابھی میرے دماغ میں نہیں ہے، کہیں گیا ہوا ہے۔"

"ابھی وہ آجائے گا۔ تم چلنے کی تیاری کرو۔"

میں یقین نہیں کرسکتا تھا کہ ایوان راسکا اس کے دماغ میں موجود نہیں ہوگا۔ فی الحال میں اس اجنبی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو ایوان راسکا ہی کہوں گا۔ وہ ضرور ایک نئی چال چل رہا تھا۔ کسی فرمونا نامی لڑکی کو میرے سامنے چارا بنا کر پیش کررہا تھا تاکہ میں اس میں دلچسپی لوں اور وہ اس کے ذریعے مجھ پر نظر رکھے اور موقع پا کر پھر مجھ پر قاتلانہ حملہ کرسکے۔

ہوسکتا ہے یہ بات نہ ہو۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتا ہو کہ وہ فرمونا کے ذریعے مجھے ٹریپ کرنا چاہے گا تو میں بھی اس لڑکی کے ذریعے اسے بے نقاب کرنے اور اس کی شہ رگ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا اور مجھے ایسا ہی کرنا تھا۔ اس دشمن خیال خوانی کرنے والے کی مصروفیات پر نظر رکھنے کے لئے اب وہی ایک لڑکی ذریعہ بن سکتی تھی۔

اگر میں فوراً ہی فرمونا کے قریب پہنچنا چاہتا یا ٹیلی فون کے [illegible] کے کسی ملازم یا رشتے دار کے دماغ میں پہنچ کر فرمونا آندروف کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تو دشمن خیال خوانی کرنے والے ایوان راسکا کو معلوم ہوجاتا۔ میں فی الحال اس سے دور رہ کر ایوان راسکا کو مایوس کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس لڑکی کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا ہوں۔

میں نے آئی جی کو مخاطب کیا۔ "ہدایت اللہ خان صاحب، السلام علیکم۔"

اس نے خوش ہو کر کہا "وعلیکم السلام فرہاد صاحب! خدا کی قسم میں ابھی آپ ہی کو یاد کر رہا تھا۔"

میں نے کہا "فرمائیے، میرے لائق کوئی خدمت ہے۔"

"جناب! ہم آپ کے خادم ہیں۔ اسلام آباد سے انٹیلی جنس کے ایک اعلیٰ افسر کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ ان کی آواز سنانے کی زحمت کریں، میں ان سے ضرور باتیں کروں گا۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولا "میں اپنے ایک ذاتی مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے لئے وقت نکالیں۔"

"ابھی وقت ہے۔ آپ نمبر ڈائل نہ کریں۔ پہلے آپ کے مسئلے پر گفتگو ہوگی۔"

"یہ آپ کی محبت ہے کہ پہلے مجھ پر توجہ دینا چاہتے ہیں لیکن یہ رابطہ ہوگیا ہے۔ آپ ان سے گفتگو کرلیں۔"

پھر اس نے فون پر کہا "میں پشاور سے آئی جی بول رہا ہوں۔ صاحب سے بات کراؤ۔"

چند سیکنڈ کے بعد اس نے کہا "ہیلو، آپ کے لئے خوشخبری ہے۔ فرہاد صاحب میرے پاس موجود ہیں۔ ابھی پلک جھپکتے ہی آپ کے پاس پہنچنے والے ہیں۔"

"واقعی یہ خوشخبری ہے۔"

میں نے کہا "میں پلک جھپکنے سے پہلے پہنچ گیا ہوں۔ السلام علیکم۔"

وہ چونک کر بولا "ارے بھئی ہدایت اللہ خان صاحب! مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں اپنے اندر اجنبی لہجے میں بول رہا ہوں۔"

آئی جی نے کہا "فرہاد صاحب بول رہے ہیں۔ اب میری ضرورت نہیں رہی۔"

ادھر سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ میں نے کہا۔ "جی ہاں، میں فرہاد بول رہا ہوں۔ آپ مستحکم ارادہ کرلیں کہ ریسیور ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے رہیں گے اور اسے کریڈل پر نہیں رکھیں گے لیکن میں رکھوا دوں گا۔"

"چلیں آپ کا یہ کمال دیکھ لیتے ہیں۔ میں نے ریسیور کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ اگر اتنی مضبوطی سے چور کی کلائی پکڑ لوں تو بھاگنے نہ پائے۔ اگر میں......"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ میں نے مختصر طور پر اس کا چور خیال پڑھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ پھر میں نے کہا "چور قوت سے ہاتھ چھڑاتا ہے اور محبوبہ اداؤں سے بہلا کر کلائی چھڑا لیتی ہے لیکن آپ نے ریسیور کو اتنی مضبوطی سے پکڑا ہے کہ شاہدہ زرّیں کی کلائی ہوتی تو وہ بھی نخرے دکھا کر چھڑا نہ سکتی۔"

اس نے حیرانی سے فوراً ہی ریسیور رکھتے ہوئے پوچھا "ک.... کون شاہدہ زریں؟ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

"اسی حور تمثال دلربا کی بات کر رہا ہوں جس نے آپ کا دل چھین کر اپنے پاس رکھ لیا۔ جس کا نام سنتے ہی آپ مضبوطی سے پکڑا ہوا ریسیور رکھ دیتے ہیں۔"

اس نے جھینپ کر کہا "آپ نے بڑی چالاکی سے ریسیور رکھوا دیا ہے۔ سچ بتائیں، آپ شاہدہ کے بارے میں کیسے جانتے ہیں؟"

"ابھی آپ کے دماغ سے معلوم کیا تھا۔ آپ کچھ کہیں یا نہ کہیں، ہم خیال خوانی کے ذریعے چور خیالات پڑھ لیتے ہیں۔"

"واقعی یہ کمال کا علم ہے۔ دنیا کا کوئی راز آپ کے سامنے راز نہیں رہتا ہوگا۔"

"یہ خیال خوانی کا علم ایسا ضرور ہے۔ اس کے باوجود ہم اسرارِ خداوندی کو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا زبردست غیر معمولی علم دے کر ہمیں سمجھاتا ہے کہ ہم وہیں تک پہنچتے ہیں، جہاں تک وہ عالم الغیب ہمیں پہنچاتا ہے۔ اس سے آگے جانا ہماری جرات اور فہم و ادراک سے بعید ہے۔"

"بے شک ایسی ہی زندہ مثالوں سے ایمان مستحکم ہوتا ہے۔"

"آپ نے کس لئے یاد کیا تھا؟"

"ہمارے ملک کے کچھ خفیہ معاملات ہیں۔ ان معاملات کی تہ تک پہنچنے کے لئے غیر ملکی جاسوس اور سیکرٹ ایجنٹ اسلام آباد آتے جاتے رہتے ہیں۔ بعض دشمنوں نے شبہات سے بالاتر رہنے کے لئے جہلم، پنڈی اور پشاور میں رہائش اختیار کی ہے۔ وہ ان شہروں سے اسلام آباد آتے ہیں۔ ایک آدھ دن پُراسرار سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں۔"

"پھر تو یقیناً آپ کی نظروں میں ایسے کچھ سیکرٹ ایجنٹ ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ مجھے ان پر شبہ ہے۔ آپ اپنے علم سے میرے شبہات کو غلط یا درست ثابت کرسکتے ہیں۔"

"آپ ان کے نام اور پتے بتائیں۔ یا ان کی آوازیں سنائیں۔ میں ان سب کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ایک غیر ملکی انجینئر جان ریڈی ہے۔ وہ یہاں فائیو اسٹار ہوٹل تعمیر کرنے آیا ہے۔ ہمارے ایک جاسوس کی رپورٹ ہے کہ وہ برائے نام انجینئر ہے کیونکہ ایک انجینئر کی حیثیت سے ہمارے جاسوس کے ساتھ ٹیکنیکل گفتگو کرتے وقت جھجک رہا تھا۔ وہ تعمیراتی معاملات میں کم دلچسپی لیتا ہے اور سرکاری افسران سے زیادہ دوستی کرتا ہے اور ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا ہے۔"

"آپ مجھے اس کی آواز سنائیں۔"

"میں رپورٹ پیش کرنے والے جاسوس سے رابطہ کرتا ہوں۔ وہ اپنے طور پر انجینئر جان ریڈی سے فون پر گفتگو کرے گا۔ آپ اس کے ذریعے آواز سن سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں دوسرے مشکوک کے متعلق بتاؤں گا۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا۔ "مسٹر سرفراز! ہمیں فرہاد صاحب کا بھرپور تعاون حاصل ہو رہا ہے۔ یہ میرے پاس موجود ہیں۔ تمہاری آواز سن کر تمہارے دماغ میں آئیں گے پھر تم فون پر جان ریڈی کی آواز فرہاد صاحب کو سناؤ گے۔"

"رائٹ سر! میں فرہاد صاحب کو جان ریڈی کی آواز ابھی سناؤں گا۔"

میں نے سرفراز کے دماغ میں پہنچ کر کہا "ریسیور رکھ دو۔ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔"

"جناب! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھ ناچیز سے مخاطب

ہیں۔ میں ابھی جان ریڈی سے گفتگو کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے وہ خیالات پڑھیں' جنہیں میں زبان پر لانا نہیں چاہتا۔"

"اچھی بات ہے' میں پڑھوں گا۔ تم اپنا کام کرو۔"

اس نے جان ریڈی سے رابطہ کرکے پوچھا "ہیلو مسٹر ریڈی! خیریت سے ہو؟"

وہ بولا "یہ تم خیریت معلوم کرنے کے بہانے مجھ پر نظر رکھتے ہو۔"

"فون پر نہ کوئی نظر آتا ہے نہ نظر رکھی جاتی ہے۔ تم ہمارے ملک میں مہمان ہو۔ اس لئے تمہاری خیریت معلوم کرنا میرا فرض ہے۔"

"میں بہت مصروف ہوں' کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ تمہارا کام تمام ہونے والا ہے۔"

سرفراز نے ریسیور رکھ دیا۔ اس نے ہیلو ہیلو کہہ کر کریڈل کو کھنکھنایا پھر گالیاں دیتے ہوئے ریسیور کو پٹخ دیا۔ اس کے ابتدائی خیالات پڑھتے ہی معلوم ہوگیا کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا حامل سیکرٹ ایجنٹ راجر بڈ ہے۔ امریکی اسے فخر سے کہتے تھے کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ دوسرے تمام ممالک اسے بدنام زمانہ جاسوس کہتے تھے۔ وہ جس ملک میں جاتا تھا' وہاں کے اہم معاملات کی جڑوں تک پہنچ جاتا تھا۔

فی الحال امریکا' روس' اسرائیل اور بھارت ہمارے ملک کے دو اہم معاملات کی تہہ تک پہنچنے اور ثبوت حاصل کرنے کے لئے بے چین تھے۔ ایک معاملہ ایٹم بم کا تھا۔ پاکستان ایٹم بم بنانے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ لیکن دشمن ممالک بضد تھے کہ بم تیار ہوچکا ہے اور وہ بم انہیں راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔ اگر سوتے تھے تو ان کے خوابوں میں آکر زبردست دھماکے سے پھٹ پڑتا تھا۔ پاکستان کے نادیدہ بم سے ان کے دماغ پھٹ رہے تھے۔

دوسرا معاملہ پاکستان کی فوجی مشقوں کا تھا۔ پچھلے برس پاکستان کی بحری' بری اور فضائی افواج نے بڑی کامیاب جنگی مشقیں کی تھیں۔ یہ مشقیں اپنے وطن کے آنگن میں کی گئی تھیں لیکن پڑوسی ملک کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ اب وہ سراغرسانوں کے ذریعے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہماری فوجی طاقت میں کس حد تک اضافہ ہوچکا ہے۔

ان دو اہم معاملات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے امریکا اپنے بہترین سیکرٹ ایجنٹ کی خدمات پیش کرتے ہوئے بھارت سے تعاون کررہا تھا اور اسرائیل کا دل خوش کررہا تھا۔

سیکرٹ ایجنٹ راجر بڈ نے یہاں قدم رکھنے سے پہلے معلومات حاصل کی تھیں کہ اس ملک کے لوگوں کی کمزوریاں کیا ہیں؟ ویسے تو ہر قوم میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں لیکن ہمیں دوسری قوموں سے کیا لینا ہے' ہمیں تو اپنے گریبان میں جھانکنا ہے۔

ہماری پہلی کمزوری یہ ہے کہ ہم راتوں رات امیر بننا چاہتے ہیں اور دولت کی نمائش میں اپنے بھائی سے برتر اور اپنے پڑوسیوں سے افضل نظر آنا چاہتے ہیں۔

اسی پہلی کمزوری سے باقی دوسری کمزوریاں جنم لیتی ہیں۔ یعنی اگر ایک اپنے خاندان سے بھی زیادہ اعلیٰ خاندان کی لڑکی سے شادی کرتا ہے تو دوسرا مقابلتاً امریکی یا یورپی لڑکی کو دلہن بنا کر لے آتا ہے اور مونچھوں پر تاؤ دے کر بولتا ہے تمہارے پاس تو لوکل مال ہے۔ میں فارن کا آئٹم لایا ہوں۔

سیکرٹ ایجنٹ ایسی ہی کمزوریوں کے پیش نظر شراب اور شباب کا اچھا خاصا ذخیرہ لایا تھا۔ مہنگی سے مہنگی اسکاچ وہسکی' حسین سے حسین گوری اور گلابی لڑکیاں' نوٹوں کی گڈیاں' اعلیٰ افسران اور اہم عہدیداران کی بیگمات اور ان کی جوان اولاد کے لئے گرین کارڈز لایا تھا۔

فارن کا اتنا پرکشش سامان ہو تو ایسے ایماندار بھی بک جاتے ہیں جن کے اندر بے ایمانی سوئی رہتی ہے۔ کبھی جاگتی ہے تو بے چارے ایماندار اسے تھپک کر سلاتے ہیں۔ یوں ان کے اندر بے ایمانی کبھی سوتی ہے کبھی جاگتی ہے۔ کبھی ایک آنکھ کھول کر گوری گوری ٹانگیں اور گرین کارڈ دیکھتی ہے۔ پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی ہے۔

سیکرٹ ایجنٹ راجر بڈ کو ابتدا میں دشواریاں پیش آئی تھیں کیونکہ ایٹمی پلانٹ اور سائنسی شعبے سے تعلق رکھنے والے ذہین سائنس دان نہایت فرض شناس تھے۔ صرف اپنے کام سے انہیں دلچسپی تھی۔ انہیں دولتمند بننے کی نہیں بلکہ بہترین کارنامے انجام دینے کی لگن تھی۔

وہ قناعت پسند تھے۔ زندگی گزارنے کے لئے جو مخصوص آمدنی تھی اس سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں تھی۔ چونکہ شاعر اور عاشق مزاج نہیں تھے اس لئے کوئی حسن کی ملکہ بھی انہیں متاثر نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کی دنیا میں مطمئن رہتے تھے لیکن انسانی کمزوری کہیں ضرور چھپی ہوتی ہے۔ ایسے ہی دو فرض شناس اور ذمے دار سائنس دانوں کی بیویاں اور جوان بچے گرین کارڈز کے لئے ترستے تھے اور وہ کارڈز ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے تھے۔

راجر بڈ نے کہا "تمہارا شوہر اسلام حسین ہم سے دوستی کرے گا تو تم اپنے تمام بچوں کے ساتھ امریکا جاکر رہ سکو گی۔"

وہ بولی "دوستی کرنا اچھی بات ہے لیکن میرے میاں بہت ہی خشک مزاج اور آدم بیزار ہیں۔ کسی شخص سے دوستی تو دور کی بات ہے وہ بات بھی نہیں کرتے۔"

اس نے کہا "تم صرف بیوی نہیں اپنے بچوں کی ماں بھی ہو۔ ان کا مستقبل امریکا ہی میں بنا سکتی ہو۔"

جوان بیٹی نے کہا "یس ممی! اپنا گرافال' ہالی ووڈ اور ڈزنی لینڈ کی

رنگا رنگی اور حسین مناظر مجھے خوابوں میں نظر آتے ہیں۔"

بیٹے نے کہا "ممی! اس چھوٹے سے ملک میں کیا رکھا ہے۔ امریکا دنیا کا جدید ترین ملک ہے وہاں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے بڑے چانس ہوتے ہیں۔"

بیگم نے اس رات اسلام حسین سے کہا "دنیا کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہے اور آپ وہیں کے وہیں ہیں۔"

اس نے سر جھکا کر کہا "میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ دنیا کے سائنس دان بڑے بڑے تجربات کر رہے ہیں۔ میں بھی اپنے ملک کی ترقی کے لئے بہت سے کامیاب تجربات میں مصروف ہوں۔ انشاء اللہ جلد ہی....."

وہ بات کاٹ کر بولی "میں بات کچھ کرتی ہوں۔ آپ کا جواب کچھ اور ہوتا ہے۔ سائنس کی دنیا سے باہر نکل کر بھی باتیں کیا کریں۔"

"میری دنیا تو سائنس اور پاکستان ہے۔ اس کے بعد تم اور بچے ہو۔"

"بچوں کی بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔ میں انہیں امریکا لے جانا چاہتی ہوں۔"

"پاکستان میں کیا تکلیف ہے؟"

"بات تکلیف کی نہیں' ترقی کرنے کی ہے۔"

"کیا میں نے یہاں ترقی نہیں کی ہے۔ ملک کے اندر اور باہر میری شہرت نہیں ہے۔ کیا ملک کے سربراہ میری عزت نہیں کرتے ہیں کیا یہ ناموری ترقی نہیں ہے۔ بچے امریکا جا کر پاپ میوزک پر ڈانس کریں گے تو ترقی ہوگی؟"

"آپ تو ہمیشہ پتھر مارتے ہیں' باتیں نہیں کرتے۔"

بیٹے نے کہا "ڈیڈی! ہم نئے دور کی پیداوار ہیں۔ آپ پرانے زمانے کے والد صاحب کی طرح ہمیں اس ملک کا پابند نہ کریں۔ ہمیں دنیا دیکھنے دیں۔"

بیٹی نے کہا "ڈیڈی! میں امریکا ضرور جاؤں گی۔ انکل جان (راجر ہڈ) بہت اچھے ہیں۔ آپ ان سے ایک بار ملیں گے تو ہمیشہ کے لئے ان کے دوست بن جائیں گے۔"

"بیٹی فاخرہ! میں اس قدر اہم شعبے میں ہوں اور ایسی اہم ذمے داریاں سنبھالتا ہوں کہ اس کے پیش نظر کسی اجنبی سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ کسی غیر ملکی سے بات کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔"

بیگم نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت نے آپ کو قیدی یا غلام بنا کر رکھا ہوا ہے۔"

"یہ غلامی نہیں فرض شناسی ہے۔ اپنے ملک کے اہم رازوں کی حفاظت کے لئے مجھے ہزاروں پابندیاں منظور ہیں۔ میرے پابند رہنے سے جلد ہی پوری قوم سائنس کے حوالے سے مجھ پر فخر کرے گی۔"

دوسرے دن بیگم نے راجر ہڈ سے کہا "مسٹر جان! میرا مرد ایک دم پتھر ہے۔ کنوئیں کا مینڈک ہے۔ کوئی دوسرا راستہ بتاؤ۔"

"بتا سکتا ہوں لیکن یہ بات اپنے شوہر سے کہو گی تو وہ مجھے اس ملک سے نکلوا دے گا یا قتل کرا دے گا۔"

"ایسی کیا بات ہے؟"

"پہلے رازداری کا وعدہ کرو۔ تم اور بچے رازدار بن جاؤ گے تو میں آج ہی تمہیں ایک لاکھ روپے یہاں دوں گا۔ امریکا میں پچاس ہزار ڈالر سے تمہارا اکاؤنٹ کھلوا دوں گا۔ تمہاری بیٹی فاخرہ اور بیٹے نعیم کو بہترین اسکول اور ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ میں داخلے مل جائیں گے۔ رہائش کا مفت انتظام ہو جائے گا۔"

وہ تینوں ماں بیٹے تعجب سے سن رہے تھے۔ حیرت سے ان کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ مسرت سے مُنہ کھل گئے تھے۔ فاخرہ نے پوچھا "راز کیا ہے بتاؤ؟ ہم وہ راز اپنے سائے کو بھی نہیں بتائیں گے۔"

اس نے رازداری سے کہا "تمہارے ڈیڈی کی تحویل میں کئی اہم فائلیں رہتی ہیں۔ ان میں سے ایسی فائلوں کی مائیکرو فلمیں چاہتا ہوں جن میں یورینیم کے اسٹاک اور ایٹم بم کے فارمولے کی تفصیلات درج ہیں اور وہ تاریخ درج ہے جب پاکستان نے پہلا ایٹم بم بنایا تھا۔"

نعیم نے شدید حیرانی سے پوچھا "کیا پاکستان نے ایٹم بم بنایا ہے۔ یہ تو یقین نہ کرنے والی بات ہے۔"

راجر ہڈ نے کہا "ابھی تم نوجوان ہو۔ تمہارے کھانے کھیلنے کے دن ہیں۔ تم ایسی رازداری اور سیاست کو نہیں سمجھو گے۔"

بیگم نے پوچھا "لیکن ہمیں ان فائلوں کی مائیکرو فلمیں کیسے حاصل ہوں گی؟"

"وہ خود حاصل نہیں ہوں گی۔ انہیں حاصل کرنا ہوگا۔ میں ایک چھوٹے لائٹر سائز کا کیمرا دوں گا۔ اگر فاخرہ اور نعیم اپنے ڈیڈی سے ضد کریں کہ وہ ایٹمی پلانٹ کی عمارت کو اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں تو باپ اپنے بچوں کی ضد پوری کر سکتا ہے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا میاں اپنے اصولوں اور فرض شناسی کی خاطر اولاد کا دل توڑ دے گا۔ مگر ضد پوری نہیں کرے گا۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ کچھ کئے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔"

"میں نے اپنے سائنس دان میاں کے ساتھ اٹھارہ برس گزارے ہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ ہمارے مذہب میں تقویٰ ایسا عمل ہے کہ اس عمل سے گزرنے والا دنیا کی ہر خواہش کو مار دیتا ہے۔ صرف اتنا ہی حاصل کرتا ہے جتنا زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہوتا ہے۔ اسلام حسین شریعت کا سخت پابند ہے۔ اسی لئے وہ کسی لالچ میں نہیں آئے گا۔"

"تو پھر ایک ہی راستہ ہے۔ اسے اس قدر کمزور بنا دیا جائے کہ وہ شریعت کو بھول جائے اور ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک کر وہ فائلیں پیش کر دے۔"

"اسے کس طرح کمزور بنایا جا سکتا ہے؟"

"اگر ہم فاخرہ کو اغوا کرنے کا ڈراما پلے کریں اور اسے یقین ہو جائے کہ جوان بیٹی بدمعاشوں کے چنگل میں ہے اگر ان فائلوں کی مائیکرو فلم نہ دی گئیں تو وہ بے آبرو ہو جائے گی۔ اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔"

بیگم نے اپنے مُنہ پر رکھ کر کہا "ارے تم پاگل ہو گئے ہو۔ میرے سامنے میری بیٹی کو اغوا کرنے اور اس کے بے آبرو ہونے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"میں پاگل نہیں ہوں۔ تمہاری بیٹی کو سچ مچ اغوا نہیں کیا جائے گا۔ ہم فاخرہ اور نعیم کو کہیں چھپا دیں گے اور اسلام حسین کی پدرانہ محبت کو آزمائش میں مبتلا کر دیں گے۔"

"ہاں' تمہاری تدبیر سمجھ میں آ رہی ہے۔"

فاخرہ نے خوش ہو کر کہا "ممی! بڑا زبردست ایڈونچر رہے گا۔ ڈیڈی میرے اور نعیم کے لئے تڑپنے لگیں گے۔ وہ خواہ کتنے ہی اصولوں کے پابند ہوں' ہمارے لئے تمام پابندیاں توڑ دیں گے۔"

نعیم نے بھی تائید کی۔ بیگم بھی راضی ہو گئی۔ ماں کو اندیشہ نہیں تھا کہ جوان بیٹی ہاتھ سے بے ہاتھ ہوگی۔ یہ یقین تھا کہ بھائی کے ساتھ رہے گی پھر جان ریڈی (راجر ہڈ) ان کا سرپرست ہوگا۔

پہلے بیگم نے کہا کہ وہ بھی بیٹی کے ساتھ روپوش ہوگی۔ راجر ہڈ نے سمجھایا' بیگم کو اپنے شوہر کے پاس رہنا چاہئے تاکہ بیٹی کی واپسی کے عوض اسلام حسین سے فائلوں کی مائیکرو فلم کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اپنے شوہر کو اولاد کی خاطر مطالبہ منظور کرنے پر مجبور کرتی رہے۔

اس منصوبے کے مطابق راجر ہڈ شام کے پانچ بجے فاخرہ اور نعیم کو اپنے ساتھ لے گیا۔ رات کو اسلام حسین نے گھر آ کر پوچھا۔ "بچے کہاں ہیں؟"

بیگم نے کہا "اب وہ بچے نہیں ہیں۔ جوان ہو گئے ہیں۔ کہیں گھومنے پھرنے گئے ہیں۔ ابھی آ جائیں گے۔"

"جوان لڑکی کو اندھیرا ہونے سے پہلے گھر آ جانا چاہئے۔"

"وہ بھائی کے ساتھ گئی ہے۔"

"بھائی چھوٹا ہے' نادان ہے۔"

"توبہ ہے' آپ اولاد کو امریکا نہیں جانے دیتے۔ بازار تک تو جانے دیا کریں۔"

وہ اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ بیگم کچن میں کھانا گرم کرتے ہوئے بڑبڑانے لگی "روز کا یہی دستور ہے۔ صبح اٹھو' گھر کے کاموں میں لگے رہو۔ شام کو تفریح کے لئے جاؤ تو طرح طرح کے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ امریکا کا گندم کھاتے ہیں۔ مگر امریکا جانے نہیں دیتے۔"

وہ زور زور سے بڑبڑا رہی تھی تاکہ میاں کے کانوں تک بیوی کی مظلومیت اور فریاد پہنچتی رہے۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے کہا "میں سالن گرم کر رہی ہوں۔ آپ فون اٹینڈ کریں۔"

اسلام حسین نے ڈرائنگ روم میں آ کر فون کا ریسیور اٹھایا۔ پھر کہا "ہیلو۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا "کیا آپ ہمارے ملک کے معروف سائنس داں اسلام حسین ہیں؟"

"جی میں بول رہا ہوں۔"

"میں بھی بول رہا ہوں۔ ذرا توجہ سے سنو۔ ہم نے تمہاری بیٹی فاخرہ اور بیٹے نعیم کو اغوا کیا ہے۔ دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔ اگر اس سلسلے میں تم نے پولیس کو اطلاع دی یا کسی خفیہ کارروائی کی حماقت کی تو تمہیں ان کی لاشیں ملیں گی۔"

"کون ہو تم؟ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"اپنے بچوں کی آوازیں سنو اور یقین کرو کہ یہ بکواس نہیں ہے۔"

چند سیکنڈ کے بعد فاخرہ کی روتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ڈیڈی مجھے بچاؤ۔ یہ مجھے اور نعیم کو بیدردی سے مار رہے ہیں۔"

باپ نے تڑپ کر پوچھا "بیٹی! حوصلہ کرو' یہ کون لوگ ہیں۔ کیا تم کسی کو پہچانتی ہو؟"

ایک زوردار طمانچے کے ساتھ بیٹی کے رونے اور چیخنے کی آوازیں سنائی دیں پھر فہیم نے فون پر پکارا۔ "ڈیڈی! یہ لوگ آپی کو مار رہے ہیں۔ کہتے ہیں آپ نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو ہم دونوں کو جان سے مار ڈالیں گے۔ پلیز، ہمیں ان سے نجات دلائیں۔"

"گھبراؤ نہیں بیٹے! میں ان کا مطالبہ پورا کروں گا۔ ان سے پوچھو یہ کتنی رقم چاہتے ہیں؟"

ریسیور سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "رقم نہیں بڑھے۔ ان فائلوں کی مائیکرو فلم اتار کر دو جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے یورینیم کا کافی ذخیرہ کیا ہے اور فلاں تاریخ کو ایک ایٹم بم یہاں تیار ہو چکا ہے۔"

اسلام حسین نے کہا "اوہ تو اس لئے میرے بچوں کو اغوا کیا گیا ہے ویسے تم لوگوں نے غلط دروازے پر دستک دی ہے۔ ابھی چند لمحے پہلے بچوں کا باپ مر گیا ہے۔ صرف ایک پاکستانی سائنسدان یہاں رہتا ہے۔ میرا نام اسلام حسین ہے اور حسین کا اسلام بچوں کی قربانیاں دے کر ہی زندہ رہتا ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ بیگم نے پوچھا "کیا ہوا؟ آپ ابھی کہہ رہے تھے کہ ہمارے بچوں کو اغوا کیا گیا ہے۔ کس نے کیا ہے؟ کیوں کیا ہے؟ آپ ابھی جائیں، میرے معصوم بچوں کو واپس لائیں۔"

وہ رونے لگی اور شوہر کو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔ اسلام حسین نے خود کو چھڑا کر کہا "ہوش میں آؤ۔ فاخرہ اور فہیم کی واپسی کے لئے ایسا مطالبہ کر رہے ہیں جسے میں کبھی پورا نہیں کر سکتا۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ بیگم نے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر فون کرنے سے روکتے ہوئے پوچھا "کسے فون کر رہے ہیں؟"

"قانون کے محافظوں کو صورتِ حال سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔"

"کیا قانون کے محافظ ہمارے بچوں کو زندہ سلامت لے آئیں گے؟"

"میں بچوں کے لئے نہیں، ان فائلوں کی حفاظت کرانے اور ایٹمی پلانٹ کے اندر اور باہر سخت پہرا لگانے کے لئے فون کر رہا ہوں۔ ہٹو، وقت ضائع نہ کرو۔"

"جہنم میں گئیں تمہاری فائلیں۔ کیا وہ اولاد سے بڑھ کر ہیں؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ بیگم کو زور سے دھکا دے کر دور فرش پر گرایا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ بیگم فرش پر پڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ منصوبہ کمزور ہو رہا ہے۔ وہ ایک باپ کے جذبات سے کھیلنے میں ناکام رہے تھے۔ سامنے کھڑا ہوا اسلام حسین فون پر باتیں کرتے وقت ایک انسان سے زیادہ فولادی تجوری دکھائی دے رہا تھا۔ جس کے اندر ملکی راز چھپے ہوئے تھے۔ اس تجوری کو توڑنے والے ٹوٹ سکتے تھے، تجوری کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

**

شہر سے دور ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک چھوٹا سا مکان تھا جہاں فاخرہ اور فہیم کو پہنچایا گیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد انہیں پتا چلا کہ وہ ڈراما نہیں تھا، تلخ حقیقت تھی۔ وہاں پانچ بدمعاشوں نے ان دونوں کی سچ مچ پٹائی کی تھی۔ راجر ہڈ موبائل فون لے کر آیا تھا۔ فاخرہ نے روتے ہوئے پوچھا "انکل جان! ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو؟"

وہ بولا "بیٹی فاخرہ! تمہاری پٹائی نہیں ہوگی تو سچ مچ آنسو نہیں نکلیں گے۔ آواز میں درد پیدا نہیں ہوگا تو باپ کو فون پر یقین نہیں آئے گا کہ تم دونوں حقیقتاً اغوا کئے گئے ہو اور تم پر سچ مچ ظلم ہو رہا ہے۔"

وہ نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولا "میں تمہارے باپ کو کال کر رہا ہوں۔ جب بات کرنے کو کہوں تو اسی طرح روتے سسکتے بولنا۔ ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھر جائے گا۔"

"میں ڈیڈی سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ تم فراڈ ہو تمہارا نام راجر ہڈ ہے اور تم نے......"

وہ بات پوری نہ کر سکی۔ اس کی کنپٹی سے ریوالور کی نال لگ گئی۔ وہ بولا "میرا نام لوگی۔ ہمارے بارے میں کوئی اشارہ دینے کی کوشش کرو گی تو گولی مار دوں گا۔ پہلے تمہیں پھر تمہارے بھائی کو۔"

دونوں بہن بھائی نے مجبور ہو کر اُس کے حکم کے مطابق باپ سے بات کی۔ پھر وہ فون کو آف کر کے غصے سے بولا "وہ سائنس دان کتے کی موت مرنا چاہتا ہے۔ اگر اس نے مطالبہ پورا نہ کیا تو میں تم دونوں کے ساتھ تمہارے ماں باپ کو بھی مار ڈالوں گا۔ اب ایک آخری حربہ رہ گیا ہے۔ کیمرا لاؤ۔"

ویڈیو کیمرا اور لائٹس وغیرہ کمرے میں لائی گئیں۔ راجر ہڈ نے کرائے کے غنڈوں سے کہا "اپنے چہروں پر ماسک چڑھا لو۔ جیسے ہی کیمرا اسٹارٹ ہو۔ تم میں سے تین اس لڑکے کو پکڑ لینا اور باقی دو اس لڑکی کا لباس پھاڑیں گے۔ خوب تماشا بنا کر آہستہ آہستہ دونوں کو بے لباس کرتے رہو۔ جتنے اطمینان سے لباس کی دھجیاں اڑاتے رہو گے ان کا باپ اپنے وی سی آر پر یہ منظر دیکھ کر اتنا ہی غیرت سے مرتا رہے گا لیکن لڑکی کی عزت نہ لینا۔ میں پھر ان کے باپ کو سوچنے سمجھنے کا موقع دوں گا اور کہوں گا، صبح تک میری مطلوبہ مائیکرو فلم نہ ملی تو پھر فاخرہ کے ساتھ شرمناک ویڈیو فلم تیار ہوگی۔"

تمام لائٹس آن ہو گئیں۔ غنڈوں نے چہروں پر ماسک چڑھا لئے کیمرا اسٹارٹ ہوا اور غنڈے ایکشن میں آئے تو فاخرہ اور فہیم کی چیخیں گونجنے لگیں۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ امریکا کا گرین کارڈ کتنا مہنگا پڑتا ہے۔

اسلام حسین کی رہائش گاہ میں پولیس کے اعلیٰ افسران آ گئے تھے۔ وہ ٹیلی فون اور وائرلیس کے ذریعے مختلف پولیس پارٹیوں سے معلوم کر رہے تھے کہ وہ پولیس والے فاخرہ اور فہیم کو کہاں کہاں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ اسلام حسین اپنی بیگم سے پوچھ رہا تھا "وہ امریکی کون ہے جو تمہارے اور بچوں کے ذریعے مجھ سے دوستی کرنا چاہتا تھا؟"

بیگم نے کہا "وہ تو نہایت شریف آدمی ہے۔ فاخرہ اور فہیم کو اپنے بچوں کی طرح چاہتا ہے۔"

"وہ شریف ہے یا نہیں، اس کی تحقیقات پولیس والے کریں گے۔ اس کا نام اور پتا بتاؤ؟"

ایک جاسوس نے کہا "جناب! ہم ایسے لوگوں کو نظروں میں رکھتے ہیں جو آپ سے یا آپ کی فیملی سے رابطہ بڑھاتا ہے۔ اس کا نام جان ریڈی ہے۔ یہاں فائیو اسٹار ہوٹل کی تعمیر کے لئے بطور انجینئر آیا ہے۔ میرے دو ماتحت اس کی رہائش گاہ میں اسے چیک کرنے گئے ہیں۔"

بیگم پریشان ہو گئی۔ وہ جانتی تھی جان ریڈی (راجر ہڈ) اپنی رہائش گاہ میں نہیں ہوگا۔ فاخرہ اور فہیم کے ساتھ کہیں چھپا ہوگا اور ان بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آ رہا ہوگا۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک پولیس افسر نے ریسیور اٹھا کر پوچھا "ہیلو کون ہے؟"

دوسری طرف سے پوچھا گیا "تم کون ہو؟ اسلام حسین کو فون دو۔"

"میں آئی جی پولیس بول رہا ہوں۔ اسلام حسین صاحب سے کیا کام ہے۔ پہلے اپنا نام اور شناخت بتاؤ۔"

"میں نے اسلام حسین کو وارننگ دی تھی کہ میرے معاملات میں پولیس کو خبر نہ کریں لیکن وہ سائنس داں اپنے بچوں کے ساتھ اپنی بھی موت چاہتا ہے۔ اس سے کہو رہائش گاہ کے بالکل سامنے سڑک کے دوسری طرف درخت کی جڑ کے پاس ایک ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا ہے۔ اسے اپنے ٹی وی اسکرین پر دیکھے۔ اپنے بچوں کا انجام دکھائی دے گا۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ پولیس افسر نے ایک سپاہی سے کہا "سامنے سڑک کے اس پار ایک درخت کے پاس ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا ہے، اسے لے آؤ۔"

سپاہی نے حکم کی تعمیل کی۔ اسے لے آیا۔ اسلام حسین نے کیسٹ لے کر کہا۔

"اس کیسٹ کے ذریعے وہ مجھے کچھ ایسے مناظر دکھائے گا جو میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوں گے۔ بہتر ہے اسے ضائع کر دیا جائے۔"

ایک افسر نے کہا "اسلام صاحب! ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر ہمیں مجرم کا کوئی سراغ مل جائے یا وہ بچوں کی واپسی کی نئی شرائط پیش کر رہا ہو تو شاید وہ شرائط ہمارے لئے قابلِ قبول ہوں۔"

"اچھی بات ہے، لیکن یہ کیسٹ پہلے کسی لیڈی پولیس افسر کو دکھائی جائے۔ قابلِ اعتراض باتیں نہ ہوں تو ہم اسے دیکھیں گے۔"

بیگم نے کہا "مجھے دیں۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔"

"بیگم! اب یہ سرکاری معاملہ ہو گیا ہے۔ اسے صرف قانون کی کوئی محافظ عورت دیکھ کر رپورٹ پیش کرے گی۔"

بیس منٹ بعد ایک لیڈی انسپکٹر نے آ کر ایک بند کمرے میں اس کیسٹ کے ذریعے فاخرہ اور فہیم کو دیکھا پھر باہر آ کر کہا "فاخرہ اور فہیم کے ساتھ برا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بات ابھی تک بے لباسی تک پہنچی ہے۔ وہ دھمکی دے رہا ہے کہ مطالبات پورے نہ کئے گئے تو معاملہ بے آبروئی تک پہنچے گا اور شرمناک مناظر کی فلمیں شہر شہر دکھائی جائیں گی۔"

ایک افسر نے غصے سے کہا "یہ مجرم بے حیائی اور شیطنت کی انتہا کر رہا ہے۔ ایک بار یہ ہاتھ آ جائے تو......"

اسلام حسین نے کہا "ہاتھ آنے کی ہی بات ہے۔ جو ہاتھ نہیں آتے وہ ہمیں مجبور اور بے بس بنا دیتے ہیں۔"

وہاں بیٹھے ہوئے جاسوس سرفراز نے اپنے اعلیٰ افسر کا فون ریسیو کیا۔ یہ وہی فون تھا جس کے ذریعے میں سرفراز کے دماغ میں پہنچا۔ پھر سرفراز نے معلوم کیا کہ جان ریڈی اپنی رہائش گاہ میں موجود ہے۔ اس نے فون پر اس سے باتیں کیں۔ اس طرح میں جان ریڈی کے دماغ میں پہنچ گیا۔

راجر ہڈ (جان ریڈی) ایک گھنٹا پہلے اس پہاڑی مکان میں تھا جہاں فاخرہ اور فہیم کی ویڈیو فلم تیار کی گئی تھی۔ پھر وہ ویڈیو کیسٹ لے کر اسلام حسین کے بنگلے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کیسٹ کو ایک درخت کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ گھر آ کر فون کے ذریعے اسلام حسین کو بتا چکا تھا کہ وہ درخت کے پاس سے کیسٹ اٹھا کر ٹی وی پر اپنے بچوں کو دیکھ لے۔

وہ تماشے دکھا رہا تھا اور چھپ کر مطمئن تھا کہ اسے کوئی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس پر شبہ کیا جائے گا لیکن بہت بڑی سپر پاور کے سیکرٹ ایجنٹ پر شبہ کر کے اسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر ثبوت کی بنا پر گرفتار ہوتا تو امریکا ہماری حکومت پر سیاسی دباؤ ڈالتا اور اسے رہا کرا کے لے جاتا۔

میں نے اسے مائل کیا کہ وہ اپنے غنڈوں سے رابطہ کرے۔ اس نے رابطہ کیا۔ میں آواز سنتے ہی ایک غنڈے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پہلے یہ معلوم کیا کہ وہ کون سی جگہ ہے۔ پھر جاسوس سرفراز کے پاس آ کر اس جگہ کی نشاندہی کی، اسے بتایا کہ فاخرہ اور فہیم وہاں موجود ہیں۔ ایک پولیس پارٹی جا کر انہیں حفاظت سے لے آئے۔

سرفراز نے یہ خوش خبری اسلام حسین اور دوسرے افسران کو

سنائی۔ میں نے ایک غنڈے کے پاس آکر دوسرے غنڈوں کی آوازیں سنیں۔ پھر ایک ایک کو مخاطب کرنے لگا۔ وہ پریشان ہو کر اپنا اپنا سر پکڑ رہے تھے اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ "کون ہے؟ یہ کون ہے؟ مجھے اپنے اندر کسی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔"

دوسرے نے کہا "میں بھی اپنے اندر ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔"

تیسرے نے کہا "میرے اندر بھی کوئی بول رہا ہے۔"

اس تیسرے نے فاخرہ کا لباس اس کے جسم پر ڈالتے ہوئے کہا "ہم دوسری طرف مُنہ پھیرتے ہیں۔ تم یہ لباس پہن لو۔"

پھر اس نے ساتھیوں سے کہا "ادھر کیا دیکھ رہے ہو' ادھر مُنہ کرو۔"

ایک نے پوچھا "ابے تو اچانک فرشتہ کیسے بن گیا؟"

اس نے پوچھنے والے کے مُنہ پر ایک گھونسا مارا پھر کہا "فرشتہ نہیں' بھائی بن گیا ہوں۔ یہ میری بہن ہے۔"

ایک اور ساتھی نے کہا "ابے رمضو! تیرا دماغ چل گیا ہے۔ ابھی جس کے کپڑے اتارے اسے بہن کہہ رہا ہے۔"

رمضو نے اسے کراٹے کا ایک ہاتھ رسید کیا۔ دوسرے کو گھوم کر ایک کک ماری۔ وہ فائٹنگ کا یہ انداز نہیں جانتا تھا۔ میں اس کے اندر رہ کر ان سب کی پٹائی کرتا جا رہا تھا۔ کبھی رمضو انہیں مارتا تھا اور کبھی وہ خود میری مرضی کے مطابق ایک دوسرے کی پٹائی کرنے لگتے تھے۔

فاخرہ اور فہیم لباس پہن کر ایک گوشے میں سہمے کھڑے تھے اور حیرانی سے انہیں آپس میں لڑتے مرتے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے چاقو نکال کر دوسرے کو ہلاک کر دیا تھا۔ جب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ خود کو قاتل اور دوست کو مقتول پا کر گھبرا گیا۔ رمضو نے اس کے ہاتھ سے چاقو چھین کر پوچھا "یہ تو نے کیا کیا؟ جب ہاتھ میں چاقو ہو تو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ صرف زخمی کرنا چاہئے۔ دیکھو اس طرح....."

اس نے چاقو کے وار سے اسے زخمی کیا۔ تیسرے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "رمضو! تو بھی وہی حرکت کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم سب پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ چاقو پھینک دے۔"

اس نے رمضو کے ہاتھ سے چاقو چھڑایا۔ میری مرضی کے مطابق اسے ہاتھ میں لے کر ایک اور ساتھی کو زخمی کر دیا۔ ان حالات میں وہ سب بدحواس ہو گئے۔ رمضو نے کہا "معلوم ہوتا ہے کوئی غیبی طاقت ہمیں سزا دے رہی ہے۔ ہم نے معصوموں پر ظلم کیا ہے۔ ہمیں اس کی سزا مل رہی ہے۔"

ایک زخمی نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا "میں تو کہتا ہوں بھاگ چلو۔"

ایک اور نے کہا "کیسے بھاگ جائیں؟ ہم نے مسٹر جان سے دس دس ہزار لئے ہیں۔ میں نے جان صاحب کو یقین دلایا تھا کہ تم سب جان پر کھیل جانے والے بندے ہو۔ بزدلوں کی طرح بھاگو گے تو میں تم سب سے رقم واپس لے لوں گا۔ گلو اور چھٹے کو رقم دے کر لے آؤں گا۔"

"استاد فخرو! غصہ نہ کرو' غور کرو۔ ہم خود بخود بے بس ہو رہے ہیں۔ خواہ مخواہ ایک دوسرے کو زخمی کر رہے ہیں۔ اگر اس آسیب زدہ مکان میں رہیں گے تو ہمیں نقصان پہنچانے والا آسیب جلد ہی حوالات پہنچا دے گا اور ہم اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

فخرو استاد نے کہا "میری تو عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ میں جان صاحب کو یہاں کے حالات بتا کر انہیں بلاتا ہوں۔"

اس نے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر کہا "جان صاحب! آپ فوراً آجائیں' ادھر گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

راجر ہڈ نے پوچھا "کیا پولیس آگئی ہے؟"

"نہیں' کچھ عجیب قسم کا معاملہ ہو رہا ہے۔ آپ یقین نہیں کریں گے۔ ہم تمام ساتھی یہاں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ ہم گہرے دوست بھی ہیں لیکن بے اختیار ایک دوسرے کی پٹائی کر رہے ہیں۔ میرے ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی کو چاقو سے قتل کر دیا ہے۔ دو ساتھی زخمی ہو گئے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "کیا تمہارے دماغوں میں کوئی بولتا ہے؟"

"ہاں' ہم سب نے اپنے اندر کسی کی آواز سنی ہے۔"

"اوہ گاڈ! یہ ٹیلی پیتھی جاننے والا تمہارے دماغوں تک کیسے پہنچ گیا؟"

"جان صاحب! کیا تم کسی ایسے جادوگر کو جانتے ہو جو دوسروں کے دماغوں میں آکر بولتا ہے اور پاگل بنا دیتا ہے؟"

"وہ جادوگر نہیں ہے۔ فرہاد علی تیمور ہے۔"

"یہ فرہاد کون ہے؟"

"کوئی بھی ہے۔ اب مجھ سے رابطہ نہیں کرنا۔ میں خود تم سے بات کروں گا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ جگہ فوراً چھوڑ دو اور جگہ چھوڑنے سے پہلے فاخرہ اور فہیم کو قتل کر دو۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ فخرو استاد نے ہیلو ہیلو کہہ کر پکارا پھر موبائل فون کو آف کر کے ساتھیوں سے کہا "جان صاحب کا حکم ہے ان دونوں کو قتل کر کے فوراً یہ جگہ چھوڑ دو۔"

"نہیں....." وہ بہن بھائی خوف سے چیخنے اور گڑگڑانے لگے۔ "ہمیں جان سے نہ مارو۔ ہمیں چھوڑ دو۔"

فاخرہ نے کہا "رمضو بھائی! ابھی تم نے مجھے بہن کہا ہے۔ کیا بہن کو قتل کرو گے؟"

رمضو نے کہا "کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگائے گا۔ جو تمہیں مارنے آئے گا' وہ خود کو مارے گا۔"

فخرو استاد نے پوچھا "رمضو! کیا پھر تیرا دماغ گھوم رہا ہے؟"

رمضو نے کہا "مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ چاقو فرش پر پڑا ہے۔ ...ہیں زندگی عزیز نہیں ہے تو ان بچوں پر قاتلانہ حملہ کرو۔"

"ہمیں یہ قصہ فوراً ختم کر کے یہاں سے بھاگنا ہو گا۔"

یہ کہتے ہوئے فخرو استاد نے فرش پر سے چاقو اٹھایا' پہلے فاخرہ ...ی طرف بڑھایا۔ وہ بھائی سے لپٹ کر رونے اور چیخنے لگی۔ استاد ...نے اس کے قریب پہنچ کر وہ چاقو اپنے بائیں بازو میں پیوست کر دیا ...ر تکلیف سے چیختا ہوا پیچھے ایک دیوار سے جا لگا۔

بھائی بہن نے حیرانی سے اسے خود کو زخمی کرتے دیکھا اور ...ونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کر کہنے لگے "اللہ میاں! ہمیں معاف کر ...ے۔ ہم امریکا میں رہنے کے لئے اپنے وطن سے غداری کر رہے تھے ...ر باپ سے زیادہ ماں کو عقلمند سمجھ رہے تھے۔ ہمیں ایک بار ...لامتی دے دو۔ ہم آئندہ کبھی غلطی نہیں کریں گے اور ڈیڈی کے ...ش قدم پر چلیں گے۔"

میں نے رمضو کی زبان سے اس کے ساتھیوں سے کہا "دیکھو ...و استاد ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا' خود پر حملہ کر بیٹھا۔ پھر بھی عبرت ...صل نہیں ہو رہی ہے تو جو حملہ کرنا چاہتا ہے' وہ آگے بڑھے۔ ...و پھر فرش پر پڑا ہے۔"

کسی نے آگے بڑھنے کی جرات نہیں کی۔ فخرو استاد نے کہا۔ ...م سب کو مرہم پٹی کی ضرورت ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے بھاگنا ...ہئے۔ ان دونوں کو یہیں رہنے دو۔"

رمضو نے پوچھا "کیوں رہنے دو۔ ہم نے ان پر ظلم کیا ہے۔ ...یں واپس گھر پہنچانا ہم سب کا فرض ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ انہیں واپس لے جا کر گرفتار ہونا ...ہتے ہو؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دستک سنائی دی پھر ...بلند آواز میں کہا گیا "اس مکان کو پولیس نے چاروں طرف ...گھیر لیا ہے۔ تم لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ایک ایک کر کے ...ونوں ہاتھ اٹھا کر باہر آتے جاؤ۔"

میں نے رمضو کے ذریعے کہا "استاد تمہیں گرفتاری کا خوف ...وہ گرفتاری چل کے تمہارے پاس آگئی ہے۔"

میں نے اسے کچھ سوچنے اور بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کے ...ر جا کر اسے مکان سے باہر دھکا دے دیا۔ اسی طرح میں نے باقی ...کو بھی پولیس کی تحویل میں پہنچا کر جاسوس سرفراز سے کہا۔ ...ونوں بہن بھائی اندر سہمے ہوئے ہیں۔ انہیں پوری حفاظت کا ...دلا کر اسلام حسین صاحب کے پاس پہنچا دو۔ میں تھوڑی دیر ...تمہارے پاس آؤں گا۔"

میں وہاں سے راجر ہڈ کے پاس پہنچا۔ وہ ایک اٹیچی میں ...ری سامان لے کر اپنے سفیر کی رہائش گاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اندر ...کی طرح سہما ہوا تھا۔ گھبرا کر سفیر سے کہہ رہا تھا "میں ابھی ...وقت یہاں سے جاؤں گا۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"جس ملک کی فلائٹ میں جگہ مل جائے' میں اسی میں بیٹھ کر پاکستان سے باہر نکل جانا چاہتا ہوں۔"

سفیر نے انٹر کام پر سیکریٹری سے کہا "مسٹر جان ریڈی کے لئے کسی بھی پہلی فلائٹ میں سیٹ حاصل کرو۔ پاسپورٹ اور ضروری کاغذات یہاں آکر لے جاؤ۔"

پھر اس نے انٹر کام کو آف کر کے پوچھا "مسٹر جان! تم اس قدر پریشان اور گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"اچانک ٹیلی پیتھی کی مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ میں بڑے اطمینان سے نام اور شخصیت بدل کر کام کر رہا تھا۔ شاید صبح تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا لیکن آدھا گھنٹا پہلے معلوم ہوا کہ فرہاد علی تیمور میرے غنڈوں کے دماغوں میں پہنچ گیا ہے۔"

سفیر نے پوچھا "کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ پاکستان میں ہے؟"

"جانتا تھا' جانتا ہوں۔ مجھے کہا گیا تھا کہ فرہاد کو دوسرے بہت سے مسائل میں الجھا کر رکھا جائے گا۔ اسے میری کوئی خبر نہیں ملے گی۔ وہ لاہور اور پشاور ہی میں مصروف رہے گا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہارے دماغ میں نہیں ہے؟"

"پورا یقین ہے۔ جب میرا آلۂ کار فخرو استاد فون پر مجھ سے باتیں کر رہا تھا' اس وقت فرہاد میری آواز سن کر آسکتا تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فخرو جب مجھ سے باتیں کر رہا تھا تب وہ اس کے دماغ میں نہیں تھا۔ کسی دوسرے کام سے چلا گیا تھا۔"

"خداوند یسوع کی مہربانی سے ایسا ہی ہو۔ ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی اس کی نظروں میں آجاؤں گا۔ اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں یہاں اپنے ملک کے سیکرٹ ایجنٹوں اور تخریب کاروں کی پشت پناہی کے لئے سفیر بن کر آیا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ فرہاد نے میری آواز نہیں سنی ہے۔ اس سے پہلے کہ یہاں کے جاسوس میری پاسپورٹ والی تصویر فرہاد کو دکھائیں اور وہ تصویر کی آنکھوں میں جھانک کر میرے دماغ میں آئے' میں اپنا پاسپورٹ لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔ ابھی اسے مخاطب کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں اسے اپنے ملک میں گرفتار کراتا یا اسے ملک دشمنی کی سزا دیتا تو امریکی حکام ہمارے حکمرانوں پر سیاسی دباؤ ڈال کر اسے بچا لیتے اور وہ ہمارا بدترین مجرم ہو کر بھی ایک فاتح کی شان سے اپنے ملک پہنچ جاتا۔ ابھی اس کا برا وقت نہیں آیا تھا۔ اس لئے میں نے ڈھیل دے دی۔

فاخرہ اور فہیم اپنے گھر پہنچ گئے تھے' اپنے باپ سے لپٹ کر غلطیوں کی معافی مانگ رہے تھے۔ بیگم اپنے کمرے میں مُنہ چھپا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ بھید کھل گیا تھا کہ ماں کی رضامندی سے

بچوں کے اغوا کا ڈراما شروع کیا گیا تھا۔ پھر یہ ڈراما شرمناک سچ بن گیا تھا۔

میں نے سرفراز کو مخاطب کیا۔ وہ خوش ہو کر بولا "یہ ٹیلی پیتھی کمال کا علم ہے۔ آپ نہ ہوتے تو ہمارے ملک کے ایک عظیم سائنس دان کا گھر تباہ ہو جاتا۔"

"میری تعریف نہ کرو۔ تم نے کہا تھا کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں۔ میں انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر کا خاص ماتحت ہوں۔ اپنے افسر کو ان کی کسی غلطی پر ٹوک نہیں سکتا۔ دبی زبان میں سمجھاتا ہوں تو وہ برا مان جاتے ہیں۔ آپ میرے خیالات پڑھ کر سمجھ رہے ہوں گے۔"

"تمہارے افسر ارشاد احمد جس عورت سے عشق فرما رہے ہیں' اس عورت پر تمہیں شبہ ہے۔"

"جناب! اسے دیکھ کر آپ بھی شبہ کریں گے' وہ بہت خوبصورت اور جوان ہے۔ پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ ایک جوان حسین عورت بوڑھے سے کیوں عشق کر رہی ہے؟"

"بعض بوڑھے جوانوں سے زیادہ پُرکشش ہوتے ہیں۔"

"لیکن ہمارے افسر صاحب میں کوئی خوبی اور کشش نہیں ہے۔ پھر یہ کہ میں نے اس عورت شاہدہ زریں کو تین بار تین مختلف غیر ملکیوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک انگریز تھا۔ باقی دو ایشیائی تھے۔ ان دونوں کا تعلق پڑوسی ملک کے سفارت خانے سے ہے۔"

"پھر تو شاہدہ زریں واقعی مشتبہ ہے۔"

"میں نے یہی رپورٹ اپنے صاحب کو دی تھی۔ انہوں نے کہا شاہدہ زریں کے بہت سے رشتے دار ہندوستان میں ہیں۔ اسی لئے وہ سفارت خانے کے ان افراد سے ملتی ہے۔ ان کے ذریعے اپنے رشتے داروں کو تحائف وغیرہ بھیجا کرتی ہے۔"

"کیا شاہدہ زریں کی آواز سنا سکتے ہو؟"

"جی ہاں لیکن وہ میری آواز پہچان کر صاحب سے شکایت کرے گی۔"

"تم صرف رابطہ کرو اور کچھ نہ بولو۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا تھا۔ میں نے کہا "شاید وہ گھر میں نہیں ہے۔"

وہ ریسیور رکھ کر بولا "وہ اکثر راتوں کو گھر سے باہر رہتی ہے۔"

میں ارشاد احمد کے دماغ میں آیا۔ وہ ایک چائنیز ریستوران میں ایک حسین عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پتا چلا وہ شاہدہ زریں ہے۔ ان کے درمیان میز پر کینڈل لائٹ کی دھیمی دھیمی سی روشنی رومانی ماحول پیش کر رہی تھی۔ بوڑھا ارشاد اس رومانی ماحول میں اپنی گزری ہوئی جوانی کو آواز دے رہا تھا۔

شاہدہ نے کہا "یہ محبت بھری باتیں گھر پہنچ کر بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ بتائیں اسلام حسین کے بچوں کو کس نے تلاش کیا؟"

"جاسوس اور پولیس والے ناکام ہو چکے تھے۔ خوش قسمتی سے پشاور کے آئی جی نے فرہاد سے میرا رابطہ کرا دیا۔"

اس نے چونک کر پوچھا "کون فرہاد؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "ارے بھئی وہی ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد۔ اب وہ میرا دوست بن گیا ہے۔"

میں نے شاہدہ کے اندر پہنچ کر دیکھا۔ خوف سے اس کا برا حال تھا۔ دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔ دماغ میں جیسے آندھیاں چل رہی تھیں۔ ارشاد نے پوچھا "یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے؟"

"کک..... کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہارے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہے۔ کیا تمہیں کوئی پریشانی یا تکلیف ہے؟"

وہ کسی بیماری کا بہانہ کر کے اسے چھوڑ کر جانا چاہتی تھی اس کی ذہانت اسے سمجھا رہی تھی کہ فرہاد کس وقت بھی ارشاد کے ذریعے اس کے دماغ میں آسکتا ہے۔ اسے ارشاد سے' اپنے گھر سے اور اپنے ٹیلی فون سے دور رہنا چاہئے۔ اس کی کوئی تصویر ارشاد کے پاس نہیں تھی۔ اگر وہ اپنی آواز کسی کو نہ سناتی تو میری خیال خوانی سے محفوظ رہتی۔

میں نے اسے بیماری کا بہانہ نہیں کرنے دیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق بولی "میں بہت دنوں سے آپ کو ایک راز کی بات بتانا چاہتی تھی۔ پھر ڈرتی رہتی تھی کہ آپ ناراض ہو جائیں گے۔ مجھ سے نفرت کریں گے تو میں آپ کی محبت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔"

ارشاد نے جذباتی انداز میں میز کے اوپر ہاتھ بڑھا کر اُس کا ہاتھ تھام لیا پھر کہا "میں تم سے کبھی نفرت کر ہی نہیں سکتا۔ میں تو تمہارا دیوانہ ہوں۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ میں مسلمان نہیں ہوں ایک ہندو ہوں تو کیا پھر بھی مجھ سے محبت کرو گے؟"

"کیا ہندو انسان نہیں ہوتے؟ شریف اور مہذب نہیں ہوتے؟ ہر قوم میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ اب یہ مذاق چھوڑو اور وہ بات کہو جو کہنا چاہتی ہو۔"

"آپ مذاق سمجھ رہے ہیں اور میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا نام شاردا ہے۔"

"اگر تم شاہدہ نہیں شاردا ہو تو میری محبت اور بڑھ جائے گی۔ تم نے دھرم کو نہیں دیکھا۔ ایک مسلمان سے محبت کر رہی ہو۔ میں ہمیشہ تمہاری عزت کرتا رہوں گا۔"

"آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں مسلمان بن کر کیوں رہتی ہوں؟"

"ہاں' یہ پوچھنا چاہئے۔ دراصل تمہیں دیکھ کر میں ساری دنیا کو بھول جاتا ہوں۔ اپنا بھی ہوش نہیں رہتا۔ واقعی تم شاہدہ بن کر کیوں رہتی ہو؟"

"میں پڑوسی ملک کی جاسوسہ ہوں۔"

وہ ہنسنے لگا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ میری مرضی کے مطابق بولی "کوئی مجرم اپنے جرم کا اعتراف کرے تو کیا قانون کا محافظ ہنس کر اسے چھوڑ دیتا ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "بھئی شاہدہ! بس کرو۔ اب کوئی اور بات کرو۔"

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ "میں ارشاد کو اپنی حقیقت کیوں بتا رہی ہوں۔ ہاں شاید اس لئے کہ نہ بتاؤں تب بھی فرہاد ارشاد کو سب کچھ بتا دے گا۔ یہ میری ذہانت ہے کہ میں اس سے پہلے اسے اپنے اعتماد میں لے رہی ہوں لیکن یہ بڈھا تو میری کسی بات کا یقین ہی نہیں کر رہا ہے۔"

میں نے بڈھے کے دماغ میں آکر اُس کی سوچ میں سوال پیدا کیا۔ "میں یقین کیوں نہیں کر رہا ہوں؟ یہ اپنی زبان سے خود کو غیر مسلم اور بھارتی جاسوسہ کہہ رہی ہے۔ یہ کوئی مذاق تو نہیں ہو سکتا۔ مجھے تصدیق کرنا چاہئے۔"

اس نے سنجیدگی سے پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔ میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں۔ جھوٹ ...ول کر فریب دے رہی تھی تو میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا۔ ابھی ...و کچھ کہا ہے اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔"

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگا اور سوچنے لگا۔ "آہ! یہ میں کیا ...ن رہا ہوں۔ یہ ہمارے ملک سے دشمنی کر رہی ہے۔ میں کس دل ...ے اس کافر حسینہ کو دشمن سمجھوں۔ اسے کیسے گرفتار کراؤں' میں ...و خود اس کا گرفتار ہوں۔"

شاردا نے پوچھا "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

میرا ایک ذہین ماتحت سرفراز تم پر شبہ ظاہر کرتا تھا اور میں ...سے ڈانٹ کر خاموش کر دیتا تھا۔ میں کسی کی زبان سے تمہارے ...خلاف کچھ سننا نہیں چاہتا تھا۔ تمہارے خلاف آنکھوں سے کچھ ...دیکھ کر بھی اپنی آنکھوں کو جھٹلا سکتا ہوں۔ آخری بار پوری سچائی ...سے بولو "کیا تم پڑوسی ملک کی جاسوسہ ہو؟"

میں فوراً شاردا کے دماغ میں آیا۔ اس کی عقل کہہ رہی تھی ...کہ جب یہ بے وقوف میری حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہا ہے تو مجھے ...اس کی محبوبہ شاہدہ ہی بن کر رہنا چاہئے۔ وہ مسکرا کر کہنا چاہتی تھی ...کہ یہ جھوٹ ہے' میں مذاق کر رہی تھی۔

میں نے اسے مسکرانے نہیں دیا۔ وہ بے اختیار سنجیدگی سے ...بولی "میں آخری بار پوری سچائی سے بول رہی ہوں۔ میں پڑوسی ملک ...کی جاسوسہ ہوں۔"

ارشاد احمد ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی اٹھتے ہوئے ...پریشانی سے بولی "آپ مجھے پولیس کے حوالے کریں گے؟"

"بکواس مت کرو۔ میرے پیچھے آؤ۔"

وہ جانے لگا۔ شاردا پیچھے پیچھے چلتے ہوئے بری طرح خوفزدہ تھی۔ یہ خوف میری وجہ سے تھا۔ وہ سوچ رہی تھی "میں نے دو بار بے اختیار جاسوسہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اعتراف کرتے وقت میں کیوں اپنے آپ میں نہیں تھی؟ دوسری بار میں اپنی اصلیت سے انکار کرنا چاہتی تھی مگر میری زبان نے انکار نہیں کیا۔ زبان ہو' دل ہو یا بدن کا کوئی حصہ ہو۔ وہ دماغ کے تابع رہتا ہے اور دماغ میرے بس میں نہیں تھا۔ کیا فرہاد میرے اندر پہنچ گیا ہے؟

وہ اپنے حالات سے میری موجودگی کو سمجھ رہی تھی اور دعا مانگ رہی تھی کہ جو سمجھ رہی ہے' وہ غلط ہو۔ ہو سکے تو اسے موت آجائے لیکن فرہاد کبھی نہ آئے۔

وہ کار کا اگلا دروازہ کھول کر ارشاد احمد کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ خاموش بیٹھا گہری سنجیدگی سے ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔ اتنی گہری سوچ میں تھا کہ کار اسٹارٹ کرنا بھول گیا تھا۔

شاردا نے پوچھا "کیا فرہاد علی تیمور آپ کے دماغ میں ہے؟"

"میں اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ بار بار تمہارا اعتراف سن کر بھی میرا دل نہیں مان رہا ہے۔ فرہاد دل اور دماغ کی سچی باتیں بتا دیتا ہے۔ میں تمہارے متعلق اس سے حقیقت معلوم کروں گا۔"

"حقیقت یہی ہوگی جو میں کہہ چکی ہوں۔ پھر میرے متعلق آپ کا فیصلہ کیا ہو گا؟"

"تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ میں کس دل سے تمہیں سزا دلاؤں گا۔ اگر تمہاری محبت میں قانونی کارروائی نہیں کروں گا تو میرا ضمیر مجھے بھی ملک کا دشمن کہے گا۔ اگر تم مجھ سے سچی محبت کرتی ہو تو سچ سچ بتا دو کہ اب تک تم نے ہمارے ملک کے خلاف کیا کچھ کیا ہے؟"

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ابھی تک میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں یہاں رہ کر آپ سے دوستی بڑھاتی رہوں اور آپ کو ایسا دیوانہ بنا دوں کہ آپ دیوانگی میں مجھے پاکستان کی سیکرٹ سروس کے متعلق بہت کچھ بتاتے چلے جائیں۔"

"میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے تمہیں کوئی راز کی بات نہیں بتائی ہے۔ یہ بتاؤ' یہاں تمہارے ساتھ اور کون لوگ ہیں؟"

"یہاں سفارت خانے میں دو افراد ہیں۔ وہ مجھے گائیڈ کرتے ہیں۔ میں پہلی بار پاکستان آئی ہوں۔ یہاں کئی معاملات میں مجھ سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ مجھے اپنے ملک میں مسلمان عورت کی طرح زندگی گزارنے کی طویل ٹریننگ دی گئی ہے۔ اس کے باوجود میں ان دونوں افراد سے رہنمائی حاصل کرتی رہتی ہوں۔"

"میرا ماتحت سرفراز ان دونوں سے واقف ہے۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔ اگر تم نے میرے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے تو میں تمہیں کل شام تک مہلت دیتا ہوں۔ پاکستان چھوڑ دو۔ اس دوران مسٹر فرہاد کو تمہارے دماغ میں بھیجوں گا۔ یہ تصدیق ہو گی کہ تم نے ابھی تم یہاں کوئی جرم نہیں کیا ہے تو تم خیریت سے سرحد پار چلی جاؤ گی ورنہ مسٹر فرہاد کسی مجرم سے رعایت نہیں کرتے ہیں۔"

اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ وہ شاردا کو اس کی رہائش گاہ تک پہنچانے جا رہا تھا۔ میں نے سرفراز کے پاس آ کر کہا۔ "تم بہت ذہین اور محب وطن ہو۔ تمہارا شبہ درست نکلا۔ اس کا اصل نام شاہدہ زریں نہیں شاردا ہے۔ ایک غیر ملکی عورت ہے۔ تم نے پڑوسی ملک کے سفارت خانے کے جن دو آدمیوں کو اس سے ملتے دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام راما راؤ اور دوسرے کا نام اننت کمار ہے۔ شاردا ان سے رہنمائی حاصل کرتی ہے لیکن ان کے متعلق زیادہ نہیں جانتی ہے میں فون نمبر بتا رہا ہوں اس پر رابطہ کرو۔ دوسری طرف کی آواز سناؤ۔"

میں نے نمبر بتائے۔ وہ ریسیور اٹھا کر ڈائل کرنے لگا۔ آدھی رات ہونے کو تھی۔ فون کی گھنٹی دوسری طرف بج رہی تھی۔ بڑی دیر بعد کسی نے ریسیور اٹھا کر نیند بھری آواز میں پوچھا "کون ہے بھائی! اتنی رات کو کیا مصیبت آ گئی ہے۔"

میں نے سرفراز کو ریسیور رکھنے کے لئے کہا۔ پھر راما راؤ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ کوئی جواب نہ پا کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر پھر سو گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ اور اننت کمار دراصل جاسوس ہیں۔ اپنے سفارت خانے کے ملازم بن کر یہاں آئے ہیں اور اہم ثبوت حاصل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان سکھ قوم کو بھارتی حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے اور بے شمار سکھوں کو خفیہ طور پر بغاوت کی ٹریننگ دے رہا ہے۔

چونکہ یہ سچ نہیں تھا' محض الزام تھا۔ اس لئے کوئی دستاویزی یا تصویری ثبوت نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے چند پاکستانیوں کو بھاری رشوت دے کر انہیں سکھ بنا کر ان کی تصویریں اتاری تھیں۔ ان میں سے دو نے پاک آرمی کی وردی پہنی تھی اور تصویر کے ذریعے یہ دکھایا تھا کہ ہماری آرمی کے افسران سکھوں کو گوریلا جنگ کی ٹریننگ اور ہتھیار دے رہے ہیں۔

وہ جھوٹے الزام کو سچ بنا کر پوری دنیا میں پاکستان کے خلاف شور مچانا چاہتے تھے۔ راما راؤ کی خوابیدہ سوچ نے بتایا کہ یہ تمام تصویریں اور جھوٹی دستاویزات سفیر کی تحویل میں ہیں۔ وہ مناسب موقع دیکھ کر یہ چیزیں اپنے ملک ارسال کرنا چاہتا ہے۔

میں نے سرفراز کے پاس آ کر اسے یہ باتیں بتائیں پھر کہا۔ "سفیر کی آواز سناؤ۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر سفیر کی نیند بھری آواز سنائی دی۔ "کیا مصیبت ہے؟ کون ہے؟ کیا بات ہے؟ کیا ابھی فون کرنا ضروری تھا؟"

سرفراز نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ سفیر کو جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے چور خیالات سے معلوم کیا کہ اس نے وہ جھوٹی دستاویزات اور تصویریں کہاں چھپائی ہیں؟ اس کے علاوہ ہمارے ملک کا ایک اہم راز چرا کر رکھا گیا تھا۔

میں نے ایک خفیہ ادارے کے چیف سے رابطہ کیا اسے تمام روداد سنائی۔ راما راؤ اور اننت کمار کی رہائش گاہوں کا پتا بتایا پھر کہا "سفیر سمیت تینوں کی رہائش گاہوں میں گھس کر تینوں کو گرفتار کرو۔ ان کے خلاف ثبوت اور پاکستان کا ایک اہم راز سفیر کے بستر پر دو تکیوں کے اندر چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

آرمی کے جوانوں نے فوراً کارروائی شروع کی۔ سفیر کی رہائش گاہ میں گھس گئے۔ ملازموں نے اعتراض کیا۔ اس کے باوجود انہوں نے سفیر کی خوابگاہ کے دروازے پر دستک دی۔ پھر دروازے کو ٹھوکروں سے مارا۔ اندر سے آواز آئی "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کون ہے؟"

ایک افسر نے کہا "آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔ دروازہ کھولو۔"

سفیر نے پریشان ہو کر دو تکیوں کی طرف دیکھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ کسی کا دھیان تکیے کی طرف نہیں جائے گا۔ مجھے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانا چاہئے۔"

وہ دروازہ کھول کر بولا "آفیسر! ایسی کیا بات ہو گئی کہ آدھی رات کو نیند خراب کرنے آ گئے؟"

"نیند ہم نے نہیں' ان تکیوں نے خراب کی ہے جن پر تم سر رکھ کر سوتے ہو۔"

اس نے گھبرا کر تکیوں کی طرف دیکھا پھر جلدی سے گھبراہٹ

قابو پاتے ہوئے بولا "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

افسر نے ایک چاقو نکالا' اسے کھولتے ہوئے بستر کے پاس آ کر ...ب تکیے کو اٹھایا۔ پھر اس میں چاقو پیوست کرتے ہوئے اسے ...ب سرے سے دوسرے سرے تک چیر دیا۔ اندر سے کاغذات ...ر تصویریں نکل کر بستر پر گرنے لگیں۔

پھر اس نے دوسرے تکیے کو بھی اٹھا کر اسی طرح چیر دیا۔ اس ...ے بھی اہم کاغذات برآمد ہوئے۔ دو افسران نے ان تمام ...غذات کا مطالعہ کیا۔ پھر کہا "سفارتی قوانین کے مطابق ہم ...ہیں گرفتار نہیں کر سکتے' تم پر مقدمہ نہیں چلا سکتے لیکن تمہیں ...بدر کر سکتے ہیں۔"

پھر افسر نے جوانوں سے کہا "ٹیلی فون کے تار کاٹ دو۔ ...زموں کو یہاں سے نکال دو۔ کاروں کی چابیاں سفیر صاحب سے ...لے لو۔ پڑوسی ملک کے حکمرانوں کو اس کے کالے کرتوت سے آگاہ ...کے اسے سرحد پار بھیج دیا جائے گا تب تک یہ یہاں نظر بند رہے ..."

دوسری رہائش گاہوں سے راما راؤ اور اننت کمار کو بھی ...فتار کر لیا گیا تھا۔ میں پھر شاردا کے پاس آ گیا۔ ارشاد احمد نے ...ہا تھا اسے اس کی رہائش گاہ میں چھوڑ کر اپنے گھر جائے گا۔ ...ا حسینہ کو چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا' وہ اس کے ...نگ روم میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔ "تم چلی جاؤ گی تو میری دنیا ویران ...ائے گی۔ میں یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔ مجھے یقین ہے' تمہاری ...ی مجھے مار ڈالے گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "بڑھاپے کا عشق ایسا ہی ہوتا ..."

اس نے اپنے سر کو تھام کر سوچا "کیا میں اپنے ہی بارے میں سوچ رہا ہوں؟"

"یہ میں نہیں میرا ضمیر بول رہا ہے۔ میں وطن کے لئے اتنے ...بت نہیں سوچ رہا ہوں جتنا کہ ایک عورت کے لئے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ مجھے ان دو ...رسانوں کو گرفتار کرانا چاہئے۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شاردا نے اس کا ہاتھ ...ر کہا "آپ مجھے بچانے کے لئے اپنا دھیان دوسرے مجرموں ...طرف کر رہے ہیں۔ پہلے آپ اسے گرفتار کریں جو سامنے ..."

"فضول باتیں نہ کرو۔ مجھے اپنا فرض ادا کرنے دو۔"

وہ شاردا سے ہاتھ چھڑا کر پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں نے ...ی سوچ میں کہا "واہ کیا فرض کی ادائیگی ہے۔ یہ فرض نہیں ...کا قرض ادا کیا جا رہا ہے۔"

رابطہ قائم ہو گیا اس نے کہا "ہیلو سرفراز! میں تمہیں حکم دیتا ...پڑوسی ملک کے سفارت خانے میں ملازمت کرنے والے راما راؤ اور اننت کمار کو گرفتار کرو۔"

"جناب آپ نے حکم دینے میں دیر کر دی۔ وہ دونوں اپنے سفیر صاحب سمیت گرفتار ہو چکے ہیں۔ فرہاد صاحب نے ان کے خلاف ٹھوس ثبوت پیش کئے ہیں۔"

"تعجب ہے۔ مسٹر فرہاد کو ان کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے شبہ ظاہر کیا تھا۔ فرہاد صاحب نے خیال خوانی کے ذریعے تصدیق کر دی۔"

ارشاد احمد نے کن انکھیوں سے شاردا کو دیکھا۔ پھر سرفراز سے پوچھا "تم نے اور کس کے خلاف شبہ ظاہر کیا تھا؟"

سرفراز نے میری مرضی کے مطابق کہا "اس کے خلاف بھی جو آپ کے ساتھ صوفے پر بیٹھی ہے۔"

"کیا؟" وہ چونک کر بولا "تم کیا جانتے ہو؟ کیسے جانتے ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس کے ساتھ ہوں۔"

"جناب میں کچھ نہیں جانتا۔ فرہاد صاحب جانتے ہیں۔"

"مسٹر فرہاد کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں جناب! وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔"

"کیا تمہیں فرہاد صاحب نے بتایا ہے کہ میں شاہدہ زریں کے ساتھ ہوں؟"

"فرہاد صاحب غلط بات نہیں کہہ سکتے' آپ شاہدہ کے ساتھ نہیں ہیں۔"

"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرے ساتھ کوئی صوفے پر بیٹھی ہے۔"

"جناب آپ کے ساتھ شاہدہ نہیں شاردا ہے۔"

ارشاد نے فوراً ہی ریسیور رکھ کر کہا "میرے ماتحت کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تم شاردا ہو۔"

"کیسے معلوم ہو گیا؟"

"یہ سب خیال خوانی کا کھیل ہے۔ راما راؤ' اننت کمار اور تمہارے دیس کا سفیر بھی ٹھوس ثبوت کے ساتھ گرفتار ہو گئے ہیں۔ سوری شاردا! اب تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"فرہاد آپ کو بھی نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ میرے خلاف کارروائی کرنے سے کتراتے آ رہے ہیں۔"

"میں نے اس لئے تمہارے خلاف قدم نہیں اٹھایا کہ تم نے ابھی تک میرے ملک کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ چونکہ نقصان پہنچانے آئی ہو اس لئے تمہیں ملک سے نکل جانے کا حکم دے رہا ہوں۔ فرہاد جب میرا دماغ پڑھے گا تو دل کا حال بھی معلوم کر لے گا کہ میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔"

شاردا سوچ رہی تھی' یہاں سے لاہور اور لاہور سے بذریعہ ٹرین ہندوستان چلی جائے گی۔ میں نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ اس عورت کو معاف کر دیا جائے کیونکہ وہ سراغرسانی کے معاملات میں اناڑی تھی۔ اس نے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ عورت پر

رحم کرنا چاہئے۔ اس لئے میں نے اسے نظرانداز کردیا۔

ارشاد احمد اس سے رخصت ہو کر باہر آیا۔ پھر اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا "ارشاد! میں آخری بار تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم مجھ سے ایک لفظ نہ کہو۔ صرف میرا حکم سنو اور اس پر عمل کرو۔ تم نے اپنے فرض شناس ماتحت سرفراز کو شاردا کی اصلیت تک پہنچنے سے کئی بار روکا اور اس کے خلاف تحقیقات نہیں کرنے دی۔ تم موجودہ عہدے کے قابل نہیں ہو۔ صبح اپنا استعفا پیش کردو۔"

"میں تمہارے حکم پر عمل کروں گا۔ اپنے لئے ابھی ایک لفظ نہیں کہوں گا۔ مگر پلیز' شاردا پر رحم کرو۔"

"تم نہیں جانتے شاردا آٹھ برس کے ایک بیٹے کی ماں ہے۔ وہ بیٹے کو مجبوراً ہندوستان میں چھوڑ کر آئی تھی۔ میں نے تمہاری محبوبہ کو نہیں' ایک ماں کو معاف کیا ہے۔ خدا حافظ۔"

میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔ راجر ہڈ ڈومیسٹک فلائٹ سے رات ہی کو کراچی چلا گیا تھا۔ پھر دوسری صبح واشنگٹن کے لئے روانہ ہوگیا۔ میں نے اس کے سفیر کے پاس آکر کہا "ہیلو مسٹر وارزا!"

وہ چونک کر خلا میں تکنے لگا۔ میں نے کہا "میں خلا میں نظر نہیں آؤں گا۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا "کون ہو تم؟"

"وہی ہوں۔ جس کے خوف سے تم نے راجر ہڈ کو یہاں سے بھگا دیا ہے۔"

"اوہ مسٹر فرہاد! آپ ہیں؟"

"ہاں میں اس وقت بھی تمہارے اندر تھا جب راجر ہڈ تمہارے پاس بیٹھا مجھ سے دور بھاگ جانے کے لئے بے چین تھا۔ تم نے اپنے وسیع ذرائع استعمال کئے اور اسے بھگا دیا۔"

"جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ اب کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"جو ہونا تھا' وہ نہیں ہوا۔ اب ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اگر میں پاکستان کے اندر راجر ہڈ کے خلاف قانونی کارروائی کراتا تو تمہاری حکومت سیاسی چالبازیوں سے اسے بچالیتی اور میں اپنے ملک کے دشمنوں کو بچ کر جانے نہیں دیتا۔"

"تت..... تم کیا کرو گے؟"

"راجر ہڈ طیارے میں آرام سے سفر کر رہا ہے۔ پاکستان سے باہر جاچکا ہے۔ ایسے میں وہ حرام موت مرے گا تو ہماری حکومت پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ ہماری زمین پر اس کا خون گرتا تو ہمارے حکمرانوں کو صفائی پیش کرنی پڑتی۔ تم نے اسے بھگا کر میرے لئے آسانی فراہم کردی ہے۔"

"مسٹر فرہاد! وہ تمہارے ملک سے دور جاچکا ہے۔ اس پر یہاں کا قانون لاگو نہیں ہوسکتا۔"

"تم اس کی نہیں اپنی فکر کرو۔ اپنے ملک کے سیکرٹ ایجنٹوں کو یہاں پناہ دیتے ہو اور جاسوسی کے لئے سہولتیں فراہم کرتے ہو۔ تمہارے جیسا مجرم سخت سزا کا مستحق ہے۔ سفارتی قوانین کے مطابق میں تمہیں سزا نہیں دے سکتا۔ ہماری حکومت صرف تمہاری حکومت سے شکایت کرسکتی ہے اور مجھے کمزوروں کی طرح شکایت کرنا یا فریاد کرنا نہیں آتا۔"

میں نے اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ ساتھ ہی اس کا منہ بند کیا تاکہ وہ چیخیں نہ مار سکے۔ وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ کانوں سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مرچکا ہے اور مرنے کے بعد سمجھ رہا ہے کہ موت کیسی اذیت ناک ہوا کرتی ہے۔

جب ذرا تکلیف کم ہوئی تو وہ رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ میں نے کہا "جتنی جلدی ہوسکے میرے ملک سے چلے جاؤ۔ ورنہ ہر بارہ گھنٹے بعد ایسی ہی اذیتوں میں مبتلا ہوتے رہو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں بارہ گھنٹے سے پہلے چلا جاؤں گا بلکہ ابھی کسی پہلی فلائٹ سے پاکستان چھوڑ دوں گا۔ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ میرے دماغ میں اور ایسی قیامت نہ لانا۔ میں مرجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب اپنے حکمرانوں سے رابطہ کرو یا اپنے سپر ماسٹر سے کہو کہ ان کا قابلِ فخر سیکرٹ ایجنٹ اپنی زندگی کا آخری سفر کر رہا ہے۔ فرہاد اس کے سر پر سوار ہے۔ جان لمبوڈا اور دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والے اسے بچانے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

اس نے پانچ منٹ کے اندر ایک حاکم سے رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا "میں سفیر برائے پاکستان بول رہا ہوں۔ میں اپنے عہدے سے دست بردار ہو کر ابھی کسی پہلی فلائٹ سے واپس آرہا ہوں۔"

پوچھا گیا "ایسی جلدی کیا ہے؟ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ تمہیں وہاں کی ذمے داریوں سے کب سبکدوش کیا جائے۔"

"آپ سے پہلے فرہاد علی تیمور فیصلہ کرچکا ہے۔ اس نے مجھے ایسی دماغی اذیت پہنچائی ہے جسے یاد کرکے کانپ جاتا ہوں۔ میں نے بارہ گھنٹوں کے اندر یہ ملک نہ چھوڑا تو پھر میرے دماغ میں زلزلے پیدا کئے جائیں گے۔"

"کیا فرہاد نے ہماری کوئی سازش پکڑی ہے؟"

"جی ہاں' ہمارا کبھی ناکام نہ ہونے والا جاسوس فرہاد کے سامنے بے نقاب ہوگیا ہے۔ اس نے سائنس دان اسلام حسین پر جو جال پھینکا تھا' اس میں خود الجھ گیا۔ یہاں سے جان بچا کر جارہا ہے۔ ابھی طیارے میں سفر کر رہا ہے۔ فرہاد نے کہا ہے کہ ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے راجر ہڈ کو بچاسکتے ہیں تو اپنی سی کوششیں کرلیں۔ آپ یہ خبر سپر ماسٹر تک پہنچائیں' ہوسکتا ہے ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی کوششوں سے راجر ہڈ کو نئی زندگی مل جائے۔"

یہ خبر سپر ماسٹر تک پہنچائی گئی۔ پھر انہوں نے پاکستان کی وزارتِ خارجہ اور داخلہ سے رابطہ کرکے میرے خلاف شکایت کی۔ "فرہاد کو قانون ہاتھ میں لینے سے روکا جائے۔ وہ ہمارے ایک انجینئر جان ریڈی (راجر ہڈ) کو پاکستان میں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ وہ جان بچا کر تمہارے ملک سے باہر نکل آیا ہے اب فرہاد کو اس کا پیچھا چھوڑ دینا چاہئے۔"

ہماری وزارتِ خارجہ کے سیکریٹری نے جواب دیا "آپ کوئی ثبوت پیش کریں کہ فرہاد آپ کے آدمی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ ہمارے ملک سے باہر ہے اس کی ہلاکت یا سلامتی کے ذمے دار ہم نہیں ہیں۔"

"وہ ہمارے سفیر کو بھی دماغی اذیتوں میں مبتلا کر رہا ہے۔"

جواب دیا گیا "ہم سفیر محترم کا طبی معائنہ کرائیں گے۔ یہ سچ ہوا تو مسٹر فرہاد کو اس حرکت سے باز رہنے کے لئے کہا جائے گا۔"

"طبی معائنہ سے تو سفیر نارمل ثابت ہوگا۔"

"جب وہ نارمل ہوگا' کوئی دماغی تکلیف نہیں ہوگی تو پھر فرہاد کو یہ الزام دیا جاسکے گا۔"

"کیا آپ ہم جیسی سپر پاور سے سفارتی تعلقات بگاڑنا چاہتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ انجینئر جان ریڈی نے ہمارے سائنس دان سے چند اہم راز حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شریف آدمی کو بے لباس کیا۔ اس کے باوجود ہم نے آپ سے شکایت نہیں کی کیوں کہ ہم سفارتی تعلقات بحال رکھنا چاہتے ہیں۔"

"جان ریڈی نے جو زیادتی کی اس کی تلافی ہم کریں گے۔ اس کی سلامتی کے لئے بڑی سے بڑی رقم ادا کریں گے۔ یہ رشوت نہیں ہوگی' کفارہ ہوگا۔"

جواب دیا گیا "فرہاد علی تیمور پاکستان کی حدود میں ہمارے اصولوں پر عمل کرتا ہے۔ جو معاملات ہماری سرحد سے باہر ہوں ان سے وہ نمٹنے کے لئے خود مختار ہوتا ہے۔"

وہ بحث کرتے رہے لیکن یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جو واردات سرحد سے باہر ہو رہی ہو' اس کے لئے پاکستانی حکمرانوں پر دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا تھا کہ سفیر کو دماغی عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا "مسٹر وارزا! ہوسکتا ہے تم پر تنویمی عمل کرکے میرا راستہ روک دیا جائے۔ ایسی صورت میں تمہارے بچے میرا نشانہ بنیں گے۔"

وہ دونوں کانوں کو پکڑتے ہوئے بولا "چاہے جان چلی جائے یا امریکا کا صدر بنا دیا جائے تب بھی میں پاکستان میں نہیں رہوں گا۔"

میں راجر ہڈ کے دماغ میں آگیا۔ وہاں جان لمبوڈا اس سے بول رہا تھا "تم نے پاکستان چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر وہاں رہتے تو ہماری حکومت تمہیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچنے دیتی۔ اس نے نہایت چالاکی سے تمہیں بھاگنے کا موقع دیا اور تم بھاگ آئے۔"

"کیا یہاں میرے لئے خطرہ ہے؟"

"موت تمہارے سر پر سوار ہے۔ پتا نہیں اس وقت فرہاد یہاں موجود ہے یا نہیں لیکن وہ اس کھوپڑی میں جگہ بنا چکا ہے۔"

"فار گاڈ سیک مسٹر لمبوڈا! اسے یہاں نہ آنے دو۔ تم بھی ٹیلی پیتھی کے ماسٹر ہو۔ اس کا راستہ روک دو۔"

"ایک ہی راستہ تھا کہ تم پر تنویمی عمل کرکے تمہارے دماغ کو لاک کیا جائے۔"

"تو پھر کرو۔"

"فرہاد تنویمی عمل کو ناکام بنادے گا۔"

"ہوسکتا ہے' وہ ابھی موجود نہ ہو۔"

میں نے ایک پھونک ماری۔ وہ گھبرا کر بولا "یہ پھونک مارنے کی آواز کیسی ہے؟"

"یہ صورِ اسرافیل ہے۔" جان لمبوڈا نے کہا "تمہیں یقین کرنا چاہئے کہ وہ موجود ہے۔"

"موجود ہے تو میں اس سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے اور تم سے بولے۔ میری جان بخشنے کے لئے وہ جو چاہتا ہے' ہم اس کا مطالبہ پورا کریں گے۔"

اسے جواب نہیں ملا۔ جان لمبوڈا نے کہا "مسٹر فرہاد! آپ موجود ہیں یا آپ کا کوئی ساتھی ہے۔ جو بھی ہے میں اس سے صلح اور سمجھوتے کی درخواست کرتا ہوں۔"

میں نے جواب نہیں دیا۔ یہ لوگ اُسی سے مصلحتاً دوستی کرتے ہیں' جو اُن پر سوا سیر ہوتے ہیں ورنہ چھوٹے بڑے ملکوں کو سپر پاور بن کر اپنے قدموں میں رکھتے ہیں۔ وہ دونوں بار بار مجھے مخاطب کر رہے تھے اور میں واہمہ بن رہا تھا۔ کبھی وہ سوچتے تھے' میں ہوں کبھی خود کو جھوٹی تسلی دیتے تھے' میں نہیں ہوں۔

راجر ہڈ نے کہا "وہ نہیں ہے۔"

"ہے۔" جان لمبوڈا نے کہا "تم خیال خوانی کرنے والوں کے ہتھکنڈوں کو نہیں جانتے ہو۔ میں بھی اکثر ایسے ہتھکنڈے آزماتا رہتا ہوں۔ یہ ظاہر کرتا ہوں کہ نہیں ہوں لیکن موجود رہ کر اس کی حرکتیں دیکھتا رہتا ہوں۔"

"مسٹر لمبوڈا! تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو۔"

"میں خیال خوانی کی تکنیک بتا رہا ہوں۔"

"جہنم میں جائے تکنیک۔ میری سلامتی کی کوئی صورت نکالو۔ وہ میرے اندر نہیں ہوگا' تب بھی میں یہ سوچ سوچ کر مرتا رہوں گا کہ وہ ہے اور کسی بھی لمحے مجھے ہلاک کرنے والا ہے۔"

"مسٹر راجر! تمہاری زندگی اسی وقت تک ہے جب تک فرہاد خاموش ہے۔ وہ بولے گا تو موت کا منہ کھولے گا۔"

"تم صرف باتیں بنا رہے ہو۔"

"میں تدبیر بھی سوچ رہا ہوں۔ ابھی ایک بات سمجھ میں آئی

ہے کہ اس نے تمہیں سفر کے دوران زندہ کیوں رکھا ہے؟"

"کیوں رکھا ہے؟"

"اسے بے گناہ انسانوں کی سلامتی کا بہت خیال رہتا ہے۔ وہ عورتوں اور بچوں کا محافظ ہے۔ اس طیارے میں تمہیں ہلاک کرکے دہشت نہیں پھیلائے گا۔"

"یعنی میرے ساتھ عورت اور دو چار بچے ہوں تو وہ مجھے ہلاک نہیں کرے گا!"

"وہ معصوموں اور بے گناہوں کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔ اس لئے اس طیارے میں گڑبڑ نہیں کر رہا ہے لیکن جب تمہارا سفر تمام ہوگا اور تم طیارے سے باہر جاؤ گے، تمہارے آس پاس کوئی بے گناہ نہیں ہوگا تو وہ تمہیں کہیں دور، تنہائی میں لے جاکر قتل کرے گا۔"

"مجھے دور کیوں لے جائے گا؟ میرے قتل سے دوسروں کو نقصان کیسے پہنچ سکتا ہے؟"

"وہ جانتا ہے تمہارے پاس ایک ریوالور ہے۔ وہ تمہیں ریوالور استعمال نہیں کرنے دے گا لیکن میں وہ ہتھیار تمہاری جیب سے نکلوا کر آس پاس کے لوگوں پر فائرنگ کرا سکتا ہوں۔ یہ باتیں میں تمہارے ذریعے فرہاد کو سنا رہا ہوں۔ اگر وہ صحیح معنوں میں انسان ہے تو وہ راجر کو ہلاک کرنے سے پہلے دوسروں کو بے وقت اور بے موت مرنے سے بچائے۔"

میں خاموش رہا۔ جواب میں کچھ بولنا ضروری نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ میری انتقامی کارروائی کے وقت کوئی بے گناہ مارا نہ جائے۔ اس وقت بھی میں راجر ہڈ کو دوسرے مسافروں کے طفیل زندہ رہنے کی مہلت دے رہا تھا۔

میں نے سلمان کو بلا کر اسے راجر کے دماغ میں پہنچایا۔ پھر کہا۔ "اس کے پاس مسلسل رہنا ضروری نہیں ہے۔ یہ چھ گھنٹے کے بعد نیویارک پہنچے گا۔ اس کے دماغ میں آتے جاتے رہو۔ اگر یہ سفر کے دوران سونا چاہے اور کوئی اس پر تنویمی عمل کرنا چاہے تو اس عمل کو ناکام بنا دینا یا مجھے بلا لینا۔ میں صرف چار گھنٹے اپنی نیند پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

میں اسے سلمان کے حوالے کرکے اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ یہاں پشاور میں بھی کچھ اہم مسائل تھے۔ میں ٹیلی پیتھی جاننے والے ایوان راسکا کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا اور وہ ایک روسی لڑکی فرمونا آندروف کے ذریعے میری موجودہ رہائش گاہ کا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ ریسٹ ہاؤس کی طرح یہاں بھی مجھے گھیر کر قتل کرنے کی کوشش کر سکے۔

ایوان راسکا نے سوچا ہوگا کہ میں فرمونا نامی کسی حسینہ کا ذکر سن کر اس کے ہوٹل کے کمرے میں یا اس کے دماغ میں پہنچنا چاہوں گا اس طرح وہ میری مصروفیات پر نظر رکھتے ہوئے کرائے کے قاتلوں کو مجھ پر مسلط کردے گا۔

لیکن اسے مایوسی ہو رہی ہوگی۔ چوبیس گھنٹے گزر گئے تھے اور میں نے فرمونا کو تلاش نہیں کیا تھا۔ مجھے ابھی راجر ہڈ سے فرصت نہیں مل رہی تھی اور جب فرصت ملی تو نیند پوری کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ میں آرام سے چار گھنٹے تک سوتا رہا پھر بیدار ہو کر غسل کیا، پیٹ کی آگ بجھائی اس کے بعد سلمان کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا "دشمن خیال خوانی کرنے والوں نے آپ کی غیر موجودگی میں دوبار راجر ہڈ پر عمل کرنا چاہا لیکن میں نے اس کے دماغ کو لاک کرنے نہیں دیا۔"

"شکریہ سلمان! اب تم آرام کرو۔"

میں راجر کے پاس آگیا۔ اس دوران اس نے طیارے میں سفر کرنے والے ایک میاں بیوی اور ان کے بچوں سے دوستی کرلی تھی۔ جان لبوڈا اس سے کہہ رہا تھا "فکر نہ کرو۔ میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے ماتحتوں نے ایک اور فیملی کے دماغوں میں جگہ بنائی ہے۔ وہ فیملی یہاں سے نیویارک تک تمہارے ساتھ رہے گی۔ تمہیں تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔"

وہ بولا "مجھے کچھ اطمینان ہو رہا ہے۔ میں سوچ کے ذریعے فرہاد سے کہتا رہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہنے والے بچوں اور عورتوں کی سلامتی کا خیال رکھے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "مگر میں ٹائلٹ میں تو اکیلا رہوں گا۔"

"آں؟" وہ گھبرا کر بولا "مسٹر لبوڈا! یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ مجھے ٹائلٹ کے اندر تنہا جانا ہوگا۔ کیا میں دروازہ کھول کر سب کے سامنے کموڈ پر بیٹھوں گا؟"

وہ نیویارک پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے ڈومیسٹک فلائٹ میں واشنگٹن جانے والا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسی موت ہو جائے کہ وہ قتل نہ لگے تو ساتھ رہنے والے دہشت زدہ نہیں ہوں گے۔"

وہ لبوڈا سے یہ بات کہنا چاہتا تھا۔ لبوڈا نے کہا "تم نہ کہو میں تمہاری سوچ پڑھ رہا ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے فرہاد تمہاری سوچ میں یہ باتیں سمجھا رہا ہے۔"

"یہ تو سب ہی سمجھتے ہیں کہ موت کسی بھی بہانے سے آجاتی ہے لیکن میں طبعی عمر تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"ہم تمہیں سلامت رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارا سپر ماسٹر جناب علی اسد اللہ تبریزی سے رابطہ کر رہا ہے۔ وہ باباصاحب کے ادارے کے بزرگِ اول ہیں۔ فرہاد، سونیا اور رسوتی سب ہی بزرگِ اول کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ ان کا حکم ہوگا تو فرہاد تمہیں ایک ذرا نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"کیا جناب تبریزی صاحب مجھ سے یہ نیکی کریں گے؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "شیطان سے نیکی بے ثمر ہوتی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "میں کیسی کیسی الٹی سیدھی باتیں سوچنے لگتا ہوں۔ میں شیطان تو نہیں ہوں۔"

وہ ایک فیملی کے ساتھ ائرپورٹ کی عمارت سے گزرتے ہوئے باہر آیا۔ اس فیملی نے اسے اپنی گاڑی میں سرکاری بنگلے تک پہنچایا۔ اس بنگلے میں پہلے ہی سرکاری عورتیں اور بچے پہنچا دیئے گئے تھے۔ انہوں نے ایسا انتظام کیا تھا کہ وہ کبھی مرنے کے لئے تنہا نہ رہے۔

اب اس مسئلے پر غور کیا جا رہا تھا کہ وہ عورتیں اور بچے اس کے ساتھ ٹائلٹ میں کیسے رہیں گے؟ میں اسے فیملی کے سامنے بڑے سکون سے موت کی گود میں سلا سکتا تھا۔ کوئی دھماکا یا ہنگامہ نہ ہوتا، کوئی دہشت زدہ نہ رہتا لیکن میں نے بھی طے کرلیا تھا کہ راجر جب تک زندہ رہے اپنی سلامتی کے انتظامات کرتے کرتے مرتا رہے۔

فیملی کی ایک خاتون نے کہا "راجر! آئینے میں اپنا حلیہ دیکھو۔ تمہیں شیو کرنا چاہئے۔"

اس نے آئینے میں دیکھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔ موت کے خوف سے چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا برسوں کا بیمار ہے۔ اس نے اٹیچی کو کھول کر شیونگ کا سامان نکالا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ایک دانشور نے کہا ہے، حجام سے کبھی دشمنی نہ کرو۔ اس کا استرا تمہارے حلق کے قریب رہتا ہے۔"

وہ شیونگ اسٹک میں دو دھاری بلیڈ لگا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے بلیڈ چھوٹ گیا وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا "میں اپنے ہاتھ سے شیو کر رہا ہوں۔ میں خود حجام بنا ہوا ہوں۔ میرا بلیڈ میرے حلق کے قریب رہے گا۔ فرہاد کسی لمحے بھی میرا ہاتھ بہکا سکتا ہے۔ میرا بلیڈ میرے ہی حلق کے آر پار کر سکتا ہے۔"

وہ ایک دم شیونگ کا سامان پھینک کر چیخنے لگا۔ "میرا کیا بنے گا؟ میں محفوظ کیسے رہوں گا؟ نہیں رہ سکوں گا۔ ایک طرف سے بچاؤ کرتا ہوں تو دوسری طرف سے موت کا راستہ کھل جاتا ہے۔"

اس کی چیخ پکار سن کر عورتیں اور بچے سہم کر دور ہوگئے۔ وہ جان لبوڈا کو پکار رہا تھا۔ "کہاں ہو لبوڈا! کیا میری بائیس برس کی خدمات کا یہ صلہ ہے کہ میری حکومت اور میرے خیال خوانی کرنے والے ایک شخص سے مجھے تحفظ نہیں دے سکتے؟ کہاں ہو لبوڈا! جواب دو۔"

خاتون نے پوچھا "راجر! کیوں چیخ رہے ہو؟ بچے سہم گئے ہیں۔ ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔ ہم سب یوں خوف زدہ رہیں گے تو فرہاد سوچے گا، تم خود ہی ہمارے دلوں کو دھڑکا رہے ہو تو پھر تمہیں مار ہی ڈالا جائے۔"

اس کے اندر لبوڈا نے کہا "خاتون درست کہہ رہی ہیں۔ تم اسی لئے اب تک زندہ ہو کہ عورتیں اور بچے سکون سے ہیں۔ ان کا سکون برباد کروگے تو وہ فوراً ہی تمہاری سانسوں کی سپلائی بند کر دے گا۔"

وہ پاؤں پٹختا اور جھنجلا کر ادھر سے اُدھر جاتا ہوا بولا "میں شیو بھی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟"

"کیوں کہ بلیڈ میرے حلق کے قریب سے گزرتا رہے گا۔ تم کبھی میرے پاس رہتے ہو اور کبھی چلے جاتے ہو۔ وہ بلیڈ سے میری سانسوں کی نالی کاٹ سکتا ہے۔"

"اوہ گاڈ! میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔ تمہاری حفاظت کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔"

"تت..... تم میری حفاظت کرنے والے یہ کہہ رہے ہو کہ میں محفوظ نہیں رہوں گا۔ جب تمہارا ارادہ کمزور ہے تو میری حفاظت کیسے کروگے!"

"تم موت کے خوف سے چڑچڑے اور بدمزاج ہوتے جا رہے ہو۔ یہ تو سوچو کہ تمہاری موت کے ہزاروں راستے ہیں۔ پھر بھی تم زندہ ہو اور زندہ رہوگے۔ عقل سے کام لوگے تو اسی طرح سانس لیتے رہوگے۔"

"عقل سے کس طرح کام لوں؟"

"فرہاد تمہیں کسی ہتھیار سے ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ ایسا وہ اب تک آسانی سے کر چکا ہوتا۔ وہ تمہیں دہشت سے مارنا چاہتا ہے اور تم دہشت زدہ رہ کر اُس کا مقصد پورا کر رہے ہو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ موت کی طرح چپ چاپ آتا جاتا ہے۔ موت یقینی نظر آتی ہے تو کیا آدمی ایسے میں خوف زدہ نہیں ہو گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک دس برس کا لڑکا ایک کمرے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ریوالور کو پکڑ رکھا تھا۔ راجر کے سامنے آتے ہی اس نے رک کر کہا "خبردار!"

راجر ہڈ، کئی ملکوں میں کامیابی سے جاسوسی کرنے والا موت کو دیکھتے ہی چیخ پڑا۔ لڑکے نے ٹریگر کو دبایا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک ربر بلٹ اس کی پیشانی سے آکر چپک گیا۔ وہ آخری چیخ مار کر کرسی سمیت پیچھے الٹ کر فرش پر گرا۔ پھر چاروں شانے چت ہو گیا۔

ہارنے والا پہلوان چت ہو کر آئندہ لڑنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے لیکن موت سے پٹخنی کھانے والا ہمیشہ کے لئے چت رہ جاتا ہے۔ چت رہ کر ہی کفن پہنتا ہے۔ چت رہ کر ہی تابوت میں لیٹتا ہے اور قیامت تک چت رہنے کے لئے قبر میں پڑا رہتا ہے۔

میں ریوالور والے لڑکے کے دماغ میں آگیا۔ وہ نقلی ہتھیار تھا۔ اس میں سے زوردار آواز کے ساتھ ربر کی گولی نکلتی تھی اور سامنے والی دیوار یا کسی ٹارگٹ پر جا کر چپک جاتی تھی۔ وہ راجر ہڈ کی پیشانی سے جا کر چپک گئی تھی۔ اس نے یہی سمجھا، فرہاد نے بچے کے ذریعے اصلی ریوالور سے گولی چلائی ہے۔ موت ایسے بھی آتی ہے۔ بعض

مجرم پھانسی کے پھندے تک پہنچنے سے پہلے ہی دہشت سے مرجاتے ہیں۔ اس کا بھی قصہ تمام ہوگیا۔

******

فرمونا آندروف روسی نہیں تھی۔ بلغاریہ کے شہرورنا سے آئی تھی۔ اس کا دادا جوزف آندروف روس سے ہجرت کرکے ورنا میں آکر اپنے کنبے کے ساتھ آباد ہوگیا تھا۔ فرمونا نے کبھی روس کی زمین پر قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ اس کے باوجود دادا کے حوالے سے روسی تھی۔

فرمونا کا باپ یوحنا آندروف تجارت کے سلسلے میں استنبول جایا کرتا تھا۔ وہاں مولانا رومیؒ کی یاد میں ایک ایمان افروز درس گاہ تعمیر کی گئی ہے۔ یوحنا آندروف اس درس گاہ میں حاضری دیتے دیتے مسلمان ہوگیا۔

وہ اپنے چچا اور بھائی کے ساتھ استنبول آیا تھا۔ چچا پوچھتا تھا۔ "کیا تیرا دماغ پھر رہا ہے؟ اس مسلمان ... کی درس گاہ میں کیوں جاتا ہے؟"

وہ جواب دیتا "انکل شلوم! میں نہیں جانتا پہلی بار ادھر کیسے کشاں کشاں چلا گیا تھا۔ تب سے مجھے وہاں ایسا روحانی سکون ملتا ہے جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔"

یہ سلسلہ کئی برس تک چلتا رہا۔ انکل شلوم نے تمام کنبے اور برادری میں کہہ دیا تھا کہ یوحنا ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ ورنا کے مذہبی پیشوا ربی المناو نے یوحنا کو بلاکر نصیحت کی "توریت آسمانی کتاب ہے۔ اسے پڑھو اور اپنے دینِ موسوی کو سمجھو۔ ہمارا دین مکمل ہے۔"

یوحنا نے کہا "میں تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ آپ نے ایک وعظ میں فرمایا تھا، آخری بات اتنی ٹھوس اور مدلل ہو کہ اس کے بعد کوئی بات کہنے کو نہ رہ جائے۔"

"بے شک میں نے کہا تھا۔"

"تو پھر آپ تسلیم کرلیں کہ آخری کتاب (قرآن مجید) اتنی ٹھوس اور مدلل ہے کہ اس کے بعد کوئی اور بات کہنے کے لئے کوئی اور کتاب دنیا میں نہیں آئی۔"

انہوں نے سخت لہجے میں پوچھا "کیا تم اپنے ربّی سے مذہبی بحث کروگے!"

"نہیں! میں ناچیز ہوں۔ آپ سے علمی اور مذہبی بحث نہیں کرسکوں گا۔ درس گاہ حضرت رومیؒ میں یہ درس دیا گیا ہے کہ اگر تم عالم نہیں ہو تو بحث نہ کرو۔ کلام پاک کی صرف ایک آیت دہراؤ کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور ہمارا دین ہمارے ساتھ۔"

یہ کہتے ہی وہ سر جھکا کر عبادت گاہ سے باہر آگیا۔ ربی المناو نے اعلان کرادیا کہ یوحنا کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے۔ اسے سمجھایا جائے کہ وہ اپنے دین کی طرف لوٹ آئے اور جب لوٹ آئے تو اسے معاف کرکے گلے لگالو۔

وہ چچا شلوم اور ایک بھائی کے ساتھ تجارت کے لئے استنبول جایا کرتا تھا۔ مال کی خرید و فروخت کے بعد بھائی اور چچا شلوم سرائے میں آرام کرتے تھے اور وہ درس گاہ میں حاضری دینے جایا کرتا تھا۔ اس بار وہ واپس آیا تو اسلام قبول کرچکا تھا۔ اس نے چچا اور بھائی کو مٹھائی پیش کی۔ انہوں نے قبول کی پھر کھاتے ہوئے پوچھا "کس خوشی میں ہے یہ مٹھائی؟ معلوم ہوتا ہے تاجر صلاح الدین سے کوئی بڑا سودا ہوگیا ہے۔"

"ہاں، میں آخرت کا سودا کرکے آیا ہوں۔"

"یہ آخرت کا سودا کیا ہوتا ہے؟ اصل بات کہو، تم نے دام بڑھا کر دیئے اس لئے تمہیں مال کی ایجنسی بلغاریہ کے لئے مل گئی ہے۔ اگر تم دام نہ بڑھاتے تو وہ ایجنسی مجھے مل جاتی۔"

"میں کہہ چکا ہوں میں نے دنیاوی نہیں آخرت کا سودا کیا ہے۔ مجھے ایجنسی اور مال و دولت کا لالچ نہیں ہے۔ میں یہودیت کو ترک کرکے اسلام قبول کرچکا ہوں۔"

"کیا بکواس کرتے ہو؟" بھائی غصے سے کھڑا ہوگیا تھا۔

انکل شلوم نے پوچھا "یوحنا! تم سچ کہہ رہے ہو؟"

وہ بولا "یوحنا کو عربی میں یحییٰ کہتے ہیں۔ آج سے میرا نام محمد یحییٰ آندروف ہے۔ یحییٰ کے معنی ہیں "جیتا ہے" اور میں آج سے نئی زندگی جی رہا ہوں۔"

چچا شلوم نے غصے سے کہا "تم خود غرض اور ... ہو۔ تم نے ایک مسلمان تاجر صلاح الدین سے لاکھوں ڈالر کی ایجنسی حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کرکے اسے خوش کیا ہے۔"

"آپ کا یہ الزام غلط ہے۔ میں جب سے آیا ہوں، آپ تاجر صلاح الدین کا ذکر کررہے ہیں۔ جب کہ میں نے اس کا مال اٹھانے سے انکار کردیا ہے۔ اس سے بہتر نارمن جیرالڈ کا مال ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔ میں نے بلغاریہ کے لئے نارمن کے مال کی ایجنسی لی ہے۔"

محمد یحییٰ آندروف نے ثابت کردیا کہ اس نے مال اور تجارتی منافع کے پیشِ نظر اسلام قبول نہیں کیا ہے، جو کیا ہے وہ دل اور دماغ کی قبولیت سے کیا ہے۔ اس میں کسی کا جبر اور کسی طرح کا لالچ شامل نہیں ہے۔

بلغاریہ کے ساحلی شہر ورنا میں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ وہاں سب نے یحییٰ سے مُنہ پھیرلیا۔ خاندان کے افراد نے اس سے تعلقات ختم کردیئے۔ یحییٰ اپنی بیٹی فرمونا کو لے کر مسلمانوں کے محلے میں آگیا۔ شہر کے مختلف بازاروں میں یہودی تاجروں نے عہد کیا کہ یحییٰ کا مال نہ کوئی خریدے گا اور نہ اپنا مال کوئی اسے فروخت کرے گا۔

لیکن یحییٰ نے پورے بلغاریہ کے لئے ایجنسی حاصل کی تھی۔ مال کی کوالٹی بہت عمدہ تھی اس لئے خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہودی سب سے پہلے اپنے منافع کو اہمیت دیتے ہیں۔ یحییٰ کا پیش کردہ مال نہایت منافع بخش تھا۔ وہ پہلے چوری چھپے پھر اعلانیہ مال خرید کر فروخت کرنے اور منافع کمانے لگے۔ انہوں نے اپنے پیشوا ربی المناو سے کہا "یحییٰ کا سماجی اور تجارتی بائیکاٹ کرنے سے تمام یہودی تاجر نقصان اٹھاتے رہیں گے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یحییٰ کو ذلت نصیب ہو تو اس سے اُس کی ایجنسی چھین لی جائے۔

ایک بہت بڑے یہودی سرمایہ دار نے نارمن جیرالڈ سے کہا۔ "میں تمہارے مال کی زیادہ قیمت دوں گا۔ یحییٰ سے ایجنسی کے حقوق واپس لے کر مجھے دے دو۔"

نارمن نے کہا "یہاں میرے مال کی قیمت زیادہ دوگے اور وہاں بازار میں اسی مال کی قیمت بڑھاؤگے۔ خریداروں پر بوجھ ڈالوگے تو میرے مال کی سپلائی اور کھپت میں کمی ہوگی۔ پھر یہ کہ کاروباری معاملات میں مجھے یحییٰ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

اس نے پوچھا "ایسی کیا صورت ہوسکتی ہے کہ یہ ایجنسی ہمیں مل جائے؟"

"ایک ہی صورت ہے کہ یحییٰ ہمارا مال اٹھانے سے انکار کردے۔"

وہاں سے ناکامی ہوئی۔ مخالفین نے سرجوڑ کر سوچا۔ یحییٰ اس قدر منافع بخش مال اٹھانے سے انکار نہیں کرے گا۔ ہاں اگر اسے موت آجائے تو وہ ایجنسی ان کے ہاتھ آجائے گی۔

ایک ہفتے کے اندر ہی یحییٰ کو کسی نے قتل کردیا۔ فرمونا نے روتے اور بین کرتے ہوئے کہا "میرے پاپا کو کاروباری عداوت کے نتیجے میں قتل کیا گیا ہے۔ میں قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اسے قتل کروں گی یا قتل کراؤں گی۔"

باپ کی تدفین کے بعد انکل شلوم نے آکر کہا "بیٹی فرمونا! تمہارے باپ کی زندگی میں ہمیں اس سے شکایت تھی۔ اب نہیں رہی۔ وہ مسلمان تھا۔ مگر تم ہمارے خون کے رشتے سے، قوم کے رشتے سے یہودن ہو۔ ہمارے ساتھ چلو۔"

"آپ کو یہ سن کر خوشی نہیں ہوگی کہ مسلمان باپ کی اولاد از خود مسلمان ہوجاتی ہے۔ میرے پاپا نے مجھے کلمۂ توحید پڑھایا تھا۔ پڑھانے والا مرگیا۔ کلمہ زندہ ہے اور جو تا قیامت زندہ رہنے والا ہے اسے آپ میرے اندر نہیں مار سکیں گے۔"

"تمہاری مرضی ہے۔ میں تو یہ سوچ کر ساتھ لے جارہا تھا کہ تمہارے باپ کے قاتل کو تلاش کروں گا۔"

"میں نہیں جارہی ہوں تو کیا آپ اسے تلاش نہیں کریں گے؟"

"کس رشتے سے تلاش کروں۔ اس مسلمان سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ تم بھی یہودیت سے انکار کررہی ہو۔"

"کیا آپ انسانیت کے رشتے سے قاتل کو سزا نہیں دلا سکتے؟"

"تم سزا دلانے کی بات کررہی ہو، میں تو اسے انعام دوں گا۔ اس نے ایک مسلمان کو قتل کرکے ہماری قوم پر احسان کیا ہے۔"

وہ جانے لگا۔ فرمونا نے کہا "میرے باپ کے قاتل کو انعام دینے والے آج سے میں تمہیں قاتل کا شریک سمجھوں گی۔ کبھی یہ ثابت ہوجائے کہ تم قتل کی سازش میں شریک تھے تو تمہاری موت میرے ہی ہاتھوں سے ہوگی۔"

وہ چلا گیا۔ فرمونا نے پولیس افسر کی رہائش گاہ میں آکر اُس سے ملاقات کی۔ وہ چالیس برس کا کنوارا تھا۔ شادی کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ ضرورت ہوتی تو کسی نہ کسی کی مجبوریوں سے کھیل لیا کرتا تھا۔ اب وہ فرمونا کو قاتل کی گرفتاری کا جھانسا دے کر اُس کے ساتھ راتیں گزارنا چاہتا تھا۔

فرمونا نے پوچھا "تم نے مجھے اپنے بنگلے میں آنے کو کہا تو میں نے سوچا، تمہیں قاتل کا سراغ مل چکا ہے۔ میں بڑی آس لے کر آئی ہوں۔"

وہ ہاتھ تھام کر بولا "میں نے بھی بڑی آس لے کر تمہیں یہاں بلایا ہے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ تم میرے سینے سے لگ کر کلیجے کو ٹھنڈک پہنچاتی رہو، میں تمہارے باپ کے قاتل کو جلد از جلد تلاش کرکے عدالت میں پہنچادوں گا۔"

وہ ہاتھ چھڑا کر بولی "ہمارے درمیان فاصلہ رہنا چاہئے اور مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فاصلہ رہے گا اور میں تمہارے ہاتھ
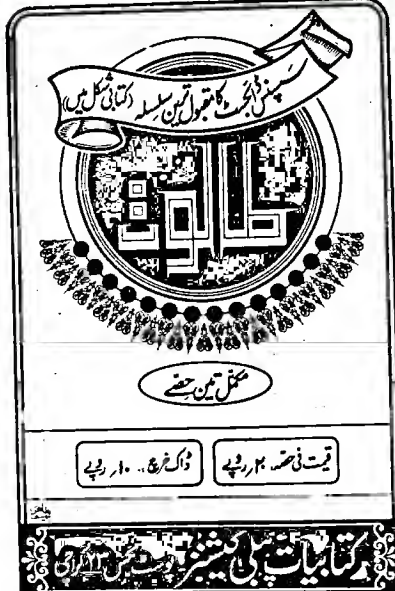
نہیں آوں گی تو کیا قاتل بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا؟"

"ہر انسان کی اپنی اپنی ضرورت ہے۔ تمہیں قاتل کی ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔"

"اور فرض کی ادائیگی کوئی چیز نہیں ہے؟"

"ہم ایک دوسرے سے راضی رہے تو قانونی فرائض بھی ادا ہوتے رہیں گے۔"

"اگر میں راضی نہ ہوئی اور وہ قاتل تمہاری نظروں میں آجائے تو کیا کرو گے؟"

"میں قاتل کو صرف نظروں میں رکھوں گا۔ یوں سمجھو کہ وہ میری نظروں میں آچکا ہے۔ تم مان جاؤ گی تو اسے ہتھکڑی پہنا دوں گا۔"

"کیا واقعی وہ تمہاری نظروں میں آچکا ہے؟"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قاتل میری مٹھی میں ہے۔"

"تم قسم کھا رہے ہو تو میں راضی ہو جاؤں گی لیکن میرے مذہب میں گناہ کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تم اسے عدالت سے سزا دلاؤ گے تو میں تم سے شادی کروں گی۔ اس سے پہلے تم مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پولیس والے... رشوت پہلے لیتے ہیں کیونکہ کام نکل جانے کے بعد کوئی پلٹ کر نہیں پوچھتا۔"

"میں آج ہی بلکہ ابھی شادی کروں گی۔ اس طرح تمہیں یقین ہو جانا چاہئے کہ قانونی اور مذہبی طور سے تمہاری ہو چکی ہوں۔ تمہیں دھوکا نہیں دوں گی لیکن قاتل کو سزائے موت ہونے کے بعد تمہاری خواب گاہ میں آوں گی۔"

"نہیں میری جان! جب شادی تب سہاگ رات۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو اور خود کو بہت عقل مند اور تجربہ کار پولیس افسر مانتے ہو۔ میں سمجھ گئی ہوں' قاتل تمہاری مٹھی میں نہیں ہے۔"

افسر نے مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ قائم ہونے پر کہا "ہیلو' میں بول رہا ہوں۔"

پھر دوسری طرف سے گفتگو سن کر بولا "تم نے جسے قتل کیا تھا' اس کی بیٹی میرے سامنے ہے۔"

یہ کہتے ہی افسر نے ریسیور کو فرموتا کے کان سے لگا دیا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا "کمال کرتے ہو آفیسر! فرموتا کے سامنے مجھے اس کے باپ کا قاتل کہہ رہے ہو۔ کیا تمہیں جو پچیس ہزار ڈالر دیئے گئے ہیں' وہ کم ہیں؟ فرموتا کو اپنے پاس بلا کر کیا چکر چلا رہے ہو؟"

وہ غور سے بولنے والے کی آواز سن رہی تھی اور یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی' وہ آواز کہاں سنی ہے؟ اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ دیر سے سہی' اسے یاد آجائے گا۔

افسر نے ریسیور اس کے کان سے ہٹا کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہاں' کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے سنا نہیں' دھیان دوسری طرف تھا۔ ہاں۔ اچھا اچھا۔ چلو ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ مجھے کمینہ کہہ لو۔ یہ تم سب جانتے ہو کہ فرموتا کتنی حسین اور پرکشش ہے۔ اس کے لئے کوئی بھی کمینہ بن سکتا ہے۔ ویسے اپنے سرمایہ دار باپ اور بھائی سے کہو' مجھے اور پچیس ہزار ڈالر ادا کریں۔ میں فرموتا کو ٹال دوں گا۔"

اس نے دو چار باتیں کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا پھر کہا "تم مجھے جھوٹا سمجھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ قاتل میری مٹھی میں نہیں ہے۔ میں نے فون پر اس کی آواز سنا دی۔ ثبوت پیش کر دیا۔ اب بولو' منظور ہے؟"

"میں تمہارے مقابلے میں بہت کم عمر اور ناتجربہ کار ہوں لیکن اتنا سمجھتی ہوں کہ تم تھالی کے بیگن ہو۔ ادھر سے مزید پچیس ہزار ڈالر ملیں گے تو مجھے آسانی سے ٹال دو گے۔ یہ بات ابھی تمہاری زبان سے نکل چکی ہے۔"

وہ واپس جانے لگی۔ افسر نے پوچھا "جا رہی ہو؟ باپ کے قاتل سے انتقام نہیں لو گی؟"

"اسے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی اور اس کا ساتھ دینے والے بھی عبرت ناک انجام کو پہنچیں گے۔ آج سے تم بھی میرے پاپا کے قاتلوں کی فہرست میں ہو۔ میں یہ معاملہ تمہارے اعلیٰ افسران کے پاس لے جاؤں گی۔"

افسر قہقہے لگانے لگا۔ وہ گھر آکر سوچنے لگی۔ فون پر بولنے والا اجنبی تھا مگر وہ اچھی یادداشت کی حامل تھی۔ اسے یاد آرہا تھا کہ ایک ہی بار سہی' کہیں کسی تقریب میں یا پبلک پلیس میں وہ آواز ضرور سنی ہے۔

وہ بڑی دیر تک سوچتی رہی۔ رات کو سوتے وقت اچانک اسے پولیس افسر کی فون والی آخری گفتگو یاد آئی' اس نے کہا تھا "اپنے سرمایہ دار باپ اور بھائی سے کہو' مجھے اور پچیس ہزار ڈالر ادا کریں۔"

اس آخری فقرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ قاتل کا باپ سرمایہ دار ہے اور اس قاتل کا ایک بھائی ہے۔ یعنی ایک سرمایہ دار کے دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک نے اس کے پاپا کو قتل کیا ہے۔

اس حد تک انکشاف ہونے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ سرمایہ دار کون ہے جس کے دو بیٹے ہیں اور جنہیں یحییٰ کے قتل سے فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اس کے شہر ورنا میں اور پورے بلغاریہ میں بے شمار سرمایہ دار تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کر کے صرف یہودی سرمایہ داروں کو بھانپنا چاہتی تھی۔ اس نے پہلے اپنے شہر کے یہودیوں کو یادداشت میں تازہ کرنا شروع کیا۔ ایسے یہودیوں کو جو بڑے سرمایہ دار تھے' جن کے دو بیٹے تھے اور جو اس کے پاپا کے قتل سے کوئی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

ایسی معلومات حاصل کرنے میں پتا نہیں کتنے دن اور مہینے لگ

جاتے۔ وہ دوسرے دن انسپکٹر جنرل کے دفتر میں آئی۔ انسپکٹر جنرل نے اسے اندر بلایا۔ فرموتا نے اپنا تعارف کرایا پھر کہا "آپ کا ایک پولیس افسر قاتل سے رشوت لے چکا ہے اور مزید پچیس ہزار ڈالر حاصل کرنے والا ہے۔ وہ قاتل کو کبھی گرفتار نہیں کرے گا۔"

"مس فرموتا! بہتر ہے کسی ثبوت کے بغیر ایک افسر کو الزام نہ دو۔"

وہ بولی "سر! میری ایک ہوبی ہے۔ میں اکثر گفتگو کرنے والوں کی آواز ریکارڈ کرتی ہوں۔ پھر تنہائی میں ان کی آوازیں اور باتیں سن کر ان کے کردار کا نفسیاتی تجزیہ کرتی ہوں۔ کیوں کہ میں علم نفسیات کی طالبہ ہوں۔"

"کیا تم نے پولیس افسر کی باتیں ریکارڈ کی ہیں؟"

"جی ہاں۔ میں اس پرس میں منی ریکارڈر چھپا کر رکھتی ہوں۔ کسی کو شبہ نہیں ہوتا اور میں مطلوبہ گفتگو ریکارڈ کر لیتی ہوں۔"

اس نے پرس میں سے ایک ریکارڈر نکال کر اسے آن کیا پھر اعلیٰ افسر کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں سے پہلے اس کے یہودی انکل شلوم کی گفتگو سنائی دی۔ وہ یہ کہہ کر گیا تھا کہ یحییٰ کے قاتل کو انعام دے گا کیوں کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے۔ پھر پولیس افسر کی شروع سے آخر تک کی گفتگو سنائی دی۔ انسپکٹر جنرل نے ریکارڈر کو آف کرنے کے بعد کہا "تم نے یہ طریقہ اختیار کر کے قانون کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں۔ قاتل کی نشان دہی بھی کی ہے۔ وہ پولیس افسر بھی سزا سے نہیں بچے گا۔ تم نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ میں فخر سے تمہیں بیٹی کہنا چاہتا ہوں۔"

فرموتا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ بولی "یہ میرے لئے فخر کی بات ہے بلکہ خوش قسمتی ہے کہ پاپا کے بعد مجھے باپ کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔"

ان باتوں کے دوران انسپکٹر جنرل نے ایک بٹن دبا کر کیسٹ کو ریوائنڈ کیا تھا اور پوچھا تھا "کیا تم نے اس کیسٹ کی دوسری کاپی رکھی ہے؟"

"نہیں' مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ میں پولیس افسر کی گفتگو ریکارڈ کرتے ہی آپ کے پاس اسے لے آئی۔"

"اچھا تم کسی سرمایہ دار کے متعلق کچھ کہہ رہی تھیں؟"

وہ بتانے لگی "پولیس افسر کی فون والی گفتگو سے پتا چلا کہ قاتل کا باپ سرمایہ دار اور اس قاتل کا ایک بھائی ہے......"

وہ جو کچھ یہودی سرمایہ داروں کے متعلق سوچ رہی تھی وہ سب تفصیل سے بتاتی چلی گئی۔ اعلیٰ افسر نے کہا "تم نے باپ کے قتل ہوتے ہی بہت فریب کھائے ہیں۔ کسی نے تمہارا ساتھ نہیں دیا لیکن میں صرف قانون کا محافظ نہیں' باپ بن کر بھی عدالت تک تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"آپ کی محبت بھری سرپرستی سے مجھے نئی زندگی مل گئی ہے۔"

وہ ریکارڈر کو آف کرتے ہوئے بولا "لیکن بیٹی! مجھے باپ کہتی ہو تو باپ کے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو عدالت میں بدنام کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"پولیس ڈیپارٹمنٹ کیسے بدنام ہوگا؟"

"میرا ماتحت پولیس افسر گرفتار ہوگا تو وہ بیان دے گا کہ اس نے رشوت کے پچیس ہزار ڈالر میں سے صرف پانچ ہزار ڈالر لئے تھے' باقی بیس ہزار مجھے دیئے تھے۔"

وہ حیرانی سے بولی "آ..... آپ کو؟ یعنی آپ بھی......؟"

"ہاں' میں بھی۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اعلیٰ افسر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولا "میرا ماتحت بہت بڑا کمینہ ہے۔ تمہیں خواب گاہ میں لے جا کر داشتہ بنانا چاہتا تھا۔ مجھ میں شرافت اور اعلیٰ ظرفی ہے۔ میں نے تمہیں بیٹی بنایا ہے۔"

پھر وہ فرموتا سے پرس چھین کر بولا "ہو سکتا ہے تم نے دوسرا ریکارڈر چھپا کر رکھا ہو۔ ہم دودھ کے جلے ہیں' چھاچھ پھونک پھونک کر پیتے ہیں۔"

اس نے پرس کھول کر تلاشی لی پھر مطمئن ہو کر اس کا منی ریکارڈر دیتے ہوئے کہا "میں نے تمہاری گفتگو کے دوران اس کا ریکارڈنگ بٹن دبا کر اپنے ماتحت افسر کی تمام باتیں مٹا دی ہیں۔ اسے گھر جا کر سنو۔ اس میں سے صرف وہی باتیں سنائی دیں گی جو تم یہاں کرتی رہی ہو۔ اب جاؤ۔"

اس نے غصے سے اعلیٰ افسر کو دیکھا پھر تیزی سے چلتی ہوئی دفتر سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اعلیٰ افسر نے ریسیور اٹھا کر ماتحت سے رابطہ کیا پھر کہا "گدھے کے بچے! تم کسی دن میری گردن پھنساؤ گے۔"

"سر! مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"

"غلطی کے بچے! جب فرموتا تمہارے پاس آئی تھی تو اس کے پرس میں ایک منی ریکارڈر تھا' وہ تمہاری تمام گفتگو ریکارڈ کر چکی تھی۔ تمہارے اور قاتل کے خلاف خاصے ثبوت لے کر آئی تھی۔"

"اوہ گاڈ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قدر چالاک ہوگی۔ پھر آپ نے کیا کیا سر؟"

"میں نے اس کیسٹ سے تمہاری گفتگو مٹا دی ہے اور اس کے پاس اس کیسٹ کی دوسری کاپی نہیں ہے۔ وہ بری طرح مایوس ہو کر گئی ہے۔"

"سر! آپ نے کمال کر دیا۔ میں اپنی غفلت کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

انسپکٹر جنرل پولیس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس رات جب وہ گہری نیند سو رہا تھا' تب فون کی مسلسل گھنٹی کی آواز نے اسے جگا دیا۔ اس نے ناگواری سے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو کون ہے؟"

دوسری طرف سے آواز آئی "میں فرموتا بول رہی ہوں۔"

وہ غصے سے بولا "یہ کوئی فون کرنے کا وقت ہے؟"
"شامت وقت بے وقت آجاتی ہے۔ تم نے مجھے بٹی بنا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔"
"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
"یہی کہ تم نے میرا پرس چیک کیا لیکن بٹی کا لباس چیک نہیں کر سکتے تھے۔ اگر صرف پولیس افسر رہتے تو تلاشی کے نتیجے میں میرے پاس سے ایک اور ریکارڈر برآمد ہوتا جس میں تمہاری یہ گفتگو ریکارڈ ہے۔ سنو۔"
چند لمحوں کے بعد اسے اپنی ہی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میرا ماتحت پولیس افسر گرفتار ہوگا تو وہ بیان دے گا کہ اس نے رشوت کے پچیس ہزار ڈالر میں سے صرف پانچ ہزار ڈالر لئے ہیں باقی بیس ہزار مجھے دئے ہیں۔"
انسپکٹر جنرل نے اور جتنی باتیں فرمونا سے کی تھیں وہ سب فون کی دوسری طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ بولی "آفیسر! میں نے تم سے باتوں کے دوران دیکھ لیا تھا کہ تم ریکارڈنگ بٹن دبا کر اپنے ماتحت کی گفتگو مٹا رہے ہو۔ میں دیکھ کر بھی انجان بنی رہی۔ تم سے جھوٹ کہا تھا کہ اس کیسٹ کی دوسری کاپیاں نہیں ہیں۔ یہ لو سنو۔"
تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے اپنے ماتحت افسر کی وہ تمام باتیں سنائی دینے لگیں۔ جنہیں وہ اپنی دانست میں مٹا چکا تھا۔ وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے بولا "بہت چالاک بنتی ہو۔ صبح ہونے سے پہلے تمام کیسٹوں کے ساتھ فنا ہو جاؤ گی۔"
"آفیسر! فنا کرنے والے مجھے کہاں تلاش کریں گے؟"
"اچھا تو تم روپوش ہو گئی ہو؟"
"ہاں، میں نے تمام کیسٹوں کی کاپیاں بیرسٹر مجید الاسلام اور جسٹس شیل مین کے پاس پہنچادی ہیں۔ کل صبح تمہاری اور ماتحت افسر کی گرفتاری عمل میں آئے گی۔ اب اٹھو اور بچاؤ کی فکر میں اپنی نیند حرام کرو۔"
فرمونا نے ریسیور رکھ دیا۔ اعلیٰ افسر نے فوراً ہی دوسرا نمبر ڈائل کرکے پوچھا "کیا فون ٹیپ ہو رہا تھا؟"
"یس سر!"
"مجھے نوٹ کراؤ، وہ کہاں سے فون کر رہی تھی۔"
اس نے کاغذ قلم لے کر فرمونا کا موجودہ پتا اور فون نمبر نوٹ کیا پھر اپنے ماتحت سے رابطہ کرکے اسے تمام حالات بتائے۔ اس کے بعد کہا "بیرسٹر مجید الاسلام اپنا خاص آدمی ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ تم جسٹس شیل مین کی تحویل سے وہ تمام کیسٹ نکال لاؤ پھر فرمونا کی رہائش گاہ میں گھس کر تلاشی لو۔ تمام کیسٹوں کو اپنے قبضے میں لو۔ اس کے بعد ہم اس پناہ گاہ میں جائیں گے جہاں وہ چھپی ہوئی ہماری گرفتاری کا انتظار کر رہی ہے۔"
فرمونا کو یقین تھا کہ دشمن اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔ اس کے ایک مسلمان پڑوسی نے کہا تھا "بٹی! تم میری بٹی کے گھر چلی جاؤ۔ کل جب دشمن گرفتار ہو جائیں تو واپس چلی آنا۔"
اس کی بٹی شہر کے مغربی حصے میں رہتی تھی۔ انسپکٹر جنرل اور اس کے ماتحت کا دھیان ادھر نہ جاتا اگر وہ ہر گھر کی تلاشی لیتے تو صبح ہو جاتی اور صبح ان پولیس والوں کی شامت آنے والی تھی۔
وہ بڑی بے فکری سے سو رہی تھی۔ رات کے دو بجے اس نے خواب میں ایک قد آور شخص کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ایسی بے فکری نقصان پہنچاتی ہے۔ دشمن تمہیں قتل کرنے آ رہے ہیں۔"
فرمونا نے پوچھا "دشمنوں کو میرا پتا کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"
"تم نے انسپکٹر جنرل سے فون پر گفتگو کی تھی۔ تمہارا فون ڈیٹیکٹ کیا گیا تھا۔ فون نمبر کا سراغ ملتے ہی اس پناہ گاہ کا بھی پتا چل گیا۔"
"تم کون ہو؟ اور تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"
"میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہاری ایک تصویر دیکھ کر تم پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔"
"تم نے میری تصویر کب اور کہاں دیکھی؟"
"آدھا گھنٹا پہلے دیکھی ہے۔ میں ایک مکان کے پاس سے گزر رہا تھا وہاں میں نے دو آدمی دیکھے، وہ بڑی راز داری سے چوروں کی طرح مکان میں داخل ہو رہے تھے۔ میں بھی ان کے پیچھے داخل ہوا۔ ایک خواب گاہ میں تمہاری بہت ہی خوب صورت سی تصویر دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ میں دیکھتے ہی تمہارا دیوانہ ہو گیا۔"
"فضول باتیں نہ کرو۔ ان کے متعلق بتاؤ جو مکان میں داخل ہوئے تھے۔"
وہ بولا "میں نے ان دونوں کی پٹائی کی۔ پھر ان کے خیالات پڑھے تو پتا چلا کہ ان میں سے ایک پولیس افسر ہے اور دوسرا ایک غنڈا ہے۔ وہ تمہارے گھر سے تمام آڈیو کیسٹ اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے۔ پھر میں نے ان کے خیالات پڑھ کر......"
وہ بات کاٹ کر بولی "یہ خیالات پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟"
"مطلب یہ ہوا کہ میں خیال خوانی کرتا ہوں۔ ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ میں نے معلوم کیا وہ پولیس افسر تمہاری عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ تمہارے باپ کے قاتل کو چھپا رہا تھا۔ تم نے اس کے خلاف کیسٹ ریکارڈ کیا تھا۔ کیسٹ کی ایک کاپی جسٹس شیل مین کو دی تھی۔ اس افسر نے شیل مین کے گھر میں گھس کر اسے قتل کر دیا ہے، وہاں سے کیسٹ لے آیا ہے۔"
فرمونا نے بڑے دکھ سے پوچھا "کیا جسٹس شیل مین قتل کر دیا گیا ہے؟"
"ہاں اور تم بیرسٹر مجید الاسلام سے دھوکا کھا گئیں، وہ انسپکٹر جنرل کا دوست ہے۔ اس نے تمہارے دئے ہوئے کیسٹوں کو انسپکٹر جنرل کے حوالے کر دیا ہے۔ اب وہ اپنے ماتحت افسر کے ساتھ تمہاری طرف آ رہا ہے۔"

"اجنبی! تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔ کیا واقعی ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔"
"اس بات کا یقین بعد میں بھی کر سکتی ہو۔ پہلے آنکھیں کھولو۔"
اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بیڈ روم میں دھیمی دھیمی سی سبز روشنی تھی۔ اس نے سوچا "اوہ، میں تو خواب دیکھ رہی تھی۔"
اسے اپنے دماغ میں وہی اجنبی آواز سنائی دی "ہاں، تم مجھے خواب کے دھندلکے میں دیکھ رہی تھیں۔ اب دماغ میں میری باتیں سن رہی ہو۔"
وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی "یہ کیا ماجرا ہے! خواب میں بھی وہی آواز، بیداری میں بھی اسے سن رہی ہوں۔"
"میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے اندر موجود ہوں۔"
اسی وقت دستک سنائی دی۔ اجنبی نے کہا "لو دشمنِ جاں آ گئے۔ اٹھو، دروازہ کھولو۔"
"کیا سچ کہہ رہے ہو؟"
"ابھی تم ان کی صورتیں دیکھو گی۔"
"نہیں، میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔"
"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ شاید تمہاری میزبان سہیلی کا شوہر دروازہ کھول رہا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"
مکان کا دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر جنرل اپنے ماتحت کے ساتھ بے چارے میزبان کو دھکا دیتے ہوئے اندر آیا۔ پھر گرج کر بولا "تم نے فرمونا کو کہاں چھپا رکھا ہے، اسے باہر نکالو۔"
ماتحت افسر نے کہا "یاد رکھو۔ پچھلے دروازے پر بھی ہمارا ایک مسلح آدمی موجود ہے۔ فرمونا ادھر سے بھاگنا چاہے گی تو اسے گولی ماردی جائے گی۔"
پھر اس نے میزبان کو ریوالور کے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "فرمونا کو باہر لاؤ۔ ورنہ ہم تمہیں ختم کر دیں گے۔"
وہ سامنے آکر بولی "میرے میزبان کو چھوڑ دو۔"
انسپکٹر جنرل نے اسے دیکھ کر کہا "تم نے بڑی تیزی دکھائی تھی۔ ہمیں جیل بھیجنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مگر ہم پولیس والے ہیں۔ خطرناک مجرموں کی کھال اتار کر ان کے جوتے بنا کر پہنتے ہیں۔ اور تم ہم سے چالاکی دکھا رہی تھیں۔"
ماتحت افسر نے کہا "اب چالاکی دکھاؤ اور یہاں سے بچ کر جاؤ۔ اس گھر سے تو تمہاری لاش ہی باہر جائے گی۔"
ایک مسلح شخص نے دروازے پر آکر کہا "یہاں سے فرمونا کی نہیں، تم دونوں کی لاش جائے گی۔"
انسپکٹر جنرل نے ڈانٹ کر کہا "تمہیں پچھلے دروازے پر رہنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں کیوں آئے ہو؟"
"میں خود نہیں آیا ہوں، لایا گیا ہوں۔ میرے اندر ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود ہے۔"
"یہ کیا بکواس ہے۔"
فرمونا نے ہنستے ہوئے کہا "یہ ٹیلی پیتھی جاننے والا میرے اندر بھی تھا۔ اب تمہارے آدمی کے اندر ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ خیال خوانی کرنے والا میرا دوست اور مددگار ہے۔"
"یہ تمہارا دوست نہیں ہمارا ماتحت ہے۔"
مسلح ماتحت نے انسپکٹر جنرل کا نشانہ لیتے ہوئے کہا "میں صرف فرمونا کا دوست ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے۔"
اس نے فائر کیا۔ انسپکٹر جنرل چیخا اور اپنا زخمی بازو پکڑتے ہوئے پیچھے گیا۔ اس کے ماتحت افسر نے پوچھا "یہ تم نے کیا کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نے تمہارے دماغ پر قبضہ کیا ہے۔ تم ہمارے لئے خطرہ بن گئے ہو۔"
اس نے مسلح شخص کو گولی ماردی۔ اس کی موت پر فرمونا گھبرا گئی کہ اس کا دوست ٹیلی پیتھی جاننے والا مر گیا ہے۔ وہ بولی۔ "ظالمو! یہ تم نے کیا کیا؟ میرے ایک مضبوط سہارے کو ختم کر دیا۔"
ایک صحت مند اور قد آور شخص نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "ان کے باپ بھی مجھے نہیں مار سکتے۔ میں زندہ ہوں۔"
فرمونا نے خواب میں اس کی دھندلی سی شکل دیکھی تھی اور اس کی آواز سنی تھی۔ پھر اس کی باتیں سن کر خوش ہو گئی۔ اجنبی نے کہا "فرمونا، تماشا دیکھو۔ یہ ریوالور پھینک دے گا۔"
ماتحت افسر نے نشانے پر رکھ کر کہا "میں تمہیں گولی ماردوں گا۔"
لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے ریوالور کو اجنبی کی طرف پھینک دیا۔ اجنبی نے اسے فرش سے اٹھا کر ماتحت افسر کی ٹانگ میں گولی ماری۔ وہ چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا گر پڑا۔ اجنبی نے کہا "میں تمہیں ابھی زندہ رکھوں گا اور تم فرمونا کو اس کے باپ کے قاتل تک پہنچاؤ گے۔"
وہ خوش ہو کر بولی "اے اجنبی! تم نے میرا دل جیت لیا ہے، تم کسی مطالبے، کسی لالچ یا ہوس کے بغیر میرے باپ کے قاتل کو بے نقاب کر رہے ہو۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گی پھر بھی اپنی حیثیت کے مطابق دوں گی۔"
اجنبی نے ماتحت افسر کو بولنے پر مجبور کیا۔ وہ بولنے لگا "اس یہودی سرمایہ دار کا نام میل برد کس ہے۔ وہ فرمونا کے باپ کو کاروباری دنیا سے نکال دینا چاہتا تھا۔ اس نے استنبول کے نارمن جیرالڈ کو زیادہ رقم دے کر یحییٰ کی ایجنسی چھین لینے کی کوشش کی۔ جب ناکام ہوا تو اس کے بڑے بیٹے دان برد کس نے یحییٰ کو قتل کر دیا۔ اب اس کی ایجنسی بڑی آسانی سے میل برد کس اور اس کے دونوں بیٹوں کو ملنے والی ہے۔"
فرمونا نے غصے سے دانت پیس کر پوچھا "تم اعتراف کرتے ہو کہ دان برد کس میرے پاپا کا قاتل ہے اور تم انسپکٹر جنرل کے ساتھ مل کر قاتل کو پناہ دے رہے ہو؟"

"ہاں۔ میں اعتراف کرتا ہوں؟"

وہ آگے بڑھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے مارنے لگی۔ اس کے اعلیٰ افسر کی بھی پٹائی کرنے لگی۔ جنہوں نے اس کے سر سے باپ کا سایہ چھین لیا تھا۔ اسے باپ کی محبت سے محروم کردیا تھا۔ انہیں صرف ہاتھوں سے مارنے سے تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ لاتوں سے بھی مار رہی تھی۔ گالیاں بھی دے رہی تھی۔ پھر اجنبی سے ریوالور لے کر ان کے جسموں میں تمام گولیاں اتار دینا چاہتی تھی لیکن اجنبی نے کہا "انہیں قتل کرکے عدالت کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ حرام موت مریں گے لیکن اپنے تمام اگلے پچھلے جرائم کو قبول کرنے کے بعد خود موت کو گلے لگائیں گے۔"

پھر اس نے دونوں سے کہا "چلو اٹھو اور اپنے اس آدمی کی لاش اٹھا کر یہاں سے کسی قریبی تھانے میں جاکر اپنے اپنے خلاف بیان لکھو اور جسٹس شیل مین کے قتل کا جرم بھی قبول کرو۔"

وہ گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے۔ وہ بولا "میں بکواس نہیں سننا چاہتا۔ وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل کرو۔"

وہ پھر کچھ کہنا چاہتے تھے، اس نے دونوں کے دماغوں میں زلزلے پیدا کئے تو وہ تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگے اور کہنے لگے "ہم اپنے تمام جرائم کا اعتراف کریں گے۔ ہم ابھی اس لاش کو لے جائیں گے۔ ہمیں دماغی عذاب میں مبتلا نہ کرو۔"

وہ تکلیف کم ہونے کے بعد اٹھے اور اس لاش کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ فرمونا نے اجنبی سے کہا "تم میرے بہت کام آرہے ہو لیکن اہم کام رہ گیا ہے۔ میرے پاپا کے قاتل کو بھی اسی طرح تڑپاؤ۔ اسے اذیتیں پہنچاؤ۔ میں اس کے منہ پر تھوکنا چاہتی ہوں۔"

"میں نے خیال خوانی کے ذریعے افسر کے دماغ سے معلوم کیا تھا کہ قاتل اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ جیوز کالونی میں رہتا ہے۔"

"میں اس سرمایہ دار یہودی میل بروکس کو اچھی طرح جانتی ہوں، میرے ساتھ آؤ۔"

"اس کے گھر جانا ضروری نہیں ہے۔ فون پر بات کرو۔ میں تمہارے ذریعے اس کی آواز سنوں گا پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر جہاں تم کہو گی اسے لے آؤں گا۔"

اس نے میل بروکس سے رابطہ کیا۔ رات کے تین بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ ریسیور نہیں اٹھا رہا تھا۔ فرمونا نے کہا "کوئی اٹینڈ نہیں کررہا ہے۔"

وہ بولا "کمبخت گہری نیند میں ہوگا۔ انتظار کرو۔"

تھوڑی دیر بعد کسی نے جھنجلا کر کہا "کون ہے؟ کیا اس وقت فون کرنا ضروری تھا۔"

اجنبی اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ فون پر بولی "میں فرمونا ہوں۔"

"کون فرمونا؟"

"وہی جس کے بے گناہ باپ کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے۔"

اجنبی نے فرمونا کے پاس آکر کہا "یہ میل بروکس کا بیٹا بون بروکس ہے۔"

بون بروکس نے فون پر پوچھا "تم نے اتنی رات کو فون کیوں کیا ہے؟ کیا تم کوئی نفسیاتی حربہ استعمال کررہی ہو؟ کیا یہ سوچ رہی ہو کہ میں گہری نیند سے چونک کر اقبالِ جرم کرلوں گا۔ جب کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔"

وہ بولی "تمہارے بھائی وان بروکس نے قتل کیا ہے اور تم سب قتل کی سازش میں شریک ہو۔"

"تم بکواس کررہی ہو۔ ثبوت کے بغیر کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

اس نے ریسیور رکھنا چاہا۔ اجنبی نے اسے رکھنے نہیں دیا۔ فرمونا نے پوچھا "یہ بکواس ہے یا حقیقت، ابھی تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ تمہاری کھوپڑی میں موت گھسی ہوئی ہے۔ ویسے یہ فون تمہارے باپ کا ہے اور بات تم کررہے ہو۔ اسے بلاؤ۔"

وہ کہنا چاہتا تھا "میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں" لیکن وہ اپنی مرضی سے نہ بول سکا اس نے کہا "ڈیڈی سی پورٹ پر ہیں۔ جہاز سے مال اتر رہا ہے۔"

اس نے اپنے باپ کا موبائل فون نمبر بتایا۔ فرمونا نے اس سے رابطہ ختم کرکے اس کے باپ سے رابطہ کیا پھر کہا "میل بروکس، سمندری جہاز سے مال اتار رہے ہو۔ سمندر کی گہرائی بھی نظر میں رکھو، ابھی تمہیں ڈوبنا ہے۔"

"کون ہو تم؟ یہ کیا بکواس ہے۔"

اجنبی فرمونا کے ذریعے میل بروکس کے اندر پہنچ گیا وہ بولی۔ "انسپکٹر جنرل اور اس کے ماتحت نے خود کو قانون کے حوالے کردیا ہے۔ میرے باپ کے قتل میں جتنے لوگ شریک تھے ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔"

"اچھا تو تم فرمونا ہو؟"

میل بروکس بحری جہاز سے ذرا دور بندرگاہ کے پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دور تک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ پیچھے سے دوسرے بیٹے وان بروکس نے مخاطب کیا "ڈیڈی! کس کا فون ہے؟"

وہ پلٹ کر بولا "وہ پاگل کی بچی فرمونا ہے۔ کہتی ہے، مجھے سمندر میں ڈوبنا ہوگا۔"

اجنبی نے وان بروکس کی زبان سے کہا "ڈیڈی! وہ درست کہہ رہی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں تو ہو؟"

"یہ ہوش کی بات ہے۔ میں نے فرمونا کے باپ کو قتل کیا ہے۔ اور تمہیں اس مقتول کا بزنس اور منافع مل رہا ہے۔"

"آہستہ بولو۔ کیا یہ جگہ ایسی باتیں کرنے کے لئے ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ باتیں بے اختیار میری زبان سے ادا ہو رہی ہیں۔ اب میرا جی چاہتا ہے میں تمہارا گریبان پکڑ کر تمہاری خوب پٹائی کروں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا اپنے باپ کا گریبان پکڑو گے!"

وہ یکبارگی گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے بولا "تو کیسا باپ ہے؟ کیا باپ اپنے بیٹے کو قتل کرنا سکھاتا ہے؟"

"ارے میرا گریبان چھوڑو میں نے تم دونوں بھائیوں کا مستقبل بنانے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کا ایک طریقہ بتایا تھا۔ بعض اوقات کسی کی لاش پر بیٹھ کر بھی منافع کمایا جاتا ہے۔"

"تو پھر میں اس سبق پر ابھی عمل کروں گا۔ تمہاری لاش گرا کر تمام کاروبار کا منافع تنہا حاصل کروں گا۔ اپنے بھائی کو بھی قتل کر دوں گا۔"

اس نے یہ کہتے ہی باپ کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔ اجنبی نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو اس نے بوکھلا کر باپ کو دیکھا۔ ڈوبنے والا ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے مدد کے لئے چیخ رہا تھا۔ بیٹا بھی چیختے ہوئے جہاز اور دفاتر کی طرف دوڑنے لگا "بچاؤ۔ میرے ڈیڈی کو بچاؤ۔ وہ ڈوب رہے ہیں۔ ہم باپ بیٹوں کو تیرنا نہیں آتا ہے۔ وہ ڈوب جائیں گے' انہیں بچاؤ۔"

جب وہ کچھ لوگوں کے ساتھ واپس آیا تو پلیٹ فارم کے کنارے موبائل فون پڑا ہوا تھا۔ اس کے ریسیور سے فرمونا کے قہقہے سنائی دے رہے تھے اور ڈوبنے والا پورٹ کے گہرے پانی میں کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

دو غوطہ خوروں نے پانی میں چھلانگ لگائی۔ وان بروکس نے قہقہہ اگلنے والے ریسیور کو اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "یو شٹ اپ' میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"مجھے قتل کرنے سے پہلے یہ تو دیکھو کہ مجھے میرے باپ کی لاش مل گئی تھی۔ تمہیں اپنے باپ کی لاش بھی نہیں ملے گی۔"

"یو شٹ اپ۔ تم کسی سے کالا جادو کرا رہی ہو۔ تم نے میرے ہاتھوں سے میرے ڈیڈی کو۔ ڈیڈی کو......"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی باتیں سن رہے تھے وہ دوسروں کے سامنے یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے باپ کو اٹھا کر سمندر میں پھینکا ہے۔

فرمونا نے کہا "رک کیوں گئے؟ اعلان کرو کہ تم عادی قاتل بن چکے ہو۔"

وہ ریسیور پھینک کر دوڑتا ہوا اپنی کار میں آیا پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ ادھر فرمونا اجنبی کے ساتھ آکر کار میں بیٹھ گئی تھی۔ کار میں بیٹھ کر روانہ ہونے تک اجنبی نے خیال خوانی نہیں کی۔ وان بروکس کا دماغ آزاد ہوتے ہی اس نے سوچا "یہ میں کہاں جا رہا ہوں۔"

اس نے گاڑی روک دی۔ وہ اسے واپس بندرگاہ کی طرف موڑنا چاہتا تھا۔ اتنے میں اجنبی نے پھر اس کے اندر آکر اسے آگے بڑھا دیا۔ وہ چالیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد اپنی رہائش گاہ کے احاطے میں آیا۔ رات کو دو ہی ملازم رہا کرتے تھے۔ اس نے دونوں کو چھٹی دے دی۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا اندر آیا اور اپنے بھائی کے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا۔

وہ سونے والا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے فرمونا نے فون کے ذریعے اسے جگایا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "یہ کون بدتمیز ہے۔"

وان بروکس نے کہا "دروازہ کھولو' ڈیڈی سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔"

"کیا؟" اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ وان بروکس نے اندر آتے ہی اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ پھر کہا "باپ ڈوبا نہیں' میں نے اسے ڈبویا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "یہ کیا حرکت ہے؟ ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"میں نے بڈھے کو قتل کر دیا ہے۔ فرمونا کے باپ کو قتل کرنے کے بعد میرے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ میں نے ابھی ڈیڈی کو ہلاک کیا اور اب تجھے ختم کرنے آیا ہوں۔"

اس نے حملہ کیا۔ بھائی نے روک لیا۔ پھر دونوں سوالی جوابی حملے کرنے لگے۔ ایک مارنا چاہتا تھا تو دوسرا اپنی جان بچانا چاہتا۔ دونوں میں جم کر لڑائی ہو رہی تھی۔ پھر وہ تالی کی آواز سن کر رک گئے۔ فرمونا دروازے پر کھڑی تالی بجا رہی تھی اور کہہ رہی تھی "دو پاؤں والے کتوں کی لڑائی میں مزہ آرہا ہے۔ جنگ جاری رکھو۔"

اجنبی نے وان بروکس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پریشان ہو کر اپنے بھائی سے کہا "بون! میرے بھائی! میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ یہ لڑکی کسی سے جادو کرا رہی ہے۔ میں جس طرح لڑ رہا ہوں اسی طرح ڈیڈی کو مارتے پیٹتے میں نے انہیں سمندر میں پھینک دیا تھا۔ میرے ہاتھوں تمہارا بھی قتل ہو جائے گا۔ مجھ سے دور بھاگو۔ اپنی جان بچاؤ۔"

اجنبی نے بون کی زبان سے کہا "کیسے بھاگوں! جس جادو کا ذکر تم کر رہے ہو' وہ اب میری کھوپڑی میں ہے۔ اب تم مجھ سے بچو اور بھاگو۔"

بون نے وان کے منہ پر گھونسا مارا۔ وہ مار کھا کر غصے سے فرمونا کو مارنے کے لئے دوڑا۔ وہ گھبرا کر چیخ پڑی لیکن وہ مارنے سے پہلے رک گیا۔ پھر بولا "گھبراؤ نہیں تمہارا دوست اب میرے دماغ میں ہے۔"

پھر وہ پلٹ کر بھائی سے بولا "بون! اب وہ جادو میرے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ مجھے آسانی سے قتل کرنے دو۔ اس لئے کہ اب ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ پتا نہیں تمہارے بعد میں کیسی موت مرنے والا ہوں۔"

فرمونا نے دونوں بھائیوں کے درمیان ایک ریوالور پھینکتے ہوئے کہا "تم دونوں فیصلہ کرلو پہلے کسے مرنا ہے۔ جو زندہ رہ جائے وہ باہر آجائے۔"

وہ جانے لگی۔ وان نے جلدی سے ریوالور اٹھا کر فرمونا کا نشانہ لیا۔ لیکن سوچنے لگا کہ گولی کیسے مارے؟ ریوالور کیسے چلایا جاتا ہے؟ حالاں کہ وہ جانتا تھا لیکن اجنبی نے اس کی کھوپڑی گھما دی تھی۔

اجنبی فرمونا کی کار میں بیٹھا ٹیلی پیتھی کے ذریعے مکان کے اندر یہ تماشے کر رہا تھا۔ جب وہ مکان سے باہر آکر کار میں بیٹھ گئی تو ٹھائیں کی آواز اندر سے آئی۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اجنبی نے کہا "بون مر چکا ہے اور تمہارے باپ کا قاتل وان زندہ رہ گیا ہے۔"

"میں خود اسے بلا کر ہلاک کروں گی۔ اسے سڑک پر لے آؤ۔"

وان بروکس ریوالور پھینک کر دوڑتا ہوا مکان کے باہر آیا۔ پھر سڑک پر پہنچ گیا۔ فرمونا نے کار اسٹارٹ کی پھر تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی قاتل کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے سڑک کے درمیان سے بھاگ کر فٹ پاتھ پر جانا چاہئے تھا۔ اور وہ چیخ بھی رہا تھا کہ گاڑی روک لو نہیں تو میں مر جاؤں گا۔

یہ سمجھنے کے باوجود وہ ٹیلی پیتھی کے زیر اثر کھڑا رہا۔ فرمونا نے رفتار بڑھا کر ایسی زبردست ٹکر ماری کہ وہ اچھل کر فٹ پاتھ پر گیا۔ اسے سخت چوٹیں آئی تھیں' وہ تکلیف سے چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "چھوڑ دو۔ مجھے معاف کر دو۔ آئندہ میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کروں گا۔"

وہ باپ کو تو قتل کر چکا تھا۔ اب بھلا کون سے باپ کو قتل کرتا؟ وہ بدحواسی میں ایسا کہہ رہا تھا۔ اجنبی پھر ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے گھسیٹتا ہوا سڑک پر لے آیا۔ فرمونا نے پھر کار اسٹارٹ کی' گیئر بدلا' گاڑی آگے بڑھنے لگی۔ وہ سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخ رہا تھا۔ "نہیں۔ نہیں۔ نہیں....."

کار تیز رفتاری سے اسے کچلتی ہوئی گزر گئی۔ پھر آگے جا کر رک گئی۔ وہاں سے دوبارہ اپنے شکار کی طرف رخ پھیرنے لگی۔ وہ لہو سے تربتر ہو رہا تھا۔ اب اس میں چیخنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ صرف اس کے ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔ وہ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی پھر ٹھیک اس کے سامنے اچانک رک گئی۔ فرمونا کار کا دروازہ کھول کر آئی اور بولی "میں اپنے پاپا کے قاتل کو ایک ہی وقت میں موت نہیں دوں گی۔ تم آدھے مر چکے ہو آئندہ بھی تمہیں آدھا مارتی رہوں گی۔ جب تم اسپتال سے مرہم پٹی کرانے کے بعد آؤ گے تو میں پھر سڑک پر ملوں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی کو گھما لیا۔ اجنبی نے پوچھا "اب کیا ارادہ ہے؟"

"صبح ہونے والی ہے۔ تم میرے گھر چلو اور اطمینان سے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

وہ ڈرائیو کرتی ہوئی گھر کی طرف جانے لگی' وہ بولا "میرا اتنا تعارف کافی نہیں ہے کہ میں تمہارا کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ ہوں۔ کوئی تمہارے راستے سے ایک پتھر نہیں ہٹا سکتا تھا' میں نے پہاڑ ہٹا دیا۔"

"بے شک' تم نے میری تمام مشکلیں آسان کر دی ہیں۔ اگر تم میرے جیون ساتھی بن جاؤ اور میں تمہاری شریکِ حیات بن جاؤں تو بے خطر زندگی گزاروں گی لیکن تمام عمر ساتھ رہنے کے لئے ایک دوسرے کی ہسٹری معلوم کرنا لازمی ہے۔ تم تو خیالات پڑھ لیتے ہو۔ میں صرف پوچھ سکتی ہوں۔"

"پوچھ کر دھوکا کھا سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی اصلیت نہ بتاؤں۔ تم سے جھوٹ بول کر کوئی دوسرا شخص بن کر تمہارے حسن و شباب سے کھیل کر یہاں سے جا سکتا ہوں۔"

"تم سب کچھ ہو سکتے ہو' جھوٹے اور فریبی نہیں ہو سکتے۔ میری حفاظت کرنے والا' میرے پاپا کے قاتلوں کو سزا دینے والا دھوکے باز نہیں ہو سکتا۔"

اس نے اپنی رہائش گاہ کے سامنے کار روک دی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر مکان کے اندر آئے۔ اس نے کہا "فرمونا! مجھ سے جتنے فائدے اٹھا سکتی ہو اٹھاتی رہو لیکن میرا نام اور میری حقیقت معلوم نہ کرو۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم میرے سامنے اندھیرے میں رہو اور میں تمہیں دیکھتے ہوئے بھی تمہاری پیدا کی ہوئی تاریکی میں تمہاری صورت نہ دیکھ سکوں اور ایک اجنبی کو اپنی زندگی کا مالک و مختار بناتی رہوں۔ کیا ایسی زندگی کبھی کسی نے گزاری ہے؟"

وہ اس کے دونوں بازو پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔ "میں مجبور ہوں۔ تمہیں اپنی اصلیت نہیں بتا سکوں گا۔"

"ایسی کیا مجبوری ہے؟"

"تمہیں کیسے بتاؤں؟ آدھی دنیا میری دشمن ہے۔ سپر پاور کہلانے والے ممالک مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنا اصلی چہرہ' اصلی نام اور اپنی پناہ گاہ کسی کو نہیں بتاتا۔ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔"

وہ اپنے بازوؤں کو اس کی گرفت سے الگ کرتے ہوئے بولی۔ "پلیز! ابھی مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ پہلے ہم شادی کریں گے۔"

"میں کسی ایک جگہ نہیں رہ سکتا۔ کہیں گھر نہیں بنا سکتا تو پھر شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ بیوی اور بچوں کو کس طرح دشمنوں سے پوشیدہ رکھوں گا۔ کہاں کہاں لئے پھروں گا؟"

"تمہاری باتوں سے یوں لگتا ہے جیسے تم گناہ کرنا چاہتے ہو۔ میری جو مدد کی ہے' اس کی قیمت وصول کر کے جانا چاہتے ہو۔"

"گناہ اور ثواب کی بات نہ کرو۔ میری دیانت داری یہ ہے کہ میں قیمت وصول کر کے تم سے منہ پھیر کر نہیں جاؤں گا۔ جسمانی طور پر دور ہونے کے باوجود دنیا کے آخری سرے پر جا کر بھی تم سے

دماغی رابطہ رکھوں گا۔ تمہیں جس ملک میں، جس شہر میں بلاؤں گا تم چلی آؤگی۔"

"یعنی میں آؤں گی اور محض تمہاری داشتہ بنی رہوں گی۔ گناہ آلود زندگی گزارتی رہوں گی۔ تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔"

"پہلی بار ایسی باتوں سے شرم آتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ شرم ایسی جاتی ہے کہ واپسی کا راستہ بھول جاتی ہے۔"

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ میں بے حیائی سے پہلے جان دے سکتی ہوں۔"

"تمہارے حسن و شباب نے مجھے دیوانہ بنادیا ہے۔ یہ سب کچھ مجھے حاصل ہو جائے گا، اس کے بعد تم جان دے دوگی تو خود ہی جان سے جاؤگی، میرا کیا بگڑے گا۔"

"تمہارے ارادے بہت ہی ناپاک ہیں۔ میں حیران ہوں کہ تم نے فرشتہ بن کر مدد کی اور دیکھتے ہی دیکھتے شیطان بن رہے ہو۔"

"فرشتے اور شیطان کی باتیں نہ کرو۔ ہم دونوں انسان ہیں۔ انسان کے جذباتی تقاضے مجھ سے کچھ بھی کراسکتے ہیں۔ دیکھو میں تم پر جبر نہیں کروں گا لیکن تم خود ہی کھنچی چلی آؤگی۔"

اس نے دماغ پر قبضہ جمایا۔ فرمونا نے آگے بڑھ کر اُس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ اس نے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ چونک گئی۔ جلدی سے الگ ہوئی اور دور جا کر بولی "نہیں۔ اپنے جادوئی علم سے مجھے مجبور نہ کرو۔ میری عزت کے دشمن نہ بنو۔"

"میں تمہاری عزت کا دوست ہوں لیکن تمہاری خواب گاہ میں جاکر عزت سے دوستی نہیں کرسکوں گا۔ تمہارے چور خیالات نے بتایا ہے کہ آج سے آئندہ کچھ دن تک میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا۔ یہ عورت پر قدرت کا بڑا احسان ہے کہ وہ ہر ماہ کچھ روز کے لئے اسے تحفظ دیتی ہے۔"

فرمونا حیاوالی تھی۔ اس نے شرما کر مُنہ پھیرلیا۔ وہ بولا۔ "تمہیں کچھ دن تک سوچنے سمجھنے کی مہلت مل گئی ہے۔ ایک ہفتہ بعد اپنی مرضی سے خود کو میرے حوالے کروگی تو دوستی بڑھے گی ورنہ تم دیکھ چکی ہو کہ مجھ سے دشمنی کتنی مہنگی پڑتی ہے۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ فرمونا آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔ زبردست دشمنوں اور قاتلوں سے نجات حاصل کرچکی تھی۔ مگر اس ٹیلی پیتھی والے سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی۔ دشمن آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہو تو اس سے بچا جا سکتا ہے۔ جو دماغ کے اندر ہو اُس سے بچ کر جانے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔

وہ بستر پر آکر گر پڑی۔ بار بار ایک ہی بات دماغ میں آرہی تھی کہ وہ شہر، وہ ملک چھوڑ کر کہیں چلی جائے۔ کیا چپ چاپ جانے سے اسے خبر ہوگی؟

اجنبی نے اس کے دماغ میں آکر کہا "ہاں خبر ہو جائے گی۔"

وہ اچھل کر بیٹھ گئی "کیا تم پھر آگئے؟"

"میں بہت دور جا چکا ہوں۔ لیکن تمہارے اندر ہمیشہ رہوں گا۔"

"خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"تم سمجھتیں کیوں نہیں؟ میں تمہارا عاشق ہوں۔"

"عاشق ہو تو اپنی حقیقت بتاؤ، کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام ساری نہیں تو آدھی دنیا جانتی ہے۔ سوچتا ہوں تم بھی جان لوگی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیا تم ٹیلی پیتھی کے شہنشاہ کا نام جانتی ہو؟"

"نہیں میں پہلی بار صرف تمہیں خیال خوانی کرتے دیکھ رہی ہوں۔ پلیز اپنا نام بتاؤ۔"

"اچھی بات ہے سنو، میرا نام فرہاد علی تیمور ہے۔"

وہ کوئی زبردست مکار تھا۔ میرا نام اور میری شخصیت اختیار کررہا تھا۔ میں نے کبھی ٹیلی پیتھی کا شہنشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کسی لڑکی پر جبر کیا۔ اگر ایسے وقت میں فرمونا کے دماغ میں ہوتا تو اس سے نمٹ لیتا لیکن یہ تمام باتیں مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھیں۔

بہرحال فرمونا میرا نام سن کر بولی "ایسا لگتا ہے یہ نام میں نے سنا ہے۔"

نقلی فرہاد نے کہا "حسین دوشیزائیں میرا نام ضرور سنتی ہیں اور مجھے ضرور خوش کرتی ہیں۔ تم چوبیس گھنٹے کے اندر یہ شہر چھوڑ دوگی اور پاکستان کے ایک شہر پشاور چلی جاؤگی۔"

"میں نہ جانا چاہوں گی تو مجبور کروگے؟"

"ہاں، یہ میری مجبوری ہے۔ وہاں ایک ایسا ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن ہے، جسے تمہارے ذریعے قابو میں کروں گا۔"

"کون ہے وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا؟ اس سے کیا دشمنی ہے؟"

میں اس کا دشمن تھا۔ وہ مجھے قتل کرنے پشاور تک سفر کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے فرمونا سے کہا "وہ دشمن خیال خوانی کرنے والا ایک یہودی ہے۔ ان یہودیوں نے تمہارے باپ کے بعد تمہیں بھی ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تمہارا فرض ہے کہ اس یہودی کے خلاف میری مدد کرو۔"

"میں کیسے مدد کرسکتی ہوں؟"

"تم پشاور پہنچوگی تو میں تمہیں بتادوں گا۔"

"تم نے میری بہت مدد کی ہے۔ میں ضرور تمہارے کام آؤں گی لیکن میری ایک بات مان لو۔ ایک ہفتہ بعد مجھ سے شادی کرلو۔"

"فرہاد کو جو کھانا ہوٹل میں مل جاتا ہے اسے وہ گھر میں پکا کر نہیں کھاتا۔ مجھ سے شادی کی بات نہ کرو۔ میں جارہا ہوں۔ پھر آؤں گا۔"

وہ خلا میں تکنے لگی۔ میں اس کے دماغ میں آنے والے کو فرہاد ٹوکوں گا۔ وہ کمبخت تو اس مجبور لڑکی کے ساتھ کوئی چکر چلا کر مجھے

بھی کسی چکر میں ڈالنا چاہتا تھا۔ مجھے قتل کرنے کے علاوہ بھی کوئی مقصد ہو سکتا تھا۔

اس وقت تو فرمونا کی عزت پر بنی ہوئی تھی۔ ایک ہفتہ بعد وہ زندہ رہتی لیکن بے حیائی کی سولی پر چڑھادی جاتی۔ یہ سوچ سوچ کر وہ رو رہی تھی اور رو رو کر سوچ رہی تھی۔ مگر دور تک راہِ نجات نظر نہیں آرہی تھی۔

******

یہ بات یقینی تھی کہ علی تیمور کا سسر راجر موس چھ میں سے ایک گولڈن برین ہے۔ یا پھر ایسا اہم رازدار ہے جو چھ گولڈن برینز سے ضروری رابطہ قائم رکھتا ہے۔ کیوں کہ ان سے رابطہ رکھنے کے تمام خفیہ آلات اس کے ایک خفیہ کمرے میں رکھے ہوئے تھے۔

علی اس کے گولڈن برین ہونے کی تصدیق چاہتا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اگر گولڈن برین نہیں ہے تو کن لوگوں سے خفیہ رابطہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے سسر راجر موس کے مکان میں تھا۔ دو دن بعد اسے سرکاری بنگلا ملنے والا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی بیوی پامیلا کے ساتھ نئے بنگلے میں چلا جاتا لیکن جانے سے پہلے اپنے سسر کا اصلی روپ دیکھنا چاہتا تھا۔

اس نے لیلیٰ سے کہا "ای ایک ڈیٹیکٹیو آلہ میرے پاس ہے۔ اسے راجر موس کے خفیہ کمرے میں کہیں چھپا کر رکھا جائے تو میں اس کی تمام خفیہ گفتگو سن کر اُس کی مصروفیات اور اس کی اصلیت کے متعلق بہت کچھ معلوم کرسکتا ہوں۔"

لیلیٰ نے کہا "تمہیں خفیہ کمرے تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہو چکا ہے۔ تم وہاں جاکر وہ جاسوسی کا آلہ چھپا سکتے ہو۔"

"میں راجر موس کی عدم موجودگی میں وہاں چھپ کر جا سکتا ہوں لیکن اس کی خواب گاہ سے لے کر خفیہ کمرے تک خفیہ کیمرے اور مائک لگے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں وہاں جاؤں تو لاعلمی میں میری تصویریں اتر جائیں۔ ان آلات کے ذریعے مجھے کسی دوسری جگہ دیکھ لیا جائے۔"

"ہاں، احتیاط کا تقاضا یہی ہے تمہیں خود وہاں نہیں جانا چاہئے۔ وہ دشمن خیال خوانی کرنے والی الپا تمہاری ساس کو سحرزدہ کرکے خفیہ کمرے میں لے جایا کرتی ہے۔ میں بھی تمہاری ساس کو دماغی طور پر غافل بنا کر ڈیٹیکٹیو آلہ وہاں رکھوا سکتی ہوں۔"

دونوں نے پلاننگ کی! اس پلاننگ کے مطابق علی، راجر موس کے ساتھ دفتر چلا گیا تاکہ اس کی راہنمائی میں نئے شعبے کا چارج سنبھالے۔ لیلیٰ نے راجر موس کی بیوی کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلایا۔ پھر اسے اپنی معمولہ بنا کر پہلے علی کے کمرے میں لے گئی۔ علی نے ڈیٹیکٹیو آلہ ایک جگہ چھپا رکھا تھا۔ معمولہ اس آلے کو اٹھا کر پھر اپنے شوہر کے کمرے میں آئی وہاں سے اسٹور روم میں پہنچی۔ اسٹور روم کی ایک پرانی سی الماری کو کھول کر اس کے آئرن سیف کو بھی کھولا۔ وہاں برطانوی پونڈز کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔

الماری کی پچھلی دیوار پر ایک کی ہول تھا۔ اس کی ہول میں چابی ڈال کر گھماتے ہی الماری کی پچھلی دیوار دو حصوں میں دروازے کی طرح کھل گئی۔

دروازے کے پیچھے ایک کمرا تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑا سا ٹرانسمیٹر، آڈیو اور وڈیو ریکارڈر، کمپیوٹر اور ٹی وی وغیرہ تھے۔ دیوار پر ایک مائیکروفون لگا ہوا تھا۔ معمولہ نے ڈیٹیکٹو آلے کو مائیکروفون سے منسلک کرکے اس کے پیچھے چھپا دیا۔ پھر وہاں سے نکل کر اسٹور کی الماری کا دروازہ بند کرکے الماری کو بھی بند کیا۔ اس کے بعد اسٹور روم سے آکر خواب گاہ میں سو گئی۔ لیلیٰ نے آدھے گھنٹے بعد اسے جگایا تو وہ نارمل تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے ٹریپ کیا گیا تھا۔

اس دوران سلطانہ، علی کے دماغ میں رہ کر راجر موس کی نگرانی کرتی رہی۔ اگر راجر موس کام چھوڑ کر دفتر سے گھر جانے کا ارادہ کرتا تو وہ فوراً ہی اسے خفیہ کمرے سے باہر لے آتی لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ سراغ رسانی کا یہ مرحلہ آسانی سے طے ہوگیا۔

لیلیٰ نے علی سے پوچھا "اب بولو کیا کرنا ہے؟"

"ہمیں جلد سے جلد معلوم ہونا چاہئے کہ اس خفیہ کمرے میں کس قسم کی گفتگو ہوتی ہے۔"

سلطانہ نے کہا "جب راجر موس اس کمرے میں کسی

ضرورت سے جا کر کسی سے باتیں کرے گا تو معلوم ہو گا۔"

"آنٹی! راجر موس کو وہاں جا کر باتیں کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟"

"وہ کیسے؟"

"آپ پاپا سے کہیں وہ اسرائیلی حکام اور گولڈن برینز کو چیلنج کریں۔ ان کے لئے کوئی مسئلہ پیدا کردیں۔ ایسی صورت میں تمام گولڈن برینز ایک دوسرے سے رابطہ کریں گے۔ پھر میرا سسر راجر موس بھی اپنے خفیہ کمرے میں ضرور جائے گا۔"

لیلیٰ نے مجھے مخاطب کیا اور علی کے حالات بتائے۔ میں نے تمام حالات معلوم کرنے کے بعد ایک اسرائیلی حاکم سے دماغی رابطہ کیا اور کہا "ہم اکثر تمہاری دشمنی کے جواب میں تمہیں سزا دے کر پچھلی دشمنی کو نظر انداز کردیتے ہیں لیکن تم لوگ پھر کسی نئی دشمنی کی ابتدا کردیتے ہو۔"

وہ بولا "ہم کوئی دشمنی نہیں کررہے ہیں۔ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"دماغوں میں گھس کر حقائق معلوم کرنے والا کبھی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اپنے گولڈن برینز سے کہو ان کا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا میرے نشانے پر ہے۔ وہ اس کی زندگی کا سودا کرسکتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی اسرائیلی حکام کے درمیان کھلبلی مچ گئی۔ انہوں نے مخصوص سگنل کے ذریعے گولڈن برینز کو اہم اجلاس کے لئے طلب کیا۔ علی تیمور پامیلا کے ساتھ خواب گاہ میں تھا۔ اس کا سسر اپنی بیگم کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں تھا۔ لیلیٰ نے اطلاع دی کہ الپا راجر موس کی بیوی کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلا رہی ہے تاکہ راجر موس خفیہ کمرے میں جاسکے۔

ادھر سلطانہ نے علی کی بیوی پامیلا کو گہری نیند سلادیا۔ علی نے اپنے سوٹ کیس سے ایک چھوٹا سا وائرلیس سیٹ نکالا۔ اس کے ہیڈ فون کو کانوں سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔

سلمان، سلطانہ، لیلیٰ اور جوجو علی کے دماغ میں تھے تاکہ مختلف بولنے والوں کی آواز اور لہجوں کو یادداشت میں محفوظ کرسکیں۔ تھوڑی دیر بعد راجر موس کی آواز سنائی دی "ہیلو ہیلو۔ میجر یارڈلے! میں نمبرون بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے میجر یارڈلے کی آواز سنائی دی "ہیلو نمبر ون! میجر یارڈلے حاضر ہے۔"

نمبرون راجر موس نے کہا "بقول فرہاد ہمارا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کی نظروں میں آگیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو ہمیں اس سے سمجھوتا کرنا ہوگا۔ اپنے کمپیوٹر اور ٹی وی وغیرہ کا کنکشن وزیرِ داخلہ کے ٹی وی کے ساتھ ملاؤ۔ ابھی کمپیوٹر کے ذریعے فرہاد سے گفتگو ہوگی۔"

اس کے تھوڑی دیر بعد پھر راجر موس کی آواز سنائی دی "ہیلو مسٹر واسکوڈی! میں نمبرون بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے واسکوڈی کی آواز سنائی دی "ہیلو نمبرون! واسکوڈی تھربا حاضر ہے۔"

نمبرون راجر موس نے اسے بھی بتایا کہ فرہاد سے اہم گفتگو ہونے والی ہے۔ وہ اپنے کمپیوٹر اور ٹی وی وغیرہ کا کنکشن وزیرِ داخلہ کے ٹی وی کے ساتھ ملائے۔ اس وقت تک ہم راجر موس کے علاوہ دو گولڈن برینز کی آوازیں سن چکے تھے۔

نمبرون نے چوتھے گولڈن برین کو مخاطب کیا۔ اس کا نام جان روبن تھا۔ پانچویں کا نام جان نویل اور چھٹے کا نام ایڈگر تھا۔ ان سب نے وزیرِ داخلہ کے ٹی وی سے رابطہ کیا تھا پھر نمبرون نے کمپیوٹر کے ذریعے وزیر داخلہ اور دوسرے حکام سے کہا "ہم حاضر ہیں اور فرہاد علی تیمور سے پوچھتے ہیں، ہمارا وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا کون ہے جو اس کی نظروں میں آگیا ہے؟"

یہ گفتگو تحریر کی صورت میں اسکرین پر پڑھی جارہی تھی، میں نے ایک حاکم کے ذریعے وہ تحریر پڑھ کر کہا "تمہارا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا آج کل پاکستان کے شہر پشاور میں ہے۔"

اسکرین پر تحریر ابھری "ہم نے اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں کو کبھی ملک سے باہر جانے نہیں دیا۔ تم نے جسے پشاور میں دیکھا ہے اسے فوراً قتل کردو۔ کیوں کہ وہ ہمارا آدمی نہیں ہے۔"

میں نے کہا "مجھے یہاں جسمانی طور پر کوئی دشمن نظر نہیں آیا ہے۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے اس شہر میں ہے۔ اس نے ایک ریسٹ ہاؤس میں مجھ پر قاتلانہ حملے کرائے۔ ناکام ہونے کے بعد وہ اب دوسرے حملے کے لئے جال بچھا رہا تھا۔"

"ہم پورے ہوش و حواس میں رہ کر یقین دلا رہے ہیں کہ وہ حملہ آور ہمارا آدمی نہیں ہے۔ اگر ہمارا ہوتا تو اس خیال خوانی کرنے والے کو سلامت رکھنے کے لئے ہم تم سے ہر طرح کا سودا اور سمجھوتا کرتے۔"

میں نے کہا "اتنے یقین سے کہہ رہے ہو تو یقین کرلیتا ہوں۔ میں اسے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ختم کردوں گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں کو اچھی طرح چیک کرلو۔ ہو سکتا ہے دانیال اور جنرل پارکن کی طرح پھر کوئی خیال خوانی کرنے والا تم سے غداری کررہا ہو۔"

"ہم چیک کررہے ہیں۔ پندرہ منٹ بعد پھر تم سے رابطہ کریں گے۔"

میں علی تیمور کے پاس آیا۔ وہ وائرلیس سیٹ کو آف کر کے کانوں سے ہیڈ فون اتار رہا تھا۔ سلمان کہہ رہا تھا۔ "علی! تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ہمیں تمام گولڈن برینز کی آوازیں سنادی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہوگا کہ نمبرون راجر موس کی طرح باقی پانچوں گولڈن برینز بھی یوگا کے ماہر ہیں یا ہم آسانی سے ان کے دماغوں میں پہنچ سکتے ہیں؟"

"یہ معلوم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ میں اپنے سسر راجر موس کو اعصابی کمزوری میں مبتلا کروں گا۔"

میں نے کہا "تم سب نے ایک ایک گولڈن برین کی آواز سنی ہے۔ ان سب کی آوازوں اور لہجوں کو اپنے ذہنوں میں نقش کرلو۔ علی کوئی مناسب موقع دیکھ کر نمبرون گولڈن برین راجر موس کے دماغ کو کمزور بنائے گا۔ چوں کہ وہ نمبرون ہے۔ باقی پانچ گولڈن برینز کا سربراہ ہے اس لئے ان کے متعلق جانتا ہوگا کہ کون یوگا کا ماہر ہے اور کون نہیں ہے۔"

یہ شاندار کامیابی ہمیں یقین دلا رہی ہے کہ ہم ابھی ان سب کے دماغوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ سب ہی یوگا کے ماہر ہوں لیکن زیادہ خوشی اور خوش فہمی بنتا ہوا کام بگاڑ دیتی ہے۔ احتیاطاً ذرا صبر کرنا ہی بہتر تھا۔

ہم سب علی کے دماغ سے چلے آئے۔ صرف لیلیٰ رہ گئی۔ علی نے کہا "ای، الپا نے میری ساس کو خیال خوانی کے ذریعے سلایا تھا۔ آپ ذرا جا کر دیکھیں، کیا وہاں الپا ہے؟ اگر نہ ہو تو میری ساس کی آنکھیں کھول کر اس کے ذریعے معلوم کریں، کیا میرا سسر خفیہ کمرے سے نکل آیا ہے؟"

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا "اگر وہ میرا سسر خواب گاہ میں خاموش بیٹھا خلا میں تک رہا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الپا یا جے مورگن اس سے خیال خوانی کے ذریعے باتیں کررہے ہیں، ایسے وقت آپ راجر موس کے دماغ میں جائیں گی تو وہ آپ کی موجودگی کو سمجھ نہیں پائے گا۔"

لیلیٰ چلی گئی۔ وہ ہیڈ فون کو پھر کانوں سے لگا کر وائرلیس سیٹ کو کنٹرول کرنے لگا۔ خفیہ کمرے میں خاموشی تھی۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ لیلیٰ نے آکر کہا "میں نے مسز موس کی آنکھیں کھول کر دیکھا وہاں بیڈ روم کے اندر راجر موس نہیں ہے۔"

وہ بولا "خفیہ کمرے سے بھی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔"

"شاید وہ اسی خفیہ کمرے میں خاموشی سے لکھنے پڑھنے میں مصروف ہوگا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی راجر موس کی آواز سنائی دی "ہیلو مسٹر واسکوڈی تھربا! ہمارے باقی گولڈن برینز نے کمپیوٹر کے ذریعے اپنی رائے پیش کی ہے کہ فرہاد درست کہہ رہا ہے۔ وہ پاکستان کے شہر پشاور میں ہے اور جو ٹیلی پیتھی جاننے والا اس پر قاتلانہ حملے کرا رہا ہے۔ اس کا تعلق سپر ماسٹر اور جان لمبوڈا سے ہے۔"

واسکوڈی تھربا نے کہا "ہم فرہاد کو پاکستان سے نکالنے میں اب تک ناکام رہے ہیں۔ وہ جب تک وہاں رہے گا، ہم بھارت کے تعاون سے نہ اہم معاملات کی سراغ رسانی کرسکیں گے اور نہ ہمارا کوئی پاکستانی زر خرید ایجنٹ ہمارے لئے کچھ کرسکے گا۔"

"اگر کسی دوسرے ملک میں فرہاد کے لئے کوئی ایسا مسئلہ پیدا کردیا جائے جسے حل کرنے کے لئے وہ وہاں جانے پر مجبور ہوجائے تو پاکستان میں ہمارے لئے میدان صاف ہوجائے گا۔"

"میں نے اس پہلو سے سوچا ہے۔ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ پارس اور علی تیمور کس ملک میں ہیں تو ہم وہاں ان کے لئے ایسی مشکلات پیدا کرسکتے ہیں، انہیں زندگی اور موت کے درمیان اس طرح پھنسا سکتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹوں کی دستگیری کے لئے وہاں جانے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"مسٹر تھربا! ہم جیسا سوچتے ہیں، ویسا ہوتا نہیں ہے۔ ان کے لئے کوئی مشکل مشکل نہیں ہوتی۔"

"نمبرون! تمہارے داماد کارمن (علی) نے ہمارے غدار ٹیلی پیتھی جاننے والے جنرل پارکن کو گرفتار کرایا تھا۔ کسی خیال خوانی کرنے والے پر قابو پانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ذہانت کا کھیل ہے۔ تمہارا داماد صرف دلیر ہی نہیں ذہین بھی ہے۔ اسے ابھی سے ٹریننگ دو گے تو وہ آئندہ تمہاری جگہ گولڈن برین کا عہدہ سنبھال سکے گا۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔ اگر ہم اسے گائیڈ کریں گے تو وہ بہت ترقی کرے گا۔"

"اسے گائیڈ کیا کرنا ہے۔ عملی میدان میں لے آؤ۔ اسے فرہاد کے معاملے میں شریک کرو۔ اس سے مشورے لیا کرو اور اس کی ذہانت کو آزمایا کرو۔"

"بھئی ابھی تو شادی کو دو ہی دن ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میری بیٹی ابھی اس کے ساتھ مسرتوں بھری زندگی گزارے۔ یہ ان کے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔"

"میرا خیال ہے، وہ ہنستے کھیلتے بھی ہمارے لئے کچھ کرسکتا ہے۔ ان دونوں کو شادی کے بعد ہنی مون کے لئے کہیں جانا چاہئے تھا لیکن وہ تمہارے ہی گھر میں ہیں۔ میرا مشورہ ہے، بیٹی اور داماد کو میرے پاس یروشلم بھیج دو۔ اس طرح ان کی آؤٹنگ بھی ہوجائے گی۔ اور میں کارمن (علی) سے فرہاد کے مسئلے پر تفصیلی گفتگو کروں گا اور جواباً اس کی ذہانت کا اندازہ لگاؤں گا۔"

نمبرون راجر موس نے ہنستے ہوئے کہا "کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا داماد بھرپور ذہانت کا مظاہرہ کرے اور تمہاری گولڈن برین والی حیثیت کو پہچان لے۔"

"اب تمہارا داماد اتنا بھی ذہین نہیں ہو سکتا کہ ہم جیسے تجربہ کار گولڈن برینز کی پوشیدہ شخصیت کو پہچان لے اور اگر پہچان لے گا تو میں اسے ساتواں گولڈن برین بنانے کی بھرپور سفارش کروں گا۔"

"بھئی وہ صرف میرا ہی نہیں، ہم سب گولڈن برینز کا داماد ہے۔ ہم اسے پوری دیانت داری سے آزماتے رہیں گے جب وہ آزمائشوں میں پورا اتر جائے گا تو گولڈن برینز کی ساتویں کرسی اسے انعام میں دے دی جائے گی۔"

"تو پھر یہ طے ہوگیا کہ پامیلا اور کارمن میرے پاس آرہے

ہیں؟"

"پہلے ان سے پوچھ لینے دو کہ وہ یروشلم جانے کے لئے راضی ہیں یا نہیں؟"

"نمبرون! یہ تفریحی پروگرام ہوتا تو ان کی مرضی دیکھی جاتی۔ اس تفریح کے پیچھے ہمارے اہم مقاصد ہیں۔ کارمن ادھر آنے کا قصد کرے گا تو پامیلا خود ہی اس کے ساتھ چلی آئے گی۔"

"درست کہتے ہو۔ تو پھر یہ طے ہوگیا وہ دونوں کل شام تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ اوکے، سوفار۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ علی نے بھی وائرلیس سیٹ کو آف کرکے ایک طرف رکھ دیا۔ لیلیٰ نے کہا "خدا ہم پر مہربان ہے۔ تمہارے لئے راستے کھل رہے ہیں۔"

"بے شک خداوند کریم کا جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔ آپ پاپا اور مما سے اس سلسلے میں بات کریں۔ پہلے تو یہ ارادہ تھا کہ تمام گولڈن برینز کو باری باری ٹریپ کریں گے۔ اب سوچتا ہوں، مجھے گولڈن برینز کی ساتویں سیٹ حاصل کرنا چاہئے۔"

"تمہیں ساتواں گولڈن برین بننے میں کافی عرصہ لگے گا اور یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اتنے عرصے تک رہنا بھی چاہتے ہو کیوں کہ پامیلا کا جادو تم پر چل رہا ہے۔"

"امی! آپ پامیلا کے چور خیالات بھی پڑھتی ہیں۔ یہ اعتراف کریں گی کہ وہ بہت اچھی، بہت محبت کرنے والی شریکِ حیات ہے۔"

"ہاں بیٹے! میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تم دونوں کو سلامت اور خوش حال رکھے۔ میں جارہی ہوں، اب آرام کرو۔"

لیلیٰ کے جانے کے بعد علی نے وائرلیس کے کچھ پرزے نکال کر الگ کئے۔ کچھ دوسرے پرزے اس میں لگادئے۔ جس کے نتیجے میں وائرلیس کی ساخت بدل گئی اور وہ ایک عام سا ریڈیو بن گیا اس نے اسے میز پر رکھ دیا پھر پامیلا کو پیار سے دیکھا۔ وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نیند کی حالت میں اس کے گلابی ہونٹ ذرا سے کھل گئے۔ گلاب کی پنکھڑیاں کھل گئی تھیں۔ وہ کھلنے اور کھلنے کا انداز اسے پکار رہا تھا۔ وہ خوابوں میں پکارنے والی پر جھک گیا۔

دوسری صبح اس نے لیلیٰ سے کہا "ابھی میں خواب گاہ سے نکلوں گا تو راجر موس مجھے یروشلم جانے کو کہے گا۔ میں وہاں جانے سے پہلے ان کے لئے ایک اور کارنامہ انجام دینا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"سوسانہ اور جرائیل گرانٹ یہاں اسرائیلی حکام کے لئے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ میں انہیں یہاں سے بھگا دوں گا تو یہ لوگ میری ذہانت کے اور زیادہ قائل ہوجائیں گے۔"

"سوسانہ اور جرائیل اب یہاں ضروری نہیں ہیں۔ یہ تمہارے کارنامے کے باعث چلے جائیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"دیکھئے امی! یہ قدرتی بات ہے کہ شہ زور نہایت ہی کمزور سے ڈرتا ہے یا مرتا ہے۔ مثلاً ہاتھی کی سونڈ میں چیونٹی گھس جائے تو اس پہاڑ جیسے جانور کی جان پر بن آتی ہے۔ اگر ہم یہ ظاہر کریں کہ سوسانہ اور جرائیل جیسے ناقابلِ شکست روبوٹ کاکروچ (لال بیگ) سے ڈرتے ہیں، اور وہ دونوں یہاں کاکروچ کی تعداد زیادہ دیکھ کر ملک سے چلے جائیں تو یہودیوں کے سر سے پہاڑ اتر جائے گا اور میری کارکردگی کی دھاک بیٹھ جائے گی۔"

"میں سوسانہ اور جرائیل کو جا کر سمجھاتی ہوں کہ آئندہ انہیں کاکروچ کو دیکھتے ہی خوف زدہ ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کرنا ہے۔"

وہ چلی گئی۔ علی لباس تبدیل کرکے باہر آیا۔ پامیلا میز پر ناشتے کی ڈشیں رکھ رہی تھی۔ راجر موس پوچھ رہا تھا "بیٹی! کیا ابھی تک کارمن سو رہا ہے؟"

علی نے آتے ہوئے کہا "نہیں انکل! میں حاضر ہوں۔ میں بے وقت سوتا نہیں اور بے وقت جاگتا بھی نہیں اور ان میں سے بھی نہیں جنہیں وقت کی ٹھوکر جگاتی ہے۔"

"شاباش بیٹے! تم اصولوں کے پابند ہو۔ تمہاری ذہانت اور اصول پسندی بہت جلد تمہیں غیر متوقع بلندیوں پر لے جائے گی۔"

وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "یہ بلندی کم نہیں ہے کہ میں آپ کا داماد بن گیا ہوں۔"

پامیلا مسکرا کر اُس کے آگے ناشتے کی پلیٹ رکھنے لگی۔ راجر موس نے کہا "تم دونوں کو شادی کے بعد سوئٹزرلینڈ وغیرہ جانا چاہئے تھا۔ تمہاری نئی ملازمت کے باعث پامیلا نے جانے سے انکار کردیا لیکن کہیں تو تفریح کے لئے جانا چاہئے۔"

"انکل، مصروفیات زیادہ ہوں تو تفریح کا موڈ نہیں بنتا۔"

"میں تمہاری یہاں کی ذمہ داریاں سنبھال لوں گا۔ تم کم از کم یروشلم تک ہو آؤ۔ وہ ہمارے لئے مقدس مقام ہے۔ وہاں میرا ایک دوست واسکوڈی تھربا ہے۔ اس کے بنگلے میں تم دونوں کو ہر طرح کا آرام ملے گا۔"

"آپ کا مشورہ میرے لئے حکم کے برابر ہے۔ میں ضرور جاؤں گا۔ لیکن میں اپنے ملک کے کسی شہر کو کمزور نہیں دیکھنا چاہتا۔ ہمارا یہ شہر تل ابیب دو عدد روبوٹ کے باعث کمزور ہوگیا ہے۔ ہمارے لوگ ان پہاڑ جیسے میاں بیوی سے سہمے رہتے ہیں۔ ہماری پولیس، ہماری فوج ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

"ہاں، وہ بن بلائے مہمان اور آفتِ جاں ہیں۔ فرہاد نے انہیں ایک ریموٹ کنٹرولنگ بم کی طرح ہمارے سینے پر لا کر رکھ دیا۔ انہیں یہاں سے بھگانا تقریباً ناممکن ہے۔"

"میں ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہوں۔ اگر حکومت مجھ سے تعاون کرے تو میں ایک ہفتے کے اندر اندر انہیں یہاں سے بھگا سکتا ہوں۔"

"ایسی بات ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ حکومت کا

بھرپور تعاون تمہیں حاصل ہوگا۔"

"یہ تعاون اس طرح حاصل ہونا چاہئے کہ اس کا علم فرہاد اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو نہ ہوسکے۔ یعنی میرے طریقۂ کار کا علم صرف ہمارے ان افراد کو ہو جو یوگا کے ماہر ہوں اور دشمن خیال خوانی کرنے والے ان کے دماغوں تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہوں۔"

"یہ رازداری ممکن ہے۔ تم طریقۂ کار بتاؤ؟"

"کیسے بتاؤں، ہمارے سامنے آنٹی اور پامیلا بیٹھی ہیں اور دشمن ان کے دماغوں میں آسکتے ہیں۔"

راجر موس قائل ہوگیا۔ ناشتے کے بعد علی کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں آکر بولا "میرا دل کہتا ہے تم آہنی ارادوں کے مالک ہو۔ تمہیں ضرور کامیابی ہوگی۔ بتاؤ انہیں یہاں سے کیسے بھگا سکتے ہو؟"

"انکل! وہ دونوں روبوٹ جب سے یہاں آئے ہیں، میں ان کی تاک میں رہتا ہوں۔ ان کی کسی کمزوری کی تلاش میں رہتا آیا ہوں اور اب میں ان کی ایک کمزوری معلوم کرچکا ہوں۔"

اس نے بے تابی سے پوچھا "کیا ہے وہ کمزوری؟"

"وہ دونوں کاکروچ سے ڈرتے ہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"وہی بات کہ چیونٹی کبھی کبھی ہاتھی کی موت کا سبب بنتی ہے۔ یہ قدرت کا عجب تماشا ہے کہ بالشت بھر کا نیولا گز بھر کے زہریلے سانپ کو مار ڈالتا ہے۔ کسی شہ زور کے جسم پر ایک چھوٹی سی پھنسی ہوتی ہے جو پھوڑا بن جاتی ہے۔ پھر ناسور بن کر شہ زور کے کسرتی جسم کو گلا دیتی ہے۔"

"ہاں۔ ان مثالوں سے تمہاری بات سمجھ میں آرہی ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ کاکروچ سے ڈرتے ہیں؟"

"میں نے ایک روز انہیں ایک جنرل اسٹور میں دیکھا۔ وہ اپنی ضرورت کا سامان قیمت ادا کئے بغیر اٹھا رہے تھے۔ ایسے ہی وقت سوسانہ نے ایک جراثیم کش دوا کی بوتل اٹھائی تو بوتل کے لیبل پر کاکروچ کی تصویر دیکھتے ہی وہ چیخ پڑی، اس کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ کر گر پڑی۔ جرائیل بھی ٹوٹی ہوئی بوتل کے لیبل پر وہ تصویر دیکھ کر سہم گیا۔ فوراً ہی سوسانہ کا بازو پکڑ کر دوڑتا ہوا اسٹور سے باہر چلا گیا۔"

راجر موس نے کہا "وہ کاکروچ کی تصویر دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ ہمیں یہ آزمانا چاہئے کہ سچ مچ ایک کاکروچ ان کے سامنے آجائے تو ان کا ردِ عمل کیا ہوگا۔"

"یہ میں نے آزمایا ہے۔ ہمارے شہر میں مشکل سے کاکروچ نظر آتے ہیں۔ میں نے بڑی تلاش کے بعد ایک کاکروچ پکڑا تھا پھر اسے ان کی رہائش گاہ کے اندر پھینک دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی دونوں کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ کاکروچ باہر نکل آیا تھا۔ اگر اندر رہتا تو شاید خوف سے وہ مر جاتے۔ جرائیل نے کھڑکی کے پاس آکر دوربین سے کاکروچ کو جاتے ہوئے دیکھا پھر سوسانہ کو دکھایا تو دونوں مطمئن ہوگئے۔"

"تم نے بڑی محنت اور کھوج کے بعد ان کی یہ کمزوری معلوم کی ہے۔ میں اپنے ذرائع استعمال کروں گا اور دو چار کاکروچ ان کی رہائش گاہ کے اندر پہنچا دوں گا۔"

علی نے کہا "دو چار سے کام نہیں چلے گا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے کاکروچ مارنے کی دوا اپنے پاس رکھی ہو۔ وہ دو چار کو اور دو چار سو کو دور ہی سے دواؤں کے ذریعے ہلاک کرسکتے ہیں۔ اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر دوسروں کے بنگلوں میں گھس کر رہ سکتے ہیں۔"

"تو پھر انہیں کس طرح بھگایا جاسکتا ہے؟"

"سب سے پہلے تل ابیب سے بلکہ تمام شہروں کی دکانوں سے کاکروچ مارنے کی دوائیں غائب کرادی جائیں۔ پھر ہزاروں لاکھوں کاکروچ اپنے ملک میں پیدا کئے جائیں۔ چوں کہ ان کی پیدائش اور افزائشِ نسل میں کافی وقت لگے گا اس لئے دوسروں ملکوں سے کاکروچ امپورٹ کئے جاسکتے ہیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ کاکروچ کلر دوائیں اس لئے غائب کی جائیں کہ سوسانہ اور جرائیل وہ دوائیں کہیں سے حاصل نہ کرسکیں اور شہر میں اتنے کاکروچ ہوجائیں کہ وہ دونوں جس گھر میں پناہ لینے جائیں وہاں وہ انہیں نظر آئیں۔"

"میں یہی چاہتا ہوں انہیں کاکروچ سے کہیں نجات نہ ملے۔ ہوسکتا ہے انہیں تل ابیب میں کہیں پناہ نہ ملی تو وہ بھاگ کر ہمارے کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں۔ اس لئے دوسرے شہروں میں بھی لاتعداد کاکروچ ضرور ہوں۔"

وہ قائل ہو کر بولا "اگرچہ یہ بڑا ہی مضحکہ خیز طریقہ ہے لیکن اس طریقے پر عمل کرنے سے وہ دونوں ضرور بھاگ جائیں گے۔ میں یہ ملک گیر کاکروچ مہم آج سے ہی شروع کرتا ہوں۔"

"لیکن اس طرح کہ فرہاد ہمیں الزام نہ دے۔ یہی محسوس ہو کہ قدرتی طور پر کاکروچ ہمارے ملک میں پیدا ہوگئے ہیں۔"

"بیٹے! اطمینان رکھو۔ یہ کام نہایت رازداری سے ہوگا۔ ویسے آج چھٹی کا دن ہے، تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"پامیلا کے ساتھ کہیں تفریح کے لئے جاؤں گا۔"

"بہتر ہے یروشلم چلے جاؤ۔ میں ابھی واسکوڈی تھربا کو فون پر کہہ دیتا ہوں۔"

علی نے سعادت مندی سے یہ مشورہ قبول کرلیا۔ وہ جانتا تھا کہ راجر موس بیٹی داماد کو گھر سے دور بھیج کر خفیہ کمرے میں جائے گا۔ اس نے یہی کیا۔ پامیلا اور علی کے جانے کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا "میں رات کو اچھی طرح سو نہ سکا۔ اب دروازہ اندر سے بند کرکے ایک آدھ گھنٹا سوؤں گا۔ تم دروازے پر دستک نہ دینا۔"

بیوی گھر کے کاموں میں لگ گئی۔ وہ خواب گاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر کے خفیہ کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں آرام سے بیٹھ کر تمام گولڈن برینز کو باری باری سگنل دیا۔ جس کے مطابق سب ہی اپنے اپنے کمپیوٹر کی ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہو کر کاکروچ کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔

ان کے درمیان اس معاملے میں تنقید بھی ہورہی تھی اور تائید بھی کی جارہی تھی۔ ایک گولڈن برین نے کہا "ملک گیر کاکروچ مہم چلانا ایک دقت طلب مسئلہ ہے اس کے نقصانات بھی ہیں۔ ہمارے تمام شہری اور ہر گھر کا ہر فرد پریشان ہوگا۔ کاکروچ کی بہتات سے کھانے پینے اور دوسری استعمال کی چیزوں کو نقصان پہنچے گا۔"

دوسرے گولڈن برین نے کہا "ملک کے تمام باشندے حکومت کی بدانتظامی پر احتجاج کریں گے۔"

تیسرے نے کہا "لاتعداد لال بیگوں کو کنٹرول نہیں کیا جاسکے گا۔ وہ دفتروں اور حکمرانوں کی رہائش گاہوں میں پھیلیں گے۔ سڑکوں اور گلیوں میں دوڑتے پھریں گے۔ انہیں مارنے کی دوائیں نہیں ہوں گی۔ ہاتھوں سے کتنے مارے جائیں گے!"

راجر موس نے کہا "جب تک وہ دونوں روبوٹ یہاں سے نہیں جائیں گے، ایک بھی کاکروچ کو نہیں مارا جائے گا۔ یہ ہماری پوری یہودی قوم کے لئے تکلیف دہ بات ہوگی۔ ہمیں یہ مقولہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک دائمی تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے دوسری عارضی تکلیف کو برداشت کرنا چاہئے۔"

وہ سب کمپیوٹر اسکرین پر تحریر کے ذریعے گفتگو کر رہے تھے۔ دونوں روبوٹ پوری قوم اور ملک کے لئے مسئلہ بن گئے تھے۔ کاکروچ بھی مسئلہ بننے والے تھے۔ گولڈن برین واسکوڈی تھرما نے کہا "ہمیں اگر ان روبوٹ سے پیچھا چھڑانا ہے تو پوری قوم کے ساتھ کاکروچ کا عذاب برداشت کرنا ہوگا۔ مجھے راجر موس کے داماد کارمن ہیرالڈ کی تدبیر پسند آئی' اگر ہم سوسانہ اور جرائل کو یہاں سے بھگانے میں کامیاب ہوجائیں گے تو یہ کارمن ہیرالڈ کا دوسرا بڑا کارنامہ ہوگا۔"

دوسرے تمام گولڈن برینز نے کئی اعتراضات کے باوجود اس بات سے اتفاق کیا کہ ہزار مصائب برداشت کر کے بھی دونوں روبوٹ سے نجات حاصل کی جائے۔

انہوں نے فوج کے افسران سے رابطہ کر کے رازداری سے سمجھایا کہ ملک کے ہر شہر اور ہر مکان سے کاکروچ کلر دوائیں ضبط کرلی جائیں اور یہ جواز پیش کیا جائے کہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق وہ دوائیں ناقابلِ استعمال ثابت ہوئی ہیں۔ ان کے استعمال سے انسانی جانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

پھر ان لیبارٹریز پر توجہ دی گئی جہاں جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں پر طبی تجربات کئے جاتے تھے۔ فوجی افسران نے ان لیبارٹریز کے ڈاکٹروں کو حکم دیا کہ وہ مرغی فارم کی طرح کاکروچ فارم

قائم کریں اور انجکشن اور دواؤں کے ذریعے زیادہ سے زیادہ کاکروچ پیدا کریں۔

چوبیس گھنٹوں کے اندر ملک کے تمام شہروں میں سیکڑوں کاکروچ فارم قائم ہوگئے۔ ان تمام فارموں سے ایک دن میں ہزاروں کاکروچ پیدا ہونے لگے۔ پھر ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچے لگی۔ ابتداء میں انہیں باریک آہنی جالیوں کے پنجروں اور بڑے بڑے ڈبوں میں بند رکھا گیا لیکن بڑھتی ہوئی تعداد قابو سے باہر ہونے لگی۔ وہ سڑکوں اور گلیوں میں نکل آئے۔ انہیں خاص طور پر تل ابیب میں اور اس علاقے میں لایا گیا جہاں سوسانہ اور جرائل کا قیام تھا۔

لیلیٰ نے مجھے علی کی پلاننگ بتائی تھی۔ میں نے سوسانہ اور جرائل کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ کاکروچ کو دیکھتے ہی ایسے خوفزدہ ہوں جیسے ان کی جان نکلی جارہی ہو۔ علی کی پلاننگ کے پانچویں دن وہ کاکروچ منظرِ عام پر آنے لگے۔ سوسانہ اور جرائل نے اداکاری شروع کردی۔ وہ چیختے چلاتے رہائش گاہ سے باہر آئے۔ سامنے والی ایک کوٹھی میں پہنچ کر مالک مکان سے کہا "ہم ایک اعلیٰ حاکم سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں فون کرنے دو۔"

مالک مکان نے کہا "فون تو آپ کے گھر پر بھی ہے۔"

"ہے، مگر وہاں کاکروچ ہیں۔ ہم اپنے گھر میں نہیں جائیں گے۔"

"کاکروچ ہمارے گھر میں بھی پیدا ہوگئے ہیں۔ ہم خود ان سے پریشان ہیں۔"

سوسانہ نے سہم کر پوچھا "کیا یہ بلا تمہارے گھر میں بھی ہے؟"

پھر وہ دونوں جواب سنے بغیر وہاں سے بھاگتے ہوئے اپنی کار میں آئے۔ اس میں بیٹھ کر ایک حاکم کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں بے شمار لوگ پریشان نظر آرہے تھے۔ عورتیں گھروں سے نکل کر علاقے کی دوسری عورتوں سے اسی بلا کی شکایتیں کررہی تھیں جو اَب ایک عام شکایت بن چکی تھی۔

وہ حاکم کے بنگلے میں پہنچے تو وہ بنگلے سے باہر ملازموں کو ڈانٹ رہا تھا "یہ اتنے کاکروچ کہاں سے آگئے؟ تم لوگ دوا کیوں نہیں چھڑکتے؟"

پھر اس نے دونوں روبوٹ کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا "مجھ سے کیا شکایت ہے؟ فون پر کہہ دیا ہوتا، یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟"

جرائل نے کہا "ہماری رہائش گاہ میں کاکروچ آگئے ہیں۔ جب تک وہاں مکمل صفائی نہیں ہوگی، ہم یہاں تمہارے ساتھ رہیں گے۔"

وہ بولا "میرے گھر میں بھی یہی مصیبت ہے، اسی لئے میں اپنے گھر سے نکل آیا ہوں۔"

اعلیٰ حاکم کے سیکریٹری کے ہاتھوں میں ایک موبائل فون تھا۔ وہ کسی سے باتیں کررہا تھا۔ اس نے ریسیور رکھ کر کہا "سر! سینیٹری ڈیپارٹمنٹ کا افسر کہہ رہا ہے، ڈی ڈی ٹی اور دوسری تمام جراثیم کش دوائیں ختم ہوچکی ہیں۔ حتیٰ کہ بازار میں بھی یہ دوائیں نہیں ہیں۔"

حاکم نے کہا "یہاں نہیں ہیں تو حیفہ، جافہ یا یروشلم سے دوائیں منگواؤ۔"

سیکریٹری پھر رابطہ قائم کرنے لگا۔ یکے بعد دیگرے تمام شہروں کے متعلقہ شعبوں اور افسروں سے باتیں کرنے لگا۔ ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ وہاں بھی کاکروچ بلا کی طرح ہر طرف نظر آرہے ہیں اور دوائیں آؤٹ آف مارکیٹ ہیں۔

جب یہ معلوم ہوا کہ پورے ملک میں یہ بلا پھیلی ہوئی ہے تو سوسانہ نے کہا "جرائل، ائرپورٹ چلو۔ ہم اس ملک میں ایک منٹ بھی نہیں رہیں گے۔"

وہ دونوں دوڑتے ہوئے اپنی کار میں آئے۔ اس وقت تک کار میں بھی کچھ لال بیگ پہنچ گئے۔ وہ دونوں چیخیں مار کر دور چلے گئے۔ حاکم کے ملازموں نے کار میں گھس کر انہیں قتل کیا۔ پھر انہیں باہر نکال کر پھینکا تب وہ دونوں اندر آئے۔ گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور ائرپورٹ پہنچ گئے۔

اس دوران میں وہاں کے اعلیٰ حکام سے شکایتیں کررہا تھا کہ انہوں نے میرے دونوں روبوٹ کو وہاں سے بھگانے کے لئے اپنے پورے ملک میں کاکروچ کی وبا پھیلائی ہے تاکہ انہیں کسی علاقے میں پناہ نہ ملے۔ وہ جہاں جائیں انہیں وہ بلا نظر آتی رہے۔

اور وہ یقین دلا رہے تھے کہ انہوں نے لاکھوں کاکروچ پیدا نہیں کئے ہیں۔ یہ قدرتی عذاب ہے۔ وہ اعلیٰ حکام واقعی یہی سمجھ رہے تھے۔ گولڈن برینز نے انہیں راز دار نہیں بنایا تھا۔ انہوں نے صرف ائرپورٹ پر دواؤں کا خاص انتظام رکھا تھا۔ ادھر آنے والے کاکروچ مر رہے تھے یا راستہ بدل رہے تھے۔ یہ خصوصی انتظام اس لئے تھا کہ دونوں روبوٹ کو صرف ائرپورٹ میں پناہ ملے اور وہ وہاں سے دوسرے کسی ملک کے لئے روانہ ہوجائیں۔"

آخرکار وہ دونوں وہاں سے روانہ ہوگئے لیکن اپنے پیچھے پوری یہودی قوم کو کاکروچ کے عذاب میں مبتلا کر گئے۔ کاکروچ کلر دواؤں کا انتظام خاصی مقدار میں کیا گیا تھا اور انہیں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ دونوں کے جاتے ہی دوائیں بازاروں میں آگئیں۔ سرکار کی طرف سے دوائیں اسپرے کرنے والے دن رات سڑکوں گلیوں اور بازاروں میں دوائیں چھڑکنے لگے۔ صفائی کی مہم میں لاکھوں افراد مصروف رہے تب ایک ہفتے کے بعد کسی حد تک کاکروچ سے نجات ملی۔ اس کے بعد بھی مکانوں اور دکانوں کے گوشوں میں اور گوداموں میں رہ گئے جو مہینوں تک نظر آتے رہے۔

راجر موس نے علی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ پامیلا کو لے کر بحری جہاز میں چلا جائے۔ وہ جہاز اسرائیل کے مغربی ساحل کے قریب سمندر میں تھا۔ وہاں کاکروچ پہنچ نہیں سکتے تھے۔ علی وہاں سکون سے پامیلا کے ساتھ وقت گزار سکتا تھا لیکن اس نے کہا "نو انکل! ہماری پوری قوم مصیبتوں میں مبتلا رہے گی۔ اپنے لوگوں کے ساتھ میں بھی مصیبت برداشت کروں گا۔ یہی حب الوطنی ہے۔"

دوسرے تمام گولڈن برینز نے بھی اُس کے اس جذبے کی قدر کی اور اس کے دو اہم کارناموں کے ریکارڈ کی ایک فائل تیار کرلی۔ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا کہ علی نے یہودیوں کے باغی جنرل پارکن کو گرفتار کیا تھا اور اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا تھا۔ ورنہ یہ ملک ایک خیال خوانی کرنے والے سے محروم ہوجاتا۔ اب جنرل پارکن کا برین واش کر کے پھر اس کے ٹیلی پیتھی کے علم کو کام میں لایا جاسکتا تھا۔

دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ علی کی تدبیر سے دو خطرناک روبوٹ کسی خون خرابے کے بغیر ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے اور علی کی یا کارمن کی حب الوطنی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی قوم کو مصیبت میں چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ اپنے لوگوں کے ساتھ مصیبت کے وہ دن گزارے تھے۔

ان دنوں وہ نئے یروشلم کے ایک بنگلے میں پامیلا کے ساتھ تھا۔ واسکوڈی تھرما نے وہ بنگلا انہیں عارضی رہائش کے لئے دیا تھا۔ لیکن وہاں تقریباً بارہ دنوں تک ہنی مون نہ منا سکے۔ دن رات کاکروچ مارتے ہوئے گزار دئے۔ پامیلا اپنا سر پکڑ کر کہتی تھی "یہ ہم پر کیسی مصیبت آگئی ہے۔ آخر اتنے کاکروچ کہاں سے پیدا ہورہے ہیں؟"

علی نے کہا "معلوم ہوتا ہے، یہ آسمانی عذاب ہے۔"

"ہم تل ابیب واپس جائیں گے۔"

"وہاں بھی لال بیگوں کی سرخ فوج شاہراہوں اور گلیوں میں پریڈ کررہی ہے۔ تمہارے ڈیڈی نے فون پر بتایا ہے کہ پورے ملک میں یہ آفت آئی ہوئی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "اوہ گاڈ! یہ لال بیگ دیکھنے کے بعد کھانے کو جی نہیں کرتا۔"

"لال بیگ کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی "پلیز مجھے نہ ہنساؤ۔ یہ لال فوج دیکھ دیکھ کر دل گھبرا رہا ہے۔"

"جب دل گھبرائے تو دل کو بہلانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ چلو باہر چلیں۔"

"پڑوسی کہہ رہے تھے کہ راستے گلیوں میں بھی یہ مصیبت رینگتی پھر رہی ہے۔ تفریح کا خاک مزہ آئے گا۔"

"مزہ آئے گا۔ ہم گاڑی کے شیشے چڑھا دیں گے۔"

انہوں نے دو ملازم خاص طور پر کاکروچ مارنے کے لئے رکھے

تھے۔ ان میں سے ایک ملازم نے کار کی صفائی کی۔ جو کاکروچ اندر تھے۔ انہیں باہر نکالا۔ پھر علی پامیلا کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کے شیشے چڑھا دیئے۔ پامیلا نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ احاطے سے باہر آکر راستوں سے گزرتے ہوئے انہوں نے لوگوں کو پریشان دیکھا۔ اکثر عورتیں اور بچے کاکروچ سے ڈرتے ہوئے چیخ رہے تھے۔ اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ان کے لوگ انہیں سمجھا رہے تھے کہ لال بیگ سے جانی نقصان نہیں پہنچتا اس لئے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے۔

بازاروں میں دکانیں بند تھیں۔ گوشت، سبزی اور پھلوں کی دکانیں کھلی تھیں۔ دکان داروں اور خریداروں نے خرید و فروخت بھی جاری رکھی تھی اور کاکروچ بھی مارتے جا رہے تھے۔ پامیلا نے کہا "مجھے ساتھ کیوں لائے ہو۔ یہ قابلِ دید مناظر تو نہیں ہیں۔"

"جو مناظر قابلِ دید نہیں ہوتے، وہ سبق آموز ضرور ہوتے ہیں۔ انسان ان رینگنے والے حقیر جانداروں کو جوتوں تلے مسل دیتا ہے۔ آج یہ حقیر، تعداد میں بے شمار ہیں تو جوتوں تلے مسلنے والا انسان ان سے پناہ مانگ رہا ہے۔ ان سے امان چاہتا ہے۔"

"واقعی آج ہم ان کے مقابلے میں کم تر ہیں۔ آخر ان پر کس طرح قابو پایا جائے گا؟"

"جب تک انہیں مارنے والی دوائیں بازار میں نہیں آئیں گی۔ یہ ہمارے اعصاب پر سوار رہیں گے۔"

اس نے ایک بینک کے قریب پہنچ کر پامیلا سے کہا "گاڑی روکو۔"

اس نے کار روک دی۔ بینک کے اندر سے چند عورتوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ اس کے بعد ایک گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ پامیلا نے پوچھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"بینک کے اندر کوئی گڑبڑ ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ دروازہ بند کر کے تیزی سے چلتا ہوا بینک کے دروازے پر آیا۔ ایک شخص نے شاٹ گن سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے کہا "رک جاؤ۔ بینک بند ہے۔"

علی نے کہا "واہ کیا منظر ہے۔ تم نے میرا نشانہ لیا ہے اور کوئی تمہارا نشانہ لے رہا ہے۔"

نشانہ لگا لینے والے نے بے اختیار پیچھے سر گھما کر دیکھا۔ علی نے ایک ٹھوکر ماری۔ شاٹ گن اس کے ہاتھوں سے نکل کر فضا میں بلند ہوئی۔ علی کا دوسرا ہاتھ اس کے مُنہ پر پڑا۔ وہ بینک کے اندر جا کر فرش پر گرا۔ علی نے شاٹ گن کو کیچ کر کے دیکھا۔ اندر صرف ایک شخص کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے بینک منیجر کو نشانے پر لے رکھا تھا۔ بینک کا سیکورٹی گارڈ فرش پر مردہ پڑا ہوا تھا۔ علی نے اندر گھستے ہی شاٹ گن سے فائر کیا۔ ریوالور والے کے ہاتھ میں گولی لگی۔ ریوالور چھوٹ کر میز پر آیا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اٹھانا چاہتا تھا۔ علی نے کہا "خبردار! ذرا بھی حرکت کرو گے تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ منیجر، ریوالور اٹھالو۔"

منیجر نے ریوالور اٹھالیا۔ زخمی ڈاکو کو نشانے پر رکھ کر بولا "تم سب اپنے ہتھیار پھینک دو، ورنہ تمہارا یہ لیڈر مر جائے گا۔"

ایک ڈاکو نے ہتھیار پھینکنے سے پہلے میدان مارنے کی کوشش کی، منیجر کے ہاتھ سے ریوالور گرانا چاہا۔ اس نے صحیح نشانہ لیا۔ لیکن ہاتھ ہل گیا۔ گن سے نکلنے والی گولی اپنے ہی ساتھی کو جا لگی۔ وہ دونوں پیر جھٹک رہا تھا۔ اچھل رہا تھا پتا چلا کاکروچ اس کی پتلون میں گھس گئے تھے اور اسے نچا رہے تھے۔

ناچنے والے کے ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے ہاتھ میں ایک اٹیچی تھی۔ لباس کے اندر سے کاکروچ کو باہر نکالنے کے لئے دونوں ہاتھوں کی ضرورت تھی اور وہ گن نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس گن کے ذریعہ جان بچا کر بھاگ جانے کی امید تھی۔ وہ اٹیچی پھینک کر کاکروچ مار سکتا تھا لیکن اٹیچی بھی اہم تھی۔ اس میں ڈاکے کا مال بھرا ہوا تھا۔

علی ان سب کا راستہ روکے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے راستہ صاف کرنے کے لئے دروازے کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے علی پر فائر کیا لیکن لباس کے اندر کئی لال بیگوں نے پھر ہلچل مچا دی تھی۔ وہ دوڑنے کے دوران لڑکھڑا کر اوندھے مُنہ فرش پر گرا۔ اس کے ساتھ اٹیچی بھی گر کر کھل گئی۔ اندر سے نوٹوں کی گڈیاں اور کئی کاغذات اور ایک ڈائری نکل کر فرش پر پھسلتی ہوئی علی کے قدموں میں آئیں۔ علی نے پھسل کر آنے والے کے بازو میں گولی مار کر اُس سے گن چھین لی۔

بینک کا عملہ ڈاکا ڈالنے والوں پر قابو پا رہا تھا۔ علی جھک کر ڈائری اور کاغذات فرش پر سے اٹھا رہا تھا۔ بازو پر گولی کھا کر زخمی ہونے والے نے کراہتے ہوئے کہا "دوست! میرا ساتھ دو۔ میں تمہیں مُنہ مانگی رقم دوں گا۔ ڈائری اور کاغذات چھپالو۔ میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ کوئی بات نہیں، ان کاغذات پر جو نام اور پتا لکھا ہے انہیں اس پتے پر پہنچا دو۔ پلیز! انہیں فوراً چھپا دو۔"

علی نے فوراً ہی وہ کاغذات موڑ کر جیب میں ٹھونس لئے۔ ڈائری بھی چھپالی۔ پھر زخمی کے گریبان کو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بینک کے ایک ملازم کو مخاطب کیا "اے مسٹر! ادھر آؤ اور یہ لو نوٹوں کی گڈیاں، منیجر کے پاس لے جاؤ۔"

منیجر نے آگے بڑھ کر علی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مصافحہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس والے آ گئے۔ انہوں نے ڈاکا ڈالنے والوں کو حراست میں لیا اور علی سے پولیس اسٹیشن چلنے کو کہا۔ اس نے ملٹری انٹیلیجنس کے چیف واسکوڈی تھرما کا فون نمبر بتا کر انسپکٹر سے کہا "پہلے اس نمبر پر بات کرو۔"

انسپکٹر نے رابطہ کیا۔ چیف کو بینک ڈکیتی اور کارمن ہیرالڈ کے متعلق بتایا۔ پھر علی نے ریسیور لے کر کہا "ہیلو انکل! میں کارمن بول رہا ہوں۔"

واسکوڈی تھرما نے کہا "شاباش بیٹے! تم نے فرض شناسی اور دلیری کا ثبوت دیا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

"انکل! باہر کار میں پامیلا میرا انتظار کر رہی ہے، پولیس اسٹیشن جاؤں گا تو وہ بور ہو جائے گی۔"

"تم ہماری بیٹی کے ساتھ جاؤ۔ ریسیور انسپکٹر کو دو۔"

اس نے ریسیور اسے دیا۔ وہ ریسیور کان سے لگا کر "یس سر یس سر" کرتا رہا پھر علی سے بولا "آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا۔ پامیلا نے اسے دیکھ کر دروازہ کھولا پھر کہا "تم پولیس والے نہیں ہو۔ پھر خطرات میں کودنے کیوں چلے گئے۔ اگر گولی لگ جاتی تو؟"

"میں پولیس والا نہیں ہوں لیکن وطن کے ہر فرد کو ضرورت کے وقت سپاہی بن جانا چاہئے۔"

وہ کار آگے بڑھاتے ہوئے بولی "ڈیڈی تمہاری ذہانت اور دلیری پر قربان ہوتے رہتے ہیں لیکن میری تو جان نکلتی رہتی ہے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے، تمہاری دلیری کی نہیں۔"

"میری جان! حوصلہ اور دلیری کے بغیر مرد مرد نہیں ہوتا۔"

"اپنی مردانگی صرف میری ذات تک رکھو۔ دوسروں کو دلیری دکھاؤ گے اور تمہیں ہلکی سی بھی خراش آئے گی تو میں رو رو کر جان دے دوں گی۔"

علی مسکرا کر رہ گیا۔ اب اسے کیا بتاتا کہ زندگی کا ہر دن خطرات سے کھیلتے ہوئے گزر رہا ہے۔ ان لمحات میں بھی اس نے خطرات کی بیٹی کو دلہن بنا رکھا تھا۔ گولڈن برینز میں سے کسی کو اس کی اصلیت معلوم ہوتی تو کہیں سے بھی ایک اندھی گولی آ کر اُس کا کام تمام کر دیتی۔

وہ اپنے بنگلے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے تل ابیب سے آتے وقت سوچا تھا۔ ہوٹلوں میں کھایا کریں گے اور دن رات تفریح کرتے رہیں گے لیکن کاکروچ کی بلا نازل ہونے کے باعث ہوٹلوں کا کھانا قابلِ قبول نہیں تھا۔ کیوں کہ باورچیوں کی ذرا سی غفلت سے کاکروچ کا سالن تیار ہو سکتا تھا۔ اس لئے پامیلا خود ہی کھانا تیار کرتی تھی۔

وہ کچن میں جا کر مصروف ہو گئی۔ علی بیڈ روم میں آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر جیب سے وہ کاغذات نکال کر پڑھنے لگا۔ وہ ڈائری اور کاغذات بینک کے لاکر سے نکالے گئے تھے۔ ان کاغذات پر مسز ایڈگر کا نام پڑھ کر علی چونک گیا۔ کیوں کہ ایڈگر سلومن ایک گولڈن برین کا نام تھا۔

ایک ہی نام کی بے شمار لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں تھا کہ ان کاغذات کا تعلق گولڈن برین ایڈگر سلومن سے ہوتا۔ کسی ایڈگر کی بیوی نے اپنی اہم دستاویزات لاکر میں رکھی ہوئی تھیں جو ایک ڈاکو کے ذریعے علی کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔

ان کاغذات کے مطابق ایڈگر کی بیوی امریکا کی ایک اسٹیٹ کیلیفورنیا میں دس ہزار گز زمین کی مالکہ تھی۔ دوسری دستاویز کے مطابق ایڈگر کا بیٹا سن شائن کار کمپنی کا مالک تھا۔ ایک اندازے کے مطابق اس کمپنی سے سالانہ لاکھوں ڈالر کا منافع حاصل کرتا ہوگا۔"

علی نے ڈائری کی ورق گردانی کی۔ اس کے صفحات پر بینک اکاؤنٹ کا حساب درج تھا۔ جس تاریخ کو جتنی رقم جمع کرائی گئی تھی، ان رقوم کو جوڑنے سے پتا چلا کہ ایڈگر کی بیوی نے امریکا کے ایک بینک میں ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر جمع کئے ہیں۔ یہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ اتنی رقم یا تو خوابوں میں نظر آتی ہے یا پھر اپنا وطن بیچ کر یا اپنے ضمیر کو بیچ کر حاصل ہوا کرتی ہے۔ ایڈگر کی بیوی اور بچے اسرائیل میں بڑا لمبا ہاتھ مار رہے تھے۔

علی نے لیلیٰ کا انتظار کیا۔ جب وہ مقررہ وقت پر آئی تو اس نے ایڈگر کی فیملی کی متعلق اسے بتایا پھر کہا "ان کاغذات پر جو فون نمبر درج ہیں میں ان نمبروں پر رابطہ کرتا ہوں۔ آپ ذرا ایڈگر کی بیوی کی اصلیت معلوم کریں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر دوسری طرف سے کسی نے رازداری سے پوچھا "ہیلو! کون، مسٹر جیکب؟"

لیلیٰ بولنے والے کے اندر پہنچ گئی۔ وہ ایڈگر کا بیٹا شوبر سلومن تھا۔ امریکا میں سن شائن موٹر کمپنی کا مالک یہی شوبر سلومن تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ اس کا باپ ایڈگر ایک گولڈن برین ہے۔

گولڈن برین ایڈگر نہایت ذمے دار اور فرض شناس تھا۔ اس نے اپنی بیوی اور بچوں پر کبھی ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ایک گولڈن برین ہے۔ وہ ایک سرکاری افسر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کی بیوی ویرا سلومن اور بڑے بیٹے شوبر سلومن کو اس کی اصلیت معلوم تھی۔

جان لمبوڈا کو شبہ تھا کہ ایڈگر ایک بہت ہی اہم شخصیت کا مالک ہے۔ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ اس کے چور خیالات نہیں پڑھے جا سکتے تھے۔ اس لئے لمبوڈا نے اس کی بیوی ویرا کو دولت اور جائداد کا لالچ دیا۔ امریکا بلا کر یہ معاہدہ کیا کہ وہ ایڈگر کے خلاف جاسوسی کرے گی، اس کی اصلیت بتائے گی یا اعصابی کمزوری کی دوا اسے کھلا کر اُس کے دماغ میں پہنچنے کا موقع دے گی تو اسے امریکی حکومت تحفظ فراہم کرے گی۔

جان لمبوڈا چاہتا تو ویرا کے دماغ پر قبضہ جما کر ایڈگر کو اعصابی کمزوری میں مبتلا کر سکتا تھا لیکن ایڈگر کھانے پینے کے معاملہ میں محتاط رہتا تھا۔ بیوی بچوں سے ہفتہ میں ایک بار ملنے آتا تھا۔ ان کے ساتھ کچھ وقت گزارتا تھا۔ کھانے پینے کے معاملے میں صاف کہہ دیتا تھا کہ وہ صرف اپنے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھاتا ہے۔ بازار کا

کوئی مشروب تو کیا پانی بھی نہیں پیتا ہے۔

ایسے میں جان لمبوڈا کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس سے ایڈگر کو شبہ ہو اور وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو جائے۔ ویرا نے جاسوسی کی۔ اس نے بتایا کہ اس کے شوہر کی رسٹ واچ میں ایک ننھی سی سرخ روشنی کبھی کبھی جلتی بجھتی ہے اور وہ بیوی بچوں سے باتیں کرتے کرتے اچانک ضروری کام کا بہانہ بنا کر چلا جاتا ہے۔

لمبوڈا نے سپر ماسٹر کے حکم سے ویرا کو کیلیفورنیا میں زمینیں دیں، اس کے بیٹے شوبر سلومن کو سن شائن موٹر کمپنی کا مالک بنا دیا تب ویرا نے اپنے شوہر ایڈگر کو چھوٹی بیٹی کی سالگرہ میں شریک ہونے اور کھانے پینے پر مجبور کیا۔ چھوٹے بچوں کی ضد اور محبت سے مجبور ہو کر اُس نے پہلی بار ان کے ساتھ کچھ کھایا پیا اور اعصابی کمزوری کا شکار ہو گیا۔ اتفاقاً ایڈگر پہلے سے کچھ بیمار تھا۔ اس لئے اعصابی کمزوری کو بڑھتی ہوئی بیماری سمجھ بیٹھا۔ اسے بیوی اور بڑے بیٹے پر شبہ نہیں ہوا اور جان لمبوڈا اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

ایک بار قابو میں آنے کے بعد پھر وہ لمبوڈا کے چنگل سے نہ نکل سکا۔ تنویمی عمل کے ذریعے اس کا معمول اور تابعدار بن کر رہ گیا۔ اب نارمل حالت میں یہی سمجھتا آرہا تھا کہ وہ کسی کے زیرِ اثر نہیں ہے۔

لیلیٰ نے علی کو یہ تمام روداد سنائی۔ علی نے پوچھا "ایڈگر پر تنویمی عمل کب ہوا تھا؟"

"ایک ہفتہ پہلے اس کی چھوٹی بیٹی کی سالگرہ تھی۔ اسی رات وہ اعصابی کمزوری کا شکار ہو گیا تھا۔ اس حساب سے جان لمبوڈا اس کے دماغ میں چھ دن سے قبضہ جمائے ہوئے ہے۔"

علی نے کہا "ابھی میں نے فون کیا تھا تو ایڈگر کا بیٹا کسی جیکب کو پوچھ رہا تھا۔ یہ جیکب کون ہے؟"

"شاید وہی شخص ہے جسے تم نے بینک میں زخمی کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ کاغذات میں جس کا نام اور پتا درج ہے اس کے پاس جاؤ گے تو تمہیں مُنہ مانگی رقم ملے گی۔"

"اگر وہ مجھے ایڈگر کے بیٹے شوبر سلومن کے پاس جانے کو کہہ رہا تھا تو پھر اس نے شوہر اور اس کی ماں کا لاکر توڑ کر کیوں یہ کاغذات نکالے تھے؟"

"قصہ یہ ہے کہ شوبر کی ماں ویرا پچھلی رات مر گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے فون پر اپنے شوہر ایڈگر سے کہا کہ اب شاید میں مر جاؤں۔ اس سے پہلے اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ کیا ابھی میرے پاس آؤ گے؟"

دوسری طرف سے ایڈگر نے کہا "تم ناحق مرنے کے متعلق سوچتی ہو۔ معمولی بیماری ہے، صبح تک ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں فرصت ملتے ہی آجاؤں گا۔"

وہ بولی "تمہیں کبھی فرصت نہیں ملے گی بہرحال مجھے کچھ ہو جائے تو میرا لاکر کھول کر وہ دستاویزات پڑھ لینا جو میں نے تم سے چھپا کر وہاں رکھی ہیں۔"

فون پر ہونے والی ماں باپ کی باتیں بیٹے نے سن لی تھیں۔ اس نے سوچا۔ ماں مرنے سے پہلے ضمیر کا بوجھ ہلکا کر رہی ہے۔ باپ کو حقیقت معلوم ہو گئی تو ماں کی کیلیفورنیا والی زمینوں کے ساتھ میری موٹر کمپنی بھی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ میرا محبِ وطن باپ رشوت کی دولت اور جائداد قبول نہیں کرے گا۔ مجھے صبح ہوتے ہی اپنے اور ممی کے لاکر سے تمام اہم چیزیں نکال لینا چاہئے۔"

یہ سوچ کر وہ اپنے کمرے سے نکل کر ماں کے کمرے میں آیا تو وہ بستر پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے پر سے کہا "ممی تمہیں مرنا ہے تو شوق سے مر جاؤ۔ مجھے تو کنگال بنا کر نہ جاؤ۔ پلیز ڈیڈی کے سامنے اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا نہ کرو۔ اپنے لاکر کی چابی مجھے دو۔"

ماں کی طرف سے جواب نہیں ملا۔ اس نے قریب آکر دیکھا تو پتا چلا وہ مر چکی ہے۔ اس کی موت نے پریشان کر دیا۔ وہ لاکر کی چابی دینے سے پہلے مر گئی تھی۔ وہ چابی باپ کو مل جاتی۔ یا نہ بھی ملتی تو بیوی کی موت کے بعد شوہر کو لاکر کھلوانے یا تڑوانے کا حق حاصل ہو جاتا۔

اس نے مردہ ماں کی تلاشی لی۔ تکئے کے نیچے دیکھا۔ الماریاں اور سوٹ کیس وغیرہ کھول کر ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ دیا لیکن لاکر کی وہ چابی نہیں ملی۔ مرنے والی شوہر سے یہ کہہ گئی تھی کہ وہ لاکر کھول کر دستاویزات نکالے گا اور پڑھے گا تو وہ اہم باتیں معلوم ہو جائیں گی جو وہ فون پر نہیں کہہ پائی تھی۔

اس طرح یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایڈگر صبح بینک کھلتے ہی اپنی بیوی کا لاکر ضرور... کھلوائے گا۔ شوبر سلومن کے سامنے لاکھوں کروڑوں کی دولت اور جائداد بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ قانونی طور پر لاکر کھلوانے سے پہلے بیٹا باپ سے پہلے لاکر تڑوا دے۔

انہی حالات سے مجبور ہو کر شوبر سلومن نے ایک بدنام مجرم جیکب کو پچیس ہزار شیکال پیشگی ادا کئے اور کہا "بینک میں ڈاکا ڈالو۔ لاکر نمبر دو سو دو اور دو سو تین کو توڑ کر اس کے تمام کاغذات لے آؤ۔ اس ڈاکے میں جتنی رقم ہاتھ آئے گی، وہ سب تمہاری ہو گی۔ مجھے صرف دونوں لاکر کے کاغذات اور ایک ڈائری لا دو۔"

لیلیٰ نے علی کو تمام روداد سناتے ہوئے کہا "اس طرح وہ ڈاکے کی واردات عمل میں آئی اور یہ کاغذات تمہارے ہاتھ آگئے۔"

علی نے کہا "اس کا مطلب ہے۔ کل رات سے جان لمبوڈا ان میں سے کسی کے دماغ میں نہیں آیا ہے۔ اگر آتا تو شوبر سلومن کو یقین دلاتا کہ اس کا باپ لاکر کھول کر بھی بیٹے کو موٹر کمپنی وغیرہ سے محروم نہیں کرے گا کیوں کہ باپ اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کا تابعدار ہے۔"

"یہی بات ہے، جان لمبوڈا کہیں دوسرے معاملات میں مصروف ہے۔"

علی نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر واسکوڈی تھرما سے کہا "انکل! ایک اہم معاملے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہاں آجائیں یا مجھے بلا لیں۔"

"میں ابھی آرہا ہوں۔"

علی نے ریسیور رکھ کر کہا "امی! ہم خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے اپنی ذہانت سے گولڈن برینز کے درمیان جگہ بنالی ہے لیکن دشمن بھی ہم سے کم نہیں ہیں۔ لمبوڈا بھی ان کی درمیان جگہ بنا چکا ہے۔"

"بیٹے! تمہارے مقابلے میں آنے والا کوئی بھی دشمن معمولی نہیں ہو سکتا، ویسے آج تو تم اسے گولڈن برینز کے درمیان سے اکھاڑ ہی پھینکو گے۔"

جان لمبوڈا واقعی پچھلی رات سے دوسرے معاملات میں مصروف ہو گیا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ ایک گولڈن برین اس کا تابعدار ہے۔ وہ ہمیشہ قابو میں رہے گا۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔

مگر گڑبڑ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے معمول گولڈن برین ایڈگر کے پاس آیا تو اس کے خیالات نے بتایا کہ اس کی بیوی ویرا مر چکی ہے اور مرنے سے پہلے یہ بتا گئی ہے کہ چند خفیہ کاغذات بینک کے لاکر میں رکھے ہوئے ہیں۔

لمبوڈا نے اس کے بیٹے شوبر کے دماغ میں آکر کہا "تمہاری ماں نے مرنے سے پہلے حماقت کی ہے لیکن میں تمہارے باپ کو لاکر کے وہ کاغذات پڑھنے نہیں دوں گا۔ تم پر کوئی شبہ نہیں کرے گا۔"

شوبر نے کہا "کل سے کہاں غائب تھے؟ معاملہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ جب تم نہیں آئے تو میرے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ ممی کے لاکر کو تڑوا کر وہاں سے کاغذات نکلوا لوں۔"

لمبوڈا نے پوچھا "تم بینک کا لاکر کیسے تڑوا سکتے تھے؟"

"ایک بدنام مجرم نے میرے لئے ڈاکا ڈالا تھا۔ مجھے امید تھی وہ لاکر سے میری مطلوبہ چیزیں لے آئے گا۔ جب کافی انتظار کے بعد وہ نہیں آیا تو میں بینک کی طرف گیا۔ وہاں پتا چلا ڈاکا ڈالنے والے پکڑے گئے ہیں۔ پتا نہیں وہ ہمارے لاکر تک پہنچا تھا یا نہیں؟ اگر پہنچا ہو گا تو ہمارے کاغذات پولیس کے ہاتھ لگ گئے ہوں گے۔"

لمبوڈا نے غصے سے کہا "تم نے جلدی بازی میں بڑی حماقت کی ہے۔ بینک منیجر کا فون نمبر ڈائل کرو۔ میں کاغذات کی متعلق ابھی معلوم کروں گا۔"

شوبر نے رابطہ کیا۔ لمبوڈا اس کے ذریعے منیجر کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ ڈاکا ڈالنے والوں نے ویرا اور شوبر کے لاکروں کو فائر کر کے توڑا تھا۔ اس میں سے تمام سامان نکال لیا تھا لیکن گرفتاری کے بعد بینک کی لوٹی ہوئی صرف نقد رقم ہی واپس ملی۔ لاکر کا کوئی سامان نہیں ملا۔ گرفتار ہونے والا یہ بتانے کو تیار نہیں ہے کہ وہ سامان کہاں غائب ہو گیا ہے۔

لمبوڈا نے منیجر کو مائل کیا کہ وہ متعلقہ پولیس افسر سے رابطہ کرے اس نے رابطہ کر کے افسر سے پوچھا "کیا مجرم نے بتایا ہے کہ دونوں لاکروں کے کاغذات کہاں ہیں؟"

افسر نے کہا "نہیں۔ مجرم بہت ڈھیٹ ہے۔ کہتا ہے تمام سامان اٹیچی میں تھا۔ وہ اٹیچی بینک منیجر کے پاس پہنچادی گئی تھی۔"

لمبوڈا اس افسر کو حوالات میں جیکب کے پاس لے گیا پھر جیکب کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا کہ ایک جوان نے اچانک بینک میں آکر ڈاکے کی واردات کو ناکام بنایا تھا۔ وہی تمام کاغذات لے گیا ہے۔

لمبوڈا نے پھر اس افسر کی سوچ پڑھ کر معلوم کیا کہ وہ نوجوان ملٹری انٹیلیجنس کے چیف واسکوڈی تھرما کا عزیز ہے اور اس کا نام کارمن ہیراللہ ہے۔

افسر نے لمبوڈا کی مرضی کے مطابق نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر ایک ماتحت نے بتایا کہ چیف واسکوڈی تھرما دفتر سے گھر گئے ہیں۔

افسر نے گھر کا فون نمبر پوچھا۔ پھر اس نے نمبر پر رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے علی نے پوچھا "ہیلو کون ہے؟"

افسر نے کہا "میں پولیس افسر ہوں۔ چیف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

علی نے ریسیور واسکوڈی تھرما کو دیتے ہوئے کہا "کوئی پولیس افسر ہے۔"

اس نے ریسیور لے کر پوچھا "ہیلو میں چیف بول رہا ہوں۔ تم کس علاقے سے بول رہے ہو۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ وہ بھی ریسیور رکھتے ہوئے بولا "شاید لائن کٹ گئی ہے۔"

اسی لمحے اُس نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا پھر کہا "کوڈ ورڈز ادا کرو۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ پھر دوبارہ سانس لیتے ہوئے انتظار کرنے لگا۔ جان لبوڈا نے ایڈگر کے دماغ میں رہ کر جے مورگن کے کوڈ ورڈز سنے تھے۔ جے مورگن کبھی کبھی ایڈگر کے دماغ میں آکر ضروری باتیں کیا کرتا تھا۔

جب واسکوڈی تھرما نے کوڈ ورڈز کے متعلق پوچھا تو لبوڈا نے دوبارہ دماغ میں جا کر وہی کوڈ ورڈز ادا کئے۔ واسکوڈی تھرما نے فوراً ہی سانس روک کر اسے بھگا دیا اور سوچا۔ یہ کوڈ ورڈز جے مورگن ایڈگر کے دماغ میں ادا کرتا ہے۔ اگر ابھی جے مورگن آیا تھا تو اس نے وہ کوڈ ورڈز کیوں ادا نہیں کئے جو میرے لئے مخصوص ہیں۔

لبوڈا نے افسر کے ذریعے فون پر پہلے علی کی آواز سنی تھی۔ وہ واسکوڈی تھرما کے پاس سے ناکام ہو کر علی کے دماغ میں آیا۔ اس نے بھی سانس روک لی۔ کیوں کہ لیلیٰ اس کے پاس آتے ہی کہتی تھی "امی ہوں۔"

علی نے کہا "انکل! ابھی کوئی میرے دماغ میں آنا چاہتا تھا۔"

"ہاں بیٹے! میرے دماغ میں بھی کسی نے آنے کی کوشش کی تھی۔"

"کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا اس پولیس افسر کے ذریعے ہمارے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ان کاغذات سے دلچسپی ہے۔"

واسکوڈی تھرما نے وہ کاغذات اور ڈائری پڑھنے کے بعد علی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ویرا اور شوبرا ایک گولڈن برین ایڈگر کی بیوی اور بیٹا ہیں۔ ابھی لبوڈا نے ایڈگر کے لئے مخصوص رہنے والے کوڈ ورڈز ادا کر کے اس شبہ کی تصدیق کی تھی کہ وہ گولڈن برین ایڈگر اور اس کی فیملی وطن سے غداری کر رہے ہیں۔

وہ کاغذات اور ڈائری لے کر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "کارمن بیٹے! تم نہیں جانتے کہ اب تیسری بار تم ایک اور کارنامہ انجام دے رہے ہو۔ میں تم سے بعد میں باتیں کروں گا۔ ابھی میرا جانا ضروری ہے۔"

وہ باہر کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اسے اسٹارٹ کر کے دور تک ڈرائیو کرتا ہوا گیا پھر ایک جگہ رک کر اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک چھوٹا ٹرانسمیٹر نکالا، اسے آپریٹ کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا "ہیلو الپا! اٹ از جی بی ٹو واسکوڈی تھرما اسپیکنگ مجھے پورا یقین ہے جی بی تھری ایڈگر غدار ہے۔ تم جان لبوڈا کی آواز اور لہجے کو خوب پہچانتی ہو۔"

"جی ہاں۔ اچھی طرح پہچانتی ہوں۔"

"اس کا لہجہ اختیار کر کے ایڈگر کے دماغ میں جاؤ۔ کسی کوڈ ورڈز کے بغیر جگہ مل جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایڈگر، جان لبوڈا کا معمول ہے اور تابعدار بن چکا ہے۔ تم خاموشی سے چور خیالات پڑھ آؤ۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر کار اسٹارٹ کر کے اپنے ایک پرائیویٹ بنگلے تک آیا۔ اس بنگلے میں ویسا ہی ایک خفیہ کمرا تھا جیسا کہ راجر موس کے بنگلے میں تھا۔ اس نے وہاں آکر کمپیوٹر کے ذریعے راجر موس سے رابطہ کیا اور اسے موجودہ حالات بتائے۔

راجر موس نے کہا "میرے پاس الپا آئی ہے۔ ابھی میرے اور اس کے درمیان جو گفتگو ہو رہی ہے اسے میں کمپیوٹر کے ذریعے تمہارے سامنے پہنچا رہا ہوں۔"

الپا نے کہا "سر! ایڈگر محبِ وطن ہے۔ کسی فریب میں آکر لبوڈا کا غلام بن گیا ہے۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ اس کی بیوی ویرا مر چکی ہے۔ اس نے موت سے پہلے کہا تھا کہ اس کے بینک کے لاکر سے اہم کاغذات نکال کر ضرور پڑھے جائیں لیکن بینک میں ڈاکا ڈالنے والوں نے وہ کاغذات غائب کر دئے ہیں۔"

واسکوڈی تھرما نے کہا "وہ کاغذات ہمارے پاس پہنچ گئے ہیں۔"

"سر! میں ایڈگر کے بیٹے شوبر کے پاس گئی تھی اس کی سوچ نے بتایا کہ جان لبوڈا نے ان ماں بیٹے کو کیلیفورنیا میں زمینیں دی ہیں اور انہیں ایک موٹر کمپنی کا مالک بنا دیا ہے۔"

"شکریہ الپا! تم آرام کرو۔"

پھر اس نے راجر موس سے کہا "نمبر ون! ہم نے زبردست دھوکا کھایا ہے۔ جان لبوڈا ہمارے ایڈگر کے دماغ میں رہ کر ہمارے تمام گولڈن برینز کے نام اور پتے معلوم کر چکا ہے۔ بہت سے اہم معاملات پر ہمارے رازدارانہ فیصلے سن چکا ہے۔ ایسے بہت سے راز معلوم کر چکا ہے جنہیں ہم دنیا سے چھپاتے آرہے ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم کر چکا ہے کہ ہم امریکا کو کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے بلیک میل کر کے اس سے بھاری امداد حاصل کرتے ہیں۔"

"بے شک، یہ ہمارے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ ہمیں فوراً حفاظتی اقدامات کرنے چاہئیں۔ سب سے پہلے ہم اپنے نام، پتے اور کوڈ ورڈز تبدیل کریں گے۔ یہ بات ہمارے حق میں ہے کہ ایڈگر کسی گولڈن برین کو شکل سے نہیں پہچانتا تھا۔ یہ تو صرف ہم اور تم دوسرے گولڈن برینز کو شکل و صورت سے پہچانتے ہیں۔"

وہ آئندہ کے لئے اپنے طریقۂ کار میں اور اپنی پالیسیوں میں تبدیلیاں کرنے کی پلاننگ کرنے لگے۔ راجر موس نے ایک اعلیٰ حاکم سے کہا کہ وہ امریکی حکام سے شکایت کرے کہ جان لبوڈا ہارے ملکی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

ادھر لبوڈا نے سمجھ لیا تھا کہ ایڈگر کو گولڈن برین کے عہدے ے ہٹا دیا جائے گا۔ اس نے اُس کے بیٹے شوبر سے کہا "تم باپ بیٹے کی شامت آگئی ہے اور یہ شامت لانے والا ملٹری انٹیلی جنس کا چیف واسکوڈی تھرما ہے۔ اگر تم کسی طرح چیف کو زخمی کر دو تو یں اس کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے تمہاری حمایت میں بولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

جان لبوڈا کی اب یہی کوشش تھی کہ کسی بھی گولڈن برین کے ماغ پر قبضہ جما کر اُن کے درمیان پہلے کی طرح رہا کرے۔ وہ ایڈگر کے ذریعے تمام گولڈن برینز کے نام پتے معلوم کر چکا تھا۔ اس نے ہ نام اور پتے شوبر کو بتائے اور وہاں قیام کرنے والے اپنے چند یکرٹ ایجنٹس کو بھی بتائے، انہیں تاکید کی کہ ایک گھنٹے کے اندر کسی کو بھی زخمی کر دیا کسی طرح ان کے دماغوں کو کمزور بناؤ۔ دیر ہوگئی تو وہ موجودہ رہائش گاہیں چھوڑ کر کہیں رُوپوش ہو جائیں گے۔

امریکا ایک باپ کی طرح اسرائیل کو اولاد سمجھ کر اُس کی پرورش کرتا آرہا ہے۔ اسے اسلامی ممالک کے مقابلے میں سپر پاور نا رہا ہے لیکن یہ بھی سمجھتا ہے کہ اسرائیل ناجائز اولاد ہے۔ وقع ملنے پر یہ باپ کی بھی پیٹھ میں چھرا گھونپ دے گا۔ اس لئے سپر سٹر کو یہ منظور نہیں تھا کہ گولڈن برینز پُراسرار بن کر رہیں اور مریکا کے مشورے کے بغیر وہ خارجہ پالیسیاں مرتب کریں جن سے بھی امریکا کو بھی نقصان پہنچ سکے۔

لیلیٰ نے آکر علی سے کہا "ابھی میں شوبر کے پاس تھی۔ جان بوڈا نے اس جوان کو تین گولڈن برینز کے نام اور پتے بتائے ہیں ور اسے تاکید کی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی فوراً دماغی طور پر لزور بنائے تاکہ اسے خیال خوانی کے ذریعے گولڈن برینز کے رمیان رہنے کا موقع ملتا رہے۔"

علی یہ سنتے ہی کار میں آکر بیٹھ گیا پھر بولا "آپ شوبر کو دیکھیں جہاں جائے، وہاں تک آپ میری راہنمائی کریں۔"

وہ بولی "ذرا ٹھہرو۔ شوبرا اسی طرف آرہا ہے کیوں کہ واسکوڈی رما کی رہائش یہیں ہے۔ میں اسے ایک اور گولڈن برین جان نویل طرف لے جاتی ہوں۔ وہ شہر ایلات میں رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے امی! اس طرح ایک اور گولڈن برین سے میرا لق ہو جائے گا۔ میں ایلات کی طرف جا رہا ہوں۔"

لیلیٰ چلی گئی۔ وہ تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچنے جان لبوڈا صرف شوبر سے کام نہیں لے رہا ہوگا۔ اس کے اپنے وس اور دوسرے آلۂ کار بھی تمام گولڈن برینز پر حملہ کرنے لے ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد لیلیٰ نے آکر کہا "میں نے شوبر کو ایلات کے ستے پر لگا دیا ہے۔"

"امی! پتا نہیں لبوڈا کتنے آلۂ کاروں سے کام لے رہا ہے ان میں سے کوئی واسکوڈی تھرما کو نقصان پہنچانے آئے گا تو اس بنگلے میں پامیلا تنہا ہوگی۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اس کا انتظام کرتی ہوں۔"

وہ پامیلا کے پاس آئی تو علی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ دو شخص جبراً بنگلے میں گھس آئے تھے اور واسکوڈی تھرما کو پوچھ رہے تھے۔ پامیلا غصے سے کہہ رہی تھی "نکل جاؤ یہاں سے۔ انکل تم لوگوں سے نہیں ملیں گے۔"

ان دونوں نے پامیلا کو گھسیٹ کر ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ ایک نے کہا "اگر تمہارا وہ انکل ہمیں نہ ملا تو تمہیں گولی مار دیں گے۔"

لیلیٰ بولنے والے کے دماغ میں آگئی۔ اسے اپنا آلۂ کار بنا کر اس کے ریوالور سے گولی چلائی۔ اس کا ساتھی چیخ مار کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

پھر لیلیٰ نے اس کی زبان سے علی تیمور کے لہجے میں کہا "پامیلا! میں آگیا ہوں۔ تم پریشان نہ ہونا۔ تمہارے کمرے کا دروازہ کھول کر دوسرے دشمن کو بھی ختم کر کے جا رہا ہوں لیکن تم ابھی باہر نہ آنا۔"

پامیلا نے کمرے کے اندر سے پوچھا "مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟"

لیلیٰ نے پھر اس کے ذریعے کہا "ان دشمنوں سے پتا چلا ہے کہ ان کے ساتھی جان نویل کو نقصان پہنچانے ایلات گئے ہیں۔ انکل آئیں تو بتا دینا میں ایلات گیا ہوں۔"

لیلیٰ نے اس آلۂ کار کے ذریعے دروازے کی چٹخنی نیچے کر دی۔ پھر اسے خودکشی پر مجبور کر دیا۔ پامیلا نے دوسری مرتبہ فائرنگ کی آواز سن کر پوچھا "کارمن! تم خیریت سے ہو؟"

اب کوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔ لیلیٰ پامیلا کے پاس آگئی۔ وہ رو رہی تھی اور سوچ رہی تھی وہ دوسری گولی کارمن کو لگی ہے اسی لئے جواب نہیں مل رہا ہے۔

لیلیٰ نے اس کی سوچ میں تسلی دی "نہیں، میرا کارمن ایلات گیا ہے۔ وہ خیریت سے ہے۔ مجھے کمرے سے نکل کر دیکھنا چاہئے۔"

وہ ڈرتے ڈرتے باہر آئی۔ پھر دونوں دشمنوں کی لاشیں دیکھ کر مطمئن ہو گئی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے واسکوڈی تھرما نے کہا "بیٹی! چار مسلح گارڈز بھیج رہا ہوں۔ وہ بنگلے کے اطراف میں پہرا دیں گے، کارمن کہاں ہے؟"

"انکل! یہاں دو بدمعاشوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ کارمن نے دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ان کی لاشیں یہاں پڑی ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ریسیور کارمن کو دو۔"

"وہ ایلات گئے ہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے بدمعاش کہہ رہے تھے کہ ان کے ساتھی وہاں کسی جان نوبل کو قتل کرنے گئے ہیں۔"

"بیٹی! تم ایک دلیر نوجوان کی شریکِ حیات ہو۔ حوصلے سے رہو۔ مسلح گارڈز پہنچ رہے ہیں۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ لیلیٰ نے علی کے پاس آکر یہ ساری روداد سنادی اس نے کہا "یہ آپ نے اچھا کیا۔ اب یہ جواز پیدا ہوگیا کہ مجھے کسی جان نوبل کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔ ویسے امی! جان لبوڈا کی ناکام کوششوں سے ہمیں فائدہ پہنچ رہا ہے۔"

"یہ بات خود لبوڈا سمجھ رہا ہے کہ تمام گولڈن برنیز کی رہائش گاہوں کے اطراف اب تک پہرا لگ چکا ہوگا۔ وہ ایک موہوم سی امید پر کوششیں کررہا ہے۔"

واقعی اتنی دیر میں تمام گولڈن برنیز کی حفاظت کا انتظام ہو چکا تھا۔ ان سب کی رہائش گاہوں کے اطراف مسلح فوجی جوان پہرا دے رہے تھے لیکن جہاں ٹیلی پیتھی ہو' وہاں فوج اور ہتھیار بھی محض نمائش کی چیزیں بن کر رہ جاتے ہیں۔

جان لبوڈا اور اس کے ماتحت ٹیلی پیتھی جاننے والے کسی نہ کسی کو ذریعہ بنا کر فوجی جوانوں کے دماغ میں پہنچ رہے تھے۔ اسی طرح ایلات میں جان نوبل کے بنگلے کے اطراف سخت پہرا تھا۔ شوبر وہاں پہنچا تو جان لبوڈا نے اس کی مدد کی۔ بڑی حکمتِ عملی سے پہریداروں کو ٹریپ کرتا گیا اور شوبر کے لئے بنگلے کے اندر پہنچنے کا راستہ بناتا گیا۔

راستہ اپنے لئے بنایا جاتا ہے اور جب بن جاتا ہے تو پھر دوسرے بھی اس پر چل کر آتے جاتے ہیں۔ شوبر کے پیچھے علی کے لئے بھی راستہ صاف ہوگیا تھا۔ جان نوبل نے شوبر کو دیکھا پھر پریشان ہو کر پوچھا "تم کون ہو؟ میری اجازت کے بغیر کیسے آئے ہو؟"

وہ بولا "اجازت تم کبھی نہ دیتے۔ اسی لئے پہرا توڑ کر آیا ہوں۔ تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو دماغ کے دروازے کھلے رکھو۔ آنے والے کو سانس روک کر نہ بھگاؤ۔"

"میں کسی کو آنے نہیں دوں گا۔ میرا یہ دماغ ملکی رازوں کا امین ہے۔ جو بھی ان رازوں تک پہنچنے کے لئے آئے گا' میں سانس روک لوں گا۔"

وہ ریوالور سے نشانہ لے کر بولا "میں ہمیشہ کے لئے تمہاری سانس روک دوں گا۔"

لبوڈا نے کہا "شوبر! یہ میرے جاتے ہی سانس روک لیتا ہے' اسے زخمی کردو۔"

شوبر نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھانا چاہا۔ الپا نے کہا "لبوڈا ایک تم ہی خیال خوانی نہیں کرتے۔ تمہارا یہ آلۂ کار میری مرضی کے بغیر ٹریگر نہیں دبا سکے گا۔"

شوبر کا دماغ لبوڈا اور الپا کی کشمکش میں الجھ گیا۔ دونوں خیال خوانی کا زور لگا کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے۔ کبھی یوں لگتا تھا جیسے گولی چل جائے گی اور کبھی ریوالور کا رخ دوسری طرف ہوجاتا تھا۔ ایسے ہی وقت علی نے آکر اس کے ریوالور پر ٹھوکر ماری۔ پھر گھوم کر دوسری طرف ٹھوکر منہ پر رسید کردی۔ ریوالور ایک طرف گیا وہ دوسری طرف جا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ جیسی گیند دیوار سے ٹکرا کر واپس آتی ہے۔ ویسے ہی وہ آیا۔ آتے ہی کراٹے کا ہاتھ مارنا چاہتا تھا' علی نے ہاتھ پکڑ کر موڑ دیا۔

الپا شوبر کے اندر تھی۔ اسے یوں لگا جیسے شوبر کا ہاتھ آہنی شکنجے میں آگیا ہو۔ جان لبوڈا اس کے اندر رہ کر زور لگا رہا تھا۔ گویا شوبر اور لبوڈا کی دگنی طاقت استعمال ہو رہی تھی اس کے باوجود آہنی شکنجے میں مڑا ہوا ہاتھ سیدھا نہیں ہو رہا تھا۔

علی نے کہا "شوبر! میں نہیں جانتا کہ یہ مسٹر جان نوبل کون ہیں لیکن تم انہیں کمزور بنا کر کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو ان کے دماغ میں گھسانا چاہتے ہو تو اس کا مطلب ہے' مسٹر جان نوبل میرے ملک کی اہم ترین شخصیت ہیں۔ میرے جیتے جی کوئی میرے وطن کے کسی بھی اہم یا معمولی شخص کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے مڑے ہوئے ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔ شوبر کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

الپا چونک کر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوگئی۔ بے اختیار اپنے ہاتھ کو یوں سہلانے لگی جیسے شہ زور نے اس کا ہاتھ موڑا ہو۔ دل کی دھک دھک کہہ رہی تھی "چھوڑ میری نازک کلائی" پھر وہ اپنی کلائی کو دیکھ کر اسے سہلاتے ہوئے سوچ رہی تھی "ابھی تو یہ آزاد ہے۔ اس نے پکڑا نہیں ہے۔ جکڑا نہیں ہے۔ یہ تو احساس ہے جس نے جکڑ لیا ہے۔"

ادھر علی نے اس کا ہاتھ توڑ کر دھکا دیتے ہوئے اسے جان نوبل کے قدموں میں گرا دیا پھر کہا "سر! میں نے اسے توڑ دیا ہے۔ مگر آپ ہوشیار رہیں۔ اس کے دماغ میں کوئی دشمن چھپا ہوا ہے۔"

جان نوبل نے قریب آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "جوان، تم کون ہو؟"

"میرا نام کارمن ہیراللہ ہے۔ میں راجر موس کا داماد ہوں۔"

اس نے حیرانی اور خوشی سے دیکھا پھر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا "تم مسٹر موس کے داماد ہو تو پھر میرے بھی بیٹے ہو۔"

علی نے گلے لگنے کے بعد اسے ایک طرف دھکا دیا۔ اس لمحے ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی ان کے درمیان سے گزر گئی۔ علی نے گھوم کر لات ماری۔ ریوالور پھر ایک بار شوبر کے ہاتھ سے نکل کر دور چلا گیا۔ جان لبوڈا' شوبر کی تکلیف کے باوجود اسے گھسیٹ کر فرش پر پڑے ہوئے ریوالور کی طرف لے جانے لگا۔

علی نے ریوالور اٹھا کر جان نویل سے کہا "ابھی میں نے کہا تھا کہ اس کا ہاتھ توڑ دیا ہے لیکن کوئی دشمن اس کے اندر ہے۔ اس نے ہمیں غافل سمجھ کر گولی چلائی تھی۔ اب میں اسے گولی ماروں گا تو دشمن اس کے دماغ میں نہیں رہ سکے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے شوہر کو گولی ماردی۔ جان لبوڈا کا محاذ ختم ہوگیا۔ اب وہ جان نویل کو نقصان پہنچا کر اُس کے دماغ میں نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے گولڈن برین راجر موس کی طرف گیا تاکہ کارمن سے انتقام لینے کے لئے اس کے سسر کے دماغ میں اپنے آلۂ کاروں کے ذریعے جگہ بنانے کی کوشش کرے۔

ادھر الپا پھر شوہر کے پاس آئی تھی اور اسے گولی لگتے ہی اپنی جگہ حاضر ہوگئی تھی۔ اب وہاں کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پتا نہیں اپنے اندر کیا ہوگیا تھا کہ وہ پھر اس کی آواز اور پتھر جیسا لہجہ سننا چاہتی تھی۔

اس نے ریسیور اٹھا کر جان نویل کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف جان نویل نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو کون ہے؟"

"سر! میں الپا ہوں۔ کوڈ نمبر اے ایل اے ڈبل ون ہے۔"

"ہاں بولو۔ خیریت ہے؟"

"جی ہاں۔ تھوڑی دیر پہلے میں اس قاتل کے دماغ میں تھی جو اب مقتول ہوگیا ہے۔ آپ کی حفاظت کرنے والا جوان شاید کارمن ہیرالڈ ہے۔ مجھے اس کا موبائل نمبر چاہئے تاکہ میں اُس کی ذہانت اور دلیری سے کام لے سکوں۔"

جان نویل نے علی سے کہا "ہماری ایک خیال خوانی کرنے والی الپا کا فون ہے۔ تم اپنا موبائل فون نمبر بتاؤ۔"

علی نے نمبر بتائے۔ جان نویل نے وہ نمبر الپا کو بتادئے۔ علی نے کہا "مجھے مس الپا کے کوڈ نمبرز معلوم ہونے چاہئیں۔"

الپا نے فون کے ذریعے کہا "کوڈ نمبرز نہیں، کوڈ ورڈز بتارہی ہوں اور وہ یہ ہیں۔ محبت کے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوتا ہے۔"

جان نویل نے ہنستے ہوئے کہا "بھئی جوانوں کے کوڈ ورڈز ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

اس نے علی کو کوڈ ورڈز سنائے۔ پھر ریسیور دیا۔ وہ ریسیور کان سے لگا کر پتھر جیسے لہجے میں بولا "مجھے یہ کوڈ ورڈز پسند نہیں ہیں۔ جب بھی مجھ سے رابطہ کرو تو یہ کہو "محبت کو بھول جاؤ فرض کو یاد رکھو۔"

وہ بولی "چلو فرض ہی سہی۔ رابطے کا کوئی تو بہانہ رہے گا۔ یہ بتاؤ ابھی تمہارے لئے کیا کرسکتی ہوں۔"

"مسٹر راجر موس کی خیریت معلوم کرو۔"

وہ گئی۔ پھر چند سیکنڈ بعد آکر بولی "بری خبر ہے۔ تمہاری ساس یعنی راجر موس کی بیوی کو دشمنوں نے مار ڈالا ہے اور بنگلے کے اندر وہ راجر موس کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"اوہ گاڈ! میں اتنی دور ہوں، فوراً ہی پہنچ نہیں سکتا۔ میں کیا کروں؟"

"کارمن! صرف دس منٹ کی ڈرائیو پر فوجی چھاؤنی ہے۔ وہاں چلو۔ میں تمہارے لئے ایک ہیلی کاپٹر تیار رکھوں گا۔"

وہ جان نویل سے رخصت ہو کر دس منٹ میں فوجی چھاؤنی پہنچا پھر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر چالیس منٹ میں تل ابیب پہنچ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ راجر موس اپنی خواب گاہ کے پیچھے ایک خفیہ کمرے میں چھپا ہوگا اور دشمن اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے ہوں گے۔

جب وہ راجر موس کی بنگلے کے سامنے پہنچا تو فوجی جوان محاذ بنائے ہوئے تھے۔ الپا نے ایک فوجی افسر سے علی کا تعارف کرایا۔ افسر نے کہا۔ "مسٹر کارمن! پتا نہیں آپ کے فادر اِن لا کہاں ہیں لیکن بنگلے کے اندر دشمنوں نے مورچا بنا رکھا ہے۔"

علی نے انجان بن کر پوچھا "کیا آنسو گیس کے ذریعے دشمنوں کو باہر آنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا؟"

"ہم ایسا کرسکتے ہیں لیکن میجر یارڈلے . . . . . . کا حکم ہے کہ ہم ایسا نہ کریں۔ کسی دوسری تدبیر سے دشمنوں کو باہر نکالیں۔"

"کیا ہمارے خیال خوانی کرنے والے اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتے؟"

"بنگلے کے اندر جو دشمن ہیں، انہوں نے زبانیں بند رکھی ہیں۔ گونگے بن گئے ہیں۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والے ان کے دماغوں میں نہیں پہنچ سکیں گے۔"

الپا نے دماغ میں آکر کوڈ ورڈز ادا کئے "محبت کو بھول جاؤ۔ فرض کو یاد رکھو۔"

علی نے کہا "دماغ میں نہیں، فون پر آؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ وہ باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ علی نے فون ریسیور کو کان سے لگایا۔ وہ بولی "اگر دماغ میں رہنے دیتے تو کیا بھیجا کھالیتی! ایسی بھی کیا بے رخی ہے۔"

"کام کی باتیں کرو۔"

"میں معلوم کرچکی ہوں مسٹر راجر موس خیریت سے ہیں۔"

"تم نے کیسے معلوم کیا؟"

"یہ ایک سرکاری راز ہے۔ میں نہیں بتاؤں گی۔"

"اس کا مطلب ہے میرے سسر کی بھی بہت زیادہ سرکاری اہمیت ہے۔ یہ بتاؤ۔ بنگلے کے سامنے والے دروازے کو بلاسٹ کیا جائے تو مسٹر راجر موس کو نقصان پہنچے گا؟"

"نہیں، وہ محفوظ رہیں گے۔"

"تمہارے اس یقین سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر موس اسی بنگلے کے اندر ہیں مگر کسی محفوظ گوشے میں ہیں۔"

"تم بہت چالاک ہو، باتوں کی ہیرا پھیری سے بہت کچھ معلوم کرلیتے ہو۔"

"کیا فوجی چھاؤنی سے ایک درجن کتے آسکتے ہیں؟"

"ضرور آسکتے ہیں۔"

"انہیں فوراً یہاں لانے کی کوشش کرو۔"

آدھے گھنٹے میں ایک درجن کتے آگئے۔ کتوں کے دو ٹرینرز بھی تھے علی نے ایک آفیسر سے کہا "ہینڈ گرینیڈ سے وہ سامنے والا دروازہ توڑ دو۔"

افسر نے اعتراض کیا۔ الپا نے کہا "میجر یارڈلے کا حکم ہے کہ مسٹر کارمن کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔"

افسر نے ایک کم قوت کا بم بنگلے کے دروازے کے سامنے پھینکا ایک دھماکے کے ساتھ دروازہ ٹوٹ گیا۔ لبوڈا کے آلۂ کار اندر سے فائرنگ کرنے لگے۔ علی نے جوابی فائرنگ سے منع کردیا۔ ادھر خاموشی رہی تو ادھر سے بھی فائرنگ بند ہوگئی۔ تب علی کے حکم کے مطابق دونوں ٹرینروں نے اپنے کتوں کو بنگلے کے اندر جانے کا سگنل دیا وہ ایک درجن کتے تیزی سے دوڑ کر بھونکتے ہوئے اندر جانے لگے۔ اندر سے فائرنگ ہونے لگی۔

فائرنگ کے نتیجے میں دو چار کتے گولیاں کھا کر گرے، باقی اندر پہنچ گئے۔ فائرنگ کرنے والوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ وہ جان بچانے اور کتوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے باہر آنے لگے اور گولیاں کھا کر گرنے لگے۔ چند منٹوں میں میدان صاف ہوگیا۔

الپا نے خیال خوانی کے ذریعے راجر موس کو بتایا "خطرہ ٹل گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی بنگلے کے اندر آئے آپ خفیہ کمرے سے نکل آئیں۔"

جب وہ خفیہ کمرے سے خواب گاہ میں آیا تو مکان کے مختلف حصوں میں فوجی بوٹوں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بلند آواز میں کہا "میں یہاں خیریت سے ہوں۔ کوئی گولی نہ چلائے۔"

خواب گاہ میں سب سے پہلے علی آیا۔ راجر موس نے اسے گلے لگا کر کہا "کارمن بیٹے! تم نے ایسے ایسے کارنامے انجام دئے ہیں کہ میرا سر فخر سے اونچا ہوگیا ہے۔ تمہیں جلد ہی ایک ایسے عہدے پر فائز کیا جائے گا جس کے متعلق تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

مختلف شہروں سے خیال خوانی کے ذریعے راجر موس کو اطلاع ملنے لگی کہ تمام گولڈن برینز خیریت سے ہیں اور ایک گولڈن برین ایڈگر کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔

لیلیٰ نے میرے پاس آکر کہا "علی ہوا کی رفتار سے بھی زیادہ فاسٹ ہے۔ اس نے تمام گولڈن برینز کے دل و دماغ کو تسخیر کرلیا ہے۔ بہت جلد اسے ایڈگر کی جگہ گولڈن برین بنادیا جائے گا۔"

میں نے کہا "یہ خوش خبری اس کی سونیا مما کو سناؤ۔"

وہ سونیا کے پاس آئی۔ اس نے کہا "لیلیٰ! خاموشی سے مجھے دیکھو اور چلی جاؤ۔ پھر چھ ماہ تک مجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھے۔"

وہ باباصاحب کے ادارے میں تھی۔ اس ادارے میں بابا فرید واسطی مرحوم کا ایک حجرہ تھا۔ جہاں وہ زندگی کا بیشتر حصہ عبادت میں گزار کر گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہ حجرہ مقفل رہتا تھا۔ وہاں صرف دو ہی ہستیاں جاتی تھیں۔ جناب علی اسد اللہ تبریزی اسے کھول کر اپنی نگرانی میں صفائی کراتے تھے پھر اسے مقفل کردیتے تھے۔ دوسری ہستی سونیا تھی جو وہاں قدم رکھ سکتی تھی۔

وہ حجرے کا قفل کھول کر وہاں کی صفائی کررہی تھی۔ باباصاحب کے مزار سے اگربتی کا خوشبودار دھواں فضا میں پھیل رہا تھا۔

باباصاحب نے اپنی تعلیمات میں کہا تھا۔ مسلمان اور باایمان رہنے کے لئے صرف اپنی نیت نیک رکھو۔ ہماری دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو ہر پہلو سے اپنی نیت صاف رکھتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنی ہی نیت کی خرابی کو سمجھنا نہیں چاہتے۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو ایک برائی کرتے ہیں۔ پھر ایک بھلائی کرتے ہیں۔ پھر ایک برائی کرتے ہیں۔ پھر ایک بھلائی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حساب برابر ہوتا جارہا ہے۔ وہ غلطی پر ہیں، اگر یہ سمجھتے ہیں کہ آخرت میں پکڑ نہیں ہوگی۔

حجرے کی صفائی کرتے وقت سونیا کو بابا مرحوم کی بہت سی باتیں یاد آرہی تھیں۔ انہوں نے آخری وقت سونیا سے کہا تھا "بیٹی! تیری نیک نیتی بے مثال ہے۔ خدائے واحد پر تیرا ایمان مستحکم ہے۔ اتنا مستحکم کہ تو بندوں سے کچھ نہیں مانگتی۔ اپنی ذات کو اور اپنی خواہشات کو خدا کی رضا پر چھوڑ دیتی ہے۔

اس لئے تیری وہ خواہشیں بھی پوری ہوں گی جو ادھوری رہ گئی ہیں۔

تجھے تیرا بے وفا محبوب ایک دن جیون ساتھی کی حیثیت سے ملے گا۔

جب تو منکوحہ بن جائے گی تو میرے حجرے میں دوبارہ آئے گی، ایک بار چھ ماہ کے لئے۔ دوسری بار چھ دن کے لئے۔

اور جب چھ دنوں کے لئے آئے گی تو وہ تیری زندگی کے آخری دن ہوں گے۔

سونیا نے صفائی کے بعد وضو کیا۔ پھر اس جگہ نماز کے لئے کھڑی ہوگئی جہاں بابا مرحوم نماز پڑھا کرتے تھے۔

انہوں نے فرمایا تھا۔ تو چھ ماہ تک میرے حجرے میں تنہا رہے گی۔ کوئی تجھ سے ملاقات کے لئے نہیں آئے گا۔ تو خود پکائے گی اور کھائے گی۔ حتیٰ کہ چھ ماہ کے آخری ایام میں اس وقت بھی کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی جب تو دردِ زہ میں مبتلا رہے گی۔

اور تو اس وقت بھی تنہا رہے گی جب ایک بچے کو جنم دے گی۔

خدا کہتا ہے "کن" اور سب کچھ ہوجاتا ہے۔
اور خدا عالم الغیب ہے۔

جان لمبوڈا کو آزادی اور خود مختاری حاصل تھی۔ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے ملک کے پیچیدہ مسائل حل کرتا آرہا تھا۔ وہاں کے اعلیٰ حکام اور سپر ماسٹر ہولی مین وغیرہ اس پر اندھا دھند اعتماد کرتے تھے۔ حب الوطنی اور فرض شناسی کے پیشِ نظر وہ واقعی قابلِ اعتماد تھا۔

جن دنوں ٹرانسفارمر مشین موجود تھی اور علی تیمور نے اسے تباہ نہیں کیا تھا' اُن دنوں جان لمبوڈا نے ایک نوجوان کے لئے سفارش کی تھی کہ اسے بھی ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی پیتھی کا علم سکھایا جائے۔ اس کا نام بی جی تھربال تھا' پورا نام بین جین تھربال تھا۔ وہ اسے مختصر کرکے بی جی تھربال لکھتا تھا۔

تھربال کو مختلف آزمائشی مراحل سے گزارا گیا تھا۔ ملٹری ٹریننگ سینٹر میں اسے ہر طرح کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ جان لمبوڈا اور سپر ماسٹر ہولی مین کا وفادار تھا۔ دونوں نے بڑی رازداری سے بی جی تھربال کو ٹیلی پیتھی کا علم دیا تھا۔ ٹاپ سیکرٹ فائلوں میں بھی اس کا نام اور ریکارڈ نہیں رکھا تھا۔

وہ اب تک یہی دیکھتے آرہے تھے کہ میں ان کے خفیہ ریکارڈز کے ذریعے ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے نام جان لیا کرتا ہوں' اس لئے انہوں نے بی جی تھربال کو آف دی ریکارڈ رکھا تھا۔ اس کی ڈیوٹی صرف ایک تھی' صرف ایک کہ وہ مجھے تلاش کرے۔ کسی جگہ بھی میری موجودگی کا ہر پہلو سے یقین کرے اور جب یقین ہوجائے کہ میں نظروں میں آگیا ہوں اور درمیان میں کوئی دیوار نہیں ہے تو وہ مجھے قتل کردے۔

اور جب تک مجھے قتل نہ کرے' یہ ظاہر نہ کرے کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے' اس کا نام بی جی تھربال ہے اور اس کا تعلق جان لمبوڈا اور سپر ماسٹر سے ہے۔

جب علی تیمور نے اس ٹرانسفارمر مشین کو تباہ کیا تو تھربال نے لمبوڈا سے کہا "مجھے اجازت دی جائے' میں علی تیمور کو قتل کروں گا وہ رُشی گن کے آس پاس کہیں ہوگا۔"

لمبوڈا نے کہا "اسے ہمارے تمام جاسوسی اور پولیس والے تلاش کررہے ہیں' تمہیں صرف فرہاد کی موت بنایا گیا ہے' تم اسے تلاش کرو۔"

دشمن بڑی مشکلوں سے سراغ لگاتے ہیں کہ میں کس ملک اور کس شہر میں ہوں۔ سراغ لگانے کے بعد بھی یقین نہیں ہوتا تھا کہ وہ میں ہوں' اسے میری ڈمی سمجھا جاتا تھا۔ جب میں سونیا کے ساتھ تل ابیب میں تھا' تب بھی وہ تصدیق نہ کرسکے۔ سونیا سے میرا نکاح پڑھایا گیا تب بھی انہیں یقین نہیں تھا کہ ہم دلہا دلہن ایک ہی شہر اور ایک ہی گھر میں ہیں یا اور کہیں ہیں۔

بی جی تھربال میری بو سونگھتا پھر رہا تھا اور مجھے اس کے وجود کی خبر نہیں تھی۔ وہ کبھی امریکا سے اسرائیل پھر اسرائیل سے فرانس جاتا رہا' جہاں میری موجودگی کی اطلاع ملتی وہاں پہنچ جاتا تھا۔ پھر ایک غلط اطلاع ملی کہ میں بلغاریہ میں ہوں' اس نے وہاں پہنچ کر فرمونا آندروف کو دیکھا تھا۔

وہ پہلے ہی اپنا یہ طریقۂ کار طے کرچکا تھا کہ مجھے حسین ترین عورتوں کے ذریعے پھانسے گا۔ سپر ماسٹر نے اس طریقۂ کار پر اعتراض کرتے ہوئے کہا "فرہاد عمر کے لحاظ سے بدل چکا ہے۔ پہلے جیسا عیاش نہیں ہے۔ تمہاری کوئی آلۂ کار حسینہ اسے سحرزدہ نہیں کرسکے گی۔"

تھربال نے کہا "آدمی کی عمر جتنی گزرتی جاتی ہے' وہ اتنا ہی ہوس پرست ہوتا جاتا ہے۔ فرہاد کے دو جوان بیٹے ہیں۔ اس لئے اب وہ جو کچھ کرتا ہوگا' چھپ کر کرتا ہوگا۔"

"یہ تمہاری قیاس آرائی ہے۔"

"وہ پارسا بن گیا ہوگا تب بھی بدنام ہوگا اور جو حسینہ اسے بدنام کرے گی' وہ حسن وشباب کے اعتبار سے غیر معمولی کشش رکھتی ہوگی۔ فرہاد اسے دیکھ کر توبہ توڑ دے گا۔"

تھربال ایسی ہی کسی جادوگر حسینہ کی تلاش میں تھا۔ اس نے چند حسین ترین لڑکیوں کو آلۂ کار بنا رکھا تھا۔ وہ ایسی لڑکیاں تھیں جن کے سامنے مقابلۂ حسن میں اول آنے والیاں ماند پڑجاتیں۔ پھر جب اسے فرمونا آندروف نظر آئی تو تھربال کی پچھلی منتخب لڑکیاں بھی فرمونا کے حسن کے آگے بجھ کر رہ گئیں۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ فرمونا کو آلۂ کار بنائے۔ ایسے ہی وقت لمبوڈا نے آکر کہا "فرہاد پاکستان میں ہے۔"

"مسٹر لمبوڈا! کیا تم نے تصدیق کی ہے؟"

"ہاں' وہ پچھلے کئی دنوں سے پاکستان کے ایک شہر لاہور میں تھا' آج کل پشاور میں ہے۔"

"آپ نے یہ معلومات کیسے حاصل کی ہیں؟"

"ہمارا ایک بہت ہی چالاک جاسوس راجر بڈ اسلام آباد میں ہے۔ اس نے علاقہ غیر کے ایک پولیٹیکل ایجنٹ سے فون پر گفتگو کی تھی۔ میں نے اس پولیٹیکل ایجنٹ کے دماغ میں جاکر معلوم کیا کہ کافور خان کی حویلی میں ایک ارسلان نامی مہمان آیا تھا۔ وہ کچھ پُراسرار سا ہے۔ کافور خان کی حویلی اور کروڑوں روپے کے زیورات اور اسلحہ تباہ ہوگیا ہے۔ میں فون کے ذریعے کافور خان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ تم میرے دماغ میں آؤ۔ میں تمہیں اس کے پاس پہنچادوں گا۔"

بی جی تھربال نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ جان لمبوڈا کے دماغ میں آیا۔ لمبوڈا نے اسے کافور خان کے دماغ میں پہنچادیا۔ اس کے تمام خیالات پڑھنے کے بعد تھربال نے ایک فرانسیسی شخص جوزف کو اپنا آلۂ کار بنا کر کافور خان کے پاس بھیجا۔ پھر اس سے اور بیرم خان سے دوستی کی۔ ان کے دماغوں کو لاک کیا تاکہ میں ان کے دماغوں میں آکر پھر انہیں تباہ نہ کروں اور ان کے اندر چھپ کر تھربال کی آواز نہ سن سکوں۔

جس رات تھربال نے ان کے دماغوں کو لاک کیا تھا۔ اس کی ج ان کی بہن مرجینا مجھ سے ملنے پشاور آرہی تھی۔ اس کے بھائی نے مرجینا کی آواز کا کیسٹ سنایا۔ جسے سن کر تھربال مرجینا کے دماغ ں آیا۔ اس لڑکی نے سانس روک لی۔ تب تھربال نے اندازہ لگایا لہ میں نے مرجینا کے دماغ کو لاک کیا ہے۔

وہ میری آواز اور لہجہ اختیار کرکے اس کے دماغ میں گیا تو اس نے سانس نہیں روکی۔ اس طرح پختہ یقین ہوگیا کہ میں مرجینا سے لیل رہا ہوں' اس کے ذریعے اس کے بھائیوں کی دولت اور جاگیر و تباہ کررہا ہوں اور اب پشاور کے ایک ریسٹ ہاؤس میں مرجینا ے ملاقات کرنے والا ہوں۔

وہاں میری موجودگی کا مکمل یقین کرنے کے بعد تھربال نے نوں بھائیوں کو غیرت دلا کر ریسٹ ہاؤس کا محاصرہ کرایا تھا۔ اس ں شبہ نہیں کہ وہ مجھے قتل کرنے کے لئے زبردست چال چل چکا ا لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے کے مصداق میں وہاں سے ندہ سلامت نکل آیا تھا۔

اس دوران تھربال بلغاریہ کے ایک شہر ورنا میں تھا اور وہاں رمونا آندروف کو اپنی معمولہ بنا چکا تھا۔ اس نے فرمونا کو بڑی بڑی شکلات سے نکالا تھا۔ اس کے باپ کے قاتلوں سے انتقام لیا تھا۔ ں کا دل جیت لیا تھا۔ اس قدر فرشتہ بننے کے بعد وہ شیطان بن رہا ا اس کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ وہ عاجزی سے بولی "میں ایسی ی نہیں ہوں۔ بے حیائی سے پہلے جان دے سکتی ہوں۔ تم انک فرشتے سے شیطان بن رہے ہو' آخر تم کون ہو؟"

"میں تمہارا سچا عاشق ہوں۔"

"عاشق ہو تو اپنا نام بتاؤ۔"

"میرا نام ساری نہیں تو آدھی دنیا جانتی ہے' میں فرہاد علی در ہوں۔"

تھربال زبردست مکار تھا۔ میرا نام اور میری شخصیت اختیار رہا تھا' اس نے فرمونا سے کہا "تم چوبیس گھنٹے کے اندر یہ شہر ڑ دوگی اور پاکستان کے ایک شہر پشاور جاؤگی۔ وہاں ایک ایسا ، پیتھی جاننے والا دشمن ہے جسے تمہارے ذریعے قابو میں کروں ۔"

وہ بولی "میں تمہارے ضرور کام آؤں گی لیکن میری ایک بات الو' مجھ سے شادی کرلو' میری عزت کے دشمن نہ بنو۔"

وہ بولا "فرہاد کو جو کھانا ہوٹل میں مل جاتا ہے' اسے وہ گھر میں ر نہیں کھاتا۔ مجھ سے شادی کی بات نہ کرو۔"

وہ ڈمی فرہاد جسے میں فرہاد ٹو کہوں گا' بہت مکار تھا۔ وہ فرمونا کو ا یہ کہہ کر پریشان کررہا تھا کہ ایک ہفتہ بعد اس کی عزت سے ر کھیلے گا۔ جبکہ وہ ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے میرے ریکارڈز ذریعے معلوم ہوا تھا کہ میں ایسی کسی حسینہ کی طرف مائل نہیں ا جسے پہلے ہی کوئی ہاتھ لگا چکا ہو۔ اس لئے وہ مجھے ٹریپ کرنے کے لئے فرمونا کو ہاتھ نہیں لگا رہا تھا۔ صرف اسے دھمکی دے رہا تھا۔

فرمونا نے کہا "تمہیں ایسا شیطانی علم حاصل ہے جس کے ذریعے میرے دماغ کو اپنے بس میں کرلیتے ہو اور میں اپنے بس میں نہیں رہتی۔ میں اپنا ملک چھوڑنا نہیں چاہتی لیکن تم چھڑادوگے۔"

"جب اچھی طرح جان گئی ہو کہ میرے اشاروں پر ناچتے رہنا ہے تو پھر پاکستان جانے کے لئے تیار ہوجاؤ۔"

"میں جاؤں گی' مگر دل سے تمہارا کوئی کام نہیں کروں گی۔ مجھے موقع ملے گا تو میں تمہارا بنتا ہوا کام بگاڑ دوں گی۔"

"کیا تم اتنی خوب صورت زندگی سے محروم ہونا چاہتی ہو؟"

"جب تم میری عزت چھین لوگے تو بے حیا زندگی جی کر کیا کروں گی؟"

"تم میرے کام آتی رہوگی تو میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"میں جھوٹ بھی کہوں گا تو کیا بگاڑ لوگی؟ بہتر ہے' مجھ پر بھروسا کرو اور میرا کام کرتی رہو۔"

دوسرے دن وہ بلغاریہ سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئی۔ سفر کے دوران اس نے مخاطب کیا "فرہاد! کیا تم موجود ہو؟"

اسے جواب نہیں ملا۔ اس نے دوسری بار آواز دی پھر یقین ہوگیا کہ فرہاد ٹو موجود نہیں ہے۔ وہ سیفٹی بیلٹ کھول کر آرام سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچنے لگی "فرہاد سے کیسے نجات حاصل کروں؟"

طیارہ زمین پر تھا نہ آسمان پر۔ اسے اطمینان حاصل ہورہا تھا کہ وہ فرہاد اس کا پیچھا کرتا ہوا زمین اور آسمان کے درمیان طیارے میں نہیں آسکے گا۔ شاید خیال خوانی کی لہریں بھی اتنی بلندی پر نہیں آتی ہوں گی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور وہ سفر کے دوران اس سے دور رہے۔

وہ اس سے دور رہنے اور ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنے کے متعلق سوچتی رہی۔ جب انسان اپنی مدد آپ نہ کرسکے تو وہ دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے مسافر کو دیکھا' وہ مسکراتے ہوئے بولا "میرا نام رابرٹ ہے' میں پیرس سے آرہا ہوں۔"

اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وہ مصافحہ کرتے ہوئے بولی "میں فرمونا آندروف ہوں۔ پاکستان جارہی ہوں۔"

"میں بھی اسلام آباد جارہا ہوں۔ صوبہ سرحد کے پار جو علاقہ غیر ہے اس کی تاریخ کے پس منظر میں موجودہ دَور کے حقائق لکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی "میرا خیال ہے کسی بھی علاقہ کے متعلق بہت زیادہ سچی باتیں نہیں لکھنی چاہئیں۔ وہاں کے باشندوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچتی ہے۔"

"یہ درست ہے لیکن سچ لکھنے سے وہاں کے حسّاس اور غیرت مند لوگ اپنے گمراہ لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں اور ایسے قواعد اور قوانین بناتے ہیں جن پر عمل کرکے جرائم سے پاک معاشرہ قائم کرتے ہیں۔ بائی دی وے' تم کیا کرتی ہو؟"

"میں؟ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ کچھ نہیں کرتی ہوں۔ اپنے اختیار میں نہیں رہتی اس لئے اپنی زندگی نہیں گزار رہی ہوں۔ میری زندگی کوئی اور گزار رہا ہے۔"

"تم کوئی فلسفہ بیان کررہی ہو؟"

"نہیں' یہ میری حقیقت ہے۔"

"اس حقیقت کی وضاحت کرو' تاکہ کچھ سمجھ سکوں۔"

"کیا تم ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

"میرا خیال ہے' میں بہت کچھ جانتا ہوں۔"

"کیا تم نے فرہاد علی تیمور کا نام سنا ہے؟"

"کئی بار سنا ہے۔"

"وہ کم بخت فرہاد مجھے کٹھ پتلی بنا رہا ہے۔ جب چاہتا ہے' میرے دماغ پر قبضہ جمالیتا ہے۔ میں خود مختار نہیں رہ پاتی۔ اس کے اختیار میں رہنے لگتی ہوں۔ اس وقت بھی اُس کے حکم کے مطابق سفر کررہی ہوں۔"

"کیا ابھی وہ تمہارے دماغ میں ہے؟"

"اگر ہوتا تو میں اس کے خلاف بول نہ پاتی۔ میں سوچتے سوچتے تھک گئی ہوں' اس سے نجات پانے کے تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ کیا تم میری مدد کرسکتے ہو؟"

وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا "وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا بعد میں تمہارے خیالات پڑھ کر معلوم کرلے گا کہ میں اس کے خلاف تمہاری مدد کررہا ہوں۔ پھر وہ میرا دشمن بن جائے گا۔ مجھے بھی ذہنی طور پر اپنا غلام بنالے گا۔"

"ہاں یہ بڑی مشکل ہے۔ میں تمہارے تعاون کو چھپانا چاہوں تب بھی وہ پڑھ لے گا۔ دنیا کا کوئی شخص مجھے اس شیطان فرہاد سے نجات نہیں دلاسکے گا' مجھے مرجانا چاہئے۔"

"وہ خودکشی کے ارادوں کو سنے گا تو تمہیں مرنے بھی نہیں دے گا۔"

"اسی لئے کہتی ہوں کہ میں اپنی زندگی نہیں گزار رہی ہوں' میری زندگی وہ گزار رہا ہے۔ یہ کیسی بد نصیبی ہے کہ میں مر بھی نہیں سکتی۔"

"تمہیں کوئی ایسا شخص نجات دلاسکتا ہے' جو ٹیلی پیتھی جانتا ہو کیونکہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔"

"واقعی کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہی فرہاد کو مُنہ توڑ جواب دے گا۔ تم نے یہ بات کہہ کر میری آدھی پریشانی ختم کردی ہے۔"

وہ خوش ہورہی تھی پھر ایک دم سے مایوس ہوکر بولی "لیکن ایسا فرشتہ کہاں ملے گا؟ تم کسی کو جانتے ہو؟"

"میں جانتا نہیں ہوں لیکن سنا ہے' فرہاد ہمیشہ امریکیوں اور اسرائیلیوں سے جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ ان دو ملکوں میں ضرور ٹیلی پیتھی جاننے والے رہتے ہوں گے جو فرہاد کو اپنے ملکوں سے بھگاتے ہوں گے۔"

وہ ناگواری سے بولی "بہت ہی ذلیل ہے' بڑی طاقتوں سے لڑ نہیں سکتا۔ اس لئے میرے دماغ پر حکومت کررہا ہے۔"

"تمہیں فرہاد سے بہت نفرت ہے؟"

"شدید نفرت ہے اور شدید عداوت ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ خیال خوانی کرنے والے تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟"

"سوری' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہم جن ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے نام اور پتے نہیں جانتے ہیں ان کے دروازے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟"

وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ کہیں سے بچاؤ کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رابرٹ نے کہا "تم بہت پریشان ہو' میرے بس میں ہوتا تو دشمن کو تمہاری زندگی سے بھگاکر تمہارا دل جیت لیتا۔ تم اتنی حسین ہو کہ میں جان کی بازی لگاسکتا ہوں لیکن جان دینے سے بھی تمہارا بھلا نہیں ہوگا۔"

وہ سوچتے ہوئے بولی "فرہاد مجھے پشاور جانے کے لئے اس وجہ سے مجبور کررہا ہے کہ میرے ذریعے کسی دشمن کو پھانسنا چاہتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ فرہاد کا وہ دشمن بھی ٹیلی پیتھی جانتا ہوگا۔"

"بے شک جانتا ہوگا۔ اس لئے خود اس پر قابو پانے میں ناکام ہونے کے بعد تمہیں استعمال کررہا ہے۔"

وہ چٹکی بجاکر بولی "پھر تو میں اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن سے دوستی کروں گی۔ وہ فرہاد کی دشمنی میں میری مدد ضرور کرے گا۔"

وہ پھر خوش ہونے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر تازگی آگئی تھی۔ رابرٹ نے کہا "تم بار بار خوش ہوتی ہو اور بار بار مایوس ہوجاتی ہو۔ پہلے یقین کرلو کہ یہ خوشی قائم رہے گی اور اگر رہے گی تو کیسے رہے گی؟ تمہارا طریقۂ کار کیا ہوگا؟"

"میں جو بھی طریقۂ کار سوچوں گی وہ فرہاد خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرلے گا۔ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کرنا حماقت ہے۔"

"پھر تو وہ تمہیں اپنے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے سے دوستی نہیں کرنے دے گا۔"

"کوئی بات نہیں' وہ میرے دماغ پر قبضہ جماکر مجھ سے دشمنی کراتا رہے لیکن فرہاد کا دشمن بھی میرے چور خیالات پڑھ کر معلوم کرسکتا ہے کہ میں مجبور ہوکر اُس سے دشمنی کررہی ہوں اور اس سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں' فرہاد کا دشمن تمہاری مجبوریوں کو سمجھ لے گا۔ تم میرے اندازے سے زیادہ چالاک ہو۔"

وہ مسکرانے لگی' رابرٹ نے کہا "چالاک بھی ہو اور احسان فراموش بھی۔"

وہ تیور بدل کر بولی "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"فرہاد نے تمہارے دشمنوں سے انتقام لیا۔ تمہارے باپ کے قاتل کو اور قاتل کا ساتھ دینے والوں کو چن چن کر قتل کیا۔ تمہیں اس کا احسان ماننا چاہئے۔ مگر تم اس سے دشمنی کا منصوبہ بنا رہی ہو۔"

"یو شٹ اپ۔ کسی کا احسان مند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنی عزت و آبرو کو داؤ پر لگادوں۔"

"فرمونا' تم میری ملکیت ہو' تمہاری آبرو میری چٹکی میں ہے۔"

وہ حیرانی اور سراسیمگی سے رابرٹ کا مُنہ دیکھنے لگی۔ اس نے کہا "میں فرہاد ہوں' اور رابرٹ کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تمہاری زبان سے تمہارے ارادے سن چکا ہوں۔ اب یہ سوچتی رہو کہ میں تمہارے ارادوں کو کس طرح ناکام بناؤں گا۔ میں جارہا ہوں' پاکستان میں ملاقات ہوگی۔"

یہ بات ختم ہوتے ہی رابرٹ ایسے چونک گیا جیسے نیند سے ہڑبڑا کر اٹھا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر طیارے کے اندرونی ماحول کو دیکھنے لگا۔ فرمونا اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی "تم کچھ پریشان ہو؟"

"آں؟ ہاں! مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا اور نیند میں تم سے کچھ باتیں کررہا تھا۔"

"بہتر ہے تم پھر نیند میں ڈوب جاؤ اور خواب میں مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ میں فی الحال خاموش رہنا چاہتی ہوں۔"

وہ بری طرح مایوس ہوگئی تھی۔ اسے فرہاد پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے چالاکی سے رابرٹ کے دماغ میں رہ کر اُس کی تمام پلاننگ سن لی تھی۔ نہ بھی سنتا تو بعد میں خیال خوانی سے معلوم کرلیتا۔ غصہ اس بات پر آرہا تھا کہ اس نے رابرٹ کے دماغ میں رہ کر اسے الو بنایا تھا اور یہ سمجھادیا تھا کہ اس کی کوئی چالاکی کام نہیں آئے گی اور کوئی اس کے کام نہیں آسکے گا۔

اس نے مجبور ہوکر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ خاموشی سے سفر کرتی ہوئی کراچی آئی۔ وہاں سے اسلام آباد پہنچی۔ کراچی سے ایک خاتون اس کی ہم سفر رہی تھی۔ اس نے سفر کے دوران فرمونا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم بہت خاموش اور فکرمند ہو' کیا بات ہے؟"

وہ بولی "بات کیا بتاؤں؟ وہ تمہارے بھی دماغ میں ہوگا اور میری باتیں سنتا رہے گا۔"

"کون میرے دماغ میں رہے گا؟ کیا یہ کوئی ٹیلی پیتھی کا معاملہ ہے؟"

"ہاں' کیا تم اس سلسلے میں کچھ جانتی ہو؟"

"ہاں' مجھے یہ علم سیکھنے کا بڑا شوق تھا لیکن ہزار کوششوں کے باوجود نہ سیکھ سکی۔ میں نے سنا ہے کہ فرہاد علی تیمور اسلام آباد یا پشاور میں ہے۔ میں اسے تلاش کرنے جارہی ہوں۔"

"کیا تم اس عیاش کی فین ہو؟"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ فرہاد کسی شریف عورت کو ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ ہوسکتا ہے ایسی عورتوں کی وجہ سے بدنام ہورہا ہو جو خود ہی دیوانی ہوکر اُس کے پاس چلی آتی ہوں۔"

"تم بھی اس سے ملنے جارہی ہو؟"

"میں دو بچوں کی ماں ہوں۔ میرا خاوند مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور مجھ پر اعتماد کرتا ہے' یہ باتیں فرہاد میرے دماغ میں پڑھے گا تو مجھے ضرور بہن بنائے گا۔"

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ میری عزت کا دشمن بنا ہوا ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"وہ میرے دماغ میں آتا ہے۔ ذرا انتظار کرو' وہ کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ پھر میں تمہیں اس کی اصلیت بتاؤں گی۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اسلام آباد پہنچنے سے پہلے ہی تمہارے ذریعے فرہاد صاحب سے گفتگو کروں گی۔"

"تم اسے دیکھے اور سمجھے بغیر اس کی عقیدت مند کیوں بن گئی ہو؟"

"محبت اور عقیدت کے لئے یہ بہت ہے کہ ہم دونوں شاہ کوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم دونوں پاکستانی ہیں۔"

"اچھا تو وہ پاکستانی ہے۔ مجھے اپنے ملک میں بلایا ہے تاکہ خود امریکی اور اسرائیلی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے محفوظ رہے۔"

خاتون نے ہنستے ہوئے کہا "تم فرہاد صاحب کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو یا پھر دشمنوں نے اس کے خلاف تمہیں بہکایا ہے۔ وہ ایسا ناقابلِ تسخیر ہے کہ دنیا کے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے اس سے دور بھاگتے ہیں۔"

تھرپال نے خاتون کے دماغ میں کہا "لیکن اب فرہاد دنیا سے بھاگے گا۔"

خاتون نے ایک ہاتھ سے سر تھام کر خلاء میں تکتے ہوئے کہا "میرے دماغ میں کوئی بول رہا ہے۔"

فرمونا جلدی سے بولی "وہی فرہاد ہوگا۔"

"نہیں' یہ کوئی اور ہے۔ فرہاد کے خلاف بول رہا ہے۔"

"اگر اس کے خلاف بول رہا ہے تو میں اس سے دوستی کروں گی اسے کہو' میرے دماغ میں آئے۔"

وہ آکر بولا "لو آگیا' فرماؤ کیا فرماتی ہو؟"

"تم... تم تو وہی فرہاد ہو۔"

"ہاں' تمہارے لئے مصیبت ہوں۔ جب تک دشمنی سے سوچتی رہو گی' تمہارے اندر آتے جاتے تمہارا خون خشک کرتا

رہوں گا۔"

خاتون نے پوچھا "تم زرد پڑ گئی ہو' کیا بات ہے؟؟"

تھربال نے اس کے پاس آکر کہا "اے دو بچوں کی اماں! خاموش رہ۔ اس لڑکی سے بات نہ کر۔ ورنہ کھوپڑی الٹادوں گا۔"

وہ حیرانی سے بولی "فرہاد صاحب! میں آپ کی عقیدت مند ہوں' ہم دونوں کی جائے پیدائش......"

وہ بات کاٹ کر بولا "یو شٹ اپ۔ ایک ہی جگہ پیدا ہونے والے سب کے سب فرشتہ نہیں ہوجاتے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ میں عیاش اور بدکار ہوں' اس لڑکی کو اپنے مقصد کے لئے اس ملک میں لایا ہوں۔"

خاتون کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ عقیدت سے بنایا ہوا فرہاد کا بت پاش پاش ہو رہا تھا۔ اس کے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ آنسو بھرے لہجے میں بولی "میرا دل نہیں مان رہا ہے کہ سفید سیاہ ہوگیا ہے اور فرشتہ' شیطان بن گیا ہے۔ خدا کے لئے کہہ دو کہ یہ مذاق ہے۔ تم ہی تمام پاکستانیوں کے آئیڈیل ہو۔ اگر تم جھوٹے ہو تو جھوٹی ہی تسلی دے دو۔"

"تم میرا اور اس لڑکی کا وقت ضائع کر رہی ہو۔ دیکھو طیارہ اسلام آباد پہنچ گیا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس سے باتیں کروگی تو میں تمہارے بچوں کو مار ڈالوں گا۔"

وہ گھبرا کر بولی "نہیں نہیں۔ ایسے ظالم نہ بنو۔ میرے بچوں کی طرف نہ جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں اس لڑکی سے باتیں کرنا تو کیا اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گی۔"

وہ فرمونا سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ اس نے بات کی تو خاتون نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ دونوں آنکھوں کو بند کرلیا۔ فرمونا سمجھ گئی کہ فرہاد اس خاتون کو بھی اس سے دور کر رہا ہے۔ اسے کسی کا تعاون حاصل کرنے کا موقع نہیں دے رہا ہے۔

وہ تھربال کے حکم کے مطابق اسلام آباد سے پشاور آگئی۔ اس نے اپنے ایک آلۂ کار کے ذریعے ریسٹ ہاؤس میں فرمونا کے قیام کا بندوبست کیا تھا۔ ان دنوں میرا رابطہ مرجینا سے تھا۔ اس لئے تھربال فرمونا کو چھوڑ کر مرجینا کی تصویر کے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے ملنے ریسٹ ہاؤس میں آرہی ہے تو اس نے فرمونا کو ریسٹ ہاؤس سے نکل کر ایک فور اسٹار ہوٹل میں جانے پر مجبور کیا۔ تھربال کو یقین تھا کہ وہ مرجینا کے دماغ میں رہ کر میری پوزیشن معلوم کرتا رہے گا۔ اور ریسٹ ہاؤس کا محاصرہ کرا کے مجھے قتل کرادے گا۔

اس منصوبے پر پوری طرح عمل کرنے کے باوجود ناکامی ہوئی۔ میں بال بال بچ گیا۔ خدا کو میری سلامتی منظور تھی۔ چنانچہ میرے نام سے آنے والی گولی مرجینا کو لگ گئی تھی۔ اور بی جی تھربال حیرانی سے سوچ رہا تھا' کیا فرہاد علی تیمور حیاتِ خضر لے کر آیا ہے۔

ہر پہلو سے مکمل منصوبہ پر عمل کرنے کے بعد بھی بچ نکلتا ہے۔

اس نے جان لمبوڈا اور سپر ماسٹر ہولی مین کو یہ روداد سنائی۔

سپر ماسٹر نے کہا "اس میں شبہ نہیں کہ تم نے زبردست پلاننگ کی تھی اور اس پر چاروں طرف سے حملہ کرایا تھا۔ وہ کم بخت قسمت کا دھنی ہے۔"

لمبوڈا نے کہا "قسمت ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی۔ اگر تم اسی طرح زبردست پلاننگ کرکے اس پر عمل کرتے رہوگے تو وہ جلد ہی حرام موت مرے گا۔"

بی جی تھربال کو اپنے بڑوں سے شاباشی مل رہی تھی اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مرجینا کے بعد اب فرمونا رہ گئی تھی جسے وہ میرے لئے چارا بنا کر لایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں زخمی کافور خان کے دماغ میں جاؤں گا۔ اس نے بیرم خان کے ذریعے کافور خان کے سامنے فرمونا کا ذکر کیا تھا تاکہ میں کسی حسین دوشیزہ کا ذکر سن کر اسے دیکھنے جاؤں یا اس دوشیزہ کے ذریعے تھربال کو ٹریپ کرنا چاہوں تو فرمونا کے حسن و شباب کا اسیر ہوجاؤں۔

میں اس کی توقع کے مطابق فرمونا کے پاس نہیں گیا۔ وہ اس کے دماغ میں چھپ کر میرا انتظار کرتا رہا۔ اگر وہ ہوٹل کے کمرے میں کسی ویٹر کو ضرورت سے بلاتی تو تھربال اس ویٹر کے دماغ میں جاکر معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ فرہاد وہاں چھپ کر آیا ہے یا نہیں؟

فرمونا ڈائننگ ہال میں کھانے کے لئے جاتی۔ ہوٹل کے منیجر یا کسی اجنبی سے کوئی بات کرتی تو تھربال کو یہی شبہ ہوتا کہ فرہاد اجنبی بن کر آیا ہے اور اس سے دوستی کرنا چاہتا ہے جبکہ اس حسینہ سے ہر دل والا دوستی کرسکتا تھا۔

جب ایک دن اور ایک رات گزر گئی اور میں نے فرمونا سے دلچسپی نہیں لی تو وہ پریشان ہوگیا۔ مجھے نظروں میں رکھنے کا اور میری مصروفیات کو سمجھنے کا ذریعہ وہی ایک حسینہ رہ گئی تھی۔ باقی بیرم خان اپنے زخمی بھائی کافور خان کو علاقہ غیر لے گیا تھا۔

وہ پریشانی کے عالم میں دل کو سمجھا رہا تھا کہ فرہاد خاموشی سے فرمونا کے دماغ میں رہتا ہے اس کے خیالات پڑھتا ہے اور دشمن سوچ کی لہروں کو سننے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس لئے تھربال اب براہِ راست فرمونا کو مخاطب نہیں کرتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق فرمونا کے دماغ میں دو خیال خوانی کرنے والے خاموشی سے ایک دوسرے کو دبوچنے کی فکر میں تھے۔

دوسرا دن بھی گزرنے لگا تو تھربال کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اس نے سوچا پھر کافور خان کو پکڑنا چاہئے اور اسے مجبور کرنا چاہئے کہ وہ فرہاد کی شرائط پوری نہ کرے۔ جتنی عورتوں کو داشتہ اور مردوں کو غلام بنا کر رکھا ہے انہیں آزاد نہ کرے۔

اگر شرائط پوری نہیں ہوں گی تو فرہاد پھر زخمی کافور خان کے دماغ میں آئے گا تو تھربال کو اس کا سراغ ملتا رہے گا۔

معاملہ بڑا پیچیدہ ہوگیا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک خوبرو جوان فرمونا کے قریب آیا۔ تھربال محتاط ہوگیا کہ فرہاد آیا ہے۔

ہوا یہ کہ فرمونا ڈنر کے لئے ڈائننگ ہال میں آئی تو اجنبی نوجوان نے اس کی میز کے پاس آکر پوچھا "کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"ضرور۔"

وہ کرسی پر بیٹھا تو فرمونا نے جل کر پوچھا "کیا مجھے پھانسنے آئے ہو؟"

"مجھے غلط نہ سمجھو' میں کسی غلط ارادے سے نہیں آیا ہوں۔"

"یہاں اور بھی میزیں خالی ہیں' وہاں کیوں نہیں گئے۔"

"میں تمہیں دو دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تم میں ایک عجیب سی طلسماتی کشش ہے۔ میں پرسوں سے یہاں آرہا ہوں۔ تمہیں دور سے دیکھتا رہتا ہوں پھر چلا جاتا ہوں۔ گھر جاکر رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔"

"یعنی مجھ سے عشق ہوگیا ہے؟"

"تم طنزیہ انداز میں پوچھ رہی ہو اور میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں' میں ہر قیمت پر تمہیں اپنی دلہن بناؤں گا۔"

وہ ناگواری سے بولی "فرہاد! اور زیادہ ڈراما نہ کرو۔ اتنا بتادو میں کب تک اس ہوٹل میں رہوں گی؟"

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "ابھی تم نے مجھے فرہاد کہا ہے؟"

"کیا تمہیں سنائی نہیں دیا؟ پھر سے تمہیں فرہاد کہوں؟"

"لیکن میں فرہاد نہیں سرفراز خان ہوں۔ میری آٹھ عدد فلائنگ کوچ ہیں۔ یہ گاڑیاں پشاور سے لاہور اور لاہور سے پشاور تک چلتی ہیں۔ جی ٹی روڈ پر میرا ایک پٹرول پمپ ہے۔"

"مانتی ہوں کہ تم یہی ہو' لیکن تمہارے اندر فرہاد چھپا ہوا ہے۔"

"آخر یہ فرہاد ہے کون' اور وہ میرے اندر کیسے چھپ سکتا ہے؟"

"ٹیلی پیتھی کے ذریعے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ تھربال اس کے اندر چھپا ہوا تھا اور سرفراز خان کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے سرفراز کے دماغ میں جانا چاہا تو اس نے سانس روک لی۔ وہ واپس فرمونا کے دماغ میں آکر بولا۔ "یہی میرا ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن ہے۔"

اچانک فرمونا کی دلچسپی بڑھ گئی۔ وہ دشمن کہہ رہا تھا اور یہ دوست بنانے کا سوچنے لگی۔ تھربال نے سوچ پڑھ کر کہا "مجھے دھوکا نہیں دے سکوگی۔ ویسے میں چاہتا ہوں کہ دوستی کرتی رہو' میں تمہاری دوستی کے پیچھے اسے قتل کرنے کا سنہری موقع تلاش کرتا رہوں گا۔"

سرفراز آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے سوچ رہا تھا "ابھی میرے دماغ میں بے چینی کیوں پیدا ہوئی تھی؟ میں نے اچانک سانس کیوں روک لی تھی؟"

وہ ٹیلی پیتھی کے متعلق بہت کم معلومات رکھتا تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ آدمی حساس ہو تو پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی دماغ بے چین ہو کر سانس روکنے پر مجبور کردیتا ہے۔

وہ باڈی بلڈر تھا۔ روز صبح ورزش کرتا تھا اور دو تین میل کی دوڑ لگایا کرتا تھا۔ نماز کا پابند نہیں تھا لیکن اذان ہو رہی ہو اور وہ مسجد کے قریب سے گزر رہا ہو تو اندر جاکر نماز پڑھ لیتا تھا۔ جو لوگ ظاہری اور باطنی طور پر پاک صاف رہتے ہیں اور دماغی طور پر صحت مند رہتے ہیں ان کے اندر کبھی شیطان داخل نہیں ہوتا۔

اسی لئے تھربال اس کے اندر نہ جاسکا۔ فرمونا کو اس سے دوستی بڑھانے پر مجبور کرتا رہا۔ وہ بولی "میں دوستی کروں گی لیکن تمہارے خلاف ضرور زہر اگلتی رہوں گی۔"

وہ یہی چاہتا تھا کہ فرہاد کے خلاف زہر اگلتی رہے۔ وہ ہنستے ہوئے بولا "میرا نام فرہاد علی تیمور ہے۔ تم میرے خلاف بکواس کرتی رہوگی تب بھی دنیا والے مجھے دیوتا (فرشتہ) سمجھتے رہیں گے۔"

فرمونا نے سرفراز سے کہا "تم بہت ہینڈسم ہو۔ مجھے اچھے لگ رہے ہو لیکن تم مجھے حاصل نہیں کرسکوگے۔"

"کیا اس لئے کہہ رہی ہو کہ انگریز ہو' عیسائی ہو؟"

"الحمد ﷲ میں مسلمان ہوں۔"

"یہ تو میرے لئے بہت ہی خوشی کی بات ہے' ہماری شادی ضرور ہوگی۔"

"فرہاد نہیں ہونے دے گا۔"

"آخر یہ فرہاد ہے کون؟"

"ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا شیطان ہے' کیا تم بھی ٹیلی پیتھی جانتے ہو؟"

"بالکل نہیں۔"

"پھر فرہاد کو تم سے کیا دشمنی ہے؟"

وہ سوچتے ہوئے بولا "کوئی سات برس پہلے میں نے یہ نام کسی ڈائجسٹ میں پڑھا تھا۔ ہاں یاد آرہا ہے' وہ فرہاد ٹیلی پیتھی جانتا تھا۔"

"جانتا تھا نہیں' جانتا ہے۔ وہ اس وقت بھی میرے دماغ میں موجود ہے۔"

"اس سے کہو' مجھ سے باتیں کرے اور مجھ سے دشمنی کی وجہ بتائے۔"

تھربال نے کہا "فرمونا! اس سے کہو مجھے اپنے دماغ میں آنے دے' میں خیال خوانی کے ذریعے گفتگو کروں گا۔"

فرمونا نے کہا "سرفراز! فرہاد کو اپنے دماغ میں آنے دو۔"

"کیسے آنے دوں؟ کیا اس کا کوئی طریقہ ہوتا ہے؟"

تھربال نے فرمونا سے کہا "اس کم بخت سے کہو زیادہ ڈراما نہ کرے' میں آؤں تو سانس نہ روکے۔"

فرمونا نے یہ بات اسے سمجھائی۔ تھربال اس کے دماغ میں آیا لیکن سرفراز نے بے چین ہو کر بے اختیار سانس روک لی' پھر کہا۔ "میرے اندر کچھ عجیب سا ہونے لگتا ہے' میں نہ چاہتے ہوئے بھی سانس روک لیتا ہوں۔"

تھربال نے غصے سے کہا "فرمونا! یہ بڑا چالباز ہے' یہ جانتا ہے کہ میں اس کے اندر جا کر اس کی اصلیت معلوم کرلوں گا۔"

وہ بولی "ہو سکتا ہے' تم اسے غلط سمجھ رہے ہو۔"

"غلط ہو یا صحیح' صرف ایک منٹ میں حقیقت معلوم ہو جائے گی' اسے کہو سانس نہ روکے۔"

وہ سرفراز سے بولی "کیوں بات بڑھا رہے ہو۔ وہ دماغ میں آتا ہے' آنے دو' سانس نہ روکو۔"

"میں نہیں روکتا۔ یہ خود ہی رک جاتی ہے۔ فرہاد سے بولو وہ مرد کا بچہ ہے تو سامنے آکر بات کرے۔"

تھربال نے کہا "دیکھو فرمونا! مجھے چیلنج کر رہا ہے تاکہ میں جوش میں آکر اس کا سامنا کروں۔"

وہ مسکرا کر بولی "یہ پہلا شخص ہے جس کے دماغ میں تم جا نہیں سکتے اور اپنی جان کے خوف سے سامنے بھی نہیں آسکتے۔ آج میں بہت خوش ہوں اور اسی لمحے سے سرفراز خان کو دل و جان سے پسند کر رہی ہوں۔"

"بکواس نہ کرو' تم خاموش رہو۔ میں تمہاری زبان سے اس کے ساتھ باتیں کروں گا۔"

اس نے فرمونا کے دماغ پر قبضہ جمایا' وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ "سرفراز وہ کمبخت چلا گیا ہے۔ پتا نہیں تم سے کیوں ڈرتا ہے۔"

"میں بھی حیران ہوں' ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا مجھ سے ڈرتا کیوں ہے۔ میرے سامنے کیوں نہیں آتا۔"

"پہلے وہ دوسروں کو آلۂ کار بنا کر ان کے دماغ میں رہ کر ان کی زبان سے باتیں کرتا تھا۔ میں سمجھتی تھی وہ میرا ہمدرد اور دوست ہے بعد میں اس کے فریب کا پتا چلتا تھا۔ اب میں مطمئن ہوں کہ وہ تمہیں اپنا آلۂ کار نہیں بنا سکے گا۔"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ فرہاد تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ہم اتنی دیر سے باتیں کر رہے ہیں اور تم نے اپنا نام نہیں بتایا ہے۔"

"میرا نام فرمونا آندروف ہے۔ میں بلغاریہ سے آئی ہوں۔ تم کیا کھانا پسند کرو گے؟ اس میز پر تم میرے مہمان ہو۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ پٹھانوں کی روایت کے خلاف ہے۔ میں تمہارا مہمان نہیں' تم اس ملک میں میری مہمان ہو۔"

اس نے کھانے کا آرڈر دیا۔ پھر ویٹر کے جانے کے بعد بولا۔

"میں تمہیں دو دنوں سے تنہا دیکھ رہا ہوں۔ کیا تمہارا کوئی عزیز ساتھ نہیں ہے؟"

"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔"

"پھر ہوٹل میں کیوں ہو؟ میرے گھر چلو میری والدہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔"

"میں ضرور چلوں گی۔ اس سے پہلے ہمیں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ کیا خیال ہے' کھانے کے بعد کہیں چاندنی کا لطف اٹھانے چلیں۔"

"ضرور چلیں گے۔"

"میں ایسی جگہ جانا چاہتی ہوں جہاں تنہائی اور ویرانی ہو۔ ویرانے میں چاندنی کچھ اور بہار دیتی ہے۔"

"بڑا ہی شاعرانہ خیال ہے۔ یہاں قریب ہی کچھ تاریخی کھنڈرات ہیں وہ جگہ تمہیں پسند آئے گی۔"

ویٹر کھانے کی ٹرالی لے آیا' تھربال نے فرمونا کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر کہا "اس کے ساتھ کھاؤ اور یہ جہاں لے جائے وہاں جاؤ۔"

"ابھی میرا دماغ تمہارے قبضے میں تھا۔ میں سن رہی تھی تم اسے ویرانے میں لے جا رہے ہو۔ اس پر کوئی مصیبت لاؤ گے۔"

"تم اس کے ساتھ ہمدردی کرتی رہو لیکن ہوگا وہی جو میں تمہارے ذریعے کر رہا ہوں۔"

"پلیز مجھے بتاؤ' کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میرے چند کرائے کے غنڈے اسے زخمی کریں گے۔ اس کے بعد یہ سانس نہیں روک سکے گا۔ میں اس کے اندر گھس کر اس کی اصلیت معلوم کرلوں گا۔ اگر یہ میرا دشمن ثابت ہوگا تو میں اسے وہیں قتل کرا دوں گا۔ اگر کوئی غیر متعلق شخص نکلا تو زندہ چھوڑ دوں گا۔"

وہ یہ سن کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے کہا "چہرے سے پریشانی ظاہر نہ کرو۔ اس کے ساتھ مسکراتی اور کھاتی رہو۔ میں جال بچھانے جا رہا ہوں۔"

"تم اپنی پلاننگ مجھ پر ظاہر کرکے جا رہے ہو۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گی۔ اسے خطرے سے آگاہ کر دوں گی؟"

"بے شک کردو۔ میرا جو دشمن ہے' وہ بے حد چالاک ہے۔ اپنی سلامتی کا راستہ نکال لیتا ہے۔ اس کی بس ایک ہی کمزوری ہے۔ یہ حسن و شباب کا دیوانہ ہے اس پر آفت آنے کے بعد بھی تمہاری جیسی آفت کو حاصل کرنے سے باز نہیں آئے گا اسی لئے میں نے سیکڑوں ہزاروں حسیناؤں میں سے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ یہ تم سے جدا نہیں ہوگا۔ تمہاری خاطر خطرات سے کھیلتا رہے گا اور میری نظروں میں رہا کرے گا۔"

تھربال چلا گیا۔ فرمونا کا دل یہ سن کر سرفراز سے اور زیادہ

محبت کرنے لگا کہ وہ خطرات سے کھیلتا رہے گا لیکن اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ وہ اتنی بڑی دنیا میں ایسا ہی جانباز ساتھی چاہتی تھی۔ اس نے کھانے کے دوران کہا "سرفراز! کیا تمہیں اندازہ ہے کہ میری وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہو حتیٰ کہ تمہاری جان بھی جا سکتی ہے۔"

"یہ ایک جان تمہارے لئے جائے۔ اسے جانا ہی چاہئے' یہ تمہارے لئے ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "تم نے میرا دل جیت لیا ہے۔ تمہارا وہ دشمن بھی یہی کہہ رہا تھا کہ میرے لئے تم خطرات سے کھیلتے رہو گے۔"

"کیا وہ دشمن فرہاد موجود ہے؟"

"نہیں... کرائے کے غنڈوں کے پاس گیا ہے۔ ہم چاندنی کا لطف اٹھانے جہاں جائیں گے' وہاں وہ غنڈے آکر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "تعجب ہے۔ کیا وہ ہمیں ہوشیار کرکے اپنی پلاننگ پر عمل کر رہا ہے۔ یہ بات کچھ پلے نہیں پڑی۔"

"ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو۔"

"سیدھی سی تدبیر یہ ہے کہ میں گھر میں چھپ کر بیٹھ جاؤں اور یہ بزدلی ہمارے خون میں نہیں ہے۔"

"کیا تم جان بوجھ کر میرے ساتھ آؤٹنگ کے لئے جاؤ گے؟"

"تم صرف اتنا بتا دو کہ فرہاد تمہاری جان کو نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے تو تمہارے ساتھ پل صراط سے بھی گزر جاؤں گا۔"

"خدا کی قسم۔ میں بھی تمہارے لئے جیوں گی اور تمہارے لئے مروں گی۔ بس کسی طرح اس شیطان سے میری جان چھڑا دو۔"

"خدا اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ اطمینان رکھو' جدوجہد ہماری ہوگی اور کامیابی اللہ تعالیٰ دے گا۔"

وہ کھانے کے بعد ہوٹل سے باہر آئے۔ سرفراز خان نے مرسیڈیز کا اگلا دروازہ کھولا' وہ بیٹھ گئی۔ وہ دروازہ بند کرکے اسٹیرنگ سیٹ پر آگیا۔ کار کو اسٹارٹ کرکے پارکنگ اریا سے باہر نکالنے لگا۔ وہ بولی "میں بزدل نہیں ہوں۔ مگر تمہارے لئے پریشان ہوں۔"

"کیوں پریشان ہو؟"

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔"

"میں بھی تم سے محروم رہنا نہیں چاہتا۔ دن رات تمہیں سانسوں کے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔ دل سے پریشانی نکالو۔ مصیبت آرہی ہو تو پورے حوصلے کے ساتھ حاضر دماغ رہنا چاہئے۔ جو دماغ سے کام نہیں لیتے ان پر مصیبتیں غالب آجاتی ہیں۔"

تھربال' فرمونا کے پاس آچکا تھا۔ اس نے کہا "دیکھو یہ بالکل فرہاد کے انداز میں بول رہا ہے۔"

فرمونا نے حیرانی سے پوچھا "فرہاد کے انداز میں! تم کون ہو؟ کیا فرہاد نہیں ہو؟"

وہ گڑبڑا گیا۔ بے دھیانی میں ایسا کہہ گیا تھا۔ پھر جلدی سے باتیں بناتے ہوئے کہا "مم۔ میں فرہاد ہوں۔ دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ میرا دشمن اسی انداز میں گفتگو کرتا ہے۔ یہ اپنی اصلیت چھپا رہا ہے مگر باتوں سے پہچانا جا رہا ہے۔"

سرفراز کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ دشمن اسے مختلف پہلوؤں سے فرہاد سمجھ رہا ہے۔ وہ معقول رفتار سے ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ فرمونا بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ کچھ گاڑیاں تیزی سے آتی تھیں پھر انہیں اوورٹیک کرتی ہوئی آگے چلی جاتی تھیں۔ کچھ گاڑیاں پیچھے ہی کسی راستے پر مڑ جاتی تھیں۔ یونیورسٹی روڈ کے بعد گاڑیوں کی تعداد کم ہو گئی۔ فرمونا نے پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟"

وہ بولا "آگے چند میل کے فاصلے پر علاقہ غیر ہے۔ یہاں سے راستہ سنسان ہوتا جا رہا ہے۔ تمہارے دماغ میں آنے والے فرہاد کی آرزو پوری کر رہا ہوں۔ اس کے غنڈے مجھے ویرانی میں گھیرنا چاہتے ہیں۔"

اب گھیرنے والی گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ ایک آگے جا رہی تھی' دوسری تعاقب میں آرہی تھی۔ تھوڑی دور تک وہ گاڑیاں اس انداز میں دوڑتی رہیں تو یقین ہو گیا کہ دشمن آگے پیچھے سے راستہ روکنے والے ہیں۔ پھر تھربال نے بھی کہا "فرمونا! اپنے عاشق سے کہو گاڑی روک دے۔"

اس نے پوچھا "کیا آگے پیچھے تمہارے کرائے کے ٹٹو ہیں؟"

"ہاں' اب کوئی سوال نہ کرو۔ گاڑی رکوا لو۔"

وہ بولی "سرفراز! وہ میرے دماغ میں ہے اور گاڑی روکنے کے لئے کہہ رہا ہے۔ ہمارے آگے پیچھے دشمنوں کی گاڑیاں ہیں۔"

سرفراز نے یکلخت گاڑی کی رفتار بڑھائی۔ جس کے نتیجے میں آگے پیچھے والی گاڑیوں کی بھی رفتار بڑھ گئی۔ اس نے دریائے کابل کے پل پر سے گزرنے کے بعد اچانک بریک لگائے۔ مرسیڈیز آہستہ آہستہ رکتے ہوئے واپس گھوم گئی۔ سرفراز نے گود میں رکھے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر پیچھے آنے والی گاڑی کا نشانہ لیا۔ پے در پے تین فائر کئے۔ ایک پہیہ زوردار آواز سے پھٹا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گاڑی بے قابو ہو گئی۔ ایک طرف گھوم گئی' پل کی ریلنگ کو توڑتی ہوئی دریائے کابل کی منہ زور لہروں میں چلی گئی۔

وہ بڑی پھرتی دکھا رہا تھا۔ گیئر بدل کر پھر اسی پل پر سے گزرتا جا رہا تھا۔ پہلے جو گاڑی آگے جا رہی تھی اب وہ پیچھے آنے لگی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ لیا تھا۔ اس لئے کافی فاصلہ رکھ کر تعاقب کر رہے تھے۔ سرفراز نے واپس اسی پل کو پار کرکے پھر اپنی گاڑی اچانک ہی روک لی۔ اسے پیچھے آنے والی گاڑی کی

طرف موڑنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فائرنگ کی۔ یہ فائرنگ محض دھمکانے کے لئے تھی۔ تعاقب کرنے والی گاڑی پل پر آکر رک گئی۔ تھرپال نے ایک آلۂ کار سے کہا "آگے بڑھو اور جوابی فائر کرو۔ وہ تنہا ہے۔"

آلۂ کار نے کہا "ہماری جانیں اتنی سستی نہیں ہیں۔ ہمارے تین ساتھی گاڑی سمیت دریا میں چلے گئے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ونڈ اسکرین کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹا۔ سرفراز کے ریوالور کی آخری گولی وہ شیشہ توڑتی ہوئی اس آلۂ کار کی پیشانی میں آکر پیوست ہوئی' وہ گاڑی کی اسٹیئرنگ پر اوندھا ہوگیا۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے مسلح افراد گاڑی سے نکل کر بھاگنے لگے' تھرپال نے کہا "رک جاؤ' کہاں جارہے ہو؟"

دوسرے آلۂ کار نے کہا "ہمیں پل کے پار جانے دو۔ ہم وہاں محفوظ رہ کر جوابی فائرنگ کریں گے۔"

ادھر وہ دریا کے اُس پار گئے' ادھر سرفراز ڈرائیو کرتا ہوا شہر کی طرف جانے لگا۔ وہاں قریب ہی باغ ناران کے نزدیک میں آئی جی ہدایت اللہ خان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا باتیں کررہا تھا۔ آئی جی کے ساتھ ایک اور جیپ میں پولیس کے مسلح سپاہی تھے۔ فائرنگ کی آوازیں سن کر آئی جی نے حکم دیا "موو آن۔ دیکھو کہاں فائرنگ ہورہی ہے۔"

جیپ آگے بڑھ گئی۔ ہماری گاڑی اس کے پیچھے دوڑنے لگی۔ آگے جاکر پولیس والوں نے سرفراز کی گاڑی کو روک لیا۔ انسپکٹر نے پوچھا "تم ادھر سے آرہے ہو جدھر فائرنگ ہورہی تھی۔ معاملہ کیا ہے؟"

سرفراز نے کہا "چند نامعلوم افراد مجھے گھیر کر قتل کرنا چاہتے تھے۔ میری کزن کو اغوا کرنا چاہتے تھے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچاکر آرہا ہوں۔"

انسپکٹر نے کہا "اپنا ہتھیار ہمارے حوالے کرو۔"

سرفراز نے حکم کی تعمیل کی۔ انسپکٹر نے خالی ریوالور کو دیکھ کر کہا "تم نے چھ گولیاں چلائی ہیں۔ قتل کتنے کئے ہیں؟"

"میری فائرنگ سے بدمعاشوں کی ایک گاڑی دریا میں چلی گئی ہے۔ دوسری گاڑی میں ایک شخص ہلاک ہوا ہے' باقی بھاگ گئے ہیں۔"

انسپکٹر نے فرمونا سے پوچھا "تم غیر ملکی ہو۔ اس کی کزن کیسے ہوگئیں؟ یہ معاملہ کیا ہے؟"

انسپکٹر مقامی زبان پشتو میں بول رہا تھا اور فرمونا اس کی بات نہیں سمجھ رہی تھی۔ وہ سرفراز کے ساتھ گاڑی سے باہر آگئی تھی' میں اس حسینہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سرفراز جیسے قد آور خوبرو جوان کے ساتھ جچ رہی تھی۔ آئی جی نے انگریزی میں پوچھا "مس تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام فرمونا آندروف ہے۔ میں بلغاریہ سے آئی ہوں سرفراز کو پسند کرتی ہوں اس سے شادی کرکے یہاں رہنا چاہتی ہوں مگر وہ شیطان فرہاد علی تیمور ہم سے دشمنی کررہا ہے۔"

جس عزت سے وہ میرا ذکر کررہی تھی اسے سن کر میں نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر اس کے چور خیالات پڑھنے لگا۔ آئی جی نے مجھے کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا "مس فرمونا! فرہاد صاحب کا نام عزت سے لو۔ وہ ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ہیں۔"

"آپ کے لئے ہوگا۔ میرے لئے وہ ظالم اور بدکار ہے۔"

"تمہیں اس سے کیا شکایت ہے؟"

"میری شکایت سن کر آپ اسے دور نہیں کرسکیں گے۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا اپنی من مانی کرتا رہے گا۔"

اچانک ہی آئی جی نے اپنا ریوالور نکال کر سرفراز کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا "ہاں' میں اپنی من مانی کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ ابھی تمہیں زخمی کرکے تمہاری اصلیت معلوم کروں گا۔"

تھرپال بڑی دیر سے فرمونا کے دماغ میں رہ کر آئی جی اور انسپکٹر کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کرائے کے غنڈوں کے ذریعے سرفراز کو نقصان پہنچانے میں ناکام رہا تھا۔ غنڈے کام نہ آئے' اب پولیس کا بڑا افسر یہ مسئلہ حل کرسکتا تھا۔ اس لئے وہ آئی جی کے دماغ پر حاوی ہوکر سرفراز کو زخمی کرنا چاہتا تھا۔ میں بھی آئی جی کے دماغ پر حاوی ہوگیا۔ اس کے ریوالور کی نال نیچی ہوگئی۔

تھرپال نے یہ دیکھ کر پوری طرح دماغ پر قبضہ جمانا چاہا لیکن میری سوچ کی لہریں اسے آئی جی پر مسلط ہونے سے روک رہی تھیں۔ بے چارہ سرفراز یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کے سامنے زندگی کی کیسی کشمکش جاری ہے۔ وہ دشمن کی کوشش سے مرسکتا تھا اور میری کوشش اسے نئی زندگی دے سکتی تھی۔

اس نے بڑی جوانمردی اور جنگجوئی سے غنڈوں کو مار بھگایا تھا لیکن پولیس کے بڑے افسر کی گولی سے بچنا ناممکن تھا۔ جبکہ اپنا خالی ریوالور بھی انسپکٹر کے حوالے کرچکا تھا لیکن جو جواں مرد ہوتے ہیں' مقدر ان کا ساتھ دیتا ہے۔ میں نے آئی جی کو ریوالور واپس رکھنے پر مجبور کردیا۔

ابھی وہ ریوالور جیب میں رکھ رہا تھا کہ انسپکٹر نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکالا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دشمن اس انسپکٹر کو آلۂ کار بنارہا ہے۔ میں نے آئی جی کے ہاتھوں سے فوراً ہی گولی چلائی۔ انسپکٹر کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر زمین پر آگیا۔ پھر آئی جی نے میری مرضی کے مطابق انسپکٹر سے کہا "میری اجازت کے بغیر تم مسٹر سرفراز کو ریوالور سے نشانہ بنارہے تھے؟"

وہ الرٹ ہوکر بولا "سر! میں بے اختیار ہوکر ایسا کررہا تھا۔"

آئی جی نے تائید کی "بے شک تھوڑی دیر پہلے میں بھی اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا ہمارے ذریعے مسٹر سرفراز کو قتل کرنا چاہتا ہے۔"

فرمونا پشتو زبان نہیں سمجھ رہی تھی۔ اس نے حالات کو دیکھتے ہوئے کہا "آفیسر! آپ تسلیم کرلیں کہ یہ تمام مجرمانہ حرکتیں فرہاد کررہا ہے۔"

آئی جی ہدایت اللہ خان نے کہا "فرہاد تمہیں اور مسٹر سرفراز کو دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے سے بچارہا ہے۔ ابھی انسپکٹر کا ریوالور میں نے نہیں میرے ذریعے فرہاد نے گرایا ہے۔"

"لیکن میرے دماغ میں جو فرہاد آتا ہے وہ مجھے بلغاریہ سے پریشان کرتا آرہا ہے۔ وہ مجھے جبراً یہاں لایا ہے' میرے ذریعے اپنے کسی خیال خوانی کرنے والے دشمن کو قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"یہاں اس شہر میں خیال خوانی کرنے والا ہمارا فرہاد علی تیمور ہے' اس نے تمہیں آج ہی دیکھا ہے۔ بلغاریہ سے تمہیں ٹریپ کرکے لانے والا کوئی دشمن ہے اور وہ خود کو فرہاد ظاہر کررہا ہے۔"

پھر آئی جی نے انسپکٹر سے کہا "یہاں جو فائرنگ ہوئی اور بندے ہلاک ہوئے ہیں ان کے خلاف تھانے میں رپورٹ درج کرو کہ چند نامعلوم دہشت گرد ایک غیر ملکی لڑکی کو اغوا کرکے لے جانا چاہتے تھے' پولیس کی کاؤنٹر فائرنگ سے کچھ بدمعاش ہلاک ہوگئے ہیں۔ یہ نوجوان بے قصور ہے۔ اسے جانے دو۔"

سرفراز شکریہ ادا کرکے فرمونا کے ساتھ جانے لگا۔ آئی جی نے سوچ کے ذریعے پوچھا "مسٹر فرہاد! ابھی میں نے اس نوجوان کو بے قصور کہا ہے اور اسے جانے کی اجازت دے رہا ہوں' کیا آپ نے یہ فیصلہ میرے دماغ میں کیا ہے؟"

میں آئی جی کے پاس تھا۔ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا کافور خان کے ذریعے یہ جانتا تھا کہ ارسلان نامی شخص ہی فرہاد ہے اور اب مجھے آئی جی اور دوسرے پولیس والوں کے ساتھ دیکھ کر یہ نہ سمجھ سکا کہ میں ہی وہ ارسلان ہوں۔

وہاں جو کچھ ہورہا تھا اس دوران میں خاموش رہا تھا تاکہ دشمن میری آواز اور لہجے سے مجھے ارسلان کی حیثیت سے نہ پہچان لے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ فرہاد ہی ارسلان بن کر مرجینا کی زندگی میں آیا تھا اور آج بھی پشاور شہر میں موجود ہے۔ البتہ اب وہ خود کو سرفراز کہہ رہا ہے اور حسین فرمونا کا محافظ بنا ہوا ہے۔

میں نے آئی جی سے کہا "میں نے ہی آپ کی زبان سے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ سرفراز بے قصور ہے۔ آپ موجودہ فائرنگ کے سلسلے میں اسے تھانے اور پولیس کے چکر میں نہ ڈالیں۔"

انسپکٹر سپاہیوں کے ساتھ جائے واردات کی طرف گیا۔ میں نے آئی جی کے ساتھ شہر کی طرف جاتے ہوئے کہا "ابھی فرہاد صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے فرمونا کے خیالات پڑھے ہیں۔ اس لڑکی کے ساتھ بڑے پریشان کن حالات پیش آتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی ہمارے لئے قابلِ احترام ہے اس نے یہودیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ اس کے باپ نے مسلمان بن جانے کی بہت بڑی سزا پائی ہے۔ اسے قتل کرنے والے یہودیوں کو ایک نامعلوم ٹیلی پیتھی جاننے والے نے ہلاک کردیا ہے لیکن وہ فرمونا کو

اپنی معمول بناکر یہاں لے آیا ہے۔"

آئی جی نے پوچھا "یہ ٹیلی پیتھی جاننے والا کون ہے؟"

"پتا نہیں کون ہے؟ ویسے کوئی بھی ہو فرہاد صاحب سے چھپ نہیں سکے گا۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ہوٹل ڈین میں آئے۔ وہاں میرا قیام تھا' میں نے گاڑی سے اتر کر کہا "میں ابھی یہ ہوٹل چھوڑ دوں گا۔ اس اجنبی خیال خوانی کرنے والے کو میرا نام معلوم ہے۔ وہ میرے ذریعے فرہاد صاحب تک پہنچنے کے لئے مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"تم کہاں جاؤ گے؟"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں کہیں بھی اپنے لئے جگہ بنالوں گا۔"

"ٹھیک ہے' مجھ سے رابطہ ضرور رکھنا۔"

میں نے مصافحہ کیا' وہ چلے گئے۔ میں ہوٹل کے کمرے میں آکر اپنا مختصر سا سامان سمیٹنے لگا۔ جو خیال خوانی کرنے والا دشمن میرا نام اختیار کرکے واردات کررہا تھا' وہ مجھے کسی وقت بھی اس ہوٹل میں گھیر سکتا تھا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ میں ہی ارسلان بن کر رہتا ہوں لیکن یہ نہ معلوم کرسکا کہ وہ ارسلان پہلے آئی جی کی کوٹھی میں تھا اور اب ہوٹل ڈین میں ہے' ویسے وہ معلوم کرسکتا تھا۔

وہ مجھے چہرے سے نہیں پہچانتا تھا۔ صرف نام کا مسئلہ تھا۔ میں نے ارسلان کے نام کا شناختی کارڈ اپنے سفری بیگ میں چھپادیا پھر دوسرا شناختی کارڈ نکالا۔ اس میں میرے موجودہ حلیے کی تصویر تھی اس شناختی کارڈ کے مطابق میرا نام فخر زمان ہوگیا۔

میں جی ٹی روڈ پر آیا۔ پھر ایک درمیانے درجے کے ہوٹل امین میں ایک کمرا حاصل کیا۔ وہاں آرام سے ایک صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ یہ اجنبی ٹیلی پیتھی جاننے والا میرے خلاف کچھ زیادہ ہی تیزی دکھا رہا ہے۔ ایک بار مجھے قتل کرنے کے لئے کافور خان اور بیرم خان کو ذریعہ بنایا اور اب فرمونا آندروف کے ذریعے میری موت بننا چاہتا ہے۔

مجھے فرمونا کی سوچ نے بتایا تھا کہ وہ سرفراز کو دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا یعنی اسے فرہاد سمجھ رہا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی دانست میں دوسری بار مجھ پر حملہ کرایا تھا اور سرفراز کی شامت آگئی تھی۔

میں نے کئی بار اس سلسلے میں غور کیا تھا کہ وہ جان لبوڈا کا کوئی خیال خوانی کرنے والا ہے یا اس کا تعلق اسرائیل سے ہے کیونکہ دونوں ہی حکومتوں کو میرا پاکستان میں رہنا گراں گزر رہا تھا۔ اگر میں شکایت کرتا کہ انہوں نے ایک قاتل خیال خوانی کرنے والے کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے تو وہ کبھی یہ الزام تسلیم نہ کرتے۔ یہی کہتے کہ یہ شرارت ماسک مین کی ہے۔

اب تک میں بھی ماسک مین کے اکلوتے خیال خوانی کرنے والے ایوان راسکا پر شبہ کررہا تھا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب میں فرمونا آندروف کو ایک روسی لڑکی سمجھ رہا تھا۔ اب اس کے

خیالات پڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ خود مظلوم ہے۔ روسی' امریکی یا اسرائیلی نہیں ہے۔ اسے معمولہ بنایا گیا ہے اور وہ یہودی سے مسلمان بننے کی سزا پاتے ہوئے پاکستان پہنچی ہے۔

ان حالات کے پیش نظر عقل کہہ رہی تھی کہ وہ دشمن خیال خوانی کرنے والا ایوان راسکا نہیں ہے۔ میری ذات سے اس کی دشمنی بتا رہی تھی کہ وہ کوئی یہودی خیال خوانی کرنے والا ہے۔

میں اس معاملے پر غور کر رہا تھا' ایسے وقت لیلیٰ نے آکر کہا۔ "علی ہوا کی رفتار سے زیادہ فاسٹ ہے۔ وہ تمام گولڈن برینز کے دلوں اور دماغوں کو تسخیر کر چکا ہے۔ اسے بہت جلد ایک گولڈن برین ایڈگر کی جگہ دی جائے گی۔"

میں نے کہا "یہ خوش خبری اس کی سونیا مما کو سناؤ۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے علی کے پاس آکر کوڈ ورڈز ادا کئے پھر اسے شاندار کامیابی پر مبارک باد دی۔ اس وقت وہ اپنے سسر راجر موس سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے کہا "آدھے گھنٹے بعد آؤں گا۔ تم سے ضروری کام ہے۔"

میں علی کے پاس سے آیا تو لیلیٰ نے پھر آکر خوش خبری سنائی "مبارک ہو' آپ باپ بن رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا "یہ کیا مذاق ہے؟"

"مذاق نہیں حقیقت ہے۔ سسٹر سونیا کو یہ چوتھا مہینہ ہے۔"

میں نے حیرانی سے کہا "مگر لیلیٰ! میرا خون کس قدر زہریلا ہے' میں باپ نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم آج تک ماں نہ بن سکیں۔ پھر سونیا کیسے بن رہی ہے؟"

"یہ خدا کی قدرت ہے اور سسٹر کی ذہانت ہے۔ سسٹر نے ثابت کردیا ہے کہ جو ذہانت سے کوشش کرتا ہے خدا اس کے مقصد میں اسے کامیاب کرتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں' سونیا نے کس طرح کی کوشش کی ہے؟"

"زہریلی ماریا کئی برسوں سے سسٹر سونیا کے ساتھ رہتی رہی اور مختلف تربیتیں حاصل کرتی رہی لیکن تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ صرف ماریا نے سسٹر کی صلاحیتیں حاصل نہیں کیں۔ سسٹر بھی ماریا کے زہر کی عادی بنتی رہی ہیں۔ یہ عمل کئی برسوں تک جاری رہا۔ آج وہ آپ کے مقابلے میں زہریلی بن کر آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہیں۔"

آخری فقرہ ادا کرتے وقت لیلیٰ کی آواز جیسے آنسوؤں سے بھرا گئی۔ میں نے کہا "میں تمہارے دکھ کو سمجھ رہا ہوں۔ شادی کے بعد عورت ماں بننے کے انتظار میں رہتی ہے۔ تمہارا انتظار کبھی ختم نہیں ہوگا۔ تم میرے بچوں کی ماں نہیں بن سکو گی۔"

وہ بولی "مجھ میں سسٹر جیسا حوصلہ نہیں ہے۔ میں زہر کی ننھی سی بوند کا عشر عشیر بھی برداشت نہیں کرسکوں گی۔ سسٹر کو یقین تھا کہ وہ زہر کو شکست دے دیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ یہی کوشش میں کروں گی تو یہ سراسر خودکشی ہوگی۔"

"جو بات تمہارے لئے انہونی ہے اس کے لئے غم نہ کرو۔"

"میں اس پر راضی ہوں جو خدا کو منظور ہے۔ آپ کو ابھی سسٹر کے پاس جانا چاہئے۔ میں پھر آؤں گی۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے سونیا کے پاس آکر کوڈ ورڈز ادا کئے۔ وہ بابا فرید واسطی مرحوم کے حجرے میں فرش پر دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔ ابھی عبادت سے فارغ ہوئی تھی۔ میرے آتے ہی وہ سر جھکا کر شرمانے اور مسکرانے لگی۔ میں نے کہا "مجھے یقین نہیں آرہا ہے سونیا!"

وہ کچھ نہ بولی "میں اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ لیلیٰ نے درست کہا تھا کہ وہ ماریا کے ذریعے اس حد تک زہریلی ہوگئی تھی کہ اب میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔

اور مجھے یہ بات آج معلوم ہوئی کہ بابا فرید واسطی مرحوم نے اپنی زندگی میں پیش گوئی کردی تھی کہ اس کا بے وفا محبوب اسے جیون ساتھی کے طور پر ملے گا۔ اور میں اسے حاصل ہو چکا تھا۔

یہ بھی انہوں نے فرمایا تھا کہ سونیا دوبار حجرے میں آئے گی ایک بار چھ ماہ کے لئے جب وہ ماں بنے گی۔ دوسری بار چھ دن کے لئے جب وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں ختم کر رہی ہوگی۔

سونیا ایک ایسا زندہ جاوید کردار ہے کہ اس کی موت کا تصور کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا لیکن موت برحق ہے۔ ایک دن سب کو فنا ہونا ہے' وہ بھی ہو جائے گی۔

فی الحال یہ خوشی کا مقام تھا کہ اس کی گود بھرنے والی ہے۔ جب میں نے خیالات پڑھ لئے تو وہ بولی "میرے بابا نے کہا تھا' چھ ماہ تک کوئی اس حجرے میں نہیں آئے گا۔ کوئی مجھ سے باتیں نہیں کرے گا۔ صرف تم علی الصباح بلاناغہ میرے پاس آیا کرو گے۔ مجھے فجر کی اذان سنایا کرو گے۔ یہ اذانیں تمہاری خیال خوانی سے میرے دماغ کے ذریعے اس ننھے سے وجود تک پہنچتی رہا کریں گی۔ یہ اس کی روحانی خوراک ہوگی۔"

"میں آؤں گا۔ ہر صبح بلاناغہ آتا رہوں گا۔ بابا صاحب کی کچھ اور پیش گوئیاں سناؤ۔"

"وقت سے پہلے کچھ سننے اور کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں مجبور ہوں۔ تمہارے لئے بابا صاحب کا اتنا ہی حکم تھا کہ فجر کے وقت آؤ گے' اذان سنا کر ایک باپ کا فرض ادا کرو گے۔ پھر میں وضو کرکے نماز کے لئے کھڑی ہو جاؤں تو تم چلے جاؤ گے۔ بس اتنی ہی مختصر سی ملاقات کی اجازت ہے' پلیز اب چلے جاؤ۔"

میں اپنی جگہ دماغی طور پر واپس آگیا۔ ہوٹل کے کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ میں دشمن خیال خوانی کرنے والے کی چالوں سے بچنے کے لئے اس معمولی سے ہوٹل میں آیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسرائیلی اور امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ٹٹولتے ہوئے اس شخص تک پہنچ جاؤں گا جو فرمونا کے ذریعے مجھے پھانسنے اور قتل کرنے کی دوبار ناکام کوششیں کر چکا ہے۔

اب اس کی جڑوں تک پہنچنا لازمی ہوگیا تھا۔ ورنہ تیسری بار وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے میں پھر ایک بار علی تیمور کے پاس آیا۔ میں اور میرے ساتھی خیال خوانی کے وقت محتاط رہتے تھے۔ کسی کے دماغ میں پہنچتے ہی اسے مخاطب نہیں کرتے تھے جب وہ سانس روکنے لگتا تو ہم کوڈ ورڈز ادا کرتے تھے۔

علی کے دماغ میں پہنچ کر میں نے انتظار کیا۔ چند سیکنڈ میں معلوم ہوگیا کہ الپا اس کے دماغ میں ہے۔ اسی لئے بیٹے نے میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کیا۔ وہ کہہ رہی تھی "کارمن! (علی) تم مجھے دماغ میں آنے سے کیوں روکتے ہو۔ کیا مجھ سے بیزاری ظاہر کرتے ہو؟"

اس نے کہا "میں سانس روک رہا ہوں۔ فون پر باتیں کرو تمہاری باتوں کا جواب دوں گا۔"

اس نے سانس روک لی۔ الپا کے ساتھ میں بھی اس کے دماغ سے نکل گیا۔ پھر واپس جاکر کوڈ ورڈز ادا کئے۔ اس کے بعد کہا۔ "ابھی آیا تھا' الپا تم سے باتیں کر رہی تھی۔ اس سے فون پر مختصر گفتگو کرو۔ میں پانچ منٹ بعد آؤں گا۔"

"پاپا! آپ نہ جائیں۔ میں اس سے باتیں کروں گا۔ آپ میرے خیالات پڑھ کر گولڈن برینز کے متعلق تازہ ترین معلومات حاصل کرتے رہیں۔"

فون کی گھنٹی سن کر اُس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے الپا کی آواز سنائی دی۔ علی نے کہا "میں تم سے بیزار نہیں ہوں' تمہاری آمد پر خوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ تم ہمارے ملک کا سرمایہ ہو محبِ وطن خیال خوانی کرنے والی ہو لیکن میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی بے چین ہو جاتا ہوں۔ میں اپنے مزاج پر گراں گزرنے والی کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا۔"

"چلو یہی کیا کم ہے کہ فون پر برداشت کر رہے ہو۔"

"الپا! اب کام کی بات کرو۔"

"مشینیں بھی ہر وقت کام نہیں کرتیں۔ ہمیں بھی کبھی کبھی دوستی اور محبت کی باتیں کرنی چاہئیں۔"

"کسی کی مثال دو تو اس پر عمل بھی کیا کرو۔ مشینیں بے شک ہر وقت کام نہیں کرتیں اور جب کام نہیں کرتیں تو خاموش رہتی ہیں۔"

"یعنی مجھے خاموش رہنے کا مشورہ دے رہے ہو؟"

"کوئی ضروری نہیں کہ مشورہ پر عمل کرو۔ البتہ مجھے خاموش رہنے دو۔"

"یوں کترانے کی وجہ کیا ہے؟"

"مجھ سے پوچھ رہی ہو جب کہ یہ سمجھتی ہو کہ اپنے ملک کے تمام خیال خوانی کرنے والوں کی طرح تم بھی روپوش رہتی ہو۔ اگر مجھ میں دلچسپی لوگی' مجھ سے ملو گی اور ظاہر ہو جاؤ گی تو کوئی دشمن میرے ذریعے تمہیں ٹریپ کرے گا۔"

"میں سوچ سمجھ کر تمہاری طرف بڑھ رہی ہوں۔ تم یوگا کے ماہر ہو۔ دلیر اور فولادی ہو۔ آج کل میں گولڈن برین کا عہدہ حاصل کرنے والے ہو۔ میں آزادی سے کسی روک ٹوک کے بغیر تم سے مل سکوں گی۔"

"کس تعلق سے ملو گی؟"

"ہمارا تعلق محبت سے شروع ہوگا۔"

"وہ تو شروع ہو چکا ہے۔ میں پامیلا کو دل و جان سے چاہتا ہوں اس کے پیار بھرے اعتماد کو دھوکا نہیں دوں گا۔"

"تم نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔ دیکھو گے تو ایسی باتیں کرنا بھول جاؤ گے۔"

"جو عورت اچھی باتیں بھلا دے اس کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہئے۔"

"کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو؟"

"میں صاف اور سیدھی بات کرتا ہوں۔ پامیلا کا حق تمہیں نہیں دوں گا مگر ہاں تمام عمر تم سے دوستی کرتا رہوں گا۔"

"چلو دوستی ہی سہی۔ سنا ہے محبت سے دوستی بڑھتی ہے اور دوستی سے محبت پیدا ہوتی جاتی ہے۔"

"ہماری دوستی سے وطن کی محبت اور فرائض کی ادائیگی میں استحکام پیدا ہوگا۔"

"تم بات کو گھمانا خوب جانتے ہو۔"

"الپا! ابھی تک تم نے کام کی بات نہیں کی ہے۔"

"کچھ ایسی اہم باتیں ہیں جو فون پر نہیں کی جاسکتیں۔"

"کیا دماغ میں آکر کہنا چاہتی ہو؟"

"دماغ میں آنے سے تم بے چینی اور ناگواری محسوس کرتے ہو۔"

"سمجھ گیا۔ ملاقات کرنا چاہتی ہو۔"

"دل سے نہیں بلاؤ گے تو ملاقات کا خاک مزہ آئے گا۔"

"فرائض کی ادائیگی کے لئے تمہیں دل سے بلا رہا ہوں۔ بتاؤ کہاں ملاقات ہوگی؟"

"شیرٹن کے ڈائننگ ہال میں۔"

"میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟"

"میں پہچان لوں گی۔"

"کس وقت؟"

"ٹھیک رات کے نو بجے آؤں گی۔"

"اوکے۔ سوفار۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس دوران میں علی کے خیالات پڑھتا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس کے سسر راجر موس نے خود کو گولڈن برین کی حیثیت سے اس کے سامنے ظاہر کردیا ہے اور یہ خبر سنائی ہے کہ ایڈگر سلومن کو حراست میں رکھا گیا ہے۔ چونکہ وہ

نادانستگی میں جان لمبوڈا کا معمول بن گیا تھا۔ اس لئے اسے غدار تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا برین واش کرکے اس کے دماغ سے جان لمبوڈا کو بھگا دیا جائے گا۔ اس وقت تک کے لئے علی تیمور کو قائم مقام گولڈن برین بنایا جائے گا۔

یہ علی تیمور کے لئے آزمائشی مدت ہوگی۔ اس مدت میں وہ مزید ذہانت کا ثبوت دے گا تو ایڈگر سلومن کے واپس آنے کے بعد علی کو مستقل طور پر ساتواں گولڈین برین کا عہدہ دیا جائے گا۔

علی نے ریسیور رکھا تو میں نے کہا "بیٹے! تم سمجھ دار ہو۔ پھر بھی تمہیں سمجھاتا ہوں۔ الپا کسی خاص مقصد سے تمہاری ذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں پاپا! ابھی اس کا توڑ کر رہا ہوں۔"

وہ اپنے کمرے میں تھا۔ وہاں سے اٹھ کر راجر موس کے کمرے کے سامنے آیا' دروازے پر دستک دی' اندر سے آواز آئی۔

"کم اِن۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ راجر موس نے کہا "ہائی سن! میں نے تمہیں آرام کرنے کو کہا تھا۔ مگر تم پھر کسی کام سے آئے ہو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "کام بہت ضروری تھا سر!"

"تم مجھے سر کہہ رہے ہو؟ مَیں گھر میں تمہارا فادر اِن لا ہوں' مجھے ہمیشہ کی طرح انکل کہو۔"

"بے شک آپ میرے انکل ہیں لیکن سرکاری فرائض ادا کرتے وقت آپ کو سر کہہ کر مخاطب کروں گا۔"

"ابھی کون سا سرکاری فرض ادا کرنے آئے ہو؟"

"سر! الپا میری ذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔ آج رات نو بجے شیرٹن کے ڈائننگ ہال میں مجھ سے ملنے آئے گی۔"

راجر موس نے کہا "تعجب ہے' الپا ایسی غیر ذمے دار تو نہیں ہے۔"

"یہی میں سوچ رہا ہوں کہ عشق نے اسے سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رکھا ہے۔ کوئی دشمن اسے میرے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ یا کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا مجھے کسی طرح دماغی طور پر کمزور بنا کر الپا کی شہ رگ تک پہنچ سکتا ہے۔"

"درست کہتے ہو۔ کیا اس نے خیال خوانی کے ذریعے تم سے ملنے کا وعدہ کیا ہے؟"

"نو سر! یہ اس کی دوسری حماقت ہے کہ اس نے فون پر ملاقات کی جگہ اور وقت کا تعین کیا ہے۔ فون پر ہونے والی گفتگو کوئی دوسرا بھی سن سکتا ہے۔"

"میں ابھی الپا سے وضاحت طلب کروں گا۔"

"اگر وہ سنجیدگی سے مجھے چاہتی ہے تو میری شکایت کو اپنی توہین سمجھے گی۔ اسے محبت کا جواب میری محبت سے نہیں ملے گا تو وہ مخالفانہ رویّہ اختیار کر سکتی ہے۔ دوسرے تمام گولڈن برینز کو مجھ سے بدظن کر سکتی ہے۔"

"ہاں' یہ ممکن ہے۔ مجھے یہ سن کر حیرانی ہو رہی ہے کہ وہ تم سے عشق کرکے عقل کھو رہی ہے۔ ہم اپنے خیال خوانی کرنے والوں میں جے مورگن اور الپا کو سب سے زیادہ ذہین اور قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں الپا کا محاسبہ کروں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ علی کو اپنے ساتھ لے کر ایک اسٹور روم میں پہنچا پھر بولا "آج میں تمہیں اپنا خفیہ کمرا دکھاؤں گا۔ یہ تمہارے سامنے محض ایک پرانے ڈیزائن کی الماری ہے لیکن اس الماری کے اندر سے ایک چور راستہ میرے خفیہ کمرے کی طرف جاتا ہے۔"

وہ علی کو خفیہ راستے کی ایک ایک تفصیل بتاتے ہوئے اس کمرے میں آیا جہاں ہم پہلے ہی اس کی بیوی کو معمولہ بنا کر خیال خوانی کے ذریعے پہنچ گئے تھے۔ اس نے ٹیلی کمپیوٹر کے ذریعے گولڈن برین میجر یارڈلے سے رابطہ کیا پھر کمپیوٹر تحریر کے ذریعے کہا "تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ الپا عشق و محبت کے موڈ میں ہے۔ مسٹر کارمن ہیر اللہ سے عشق کر رہی ہے۔"

میجر یارڈلے نے کہا "معلوم ہوتا ہے یہ معاملہ سرکاری نہیں ذاتی ہے۔ تمہیں یہ شکایت ہے کہ الپا تمہارے داماد کو تمہاری بیٹی سے چھین لینا چاہتی ہے۔"

"میجر! اس کمپیوٹر کے ذریعے میری گفتگو صرف سرکاری ہوتی ہے۔ اگر ذاتی ہوتی تو میں کارمن کو اپنا داماد کہہ کر بیٹی کے سہاگ کا واسطہ دے کر الپا کے خلاف شکایت کرتا۔"

"سوری نمبر ون! میں بات سمجھ گیا۔ الپا کارمن سے یا کسی سے بھی عشق کرے گی تو اس کا محبوب اس کی ذاتی مصروفیات میں دلچسپی لے گا اس طرح اسے ہماری مصروفیات کا علم ہوتا رہے گا۔"

"صرف یہی نہیں۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ الپا کے محبوب کے ذریعے کوئی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا ہمارا سراغ لگا سکتا ہے۔ آج رات نو بجے الپا شیرٹن ہوٹل میں کارمن سے ملاقات کرے گی۔ کیا الپا کو اس طرح پبلک پلیس میں جانا چاہیے؟"

"ہرگز نہیں۔ کیا یہ باتیں تمہارے داماد کارمن نے بتائی ہیں؟"

"ہاں اسے بھی یہ تشویش ہے کہ الپا عشق میں اندھی ہو کر پبلک پلیس میں آئے گی تو کوئی دشمن اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"نمبر ون! تمہارا داماد ایک مستقل مزاج اور اصول پسند شخص ہے۔ میرے حکم کے مطابق الپا اسے آزما رہی ہے۔ ہم نے کارمن کو مختلف پہلوؤں سے آزما کر اسے ذہین اور دلیر تسلیم کیا ہے۔ اب ہم اسے رومانی اور جنسی پہلو سے بھی آزمانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے الپا نے اسے ہوٹل میں بلایا ہے۔"

"میجر! تم کسی دوسری حسینہ سے بھی کارمن کو آزمانے کا کام لے سکتے تھے؟"

"کسی دوسری میں اور الپا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ کوئی بھی شخص اس سے صرف جنسی معاملے ہی میں نہیں ٹیلی پیتھی کے معاملے میں بھی دلچسپی لے گا۔"

"تم الپا کی طرف سے بھی غور کرو۔ اگر وہ سچ مچ سنجیدگی سے کارمن پر عاشق ہو جائے گی تو کیا ہوگا؟"

"نمبر ون! اسے سچ مچ عاشق ہونے دو۔ اس میں ہمارا فائدہ ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ میری بیٹی پامیلا پر سوکن لانے کی بات کر رہے ہو؟"

"نمبر ون! یہ تمہارا ہی حکم ہے کہ اپنے ذاتی معاملات کو سرکاری معاملات پر قربان کر دیا کرو۔ الپا کے سلسلے میں سرکاری معاملہ یہ ہے کہ وہ ہمارے نئے گولڈن برین کارمن (علی) کی دوست بن کر رہے گی تو پھر کوئی دشمن اسے دوست بن کر نہیں پھنسائے گا۔ جیسا کہ ماضی میں پارس نے اسے پھنسایا تھا۔"

"تم درست کہہ رہے ہو لیکن میں کارمن کو ایک عرصے سے جانتا ہوں' وہ انتہائی شریف نوجوان ہے۔ ہوس پرستی سے دور رہتا ہے۔ اسے اس دلدل میں لانا مناسب نہیں ہے۔"

"الپا کے جذبات کو لگام دینے اور اس محبِ وطن ٹیلی پیتھی جاننے والی کو کسی غیر کی جھولی میں جانے سے روکنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ اگر تمہیں اعتراض ہے تو یہ مسئلہ تمام گولڈن برینز کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

"نہیں میجر! میں سرکاری معاملات پر اعتراض نہیں کروں گا۔ خواہ اعتراض نہ کرنے سے میری جان جائے یا میری بیٹی کا دل ٹوٹتا رہے۔ دیٹس آل۔"

راجر موس نے رابطہ ختم کر دیا۔ علی اس کے پاس بیٹھا اسکرین پر وہ تحریری گفتگو پڑھتا رہا تھا۔ گفتگو کا آخری حصہ ایسا تھا کہ وہ سسر اور داماد ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملا رہے تھے۔

میں نے علی سے کہا "راجر موس تمہیں گولڈن برین کے عہدہ پر پہنچا کر اب پچھتا رہا ہے۔ الپا اس کی بیٹی کا آدھا حق حاصل کرے گی۔"

"پاپا! آپ میرے مزاج سے واقف ہیں۔ یہ میرے لئے بھی ایک مسئلہ ہے۔ میں الپا یا کسی بھی دوسری لڑکی سے دلچسپی لینا نہیں چاہتا۔"

"انسان کے نہ چاہنے کے باوجود حالات اسے چاہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کبھی تم پامیلا سے شادی کرکے اسے دھوکا نہیں دینا چاہتے تھے مگر اب اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار رہے ہو۔"

میں کہتے کہتے رک گیا۔ راجر موس نے سر اٹھا کر علی سے کہا۔ "پامیلا میری ایک ہی اولاد ہے۔ میں اسے جان سے زیادہ چاہتا ہوں جب اسے معلوم ہوگا کہ تم کسی دوسری سے ملتے ہو تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"انکل! مجھے پامیلا کی زندگی عزیز ہے۔ میں گولڈن برین کا عہدہ قبول نہیں کروں گا۔"

"عہدہ قبول نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دراصل الپا ایک مسئلہ ہے۔ وہ جوان اور حسین ہے۔ ہمیں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ پارس کی طرح پھر کوئی دشمن اسے عشق کے جال میں نہ پھانس لے۔ وہ تمہاری محبوبہ بن کر رہے گی تو ہم تمام گولڈن برینز مطمئن رہیں گے۔"

"یعنی آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں یہ کڑوا گھونٹ پی لوں؟"

"میں فرض کی ادائیگی کے لئے یہی چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں خفیہ کمرے سے باہر آگئے۔ پامیلا اپنے کمرے میں سوگوار بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی ماں کی موت کا صدمہ برداشت کر رہی تھی۔ علی نے کہا "پاپا! یہ پچھلی رات سے جاگ رہی ہے' آپ اسے سلا دیں۔"

میں پامیلا کے دماغ میں آیا' اسے بستر پر لے گیا۔ وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ خوب رونا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی آنکھیں بند کر دیں پھر خیال خوانی کے ذریعے اسے گہری نیند میں پہنچا دیا۔

میں نے علی کے پاس آکر فرمونا آندروف اور اجنبی خیال خوانی کرنے والے کے متعلق تفصیل سے واقعات بتائے پھر کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ وہ اجنبی یہاں کے یہودی خیال خوانی کرنے والوں میں سے کوئی ہے۔"

اس نے کہا "الپا اور جے مورگن انتہائی وفادار اور ذمے دار خیال خوانی کرنے والے افراد ہیں۔ یہ دونوں صرف ملکی معاملات میں گولڈن برینز کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ تیسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا ہیری ہوگن ہے۔ اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہودیوں نے اسے آپ کے پیچھے لگا دیا ہے۔ چوتھا ٹیلی پیتھی جاننے والا جنرل پارکن قیدی کی زندگی گزار رہا ہے۔ شاید اس کا برین واش کیا گیا ہے۔"

میں نے کہا "الپا' جے مورگن اور ہیری ہوگن شاید گولڈن برین میجر یارڈلے کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اس لئے نمبر ون گولڈن برین راجر موس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ الپا میجر یارڈلے کے حکم پر تم سے دوستی کر رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ یہ خیال خوانی کرنے والے میجر یارڈلے کے ماتحت ہیں اور شاید میجر نے ہی ہیری ہوگن کو آپ کے پیچھے لگایا ہے۔ مجھے کسی طرح میجر یا ہیری ہوگن کو کمزور بنانا ہوگا۔ اس مقصد کے لئے ان کا پتا ٹھکانا معلوم کرنا ضروری ہے۔"

"تم اس سلسلے میں کوشش کرو۔ میں امریکی خیال خوانی کرنے والوں کو ٹٹولنے جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جان لمبوڈا نے اپنے کسی ماتحت کو میرے پیچھے لگا دیا ہو۔ میں پھر آؤں گا۔"

اس سے رخصت ہو کر میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اسرائیل

میں علی تیمور تھا جس کے ذریعے میں دشمن خیال خوانی کرنے والے کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا۔ امریکا میں سونیا ثانی تھی' جو ہمارے تنویمی عمل کے باعث خود کو بھولی ہوئی تھی اور اپنے آپ کو سلوانہ کے نام سے پہچانتی تھی۔

وہ جان لبوڈا کی سرپرستی میں ملٹری ہیڈ کوارٹر کے ایک ٹریننگ سینٹر میں پہنچائی گئی تھی۔ سپر ماسٹر اور جان لبوڈا کا ارادہ تھا کہ ایک دن اسے ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی پیتھی کا علم دیا جائے گا۔

سلوانہ عرف سونیا ثانی نے ابتدا ہی سے اپنے کارناموں کے ذریعے جان لبوڈا وغیرہ کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ بچپن سے سونیا کے سائے میں رہ کر زبردست ٹریننگ حاصل کرچکی تھی۔ تقریباً دوسری سونیا بن گئی تھی اس لئے اسے سونیا ثانی کہا جاتا تھا۔

جب اس نے ملٹری ٹریننگ سینٹر میں بھی سو فی صد مارکس حاصل کرکے تربیت دینے والے ٹریزز کو حیران کیا تو یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ پندرہ دنوں تک اسے میڈیکل ابزرویشن میں رکھنے کے بعد ٹرانسفارمر مشین سے گزارا جائے گا۔

میں ثانی کے دماغ میں جاکر چپ چاپ یہ خیالات پڑھ رہا تھا اور یہ انکشاف ہورہا تھا کہ ایک ٹرانسفارمر مشین سپر ماسٹر کے پاس موجود ہے۔ یا دوبارہ تیار کی گئی ہے اور پندرہ دن بعد ثانی ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے والی ہے۔

میں نے سلمان کو مخاطب کرکے اسے سونیا ثانی کے متعلق بتایا۔ اس نے خوش ہوکر کہا "یہ میرے لئے بہت بڑی خوش خبری ہے۔ ہماری ٹیم میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی کا اضافہ ہونے والا ہے۔"

میں نے کہا "آج سے تمہاری اور سلطانہ کی یہ ڈیوٹی ہے کہ باری باری ثانی کے پاس موجود رہوگے۔ آج سے پندرھویں دن یہ ضرور معلوم کرنا کہ اس کے دماغ میں جان لبوڈا وغیرہ کب تک موجود رہتے ہیں۔ ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ثانی پر تنویمی عمل کرو اور اسے اپنی اصلی شخصیت یاد دلاؤ تاکہ وہ ٹرانسفارمر مشین سے گزرنے کے بعد ہماری ہی رہے غفلت کروگے تو وہ سلوانہ کی حیثیت سے ان کی ٹیلی پیتھی جاننے والی بن جائے گی۔"

میں تمام باتیں سمجھا کر پھر ثانی کے پاس آگیا۔ میں ثانی کے ذریعے کسی ایسے فرد کو پکڑنا چاہتا تھا جسے آلۂ کار بنا کر جان لبوڈا یا سپر ماسٹر ہولی مین کے قریب رہ سکوں۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ لبوڈا کی ایک بیٹی بھی ٹریننگ سینٹر میں ہے اس کا نام کانوواتا لبوڈا تھا۔

میں اپنی داستان میں کانوواتا کا ذکر کرچکا ہوں۔ لبوڈا چاہتا تھا اس کی بیٹی بھی ٹریننگ کے نتیجے میں اے گریڈ حاصل کرکے اور ٹرانسفارمر مشین سے گزر کر ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرے۔ کانوواتا ذہین تھی لیکن اے گریڈ حاصل کرنے والی ذہانت اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ بھرپور کوشش کررہی تھی۔ جان لبوڈا نے سلوانہ (ثانی) سے کہا تھا "میری بیٹی کو گائیڈ کرو۔ اسے اپنے ساتھ رکھا کرو۔ تمہاری ذہانت سے یہ بہت کچھ سیکھ لے گی۔"

تب سے کانوواتا اور سلوانہ آپس میں سہیلیاں بن گئی تھیں۔ جب ان کے درمیان بے تکلفی بڑھنے لگی تو ایک دن کانوواتا نے اپنے دل کی بات بتائی کہ اسے ایک گورے امریکی جوان سے محبت ہوگئی ہے۔

سلوان نے پوچھا "کیا وہ بھی تمہیں چاہتا ہے؟"

"دل و جان سے چاہتا ہے۔"

"لیکن تم نیگرو ہو۔ کیا وہ تم سے شادی کرے گا اور کرے گا تو تمہارے سیاہ فام ہونے کا طعنہ نہیں دے گا۔"

"یہاں کالے اور گورے کا جھگڑا رہتا ہے اس کے باوجود بعض کالے گوری عورتوں سے اور گورے مرد کالی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں۔"

"کیا اس نے شادی کا وعدہ کیا ہے؟"

"ہاں' وہ میرے ڈیڈی کا احسان مند ہے۔ ڈیڈی نے اسے یہاں ٹریننگ سینٹر میں داخل کرایا تھا۔ وہ مجھ سے ایک سال سینئر تھا۔ اے گریڈ حاصل کرکے یہاں سے جاچکا ہے۔"

"یعنی ایک برس پہلے ٹرانسفارمر مشین سے گزر چکا ہے۔"

"شاید اس نے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرلیا ہے۔ ڈیڈی راز کی باتیں اپنی اولاد کو بھی نہیں بتاتے ہیں۔"

ثانی نے کہا "میرا خیال ہے اس نے علم حاصل نہیں کیا ہے اگر کرتا تو تمہارے دماغ میں آکر تم سے ضرور باتیں کرتا۔"

"ہاں۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ اے گریڈ حاصل کرکے جانے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ٹرانسفارمر مشین سے گزر چکا ہے۔ پھر مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کرتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے وہ تمہارے ڈیڈی کی طرح سخت اصول پسند ہو اور سپر ماسٹر کے حکم کے مطابق غیر ضروری خیال خوانی سے پرہیز کرتا ہو اسی لئے تمہارے پاس نہ آتا ہو۔"

"کاش ایسا ہی ہو۔ وہ فرائض کی ادائیگی کے باعث مجھ سے رابطہ نہ رکھتا ہو۔ لیکن وہ مجھ سے محبت کرتا ہے' ایک دن ضرور میرے پاس آئے گا۔"

"تم نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

"اس کا نام بین جیمن تھربال ہے مختصر طور پر بی جی تھربال کہلاتا ہے میں اسے صرف تھربال کہتی ہوں۔"

یہ انکشاف ہوتے ہی میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ ثانی کے چور خیالات پڑھنے سے مشکل آسان ہوگئی تھی۔ اگرچہ میں نے تھربال کا نام پہلے کبھی نہیں سنا تھا لیکن وہ ٹیلی پیتھی سیکھنے کے بعد اچانک گم ہوگیا تھا۔ اپنی محبوبہ سے بھی رابطہ نہیں کررہا تھا۔ کانوواتا نے اپنے باپ لبوڈا کو اس سلسلے میں فکر مند نہیں پایا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ لبوڈا نے صرف مجھے قتل کرانے کے لئے تھربال کو چھپا کر رکھا ہے۔ ہماری دنیا میں جتنے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں ان کی فہرست میں لبوڈا نے تھربال کا نام نہیں آنے دیا۔ صرف اس لئے کہ میں محتاط نہ ہوجاؤں اور تھربال کا نام معلوم ہوتے ہی اسے کہیں سے ڈھونڈ نہ نکالوں۔

ہزار رازداری کے باوجود میں نے اسے کسی حد تک تلاش کرلیا' صرف اس کا ٹھکانا معلوم کرنا رہ گیا تھا۔ میں نے علی سے کہا "دشمن خیال خوانی کرنے والے کا نام بی جی تھربال ہے۔ جان لبوڈا سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ تم اپنے معاملات پر توجہ دو۔"

میں فرمونا کے پاس آیا۔ وہ سرفراز خان کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔ سرفراز خان کی ماں نے اس سے پوچھا "بیٹی! تمہاری اور ہماری تہذیب میں بڑا فرق ہے۔ کیا ہمارے ساتھ گزارہ کرسکوگی؟"

سرفراز نے ماں کی پشتو زبان کا ترجمہ کیا۔ فرمونا نے کہا "میں آپ کو ماں کہتی ہوں اور ساری دنیا کی ماؤں کی تہذیب ایک' اس کا دودھ ایک اور اس کی ممتا ایک ہوتی ہے۔"

پھر وہ سرفراز کے بازو کو تھام کر بولی "آپ کے بیٹے نے مجھے تحفظ دیا ہے اور ہر عورت اسی تہذیب سے محبت کرتی ہے جہاں اسے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ ماں! میں آپ کی زبان سیکھوں گی پھر آپ سے خوب باتیں کیا کروں گی۔"

اسی وقت تھربال نے اس کے دماغ میں کہا "بہت خوش ہورہی ہو' کیا مجھے چھوڑ کر یہاں گھر بساؤ گی؟"

وہ پریشان ہوکر بولی "سرفراز! وہ پھر میرے اندر آکر بول رہا ہے۔"

سرفراز کے کچھ کہنے سے پہلے میں نے فرمونا کے دماغ میں کہا۔ "ہیلو تھربال! ذرا جلدی یہ حساب کرلو کہ تمہاری سانسیں کتنی رہ گئی ہیں۔"

جواب میں خاموشی رہی۔ فرمونا نے پریشان ہوکر کہا "کوئی کسی تھربال کو اپنی سانسوں کا حساب کرنے کو کہہ رہا ہے۔ پتا نہیں یہ میرے دماغ میں کیا ہورہا ہے۔ میں پاگل ہوجاؤں گی۔"

میں نے کہا "فرمونا! حوصلے سے کام لو۔ جو فرہاد تمہیں پریشان کررہا ہے اس سے تمہیں جلد ہی نجات مل جائے گی۔"

سرفراز' فرمونا کی پیشانی کو دیکھ کر کہہ رہا تھا "تم کون ہو؟ کیوں میری فرمونا کے دماغ میں آکر پریشان کررہے ہو؟"

میں نے کہا "فرمونا! اپنے محبوب سے کہہ دو۔ میں تمہارا مددگار ہوں۔ میرے آتے ہی فرہاد تمہارے دماغ سے بھاگ گیا۔ میں چاہوں تو ابھی اسے پکڑ سکتا ہوں لیکن مجھے چوہے بلی کا کھیل پسند ہے۔ میں اس چوہے کو دوڑا دوڑا کر ماروں گا۔"

یہ آخری فقرے میں نے تھربال کو سنانے کے لئے کہے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ خاموشی سے موجود ہے۔ یہ بہت بعد میں معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنا نام سنتے ہی بھاگ گیا تھا۔ اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوکر حیرانی اور پریشانی سے سوچ رہا تھا کہ مجھے اس کا نام کیسے معلوم ہوگیا؟

میرے متعلق دشمن کہتے تھے کہ میں شیطان ہوں' اچانک کہیں سے آکر سر پر سوار ہوجاتا ہوں اور یہ خوش فہمی ختم کردیتا ہوں کہ ان کے اہم اسرار تک نہیں پہنچ سکتا۔

وہ اندیشوں میں گھرا سوچ رہا تھا کہ میں کہیں بھی موت بن کر پہنچ سکتا ہوں۔ جب نام معلوم ہوچکا ہے تو ٹھکانا بھی معلوم ہوجائے گا اور ہوسکتا ہے کہ معلوم ہوچکا ہو۔ وہ یا اس کا خیال خوانی کرنے والا ساتھی دور ہی دور سے مجھے دیکھ رہا ہو۔

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ جان لبوڈا کے پاس آکر کوڈ ورڈز ادا کئے پھر کہا "سر! مصیبت ہوگئی' فرہاد مجھے جانتا ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "کیسے جانتا ہے؟"

"میں کیا بتاؤں سر! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ذرائع کیا ہیں؟ اس کا شیطانی طریقۂ کار سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم سمجھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور وہ شہ رگ تک پہنچ جاتا ہے۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ تمہیں جانتا ہے؟"

"میں تھوڑی دیر پہلے فرمونا کے پاس تھا۔ میرے بچھائے ہوئے جال کے مطابق فرہاد فرمونا کا دیوانہ ہوگیا ہے۔ سرفراز خان کے بھیس میں اُس سے دلچسپی لے رہا ہے۔ میں نے فرمونا کو دھمکی دی کہ وہ میرا ساتھ نہیں دے گی تو سرفراز خان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکے گی' ایسے ہی وقت فرہاد نے فرمونا کے دماغ میں آکر مجھے نام لے کر مخاطب کیا' اس نے کہا' ہیلو تھربال! ذرا جلدی یہ حساب کرلو کہ تمہاری سانسیں کتنی رہ گئی ہیں۔"

جان لبوڈا نے کہا "اس فقرے کے پیچھے یہ یقین چھپا ہوا ہے کہ اس کے ساتھی تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ تمہاری سانسوں کا رشتہ تم سے توڑ سکتے ہیں۔ وقت برباد نہ کرو۔ فوراً وہ رہائش گاہ چھوڑ دو۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد نکلو۔ ہمارے جاسوس اپنی گاڑیوں میں تمہارے آس پاس رہیں گے۔"

"مجھے کہاں جانا چاہئے؟"

"فی الحال لمبی ڈرائیو کرتے رہو تاکہ ہم تمہارا تعاقب کرنے والوں کو ٹریپ کرسکیں۔"

وہ ایک دستی بیگ میں ضرورت کی چیزیں رکھنے لگا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد لبوڈا نے اس سے کہا "باہر جاؤ اور اپنی کار مسلسل ڈرائیو کرتے رہو۔"

وہ واشنگٹن میں تھا۔ اپنی کار میں بیٹھ کر مختلف سڑکوں سے گزرنا چاہتا تھا۔ لبوڈا نے کہا "شہر کی مصروف شاہراہوں پر تعاقب کرنے والے مشکل سے پہچانے جاتے ہیں۔ میامی کی شاہراہ پر چلو' اس ہائی وے پر فرہاد کے آدمی پہچانے جائیں گے۔"

وہ اس ہائی وے کی سمت جانے لگا۔ میں نے نائب سپر ماسٹر کو مخاطب کرکے کہا "اپنے ماسٹر اور لبوڈا سے کہو فرہاد آیا ہے۔"

تائب نے مخصوص سگنل کے ذریعے سپر ماسٹر ہولی مین اور جان لمبوڈا کو اطلاع دی۔ سپر ماسٹر نے کمپیوٹر کے ذریعے مجھے ہیلو کہا' میں نے جواباً کہا "جان لمبوڈا میری آمد کو خوب سمجھ رہا ہے اور سپر ماسٹر شاید تم بھی سمجھ رہے ہو۔"

سپر ماسٹر نے کہا "وقت ضائع نہ کرو۔ پہیلیاں نہ بجھواؤ' اپنی آمد کا مقصد بیان کرو۔"

"وقت تو اب ضائع ہوتا رہے گا سپر ماسٹر! تمہاری ایک ٹرانسفارمر مشین کو تباہ کرنے کے بعد ہم نے سوچا تھا کہ اب تمہارے ملک کی طرف نہیں دیکھیں گے' تمہیں مزید کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن لمبوڈا نے تھرپال کو میرے لئے موت کا فرشتہ بنا کر بہت بڑی حماقت کی ہے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہے۔ جان لمبوڈا کسی قاتل تھرپال سے واقف نہیں ہے۔"

"میں لمبوڈا کا جواب سننا چاہتا ہوں۔"

وہ کمپیوٹر کے ذریعے بولنے لگا۔ تائب اسکرین کے سامنے بیٹھا وہ تحریر پڑھ رہا تھا اور میں تائب کے دماغ سے پڑھتا جا رہا تھا۔ لمبوڈا نے کہا "مسٹر فرہاد! ہم تم سے چھیڑ چھاڑ کرنا نہیں چاہتے۔ تم اپنی جگہ خوش رہو' ہم اپنے ملک میں سکون سے ہیں۔ اگر کوئی تھرپال نامی قاتل تمہاری نظروں میں آیا ہے تو اس کے متعلق ہمیں کچھ بتاؤ۔ ہم اسے سزا دیں گے۔"

میں نے پوچھا "کیا تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میں تھرپال کو کس حد تک جانتا ہوں؟ کیا تم تھرپال کو دور بھگانے اور چھپانے کی کوشش نہیں کر رہے ہو؟"

یہ آخری فقرہ میں نے اندازے سے کہا۔ میرا خیال تھا جو فرمونا کے دماغ سے بھاگ گیا تھا وہ لمبوڈا کے پاس ضرور گیا ہوگا اور وہ اپنے خفیہ اور پُراسرار ٹیلی پیتھی جاننے والے کو پناہ دینے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

جان لمبوڈا میری اس بات پر بدحواس ہو گیا تھا کیونکہ تھرپال کو ہائی وے پر دوڑا رہا تھا' اس کی رہائش گاہ تبدیل کرا رہا تھا۔ لمبوڈا نے سنبھل کر کہا "جب تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم تھرپال کو جانتے ہو اور میں اسے کہیں چھپا رہا ہوں تو اس کے چھپنے سے پہلے اسے گولی کیوں نہیں مارتے؟"

"اسے گولی مارنے سے میرا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ میں اس کے ذریعے کہاں پہنچ رہا ہوں' جب یہ انکشاف ہوگا تو تمہارے اور سپر ماسٹر کے ہوش اڑ جائیں گے۔"

سپر ماسٹر نے کہا "ہمیں دھمکی نہ دو۔ دوستانہ طریقہ اختیار کرو۔ چند ماہ سے ہمارے درمیان صلح اور سکون تھا' تم پھر ہلچل پیدا کرنے کی کوشش کرنے آئے ہو۔"

میں نے کہا "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ چلو کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں چور ثابت کر کے تھرپال کے ساتھ تم دونوں کو جہنم میں پہنچاؤں گا۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اب وہ دونوں تشویش میں مبتلا ہو گئے ہوں گے۔ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہوگا کہ میں تھرپال کو ایک ذریعہ بنا کر ان دونوں کی خفیہ رہائش گاہوں تک پہنچ سکتا ہوں۔

آدمی اندیشوں میں گھر جائے تو تشویش میں مبتلا ہو کر پریشانی کے دوران کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے' ان سے بھی اب غلطی سرزد ہونے والی تھی۔ اس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ جان لمبوڈا نے تھرپال کے پاس جا کر کہا "فرہاد کو ہماری ایک ایک حرکت کا علم ہے' وہ جانتا ہے کہ میں تمہیں کہیں چھپانے کے لئے دور لے جا رہا ہوں۔"

تھرپال نے کہا "یہ رپورٹ فرہاد کو وہ لوگ دے رہے ہوں گے جو اس وقت میرا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"بے شک وہ تمہارا تعاقب کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ہائی وے پر کافی گاڑیاں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں وہ سہمے ہوئے ذہن سے سوچ رہے تھے کہ ان میں سے کسی نہ کسی گاڑی میں فرہاد کے ساتھی یا آلۂ کار موجود ہیں۔

جان لمبوڈا نے کہا "گاڑی واپس موڑ لو۔ کنگسٹن اسٹریٹ کے دسویں بنگلے میں جاؤ۔ وہاں ایک بوڑھے میاں بیوی ہیں' وہ تمہیں ایک خفیہ دروازے سے تہ خانے میں پہنچائیں گے۔ وہاں تم میک اپ کے ذریعے اپنا حلیہ و لباس بدلو گے اور میری طرح سیاہ فام نیگرو بن کر سُرنگ کے ذریعے آگے جاؤ گے پھر ایک دوسرے بنگلے میں پہنچ جاؤ گے۔"

اس نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔ وہ لمبوڈا کی ہدایت کے مطابق جا رہا تھا۔ لمبوڈا کہہ رہا تھا "میری بیٹی کانو وانا تمہیں یاد کرتی رہتی ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ تم نیگرو کے روپ میں ہو۔ اور آج اس سے کہیں ملنے والے ہو۔"

یہ میرا برسوں کا تجربہ ہے۔ لوگ گھبراہٹ اور پریشانیوں میں غلطیاں ضرور کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تھرپال بھیس بدل کر کبھی کانو وانا سے ملنے والا ہے لیکن آگے جا کر یہ سب کچھ معلوم ہونے والا تھا۔

○☆○

ایبے ڈیوڈ عرف ابوداؤد تنظیم "را" کا چیف اپنی کار میں بیٹھا دور حمیرا کی کوٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمیرا پہلے ہی دن سے اس کے دل و دماغ پر چھا گئی تھی۔ وہ اتنے اہم اور ذمے دار عہدے پر فائز تھا کہ عیاشی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا لیکن بعض اوقات سوچ اور سنجیدگی پر جذبات غالب آ جاتے ہیں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ حمیرا تک پہنچنے کے لئے گوشہ نشینی سے نکلنا پڑے گا۔ یا اسے اپنی خفیہ رہائش گاہ میں اغوا کر کے لانا ہوگا۔ دونوں ہی صورتوں میں بے نقاب ہونے کا اندیشہ تھا۔

کوئی حسینہ پسند آ جائے تو وہ کسی تیسری جگہ اس کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اس کے خاص ماتحت خفیہ طور سے اس کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ ایسے معاملات میں اس کا خاص رازدار جمشید رانا تھا۔ ابوداؤد نے کہا تھا کہ کبھی وہ مارا جائے یا بے نقاب ہو جائے تو فوراً ہی پاکستان چھوڑ کر چلا جائے گا پھر اس کی جگہ جمشید رانا سنبھال لے گا۔ جمشید خوش ہو کر اس کی جی حضوری میں لگا رہتا تھا اور حسین عورتوں کی دلّالی کرتا رہتا تھا۔

اس بار ابوداؤد نے کہا "میں حمیرا کو اپنے خیالوں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ نہیں نکلتی ہے۔ میں نے اسے نظر انداز کرنے کے لئے دوسری تیسری سے دل بہلایا لیکن یہ دل اُسی کے لئے مچل رہا ہے۔"

جمشید نے کہا "سر! حسین عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھتے آ رہے ہیں کہ حمیرا دوسری لڑکیوں سے مختلف ہے' وہ کسی کو اپنے سائے کے قریب بھی آنے نہیں دیتی ہے۔"

"اس کی یہی ضد میرے لئے چیلنج بن گئی ہے۔"

"بے شک جس کی طلب ہو اور وہ حاصل نہ ہو تو طلب میں شدت اور دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی دیوانگی آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"دیکھو جمشید! صرف حمیرا کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ ہمیں پہچان لے گی تو انتقاماً تنظیم کو نقصان پہنچائے گی۔ لہٰذا ایسی چال چلی جائے کہ وہ ہمیں پہچان نہ سکے۔"

"یعنی نقاب پوش بن کر اسے اغوا کیا جائے اور آپ نقاب میں رہ کر اُس کی تنہائی میں جائیں۔"

"ہاں' اسے اس کی کوٹھی میں ہی محصور رکھا جائے' یہ تاثر دیا جائے کہ اس کے تینوں باڈی گارڈز خرید لئے گئے ہیں۔ فون کا تار کاٹ دیا جائے۔ وہ اپنی کوٹھی سے باہر نہیں نکل سکے گی۔ اتنی احتیاط کے بعد بھی پہلے تم نقاب میں اس کے پاس جاؤ گے۔ میں کوٹھی سے ذرا دور حالات کا جائزہ لیتا رہوں گا۔ جب تم ٹرانسمیٹر کے ذریعے میدان صاف ہونے کا یقین دلاؤ گے تو میں کوٹھی کے اندر آؤں گا پھر اس حسینہ کی یہ قسم توڑ دوں گا۔ کہ وہ کسی مرد سے زیر نہیں ہوگی۔"

جو لوگ نہایت سنجیدگی اور دانائی سے اپنے کھیل کھیلتے رہتے ہیں' وہ عام طور سے حسن پرست ہوتے ہیں۔ ان کے ذہنی سکون اور تفریح کا ذریعہ عیاشی ہوا کرتی ہے۔ چونکہ عیاشی پردے میں ہوتی ہے اس لئے ان کی اصلیت کبھی بے پردہ نہیں ہوتی۔

منصوبے کے مطابق حمیرا کو کوٹھی میں محصور کر دیا گیا تھا۔ اس کی بے بسی کا پورا یقین ہو گیا تھا۔ یہ اندیشہ نہیں رہا تھا کہ اس کا کوئی یار و مددگار ہو سکتا ہے۔ ابوداؤد کو یقین تھا کہ آج وہ جوانی کی بارود سے بھرے ہوئے بدن کو حاصل کر لے گا۔

وہ اپنی کار میں حمیرا کی کوٹھی سے ذرا دور انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ جمشید رانا اس کے سامنے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوا تھا۔ وہ حفاظتی انتظامات کا جائزہ لینے گیا تھا۔ اس کے جانے کے چند سیکنڈ بعد کوئی دوسرا بھی اس احاطے میں داخل ہوا تھا۔ ابوداؤد نے ٹرانسیٹر کے ذریعے تینوں باڈی گارڈز سے رابطہ کرنا چاہا۔ کوٹھی کے چاروں طرف الرٹ رہنے والے باڈی گارڈز کی طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ ٹرانسمیٹر سگنل کے جواب میں ان کی خاموشی بتا رہی تھی کہ وہ موت کی خاموشیاں ہیں۔

پھر کوٹھی کے اندر سے جمشید رانا نے موبائل فون پر کہا۔ "راستہ صاف ہے' حمیرا یہاں اکیلی ہے۔ باہر ہمارے تینوں وفادار بہت ہوشیاری سے....."

ابوداؤد نے کہا "موت کے سامنے ہوشیاری کام نہیں آتی۔ باہر تینوں وفادار موت کی نیند سو گئے ہیں۔ تم باہر نکل کر دیکھو۔"

یہ کہہ کر وہ جمشید کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ کوٹھی سے نہیں نکلا۔ ابوداؤد کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہاں رخسانہ اور حماد (پارس) پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے جمشید کو بے نقاب کیا تھا۔ پھر وہ حماد کی پگلی ماں پہنچ گئی تھی۔ اداس پاگل مگر محبِ وطن خاتون نے کوٹھی کے اندر ہونے والے ڈرامے کا دل ہلا دینے والا ڈراپ سین کیا تھا۔ اس المیہ ڈرامے کی روداد میں تفصیل سے پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔

ابوداؤد نے دو منٹ تک انتظار کیا۔ جب وہ کوٹھی کے باہر نہیں آیا تو سمجھ میں آ گیا کہ کام بگڑ چکا ہے۔ دوسرا منٹ ختم ہونے سے پہلے ہی ایک گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ گولی محبِ وطن خاتون نے جمشید کی پیشانی پر ماری تھی۔

ابوداؤد فائرنگ کی آواز سنتے ہی کار اسٹارٹ کر کے ذرا دور چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا' جمشید نے شاید کسی مجبوری سے فائر کیا ہے ابھی کسی خطرے سے نمٹ کر آ جائے گا۔ لیکن وہ واپس نہیں آیا۔

دور جا کر رات کے سناٹے میں دوسری گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دوسری گولی خاتون نے اپنی پیشانی پر ماری تھی۔ کوٹھی کے اندر کیا ہو رہا ہے' یہ ابوداؤد کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ ادھر مردہ جمشید کی جیب سے فون سگنل کی آواز آ رہی تھی۔ پارس وہاں رخسانہ اور حمیرا کے ساتھ موجود تھا۔ جمشید اور بوڑھی خاتون کی لاش کو دیکھ کر کہہ رہا تھا "حمیرا! یہ دونوں لاشیں تمہارے لئے مصیبت بن جائیں گی۔ پولیس تھانے اور عدالتوں کے چکر میں پڑ جاؤ گی۔"

حمیرا بھی پریشان ہو کر یہی سوچ رہی تھی۔ اسی وقت موبائل فون نے انہیں متوجہ کیا۔ پارس نے آگے بڑھ کر اُس کی جیب سے فون کو نکالا۔ پھر بٹن دبا کر جمشید کی آواز بناتے ہوئے اور کراہتے ہوئے بولا "مم۔ مجھے گولی لگ گئی۔ لیکن میں نے بھی دشمن کو ہلاک کر دیا ہے' پلیز میرا انتظار کریں' میں آ رہا ہوں۔ مجھے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

دوسری طرف سے داؤد نے کہا "طبی امداد کے لئے اپنی گاڑی میں سرجن یوسف شہابی کے پاس جاؤ۔ میں بعد میں رابطہ کروں

گا۔"

پارس نے جلدی سے کہا "ٹھہرئے' یہ حمیرا کا کیا کروں' میں نے اسے نشانے پر رکھا ہے۔"

داؤد ذرا سوچ میں پڑگیا۔ پارس نے اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ یہ سارا جھگڑا حمیرا کے لئے ہوا تھا۔ اس جھگڑے میں اس کا حصول دشوار ہوگیا تھا اور اب آسانی ہی آسانی تھی۔ اس نے پوچھا "جمشید! رکاوٹ بننے کے لئے کون آیا تھا۔ تم نے کسے گولی ماری ہے؟"

پارس نے کہا "میرے سامنے اس کی لاش ہے میں اسے چہرے سے نہیں پہچانتا ہوں۔ میرے خیال سے یہ وہی طارق ہے جو صوفیہ کا محافظ بن کر رہتا تھا۔"

ابوداؤد نے کہا "جہاں گولیاں چل چکی ہیں وہاں میرا آنا مناسب نہیں ہے۔ تم بھی وہاں سے فوراً نکل جاؤ' حمیرا کو زندہ نہ چھوڑو' اسے گولی ماردو۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ اس دوران پارس فون پر بات کرتا ہوا چھپتا چھپاتا کوٹھی سے باہر آیا تھا اور دور تک نظریں دوڑا رہا تھا تاکہ اسے داؤد کی جگہ معلوم ہوجائے۔

کوٹھی کے احاطے کے باہر آتے ہی ابوداؤد نے رابطہ ختم کردیا تھا۔ رات کے سناٹے میں کار اسٹارٹ ہونے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ پارس نے ادھر دوڑ لگائی۔ گاڑی کی پچھلی سرخ روشنی حرکت میں آگئی تھی پھر وہ روشنی آگے جانے لگی' رفتار بڑھ رہی تھی۔ پارس بھی پوری تیز رفتاری سے دوڑتا جارہا تھا۔ پھر اس نے چھلانگ لگائی اور سڑک پر اوندھے منہ گرتے ہوئے ایک فائر کیا۔ اس کے ساتھ ہی پچھلا ایک پہیہ دھماکے سے پھٹ گیا۔ تیزی سے جانے والی کار یکلخت گھوم گئی۔ پکی سڑک چھوڑ کے کچے ڈھلان پر نہر کی طرف جاتے ہوئے ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

پارس سڑک پر سے اٹھ کر دوڑتا ہوا کار کے پاس آیا۔ اسٹیئرنگ سیٹ خالی تھی۔ ابوداؤد نہر میں چھلانگ لگا کر تیرتا ہوا دوسری طرف جارہا تھا۔ پارس نے بھی ریوالور کو جیب میں ٹھونس کر چھلانگ لگادی۔ تیرتے ہوئے اس کا تعاقب کرنے لگا۔

میں خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پارس کی موجودگی میں مجھے مداخلت کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے حمیرا کی سوچ میں کہا۔ "ہمیں یہاں سے فوراً جانا چاہئے۔ ورنہ پولیس والے مصیبت بن کر آجائیں گے۔"

حمیرا نے میری مرضی کے مطابق رخسانہ سے کہا "یہاں سے چلو۔"

رخسانہ نے کہا "رک جاؤ۔ حماد کو واپس آنے دو۔"

"حماد کے واپس آنے تک پولیس والے آجائیں گے۔"

"حمیرا! یہاں سے جانے کے باوجود تم پکڑی جاؤگی کیونکہ کوٹھی کے اندر دو لاشیں اور باہر تین باڈی گارڈز کی لاشیں پڑی ہیں۔ تم بے گناہ ہو' یہ قتل تم نے نہیں کئے ہیں۔ اس لئے حوصلہ سے پولیس والوں کا انتظار کرو۔"

حمیرا تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر آئی۔ رخسانہ پریشان ہوگئی۔ کوٹھی کی مالکن جارہی تھی' ایسے میں تمام قتل کے الزامات اس پر لگائے جاتے۔ وہ دوڑتی ہوئی اپنی کار کی طرف آئی۔ حمیرا اس وقت تک کار میں بیٹھ کر کوٹھی کے احاطے سے نکل گئی تھی۔ میں اسے آئی جی کے پاس لے جارہا تھا تاکہ اسے قانونی تحفظ حاصل ہوجائے۔

آئی جی اکبر درانی کی کوٹھی قریب ہی تھی۔ میں نے حمیرا کو وہاں پہنچاکر کہا "آپ اس کا بیان سنیں اور قانونی تحفظ دیں۔ یہ لڑکی ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ میں ابھی آؤں گا۔"

میں پارس کے پاس آیا۔ اس نے نہر میں تیرنے کے دوران ہی دشمن کو دبوچ لیا تھا۔ دونوں میں برابر کی جنگ جاری تھی۔ ابوداؤد یوگا کا ماہر اور اچھا فائٹر تھا۔ پارس کا ایک ہی فولادی ہاتھ کھا کر سمجھ گیا تھا کہ اس جنگ میں صرف بچاؤ کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ دوسرا ہاتھ برداشت نہیں کرپائے گا۔

اس نے لڑتے ہوئے پوچھا "جوان' تم کون ہو؟"

وہ خود کو چھڑا کر پانی میں ڈوبنا چاہتا تھا تاکہ پانی کے اندر ہی اندر چھپ کر نکل جائے۔ پارس نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر پانی کی سطح کے اوپر لاتے ہوئے کہا "میں تمہاری تنظیم کا حماد ہوں' کیا بھول گئے ہو ابوداؤد؟"

"نن.... نہیں۔ تم حماد نہیں ہو۔ وہ کبھی اتنا اچھا فائٹر نہیں رہا۔ تمہارے ہاتھ فولادی ہیں۔ مجھ سے سودا کرو۔ میں تمہیں مالا مال کردوں گا۔ ابھی ایک گھنٹے کے اندر ادائیگی کردوں گا۔"

"کیا ابھی مجھے ایک لاکھ روپے دے سکتے ہو؟"

"ایک لاکھ کچھ بھی نہیں ہیں' میں اس سے زیادہ دوں گا۔"

اُس نے اسی طرح بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر کنارے کی طرف لے جاتے ہوئے کہا "چلو۔ اگر تم نے دھوکا نہیں دیا اور مجھے رقم دی تو پھر تمہارے لئے بھی کام کروں گا۔"

وہ جھانسہ دے کر اسے کنارے پر لے آیا تاکہ مار پیٹ میں وقت ضائع نہ ہو۔ پھر کنارے پر آتے ہی اس نے ایک زوردار ہاتھ اس کے مُنہ پر رسید کیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ایسا ہی لگا جیسے لوہے کی سلاخ مُنہ پر پڑی ہو۔ ناک اور مُنہ سے خون نکلنے لگا تھا۔ وہ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔ پارس نے کہا "پاپا! شکار ہانپ رہا ہے' آپ کو دماغ میں آنے سے نہیں روک سکے گا۔"

میں ابوداؤد کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی سانس روکنے کی کوشش کی لیکن ہانپنے کی وجہ سے نہ روک سکا۔ میں نے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چیخ مار کر اچھلا اور نہر کے کنارے گھاس پر گر کر تڑپنے لگا۔

پارس اسے میرے حوالے کرنے کے بعد بولا "پاپا!...

آپ کوشش کریں کہ یہ حماد کی حیثیت سے مجھے بھول جائے' ورنہ مجھے حماد کے خول سے نکلنا ہوگا۔"

"اطمینان رکھو۔ یہ تمہیں بھول جائے گا۔"

پارس چلا گیا۔ ابوداؤد بڑا جی دار تھا۔ زلزلے کے پہلے جھٹکے سے سنبھل گیا تھا۔ میں نے دوسرا بڑا جھٹکا پہنچایا تو وہ ذبح ہونے والے بکرے کی طرح حلق سے آوازیں نکالنے اور تڑپنے لگا۔ اس کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ دماغ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میں اس کے خفیہ اڈوں اور اہم ماتحتوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگا۔

پھر میں نے آئی جی کو وہ تمام اڈے اور بڑے بڑے شریف مجرموں کے نام اور پتے بتائے اور کہا "ابھی وہاں ریڈ نہ کریں۔ کسی کو گرفتار بھی نہ کریں۔ میں ان کے چیف کو آپ کے پاس لا رہا ہوں۔"

جب تک میں یہاں آئی جی سے باتیں کرتا رہا' ادھر ابوداؤد سنبھلتا رہا۔ دماغ پھوڑا بن جائے تو تکلیف نہیں جاتی ویسے تکلیف کی شدت ختم ہوجاتی ہے' وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر نہر کے کنارے سے چلتا ہوا سڑک پر آگیا تھا۔

فائرنگ کی آوازوں نے اور کار کے حادثے نے سونے والے پڑوسیوں اور علاقے کے لوگوں کو جگا دیا تھا۔ پولیس والے آگئے تھے۔ ایک پڑوسی کی نشاندہی پر حمیرا کی کوٹھی میں گئے تھے۔ کچھ کار کی طرف آئے تھے۔ ابوداؤد ان سے دور نہر کے دوسری طرف تھا' کسی سپاہی کے روکنے ٹوکنے سے پہلے ایک رکشا میں بیٹھ کر جارہا تھا۔

دماغ اس قدر کمزور ہوگیا تھا کہ وہ میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کررہا تھا۔ خود کو سمجھا رہا تھا کہ دماغی توانائی بحال ہوگئی ہے۔ کوئی دماغ میں نہیں آئے گا اگر وہ آئے تو میں محسوس کرلوں گا۔

اس نے رکشے والے کو ماڈل ٹاؤن چلنے کے لئے کہا تھا۔ وہ اپنی خفیہ رہائش گاہ کی طرف جارہا تھا جو ہمارے لئے خفیہ نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنی کوٹھی میں چند ہتھیاروں کے علاوہ کچھ ایسی دوائیں بھی رکھی تھیں جو ضرر رساں تھیں۔ دشمنوں کو خاموشی سے ہلاک کرسکتی تھیں یا انہیں اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کرسکتی تھیں۔

میں اسے کوٹھی میں پہنچاکر وہ دوائیں کھلا کر اسے مزید کمزور بنا سکتا تھا لیکن اس کی موجودہ کمزوری بہت تھی۔ وہ میری مرضی کے مطابق اپنی خواب گاہ میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے تھپک تھپک کر سلا دیا۔

اس کے ساتھ آدھے گھنٹے تک مصروفیت رہی۔ میں اس پر عمل کرتا رہا اور وہ میرا معمول بنتا رہا۔ میں نے آخر میں ہدایت دی کہ وہ تنویمی نیند سے بیدار ہونے کے بعد یہ بھول جائے گا کہ اس کے دماغ میں کوئی آیا تھا اور کسی نے دماغی اذیتیں پہنچائی تھیں۔ اسے اتنا یاد رہے گا کہ نہر میں کسی سے مقابلہ ہوا تھا اور وہ اُس سے جان چھڑا کر آگیا تھا۔ نہ کسی نے اس کا تعاقب کرکے اس کی رہائش گاہ دیکھی ہے اور نہ ہی کوئی اس کے دماغ میں آسکتا ہے۔ یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے وہاں حماد کو دیکھا تھا۔

میں اسے تنویمی نیند سلا کر آئی جی کے پاس آیا۔ اسے بتایا کہ میں نے اس پر تنویمی عمل کیا ہے۔ آئی جی نے پوچھا "کیا اسے قانون کے حوالے نہیں کروگے؟"

میں نے کہا "وہ بھارت کی ایک خطرناک تنظیم کا مقامی چیف ہے۔ ایک بہت بڑے عہدے پر ہے۔ میں اس کے اندر رہ کر اس تنظیم کے اندر کی اہم باتیں معلوم کرتا رہوں گا۔ ہمیں ان غدار پاکستانی باشندوں کے چہرے نظر آئیں گے جو دولت حاصل کرنے اور امریکا کا گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی ملک کو کمزور بنانے میں مصروف رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اس طرح تمام غیر ملکی جاسوسی بھی ہماری نظروں میں رہا کریں گے۔ میں نے حمیرا کی روداد سن لی ہے۔ اس سلسلے میں کیا چاہتے ہو؟"

"آپ اس کی رپورٹ درج کرادیں۔ عدالت سے اس کی ضمانت حاصل کرلیں۔ اور رسمی طور پر پانچوں افراد کے قتل کی تفتیش کراتے رہیں۔ حمیرا کو پہلے کی طرح آزادی سے زندگی گزارنے دیں۔ وہ ہمارے بہت کام آئے گی۔"

پھر میں نے پارس کے پاس آکر اسے ابوداؤد اور حمیرا کے متعلق بتایا۔ اس نے کہا "پاپا! یہ اچھا ہوا۔ آپ اس کے اندر رہ کر اس تنظیم کے چیف رہیں گے۔ ان کا جوتا ان کے مُنہ پر ماریں گے۔ ویسے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا "یہودیوں کی تنظیم موساد دہلی میں ہے' اس کے جاسوس وہاں سے یہاں آتے ہیں۔ بھارت اور اسرائیل ایک دوسرے کے گٹھ جوڑ سے ہماری قوم اور حکومت کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ میری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ تم یہاں سے دہلی جاؤگے اور موساد تنظیم کی جڑیں وہاں سے اکھاڑ پھینکوگے۔"

"را" تنظیم کے اہم افراد نے جمشید رانا کی موت کا بہت اثر لیا تھا۔ وہ ابوداؤد کا دستِ راست سمجھا جاتا تھا۔ ادھر پچھلے دو چار دنوں سے تنظیم کے ایسے ہی اہم افراد قتل ہورہے تھے یا حادثے کا شکار ہوگئے تھے۔ اب یہ خیال قائم ہورہا تھا کہ تنظیم کے اہم فرد شمشاد علی کو حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ بلکہ ٹیلی پیتھی نے اسے ہلاک کیا تھا۔ حمیرا کی کوٹھی میں بیگم شمشاد اور جمشید رانا کا قتل اور تین باڈی گارڈز کی لاشیں بھی یہی یقین دلا رہی تھیں۔ اس لئے پاکستان میں اب زیادہ محتاط رہ کر کام کرنے کے سلسلے میں غور کیا جارہا تھا۔

دوسرے دن اس مقصد کے لئے ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا

گیا تھا۔ بھارت کی "را" تنظیم کے ہیڈ کوارٹر سے دلیش پانڈے نامی ہیڈ انچارج آیا تھا۔ اس ہیڈ انچارج دلیش پانڈے کو بھی یہ خوف تھا کہ فرہاد کہیں اس کے دماغ میں بھی نہ پہنچ جائے۔ ابوداؤد نے کہا تھا "میں یوگا کا ماہر ہوں' فرہاد میرے قریب بھی نہیں آسکتا۔ تم میری رہائش گاہ میں رہوگے اور تنظیم کے لئے مرنے والوں کے سلسلے میں تفتیش کروگے۔ پھر ہم فرہاد کے خلاف نئے منصوبوں پر عمل کریں گے۔"

اس تنظیم کے اعلیٰ عہدیداروں کو پورا یقین تھا کہ ابوداؤد کا دماغ میری خیال خوانی سے محفوظ ہے۔ اسی لئے دلیش پانڈے نئے منصوبے بنانے چلا آیا تھا۔ اس نے تاکید کی تھی کہ تنظیم کے بھی کسی فرد کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس دن کس فلائٹ سے لاہور پہنچ رہا ہے اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ کسی کے ہاں کھانا کھائے گا نہ پانی پیئے گا۔ ابوداؤد کا باورچی بھی یوگا کا ماہر تھا۔ اس پر بھروسا کیا جاتا تھا۔ کوئی خیال خوانی کرنے والا باورچی کے دماغ میں نہ جا سکتا تھا اور نہ ہی اس کے ذریعے اعصابی کمزوری کی کوئی دوا کھلا سکتا تھا۔

اس باورچی کو ٹریپ کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس نے دلیش پانڈے کے سامنے صحیح کھانا لا کر رکھا تھا۔ میں نے ابوداؤد کے ذریعے اس میں دوا ملادی جس کے نتیجے میں وہ کمزوری محسوس کرنے لگا۔ میں نے اس کے اندر پہنچ کر اسے اس کمزوری کا اظہار نہیں کرنے دیا۔ اس نے کھانے کے بعد میری مرضی کے مطابق ابوداؤد سے کہا "میں ذرا لیٹ کر سفر کی تھکن دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم شام کو اہم معاملات پر گفتگو کریں گے۔"

ابوداؤد اسے ایک بیڈ روم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اسے بستر پر پہنچا کر اس کے یوگا کی بھی ایسی کی تیسی کردی۔ اسے بھی اپنا معمول بنالیا۔ یہ سب کچھ بظاہر آسان نظر آرہا تھا لیکن کوئی کام آسان نہیں ہوتا۔ اسے آسان بنایا جاتا ہے۔ ابوداؤد اور دلیش پانڈے تک پہنچنے میں کئی مہینے لگ گئے۔ میں آیا تھا اپنے بہنوئی کے قاتل کو سزا دینے پھر ایک کے بعد ایک گرہ کھلتی گئی۔ ہمارے ملک میں یہودیوں کی منافع خوری' بھارت کی جاسوسی اور امریکا کی دوغلی پالیسی ظاہر ہوتی گئی اور میں الجھتے الجھتے اور معاملات سلجھاتے سلجھاتے آج "را" تنظیم کے دو خاص عہدیداروں تک پہنچا تھا۔

دلیش پانڈے تنویمی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اعصابی کمزوری اور تنویمی عمل کو بھول گیا۔ شام کو ابوداؤد کے ساتھ گفتگو شروع کرتے ہوئے بولا "حمیرا کی کوٹھی میں جو کچھ ہوا اس سے صاف ظاہر ہے کہ فرہاد اس لڑکی کے دماغ میں رہتا ہے۔"

ابوداؤد نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ خود حمیرا کا دیوانہ ہو کر اس کوٹھی میں جانے والا تھا اور اسے آنے والی موت جمشید رانا کو آگئی تھی۔ اس نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ یہ جمشید کی حماقت تھی۔ اگر وہ اپنی دیوانگی مجھے بتادیتا تو میں اسے حمیرا کے حصول سے باز رکھتا اور یہ تو میں اپنے خاص ماتحتوں کو سختی سے کہتا رہتا ہوں کہ کبھی کسی عورت کے چکر میں نہ پڑو لیکن افسوس دیوانے کبھی داناؤں کی بات نہیں سمجھتے۔"

"تم نے حمیرا کے سلسلے میں کیا کیا ہے؟"

"اپنی تنظیم کے تمام افراد کو تاکید کی ہے کہ وہ حمیرا سے دور رہیں اور اسے اپنی آواز بھی نہ سنائیں۔ آج کل یہاں کے آئی جی کی اس پر خاص توجہ ہے۔ ہمارے آدمی موقعے کی تلاش میں ہیں۔ اسے کہیں بھی گولی ماردی جائے گی۔"

"ہماری تنظیم میں حمیرا کے علاوہ بھی ایسے افراد ہوسکتے ہیں جو نادانستگی میں فرہاد کے آلۂ کار بن چکے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ لیکن ہم فرہاد کے کسی آلۂ کار کو پہچان نہیں سکتے اس لئے حمیرا کو بھی پہچان نہیں پائے تھے۔"

"تنظیم کے ہیڈ کوارٹر دہلی میں اس مسئلے پر بحث ہوئی تھی۔ وہاں سب کی متفقہ رائے یہ ہے کہ پاکستان میں تنظیم کو زیادہ پھیلایا نہ جائے۔ چند سراغ رساں فی الحال یہاں کام کریں' باقی تمام کو فارغ کردیا جائے۔"

"اور میری رائے یہ ہے کہ یہاں ہم میں سے کوئی نہ رہے۔ ہماری جگہ نئے لوگ آکر نئے طریقۂ کار سے کام کریں۔ فرہاد پرانے لوگوں کو تلاش کرتا رہے گا اور نئے لوگ خاموشی اور رازداری سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

"یہ اچھا آئیڈیا ہے لیکن پرانے وفاداروں میں تم سب سے اہم ہو۔ یہاں کے تمام معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ تمہیں یہاں رہنا چاہئے۔"

ابوداؤد نے کہا "میرا ایک دستِ راست ہے اس کا نام حماد علی ہے۔ بہت ہی باصلاحیت اور حاضر دماغ ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ چند ماہ کی ٹریننگ کے لئے دہلی ہیڈ کوارٹر میں جائے۔ وہ ٹریننگ کے بعد چیف کا عہدہ سنبھالنے کے قابل ہوجائے گا۔"

"تم اتنی پُرزور سفارش کررہے ہو تو حماد ضرور دہلی جائے گا۔ آج رات دس بجے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ ہوگا تو میں حماد کے لئے اجازت حاصل کرلوں گا۔"

دلیش پانڈے بھی میری مٹھی میں تھا۔ پھر بھلا اجازت کیسے حاصل نہ کرتا۔ اس نے بھی حماد کی تعریف میں اتنے گن گائے کہ اس نوجوان کو دہلی روانہ کردینے کا حکم مل گیا۔ وہ دونوں رات کے دس بجے کیپٹن شرما سے ٹرانسمیٹر پر باتیں کررہے تھے۔ میں ان کے درمیان موجود تھا۔ اور اپنے مطلب کی باتیں ان کی زبان سے کہلوا رہا تھا۔

کیپٹن شرما نے کہا "اگر حماد ایسا ذہین اور قابل ہے جیسا کہ بیان کیا جارہا ہے اور ایسا وفادار ہے جیسا کہ ریکارڈ سے ظاہر ہے تو اسے کل ہی فائنل ٹریننگ کے لئے بھیج دو۔"

ابوداؤد نے پوچھا "سر! وہ کہاں رپورٹ کرے گا؟"

"امرتسر میں رنجیت سنگھ کالونی میں مادام سروجنی کو حاضری دے گا۔ مادام سروجنی فیصلہ کریں گی کہ حماد دہلی ہیڈ کوارٹر میں ٹریننگ حاصل کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟"

ان کی گفتگو سے ظاہر تھا کہ حماد (پارس) کو مختلف آزمائشوں سے گزار کر دہلی جانے کی اجازت دی جائے گی۔ میں نے پارس کے پاس آکر اسے تفصیل سے تمام باتیں سمجھادیں۔ اس نے کہا "یہ لوگ تنظیم کے پرانے نمک خواروں کو فارغ کردیں گے اس کا مطلب ہے رخسانہ' ریحانہ اور دوسرے وہ لوگ جو ہماری نظروں میں آچکے ہیں' وہ اب بے کار مہرے بن چکے ہیں۔"

"ہاں "را" تنظیم کی بساط پر کچھ نئے مہرے آرہے ہیں۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔"

"پاپا! یہ رخسانہ میری حقیقت جانتی ہے کہ میں حماد نہیں ہوں۔ اسے اچانک چھوڑ کر جاؤں گا تو راز کسی کے سامنے بھی اگل دے گی۔"

"وہ ایسا نہیں کرے گی۔ آج رات میں اس پر عمل کرکے تمہیں اس کی یادداشت سے گم کردوں گا۔ وہ ایسے بھول جائے گی جیسے تم اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئے تھے۔ تم یہ باب بند کرو اور بابِ ہندوستان کھولو۔"

یہ طے پایا تھا کہ دلیش پانڈے حماد کو ساتھ لے کر یہاں سے امرتسر جائے گا۔ وہاں حماد کو مادام سروجنی کے سامنے پیش کرکے خود دہلی چلا جائے گا۔ روانگی سے قبل انہوں نے مادام سروجنی سے رابطہ کیا اسے بتایا کہ وہ شام چار بجے تک اس کی کوٹھی میں پہنچنے والے ہیں۔

دلیش پانڈے کے چور خیالات سے یہ معلوم ہوا تھا کہ مادام سروجنی بڑی سخت اور گرم مزاج ہے۔ پکی بدمعاش ہے۔ اسے شراب میں بلیک ڈاگ اور مَردوں میں جوان چھوکرے پسند ہیں۔ پولیس والے اس کی جی حضوری کرتے ہیں اور بڑے بڑے قاتل بدمعاش اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔

شراب سے شغل کرنے والی یوگا کا ہنر نہیں جان سکتی تھی۔ میں بڑی آسانی سے اس کے اندر پہنچ گیا۔ میں نے سوچا تھا' وہ جو بھی آزمائشی حربہ استعمال کرے گی' میں پارس کو اس سے آگاہ کردوں گا۔ سروجنی کے دماغ سے ان حربوں کا توڑ بھی معلوم کرلوں گا لیکن یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا۔

مادام سروجنی کے خیالات نے بتایا۔ وہ ایسی عورتوں اور مردوں پر ظلم و تشدد کرتی ہے جو بھارت کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ اس تنظیم میں یوگا جاننے والے بہت کم تھے اور جو تھے' ان کی اکثریت پاکستان میں تھی تاکہ وہ میری ٹیلی پیتھی کو بے اثر کرتے رہیں۔ اب امرتسر میں دو اور دہلی میں تین یوگا کے ماہر تھے۔ ابتدا میں پارس کا سابقہ ان سے ہی پڑنے والا تھا۔

ان میں سے ایک یوگا کے ماہر کا نام جلّاد سنگھ تھا۔ عورتوں کے معاملے میں بھی جلاد تھا' اسی لئے سروجنی سے گہرے تعلقات تھے۔ وہ جلّاد کے متعلق بہت کچھ جانتی تھی۔ اس کی سوچ نے یہ بتایا آج کل وہ سکھوں کے جذبۂ آزادی سے بہت پریشان تھا۔ وہ خود سکھ تھا لیکن بھارت سرکار کا وفادار تھا۔ آزادی کے لئے جنگ کرنے والے سکھوں کے خلاف جاسوسی کرتا تھا۔ جس کے نتیجے میں سکھ قوم کے افراد اسے لعنت وملامت کرتے رہتے تھے۔

چوں کہ وہ جاسوس تھا اس لئے کوئی سکھ اسے اپنے گھر کے دروازے پر دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جس گلی محلے سے گزرتا تھا۔ لوگ محتاط ہوجاتے تھے' ایسے میں وہ سرکار کے خلاف تخریب کاری کرنے والے سکھوں کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا لیکن وہ بڑا چالباز تھا۔ اس نے چند مخالف سکھوں کو خرید لیا تھا۔ وہ بظاہر مخالفت کرتے تھے اور درپردہ اس کے لئے مخبری کرتے تھے۔ خالصتان بنانے والی سکھ تنظیم کی آئندہ کارروائیوں کی رپورٹ جلاد سنگھ تک پہنچادیا کرتے تھے۔ وہ پوری سکھ قوم کی نظروں میں کانٹوں کی طرح چبھنے کے باوجود بڑی کامیابی سے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

جب پارس وہاں پہنچا تو سروجنی ایک صوفے پر جلّاد سنگھ کے پہلو میں بیٹھی بلیک ڈاگ پی رہی تھی۔ اس نے پارس کو سر سے پاؤں تک ایسے دیکھا جیسے بڑھاپا للچائی ہوئی نظروں سے جوانی کو دیکھتا ہے۔ وہ بولی "دلیش پانڈے تم نے شام چار بجے آنے کو کہا تھا۔ گھڑی دیکھو' آٹھ بج رہے ہیں۔"

دلیش پانڈے نے کہا "حماد کو سرحد پار کرانا تھا۔ میں پاسپورٹ سے آیا ہوں اور یہ غیر قانونی طور پر' اس لئے دیر ہوگئی۔"

وہ ناگواری سے بولی "تم جانتے ہو۔ یہ میرے پینے کا وقت ہے۔ اس جوان کو گیسٹ ہاؤس پہنچادو۔ میں رات کے کھانے پر ملوں گی۔"

جلاد سنگھ نے پوچھا "تمہارا نام حماد ہے؟"

پارس نے جواب دیا "ابھی مسٹر پانڈے نے مجھے حماد کہا ہے۔ کیا اونچا سنتے ہو؟"

وہ غرا کر بولا "شٹ اپ' جتنا پوچھا جائے اتنا ہی جواب دو۔"

"میں صرف اپنے سینئر کے آگے جوابدہ ہوں اور ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ میرا سینئر کون ہے۔"

وہ اپنا سینہ ٹھونک کر بولا "میں ہوں اور تم میرے ماتحت ہو۔"

پارس نے قہقہہ لگا کر کہا "تم میرے ماتحت بننے کے قابل نہیں ہو اور سینئر بننے کی بات کرتے ہو۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ دلیش پانڈے نے فوراً ہی درمیان میں آکر کہا "پلیز جلّاد سنگھ! یہ تمہیں جانتا نہیں ہے۔ اسے میں سمجھاتا ہوں۔"

وہ گرج کر بولا "تم سمجھائے بغیر اس گدھے کو کیوں لائے ہو؟"

"گدھے کی آنکھ سے دیکھو گے تو دوسرے گدھے ہی نظر آئیں گے"

"میں گدھے کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں؟ تو مجھے گدھا کہہ رہا ہے؟"

وہ اچھل کر آیا۔ راستہ روکنے والے دلیش پانڈے کو ایک ہاتھ مار کر ہٹایا۔ پھر اس نے پارس کو کراٹے کا ہاتھ مارا۔ وہ ہاتھ خالی گیا اس نے پینترا بدل کر دوسرا ہاتھ آزمایا۔ پھر تیسرا ہاتھ۔ اس کے بعد گھوم کر کک ماری۔ مادام سروجنی اور دلیش پانڈے دم بخود ہو کر دیکھ رہے تھے اور ہر حملے پر سوچ رہے تھے اس بار حماد نہیں بچے گا لیکن وہ بڑی صفائی سے بچ رہا تھا۔ بڑی مہارت سے اس کے حملوں کو ناکام بنا رہا تھا۔ خود حملہ نہیں کر رہا تھا۔ اسے تھکاتا جا رہا تھا۔

جلّاد سنگھ کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کا ایک ہاتھ کھانے والا خون تھوکنے لگتا ہے اور وہ ایک ہاتھ ہی مارنے کے جنون میں پاگل ہو رہا تھا۔ ہر ناکامی پر غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ دماغ پوری طرح گرم ہوتا جا رہا تھا۔ سروجنی کے سامنے ناکام اور کمتر ہونے کی توہین برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے باقاعدہ حملے ناکام ہونے لگے تو بے قاعدہ بے تکے حملے کر کے کسی طرح اسے ایک ہاتھ مار کر کم از کم ایک پوائنٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیا بدبختی آئی تھی کہ ایک پوائنٹ بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

وہ کئی بار حملہ کرنے کے نتیجہ میں دیوار سے ٹکرایا۔ کئی بار فلائنگ کک مارنے کی خوش فہمی میں اچھل کر فرش پر گرا اور ہر بار زخمی ہوتا رہا۔ چوٹیں لگتی رہیں۔ ہڈیاں تڑختی رہیں۔ مقابل سے مار کھائے بغیر لہولہان ہوتا رہا۔ جب سارے داؤ اور ہتھکنڈے آزما لئے اور وہ مقابل کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو ڈرائنگ روم کی چیزیں اٹھا اٹھا کر اُس کی طرف پھینکنے لگا۔ گلدان، کرسیاں، میز کی کوئی چیز نہیں چھوڑی اور کوئی چیز بھی پارس کے جسم کو چھو نہ سکی۔ اور یک طرفہ جنگ کا یہی نتیجہ اسے پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گیا ہے تو اس کے غصے سے کھولتے ہوئے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ایک بڑک ماری۔ پھر کہا "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے مار ڈالوں گا یا مر جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے دوڑتے ہوئے جا کر سر کو دیوار سے ٹکرایا، دھڑام کی آواز کے ساتھ ٹکرا کر پیچھے آیا۔ پھر آگے جا کر دیوار سے ٹکرایا اور اسی طرح پیچھے جا کر فرش پر پارس کے قدموں کے قریب گر پڑا۔

جلّاد سنگھ کے مسلح گارڈز بڑی دیر سے وہاں آئے ہوئے تھے انہیں سروجنی نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اس نے اور دلیش پانڈے نے ایسی جنگ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پارس صحیح سلامت کھڑا ہوا تھا اور اس پر حملے کرنے والا اور زبردست سمجھا جانے والا اپنے لہو میں ڈوبا ہوا اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ مادام سروجنی نے گارڈز کو حکم دیا۔ اسے اٹھا کر لے جاؤ۔ اور مرہم پٹی کرو۔"

وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے۔ سروجنی نے دلیش پانڈے سے کہا "تم پاکستان سے اچھا دانہ لائے ہو۔ یہ شہ زوری کے پہلو سے خوب ہے۔ اسے باقی پہلوؤں سے بھی آزمایا جائے گا۔ اسے میرے پاس چھوڑو اور تم جاؤ۔"

دلیش پانڈے چلا گیا۔ پارس نے سروجنی سے پوچھا "تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں شہ زور ہوں؟"

"تم نے ناقابلِ شکست سمجھے جانے والے شہ زور کو شکست دی ہے۔"

"میں نے کوئی زور نہیں آزمایا۔ اس پر حملہ نہیں کیا اس کے خلاف اپنی طاقت نہیں آزمائی پھر تم نے مجھے پہلوان کیسے مان لیا؟"

وہ مسکرا کر بولی "واقعی تم اپنی تکنیک سے بچتے رہے۔ تم نے اس پر ایک انگلی نہیں رکھی۔ پھر بھی وہ لہولہان ہو گیا۔ تم بہت چالاک اور پھرتیلے ہو۔"

وہ قریب آ کر اس کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی "باڈی بلڈر ہو۔ یہ چٹان جیسا جسم بتا رہا ہے کہ بہت طاقتور ہو، کسی کو دبوچ لو تو وہ پھڑپھڑا کر رہ جائے۔"

وہ ایک ہائے کے ساتھ اور قریب ہوئی۔ پارس نے دور ہو کر پوچھا "مائی! مجھے کام بتاؤ یا آرام کی جگہ بتاؤ۔"

وہ ایک دم سے بھڑک کر چیختی ہوئی بولی "کیا؟ تم نے مائی کس کو کہا ہے؟"

پارس نے کہا "یہاں اور تو کوئی نہیں ہے۔"

وہ پوری قوت سے چیخ کر بولی "میں تمہارا منہ توڑ دوں گی، فوراً معذرت چاہو اور مجھے مادام کہو۔"

وہ بولا "جب کوئی عورت مس (کنواری) نہیں رہتی اور کسی کی مسز بھی نہیں رہتی۔ اور جب وہ جوان نہیں رہتی اور بوڑھی کہلانا نہیں چاہتی تو اس کا بھرم رکھنے کے لئے اسے مادام کہا جاتا ہے۔ کیا میں بھی تمہارا بھرم رکھنے کے لئے مادام کہوں؟ اس انگریزی لفظ مادام کا ہندی ترجمہ مائی ہوتا ہے۔"

وہ غصے سے بپھر کر بولی "تم نے مجھے پھر مائی کہا، تم سؤر کے بچے....."

پارس نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے سے دونوں جبڑوں کو اپنے پنجے میں جکڑ لیا۔ پھر کہا "سؤر کا پنجہ نہیں ہوتا۔ دیکھ یہ شیر کے بچے کا پنجہ ہے۔"

سروجنی کے دیدے پھیل گئے۔ حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا، جبڑے کی ہڈیاں تڑخ رہی ہیں اور دانت ٹوٹ کر باہر آنے والے ہوں۔ پارس نے اسے چھوڑ دیا، اسے دھکا دے کر صوفے پر پھینکتے ہوئے بولا "دلیش پانڈے کو بلاؤ۔ میں اس کے ساتھ آیا ہوں۔ وہ صحیح معنوں میں انسان ہے۔ میں صرف اس کا حکم مانوں گا۔"

دلیش پانڈے نے دروازے پر آ کر کہا "شاباش حماد! تم ایسے کیڑے مکوڑوں کے ماتحت نہیں رہو گے۔ میری سرپرستی میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میرے ساتھ آؤ۔"

پارس اس کے ساتھ جانے لگا۔ سروجنی سہمی ہوئی صوفے پر پڑی تھی۔ اپنے منہ سے بہنے والے خون کو پونچھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی "حماد! میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔ یہ دلیش پانڈے تجھے میری کوٹھی سے لے گیا ہے لیکن امرتسر سے نہیں لے جا سکے گا۔

میں نے اس کے خیالات پڑھ کر پارس کو بتائے۔ وہ دلیش پانڈے کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ انٹیلیجنس کے دفتر کی طرف جا رہے تھے۔ پارس نے کہا "مسٹر پانڈے! آپ کو سروجنی کے خلاف میری حمایت نہیں کرنا چاہئے تھی۔ پنجاب کے لوگ ہند سرکار کے خلاف ہیں۔ سروجنی اور جلّاد سنگھ سکھ ہیں، وہ مجھ سے انتقام لینے کے لئے سکھوں کو میرے اور تمہارے خلاف بھڑکا سکتے ہیں۔"

پانڈے نے کہا "ایسا نہیں ہو گا۔ مادام سروجنی اور جلاد سنگھ تنظیم کے وفادار ہیں۔ آپس کی لڑائی میں وہ تنظیم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

میں پھر سروجنی کے پاس آیا۔ وہ ہیڈ کوارٹر کے اعلیٰ افسر کیپٹن ثریا کے نام حماد کے خلاف رپورٹ لکھ رہی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"پاکستان سے آنے والا نیا رنگروٹ نااہل ہے اس میں ذہانت نہیں ہے۔"

اس نے اتنا ہی لکھا تھا، آگے لکھنے والی تھی کہ میں اس سے لکھوانے لگا "اس نے یہاں آتے ہی جلاد سنگھ کو بری طرح زخمی کر دیا ہے۔ پھر میری عزت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ میں کسی طرح اس سے بچ گئی۔ دلیش پانڈے خواہ مخواہ اس کی حمایت کر رہا ہے۔ وہ غیر قانونی طور پر یہاں آیا ہے۔ ہم اسے پاکستانی جاسوس قرار دے کر گولی مار دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس اقدام سے اتفاق کریں گے۔ میں اپنی انسلٹ برداشت نہیں کروں گی۔ اگر آپ نے بھی پانڈے کی طرح حماد کی حمایت کی تو میں سکھوں کی بغاوت میں شامل ہو جاؤں گی۔ حماد اور پانڈے کو یہاں سے جانے نہیں دوں گی۔ مجھے آدھے گھنٹے کے اندر جواب دو۔"

یہ لکھ کر اُس نے اس تحریر کو فیکس کیا۔ پھر جواب کا انتظار کرنے لگی۔ فیکس مشین کے پاس ہی ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے امرتسر انٹیلیجنس کے چیف سے رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ پھر رابطہ ہونے پر بولی "میں سروجنی بول رہی ہوں، چیف کو بلاؤ۔"

چند سیکنڈ کے بعد چیف کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو مادام! میں حاضر ہوں۔ کوئی خدمت؟"

وہ بولی "دلیش پانڈے ایک مسلمان نوجوان کو میرے گھر سے لے گیا ہے، شہر کی ناکہ بندی کراؤ۔ ان دونوں کو شہر سے باہر نہیں جانا چاہئے۔"

"مادام! یہ دونوں میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ مسٹر پانڈے کا تعلق ہیڈ کوارٹر سے ہے۔ یہ میرے سینئر افسر ہیں۔ میں انہیں کہیں جانے سے نہیں روک سکتا۔"

"تم جانتے ہو۔ ہند سرکار مجھے خوش رکھتی ہے۔ کیوں کہ میں سکھوں کی آزادی کی تحریک کو مختلف ذرائع سے کچلتی ہوں۔ تم میرا حکم نہیں مانو گے اور مجھے ناراض کرو گے تو سرکار کا عتاب تم پر نازل ہو گا۔"

"مادام! بہتر ہے آپ یہ دھمکی مسٹر پانڈے کو دیں ان سے بات کریں۔"

پھر دلیش پانڈے کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو مادام! کیا کہہ رہی ہو؟"

وہ بولی "میں نے ہیڈ کوارٹر ایک رپورٹ فیکس کی ہے' اس کا جواب آنے تک اس شہر میں حماد کا رہنا ضروری ہے۔ تم اسے لے جاؤ گے تو میں اپنی قوم کے سکھ بھائیوں کی تحریک میں شامل ہو جاؤں گی۔ ہند سرکار سے پوچھو میں اور جلاد سنگھ پنجاب میں کتنے اہم ہیں۔"

"بے شک ہماری خفیہ تنظیم میں بھی تم دونوں کی اہمیت ہے تمہارا فرض ہے کہ تنظیم کی خاطر ذاتی جھگڑوں کو بھول جاؤ۔"

"اور تمہارا فرض ہے کہ تنظیم کو ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لئے حماد کو ہتھکڑیاں پہنا کر میرے پاس پہنچا دو۔"

"حماد کو میں لایا ہوں اسے بحفاظت ہیڈ کوارٹر پہنچانا میرا فرض ہے۔ ویسے فیکس کا انتظار کر لو۔"

دلیش پانڈے نے ریسیور رکھ دیا۔ آدھے گھنٹے بعد فیکس کا جواب موصول ہوا۔ لکھا ہوا تھا "مادام سروجنی! آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ میں اس فیکس کے ذریعے مسٹر دلیش پانڈے کو حکم دے رہا ہوں کہ وہ حماد کو آپ کے حوالے کر دے۔ آپ ابھی انٹیلیجنس آفس جائیں اور حماد کو قیدی بنا کر جہاں چاہیں لے جائیں' جو چاہیں اس سے سلوک کریں۔ ہم اسے پاکستانی جاسوس کہہ کر اس کیس پر مٹی ڈال دیں گے۔"

وہ اس حکم نامے کو پڑھ کر خوش ہو گئی۔ اسے تہ کر کے اپنے گریبان میں رکھا۔ آئینے کے سامنے آکر اپنا میک اپ درست کیا کیوں کہ قیدی حماد کو اپنے بیڈ روم میں لانے جا رہی تھی۔ جب آئینے نے بتایا کہ وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور جوان لگ رہی ہے تو گنگناتی ہوئی باہر آئی۔ پورچ میں اس کی کار تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کوئی نہیں جانتا تھا اس کا اگلا لمحہ زندہ ہو گا یا مردہ۔ اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی' ایک زبردست دھماکا ہوا۔ میں اس کے چیتھڑے ہونے والے دماغ سے نکل کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سروجنی یوں یک لخت نابود ہو جائے گی۔ کیا شان و شوکت سے جی رہی تھی۔ ہند سرکار کو اپنے مطالبے کے سامنے جھکا رہی تھی۔ نہ جھکنے کی صورت میں سکھوں کی بغاوت کو بھڑکا دیتی۔ مگر خلافِ توقع اس کی کار میں موت کے شعلے بھڑک گئے۔

میں نے پارس کو اس عورت کا انجام بتایا۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ چیف نے ریسیور اٹھا کر سنا۔ پھر کہا "یس سر! مسٹر پانڈے یہاں موجود ہیں۔"

اس نے ریسیور دیا۔ پانڈے نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ "میں پانڈے بول رہا ہوں سر!"

دوسری طرف سے کیپٹن شرما نے کہا "آنکھوں کے ساتھ ذہن بھی کھلا رکھا کرو۔ سروجنی کا دماغ چل گیا تھا وہ ایسے حکم دے رہی تھی اور بلیک میل کر رہی تھی جیسے دہلی کے تخت پر بیٹھی ہو۔ تمہیں اسی وقت قصہ تمام کر دینا چاہئے تھا۔ بہرحال میرے خاص ماتحت نے بتایا ہے کہ اس کا آپریشن کامیاب رہا ہے۔ کار کے دھماکے سے بے چاری مادام کے چیتھڑے اڑ گئے ہیں۔"

"سر! یہ تو کمال ہو گیا۔ اب نہ ہم بلیک میل ہوں گے اور نہ ہی سکھوں کی بغاوت کو تقویت ملے گی۔"

"آج ریڈیو اور ٹیلی وژن سے یہ خبر نشر ہو گی کہ ہند سرکار کی ایک فرض شناس لیڈی افسر سروجنی کو دہشت پسند سکھوں نے بم کے دھماکے سے ہلاک کر دیا ہے۔"

میں نے یہ باتیں پارس کو سنا کر کہا "یہ ہند کے سیاست داں ہیں' انہوں نے مادام سروجنی جیسی اہم اور خطرناک عورت کو بڑی آسانی سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا ہے۔ کیپٹن شرما کا اقدام اپنے طور پر درست ہے مگر تم ہوشیار رہو۔"

پارس نے وہ رات دلیش پانڈے کے ساتھ گزاری۔ دوسری صبح ائرپورٹ آئے۔ ہندو باشندے ٹرین کے ذریعے امرتسر سے دہلی وغیرہ جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ سکھ باغی ٹرینوں اور کاروں کو روک کر انہیں گولی مار دیتے تھے۔ ہندو مسافروں کی حفاظت کے لئے ٹرینوں میں مسلح فوج رہا کرتی تھی۔ پھر بھی دلیش پانڈے نے فضائی سفر کو ترجیح دی۔

ائرپورٹ پر مسلح فوجیوں کا سخت پہرا تھا۔ مسافروں کی سختی سے چیکنگ کی جاتی تھی۔ سکھوں کا یہ مذہبی دستور ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک کرپان (چھوٹا خنجر) رکھتے ہیں۔ انہیں اس کی قانونی اجازت بھی حاصل ہوتی ہے لیکن ائرپورٹ میں یہ ہتھیار رکھنے پر بھی پابندی تھی۔ سکھ مسافر فضائی سفر کے دوران کرپان سے محروم کروئے جاتے تھے۔

اتنی سختی اور احتیاط کے باوجود اندیشے ختم نہیں ہوتے تھے۔ ائرپورٹ کے عملے میں تمام سکھ ملازم تھے۔ یہ سمجھنا ممکن نہیں تھا کہ ان میں سے کون باغی ہے اور کس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے؟ کوئی بھی ملازم دھماکا خیز مادّہ چھپا کر کسی طیارے کو یا مسافروں سے بھرے ہوئے لاؤنج کو تباہ کر سکتا تھا۔ ایسے باغی تخریب کار ملازموں کو

تاڑنے کے لئے ہندو جاسوس وہاں گھومتے پھرتے تھے۔

پارس اور دلیش پانڈے اگرچہ خفیہ تنظیم کے قابلِ اعتماد بندے تھے۔ تاہم ان کی بھی تلاشی لی گئی۔ پارس جب تک اس شہر میں تھا اس کے لئے خطرہ تھا۔ جلاد سنگھ اس کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ وہ اسپتال سے گھر آگیا تھا اس کے جسم پر جگہ جگہ پٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔ اسے معلوم ہوا کہ سروجنی ماری گئی ہے اور حماد دہلی جا رہا ہے۔ اس نے اپنے حواریوں سے کہا "اسے زندہ نہ جانے دو۔ ائرپورٹ پہنچنے سے پہلے گولی مار دو۔"

ایک حواری نے کہا "میں اسے ائرپورٹ میں دیکھ کر آرہا ہوں۔"

جلاد سنگھ نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ ائرپورٹ کے ایک سیکورٹی افسر نے دوسری طرف سے پوچھا "ہیلو سیکورٹی افسر راجپال بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں جی؟"

"ست سری اکال۔ میں جلاد سنگھ بول رہا ہوں۔ ہند سرکار کا ایک بہت ہی اہم بندہ دلیش پانڈے ائرپورٹ کے لاؤنج میں ہے اس کے ساتھ ایک مسلمان جاسوس ہے۔ وہ تمہاری خفیہ تحریک کے خلاف جاسوسی کر رہا ہے۔ ان دونوں کو بھی ختم کر دو۔"

راجپال نے کہا "تمہاری انفارمیشن کبھی غلط نہیں ہوتی۔ پھر بھی پوچھ رہا ہوں' تم نے اچھی طرح اس مسلمان جاسوس کو پہچانا ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ ہم غلط بندے کو مار ڈالیں۔"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ یاد رکھو وہ بہت چالاک اور تیز طرار ہے اس سے کوئی مقابلہ نہ کرے' وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ اسے چھپ کر گولی ماری جائے گی۔ اسے ختم کرنے کے لئے ائرپورٹ میں دھماکا بھی کر سکتا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ کر اپنے ایک ماتحت کو بلایا۔ پھر پوچھا "تم دلیش پانڈے کو جانتے ہو؟"

"ہاں جی۔ چنگی طرح جانتا ہوں۔"

"اس کے ساتھ ایک مسلمان جاسوس ہے۔ فلائٹ سے پہلے دونوں کو ختم کر دو۔"

"سر! اسے گولی مارنے کا کوئی جواز ہونا چاہئے۔"

راجپال نے اپنی وردی کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹا سا بم نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا "اس بم کو اس مسلمان جاسوس کی طرف اچھالو گے تو وہ بے اختیار اسے کیچ کرے گا۔ اسی وقت تم اسے گولی مار دو گے تو ثابت ہو جائے گا کہ تم نے اس کے پاس بم دیکھ کر اسے ہلاک کیا ہے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو وہ مسافروں کو ہلاک کر دیتا۔"

ماتحت نے کہا "سر! میں یہ بم اس کی طرف اچھالوں گا اور وہ کیچ نہیں کرے گا تو یہ فرش پر گر کر پھٹ جائے گا۔"

"تم گدھے ہو۔ یہ دیوالی کا پٹاخہ نہیں ہے کہ زمین پر گر کر پھٹ جائے گا۔ یہ لو۔"

اس نے بم ہاتھ میں لے کر کہا "سر! یہ پھٹ سکتا ہے۔ آپ گھڑی دیکھیں دن کے ٹھیک بارہ بجے ہیں اور ہم سکھ لوگ بدنام ہیں کہ بارہ بجے ضرور کوئی حماقت کرتے ہیں۔"

"احمق ہو تم۔ یہ بم میری طرف اچھالو میں اسے کیچ کر کے دکھاتا ہوں۔ کم آن اچھالو۔"

ماتحت نے وہ بم اس کی طرف اچھالا۔ میں نے پھرتی سے ماتحت کے ہولسٹر سے ریوالور نکلوا کر گولی چلا دی۔ گولی راجپال کے سینے میں لگی وہ لڑکھڑا کر پیچھے کرسی سے ٹکرا کر گر پڑا۔ پھر اس کے دیدے پھیل گئے۔

ماتحت بوکھلا گیا تھا۔ کتنے ہی سیکورٹی گارڈ گنیں لئے وہاں دوڑتے ہوئے آئے۔ میں نے ماتحت کی سوچ میں کہا "اگر میں گھبراؤں گا تو قاتل سمجھا جاؤں گا۔"

ایک گن مین نے پوچھا "کیا تم نے ہمارے افسر کو گولی ماری ہے؟"

وہ میری مرضی کے مطابق بولا "ہاں۔ افسر کے مردہ ہاتھ کو دیکھو۔ یہ اپنی وردی میں بم چھپا کر لایا تھا اور اسے مسافر لاؤنج میں بلاسٹ کرنے کا حکم دے رہا تھا۔"

فائرنگ کے باعث وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اطمینان دلایا جا رہا تھا کہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ایک مجرم کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس ماتحت کو قانونی کارروائی کی لئے

حراست میں لیا گیا تھا۔ ایک اعلیٰ افسر اسے شاباشی دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تم نے مسافروں اور یہاں کے عملے کی جانیں بچائی ہیں۔ تمہیں ضروری کارروائی کے بعد رہا کردیا جائے گا۔"

جلاد سنگھ کو جس طرح پارس نے ہلکان کیا تھا اس کے پیشِ نظر جلاد سمجھ رہا تھا کہ حماد اس کے ماتحتوں سے بھی بچ نکلے گا۔ وہ قسم کھا چکا تھا کہ اسے بچ کر نہیں جانے دے گا۔ اس نے سیکورٹی افسر راجپال کو یہ ذمہ داری سونپ کر اطمینان حاصل نہیں کیا تھا۔ بے چین ہو کر خود گھر سے نکل پڑا تھا۔ ایک بیگ میں اس کے ضروری کاغذات اور ریوالور وغیرہ تھے۔ اسے ہنگامی فرائض ادا کرنے کے لئے امرتسر سے دہلی تک سفر کرنے کی اجازت تھی۔ طیاروں کی ہر پرواز میں اس کے اور دوسرے فوجیوں کے لئے دس سیٹیں ریزرو رہا کرتی تھیں۔

جلاد سنگھ اس پہلو سے سوچ رہا تھا کہ مادام سروجنی خفیہ تنظیم کی ایک اہم عہدیدار تھی۔ اس کی موت پر دیش پانڈے کو یہاں رکنا چاہئے تھا لیکن سروجنی کے کریا کرم سے پہلے ہی وہ جا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سروجنی کی موت سرکاری پالیسی کے مطابق ہوئی ہے۔

جلاد سنگھ کو جو دوسری بات غصہ دلا رہی تھی وہ یہ تھی کہ ایک نئے مسلمان رنگروٹ کے باعث وہ زخمی ہوا تھا اور اس رنگروٹ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ ان حالات کو دیکھ کر وہ ہند سرکار سے نفرت کر رہا تھا۔ وہ سروجنی کی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب سکھ تحریک میں شامل ہو کر ہی سرکاری قاتلوں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

اس نے روانگی سے پہلے سکھ تحریک کے سربراہ کو فون پر کہا "تمہارے دو بڑے کارکن دہلی سنٹرل جیل میں ہیں۔ اگر میں انہیں رہائی دلاؤں تو کیا مجھے ہند سرکار کے خلاف پناہ دو گے؟"

"جلاد سنگھ! ہماری تحریک کو تمہارے جیسے دلیر آدمیوں کی ضرورت ہے' دہلی سنٹرل جیل میں ہمارے اہم کارکنوں کی تعداد پچیس ہو گئی ہے۔"

"میں پچیس کو رہائی دلاؤں گا۔ انتظار کرو۔"

اس نے ائرپورٹ پہنچ کر اپنا شناختی کارڈ دکھایا۔ اس کے لئے دہلی جانے والی فلائٹ میں سیٹ مخصوص ہو گئی۔ سیکورٹی گارڈز نے اس کے ریوالور پر اعتراض نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ بہت بڑی سرکاری تنظیم کا ایک اہم افسر تھا۔ وہ جہاں سے گزرتا گیا۔ مسلح فوجی اسے سلام کرتے رہے۔

طیارے میں چار فوجی جوانوں کی سیٹیں آگے تھیں اور چھ فوجی جوان پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی تمام درمیانی سیٹوں پر تھے۔ جب طیارہ پرواز کرنے لگا تو وہ سیٹ بیلٹ کھول کر اٹھ گیا۔ ٹہلنے کے انداز میں سیٹوں کے درمیانی راہداری سے گزرنے لگا۔ آگے راہداری کے سرے پر پارس اور دیش پانڈے بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

وہ ٹہلتا ہوا سامنے آیا تو پارس سے نظریں ملیں۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور کر دیکھنے لگے۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی جلاد کو یوں لگا جیسے سانپ آنکھیں ملا رہا ہو۔ یہ پارس کی فطرت بن گئی تھی۔ وہ سانپ کی طرح پلکیں نہیں جھپکاتا تھا۔ ان آنکھوں میں ایسی زہریلی کشش تھی کہ جلاد نے فوراً نظریں پھیر لیں۔

وہ پلٹ کر پائلٹ کیبن کی طرف جانے لگا۔ سوچنے لگا "یہ دشمن پُراسرار قوت کا مالک نظر آ رہا ہے۔ کم بخت نگاہوں سے ڈس رہا تھا۔ میری جگہ کوئی کمزور دل کا آدمی ہوتا تو اس کے قدموں پر گر پڑتا۔ نہ جانے کتنی حسینائیں اس پر مرتی ہوں گی مگر آج تو یہ مرے گا۔"

وہ دروازہ کھول کر کیبن میں آیا۔ وہاں پائلٹ اور کو پائلٹ اپنی ڈیوٹی میں مصروف تھے۔ جلاد سنگھ نے کہا "ہیلو کیپٹن!"

کو پائلٹ نے کہا "ہیلو آفیسر! یہ پرواز کیسی لگ رہی ہے؟"

"اچھی ہے۔ اگر یہ طیارہ اسی طرح پرواز کرتے ہوئے جالندھر کے رن وے پر اتر جائے۔"

"اوہ نو آفیسر۔ یہ تو ڈائریکٹ دہلی کی فلائٹ ہے۔"

جلاد سنگھ نے ریوالور نکال کر پائلٹ کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا "یہ میرا حکم ہے۔ جالندھر میں لینڈ کرو گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "آفیسر! آ... آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟"

"وہی کر رہا ہوں جو دیکھ رہے ہو۔ کنٹرول ٹاور سے رابطہ کرو۔"

رابطہ ہو گیا۔ پائلٹ نے یہ بری خبر سنائی کہ طیارہ ہائی جیک کیا جا رہا ہے اور حیرانی کی بات ہے کہ ایک سرکاری افسر ایسا کر رہا ہے۔ افسر نے ایک ہاتھ مائیک لے کر کہا "میں جلاد سنگھ آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔ وارننگ دے رہا ہوں۔ اگر طیارے کو جالندھر میں نہ اتارا گیا تو ایک بھی مسافر زندہ نہیں ملے گا۔"

ٹاور سے کہا گیا "تم ایک ذمہ دار افسر ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔ آخر اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟"

"یہ جالندھر پہنچ کر بتاؤں گا۔ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ ورنہ....."

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات ستائیسویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو 15 مارچ 1993 کو شائع ہو گا

شاطر
قیمت فی حصہ ۲۰ روپے
دو حصے مکمل
ڈاک خرچ ۱۰ روپے
شاطر ایک ایسے نوجوان کی حشر انگیز داستان ہے جس نے تاریک گلیوں میں جنم لیا اور بے رحم معاشرے کی ٹھوکروں پر
عالی شان محلوں تک پہنچ گیا ○ وہ جوان ہوا تو شاطر بن گیا۔ ایک السا فتنہ جس کے کاٹے کا منتر نہیں تھا۔ جس کی عیاری اور فتنہ گری
سامنے شیطان بھی پناہ مانگتا تھا ○ وہ عجیب فطرت کا مالک تھا کہ بیک وقت فرشتہ بھی تھا اور شیطان بھی! ○ وہ مجرم بھی تھا
معصوم بھی ○ وہ اپنے دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر مارتا تھا اور اس کا دل کسی کی معمولی خراش پر تڑپ اٹھتا تھا ○ وہ رحم و مروت کی تصویر
○ وہ قہر و غضب کا دیوتا تھا ○ وہ ابلیس کا اوتار تھا ○ وہ روشن مینار تھا ○ وہ جرائم کا بادشاہ تھا اور معاشرے کا معزز فرد
○ غرض وہ ایک منفرد شخصیت کا مالک تھا۔ بیک وقت مثبت اور منفی جذبوں کا حیرت انگیز امتزاج تھا ○ اس کے پیر میں چکر تھا
دنیا اس کے قدموں تلے تھی ○ وہ جہاں جاتا تہلکہ مچا دیتا ○ اس نے اسرائیل کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور امریکی سی آئی اے کو تگنی کا ناچ
رہا۔ مافیا جیسی تنظیم اس کے تعاون کی طلب گار تھی ○ پھر اس کی ملاقات ایک خوبصورت لڑکی سے ہوئی جو اسی کی طرح
ستائی ہوئی تھی ○ وہ اس سے بھی چار ہاتھ آگے تھی۔ رستم چلتوں کے کان کترتی تھی ○ وہ دونوں پارٹنر بن گئے اور ہنگاموں کا
نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ○ وہ دونوں بھیس بدلنے کے ماہر تھے اور اداکاری ان کے گھر کی لونڈی تھی۔
شاطر
ایک ایسی دلچسپ، ہنگامہ آرا اور سنسنی خیز داستان ہے جس میں قدم قدم سسپنس اور سطر سطر قیامت
آج ہی طلب فرمائیں
واحد تقسیم کار